Regd. No. L. 1872 January 1942 Established 190

The ISMAT, Delhi.



مصوّرِ غم حضرت علامہ راشد الخیری کی تصانیف

تاریخ و سیرت

آمنہ کا لال
سیدہ کا لال
الزہرا
نوبت پنج روزہ یا وداعِ ظفر
وداعِ خاتون
[illegible]ین کا دم واپسیں
دلی کی آخری بہار
بزمِ رفتگاں
داستانِ پارینہ

مذہبی مضامین

[illegible] نسواں
[illegible] حقیقی
[illegible]
[illegible]
[illegible] اسلام

سیاسی صحافی سیاحتی مضامین

سیدِ مغرب
عالمِ تمدن
عالمِ نسواں
سیاحتِ ہند

مضامین کے متفرق مجموعے

برودتِ مشرق
گندی میں لعل
مسلمان عورت کے حقوق
نالۂ زار
بلبلِ بیمار
سامانِ موہنی
شادی کا انتخاب
[illegible] ہستی
[illegible] کی آخری دن
[illegible] مغرب
[illegible]

اصلاحی معاشرتی ناول

حیاتِ صالحہ
منازلُ السائرہ
صبحِ زندگی
شامِ زندگی
شبِ زندگی
نوحۂ زندگی
طوفانِ حیات
جوہرِ قدامت

اسلامی تاریخ بطرز ناول

ماہِ عجم
عروسِ کربلا
یاسمینِ شام
محبوبۂ خداوند
تیغِ کمال
شہنشاہ کا فیصلہ
منظر طرابلس
شاہین و دُرّاج
دُرِّ شہوار

ڈرامے یا افسانے

[illegible]
[illegible]
داماں [illegible]

نظموں کے مجموعے

رودادِ قفس
گرفتارِ قفس

ادبِ لطیف و انشا

قلبِ حزیں
لڑکیوں کی انشا
سسکتی ہوئی پتیاں

لڑکیوں کا نصاب [illegible]

اصلاحی معاشرتی افسانے

بنتُ الوقت
سرابِ مغرب
فسانۂ سعید
صوفیۂ نقشہ
تنہا شیطانی
سات روحوں کے اعمال نامے
غدر کی ماری شہزادیاں
سبز بخت
ستونتی
سوکن کا جلاپا
مودودہ
تفسیرِ عصمت
انگوٹھی کا راز
منازلِ ترقی
بچپنے کا کرتہ
ویدیا کی سرگزشت
بہارِ عالم

مختصر افسانوں کے مجموعے

جوہرِ عصمت
سیلابِ اشک
طوفانِ اشک
قطراتِ اشک
[illegible]
نسوانی زندگی
گلدستۂ عید
گوہرِ مقصود
گردابِ حیات
بساطِ حیات
نورا اور انسان
نشیب و فراز

عصمت

کھانا پکانے کی مستند کتابیں

عصمتی دسترخوان
مشرقی مغربی کھانے
عصمتی ہنڈکلیا
ناشتہ
بچوں کے کھانے
بیماروں کے کھانے
نیا قیمہ کھانے

دیگر تصانیف محترمہ آمنہ نازلی

دولت پر قربانیاں دلانے
تاریخی لطیفے
عقل کی باتیں
ہنسی کی باتیں

تصانیف منشی پریم چند

دودھ کی قیمت (افسانے)
روحانی شادی (ڈراما)

تصانیف رازق الخیری

وداعِ راشد
عصمت کی کہانی

تصانیف مولانا سیماب اکبرآبادی

زمانۂ لبستہ (۲ حصے)
آفتابِ زندگی
[illegible]

خانہ داری کی بہترین کتب

عصمتی کروشیا
عصمتی کشیدہ
گلزارِ درخشاں
گلدستۂ کشیدہ
گلشنِ زہرہ
چمنستانِ خیالی سوئی کا کام
گلستانِ خیالی
موتیوں کا کام
سلمہ ستارہ کا کام
اونی کام سلائیوں سے
گوٹہ کناری کا کام
جالی کا کام
تارکشی کا کام
گلدستۂ تارکشی
کراس اسٹچ ورک
جوہرِ نسواں (راشد الخیری نمبر)
ضمیمہ سوزن کاری
خواتین کی دستکاریاں
لکڑی کا بائیک کام
وصلی کا کام

عورتوں کی خاص کتابیں

تصانیف محترمہ خاتون اکرم

جمالِ ہمنشیں
گلستانِ خاتون (افسانے)
بیگم و [illegible]
بچھڑی بیٹی

تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا

مشیرِ نسواں یا زہرہ
سرگزشتِ ہاجرہ
تحریر النسا
موہنی

تصانیف محترمہ ملقیس بیگم (وہ)

خانہ داری کے تجربات
مفیدِ نسواں

تصانیف محترمہ حجاب امتیاز

ادبِ زریں
نغماتِ موت

تصانیف محترمہ [illegible]

پھول [illegible]
شہزادی [illegible]

رسالہ عصمت دہلی

چونتیسواں ۳۴ سال	بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۲ء	جلد ۶۸ نمبر ۱

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی - مع محصول ڈاک چار روپے — ممالک غیر سے دس شلنگ

قسم خاص — اعلیٰ کاغذ کا اڈیشن دس روپے — رؤسا سے پچیس ۲۵ روپے

والیان ریاست سے نو سو روپے — ممالک غیر سے ایک پونڈ — فی پرچہ ایک روپیہ

رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وہیلر کے بک اسٹال پر بھی ۵ ر میں ملتا ہے۔

باہتمام رازق الخیری اڈیٹر پرنٹر پبلشر۔ محبوب المطابع دہلی میں چھپا

چند باتیں

۱۹۴۱ء رخصت ہوا اور اب ۱۹۴۲ء کا دور دورہ ہے یہ نیا سال تمام عصمتی بہنوں کو ان کے بزرگوں اور عزیزوں کی سلامتی میں مبارک ہو۔

۱۹۴۱ء میں عصمت نے طبقہ نسواں اور اردو ادب کی خدمات میں جو حصہ لیا اس پر مفصل تبصرہ کی ضرورت نہیں عصمت نے اپنے فرائض کس حد تک پورے کئے اس کا تھوڑا بہت اندازہ محترمہ جمیلہ بیگم صاحبہ کلکتہ کے مضمون سے کیا جا سکتا ہے جو اس پرچہ میں شائع ہو رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ۱۹۴۱ء کی آخری سہ ماہی میں عصمت کی وہ شان نہ رہ سکی جسے قائم رکھنے کے لئے پچھلے دو سال میں کئی ہزار روپیہ کا نقصان اٹھانا پڑا لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کاغذ کے قحط کے باوجود جس نے بڑے بڑے کامیاب پرچوں کی زندگی خطرہ میں ڈال دی عصمت کے کسی ایک ماہ کے پرچہ کی اشاعت میں ایک دن کی بھی تاخیر نہیں ہوئی۔ سوا دو روپیہ رم کا کاغذ تیرہ چودہ روپیہ رم میں ڈھونڈا ضرورت کے مطابق نہیں مل رہا مگر مضامین کی شان وہی ہے جو پہلے تھی اور مضامین کے اعتبار سے ۱۹۴۱ء بھی عصمت کا ایک نہایت کامیاب سال ہے لیکن کاغذ کا قحط ہمارے اختیار سے باہر ہے اور اب جاپان کی جنگ چھڑنے کے بعد ۱۹۴۲ء میں کاغذ کی فراہمی میں کیا کیا مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

خواتین ہند کے محسن اعظم حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ ۳ فروری ۱۹۳۶ء کو اس دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ فروری کے عصمت میں ہر سال علامہ مغفور کی یاد میں مضامین اور نظمیں شائع کی جاتی ہیں جو خواتین اور حضرات علامہ مغفور کی یاد میں مضامین اور نظمیں روانہ فرمانا چاہیں۔ ۱۰ جنوری تک بھیج دیں۔ (رازق الخیری)

تہنیتِ سالِ نو

مسعود اور مبارک یہ سالِ نو ہو عصمت
ہو دن بدن ترقی بس اوج پر ہو قسمت
عصمت تجھے مبارک قوم و وطن کی خدمت
ہے عورتوں کے حق میں گویا تو ایک نعمت
مسعود اور مبارک یہ سالِ نو ہو عصمت

یہ سالِ نو کچھ ایسی فصلِ بہار لائے
یہ کشتِ اتحادی سرسبز کر دکھائے
ہو اتفاق ایسا ہر اک کو رشک آئے
اہلِ وطن ہوں شاداں اپنے ہوں یا پرائے
مسعود اور مبارک یہ سالِ نو ہو عصمت

ایسی فضا الٰہی سالِ جدید لائے
روحانیت بڑھائے نفسانیت گھٹائے
بادِ سحر جو آئے دل کی کلی کھلائے
ہو ختم جنگ جرمن دشمن بھی منہ کی کھائے
مسعود اور مبارک یہ سالِ نو ہو عصمت

یہ سالِ نو مبارک تیرے مدیر کو ہو
اُن سب کو بھی مبارک مضموں نگار ہیں جو
ہو سالِ نو مبارک ہر عصمتی بہن کو
ہم سب کی اب بر آئے جو دل کی آرزو ہو
مسعود اور مبارک یہ سالِ نو ہو عصمت

خودداری کا یہ جذبہ عورت میں ہے بڑھاتا
ایمان کی بھی اکثر تبلیغ ہے یہ کرتا
ہر دلعزیز عصمت ہے یہ قمر کو کہنا
یہ پالیسی کسی کی خاطر سے مت بدلنا
مسعود اور مبارک یہ سالِ نو ہو عصمت

(نواب) قمر جہاں بیگم۔ لکھنوی

عصمت سنہ ۱۹۴۱ء میں

اس پرچے سے سنہ ۱۹۴۲ء کا آغاز ہو رہا ہے۔ نیا سال عصمت ایڈیٹر عصمت اور سب عصمتی بہنوں کو مبارک ہو
اور جنگ کے خوفناک۔ بھیانک اور تاریک بادل جو ہر طرف مصیبتیں اور پریشانیاں پھیلا رہے ہیں اور ہر طرف روح فرسا
اور ناگوار اثرات کے ذمہ وار ہو رہے ہیں۔ خدا کرے جلد دور ہو جائیں۔

ان حالات نامساعد اور حوصلہ شکن کا عصمت نے جس طرح مردانہ وار مقابلہ کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔
کاغذ کی انتہائی گرانی نے دنیائے میں ایک تہلکہ مچا دیا ہے۔ بے شمار کثیر الاشاعت اخبارات اور رسالے اس ناگوار
کشاکش سے تنگ آکر بند ہو رہے ہیں۔ مگر حضرت مولانا راشد الخیری غفرلہ کی یہ یادگار طبقۂ نسواں کی بہبودی اور زبان
اُردو کی خدمت میں اسی طرح مصروف ہے جس طرح اب سے دو سال قبل بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مجموعی خصوصیت کے
لحاظ سے اور بھی بڑھا چڑھا ہوا ہے۔ مُلکی اور غیر مُلکی۔ سیاسی اقتصادی معاشرتی اور تمدنی مسائل پر اعلیٰ تعلیم یافتہ عورتوں
اور مردوں کے بہترین مضامین اس میں شائع ہوتے ہیں۔ ہندی اور اُردو کے پریشان کن جھگڑوں کو اس نے ایسے حُسن و
خوبی سے حل کیا ہے کہ شائد کسی مردانے رسالے میں بھی وہ آزاد اور بے تعصّب ہم خیالی ملنی ممکن نہ ہوگی۔ مضمون
نگار خواتین بلا امتیاز مذہب و ملّت اس میں دلچسپی لے رہی ہیں۔ اور ہندو بہنوں کے اُردو مضامین اور اُردو شاعری
کے بہترین نمونے اس میں پائے جاتے ہیں افسانوں کا معیار بھی اس قدر بلند ہے۔ کہ اکثر مردانہ ادبی رسائل کے بہترین
افسانوں سے ان کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ خانہ داری کے معاملات پہ جو ہر طرح عورتوں کا نجی معاملہ ہے۔ ہمیشہ زیادہ
سے زیادہ مضامین شائع کر کے اس امر کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتا رہتا ہے۔ تاکہ ہم ہر بات میں جس طرح دوسروں پہ
تکیہ کرنے کے عادی ہو گئے۔ کہیں اس اہم اور ضروری معاملہ میں بھی دوسروں کی محتاج نہ ہو جائیں اور خانہ داری کو
پس پشت ڈال کر صرف سیر و تفریح اور دوسری ہنگامی دلچسپیوں میں محو نہ ہو جائیں۔ عورت کا سب سے بڑا جوہر اسکی
سلیقہ مند خانہ دار زندگی ہے جہاں سے قوم کا شیرازہ بنتا اور بگڑتا ہے۔ جہاں ہم حسن معاشرت اور ترقی تمدن کے
مسائل پر غور و خوض کرتے ہیں۔ اور اپنی جد و جہد سے انتہائی کوشش کر کے یہ دکھا سکتے ہیں کہ ہم ترقیوں میں مردوں
سے کسی طرح پیچھے نہیں رہیں گے۔

عصمت آج سے نہیں ۳۵ سال سے اسی کوشش میں مصروف ہے کہ ہندوستان کی باہمت عورتیں جو مدت العمر
جمود کی سی کیفیت طاری ہو جانے کی وجہ سے عضو معطل بن کر رہ گئی تھیں اب حقیقی معنوں میں گھر کی بیویاں اور
قوم کی بہترین مائیں ثابت ہوں۔ علمی۔ ادبی۔ معاشرتی۔ اقتصادی۔ اور سیاسی معاملوں میں وہ اس رسالے کے پُراز
معلومات مضامین سے مستفید ہو کر اسی جوش و خروش سے نمایاں حصہ لینے لگیں اور اپنے علمی ذوق کا اظہار اس رسالہ
سے انتہائی دلچسپی لینے میں ثابت کریں۔ رسالہ کی روز افزوں کامیابی کا ثبوت ہم محترم نامہ نگاروں کی کثرت اور
مضمون نگاروں کے ذوق میں دیکھ رہے ہیں وہی بیویاں جو سوائے عشقیہ فسانوں۔ یا گل و بلبل کی داستان سے
معمور ترنم خیز نظموں کے اور کسی قسم کا ادبی ذوق نہیں رکھتی تھیں۔ بلکہ انہیں اس سے پیشتر اس قدر وسیع تجربہ کرنے کا

موقع ہی نہیں ملتا کہ بہترین مایہ ناز ادیبوں اور شاعروں کے رشحات قلمی سے لطف اندوز ہوں۔ وہ آج عصمت کی تحریکوں اور مولانا راشد الخیری مرحوم کے پُر نصائح تصانیف کے مطالعوں کے بدولت اب اہل ذوق اور اہل قلم گروہ میں شمار ہوتی ہیں۔ جنگ عظیم کے باعث کاغذ کی انتہائی گرانی۔ اور دیگر مصارف کی ناقابل برداشت زیادتی نے اگرچہ اس میں چند صفحات کی کمی ضرور کر دی ہے۔ مگر مضامین باریک قلم سے لکھوا کر تقریباً اسی قدر تعداد میں اب بھی شائع ہو رہے ہیں۔

آج کل مذہب کی طرف سے لاپرواہی ایک وبائے عام کی صورت میں بڑھتی جاتی ہے اس کے لئے جناب رازق الخیری صاحب کا یہ التزام واقعی بہت ہی دور اندیشانہ ہے کہ آپ ہر ماہ حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی تصانیف سے منتخب کر کے کسی نہ کسی مذہبی پہلو پر روشنی ڈالتے رہتے ہیں۔ تاکہ جدید خیالات کی وہ لڑکیاں جنھیں ہوش سنبھالتے ہی اسکول اور کالج کے ٹیکسٹ بکس سے مغز زنی کرتے رہنے سے اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وہ ضخیم اور دقیق مسائل کی کتابوں کا مطالعہ کریں ۔۔ وہ بھی کم سے کم وقت میں کچھ نہ کچھ مذہبی واقفیت ضرور حاصل کرتی رہیں یہ ٹھیک ہے کہ مولانا کی کتابیں ان مسائل سے بھری پڑی ہیں۔ ان کو ضرورتوں کے لحاظ اور خصوصیت موقع مناسب سے شائع کرنے میں یہ فائدہ ہے۔ کہ مختلف کتابوں کے مضامین بلا زحمت اُٹھائے آسانی سے پڑھنے میں آجاتے ہیں۔

مضمون نگاری کا شوق عام طور سے آج کل اکثر گھرانوں میں پایا جاتا ہے۔ اور اکثر فسانے اور کہانیاں لکھنے میں بھی بہت سی بہنیں ماہر ہو گئی ہیں۔ مگر عصمت کے فسانے بڑے غور اور خوض کے بعد انتخاب کئے جاتے ہیں۔ زیادہ تر اصلاحی اور معاشرتی افسانے جن کا معیار بہت ہی بلند پایہ ہوتا ہے اس میں شائع کئے جاتے ہیں۔

مضامین کے لحاظ سے عصمت کو اس امر میں خاص فوقیت حاصل ہے کہ بہت سے مرد اہل قلم بڑے بڑے بلند پایہ ادیب مشہور سائینس داں قابل قانون داں تجربہ کار ڈاکٹر۔ اور بے نظیر شعرا اعلیٰ درجہ کے مضامین اور نظموں سے اس کی عزت افزائی اور قدر و قیمت دوبالا کرنے میں معاون ہوتے ہیں کپتان ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب کے مضامین طلاق اور شادی۔ یا شادی کی ابجد جو سلسلہ وار کئی پرچوں میں شائع ہوا ہے شادی کی مختلف پہلوؤں اور سائیکلوجی آف میرج پر بہترین مقالہ خیال کیا جاتا ہے اس پایہ کا کوئی مضمون اس سے پیشتر آج تک کسی اردو کے رسالہ کو شائع کرنا نصیب نہ ہوا ہوگا۔

ڈاکٹر اعظم کریوی صاحب کے مضامین اس پر آشوب عہد میں جبکہ اردو ہندی کا بے ہنگم جھگڑا ہر طرح سے فتنہ انگیزی میں معاون ہو رہا ہے۔ کس قدر آزادانہ بے تعصب اور پُر لطف ہوتے ہیں جن میں وہ ہندی شاعری کی لطافت اور حلاوت نمایاں کرنے میں اپنا زور قلم خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اور جن کو ہندی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا انہیں بھی اس سے محفوظ ہونے کا شوق دلاتے ہیں۔

اُدھر ہندو وسیع النظر حضرات کے مضامین بھی اردو میں اپنی اردو نوازی کی شان دکھانے میں کچھ کسر نہیں اُٹھا رکھتے پنڈت اندرجیت شرما۔ آسی رام نگری۔ جناب لالہ تلوک چند محروم بی اے اور وید پرکاش شاد بی اے جیسے بلند پایہ شاعروں کے کلام اس نشیب و فراز کے زمانہ میں بہترین ثبوت پیش کر رہے ہیں اس کے علاوہ ہندو فسانہ نگاروں میں جناب تارا شنکر صاحب ناشاد۔ ایم اے اور دیگر فسانہ نویسوں کی دلچسپی یہ صاف بتا رہی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو

عصمتی فضا رکی ہم خیالی پیدا کرکے ہمیشہ کے لئے ہندو مسلم مخالفت اور اردو ہندی کے جھگڑوں کو دور کر سکتے ہیں۔

عصمت کی مضمون نگار بہنوں میں زیادہ تر یونیورسٹی کی ڈگری یافتہ خواتین ہیں۔ جو باوجود اپنی مختلف سرگرمیوں اور سرکاری ملازمت کے اس میں دلچسپی لے رہی ہیں۔ اور حتی الامکان اس رسالہ کو مقتدر اور زنان دار بنانے میں کوشاں ہیں۔

مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے عصمتی بہنوں کی معلومات کو وسیع سے وسیع تر بنانے میں نہ جانے کن کن سائیکلو پیڈیا بکوں اور کتابوں کا مطالعہ کرکے مضامین چن چن کر سپرد قلم فرماتے ہیں۔ اگر ان معلومات کو ہم ذہن نشین کر لیں تو امور خانہ داری۔ او جنرل نالج میں ہم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے کئی اگلے وقتوں کی خواتین کا مطالعہ کیا ہے۔ جو صرف عصمت کی پڑھنے والیاں ہیں مگر ملکی سیاسی۔ اقتصادی اور معاشرتی کل امور سے انہیں کافی واقفیت ہو گئی ہے۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ اس کا بغور مطالعہ کرتی رہی ہیں۔ اور اس سے ان کے معلومات وسیع تر ہو گئی ہیں جو عام طور سے اخباروں سے دلچسپی نہ رکھنے والی اعلٰی تعلیم یافتہ خواتین کو بھی معلوم نہیں۔

سنہ ۱۹۴۱ء میں عصمت کی نامہ نگاروں کی فہرست پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہی اس کے معنوی محاسن کا کافی ثبوت مل جائے گا۔ اس سال بھی مشہور ارباب قلم کے بہترین مضامین۔ جو اصلاحی۔ رفاہی اور معاشرتی نقطۂ نظر سے اپنی نوعیت میں لاجواب ہیں شائع ہوئے ہیں۔ تاریخی مضامین اکثر ریسرچ سے شغف رکھنے والے حضرات رقم فرماتے ہیں۔ سیر و سیاحت کے اس سال زیادہ مضامین شائع نہیں ہوئے۔ لیکن افسانے اور ڈرامے کافی تعداد میں اور معیار کے لحاظ سے کافی بلند شائع ہوئے خواتین افسانے دیکھ کر تو کہنا پڑتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب عصمت کی کامیاب افسانہ نگار خواتین پرل بک سیگرڈ انڈسٹ اور گریزیا ڈلیڈا کی طرح ہندوستان کی مشہور افسانہ نگار تسلیم کی جائیں گی۔ ڈرامہ نگاری کی طرف بھی بہت سی بہنوں نے توجہ منعطف کی ہے۔ اور اکثر کامیاب ڈرامے لکھنے پر قادر ہو گئی ہیں۔ دنیا کے سپہر شہرت کے درخشاں ستارے ہیں۔ سنہ ۱۹۴۱ء میں نظمیں بھی بہت اچھی شائع ہوئی ہیں۔ بالخصوص محترمہ حیا لکھنوی۔ اور صفیہ شمیم صاحبہ ساجدہ بیگم صاحبہ منشی فاضل رابعہ پنہاں صاحبہ خورشید اقبال صاحبہ حیا۔ اور گوہر اقبال صاحبہ حور کی نظمیں شعریت سے معمور اور پختگی کے اعتبار سے اساتذہ وقت سے مقابلہ کے لائق ہیں۔ اور اس کامیابی پر ہم عورتیں جس قدر بھی ناز کریں کم ہے۔

اس عالمگیر جنگ نے دنیائے صحافت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا پھر اس پر نت نئے رسالوں کی اجراء کے خبط نے ایسی صورت حالات پیدا کر رکھی ہے۔ کہ ہر ہر قدم پر دشواریوں کا سامنا ہے۔ لیکن ہم یہ فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ عصمت کی کامیابیوں نے ہمارے ذوق کو ایسی تقویت اور عزم کو ایسی پختگی بخشی ہے۔ جو اس محبوب اور ہر دلعزیز رسالے کے دوامی بقا کی ذمہ دار ہے۔

اس رسالہ کی بعض ایسی خریدار ہیں جو کئی پشت سے اس رسالہ کو خرید کر مربیان رسالہ کی فہرست میں اپنا نام لکھوا چکی ہیں۔ اور ان کے گھرانوں میں یہ خاندانی پرچہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کا سالنامہ اکثر مشہور بلند پایہ مردانہ رسالوں کے سالناموں سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی لکھنے والیوں کو قلمی کامیابی کی سند کے ساتھ ساتھ نقد انعام بھی دیا جاتا ہے۔ جس سے انعام یافتہ بہنیں ایک امتیازی حیثیت کی مالک نظر آتی ہیں۔ اور انہیں اس سال بھر کی کارگزاریوں پر فخر کرنے کا موقع ملتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کے مضامین کی شہرت اور مقبولیت انہیں اور دوسرے رسالوں کی زینت افزائی کے لئے دعوت عمل پیش کرتی ہے۔ سالگرہ نمبر کی تصاویر وغیرہ بھی خوب ہوتی ہیں اور ضخامت عام پرچوں سے کئی گنی زیادہ۔ آخر میں ہماری دعا ہے کہ یہ سال سنہ ۴۲ء مبارک ثابت ہو۔ جنگ کی ہنگامہ آرائیوں سے نجات مل جائے اور صحافتی دنیا میں امن و چین کے ساتھ علم و ادب کی ترقیاں جاری رہیں۔

جمیل بیگم

حسنِ صورت کی پرچول

از حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

دنیا میں اپنی راحت و آسایش کے اسباب تلاش کرنے یا اپنی زندگی کو خوش گوار بنانے کی کوشش کرنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے اور کوئی دوسرا شخص مجاز نہیں کہ ایسی کوشش پر کسی قسم کا بھی اعتراض کر سکے، یہ کوشش علی العموم تین حالتوں سے متعلق ہوتی ہے۔

(۱) اپنا فائدہ اس طرح کرنا کہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے (۲) اپنے فائدہ کی ایسی کوشش جو صرف اپنی ذات تک محدود ہو اور کسی دوسرے کو اس سے فائدہ پہنچے نہ نقصان (۳) ایسا فائدہ جس سے دوسرے کو نقصان پہنچتا ہو۔

پہلی صورت جس میں اپنے فائدہ کے ساتھ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے قابلِ بحث نہیں۔ یہ وہ کوشش ہے جس پر سبحان اللہ کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اور سچ پوچھو تو انسانیت، تہذیب، شرافت سب کے یہی معنی ہیں لیکن آج کل اس قسم کے لوگ ناپید ہی کے برابر ہیں جو اپنے فائدہ میں دوسروں کے فائدہ کا بھی لحاظ کریں۔ اس لئے دوسری قسم کی کوشش بھی جس میں دوسرے کو فائدہ پہنچائے بغیر اپنے تئیں فائدہ پہنچانا منظور ہو بسا غنیمت ہے۔ اب تیسری قسم کی کوشش باقی رہتی ہے۔ جس میں اپنا فائدہ اور دوسرے کا نقصان ظاہر ہو اور پھر آدمی اپنے کو ترجیح دے اور دوسرے کا نقصان جائز سمجھے۔ یہ انتہائی خود غرضی اور کمینہ پن ہے اور شاید اس سے بڑھ کر کوئی اور ذلت مشکل سے ہوگی۔ لیکن عام طور پر آجکل یہ اصول جاری ہے اور ہم رات دن اس قسم کی کوشش دیکھ رہے ہیں ایک شخص پچاس روپیہ ماہوار کا ملازم ہے۔ اس کا افسر ناخوش ہوتا ہے تو خود اُسی کا ماتحت جو دس روپیہ ماہوار پاتا ہے کوشش کرتا ہے کہ افسر کا غصہ بڑھتے بڑھتے اُس حد کو پہنچ جائے کہ یہ شخص علیحدہ کر دیا جائے۔ اور اس کی جگہ مجھ کو مل جائے۔ چاہے مجھ کو پچاس کے بدلے پچیس ہی ملیں دکاندار برابر بیٹھے ہیں۔ گاہک آتا اور ایک دکان پر سودا ٹھیراتا ہے اب برابر والوں کی یہ کوشش ہے کہ کسی طرح یہاں سے اُکھڑ کر ہمارے ہاں آجائے یہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں دن رات ہو رہا ہے اور ہر جگہ ہو رہا ہے اور اس طرح ہو رہا ہے کہ گویا یہ طریقہ شیر مادر ہے اور مطلق قابلِ اعتراض نہیں۔

آج کل یہی کیفیت لڑکیوں کی شادیوں میں ہو رہی ہے۔ ایک ہی محلہ میں دو بھائی بہن رہتے ہیں۔ لڑکی بھائی کی بھی ہے۔ بہن کی بھی۔ بھائی کے ہاں کسی لڑکی کا نامہ و پیام ہو رہا ہے۔ بہن اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح بھائی کے ہاں سے بات اُچیٹے تو میں لگاؤں اور اگر میں نہ لگاؤں تو بھائی کی لڑکی کی بھی اس وقت تک نہ ہو جب تک کہ میری لڑکی کی شادی نہ ہو جائے۔

ہم کو مردوں سے بحث نہیں ہے صرف عورتوں سے ہے کہ ان کی طبیعتوں میں خود غرضی کے ایسے خیال کیوں جم گئے کہ وہ اپنے ہر فائدہ کو خواہ دوسرے کو کتنا ہی نقصان پہنچا کر میسر آئے جائز سمجھتی ہیں۔ ہماری رائے میں تو بہت ہی بڑا عیب ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بچپن میں والدین اس کی احتیاط نہیں کرتے۔ دو بچوں کو برابر چار آم دیئے جاتے ہیں

مگر ایک کہتا ہے کہ دوسرے کے بڑے ہیں۔ اور میرے چھوٹے۔ ماکہتی ہے کہ اچھا بدل لے اور بدلوا دیتی ہے۔ مگر یہ نہیں کہتی کہ اگر تو بڑے لے گا تو دوسرے کو محروم کرکے خود فائدہ اُٹھانے کا تجھ کو کیا حق حاصل ہے۔

ہمارے ہاں عام طور پر یہ دستور ہے کہ شادی کے وقت لڑکی کی صورت پر بہت زور دیا جاتا ہے، ہمیں اس پر اعتراض نہیں۔ شرع اسلام کا حکم ہے اور ایک موقع پر رسول اللہؐ نے ایک شخص سے فرمایا بھی ہے کہ پہلے عورت کی صورت دیکھ کر اطمینان کرلے۔ مگر جس طرح یہ طریقہ ہمارے ہاں جاری ہے وہ نہایت مذموم اور قابل اعتراض اور قابل اصلاح ہے۔ جس سے بعض دفعہ نہ صرف لڑکی کی دل شکنی ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کے آیندہ نکاح میں اس قسم کی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

شارع علیہ السلام نے جس طرح مردوں کو پسندیدگی کا حق عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح عورتوں کو بھی لیکن مسلمان عورتیں تو ایسی خوش نصیب کہاں کہ وہ شرعی حقوق سے مستفید ہوں مگر اتنا ظلم تو نہ کرو کہ اپنے حقوق سے اس قدر فائدہ اُٹھاؤ کہ اُن کو خواہ کتنا ہی نقصان پہنچ جائے سب جائز ہے۔

لڑکی کی شکل وصورت دیکھنے عام طور پر عورتیں آتی ہیں۔ اوّل تو لڑکے کی ماں بہنوں کو حق ہی کیا ہے کہ وہ لڑکی کی صورت دیکھ کر پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا اظہار کریں۔ دوسرے مرد مرد کی صورت دیکھ کر عورت عورت کی صورت دیکھ کر وہ رائے قائم ہی نہیں کرسکتی جو شرع اسلام کی غایت ہے۔

اس معائنہ کے بعد جس بیدردی سے عورتیں صورت کا فیصلہ کرتی ہیں وہ قابل افسوس بھی ہے اور قابل شرم بھی اگر وہ پہلے سے یہ سمجھ لیں کہ لڑکی آدمی کا بچہ ہوگی، آنکھ ناک سے درست سیتلا کے داغ آنکھ میں پھلی کان میں ٹینٹ وغیرہ نہ ہوں تو بس ٹھیک ہے۔ مگر نہیں۔ ان کی توقعات آسمان سے بھی بڑی ہوتی ہیں۔ حور کا بچہ یا پری پیکر سمجھ کر آتی ہیں خیر یہاں تک بھی مضائقہ نہیں۔ اب دوسری مصیبت یہ آتی ہے کہ اس ناپسندیدگی کا اعلان کھلم کھلا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ناپسند کرنے والی خود بھی کچھ بہت زیادہ حسین نہیں ہوتیں اور ان کے اپنے آگے بھی یہی معمولی لڑکیاں ہوتی ہیں۔

اس خود غرضی کا نتیجہ ہے کہ بعض جگہ یہ شہرت اس قدر ہو جاتی ہے کہ اگر لڑکی کا سلسلہ کہیں اور شروع ہونے والا بھی ہو تو لڑکے والے کہہ دیتے ہیں اس کی صورت اچھی نہیں، فلاں جگہ سے اسی لئے بات اُکھڑ گئی۔

لڑکی کی صورت پسند کرنے والی خواتین اس امر کا لحاظ رکھا کریں کہ اگر اس دل شکنی کے سوا چارہ نہیں تو اُس کو بدنام تو نہ کریں اور اس ناپسندیدگی کو اتنی شہرت نہ دیں کہ کہیں اور بھی اس کی بات چیت کا وقت نہ آئے۔ ۱۹۲۱ء

بقیہ صفحہ ۸ کا

اور اُداسی اور کمزوری سب باتوں کو خیالی طور پر آئینہ کے سامنے بیٹھ کر دور کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیئے۔

ہونٹوں کی جلد بہت نازک اور نرم ہوتی ہے۔ اس پر اگر سیاہی آجائے یا باریک باریک سلوٹیں پڑ جائیں تو ان کا دور کرنا ناممکن سا ہو جاتا ہے۔ ہونٹوں کو چبانا ہرگز نہ چاہیئے ورنہ ان کی شکل بدل کر کھال سخت اور کھُردری ہو جائے گی۔ اگر ایسی صورت ہو جائے تو لپ سٹک کا استعمال کریں یا ذرا سی گلیسرین لگا لیا کریں۔

رشیدہ، اے عزیز بی۔ اے)

صحت اور خوبصورتی کا راز

ہر خوددار عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے خوبصورت نظر آئے۔ اگر ہر عورت خوبصورت دکھائی دے تو یہ دنیا پرستان بن جائے۔ خوبصورتی اتنی مشکل نہیں جتنی ہم خیال کرتے ہیں حسن ایک ایسا تحفہ ہے جس کا نیچر بھی خیال رکھتی ہے۔ لیکن ہر عورت بطریق مناسب اپنے چہرہ کے خط و خال میں ایک حد تک دلکشی پیدا کر سکتی ہے۔ اصلاح خوبصورتی دراصل اصلاح صحت کا دوسرا نام ہے۔ کیونکہ جو وجوہ صحت کی ہو سکتی ہیں وہی خوبصورتی کی بھی۔ خوبصورتی کے لئے سب سے پہلے ہماری توجہ جلد کی صفائی کی طرف ہوتی ہے۔ اچھے رنگ کا انحصار ہے صحت پر۔ اگر رنگ روپ اچھا ہو مگر خط و خال معمولی، تب بھی ان کا اثر رنگ روپ پر نہیں پڑ سکتا۔

(۱) سنگار کے واسطے سب سے پہلے موسم کے لحاظ سے تازہ اور صاف پانی ہونا چاہیئے۔

(۲) صابن جس میں تیزاب اور کھاری اشیاء کی ملاوٹ نہ ہو۔

(۳) غسل خانہ نہایت صاف ہو اس میں کسی قسم کی بدبو نہ ہو اور وہاں کی استعمال کی اشیا بالکل صاف اعلیٰ اور اپنے اپنے مناسب مقام پر رکھی ہوئی ہوں۔

ڈریسنگ روم اور سنگھار میز کا تمام سامان اور کل اشیا نہایت ترتیب وار صاف اور ستھری ایسے طریقے سے رکھنی چاہئیں کہ آپ کو جس وقت بھی جس چیز کی ضرورت ہو وہ فوراً بغیر دقت اور تکلیف کے ملجائے۔ کوئی چیز اپنی جگہہ سے دوسری جگہہ پر نہ ہو۔ ڈریسنگ ٹیبل کے چھوٹے بڑے شیشے گرد آلودہ نہ ہوں۔ کمرہ میں روشنی کا کافی انتظام ہو۔

چہرے کی بیماریاں اور ان کا علاج

اکثر نوجوان لڑکیوں کے منہ پر کیلیں نکل آتی ہیں اور پیلے پیلے داغ بھی پڑ جاتے ہیں۔ مہاسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ جلدی غدود کی بیماریاں ہیں جن کی وجہ سے چہرے کی خوبصورتی اور شگفتگی جاتی رہتی ہے۔ کیلوں اور مہاسوں کو ناخن سے کھرچ کر کبھی نہ نکالیں ورنہ سیاہ داغ پڑ جائیں گے اور ممکن ہے کہ یہ داغ ہمیشہ قایم رہیں اور ان کا سہل اور آزمودہ علاج یہ ہے۔ لیکوئڈ امیونیا ۲۰ بوند پیئرز سوپ ایک اونس۔ میتھولیٹڈ سپرٹ ۲۰ گرام۔ پانی ۶ گرام۔ ان سب کو حل کر کے بوتل میں ڈال لیں۔ تھوڑا سا مکسچر داغوں پر ملیں۔ جذب ہونے کے بعد گرم پانی سے دھو ڈالیں جن کو کیل داغوں کی شکایت ہو وہ چائے اور کافی نہ پئیں۔ بلکہ کوکو اور گرم دودھ کا استعمال رکھیں۔ مٹھائیوں، چٹ پٹے کھانوں۔ اچار چٹنیوں سے بھی پرہیز کریں۔ تازہ پھل ٹماٹر اور دیگر سبز ترکاریاں اکثر استعمال کریں۔ رات کو چہرہ گرم پانی سے دھوئیں اور گرم پانی کی بھاپ دیں۔ گھٹیا اور معمولی کریم پاؤڈر استعمال نہ کریں۔ چہرے کے خدوخال کیسے ہی اعلیٰ ہوں لیکن رنگ روپ درست نہ ہو تو وہ چہرہ خوبصورت نہیں کہا جا سکتا برخلاف اس کے رنگ روپ اور وضع درست ہونے سے چہرہ کے بعض عیوب پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے۔ آپ ایک آئینہ کافی روشنی میں لے کر بیٹھ جائیں اور شکل کو خوب سنجیدہ اور سوچنے والی بنانے کی مشق کریں۔ جب آپ کہیں سفر کریں اور ریل گاڑی میں سوار ہوں تو اپنے درجہ کی مسافر عورتوں کا مطالعہ کریں۔ صرف چند عورتوں کا رنگ روپ اور خدوخال مناسب حالت میں ہوں گے باقی جو ہیں ان میں کسی کے چہرہ پر تھکان کسی کے پریشانی کسی کے چہرہ پر مردہ دلی (باقی صفحہ ۷ پر)

انسان کی پیدائش کی کہانی

قرآن پاک کی زبانی

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "پس بیان کرو قصّے تاکہ وہ سوچیں سمجھیں" (سورۃ الاعراف آیۃ ۱۷۶) قرآن شریف میں پرانے قصّوں کہانیوں کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بڑی گہری تعلیم دی ہے بڑی بڑی حکمت کی باتیں سکھائی ہیں۔ اور ایک جگہ فرمایا ہے "لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ تحقیق کہ تھی اُن کے قصّوں میں عبرت یعنی سبق واسطے سمجھ والوں کے۔ سورۃ یوسف آیہ ۱۱۱) اور فرمایا ہے کہ "نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ" (ہم تم سے اچھے سے اچھا قصّہ بیان کرتے ہیں۔ سورۃ یوسف آیۃ ۳)

پس اسی لئے میں قرآن پاک کی مختلف سورتوں اور آیتوں کو ملا کر انسان کی پیدائش کی کہانی عصمت کی پڑھنے والیوں اور پڑھنے والوں کی عبرت کے لئے بیان کرتا ہوں۔ اس میں غور و فکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لئے حکمت الٰہی کی بڑی بڑی باتیں پوشیدہ ہیں۔ اس کی طرف سب سے پہلے مجھ کو میرے بڑے بھائی مولانا پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالجبار خیری صاحب نے توجہ دلائی تھی کاش وہ عصمت کی پڑھنے والیوں کے لئے اس کے اور اور باریک اور دقیق مسائل پر روشنی ڈالیں۔

جب اللہ تعالیٰ تمام کون و مکان کا خالق سب کچھ پیدا کر چکا وَأَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ (سورہ سجدۃ آیہ ۷) اور جو کچھ اُس نے پیدا کیا اُس کو نہایت عمدہ بنایا اور اُس نے انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی۔ اور یہ ایک عظیم خبر تھی جس کا ذکر قرآن کریم میں یوں ہوتا ہے قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ ۝ (سورۃ ص آیۃ ۶۷ تا ۸۵) (سورۃ البقرۃ آیۃ ۳۰ تا ۳۹) مَلَأِ اعلیٰ میں بڑا بحث مباحثہ ہوا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر خلیفہ بناتا ہوں۔ فرشتوں نے کہا کیا تو زمین پر وہ بنائے گا جو وہاں فساد برپا کرے اور خون بہائے اور ہم تیری تسبیح اور تقدیس کرتے ہیں غالباً فرشتوں کا یہ مطلب تھا کہ اُن میں سے زمین پر خلیفہ بنایا جاوے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم کو سوکھی کالی مٹی سے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونک دی وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقر آیۃ ۳۱) اور آدم کو تمام نام سکھا دیئے یعنی آدم کو علم دیا پھر جب فرشتوں کے آگے وہ سب کچھ پیش کیا اور اُن سے نام پوچھے کہ بتاؤ اگر وہ اپنے قول میں سچے ہیں فرشتے بولے کہ سبحان ہے تیری ذات ہم تو وہی جانتے ہیں جو تو نے ہم کو سکھایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اے آدم ان کو ان چیزوں کے نام بتا دو۔ جب آدم نے اُن کو اُن چیزوں کے نام بتا دیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو چھپا ہوا ہے وہ میں جانتا ہوں اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو۔ اور پھر اسی کے فوراً آگے فرماتا ہے" اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سوائے ابلیس کے سجدہ کیا اُس نے انکار کیا اور غرور کیا اور ہو گیا وہ کافروں میں سے"۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس یعنی شیطان سے پوچھا کہ کونسی بات تجھے آدم کو سجدہ کرنے میں مانع ہوئی جبکہ میں نے تجھ کو حکم دیا۔ شیطان بولا کہ میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اُس کو مٹی سے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو نکل جا یہاں سے یہاں تو تکبر

نہیں کر سکتا ذلیل ہوگیا تو جا دور ہو۔
نکلنے سے پہلے شیطان نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے کہ مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دے۔ اللہ تعالےٰ نے ابلیس کی یہ درخواست قبول کر لی اس کے بعد ابلیس نے کہا "اچھا چونکہ تو نے مجھ کو مجرم قرار دیا ہے تو میں اُن کے اُس راستے میں جو سیدھا تیری طرف جاتا ہے تاک میں بیٹھوں گا اور پھر میں ان کے سامنے سے اور اُن کے پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے آؤں گا اور دنیا کی زندگی کو اور دنیا کی چیزوں کو اُن کی نگاہ میں دلچسپ اور قیمتی اور محبوب دکھاؤں گا اور میں اُن کو تیرے راستے سے بہکاؤں گا اور تو اُن میں سے بہت کم ایسے پائے گا جو تیرے شکر گذار ہوں گے وہ تیرے چند بندے ہوں گے جو تیری اطاعت اور تابعداری میں مخلص ہوں گے۔
اللہ تعالےٰ نے کہا اچھا جا دور ہو "اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ" "تحقیق کہ جو میرے فرمانبردار ہیں اُن پر تیرے بس نہ چل سکیں گے۔ اور یہ حق ہے اور میں جو کچھ کہتا ہوں سچ ہی کہتا ہوں کہ میں بھردوں گا دوزخ کو تجھ سے تمام اُن لوگوں سے جو تیرے کہنے میں آویں گے جا دور ہو جا بہکا جن کو تو بہکا سکتا ہے اپنی باتوں سے اور جمع کر کے اُن کے خلاف اپنی فوجوں کو سواروں کو اور پیادوں کو اور شریک ہو اُن کا تو مال میں اور اولاد میں اور کر اُن سے وعدہ جتنے چاہے اُن کو ہو کا دینے کی غرض سے۔
اس کے بعد اللہ تعالےٰ آدم کی طرف متوجہ ہوا اور کہا "اے آدم جا تو اور تیری بیوی جنت میں رہنے کے لئے اور یاد رکھو کہ ابلیس تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہونے دینا کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے اور تم کو رنج اور مشکل اُٹھانی پڑے کیونکہ جنت میں نہ تم بھوکے رہوگے نہ بے کپڑوں کے نہ تم کو پیاس لگے گی اور نہ سورج کی گرمی مگر دیکھو اس درخت کے قریب نہ جانا اگر تم ایسا کروگے تو بیشک تم حد سے گذرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔
مگر شیطان نے آدم کے دل میں وسواس ڈالا اور کہا کہ اے آدم میں تم کو حیات جاودانی کے درخت کی طرف لے چلوں اور ایک ایسی بادشاہت کی طرف کہ جس کو کبھی زوال ہی نہ ہو اور شیطان نے قسم کھا کر آدم کو یقین دلایا کہ میں تمہارا مخلص اور سچا نصیحت کرنے والا ہوں۔ اس طرح اُس نے آخر کار آدم کو دہوکے میں ڈال دیا اور اُنہوں نے یعنی آدم نے اور اُن کی بیوی نے اُس درخت کو چکھ لیا۔ اُن کی چھپی ہوئی چیزیں کھل گئیں اور وہ جنت کے پتوں سے ڈھکنے لگے۔
اُن کے رب نے اُن کو پکار کر کہا کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا اُس درخت کی بابت اور کیا میں نے تم سے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اُن دونوں نے جواب دیا "اے ہمارے رب ہم نے اپنے ساتھ ناانصافی کی (یعنی ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا) اور اگر تو ہمیں معاف نہ کرے گا اور ہمارے اوپر رحم نہ کرے گا تو بیشک ہم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے" اللہ تعالےٰ نے فرمایا "نکل جاؤ۔ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہو اور زمین پر ایک مدت تک تمہارے لیئے رہائش اور سامان ہے۔ وہیں تم رہوگے اور وہیں تم مروگے اور وہیں سے تم اُٹھائے جاؤ گے۔"
اور آدم نے اپنے رب سے کچھ لفظ (دعا) سیکھ لئے تو وہ اُس پر مہربان ہوگیا۔ آخر اللہ تعالےٰ نے فرمایا "بیشک تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے گی تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا اس کو کسی بات کا ڈر نہ ہوگا اور نہ اُس کو رنج و تکلیف ہوگی۔ نہ تو وہ گمراہ ہوں گے اور نہ وہ مصیبت میں پڑیں گے اور جو کوئی میری اس یاد دہانی کی طرف توجہ نہ کرے گا بلاشبہ اس کی زندگی تنگی کی ہوگی اور قیامت کے دن ہم اُس کو اندھا اُٹھائیں گے۔ وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھ کو

اندھا اُٹھایا اور میں تو بیشک بینا اور دیکھنے والا تھا۔ اللہ تعالےٰ کہے گا "یہی بات ہے۔ ہماری خبریں تجھ کو پہنچیں مگر تو نے اُن کی طرف سے لاپرواہی کی۔ اسی طرح آج تو بھلا دیا جائے گا"

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طٰہٰ۔ آیہ ۱۱۵) اور تحقیق ہم نے پہلے سے آدم سے معاہدہ کرلیا تھا پھر وہ اُس کو بھول گیا اور ہم نے نہیں پایا اُس میں عزم۔

غالباً اس معاہدے سے معاہدہ خلافت مراد ہے جس کی بنا پر انسان کو اللہ تعالےٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ اس آیۃ کے بعد فرشتوں کے سجدہ کا حکم ہے اور پھر شیطان کا قصہ درج ہے اور درخت کے پاس نہ جانے کا حکم ہے۔ پس یہ عہد خلافت کا عہد تھا کہ آدم دنیا میں اللہ تعالےٰ کی خلافت قائم کرے۔ مگر آدم بھول گئے اس عہد کو بیشک انسان عزم کا کچا ہے۔ اس عہد کی یاد دہانی کے لئے اللہ تعالےٰ نے ہر قوم میں اور ہر ملک میں اپنے رسول بھیجے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہدایت لے کر آئے۔

سب رسول سب نبی سب اوتار سب رشی جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے آئے یہی ہدایت لے کر آئے۔ توریت اور زبور میں مسیح کے آنے کی خبر ہے جو اللہ کی حکومت قایم کریں گے۔ انجیل اللہ تعالےٰ کی حکومت **Kingdom of God** کی تعلیم سے بھری ہوئی ہے اور تمام عیسائی روز یہی دعا مانگتے ہیں کہ تیری حکومت آوے۔ تیرا حکم چلے زمین پر جس طرح آسمان پر چلتا ہے" نبی آخرالزماں محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے خلافت الٰہی' اللہ کی حکومت' "دارالسلام" آخر کار قایم کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس وقت کے مسلمانوں کو خطاب کرکے اور آدم کا قصہ بیان کرکے فرمایا ہے اور جو اب ہمارے لئے بھی عبرت ہے سبق ہے اور کھوئی چیز کے حاصل کرنے کا نصب العین ہے۔

يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ ...الخ (سورۃ الاعراف۔ آیۃ ۲۷) اے بنی آدم یعنی اے آدمیوں ایسا نہ ہو کہ کہیں شیطان تم میں فتنہ پیدا کردے جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوا دیا۔۔۔۔

اسلام میں فتنہ کے اصطلاحی معنی ہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت یعنی رسول کے امیر کی اطاعت کو چھوڑ کر دوسرے کی اطاعت کے ہنگامے کو فتنہ کہتے ہیں۔ یعنے اللہ کی حکومت میں اللہ کی خلافت میں کسی طرح کی گڑبڑ ڈالنا فتنہ ہے۔ دجّال کے آنے کو فتنۃ الدجال اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ یہ کہے گا کہ اللہ کی اطاعت کو چھوڑ کر میری اطاعت کرو۔

فتنہ سے بڑا گناہ اور کوئی نہیں ہے۔ قتل ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ گناہ کبیرہ ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کہتا ہے "وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (البقرہ آیہ ۱۹۱) یعنی فتنہ قتل سے بھی عظیم تر ہے۔

خیر میں کہیں کا کہیں پہنچ گیا جو میں بعد کو بیان کرنا چاہتا تھا وہ میں نے پہلے ہی بیان کردیا۔ اب میں اس قصّہ سے جو ہم سبق اور عبرت حاصل کرسکتے ہیں اُن میں سے فی الحال صرف چند بیان کرتا ہوں۔

سب سے پہلے تو ہم کو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہم کو یعنی انسان کو کیوں پیدا کیا۔ آیت قرآنیہ سے صاف صاف ظاہر ہے کہ زمین پر اپنی خلافت قایم کرنے کے لئے۔

دوسرے یہ کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور یہ شرف انسان کو علم کی وجہ سے ہے جو اس نے آدم کو دیا اور فرشتوں کو نہیں دیا اور اسی علم کی وجہ سے اُس کو خلافت عنایت ہوئی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ شرف انسان کو اس لئے دیا گیا کہ اللہ تعالےٰ نے آدم میں اپنی روح پھونک دی۔ مگر قرآن شریف میں جس فرق پر زور دیا ہے وہ علم ہے اور علم ہی کی بنا پر

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو قائل معقول کیا ہے۔ ورنہ یہ بات تو عام طور پر مانی جاتی ہے کہ روحانیت فرشتوں میں بہت ہے بعض علماء تو ان کو اجسام روحانیہ کہتے ہیں۔ گو اس کا کہیں ذکر نہیں مگر عقل سے جو غلطی کر سکتی ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب فرشتے بنائے گئے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان میں بھی اپنی روح پھونکی ہو گی۔ بادشاہت کے لئے علم کی فضیلت کا قرآن کریم میں اور جگہ بھی ذکر آیا ہے مثلاً سورۃ البقر کی ۲۴۷ ویں آیۃ میں مذکور ہے اور کہا ان کے نبی نے ان سے تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر کر دیا۔ تو وہ لوگ (اعتراضاً) بولے کہ یہ کیسے کہ وہ ہم پر بادشاہ ہوا اور ہم بادشاہت کے زیادہ حقدار رہیں اور اس کو تو بہت سا مال نہیں دیا گیا۔ کہا تحقیق کہ اللہ نے اس کو تمہارے اوپر منتخب کر لیا اور زیادہ کر دی اس میں قابلیت علم میں اور جسم میں" حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں جو حکومت اور بادشاہت کے لئے ضروری تر صفات ہیں وہ جسم، علم، تقویٰ اور امانت ہیں ہم کو ہمارے گھروں میں اور مدرسوں اور کالجوں میں ان صفات پر زور دینا چاہئے یہ چاروں صفات خلافت الٰہی یا خلافت اسلامیہ کے چار یار ہیں۔

تیسری بات میں بہت ڈرتا ہوا لکھتا ہوں کہ کہیں مجھ کو پڑھنے والیاں اور پڑھنے والے غلط نہ سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ فرشتے دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے تھے اور رہتے ہیں ان میں گناہ کرنے کی قابلیت ہی نہیں اللہ کی عبادت اور خدمت کے سوا ان کا کوئی کام ہی نہیں مگر ان باتوں نے ان کو اشرف المخلوقات نہیں بنایا اور اسی بنا پر وہ زمین پر اللہ کے خلیفہ نہ بنائے گئے۔ یہ شرف ہم کو ملا ہمارے علم کی بدولت اور اس بدولت کہ شیطان ہمارے بہکانے کے لئے مع اپنے پیادہ اور سوار لشکروں کے ہمارے آگے سے اور پیچھے سے دائیں سے اور بائیں سے ہر اس طرف سے جہاں کا ہم کو سان و گمان بھی نہیں ہر وقت تیار رہے۔ اگر ہم اس کے بہکانے میں نہ آئیں اور اللہ تعالیٰ کے تابعدار اور مطیع بندے بنے رہیں تو بے شک ہم اشرف المخلوقات ہیں ورنہ جہنم کا ایندھن۔ ہماری نماز ہمارے روزے ہماری زکوٰۃ ہمارا حج، ہمارا جہاد سب اس لئے ہیں کہ ہم اور فریضے کے انجام دینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں جس کا ہم اللہ تعالیٰ سے عہد و معاہدہ کر چکے ہیں یعنی ہم اس کی خلافت زمین پر قایم کریں گے۔ اگر ہم وہ عہد بھول جائیں اور یہ ارکان ادا کرتے رہیں تو ہماری مثل اس سپاہی کی طرح کی ہے جس نے فوجی قواعد برابر اور عمدہ طرح سے سیکھی اور برابر مشق کرتا رہتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ کیوں اور اگر اس سے کہا جاوے ضرورت کے وقت پر کہ آ ملک کی حفاظت کر تو وہ کہے کہ یہ میرا کام نہیں ہے مجھ کو ملک کی حفاظت سے کیا واسطہ۔ تو پھر بتائیے کہ اس کا قواعد سیکھنا اور برابر باقاعدہ مشق کرنا کس کام کا۔ ہاں تھوڑی سی ریاضت بدنیہ البتہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارا نماز پڑھنا اور روزے رکھنا وغیرہ یہ کام دے جاتا ہے کہ ہم اللہ کا ایک حکم تو مان لیتے ہیں اور کچھ دیر کے لئے فحش کاموں و بد باتوں سے بچ جاتے ہیں مگر اصل مقصد بھلا بیٹھے ہیں۔ بے شک انسان عزم اور ارادے کا بڑا کمزور ہے۔ مگر ہمارے نبی نے ہم کو تمام باتیں بتا دی ہیں مگر ہم کو یورپ کی ظاہری باتوں کے مطالعہ سے فرصت بھی ملے کہ ان پر غور و فکر کریں شیطان نے ہمارا اول کا معاہدہ جو ہم نے اللہ تعالیٰ سے کیا وہ ہمارے دلوں سے بھلا دیا ہے اور طرح طرح کے فتنے لا کھڑے کئے ہیں جو ہم کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے دور رکھتے ہیں یہ فتنے ہیں مثلاً مال، اولاد، حب جاہ، حب خطابات، اور آج کل ایک بڑا فتنہ وطن کا کھڑا ہوا ہے۔

اور بھی دنیا میں آج کل بڑے بڑے فتنہ ہیں۔ بعض نے دنیا کو خون خرابے میں غرق کر رکھا ہے۔ ڈکٹیٹر شپ، فاسزم

ناززم، ڈیموکریسی، جمہوریت، فیڈریشن، نیا آرڈر (دنیا نظام) غرض یہ سب فتنے ہیں جو ہم کو اللہ تعالےٰ کی اطاعت سے دور کرتے ہیں۔ کانگریس بھی مسلمانوں کے لئے ایک بڑا فتنہ ہے اور پاکستان بھی اگر اُس سے ہماری مراد ایک ایسی حکومت نہیں ہے جیسی کہ اللہ کی مرضی ہے جس میں پورا پورا ہر ایک کے ساتھ انصاف ہو جہاں اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود جاری ہوں یعنی جہاں اللہ کی حکومت ہو تو پاکستان بھی ایک قسم کا فتنہ ہے۔ اللہ کی حکومت وہی لوگ قائم کر سکتے ہیں جو اللہ والے ہوں جو اللہ کے ہوں جن کے دلوں میں اور زبان پر مع اپنے پورے پورے معنوں اور تلمیح کے ساتھ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (تحقیق کہ ہم اللہ ہی کے ہاں اور اُسی کی طرف رجوع کرتے ہیں) ہو۔

چالیس برس سے زیادہ سے میرا یہ عقیدہ رہا ہے کہ

”اے ماؤں بہنوں بیٹیوں ملت کی عزت تم سے ہے“

آئندہ نسلوں کی تربیت ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ تمہیں قوموں کو بنا سکتی ہو اور تمہیں بگاڑ سکتی ہو۔ اسی لئے ہمارے پیارے نبی نے کہا ہے کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے تمہیں ہم کو جنت دلوا سکتی ہو اور تمہیں ہم کو دوزخ میں پھنکوا سکتی ہو۔ مگر علم، تقویٰ، امانت کی صفات حاصل کرو تاکہ وہی صفات پھر اپنے بچوں میں پیدا کر سکو۔ جسم کو تربیت دو تاکہ تندرستی اور خوبصورتی قایم رہے۔ اپنے بچوں کے جسموں کی بھی حفاظت کرو اور دیکھ بھال کرتی رہو۔

اس انسان کی پیدایش کی کہانی کو اے میری بہنو اچھی طرح پڑھو اور اس پر غور و فکر کرو اور اکثر اپنے بچوں کو سمجھاؤ اُن کے ذہن نشین کر دو۔ کہتے ہیں کہ العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر یعنی بچپن کا علم ایسا ہے جیسے پتھر پر نقش جو بڑی مشکل سے مٹتا ہے اور یہ کہانی بار بار سناؤ۔ اس کے مختلف پہلوؤں پر اپنی عقل سے زور دو اطاعت اور تابعداری کی اہمیت کو ذہن نشین کرا دو اور پھر تم خود بھی عمل کرو اپنے بچوں کو بغیر سوچے سمجھے اور اچھی طرح غور و فکر کئے کوئی حکم مت دو اور اگر حکم دیدو تو جہاں تک ہو سکے اُس پر عمل کرا کر چھوڑو۔ یہ اس کہانی کا پہلا سبق اور پہلی مشق ہے۔ یاد رکھو کہ اُسی ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے جو اپنے بچوں کو اللہ کی اطاعت کی طرف لے جائے۔ کسی بات کا صحیح ہونا یا غلط ہونا اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ انسان تو بڑا جلد باز ہے۔ اکثر نتیجے بھی فوراً نکال لیتا ہے۔ اللہ غلطیوں کا معاف کرنے والا ہے۔

محمد عبدالستار خیری

رباعیات

(۱)

کیا صرف مسلمان کے پیارے تھے حسینؓ
چرخ نوع بشر کے تارے تھے حسینؓ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے تھے حسینؓ

(۲)

اللہ رے ولی ابن علیؓ کی آواز
سازِ ابدی و ازلی کی آواز
یہ آج جو اک گونج ہے آزادی کی
یہ بھی ہے حسینؓ ابن علی کی آواز

جوش۔ ملیح آبادی

مِلاپ

سماج جسے چاہے جلائے۔ جسے چاہے مارے۔

ہولی اور دیوالی دو ہی تو بڑے تہوار ہوتے ہیں اور اس میں بھی اگر کوئی ابھاگی غموں کے اتھاہ ساگر میں پڑی پڑی سڑا کرے تو اس کا جیون کیسے سکھی کہا جا سکتا ہے، دنیا رنگ رلیاں منائے۔ اپنے پرائے کٹورہ کھنکائیں سدا سنسار خوشی سے گونج گونج اٹھے، دھرتی مستی سے جھوم جھوم جائے مگر ایک ہی محلے، ایک ہی خاندان بلکہ ایک ہی گھر میں نئی نویلی بیوہ اپنے پتی کے سوگ میں پڑی پڑی ٹھنڈی سانسیں بھرے نہ مانگ میں سیندور ہو، نہ ہاتھ میں چوڑی۔ نہ بدن پر سندر کپڑے۔ تو کیا اس کی دیسا پہ ایشور پرسنّ (خوش) ہوگا۔ کبھی نہیں۔؟

سنسار ایک سندر سپنا ہے۔

سب ہی لوگ اس سپنے کو جیسا اُن کا من چاہتا ہے اور سماج اجازت دیتا ہے دیکھتے ہیں، مگر دیکھنے والے کی مرضی کم اور سماج کی مرضی زیادہ ہوا کرتی ہے، کون جانے کب یہ سارا بنا بنایا سندر سپنا ٹوٹ جائے گا اور جیون کی من لیوا اور اچھن زنجیر ٹوٹ جائے گی، چار دن کا جیون بھی اگر ہنسی خوشی نہ کٹ سکے تو سندر سپنا جیسے کل ٹوٹے گا آج ہی ٹوٹ جائے تو کیا اچھا ہو مگر یہ ایشور کے قانون ہیں چل رہے ہیں دیکھئے کب تک چلتے ہیں کون جانے کل کیا ہوگا۔

ستیش کو پیدا ہوئے ہی کے دن ہوئے تھے اٹھارہ برس کی عمر میں بیاہ رچا مگر چار ہی دن بعد موت نے ہیضہ کی صورت میں آ دبایا۔ ابھی دلہن کے ہاتھوں کی مہندی۔ عطر کی خوشبو۔ سب ہی کچھ جیسے کا تیسا موجود تھا کہ بیوہ ہو گئی۔ اب کملا کے لئے نہ سماج میں جگہ تھی اور نہ ایشور کے یہاں وہ بیوہ ہو گئی تھی اور ہندو مت میں بیوہ جانور سے بدتر اگر وہ دوسرا بیاہ کرنا بھی چاہتی تو کرتا کون اور کرنے کون دیتا۔

دنیا مانے یا نہ مانے دل نہیں مانتا۔

اُس کے سامنے نہ معلوم کتنی آشائیں تھیں اور کتنی امنگیں مگر اب تو مرنے کے سوا دوسری آشا تھی ہی نہیں اُس کی آنکھوں نے نہ جانے کتنی بہاریں دیکھیں کتنے ساون آئے اور گئے کتنی بار ہولی اور دیوالی اور پرماتما جانے کیا کیا آیا اور گیا مگر اُس کے من کی مرجھائی ہوئی کلی نہ کھلنا تھی نہ کھلی اور کھلتی بھی کیسے کرموں کی ہیٹی اور تقدیر کی بدقسمت بیوہ کر ہی کیا سکتی تھی۔

مرد چاہے کچھ کرے کوئی نہیں کہتا۔

استری اگر دوسرا بیاہ کر لیتی تو سب انگلی اٹھانے جمع ہو جاتے ہر طرف سے تھو تھو ہوتی ماں باپ کی ناک کٹ جاتی دوسرا بیاہ کرنا کھیل نہ تھا چہ جائیکہ کسی مرد کی طرف آنکھ اٹھانا مگر مرد جو چاہے کرتا پھرے وہ تو ایشور کا بیٹا ہے جیسے۔ شراب پئے۔ عیاشی کرے، اور سنسار کی سب بری باتوں میں آگے آگے رہے مگر پھر بھی وہ پوتر ہے اور استری پاپن۔ ہے پربھو! دل جب مر جاتا ہے تو زندہ نہیں ہوتا۔

آج چار برس کا عرصہ جانے کیسے کیسے کملا پر بیتا۔ ساس نندوں کی جھاڑ پھٹکار پاس پڑوس والیوں کے طعنے اور اس پر موٹا جھوٹا کھانا اُس کی آتما تلملا اٹھی وہ موت کو پکڑتی تھی اور وہ اس سے بھاگتی تھی۔ سچ ہے منش جس چیز کو کھوجتا ہے وہ کبھی

نہیں ملتی اور جس کی آشا نہ ہو وہ اُس کے پیر چھوتی ہے۔

پہلے کی طرح اب کی بھی ہولی آئی۔ سب سہیلیوں نے نئے نئے طریقہ سے خوب خوب رنگ کھیلا گلال اور عبیر ملا، چہلیں کیں، پکوان پکائے گانا اور ناچ رت جگا اشنان پوجا پاٹ سب ہی تو کیا مگر کملا کو یہ سب تو دور رہا ہنسنے کی بھی اجازت نہ تھی نہیں تو سماج اس کو زندہ ستی ہونے کا حکم لگا دیتا لینے کے دینے پڑ جاتے رہی سہی دادا کی ناک کٹ جاتی روح فنا نہیں ہوتی جسم مٹ جاتا ہے۔

بچارے ستیش کو سینکڑوں امنگیں رہی ہونگی جو ایک بھی پوری نہ ہوئی پھر اس کی آتما کو کیسے شانتی ہوتی، ہولی کی رات کو جب سب ہنس بول کر سو گئے تھے کسی نے دھیرے سے کملا کو کملا۔ کملا کہہ کر پکارا جو ابھی روتے روتے سو گئی تھی۔ وہ گھبرا کر جاگ اُٹھی سامنے۔ اُس کے سامنے سچ مچ کا ستیش کھڑا ہوا ہنس رہا تھا وہ نیلے رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھا ہنسی اُس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔ مرا ہوا ستیش کملا کے کھرے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ اُس کے منھ سے ہلکی سی چیخ نکلی "پر بھو تم آگئے" یہ کہہ کر وہ اس سے چمٹ گئی۔ دونوں بڑی دیر تک روتے رہے۔

ستیش بولا اب میرے ساتھ چلو یہاں کے نواسی اس قابل کہاں کہ دیویاں یہاں رہ سکیں "چلو میرے مالک" وہ بولی۔

صبح کملا کے کمرہ میں دو لاشیں پائی گئیں ایک کملا کی اور دوسری ستیش کی۔ اُسی ستیش کی جس کو لوگ آنکھوں کے سامنے پھونک کر خاک کر آئے تھے۔ کوئی نہیں جانتا کہ آخر یہ کیا ہوا۔

آج بھی جب ہولی آتی ہے تو دور گھنے گھنے جنگلوں میں پچکاریاں لیئے دو سُندر عورت اور مرد رنگ کھیلتے اور خوشی سے ناچتے گاتے دکھائی دیتے ہیں لوگ اُن کو بھوت پریت کہتے ہیں مگر کون جانے کہ وہ اب فرشتے بن چکے ہیں جو کبھی مرا نہیں کرتے۔

کنیز فاطمہ۔ کاش ام۔ اے۔ (ہندی)

بقیہ (صفحہ ۱۶)

اس اعتبار سے سوائے دو کپڑوں کے اور سب چیزیں اس دائرے سے خارج ہو جاتی ہیں۔ ان دو کپڑوں میں ایک تو چھوٹا سا قمیص ہونا چاہیے اور ایک مضبوط کچھنا جو ترمیم شدہ شکل میں جدید نام سے آج کل نکر کہلاتا ہے۔ بس یہی دو کپڑے ہمارے بچوں کے قومی نشان کے لئے کافی ہیں اور اس پر اس کثرت سے عمل ہونا چاہیئے کہ جس طرح آج کل ترکی ٹوپی پہننے والے کو عام طور پر بلا تامل مسلمان سمجھ لیا جاتا ہے اسی طرح جس بچے کے تن پر صرف دو کپڑے ہوں اُس کو دیکھتے ہی مسلمان کا بچہ تصور کر لیا جائے۔ سر اور پیر کو ڈھانکنے کے لیۓ اس وقت ہماری مفلس قوم کو بالکل ضرورت نہیں ہے۔ بنگال میں سر کی پوشش کا رواج صفر کے برابر ہے اور سارے ملک میں دیہاتی لوگ اور شہروں میں بھی ادنیٰ پیشہ ور لوگ عموماً جوتا پہننے کے عادی نہیں ہیں۔ پست اقوام کے بچے بوڑھے بھی سب ننگے پیر رہتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سر اور پیر ننگے رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ ان دو کپڑوں کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ ملکی آب وہوا کے اختلاف کی وجہ سے اگر ایسے دو تین قسم کے کپڑے بھی مخصوص کر لیئے جائیں (جن سے یہ دونوں کپڑے بنائے جایا کریں) جو بہت سستے ہونے کے باوجود نہایت پائدار ہوں تو غالباً ہماری اسکیم تکمیل کے درجہ تک پہنچ جائے گی۔ اس میں نہ صرف کفایت شعاری دکھائی دے گی بلکہ قومی بیداری نظر آئے گی ماشاءاللہ جس گھر میں رسالہ عصمت پہونچتا ہے وہ گھر اُس بستی میں چوٹی کا گھر ہوتا ہے اس لیۓ اگر جملہ خریداران عصمت خود بھی اور اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اس کا چرچا کر کے ایک متفقہ اور شائع شدہ پروگرام پر عمل کریں اور کرائیں تو خصوصاً دوسرے غریب آدمی بھی خوشی کے ساتھ بہت جلد ان کی تقلید کر کے قومی ترقی میں حصہ لیں گے مجھے امید ہے کہ عصمتی بہنیں اس ضروری تجویز پر اپنی اپنی رائے کا اظہار فرمائیں گی۔

بیگم حکیم محمد عزیز خاں۔ جاورہ۔

ہمارے بچوں کا قومی لباس

دنیا کی کسی قوم کو دیکھو اور اُس کا موازنہ دوسری قوم سے کرو تو ضرور کچھ باہمی امتیازات نظر آئیں گے۔ یہی امتیازات قومی خصوصیات کہلاتے ہیں۔ یہ بے کار چیزیں نہیں ہیں ان میں بہت سے فوائد ہیں اور بعض حالات میں تو ناگزیر ہیں ان کو قائم رکھنے کے لیئے بعض قوموں نے موثر تدابیر اختیار کر رکھی ہیں۔ سچ پوچھو تو انہی سے قومی تخیل کی بنیاد پڑتی ہے جس پر قومی سیرت کی بلند عمارت تعمیر ہوتی ہے انہی کی بلندی و پستی سے قومی عروج و زوال وابستہ ہوتا ہے۔

لباس اگرچہ ملکی ضروریات پر بہت کچھ موقوف ہوتا ہے لیکن پھر بھی مختلف وضع قطع کے اعتبار سے ہر قوم اپنا ایک امتیازی لباس رکھتی ہے اور یہیں اس کو اُس قوم کی ایک خصوصیت کہنے کو تیار ہوں۔ جب ہر قسم کے ماحول کا اثر طبیعت پر ضرور پڑتا ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ لباس بھی جو ہر آن نظر کے سامنے اور جسم سے متصل اور حرکات و سکنات سے کم و بیش متعلق ہے کیوں نہ عادات و خصائل پر اثر انداز ہوگا۔ نکتہ رس ذہن کے لیئے یہ کوئی ایسی باریک بات نہیں ہے کہ سمجھ میں نہ آسکے۔ اسی راز کو ترکی قوم سمجھ گئی اور اپنے قومی لباس میں مناسب و موزوں تبدیلی کرکے کہاں سے کہاں پہونچ گئی۔ کل کا یوروپ کا مرد بیمار آج ایسا تندرست ہوگیا کہ ہر قوم اُس کی دوسنی کو اپنی راہِ نجات تصور کر رہی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ترکی قوم نے اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اصلاحات سے کام لیا لیکن جس چیز نے پہلے پہل اُن کے قومی و بنیادی تخیل کو بدلا وہ لباس کی تبدیلی ہی تھی۔ اسی سے تحقیر ذاتی کے خیال کی جڑیں کٹیں اور ترقی یافتہ اقوام کی ہمسری کا جذبہ پیدا ہوا اور اسی کے بعد تمام ترقیوں کے دروازے کھل گئے لباس کے اعتبار سے کسی قوم ہی پر کیا موقوف ہے وہ ادارے بھی جو مختلف اقوام کے افراد پر مشتمل ہیں (مثلاً ہندوستان کی تعلیمی درسگاہیں وغیرہ) اپنا علیحدہ لباس (یونیفارم) رکھتے ہیں جس سے اتحاد و اتفاق نظم و یک رنگی اور وحدتِ خیال کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ حقیقت میں جس جماعت کے ہر فرد کا لباس ہر اعتبار سے مختلف ہو اور کسی معقول ضابطہ کی پیروی نہ کی جاتی ہو اُس کو کون ایک منظم جماعت کہہ سکتا ہے اور اُس سے کون کسی نمایاں معرکہ کی توقع رکھ سکتا ہے اُس جماعت کی حیثیت محض ایک نیم دیہاتی انبوہ کی شان رکھتی ہے جس کو ترقی سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہمیں اپنے بچوں کے لیئے ایک قومی لباس کی تجویز پر غور کرنا ہے اس خیال کے ساتھ ہی ہمارا ذہن سب سے پہلے اپنی اقتصادی حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے جو اس قدر تباہ ہے کہ اس سے زیادہ تباہی کا تصور بھی تقریباً محال ہے اس لیئے سخت ضرورت ہے کہ ہم اپنی چادر دیکھکر پاؤں پھیلائیں۔ میرے خیال میں جو پوشاک آج کل مروج ہے وہ صرف تن پوشی کی ضرورت کے لحاظ سے تقریباً نوے فی صدی زائد اور فضول ہے ہمیں تو کم سے کم خرچ میں صرف اس قدر ضرورت ہے جو شرعی ستر پوشی کے لیئے کافی ہو اس سے زیادہ سب اسراف میں داخل ہے۔ میری تجویز فیشن پرستوں اور خوش حال لوگوں کو ضرور گرانی گزرے گی لیکن میں پھر کہوں گی کہ تن پوشی اور تن پروری میں فرق ہے اور ہمیں اس وقت تن پوشی سے بحث ہے تن پروری ہماری بحث سے قطعاً خارج ہے۔ یہ ایک خالص اصلاحی معاملہ ہے اور ہر اصلاح شروع میں ناگوار ہوا کرتی ہے اس لیئے قوم کو چاہیئے کہ اس معاملہ کو اصلاحی نظر سے دیکھے اور اپنی اقتصادی اور معاشی حالت پر رحم کرتے ہوئے خوشی کے ساتھ اس کو قبول کرے۔ اسکولوں کالجوں اور دوسرے اداروں نے جو اپنی یونیفارم تجویز کی ہے اس میں ہمارے نظریہ کو بہت کم دخل ہے اس لیئے ان کی مثال دینا ہمارے معاملہ میں بالکل بے کار ہے ہمارا نظریہ تو یہ ہونا چاہیئے کہ کم سے کم خرچ میں کم سے کم پوشش اور زیادہ سے زیادہ پائداری

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۵ پر)

ماحول کی مطابقت

دنیا کی تمام چیزوں میں ایک عجیب و غریب ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور یہ ایک مشہور مقولہ ہے کہ "دنیا عالم اسباب ہے۔ اگر کسی بات کی بظاہر کوئی خاص وجہ سمجھ میں نہ آئے تو لوگ اسے عجیب سمجھنے لگتے ہیں لیکن درحقیقت اس کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے جو سطحی نظر والوں کو محسوس نہیں ہوتی لیکن باریک بین اور قانونِ قدرت پر غور و خوض کرنے والے اسے ڈھونڈھ ہی نکالتے ہیں۔ تاریخ کو دیکھئے، جغرافیہ پر نظر ڈالئے ہر طرف یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ انسان نے جب اپنے گرد و پیش کے حالات پر غور کرتے ہوئے آگے قدم بڑھایا ہے اُس کے لیے ترقی کی راہیں کھلتی چلی گئی ہیں اور جب اُس نے زمانے کے واقعات سے سبق لینا چھوڑ کر اپنا ایک الگ راستہ نکالا تب ہی اقبال نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ انسان تو انسان ہے اس بات کو حیوان بھی جانتے ہیں کہ اپنی عادتیں موسم اور وقت کے مطابق رکھنی چاہئیں ورنہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ سخت گرمی اور لو کے دنوں میں دوپہر کے وقت آپ کو کبھی کوئی جانور بلا وجہ دھوپ میں پھرتا ہوا نظر نہ آئیگا۔ سب اندھیری جگہوں میں چھپے پڑے ہوں گے۔ اور کس قدر تعجب کی بات ہے کہ قدرت بھی ان کو نہ صرف اس قسم کی آسانیاں بہم پہونچاتی ہے بلکہ انھیں دوسری جنس کے ضرر سے بچانے کے لیے ایسا رنگ روپ عطا کرتی ہے کہ وہ اپنے آس پاس کی چیزوں میں مل جل جائیں اور دشمنوں کو صاف نظر نہ آسکیں۔ شیر اور چیتے زیادہ تر ایسے گھنے جنگلوں میں ملتے ہیں جہاں دھوپ کا بہ مشکل گذر ہوتا ہے اور درختوں سے چھن چھن کر وہاں کی زمین پر اسی طرح پتلی پتلی دھاریوں اور گول ٹپوں کی شکل میں پڑتی ہے جیسے شیر اور چیتے کی کھال کا رنگ ہوتا ہے اسی طرح ہر ملک کی چڑیاں وہاں کی نباتات کے رنگوں سے ملتی جلتی ہوا کرتی ہیں۔ نباتات میں بھی یہ بات موجود ہے۔ اگر کسی بڑھتے ہوئے پودے کو اوپر اوپر سے چھانٹتے جائیں تو اُس کا تنہ بڑھتا چلا جائے گا اور اگر اُس کی اِدھر اُدھر پھیلتی ہوئی شاخوں کو تراشتے رہیں تو وہ لمبان میں زیادہ بڑھنے لگے گا اور جہاں تک اس کی طاقت ساتھ دے گی قد کا بڑا ہوگا۔ کسی دیوار کی جڑ سے اُگے ہوئے پیپل یا نیم کو دیکھئے تو اُس کی ٹہنیوں، پتوں وغیرہ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا آدھا درخت ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اُس کو دیوار کی طرف پھیلنے کا موقع نہیں ملا اور سامنے جہاں جگہ ملی پھیلتا رہا۔

غرض دنیا میں جدھر نظر کیجئے ہر طرف سے یہی سبق ملتا ہے کہ انسان کو اپنا گزارہ اپنے ماحول کے مطابق کرنا چاہئے لیکن ہم لوگوں میں جہاں اور ہزاروں طرح کی خرابیاں آجکل پیدا ہوگئی ہیں وہیں ایک یہ بھی ہے کہ اپنی ایک حالت پر قایم رہنا بڑی فخر کی بات سمجھی جاتی ہے چاہے اس میں کتنی ہی مشکلیں کیوں نہ پیش آئیں اور اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض بہنیں قسمت کی گردش میں مبتلا ہونے کے بعد بھی اپنی امیرانہ عادتوں کو ترک نہیں کرتیں۔ مثلاً عمدہ اور قیمتی کپڑے، پان تمباکو چائے کا استعمال، نوکروں کا خرچ، فیشن اور تفریح

سب اپنے وہی طریقے رکھتی ہیں جو پہلے سے ہوتے ہیں اور اس بات کا ذرا بھی خیال نہیں کرتیں کہ اب جو اندوختہ ان کے پاس ہے وہ ان کی فضول خرچیوں کو کب تک کفایت کرے گا۔ یا دوسرے عزیز جو اس مصیبت کی وجہ سے ان کے کفیل ہو گئے ہیں وہ ان باتوں کو کہاں تک برداشت کریں گے۔ بلکہ اگر کوئی انھیں دردمندی سے یہ باتیں سمجھائے تو بُرا مانتی ہیں اور کہدیتی ہیں کہ میں نے تو نہ کبھی خراب کھایا پہنا نہ کبھی کام کاج کیا۔ اس دن کی خبر تھوڑی تھی کہ عادت ڈال لیتے۔ اب تو جیسے خدا کی مرضی ہوگی ویسے وہ پوری ڈالے گا۔ وہ تو اپنے شکر خوروں کو شکر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچّوں کی تعلیم جیسی ہونی چاہیئے ویسی نہیں ہو سکتی اور وہ بچارے تھوڑا بہت پڑھ لکھ کر جہاں سینگ سماتے ہیں اپنا ٹھکانا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جیسی کچھ بُری بھلی ملازمت مل جاتی ہے اُسے غنیمت سمجھتے ہیں کہ کسی طرح گھر کے اخراجات پورے ہو سکیں پھر وہ بھی جو کچھ کماتے ہیں اُسے اسی بے پرواہی اور کاہلی کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ غرض اس ایک بڑی عادت کی وجہ سے کہ ماحول کی مطابقت نہیں کی جاتی گھر کی حالت کسی طرح سنبھلنے میں نہیں آتی اور خاندان کی حیثیت گرتی چلی جاتی ہے۔ برخلاف اس کے جو عقلمند ہیں وہ جس وقت یہ سمجھ لیتی ہیں کہ ہماری آمدنی بند ہو گئی یا محدود ہے فوراً اپنا طریقہ اپنی حالت کے مطابق کر کے زمانے کی گردش کا مقابلہ اپنی جفاکشی اور جزرسی سے کرنا شروع کرتی ہیں۔ اولاد بھی ان کا اثر لیتی ہے اور سب کے سب مل کر اپنے مقدور بھر کوشش کرتے ہیں کہ پھر اپنی پہلی حالت پر پہونچ جائیں۔ مثل مشہور ہے کہ کرتے کی سب بدّ پا ہے خدا کی نوازش ایسی ہوتی ہے کہ اکثر اوقات وہ لوگ اپنی پہلی حالت سے بھی کچھ بڑھ کر مرتبہ پا جاتے ہیں اور ایک عورت کی دانشمندی و دوراندیشی کی بدولت خاندان تباہی سے بچ جاتا ہے۔

و - ا

قومی بچیّوں کا گیت

هم باغِ وطن کی کلیاں ہیں اور قوم ہے ڈالی پھولوں کی
کلیوں سے نہ دیکھی جائے گی ہرگز پامالی پھولوں کی

کہتی تھی یہ بلبل سے قمری آزادی جیسی دولت کا
کانٹوں کو محافظ سمجھیں گر ہے خام خیالی پھولوں کی

وہ قوم ہے راز سے جینے کے آگاہ، مزاج میں ہو جس کے
کچھ رنگ جلالی تاروں کا کچھ طرز جمالی پھولوں کی

بازار جہاں میں مل جاتی ہے جنس تشکّر سستی ہی
افسوس کہ نقدِ مروّت سے تھی جیب ہی خالی پھولوں کی

جب مالی کی غیرت اُٹھ کر گلچیں کے جور مٹا دے گی
اُس وقت گلستاں میں ہوگی کچھ شان نرالی پھولوں کی

یہ زیبؔ کی بابت پھولوں سے بلبل نے کہا سرگوشی میں
ہے دل کا حال سُنانے کو اک طرز نرالی پھولوں کی

زیب عثمانیہ لودیانوی

عورتوں کے لیے معاش کے ذرائع

مسلمانوں کی مالی حالت جس قدر خراب ہے سب پر ظاہر ہے۔ خاص کر متوسط طبقہ تو بہت زیادہ مالی مشکلات میں مبتلا ہے۔ کیونکہ غریبوں کو تو کم سے کم ظاہری حالت درست رکھنی نہیں پڑتی، ان کی عورتوں کے لیے پردہ کی پابندی نہیں، ان کے بچوں کو اسکول کی فیس نہیں دینی پڑتی، غرض اگر ان کے پاس پیسہ نہیں ہے تو سوسائٹی ان سے پیسہ والوں کی سی زندگی بسر کرنے کی توقع بھی نہیں رکھتی۔ لیکن سب سے زیادہ مصیبت متوسط درجہ کے لوگوں کی ہے جن کو ظاہری ٹیپ ٹاپ درست رکھنی پڑتی ہے، آمدنی ہو یا نہ ہو۔ پرانے زمانے میں جب مخلوط خاندانوں کا رواج تھا تب بھی کسی نہ کسی طرح گذر ہو جاتی تھی۔ کسی کی تنخواہ زیادہ تھی تو کسی کی کم مل جل کر گھر کا خرچ چل جاتا تھا لیکن اب جب کہ قریب قریب سب میاں بیوی الگ الگ گھر بنانے لگے ہیں ساٹھ ساٹھ پچاس پچاس اور بعض اوقات اس سے بھی کم آمدنی میں گذارہ کرنا پڑتا ہے خرچ کا برداشت کرنا ناممکن ہو رہا ہے۔ دوسری قوموں میں اس طبقہ کی عورتیں بھی گھر کی آمدنی بڑھانے میں حصّہ لیتی ہیں لیکن مسلمان عورتیں اب تک ایسا کرنے سے مجبور ہیں۔ کیوں کہ پہلی دقت تو پردے کی ہے جس کی وجہ سے وہ کسی دفتر میں کام نہیں کر سکتیں۔ دوسرے عام طور پر ان کی تعلیم ایسی نہیں ہوتی کہ وہ کسی قسم کی سرکاری ملازمت کر سکیں۔ تیسرے وہ گھر سے باہر جا کر اگر کام کریں تو گھر اور بچے کون سنبھالے اگر اس کے لیے وہ کسی دوسرے کو تنخواہ دے کر رکھیں تو پھر انھیں نوکری کرنے سے کیا فائدہ جو کچھ ان کی آمدنی ہوئی وہ اس طرح سے چلی گئی۔ اس لیے ابھی متوسط طبقہ کی عورتیں صرف ایسا کام کر سکتی ہیں جو گھر میں رہ کر انجام دیا جا سکے۔ دستکاری ہمیشہ سے غریب عورتوں کا سب سے کارآمد ہنر رہا ہے لیکن اب گوٹے بُن کر ٹوپیاں بنا کر، کارچوب پر کاڑھ کر گذارہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اب امیروں کو اس کا مذاق اور شوق نہیں رہا۔ اب تو انگریزی فیشن کے کپڑے کی کڑھائی اور بُنت کی قدر ہے۔ متوسط طبقہ کی مسلمان عورتیں آجکل کافی تعداد میں مشین پر سینا پرونا جانتی ہیں اور بُن بھی سکتی ہیں۔ کاڑھنے سے بھی ان کو واقفیت ہوتی ہے لیکن ان کو نئے فیشن کے لوگوں کے مذاق کا علم نہیں۔ جو چیزیں وہ بناتی ہیں وہ ہوتی تو بہت اچھی ہیں لیکن ان کا رنگ نمونہ وغیرہ آجکل کے مذاق کے مطابق نہیں ہوتا۔ اون کی چیزیں بچوں کے لیے آجکل سفید یا بہت ہی ہلکے رنگ رنگوں کی پسند کی جاتی ہیں لیکن ہندوستانی خواتین کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزیں عموماً بہت گہرے رنگ کی ہوتی ہیں اور ان کی وضع بھی ایسی ہوتی ہے جو کہ ننھے بچوں کو پہنائی نہیں جاتی۔ مثلاً وہ سویٹر بنتی ہیں جو گلے سے پہنائی جاتی ہے لیکن یہ چیز چار یا چھ مہینے کے بچوں کے لیے بہت تکلیف دہ ہے ان کے لیے سامنے سے کھلے کوٹ ہوتے ہیں جو matinee coat کہلاتے ہیں اور جن کا نمونہ انگریزی کی بُننے کی کتابوں میں مل سکتا ہے۔

اسی طرح خواتین کے کارڈیگن Cardigans بڑے بچوں کے پل اور کوٹ موزے وغیرہ کے نمونے بھی انگریزی کتابوں میں مل سکتے ہیں۔ اگر اتنی انگریزی نہ بھی آتی ہو کہ ان کے بنانے کا طریقہ سمجھ سکیں تب بھی جنھیں نٹنگ اچھا آتا ہے وہ صرف تصویر دیکھ کر بھی اس کی نقل اُتار سکتی ہیں کیوں کہ انگریزی کتابوں کی تصویریں بہت ہی صاف ہوتی ہیں۔ بناوٹ بغیر انگریزی جانے سمجھ میں نہیں آسکتی لیکن جن کو بنانا آتا ہے وہ خود کئی طرح کی بناوٹ جانتی ہوں گی صرف کوٹ یا بنیان کی شکل اور سائیز کیسا ہو یہ کتاب سے معلوم کر سکتی ہیں۔

ایمبرائیڈری بھی عام طور سے مسلمان عورتیں بہت اچھی بنا سکتی ہیں۔ صرف کام میں بہت زیادہ نزاکت اور نفاست چاہیے۔ ساڑیوں کی بیل کے لیے انگریزی پھولوں کے گلدستے بہت زیادہ پسند کیے جاتے ہیں میز پوش۔ تکیوں کے غلاف۔ چائے کے نیپکن وغیرہ کے کڑھائی کے نمونے بھی کتابوں میں ملتے ہیں انگریز عورتیں اور فیشن ایبل ہندوستانی عورتیں ہاتھ کی بنی ہوئی ان چیزوں کو بہت اچھی قیمت پر خرید لیتی ہیں لیکن ہندوستانی خواتین کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیز چونکہ انگریزی فیشن کی نہیں ہوتی اس لیے بہت کم بکتی ہے مشنری عورتیں۔ گنوار عورتوں۔ پہاڑی عورتوں کو کاڑھنا سکھا کر اور ان کے ہاتھ سے انگریزی فیشن کی چیزیں بنوا کر منہ مانگی قیمت پر بیچتی ہیں لیکن ہماری دستکاری کے اسکولوں کی چیزیں کوئی نہیں لیتا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ فیشن ایبل نہیں ہوتیں۔ ظاہر ہے کہ زیادہ قیمت وہی دے سکتے ہیں جو متمول ہیں اور ہمارا متمول طبقہ چاہے ہم پسند کریں یا نہ کریں فیشن ایبل اور انگریزی طریقہ کا گرویدہ ہے۔ اس موقع پر ذاتی پسندیدگی کا سوال نہیں تجارتی منافع کا سوال ہے۔ اس لیے ہماری دستکار خواتین کو چاہیے کہ وہ انگریزی قسم کے کپڑوں کی سلائی اور بنائی سیکھیں۔ اور اس کے سیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ انگریزی دستکاری کی کتابیں خریدیں اگرچہ وہ کافی مہنگی ہوتی ہیں لیکن ان کے نمونے کی بنائی ہوئی چیزیں چوگنی قیمت میں بکیں گی۔ انگریزی کی تھوڑی سی بھی شد بُد جنھیں ہے وہ ان کے بنانے کے طریقے پڑھتی ہیں جو خود پڑھ نہیں سکتیں ان کے گھر کے مرد وہ طریقے پڑھ کر سمجھا دیں تو اُن کی سمجھ میں آجائے گا۔ کیونکہ ان میں صرف خانوں کی گنتی ہی بتانی ہوتی ہے جس کو سمجھنا بہت آسان ہے۔ سب سے بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ ہر بڑے شہر میں ایک دستکاری کا اسکول قایم ہو جس میں متمول خواتین آرڈر دیں اور اپنے پسند کے نمونے دے کر ان خواتین سے جو دستکاری کے ذریعہ اپنی آمدنی بڑھانا چاہتی ہیں وہ چیزیں بنوائیں اس سے دوہرا فائدہ ہوگا ایک تو یہ کہ بنانے والی کو خود نمونے تلاش کرنے کی زحمت نہیں ہوگی دوسرے اس کی چیزیں بنانے کے ساتھ ہی بک جائیں گی لیکن ایسے اسکول قایم کرنا متوسط طبقہ کی خواتین کے بس کی بات نہیں اور ہمارا متمول طبقہ کسی کام کی طرف بڑی مشکل سے متوجہ ہوتا ہے۔ اس لیے میں یہ مضمون اسی نقطہ نگاہ سے لکھ رہی ہوں کہ بغیر کسی قسم کی مدد کے متوسط طبقہ کی خواتین کس طرح سے کام کر سکتی ہیں۔ نمونے کتابوں کے ذریعہ حاصل کرنے کے علاوہ ایک اور طرح سے بھی حاصل ہو سکتے ہیں وہ یہ کہ کسی انگریزی دکان میں وقتاً فوقتاً جا کر بچوں کی اونی کی چیزیں دیکھیں اور نہ صرف بچوں کی بلکہ پلنگ پوش میز پوش وغیرہ بھی۔ ایک آدھ چیز خرید بھی لیں چاہیے

وہ مہنگی ہی ہو۔ کسی فیشن ایبل سہیلی یا رشتہ دار کے ذریعہ سے بھی نمونے حاصل کئے جا سکتے ہیں اور دو ایک مہینہ کے لیے عیسائی مشنری عورت کو رکھ کر اس سے بھی نئے فیشن کی چیزیں سیکھ لی جائیں۔ جو کچھ اس طرح خرچ ہوگا وہ فضول نہیں بلکہ بہت زیادہ فائدہ پہنچائے گا۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ چیزیں بکیں کس طرح۔ یہ سب سے مشکل بات ہے۔ اس کے لیے صرف یہ ترکیب ہو سکتی ہے کہ جب بہت سی چیزیں بن جائیں تو ایک نوکر رکھا جائے۔ اور ایک بکس میں ٹیشو پیپر میں لپیٹ کر بہت خوبصورتی کے ساتھ یہ سب چیزیں سجا کر ان کی قیمت کے لیبل ان پر لگا کر انگریزی محلہ اور چھاؤنی اور فیشن ایبل محلوں میں بھیجی جائیں۔ اتنے دور جانے کی مزدوری اگرچہ زیادہ ہوگی لیکن چیزیں بھی ضرور اچھے داموں بک جائیں گی۔ چیزوں کے ساتھ ایک چھپا ہوا پوسٹر یا کاغذ ہونا چاہیئے جس میں لکھا ہو کہ "میں دستکاری کے قسم کی ہر چیز کا آرڈر لینے کے لیے تیار ہوں اور آپ کے حسب پسند اور آپ کے انتخاب کے مطابق چیزیں بروقت بنا کر دے سکتی ہوں۔"

جن کو بناوٹ اور کڑھت آتی ہے وہ تو چیزیں بغیر آرڈر کے بنا کر بیچ سکتی ہیں لیکن جن کو بنانا کاڑھنا نہیں آتا بلکہ قطع کرنے اور سینے میں مہارت ہے ان کے لیے ذرا زیادہ دقت ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اگر ایک دفعہ ان کا کام چل جائے تو منافع کی بھی کہیں زیادہ امید ہے کیونکہ کڑھی یا بنی ہوئی چیزیں لوگ زیادہ تر شوقیہ لیتے ہیں لیکن کپڑے سلوانے کی ضرورت روزانہ ہی رہتی ہے۔ جن کو قطع کرنا اور سینا آتا ہے وہ پہلے انگریزی طرز کا بلاوز بچوں کے فراک جانگیہ قطع کرنا سیکھیں۔ بچوں کے فراک کے نمونے انگریزی رسالوں سے مل سکتے ہیں اب تو جنگ کی وجہ سے ان کی آمد کم ہوگئی ہے اور منگوانے میں بھی دقت ہے ورنہ ہر ہفتہ Bestways Weldons Vogue کے نمونے . Pattern Books آیا کرتے تھے جن میں بچوں کے فراک کے بیسیوں نمونے ہوتے تھے جن میں سے جو نمونہ پسند ہو وہ کاغذ کا مکمل قطع کیا ہوا ایک روپیہ میں مل سکتا تھا۔ جن کو ہندوستانی کپڑے قطع کرنے آتے ہیں وہ ان نمونوں کی مدد سے بغیر درزی کی مدد کے بھی فراک وغیرہ قطع کرنا سیکھ سکتی ہیں مردوں کے کپڑے یا میموں۔ لیڈیوں کے فراک بنانے کی کبھی کوشش نہیں کرنی چاہیئے یہ بہت مشکل کام ہے اور بہت زیادہ ٹریننگ پر بھی اچھی طرح نہیں آسکتا۔ صرف بچوں کے کپڑے بلاوز رس پیٹی کوٹ۔ شب خوابی کے کپڑے۔ سینے کی کوشش کرنی چاہیئے اور سب آجکل کے فیشن کے۔ پیٹی کوٹ وغیرہ تو اون کی چیزوں اور کڑھی ہوئی چیزوں کی طرح بکوائی جا سکتی ہیں اور لڑکیوں کے فراک بھی لیکن زیادہ آمدنی تو اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ لوگ خود کپڑے دیں اور سلوائیں اور عموماً لوگ یہ پسند بھی کرتے ہیں۔ لیکن آرڈر منگوانے کی کیا صورت ہو۔ میرے خیال میں انگریزی اور اردو میں اشتہار چھپوا کر ٹیلیفون کی کتاب سے معزز لوگوں کے پتہ معلوم کر کے بھیجنا چاہیئے۔ اشتہار کا مضمون یہ ہونا چاہیئے کہ "ایک خاتون ہر قسم کے کپڑے سی سکتی ہیں اور آپ سے آرڈر کی طالب ہیں درزیوں سے عمدہ اور کفایت سے کام ہوگا"۔ جو عورتیں بڑے شہروں میں نہیں رہتی ہیں وہ اور بھی کامیابی سے سلائی کا کام کر سکتی ہیں کیونکہ چھوٹی چھوٹی جگہوں میں اچھے درزی نہیں ملتے۔ بڑے شہر میں تو خیر

گھر گھر پھر کر آرڈر لینا آسان نہیں لیکن چھوٹے شہروں میں تو دو چار ہی افسر ہوتے ہیں خود اُن کے یہاں جا کر آرڈر
مانگا جا سکتا ہے اور اس میں کسر شان نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ دنیا میں دوسرے کی محتاجی سے بڑھ کر اور کوئی
چیز زیادہ خراب نہیں۔ دوسری قوم کی عورتیں ہر طرح سے اپنی حالت سنوارنے کے لیے کام کرتی ہیں اس لیے
ان کی قوم دن بدن مرفع الحال ہوتی جاتی ہے اور ہماری تنگ دستی اور کس مپرسی بڑھتی جاتی ہے۔

دستکاری کے علاوہ اور بھی کئی کام ہیں جو گھر بیٹھے پردہ دار عورتیں کر سکتی ہیں۔ مثلاً اچار چٹنی مربے
بنا کر بیچنا۔ آجکل کی فیشن ایبل خواتین پکانا بالکل نہیں جانتیں لیکن گھر کی بنی ہوئی ایسی چیزوں کا ان کو شوق
بہت ہے اور اکثر اچھی خاصی امیر بیبیں بنا کر بیچتی ہیں۔ نہ صرف اچار چٹنی۔ بلکہ کافی۔ کیک۔ پیسٹری۔ جیلی۔ جام
مارملیڈ۔ ان سب چیزوں کی ترکیبیں اُردو اور انگریزی میں آسانی سے مل سکتی ہیں۔ گھر پر بنا کر جب ہاتھ صاف
ہو جائے تو پھر بیچنا شروع کرنا چاہیئے۔

انگلستان میں اکثر عورتیں کیٹرنگ Catering کا کام کرتی ہیں یعنی شادی بیاہ یا کسی بڑی پارٹی
میں ذمہ لے لیتی ہیں کہ سارا انتظام وہ کر لیں گی اور گھر والی کو کچھ تکلیف نہیں کرنی پڑے گی۔ کھانا پکانا گھر سجانا
میز لگانا۔ پھل فواکہات خرید کر لانا سب ان کے ذمہ ہوتا ہے۔ سارا خرچ بھی وہ خود کرتی ہیں اور گھر والی صرف
ایک رقم جس کا پہلے فیصلہ ہو جاتا ہے کیٹرر کو دے دیتی ہے یعنی میں ۱۲ آدمیوں کا کھانا پکوا دوں گی۔ اور
اس کے لیے پچیس روپیہ خرچ ہوں گے۔ انگریزی طرز کے گھروں میں ۱۲ آدمیوں کے کھانے پر اس سے کہیں زیادہ
خرچ ہوتا ہے کیونکہ نوکر دوگنی اور تگنی قیمت پر چیزیں لاتے ہیں اور مالکہ مکان کو جو دردسری ہوتی ہے وہ
الگ۔ میں یقین سے کہتی ہوں کہ ہماری موجودہ انگریزی فیشن کی ہندوستانی سوسائٹی میں کیٹرر کی بے حد
ضرورت ہے۔ اور جو عورتیں اس کام کو اختیار کر لیں تو وہ بہت زیادہ کامیاب ہوں گی۔ شہر میں رہنے کی وجہ سے
ہر چیز بہ کفایت خرید سکتی ہیں۔ اس میں ان کو سارا خرچ کر کے بہت بچت رہے گی۔ اور جب ان کا کام چل جائے گا
تو پھر وہ نوکر بھی رکھ سکتی ہیں اور خود اپنے نوکروں کے ساتھ جا کر سارا انتظام اپنی نگرانی میں کرا دیں گی۔ جو عورتیں
ایسا کام کرنا چاہیں وہ خود کو مشتہر کیسے کریں تو اس کا ذریعہ بھی وہی اشتہار ہے جو گھر گھر بھیجے جائیں اس کے
علاوہ ہر ایک ایسی ضرورت مند خاتون کے چند رشتہ دار بھی ہوں گے جو خوش حال ہوں ان کے یہاں سے
کام شروع کرنا چاہیئے اور ان کے ذریعہ ان کے دوستوں کو پتہ چلے گا اور اس طرح سے ان کا کام بڑھتا جائیگا
جتنے بھی طریقے میں نے آمدنی پیدا کرنے کے اس مضمون میں تجویز کئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ کامیابی
کیٹرنگ کو ہوگی کیونکہ اس کی تہذیب یافتہ سوسائٹی میں بہت زیادہ مانگ ہے اور کسی نے اب تک یہ کام شروع
نہیں کیا ہے۔ دستکاری مشن کے لوگ بہت اچھی کرتے ہیں۔ سلائی کے لیے درزی ہیں۔ اچار۔ چٹنیاں۔ جام
جیلی۔ کافی۔ کیک۔ اکثر بہنیں بنا کر بیچا کرتی ہیں لیکن دعوتوں کے انتظام کا کام جس کو Catering
کہتے ہیں سوائے بڑے بڑے ہوٹلوں کے جو بہت زیادہ روپیہ لیتے ہیں کوئی نہیں کرتا لیکن ہوٹل والے
جو کھانا بھیجتے ہیں وہ بازاری ہوتا ہے اور گھر پر جا کر پکوانے کی بات دوسری ہوگی۔

جن خواتین کے پاس کافی وقت ہے یعنی جن کے یہاں چھوٹے بچے نہیں یا جن کے یہاں کوئی رشتہ دار

ان کے بچّوں کی دیکھ بھال کو ہے وہ نرسنگ کا کام اپنے ذمہ لے سکتی ہیں۔ یہ کام گھر پر بیٹھ کر یا آٹھ دس دن میں ایک دفعہ باہر جا کر کرنے کا نہیں بلکہ ہفتوں باہر رہنے کا ہے۔

نرسنگ کی ٹریننگ کو ایک سال سے چار سال تک چاہئیں لیکن نرسوں کی اتنی مانگ ہے کہ بغیر ہسپتال کی ٹریننگ کے بھی کام مل سکتا ہے اگر وہ تیمار داری کے اصول سیکھ لیں اور یہ کتابوں سے یا ہوم نرسنگ Home Nursing کے لکچرز سے جو کہ Red Cross کی طرف سے برابر ہر شہر میں ہوتے رہتے ہیں سیکھ سکتی ہیں۔ اصول تیمارداری سیکھنے کے بعد چند صاف سفید جوڑے کپڑوں کے بنوانے پڑیں گے۔ تیمارداری کی حالت میں پہننے کے لیے۔ اور کام لینے کا بہترین ذریعہ یہ ہوگا کہ محلہ کے کسی ڈاکٹر کے پاس جا کر اپنا نام اور پتہ لکھوا دیں اور کہیں کہ کسی مریض کے لیے جب نرس کی ضرورت ہو تو ان کو اطلاع دی جائے اور وہ اپنی نرسنگ کی فیس کا کچھ حصّہ ان ڈاکٹر کو دے دیں گی۔ اس طرح سے تھوڑے دنوں کے بعد کافی ڈاکٹر ان سے واقف ہو جائیں گے اور پھر کام خود ہی آنے لگے گا۔ ٹرینڈ انگریز نرسوں کی فیس تو چودہ روپیہ روزانہ ہے۔ ہندوستانی نرسیں بے چاری پانچ چھ روپیہ روزانہ پاتی ہیں۔ مگر وہ ٹرینڈ ہوتی ہیں۔ ٹرینڈ نہ ہونے کی وجہ سے فیس اور بھی کم ہوگی۔ تب بھی دو تین روپیہ روزانہ تو کہیں گئے ہی نہیں اور چونکہ فیس کم ہوگی اس لیے ان لوگوں کی مانگ زیادہ ہوگی کیونکہ چودہ روپیہ یا پانچ روپیہ روزانہ کتنے لوگ دے سکتے ہیں۔ اس لیے باوجود اس کے کہ اکثر سخت بیماریوں میں نرس کی ضرورت ہوتی ہے۔ لوگ نرس نہیں بلا سکتے لیکن اگر دو روپیہ روزانہ میں ان کو نرس ملے تو بہت زیادہ لوگ نرسیں بلائیں گے اور درحقیقت سوائے اپریشنوں کے اکثر بیماریوں میں صرف ایسے آدمی کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر وقت مریض کی خدمت کرتا رہے۔ خود گھر والے چونکہ اور کاموں میں مشغول ہوتے ہیں وہ مریض پر پوری توجہ نہیں دے سکتے۔ اس کے لیے ہر وہ عورت جو حفظان صحت کے موٹے موٹے اصولوں سے واقف ہو یہ کام کر سکتی ہے کچھ زیادہ تعلیم یا ٹریننگ کی ضرورت نہیں۔ اپنے گھروں میں خوش حالی اور فارغ البالی پیدا کرنے کے لیے خواتین چاہیں تو باوجود پردے کے بہت سے کام کر سکتی ہیں لیکن جو چیز ان کی راہ میں حایل ہے وہ پردہ نہیں بلکہ ان کی غلط ذہنیت ہے۔ اب تک عورت کسی کام کے کرنے کو ہتک عزت اور ننگ خاندان خیال کرتی ہے۔ یہ خیال کس قدر فضول ہے۔ کتنا زیادہ باطل۔ دوسرے ملکوں میں ہم سے بدرجہا متمول۔ ہم سے بدرجہا صاحب ثروت عورتیں گھر کی آمدنی بڑھانے میں حصّہ لیتی ہیں اور اسی سے ان کے قومی تمول میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور ہم ہیں کہ اپنی تمکنت کے ہاتھوں برباد ہو رہے ہیں۔ آپ ہی سوچئے کہ روپیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے بچّوں کو ابتدائی تعلیم سے اُٹھا لینا بہتر ہے یا اپنی فضول آن بان شان کو چھوڑ کر چار پیسے خود کما کر ان کی تعلیم کو مکمل کرنا اچھا ہے۔ تاکہ آگے چل کر وہ بجائے چالیس روپیہ کی نوکری کے چار سو روپیہ کی ملازمت کر سکیں۔ اگر اتنی آمدنی نہیں کہ آپ اپنے لڑکے کو بی۔ اے تک پڑھا کر دو برس کسی انجینیرنگ یا کسی اور کالج میں ٹرینڈ کرا سکیں تو آپ اُس کو میٹرک کے بعد اُٹھا لیں گی۔ میٹرک پاس کو نوکری بھی نہیں ملتی۔ اگر آپ اپنی محنت سے اس کو بی اے تک پڑھا سکیں اور ٹریننگ دلا سکیں تو اُس کا مستقبل کس قدر زیادہ اچھا ہو جائے گا۔ یہ اچھا ہے یا کوری

شان ہی شان جن کے ہاتھوں نیچے دن بدن زیادہ پستی کی طرف جا رہے ہیں۔

اگر آپ کے گھر کی آمدنی اس قدر کم ہے کہ آپ اپنے بچوں کو ایسی غذا نہیں دے سکتیں جس سے ان کی صحیح نشو و نما ہو یا اگر وہ بیمار ہوں تو آپ علاج نہیں کرا سکتیں یا ان کو صحت کے لیے کسی اچھی جگہ پر دو چار ہفتے نہیں رکھ سکتیں تو کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ خود کام کریں تاکہ ان کی یہ ضرورتیں پوری ہوں بہ نسبت اس کے کہ آپ کی بے جا شان کی وجہ سے وہ نقصان اُٹھاتے رہیں۔

یقین کیجئے کہ قوم کی اقتصادی حالت اس قدر خراب ہے اور بدتر ہو رہی ہے کہ ہمارے پاس فضول تمکنت و غرور کا اب بالکل وقت نہیں۔ اقتصادی حالت ہی پر ہر قوم کی ترقی یا تنزل کا دارومدار ہے۔ اگر یہ اس رفتار سے گرتی رہی تو کسی قسم کی سیاسی بیداری ہمیں زندہ نہیں رکھ سکتی۔ اور ہماری اقتصادی حالت بہ نسبت دوسری قوموں کے جو اس قدر زدہ ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان کے یہاں زندگی کی گاڑی دو پہیوں پر چل رہی ہے اور ہمارے یہاں ہنوز ایک پہیہ ہے۔ یاد رکھیئے کہ آجکل کی دنیا میں رہنا ہے تو آجکل کی باتیں اختیار کرنی ہوں گی۔

شائستہ اختر سہروردی

۴۴

روح سے غم کا بار کاش
آج کی شب اُٹھا سکوں
قلبِ حزیں سے کاش میں
داغِ الم مٹا سکوں

نجمہ رحمت اللہ۔ بی اے

شبِ ماہ

عالمِ شش جہات پر طاری ہے اک سکوتِ مرگ
پھولوں نے سر جھکا لیئے مُہر بلب ہیں شاخ و برگ
تاروں پہ ہے فسردگی
پڑ گئی ماند کہکشاں
اُٹھ کے اُفق سے چرخ پر
چاند کی ناؤ ہے رواں
پھیل رہا ہے ہر طرف نور کا بحرِ بیکراں
بقعۂ نور ہے زمیں مرکزِ نورِ آسماں
عطر فشاں فضاؤں میں
یہ شبِ ماہ کا ظہور
نکھری ہوئی ہے چاندنی
بکھری ہوئی ہے برقِ طور
کلیوں کی مُسکراہٹیں اور یہ ہوائے عنبریں
روح میں ہے سما رہا رات کا حُسنِ شبنمیں
جوئے شمیم سے فضا
مہکی ہوئی ہے چار سُو
اُف کس قدر ہے جانفزا
پھولوں کا حُسنِ رنگ و بُو
جھیل کی سطحِ آب پر چاند کا سایۂ جمیل
کرتا ہے رقص اس طرح جیسے ہو موجِ سلسبیل
موجِ ہوا بھی شو بشو
آج کی شب ہے زرفشاں
سیمیں و زریں شال میں
لپٹا ہوا ہے سب جہاں

۴۴

پیشکش

ایک ڈالراور ۸۷ سینٹ! یہ تھی کل مایا ساری پونجی جن میں سے ترکاری والے۔ قصائی اور بنئے کے دام چکا دینے سے ۶۷ سینٹ ہیں سے کچھ پنی کی شکل میں اور اپنی انفرادی حیثیت میں موجود تھے ڈیلا نے گنا "ایک ڈالر اور ۸۷ سینٹ" پھر گنا "ایک ڈالر اور ۸۷ سینٹ" پھر گنا "ایک ڈالر اور ۸۷ سینٹ" پھر گنا مگر وہی "ایک ڈالر اور ۸۷ سینٹ" وہ زیر لب بڑبڑائی صرف ایک ڈالر اور ۸۷ سینٹ فقط ایک ڈالر اور ۸۷ سینٹ اس کے چہرے سے کبھی امید اور گن چکنے کے بعد نا امیدی کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور وہ عجیب اضطراری کیفیت میں اپنے کمرے میں کھڑی ہوئی تھی اس نے ایک مرتبہ پھر نہایت مایوسی سے کہا "کل ہست و بود صرف ایک ڈالر اور ۸۷ سینٹ" اور سامنے بچھے ہوئے کوچ پر گر پڑی اور عجیب ہیبت ناک طریقے سے چیخنا شروع کر دیا اس نے ایک مرتبہ پھر کہا صرف ایک ڈالر اور ۸۷ سینٹ" وہ کوچ پر پڑی سوچ رہی تھی "زندگی آہوں آنسوؤں اور حسرتوں سے مرکب ہے اس میں زہرخندگی اور گریہ دونوں ملے جلے ہیں مگر تب بھی اور آنسو کی آماجگاہ ہو زندگی"۔

مالکہ مکان کو اسی سرخروشی اور مدہوشی کے عالم میں چھوڑئیے اور آئیے اس کے مکان کا معائنہ کریں وہ دیکھئے سامنے ایک اونچا زینہ ایک اونچا کوٹھا ایک اونچے قطعہ زمین پر کھڑا ہے۔ اگرچہ کافی امیرانہ ٹھاٹھ ہے مگر ماحول اور گرد و پیش کے مناظر سے اس پر کچھ عجب قسم کی ہیئت اور غربت برس رہی ہے سامنے ہی ایک لیٹر بکس اور ایک برقی بٹن لگا ہے جن کی خصوصیت یہ ہے کہ لیٹر بکس میں آج تک کوئی خط نہیں ڈالا گیا اور برقی بٹن سے آج تک کوئی فانی ہاتھ کوئی مناسب حال کام نہ لے سکا برابر ہی ایک کارڈ لگا ہے جس پر جلی حروف میں مالک مکان "مسٹر جیمس ڈیلنگھم" کا نام لکھا ہوا ہے۔ اور ان اچھے دنوں کی یادگار ہے جبکہ مالک مکان ۳۰ تیس ڈالر فی ہفتہ کمایا کرتے تھے مگر اب جبکہ آمدنی رفتہ رفتہ ۲۰ بیس ڈالر فی ہفتہ تک آپہنچی تھی اتنا لمبا چوڑا نام کچھ بھلا نہ لگتا تھا اور قیاس تو اس لمبے چوڑے نام اور قلت آمدنی کے تناسب کو انتہائی بدمذاقی خیال کر کے ڈی۔ جٹ جیسے مختصر اور چھوٹے نام کا متقاضی تھا اتنے لمبے چوڑے نام کے باوجود یہاں مسٹر جیمس ڈیلنگھم ینگ صرف "ڈیلا" کہلائی جاتی تھیں۔

ہم آپ کو پھر اسی کمرے میں لے آئے ہیں جہاں ڈیلا اضطراری کیفیت میں کوچ پر پڑی چیخ رہی ہے مگر اے لو وہ اپنا چیخنا ختم کر چکی کچھ بالوں پر پوڈر چھڑکنے کا خیال آگیا اٹھ کر کھڑکی کے پاس آکھڑی ہوئی اور زدیدہ نگاہوں سے ایک بھوری بلی کو دیکھ رہی ہے جو بھورے رنگ کے جنگلے پر پھر رہی ہے اس کے دماغ میں اب تک وہی خیالات چکر لگا رہے ہیں "کل بڑا دن ہوگا اور میرے پاس صرف ایک ڈالر اور ۸۷ سینٹ ان میں سے مجھے اپنے پیارے شوہر جم کے واسطے ایک تحفہ خریدنا پیارے جم کو کرسمس کے دن تحفہ دینا ضروری ہے وہ جم جس نے اب تک میری رفاقت اور محبت کا حق پوری پوری طرح ادا کیا ہے کتنی چھوٹی سی رقم ہے ایک ڈالر اور ۸۷ سینٹ میں اسی دن کے واسطے مہینوں سے بچت کرتی رہی ہوں جب دیکھو پیٹ کاٹ کر دل مار کر ہمیشہ اس دن کے لئے جمع کرتی رہتی تھی کہ بڑے دن کو "جم" کے لئے ایک عمدہ اور قیمتی تحفہ خریدوں گی اور اسے پیش کروں گا بیس ڈالر ہونے ہی کیا ہیں آمدنی تو یہ اور صرف اس قدر اخراجات اس سے کہیں زیادہ اور ہمیشہ موجود سر پر بخار کی طرح چڑھے رہتے ہیں آخر کہاں تک بچاؤں اُدھر ہاں اس بچانے کا بھی کیا انجام ہوا کہ آج صرف

ایک ڈالر اور ۸۷ سینٹ لئے بیٹھی ہوں صرف "ایک" ڈالر اور ۸۷ سینٹ بھلا اس سے کیا تحفہ خرید سکتی ہوں اور تحفہ خریدنے کو کیا ہوا تحفہ ہو تو ایسا ہو کہ "جم" کی شان رتبہ عزت و مرتبہ کے مناسب نایاب کم خرچ اور عمدہ۔ مہینوں سے میں ایسے تحفہ کی تلاش میں ہوں مگر آج جبکہ خاص تحفہ دینے کا موقع آیا ہے تو میرے پاس کل پونجی ایک ڈالر اور ۸۷ سینٹ ہیں انہیں خیالات میں محو وہ کھڑکی سے ہٹ کر دو کھڑکیوں کے بیچ میں لگے ہوئے آئینہ کے سامنے آکھڑی ہوئی آپ نے اکثر آٹھ ڈالر فی ہفتہ کی قسم کے کرایہ والے مکانات میں ایسے آئینہ لگے دیکھے ہوں گے۔

اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں مگر چہرہ کی رنگت اڑ چکی تھی اس نے اپنے بال کھول ڈالے مگر دل کی گرہ نہ کھول سکی چہرہ پہ مردنی چھائی ہوئی تھی بال اس کے گھٹنوں کے قریب لہرا رہے تھے دنیا میں فقط دو چیزیں ایسی تھیں جن پر ہمیشہ "جم" فخر کیا کرتا تھا ایک اپنی سونے کی آبائی گھڑی جو باپ دادا سے ورثہ میں چلی آرہی تھی اور دوسری ڈیلا کے لمبے لمبے بال اور وہ ہمیشہ اس پہ ناز کیا کرتا تھا کہ وہ ان دونوں کا مالک ہے اگر ملکۂ بلقیس اس گرد و نواح میں آرہتیں تو ڈیلا یقیناً حسد دلانے کے واسطے اپنے بال کھڑکی سے نیچے لہرا لہرا کر سکھایا کرتی تاکہ ملکۂ بلقیس کے زر و جواہر بھری مانگیں بھی شرما کر رہ جائیں اور اگر کہیں حضرت سلیمانؑ اپنی تمام دولت و سلطنت مال و جواہر کے ساتھ اس جگہ قیام پذیر ہوتے تو ضرور "جم" اپنے سونے کی آبائی گھڑی ہاتھ میں وقت معلوم کرنے کے بہانے سے فخر کی نگاہوں سے دیکھتا اور اس کی نمائش کرتا ہوا ان کے قریب سے گذر جاتا تاکہ وہ حسد اور رشک میں اپنی داڑھی نوچنے لگیں ڈیلا کے بال چمک رہے تھے پانی کے مسلسل گرتے ہوئے آبشار کی طرح چاندی کے ایک چشمۂ رواں کی طرح جس پر محبت و ایثار کا غیر فانی آفتاب اپنی کرنیں ڈال رہا ہو اس نے جلد ہی اپنے ان چمکدار ناگنوں کو اٹھایا اور دو بڑے بڑے آنسو ٹپ سے قالین پر گر پڑے اس نے فوراً خاکی ہیٹ اور خاکی جاکٹ پہنی اور فوراً ہی زینے سے اتر گئی اور ابھی مشکل سے اس کے قدم زینے سے نیچے اترے ہوں گے کہ اس نے سامنے والی دکان پر پڑھا۔

"یہاں بال خریدے جاتے ہیں"

فوراً دوڑتی ہوئی آئی وہاں پہنچی سانس پھول گئی تھی لہٰذا دم لینے کے واسطے ذرا ٹھہری اپنے منتشر خیالات اور پراگندہ تخیلات کو یکجا کرنے لگی کچھ دیر بعد وہ دوکان میں داخل ہوئی ایک لمبی قد آور عورت جو دوکان کی مالک معلوم ہوتی تھی اور جس کے چہرے پر انتہائی پراگندہ خیالی اور بد مذاقی برس رہی تھی اس کی طرف بڑھی۔

"کیا تم میرے بال خرید لوگی"؟ ڈیلا کا پہلا سوال یہ تھا۔

"ہاں میں بال خریدا کرتی ہوں مگر۔ ذرا اپنا ہیٹ تو اتار دیئے اور مجھے اپنے بالوں پر ایک نظر ڈالنے دیجئے"! اس عورت نے جواب دیا۔ ڈیلا نے اپنا ہیٹ اتارا اور بال بکھیر دیئے اور سامنے پھر وہی سنہرا آبشار گر رہا تھا یا یہ سمجھئے کہ سنہری ناگنیں اس کے گرد لہرا رہی تھیں اس عورت نے ان چمکیلے بالوں کو اپنے تجربہ کار ہاتھوں سے اٹھاتے ہوئے کہا "بیس ڈالر" "تو مجھے دے دیجئے"! ڈیلا نے کہا۔

اور اگلے دو گھنٹوں میں اس کے سنہری گلاب جیسے نازک اور "نرم ہیرے" کتر لیے گئے مگر۔ سب کچھ بھول جائے محبت کے اس جوش میں جس کی بنا پہ سب کچھ ہو رہا تھا یعنی شوہر کے تحفہ کے واسطے اور آخر کار وہ تحفہ مل گیا اور یقیناً جم کے واسطے اس سے زیادہ کوئی اور مناسب تحفہ نہیں لیا جاسکتا تھا اور اس تحفہ کا ثانی پوری دکان میں شاید کوئی اور رہا بھی نہیں۔ اور یہ تحفہ ایک سونے کی قیمتی نازک عمدہ نمونہ کی سادہ زنجیر تھی اور اس قدر معقول داموں پر جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ جیسے یہ صرف اس کی لاگت کے دام ہیں جس میں نہ تو بنانے والے کی ماہرانہ اور استادانہ ہنر کی مزدوری شامل ہے اور نہ اس سجاوٹ اور خوبصورتی کی

قیمت جواتے پہننے سے ہاتھ کو حاصل ہوتی تھی اور یہی اصل میں ایک صحیح تحفہ کا مقصد اصلی ہوتا ہے یہ یقیناً جم کی گھڑی کے واسطے بالکل مناسب تھی اور اسے دیکھتے ہی ڈیلا کو خیال آیا تھا کہ اس جیسی خوبصورت اور عمدہ نمونہ کی زنجیر تو جم کی سونے والی عزیز گھڑی کے واسطے ہی نہایت موزوں رہے گی اور یہ اسی کے پاس ہونی بھی چاہیئے تو گیا یہ زنجیر ازل ہی سے جم کے نام لکھ دی گئی تھی؟ کم قیمت بالا نشین یہی اس کے مذاقِ خریداری کے بالکل مطابق زنجیر کے لئے اکیس ڈالر کچھ بھی نہیں اس کے سونے ہی سونے کی قیمت ۱۲ ڈالر ہوگی اس نے فوراً بٹوہ سے اکیس ڈالر نکال کر دکان دار کو گنوا دیئے اور ۸۷ سینٹ لے کر جلدی وہ سوچ رہی تھی "جم جب اپنی گھڑی پر زنجیر لگائے گا تو بہت ہی نازاں ہوگا اور جلد جلد وقت دیکھنے کے بہانے سے لوگوں کے مجمع میں اس کی نمائش کیا کرے گا وہ اسے دیکھ کر پھولا نہ سمائے گا ہاں کیوں نہ ہو وہ عمدہ سونے کی گھڑی اور اس پر وہ گندہ چمڑے کا تسمہ کیا بُرا اور بھدا معلوم ہوتا تھا وہ اس کے بالکل مطابق نہ تھا کہاں وہ عمدہ گھڑی اور کہاں وہ سڑیل تسمہ جم کے ہاتھ میں وہ گھڑی اس زنجیر کے ساتھ کیا ہی اچھی معلوم ہوگی انہیں خیالات میں غرق زنجیر کی مسرت کے نشے میں چور اور تحفہ کے اندھا دھند جذبہ کے ماتحت آج وہ اپنی خوشی میں مبہوت تھی گھر پہنچ کر اسے ضمیر کی آواز سنائی دی اس نے برقی چراغ روشن کر دیا اور اپنے اُن مصنوعی بالوں کو جو اس کے پاس رکھے ہوئے تھے اپنے سر پر جما یا کچھ دیر بعد بالوں سے لدا ہوا تھا وہ سر جو محبت بھری سخاوت اور پیشکش کے اندھا دھند جذبہ کے ماتحت آج بے بال تھا اس نے اپنا چہرہ آئینہ میں غور سے اور تنقیدی نظر سے دیکھا وہ ایک مدرسہ کا شریر لڑکا معلوم ہو رہی تھی وہ کہنے لگی "کیا جم مجھے ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد قتل تو نہیں کر دے گا اور واقعی اگر وہ محبت کی بجائے نفرت کرنے لگا تو وہ معنوی حیثیت سے قتل ہی کے برابر ہوگا" وہ کہنے لگی "اگر جم نے مجھے دیکھا تو کہے گا کہ تم ایک وحشی اور غیر مہذب لڑکی معلوم ہوتی ہو جسے نہ حسن سے سروکار نہ خوبصورتی سے واسطہ نہ سجاوٹ کی تمنا نہ بناوٹ کی خواہش"

"آہ میں کیا کروں بھلا میں ایک ڈالر اور ۸۷ سینٹ کی قلیل رقم میں کر ہی کیا سکتی تھی" ۷ بج چکے تھے کافی پک رہی تھی چاپ بھننے کے واسطے تیار رکھے تھے جم کے آنے کا وقت ہو چکا تھا آج تک اسے کبھی دیر نہیں ہوئی تھی ڈیلا نے زنجیر اپنے ہاتھ میں دہری کر لی اور سامنے بچھی ہوئی میز کے اس کونے والی کرسی پر بیٹھی جو اس دروازے کے قریب تھی جس سے جم ہمیشہ اندر داخل ہوا کرتا تھا اتنے میں زینے پر پاؤں کی چاپ سنائی دی ڈیلا کا چہرہ سفید ہو گا اس نے آہستہ سے کہا "خدا کرے کہ وہ اب بھی مجھے اتنا ہی خوبصورت خیال کرے"

دروازہ کھلا اور جم اندر داخل ہوا اور دروازہ بند ہو گیا بیچارا جم انتہائی سنجیدہ اور محنتی شخص تھا اکیس سالہ شخص مگر پھر ابھی سے اپنے خاندان کا تمام بار اپنی گردن پر رکھے ہوئے بیچارے کے پاس نہ کوئی عمدہ اوور کوٹ تھا اور نہ نئے دستانے وہ ہمیشہ غربت میں بسر کیا کرتا تھا کمرے کے دروازے میں "جم اُٹھے" دھماکے سے اور بھاری قدموں سے داخل ہوا اس کی آنکھیں ڈیلا پر جمی ہوئی تھیں اور اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا لکھ رہا تھا جسے ڈیلا نہ پڑھ سکی مگر وہ اس کی ٹکٹکی سے ڈر سی گئی گو ان آنکھوں میں نہ حیرت تھی نہ غصہ نہ مایوسی نہ نامنظوری نہ غم نہ غصہ نہ رنج نہ خوف بلکہ کچھ اس قسم کے جذبات تھے جو اس کی آنکھوں سے ٹپکے پڑتے تھے جنہیں ڈیلا نہ سمجھ سکتی تھی ڈیلا میز سے ذرا قریب ہو کر بولی "مجھے ان نظروں سے نہ دیکھو میں نے تمہارے لئے اپنے بال کٹوا ڈالے ہیں کیونکہ میں تمہارے لئے کوئی تحفہ لائے بغیر نہیں رہ سکتی وہ جلدی پھر بڑھ آئیں گے ان کی کچھ پرواہ مت کرو میرے بال بہت جلدی بڑھ آتے ہیں کوئی فکر کی بات نہیں ہے آؤ کرسمس کی خوشیاں منائیں ذرا ہنسی خوشی دیکھو تو سہی

کہ میں نے تمہارے لئے کیا تحفہ خریدا ہے لو آؤ چاپ تل لاؤں کیا" جم بدستور اپنی حالت پر قائیم تھا اور پہلے کے طرح ڈیلا کو دیکھے جا رہا تھا۔

"تم نے اپنے بال کٹوا ڈالے" جم نے اس انداز میں کہا جیسے کہ وہ بڑی سخت دماغی کاوش کے بعد اس حقیقت پر پہنچا ہے" نہ صرف کٹوا ڈالے بلکہ فروخت بھی کر ڈالے کیا اب میں تمہاری نظروں میں کم خوبصورت یا کم عزیز ہوں یا اتنی عزیز نہیں رہی جتنی کہ پہلے تھی"۔ ڈیلا نے جواب دیا۔

جم نے کمرے پر ایک نگاہِ بازگشت ڈالی اور کہا "تم کہتی ہو کہ تم نے بال کٹوا ڈالے اور فروخت بھی کر ڈالے" (زور تم پر)

ڈیلا نے کہا "ہاں تمہیں بالوں کی جستجو کرنے کی ضرورت نہیں یہ کرسمس کی شام ہے کل کرسمس ہے آؤ خوشیاں منائیں اور مسرت کے نغمے الاپیں وہ بال تمہارے اوپر نثار ہو گئے" ڈیلا میں اب ایک شیرینیٔ کلام پیدا ہو چلی تھی اس نے نہایت بے باکانہ انداز میں فصیح لہجے اور بلند آواز میں کہنا شروع کیا "گو میرے سر کا ایک ایک بال گنا اور فروخت کیا جا چکا ہے مگر کچھ فکر نہ کرو اس سلسلہ محبت کو کوئی قطع نہیں کر سکتا جو مجھے تم سے یا تمہیں مجھ سے ہے آؤ ہم تم مل کر۔۔۔"

اب جم میں کچھ بیداری کے آثار پیدا ہو چلے تھے لو اب وہ ڈیلا کو اس انداز سے دیکھ رہا تھا جس سے صاف ظاہر تھا کہ اسے احساس ہے کہ وہ ڈیلا کو دیکھ رہا ہے ورنہ اب تک تو وہ اس تسلسل اور غیر معمولی تسلسل کے ساتھ دیکھ رہا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ جیسے وہ کسی بے جان چیز یا کسی نقش و نگار پر یا خس و خاشاک کے کسی ڈھیر پر نظر جمائے ہوئے ہے آٹھ ڈالر فی ہفتہ اور اکہزار ڈالر فی سال۔ دونوں میں کس قدر فرق ہے کسی حساب داں سے پوچھو گے تو تمہیں اس کا صحیح اور تسلی بخش جواب نہیں ملے گا یہ حساب یہی عقل مند میاں بیوی بتا سکیں گے۔ دونوں عقل مند انسان ایک دوسرے کے واسطے تحفہ ضرور لائے تھے مگر وہ دونوں ابھی تک پردۂ اسرار میں تھے اور عنقریب ان کا اظہار ہونے والا تھا ڈیلا کی بات کاٹ کر جم نے کہنا شروع کیا "پیاری ڈیلا میرے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا یہ کوئی بات نہیں ہے کہ میں تمہیں صرف بالوں کی بنا پر چاہتا تھا یہ نہ سمجھو کہ بال نہ ہونے کی بنا پر میں تم سے نفرت کرنے لگوں گا یا میری محبت میں کچھ کمی واقع ہو جائے گی بلکہ۔۔!"

جم نے اپنے اوورکوٹ کے اوپر والے جیب میں سے ایک پیکیٹ نکالا اور اسے میز پر ڈیلا کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا "ہاں لو یہ پیکیٹ ہے جب تم اسے کھولو گی تو تمہیں پتہ چلے گا کہ میں پہلے پہل کیوں اس قدر مبہوت بنا دیکھتا رہا" خوبصورت اور نازک انگلیوں نے جلد ہی پیکیٹ کے ڈوروں اور کاغذ کو ٹھکانے لگا دیا پھر کیا واقع ہوا۔ ایک پر مسرت چیخ اور پھر ایک ہلکی افسوس بھری آہ اور نسائی انداز میں مسلسل آنسو اور آہیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید مالک ارض و سما کو تسکین دینے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دینی پڑے گی چونکہ میز پر پیکیٹ کے کاغذوں کے پاس کنگھوں اور رنگ برنگ قیمتی کنگھوں کے سیٹ کے سیٹ پڑے ہوئے تھے سامنے اور اطراف میں لگانے کے کنگھی لاتعداد بے شمار کنگھوں کے سیٹ پڑتے ہوئے تھے جن کی پرستش ڈیلا ایک عرصہ سے کرتی رہی تھی موتی جڑاؤ نئی نئی قسم کے کچھوے کی کھال کے مضبوط اور عمدہ کنگھے اس کی نظر سامنے تھے جو مرحوم بالوں میں پہننے کے واسطے اس وقت ترس رہے تھے ڈیلا کو اس کا احساس تھا کہ سامان کافی قیمت کا ہے اور اس کا ضمیر اس کو ملامت کر رہا تھا کہ وہ اب انہیں مالکانہ تصرف میں نہ لا سکے گی جب اس کے لمبے لمبے بال موجود تھے تو وہ انہیں قابل پرستش جان کر ان کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا کرتی تھی کہ کاش میں بھی اس قسم کے کنگھے

پہنا کرتی اب جبکہ وہ سب اس کے تھے تو وہ بال جن کے واسطے وہ ان کی پرستش کیا کرتی تھی غائب ہو چکے تھے اس نے ایک دردبھری آہ کے ساتھ انہیں سینے سے لگالیا اور نیم واسی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے اور بظاہر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے صرف اتنا کہہ سکی "جم میرے بال جلد بڑے ہو جاتے ہیں"

تھوڑی دیر بعد ڈیلا اٹھی اور سوچنے لگی "او ہو جم نے اپنا تحفہ اب تک نہیں دیکھا" وہ زنجیر اپنی ہتھیلی پر رکھ کر جم کی طرف آئی وہ بڑی شفقت و محبت ایثار اور سخاوت سے اس تحفہ کو لئے آرہی تھی جو محبت اور ایثار کے چمکتے ہوئے آفتاب کے سامنے جگمگ جگمگ کر رہا تھا وہ کہنے لگی "جم یہ کیسی عمدہ چیز ہے کیسا عمدہ اور زینت افزا تحفہ۔ میں اس کی تلاش میں شہر شہر میں پھری اب اپنی گھڑی میں جلد جلد وقت دیکھنے لگو گے تو خوش ہو کہ تمہاری پیاری گھڑی کو ایک عمدہ جوگ ملنے والا ہے ذرا اپنی گھڑی مجھے دو میری تمنا ہے کہ میں ذرا دیکھوں کہ اس گھڑی پر یہ زنجیر کیسی پیاری معلوم ہوتی ہے" بجائے تعمیل ارشاد کے جم کوچ پر دانستہ گر پڑا اور اپنے ہاتھ اپنے سر کے نیچے چھپا کر مسکرانے لگا میں نے کہا "ڈیلا ہمیں اپنے اپنے تحائف آج کے دن الگ رکھ دینے چاہئیں وہ اتنے عمدہ ہیں اور اتنے ہی نایاب کہ ہم انھیں ہاتھوں ہاتھ استعمال نہیں کر سکتے اور ان کے استعمال نہیں کرنے کے لئے کچھ دنوں ابھی ہمیں اور انتظار کرنا پڑے گا میں نے تمہارے لئے بالوں کا سامان تحفہ میں لانے کے واسطے اور اس مقصد کے واسطے روپیہ حاصل کرنے کے لئے اپنی قیمتی گھڑی فروخت کر ڈالی ہے اچھا لو اٹھو اب تم چاپ تل ڈالو۔

مجوسی لوگ بڑے عقلمند تھے جو بچہ بچہ کے واسطے تحفہ لائے تھے اور بڑے دن کو تحفہ تحائف لانے کا رواج بھی انہیں کا جاری کردہ ہے عقل مند ہوتے ہوئے ان کے تحائف بھی عقل مندانہ ہوتے ہوں گے اور شاید ان میں بھی امکان ہو کہ اگر دونوں تحفہ پیش کرنے والے ایک ہی تحفہ ایک دوسرے کو پیش کریں تو وہ واپس بھی کیا جا سکے مگر یہاں آپ نے ان بے وقوفوں کا قصہ پڑھا جنھوں نے تحفہ پیش کرنے کے جنون میں اپنا بہترین خزینہ اس دیوانگی کی بھینٹ چڑھا دیا اگر تحفہ تحائف کی دنیا میں محبت اور ایثار کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ ضرور کافی عقل مند ثابت ہوتے ہیں تمام تحفہ دینے والوں میں سب سے زیادہ عقلمند۔ نہیں بلکہ تمام تحفے پیش کرنے والوں اور قبول کرنے والے قسم کے لوگوں میں سے سب سے زیادہ عقل مند بہر حال وہ عقل مند تھے۔ اور کافی سے کہیں زیادہ عقل مند بہت زیادہ عقل مند یعنی ایک مجوسی جن کا ایمان تھا۔ ..."پیشکش" (ترجمہ)

فیاضی بیگم

جذبات کنور

بنا یا ہے مسکن جو دل بیکلی نے — تو اب کر لیا ہے کنارا خوشی نے

نسیم سحر جو گلستاں میں آئی — تو ہنس کر کیا خیر مقدم کلی نے

نہ تھا پاس غربت میں کوئی دم مرگ — دیا قبر تک ساتھ اسی بے کسی نے

ہے بلبل سے فصلِ خزاں کو مگر لاگ — اُجاڑا ہے صحن چمن کو اسی نے

کنور کول

مرد بدمزاج کیوں بنتے ہیں

بعض عورتوں کو شکایت رہتی ہے کہ شوہر کا برتاؤ ماں بہنوں و دیگر اقربا سے تو بہت اچھا ہے لیکن ہمارے ساتھ ہمیشہ کاٹ چھانٹ اور بدمزاجی رہتی ہے۔ یہ بھی کہتی ہیں کہ شادی ہوئی ہے تو شروع شروع میں تو ان کا یہ حال نہ تھا مگر آدھی عمر ہونے کو آئی تو عادت بدل گئی۔ ہم کیسے سہیں، ہمارا نباہ مشکل ہوتا نظر آرہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

کاش بہنیں غور سے دیکھیں، ٹھنڈے دل سے سوچیں اور کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر کہیں کہ میاں کی اس بدمزاجی، کج خلقی، اور چڑچڑے پن کا سبب کون ہے۔ شادی کا ابتدائی زمانہ تو میاں بیوی جاہل ہوں یا تعلیم یافتہ، پست خیال ہوں یا روشن دماغ، بدشکل ہوں یا حسین، عموماً اچھا ہی گذر جاتا ہے۔ کیونکہ تمام باتیں نئی نئی ہوتی ہیں کسی کی بات کسی کو بُری نہیں لگتی مگر رفتہ رفتہ تمام باتیں بدلنے لگتی ہیں۔ لیکن اگر میاں بیوی دونوں سمجھ دار ہوں اور ابتدائی صورت حالات پر کاربند رہیں تو ان کی زندگیاں بہتر سے بہتر بن سکتی ہیں ورنہ بدتر سے بدتر اگر دونوں سمجھ دار ہوتے ہیں تو ان کے خیالات کبھی منتشر نہیں ہوتے بلکہ جس محبت کی روز اول ابتدا ہوتی تھی وہ دن بدن مضبوط ہی ہوتی جاتی ہے اور اس کی جڑ پختہ ہو کر ایسی مضبوط ہو جاتی ہے کہ ہلائے نہیں ہلتی۔ ایسے زن و شوہر اپنی زندگی راحت سے بسر کرتے ہیں اور کبھی کسی کو ان کا ناشاد دیکھنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ لیکن ناسمجھ میاں بیوی پُرانے ہو کر بات بات پر لڑتے ہیں دونوں کا خیال ہوتا ہے کہ ہماری زندگی بے لطف ہے۔ میاں بیوی کی باتوں میں نکتہ چینی کرتے ہیں اور بیوی میاں کی عادتوں پر اعتراض کرتی ہیں۔ صبح سے شام تک ہزاروں باتیں ایسی نکل آتی ہیں جن پر کچھ نہ کچھ بحث ہو ہی جاتی ہے اور بدمزگی روزانہ بڑھتی ہے۔ مرد فطرتاً صابر ہوتے ہیں اکثر باتیں سہتے رہتے ہیں لیکن عورتوں کا حال دگرگوں ہو جاتا ہے۔ ہر کسی کے سامنے یہی رونا رہتا ہے کہ میاں کا مزاج بدل گیا۔ اب ناسمجھ بہنوں اگر تمہارے شوہر بدچلن نہیں۔ بدخصلت نہیں تو تم ان کی بدمزاجیوں پر کیوں نام دھرتی ہو کیونکہ ان کی بدمزاجی کا سبب اصل تم ہو۔ اور فقط تم۔ تمہیں سوچنا چاہیئے کہ شادی کا مقصد کنگھی چوٹی، پہننا اوڑھنا۔ سیر و تفریح ہی نہیں۔ یہ سب باتیں تو چند روزہ نہیں کہ تم اکڑ رہی ہو میاں خوشامد کر رہے ہیں۔ تم روٹھ رہی ہو وہ منا رہے ہیں وہ دن گزر گئے اب شوہر کو ضرورت ہے تمہاری سچی محبت کی، خدمت کی، اب ان کی اطاعت، ان کی فرمانبرداری تمہارا فرض ہے۔ اگر اس میں کمی ہو گی تو ضرور بدمزگی پیدا ہو گی سمجھ دار بیویاں مردوں کی خوشامد، دل دہی اور مہربانی سے جھک جاتی ہیں اور ان کا خیال پہلے سے زیادہ کرتی ہیں مگر ناسمجھ بیویاں شوہر کی خوشامد دل دہی اور مہربانی سے اور سر پر چڑھ جاتی ہیں، جاہلانہ ضدیں کرتی ہیں اور میاں کو پریشان کر ڈالتی ہیں۔ شوہر جب زیادہ عاجز ہو جاتا ہے تو خود خفا ہو کر بیوی کو سخت وسست کہنے لگتا ہے ناسمجھ بیگم جذبہ خودداری سے واقف ہی نہیں ہوتیں بُری بھلی سن کر میاں کی خوشامد کر کے مناتی ہیں۔ کئی بار اس عمل سے شوہر صاحب سمجھ جاتے ہیں کہ بیوی مہربانی اور محبت نہیں بلکہ سختی چاہتی ہے۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ کر اپنا حکم منوانے لگتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اُن کی یہ عادت مستقل ہو جاتی ہے میاں حد درجہ بدمزاج بن جاتے ہیں اور بیوی کے ساتھ ان کا برتاؤ بدل جاتا ہے۔ بہنوں غور کی بات ہے کہ یہ قصور کس کا ہے۔ اگر تم شوہر کی محبت کا جواب محبت اور نرمی کا جواب اخلاق سے دیتیں تو تمہارا شوہر تمہارا سچا رفیق رہتا۔ یہ سبب ہے زیادہ تر مردوں کا بیویوں کے ساتھ بدمزاج بننے کا۔

غدیر فاطمہ

قابلِ عزّت کون ہے؟

ایک روسی افسانہ

کسی زمانہ میں روس میں ایک تیوہار منایا جاتا تھا۔ اُس میں دبیر، کی شند، سوشیل اور پڑھی لکھی لڑکیاں ایک جگہ اکٹھی کی جاتی تھیں یا جیسے آج کل ہماری یہاں کبھی کبھی بے بی شو ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ لایق تر لڑکی کو سوسائٹی کی طرف سے تمغے اور انعامات عطا ہوتے تھے۔ ہر لڑکی سوسائٹی کے ممبروں کے سامنے (یہ ممبر ملک کے معمر، سنجیدہ اور لائق ترین لیڈر ہوتے تھے) پھولوں کا ایک گچھا ہاتھ میں لے کر نکل جاتی تھی۔ ممبر اُس کے سامنے تعظیماً اپنا سر جھکا دیتے تھے اور اُسے اُس کی خوبی کے لحاظ سے نمبر دے دیتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ روسی جنرل مارشل شیفا کی خوبصورت لڑکی این اس مقابلہ میں شامل ہوئی۔ این کے لاثانی حسن پر اس کے والدین کو جائز فخر تھا۔ سب کا خیال تھا۔ مقابلہ میں سب سے زیادہ نمبر اسی کو ملیں گے۔ ہوا بھی ایسا ہی۔ وہ مقابلہ میں سب سے زیادہ قابل قدر لڑکی شمار کی گئی۔ لیکن این جب گھر واپس ہوئی تو مغموم اور اُداس۔

اس کے والد نے گھبرا کر پوچھا۔ کیا بات ہے این؟

این نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا مقابلہ میں تمام ممبروں نے سر جھکایا۔ لیکن بوڑھے پادری سرکاف سے جب میرا تعارف کرایا گیا تو اُس نے خاموشی کے ساتھ سن لیا۔ میں اس بے عزتی کو کیسے برداشت کر سکتی ہوں پتاجی اس نے سر نہیں جھکایا؟

بیٹی بات یہ ہے۔ تم خوبصورت ضرور ہو۔ لیکن زیادہ پڑھی لکھی اور تعلیم یافتہ نہیں ہو سیرکاف روس کا پادری بہت بڑا عالم ہے ممکن ہے اسی لئے اس نے تمہاری عزت نہ کی ہو۔

این نے ۵ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد روس کی سب سے بڑی ڈگری حاصل کی اور پھر مقابلے میں شریک ہوئی لیکن اس مرتبہ جو گھر واپس ہوئی تو پہلے سے زیادہ مایوس۔

آتے ہی اُس نے باپ سے روتے ہوئے کہا۔ پتاجی سرکاف نے مجھے نمبر تو کافی دیئے۔ اور میں مقابلے میں فرسٹ بھی رہی لیکن اس مرتبہ پھر اس نے میرے سامنے سر نہ جھکایا۔ باپ نے تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد کہا تم نے غور نہیں کیا۔ اُس نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ عورت کی اپنی ذاتی حیثیت نہیں ہوتی۔ اگر اُس کا شوہر لایق اور تعلیم یافتہ اور کامیاب انسان ہے۔ تو وہ بھی قابل عزت ہے۔ اس لئے تمہاری شادی جب میں کسی لایق آدمی سے کر دوں گا تو وہ تمہاری عزت کرے گا۔

این خاموش ہو گئی۔ دوسرے سال این مقابلہ میں شگفتہ گلاب کی طرح داخل ہوئی لیکن واپس ہوئی تو چمپلی کی مرجھائی ہوئی کلی کی طرح آتے ہی اس نے کہا پتاجی۔ اب تو سرکاف کو سر جھکانا چاہیئے تھا۔ بوڑھے جنرل نے این کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا این مایوس نہ ہو۔ عورت اس وقت تک عورت کہلانے کا حق نہیں رکھتی۔ جب تک اس کی گود میں کوئی بچّہ کھیلنے والا نہ ہو

این کے بچہ بھی ہوا۔ ایک بار پھر وہ خوشی خوشی مقابلے میں شامل ہوئی۔ لیکن واپس جو ہوئی تو پہلے سے کہیں زیادہ مایوس۔

اب تو این پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اس نے باپ سے کہا پتاجی مجھے بتائیے۔ سرکاف اب کیوں نہیں سر جھکاتا؟ بیٹی بہت ممکن ہے۔ اس کی عادت ہی ایسی ہو۔ وہ دل سے تو تمہاری عزت کرتا ہے کیونکہ نمبر تم کو اس نے ہمیشہ زیادہ دیئے ہیں۔ اور تمہیں فرسٹ ہونے پر مبارکباد بھی دی تھی۔ این نے کہا پتاجی میں نہیں مان سکتی۔ اس نے صوفیہ کے سامنے سر جھکایا تھا۔ اگر اس کی عادت نہ ہوتی تو

اس کے سامنے کیوں سر جھکاتا۔ صوفیہ میرے مقابلے میں کیا ہے خانقاہ میں رہنے والی ایک معمولی چھوکری! این کے والد نے پریشان ہو کر کہا۔ پھر تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ این تم اسی پادری سے کیوں نہیں دریافت کرتیں میرے خیال میں سوال کا جواب سوائے اس پادری کے اور کوئی نہیں دے سکتا۔

این دوسرے دن اپنے بہترین لباس میں وہ گھوڑوں کی گاڑی میں سوار ہو کر پادری سرکاف سے ملنے گئی گرجا گھر کے پاس پہونچ کر وہ گاڑی سے اتر کر پیدل چلی سامنے اس نے دیکھا۔ بوڑھا پادری اپنے چرچ کے پھاٹک پر کھڑا ہے ایک چھوٹا لڑکا جو گاڑی سامنے دیکھ کر اسے دیکھتے دوڑا ایک پتھر سے لڑکھڑا کر زمین پر گر کر لہو لہان ہو گیا۔ پادری اسے اٹھانے چلا۔ این نے دوڑ کر اسے گود میں اٹھا لیا۔ اس کی گرد جھاڑی اور اپنی قیمتی لباس چاک کر کے اس کے پٹیاں باندھیں۔ بچہ ہوش میں آیا۔ لوگ اسے گرجا گھر لے گئے پادری نے این کے قدموں میں سر جھکایا۔ این نے فوراً بوڑھے پادری کو اٹھا لیا اور حیرت سے پوچھا "آپ یہ کیا کر رہے ہیں" پادری آنکھوں میں آنسو لا کر بولا "روس کی مایہ ناز لڑکی! تجھ میں جس چیز کی کمی میں مدت سے محسوس کر رہا تھا آج اسے موجود پا کر میری خوشی کا ٹھکانا نہیں ہے۔ تجھ میں نہ صرف خدمت کا قابل تعریف جذبہ موجود ہے بلکہ تو اس کی اہل بھی ہے مجھے حیرت تھی کہ تو اتنی خوبصورت۔ تعلیم یافتہ با اولاد۔ مالدار اور خوش نصیب ہوتے ہوئے زندگی کے اصل مقصد سے کیوں ناواقف ہے آج مجھے معلوم ہوا تو وہ لعل ہے جسے اندھیرے میں روشنی کرنے میں دیر نہیں لگ سکتی۔ بیٹی تو ہر طرح قابل عزت ہے"۔ این خوشی خوشی گھر واپس آئی۔

تارا شنکر ناشاد ام۔ اے ایل ٹی

آمدِ بہار

محترمہ آنسہ نجمہ تصدق ایم اے بی ٹی

پھر آگئی بہار اک نیا سماں لئے ہوئے
ہوائے جانفزا حیات گلستاں لئے ہوئے

جھلک ہے مہر و ماہ و کہکشاں کی لالہ زار میں
زمیں کا حسن ہے جمال آسماں لئے ہوئے

جو صف بہ صف ہیں گل تو اور شان ہے بہار کی
امیر کارواں ہے ساتھ کارواں لئے ہوئے

دماغ میں شمیم گل بسی ہوئی ہے اس طرح
خیال یار جیسے ہو سکونِ جاں لئے ہوئے

نمود وحشت بہار ہے چمن میں ہر طرف
ہر ایک گل ہے پیرہن کی دھجیاں لئے ہوئے

طلوع صبح سے اگر ہے جلوہ ریز کائنات
تو شام ہے حسیں رنگ ارغواں لئے ہوئے

دمن میں کوہسار میں چمن میں سبزہ زار میں
صبا پھری ہے بوئے گل کہاں کہاں لئے ہوئے

یقین کیوں نہ ہو فریب خوردگاں حسن کو
کہ ہے شباب گل بہار جاوداں لئے ہوئے

یہ کالی کالی بدلیاں نہیں ہیں آسمان پر
نگاہ سرمہ سا اٹھی ہے مستیاں لئے ہوئے

ہر اک شگفتہ چیز پر گمانِ لالہ زار ہے
ہے ایک ایک پھول لاکھ گلستاں لئے ہوئے

غرض سرور و عیش کی ہے موج ہر طرف رواں
مگر ہے نجمہ اپنے غم کی داستاں لئے ہوئے

آزادیِ نسواں

میں نے اس موضوع پر بہت بادلِ ناخواستہ قلم اٹھایا ہے۔ کیونکہ اس فرسودہ مبحث میں اب کوئی لذّت باقی نہیں رہی ہے۔ لیکن محسوس کرتی ہوں کہ مرد خصوصًا اور ایک حد تک طبقۂ نسواں خود بھی ایک غلط فہمی میں پڑا ہوا ہے ابھی حال ہی میں پریس میں بہت کچھ "کہا" اور "سُنا" جا چکا ہے اور سری نگر کے آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس Educationists کے اجلاسوں کے دوران میں اور اس کے بعد کئی مقتدر خواتین اور بعض مقتدر تعلیم دانوں کی تقاریر ایک جنسی فرقہ وارانہ مباحث تک پہنچ گئیں۔

"آزادیِ نسواں" اور "تعلیمِ نسواں" یہ دو ایسے عنوان ہیں جو مردوں کے لئے اب تک انگریزی کہاوت "بیل کو لال کپڑا دکھانا" کے مصداق ہیں۔ اور عورتوں کے لئے ان عنوانات میں گویا ایک "موسیقیِ گوش" اور "فردوسِ خیال" کی تاثیر مضمر ہے۔ اوّل الذکر طبقہ تو "تعلیمِ نسواں" کا لازمی نتیجہ "آزادیِ نسواں" سمجھتا ہے اور "آزادی" کا مفہوم اُسی قسم کی آزادی جو بے راہ روی کے مترادف ہو۔ اور موخر الذکر طبقہ "آزادی" کی تعبیر اسی طرح کرتا ہے جس طرح ایک بڑھیا نے لِنن گریڈ میں آزادیِ روس کے بعد کی تھی۔ یعنی جب اُس سے کہا گیا کہ۔ سڑک سے ہٹ کر فٹ پاتھ پر چلے کیونکہ سڑک پر چلنے سے قطع نظر اس کے کہ ٹریفک کو دقت ہوتی تھی۔ خود اس کی جان خطرہ میں تھی تو اس نے نہایت فاتحانہ انداز میں جواب دیا کہ "اب روس کو آزادی مل گئی ہے۔ زار کا ظلم ختم ہو گیا ہے وہ جہاں چاہے گی چلیگی"

چنانچہ نوعِ انسان کے ان دو جنسوں کی "شکر رنجی" فی الحقیقت ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ مرد آزادیِ نسواں کو اپنے اختیارات، اپنے اقتدار اور اپنے حقوق پر بیجا حملہ سمجھتے ہیں۔ عورتیں آزادیِ نسواں کو نہ صرف ایک ایسے دَور کا پیش خیمہ سمجھتی ہیں جس میں نہ صرف ان کی تمام قوتیں اور قابلیتیں آزادی کے ساتھ پھلنے پھولنے کی اہل ہونگی، بلکہ مردوں کے صدیوں کے ظلم و تشدّد کے انتقام کی صورت تصور کرتی ہیں۔ پھر جتنا زیادہ عورتیں اپنی آزادی کے لئے سرگرم ہوتی ہیں، مرد اتنا ہی زیادہ سہمے جاتے ہیں۔

اگر ہم غور و تامل سے دیکھیں اور جذباتی پیچ سے بالاتر ہو کر کسی فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کریں تو فورًا یہ امر واضح ہو جائے گا کہ تخلیقِ انسان میں مرد اور عورت دونوں کی ایک جگہ ہے۔ انسان اور اس کے کل کارنامے، ابتدائے آفرینش سے جب وہ جنگلوں اور غاروں میں وحشیانہ زندگی بسر کرتا تھا، موجودہ ترقی پذیر تمدن و معاشرت تک، انسانی زندگی کا ہر پہلو، انسانی معاشرت کا ہر رُخ، اور انسانی تمدن کا ہر شعبہ نہ صرف تنہا مرد کی کوششوں کی صورت ہے اور نہ تنہا عورت کا پروان چڑھایا ہوا ہے۔ بلکہ دونوں کی متفقہ سعی و محنت، دونوں کی ہمدردانہ اشتراکِ عمل سے ظہور میں آیا ہے۔ البتہ کبھی ایک کا نام اُجاگر ہوتا ہے اور کبھی دوسرے کا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہوا کرتے ہیں کہ جو نام پسِ منظر ہے، وہ سرے سے ہے ہی نہیں۔

جب انسان جنگلوں میں رہتا تھا۔ جب وہ درختوں پر اپنا مسکن بناتا تھا اور شاخوں اور ٹہنیوں میں اس کا کنج عافیت ہوا کرتا تھا۔ جب اُسے اپنی خوراک صرف جانوروں کا شکار کرکے اور درختوں کے پتوں اور خودرو پھلوں سے میسر آتی تھی۔ جب وہ اپنا لباس درختوں کی چھال اور جانوروں کی کھال سے فراہم کرتا تھا، اس وقت بھی اس کی معمولی سے معمولی ضرورت دونوں جنسوں کے اشتراکِ عمل ہی سے پوری ہوتی تھی۔ مرد شکار کے لئے پریشان و سرگرداں پھرتا تھا۔ لیکن عورت بھی غار کے سامنے بیٹھ کر محنت ہی میں مشغول نظر آتی تھی۔ کیونکہ مرد اور عورت دونوں کو غذا اسی وقت میسر آسکتی تھی جب عورت گوشت کو صاف کرکے، بھون کر کھانے کے قابل بنا دیتی تھی۔ لباس اُسی وقت نصیب ہوتا تھا جب عورت کھال کو سکھا کر اور کانٹوں اور پتوں وغیرہ سے سی سلا کر، اسے پوشش کے قابل بناتی تھی۔

زمین کی گردش برابر جاری رہی اور نوعِ انسانی برابر ارتقا کی منزلیں طے کرتی رہی۔ اب انسان اپنی خوراک کے لئے صرف جانوروں کے شکار ہی پر بس نہیں کرتا تھا۔ اُسے زمین کو جوت بو کر غلہ اُگانا آگیا تھا۔ روئی حاصل کرکے کپڑا بننا سیکھ لیا تھا اور ایسے ہی مسلسل عمل سے موجودہ تہذیب و شائستگی کا دَور رَوا ہوا۔

ان تمام ارتقائی منازل میں عورت کا حصّۂ عمل اکثر و بیشتر پسِ منظر رہا یعنی کھیت میں ہل چلاتے مرد نظر آتا تھا کھیت کو سینچتے مرد نظر آتا تھا۔ کھیت کاٹتے مرد نظر آتا تھا۔ عورت غلّہ کو بہ حفاظت رکھتی تھی۔ اُسے کوٹ پیس کر، چھان بنا کر کھانے کے لئے تیار کرتی تھی لیکن اُس کی یہ سب سعی و محنت یک بہ یک دکھائی نہ دیتی تھی۔ پھر مرد جب تھک کر آتا، یا شکار میں زخمی ہو کر لوٹتا، تو اُس کی خبر گیری، دوا دارو، تیمار داری یہ سب عورت کا فرض تھا اور اتنا ہی اہم اور ضروری تھا جتنا مرد کا شکار کرنا، یا ہل چلا کر غلہ پیدا کرنا لیکن یہ بھی بادی النظر میں کچھ اہمیت نہ رکھتا تھا۔

عورت کے ان کارناموں کا پسِ منظر رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ مرد یہ سمجھنے لگے کہ وہ ہی سب کچھ کرتے ہیں اور عورتیں قدرت نے زبردستی اُن کے اوپر مسلّط کر دی ہیں جن کو سنبھالنا اُن کے لئے ضروری ہو گیا ہے اور اس غلط خیال نے راسخ ہو کر وہ حالت پیدا کر دی جس کا ردِّ عمل موجودہ تحریک آزادیٔ نسواں ہے اور جو مردوں کے لئے سوہانِ روح نہیں تو ایک خلش ضرور ہے۔

عورت کے ساتھ قرونِ وسطیٰ سے ابھی سَو بلکہ پچھتّر برس قبل تک خصوصاً جو سلوک روا رکھا گیا، اس کو خیال کر کے، ذی حِس دل و دماغ والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تمدن کے ہر شعبہ میں ایک دوعملی پیدا کی گئی۔ ایک قانون مردوں کے لئے تھا، دوسرا عورتوں کے لئے۔ ایک طریقہ مردوں کے لئے جائز تھا لیکن عورتوں کے لئے ممنوع۔ حتیٰ کہ علم جو مردوں کے لئے ضروری ہوا وہ عورتوں کے لئے شجرِ ممنوع قرار دیا گیا۔ آج بھی بعض خاندان ایسے ہیں جہاں لڑکیوں کو پڑھانا گناہ، فی الحقیقت گناہ سمجھا جاتا ہے۔

اب جب عورتوں پر سے یہ بندشیں دور کر دی گئیں اور ان کو بھی اپنی ان Faculties کو سنوارنے اور استعمال کرنے کا موقع ملا جو انھیں مثل مردوں کے، قدرت کی طرف سے ملی ہیں۔ تو مردوں میں ایک بےچینی شروع ہوئی۔ تعلیم نسواں نے ایک بے اعتمادی پیدا کر دی اور مرد، عورت کی ذہنی آزادی کو سوسائٹی کے لئے تباہ کن گرداننے لگے۔ عمرانی زندگی کے لئے عورت کے دل و دماغ کی نشو و نما کو مضر بتانے لگے اور جنسِ لطیف کی "خواہشِ آزادی" کو شک و شبہ اور بے اعتمادی کی نظر سے دیکھنے لگے۔

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

نجمہ

(سلسلہ کے لئے دسمبر ۱۹۴۱ء کا عصمت دیکھئے)

خلیل منزل میں چوتھے پوتے کے عقیقے کی تقریب بڑی دھوم دھام سے منائی جا رہی ہے۔ بہت سے مہمان جمع ہیں حسب معمول ناچ رنگ دعوت کا اعلیٰ پیمانے پر انتظام ہے۔ بڑے سیٹھ صاحب باہر کے کمرے میں اپنے بیٹے جمیل سے کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ ملازم نے ایک تار پیش کیا جس کو پڑھ کر وہ کہنے لگے "لو جبل پور سے جمیلہ رفیق اور تمہارے دوست قمر مع اپنی بیوی کے آج دوپہر کو پہنچیں گے" یہ خوش خبری سُن کر جمیل کا چہرہ خوشی سے سُرخ ہو گیا جلدی سے تار اُن کے ہاتھ سے لے لیا اور خود ایک نظر دیکھ کر کہا "قمر صاحب نے تو لکھا تھا کہ مجھے چھٹی نہیں ملتی مگر جمیلہ کی کوشش کامیاب ہوئی۔ وہ دونوں میاں بیوی کو ساتھ لا رہی ہے۔ پھر ایک کرسی قریب کر کے بیٹھ گئے اور باپ سے کہا میں اس وقت یہ عرض کرنے کو حاضر ہوا تھا۔ کہ آپ نے شاید اس طرف توجہ نہیں فرمائی ہمارے مینیجر صاحب نے بے ضرورت بھی ٹائی پسٹ لڑکیاں بھرلی ہیں۔ پہلے کچھ کم تھیں کہ اس ہفتہ میں اُنہوں نے تین کا اور اضافہ کر لیا" بیٹے کا یہ اعتراض سن کر سیٹھ صاحب نے مسکرا کر فرمایا "تمہارا خیال درست ہے۔ ان لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔ لیکن میں نے مینیجر صاحب کو منع نہیں کیا میرا خیال ہے۔ کہ چند کمسن شوخ اور شریر کم سِن لڑکیوں کو علیٰحدہ کر دیا جائے اور ان کی جگہ یہ جو نئی تین مقرر کی گئی ہیں ان کو رکھا جائے جس دن مینیجر نے ان کو پیش کیا تھا میں نے غور سے دیکھا معلوم ہوتا ہے۔ یہ تینوں شریف اور سنجیدہ ہونگی اور یہ کتنی اچھی بات ہے کہ یہ تینوں ہندو اور مسلمان ہیں۔ عمر میں ان کی ان شریر لڑکیوں سے بہت زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔ دونوں بنگالی ہیں ایک پنجاب یا فرنٹیر کی ہے۔ میرے آفس میں جو لڑکی ایتھل کام کرتی ہے۔ اس کی چل بلاہٹ مجھ کو سخت ناگوار ہے۔ اس کو آج ہی علیٰحدہ کر دیا جائے گا ایک تو وہاں کام کرے گی اگر ضرورت ہو تو ایک کو تم اپنے آفس میں رکھ لو اور اینگلو انڈین دو لڑکیاں اور علیٰحدہ کی جانے والی ہیں ایک ان کی جگہ مینیجر کے آفس میں کام کریں گی کیا تم نے ان تینوں نئی مقرر شدہ لیڈیز کو نہیں دیکھا؟" "دو میں نے صرف ایک کو دیکھا ہے سیاہ رنگ مس گھوش جس کا نام ہے عمر بھی چالیس کے قریب ہو گی دو ابھی نہیں دیکھیں۔ مس گھوش مینیجر کے آفس میں کام کر رہی تھی" سیٹھ صاحب بولے "اچھا جاؤ ذرا تکلیف کر کے ان تینوں نئی لیڈیز کو دیکھو ان سے بات چیت کر کے ان کی قابلیت کا اندازہ کرو ان میں سے تو سُنا ہے ایک بی۔ اے ہے۔ میں موجودہ چھوکریوں کو بالکل علیحدہ کرنا چاہتا ہوں اور ان کی جگہ ایسی شریف اور تعلیم یافتہ عورتیں تلاش کر کے مقرر کی جائیں گی۔ خواہ تنخواہوں میں اضافہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ ظاہر ہے کہ جب تعلیم یافتہ آئے گی تو وہ زیادہ ہی لے گی۔ ان کم بختوں نے آفت مچا رکھی تھی۔ ہر وقت آئینہ ہاتھ میں ہے۔ پوڈر اور بال درست کرتی رہتی ہیں۔ میں نے غور سے دیکھا ان تینوں کے چہروں پر پوڈر نہ تھا" جمیل نے یہ سُن کر دل میں کہا اوّل تو اُن کی عمریں زیادہ بتاتے ہیں اس پر رنگ سیاہ بھلا وہ پوڈر کیا لگائیں۔ پھر سیٹھ صاحب کو سلام کر کے کام دیکھنے چلے گئے دل خوشی سے اُچھل رہا تھا کہ آج اُن کا عزیز از جان دوست قمر اور بہن جمیلہ آ رہے ہیں۔ یہاں سے وہ سیدھے مینیجر کے آفس میں

آئے اور تینوں نئی مقرر شدہ عورتیں بلوائی گئیں۔ پردہ ہٹا اور وہ داخل ہوئیں۔ تینوں کی سفید سوتی ساڑیاں تھیں دو کے رنگ سانولے تھے اور ایک کا سفید ان دونوں مس گھوش و مسز بوس کی عمریں چالیس ۴۰ کے قریب تھیں۔ اور تیسری بتیس ۳۲ تینتیس ۳۳ سال کی معلوم ہوتی تھی۔ تینوں کے چہرے باوقار نظر آ رہے تھے اور گفتگو سے بھی جمیل صاحب نے اندازہ کیا کہ تعلیم یافتہ ہیں۔ ان سے مل کر جمیل صاحب بہت خوش ہوئے ان کا جی چاہتا تھا کہ انھیں اسی طرح بٹھائے رکھیں وہ بھی تنگ آ چکے تھے ان پہلی کم علم شوخ اور شریر لڑکیوں سے۔ انہوں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اپنے آفس میں بھی ان ہی میں سے ایک کو لے جائیں گے باتوں باتوں میں معلوم ہو گیا کہ مس گھوش بی اے ہیں اور مسز بوس بھی بی اے تک پڑھی ہیں اور ایک سکول میں ٹیچری بھی کر چکی ہیں اور تیسری مسلمان خاتون مس خان ایم۔ اے ہیں۔ ان کو بہت افسوس ہوا کہ ایسی قابل بیبیاں اپنی ضروریات سے مجبور ہو کر ایسے چھوٹے چھوٹے کاموں کو قبول کر رہی ہیں اور انہوں نے ارادہ کر لیا کہ میں ان کو بہت جلدی ترقی دوں گا۔ انہوں نے منیجر کو قریب بلا کر آہستہ سے کہا کہ ان تینوں میں سے جن صاحبہ کو سیٹھ صاحب نے حکم دیا ہو ان کے آفس میں بھیج دیا جائے باقی بیٹھا رہیں وہ تمہارے اور ہمارے ہاں کام کریں گی" منیجر نے کہا "بہت سی لڑکیاں برخاست کر دی گئیں ہیں ٹائپسٹ اور کلرک آفس کا کام بھی رکا پڑا ہے آپ جلدی فیصلہ فرما دیجئے کہ یہاں کس سے کام لیا جائے گا" "یہ کل بتا دیا جائیگا آج دونوں سے یہیں کام لیا جائے۔ ہمیں اسٹیشن جانا ہے جبل پور سے مہمان آ رہے ہیں یہ کہہ کر وہ کھڑے ہو گئے ان کے اٹھتے ہی وہ تینوں بھی کھڑی ہو گئیں۔ بیرسٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے انہیں بیٹھنے کو کہا اور کمرے سے چلے گئے۔ اب منیجر صاحب نے مس گھوش صاحبہ بی۔ اے کو بڑے سیٹھ صاحب کے آفس میں بھیج دیا۔ اور باقی دونوں کو اپنے ہاں کام پر لگا دیا۔ اور خود اپنی میز پر چلے گئے۔ تب ان دونوں نے آہستہ آہستہ آپس میں باتیں شروع کیں، مسز بوس نے کہا "خدا جانے ہماری قسمتوں کا کیا فیصلہ ہوتا ہے؟ منیجر صاحب کی خدمت میں کون رہے گی اور بیرسٹر صاحب کے آفس میں کون جائے گی؟ مس خان نے جواب دیا "اگر منیجر صاحب نے مذہبی خیال سے کام لیا تو تو آپ کو اپنے ہاں رکھیں گے اور مجھ کو روانہ کر دیں گے" اس پر مسز بوس نے مسکرا کر کہا۔ "اور اگر معیار انتخاب صورت ہے تو آپ کو ہرگز نہ جانے دیں گے" مس خان بولیں "اوہ میں بڑی حسین ہوں کہ تیس ۳۰ سال سے تو عمر اوپر آ گئی بہرحال میں تو جوان بیرسٹر کی خدمت میں جانا بھی نہیں چاہتی۔ یہ بڑا آفس ہے۔ کئی عورتیں اور لڑکیاں کام کر رہی ہیں۔ یہاں کوئی ہرج نہیں مگر بہن سنا گیا ہے کہ یہ بیرسٹر نہایت شریف نوجوان ہیں۔ اور پھر ان کی شادی ہو چکی ہے۔ آج ان کے بچے کی پیدائش کی خوشی ہے۔ سنتا ہے بڑی دھوم دھام ہے۔ میں تو اس تقریب کو دیکھنا چاہتی تھی۔ ابھی ہم نئے ہیں اور ان کے محل میں آنا جانا بھی نہیں ہوا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے" مسز بوس نے کہا "ہاں انتظامات تو ٹھاٹ کے ہیں کل شام کو ہم ادھر سے گزرے تھے ان کا شاندار محل پھول پتی سے خوب سجایا گیا ہے اور روشنی کا بھی بہت ہی انتظام ہے۔ لیکن ہم لوگ ابھی نہ جا سکیں گے" پھر بولیں "ایک طریقہ ہو سکتا ہے۔ بیرسٹر صاحب کے بچوں کی گورنس مسز [illegible] میری دوست ہیں آج اگر مسز پال سے ملاقات ممکن ہو سکے تو وہ ہم تینوں کو اپنی دوست بنا کر لے جا سکتی ہیں [illegible] دو گھنٹہ گزرے ہوں گے کہ پھر ایک کار آ کر رکی اور بیرسٹر صاحب آفس میں تشریف لائے اور منیجر سے کہا کہ ہمارے چند عزیز مہمان آ رہے ہیں۔ ہمیں دو چار روز بالکل فرصت نہ ہوگی آپ خود ہی منتخب کر کے ایک

ٹائپسٹ لیڈی کو میرے آفس میں بھیج دیں،، مینجر نے مودبانہ جواب دیا "حضور اس کا فیصلہ تو آپ ہی کریں تو بہتر ہے خود اس طرف تشریف لے جائیے اور وہ دونوں کام کر رہی ہیں۔ تھوڑی دیر دیکھنے کے بعد جو زیادہ قابلیت سے کام کرتی نظر آئے اس کو اُدھر بھیج دیں۔ یہ سُن کر ہمت کر کے جمیل صاحب اس کونے والی میز کی طرف آئے جہاں وہ کام کر رہی تھیں۔ اب بڑی مشکل درپیش تھی نہ معلوم کیوں وہ مس خان کو اپنے آفس میں رکھنا چاہتے تھے مگر چونکہ وہ اُن دونوں سے زیادہ عمر میں بھی کم تھیں۔ اس لئے اپنی زبان سے کچھ کہنا اچھا نہ لگتا تھا۔ بہت کوشش کی کہ مرضی کے مطابق کہہ دوں مگر نہ ہو سکا اور اس کا فیصلہ اُنہوں نے ان ہی دونوں عورتوں پر چھوڑا چند منٹ خاموش ان کا کام دیکھتے رہے پھر کہا "ہمارے آفس میں بھی ضرورت ہے۔ آپ دونوں میں سے کسی ایک کو اس طرف کام کرنا چاہئے۔ یہ حکم سُن کر مس خان تو اسی طرح نظریں مشین پر جمائے ہوئے کام میں مصروف رہیں۔ لیکن پختہ کار مسز بوس نے جواب دیا "جس کے لئے جناب کا حکم ہو وہ آپ آفس میں پہنچ جائے،، بیرسٹر صاحب نے کہا "اس کا فیصلہ آپ لوگ خود ہی کر سکتی ہیں۔ میرے آفس میں صرف ایک کو کام کرنا ہوتا ہے۔ یہاں کام بہت زیادہ ہے۔ لیکن کرنے والیاں بھی کئی ہیں جو جس کام کو پسند کریں وہ اپنے ذمہ لے لیں یہ سُن کر بھی مس خان اسی طرح خاموش رہیں اور مسز بوس نے اپنی ساتھن کی طرف دیکھ کر کہا "مس خان آپ مجھ سے زیادہ تیزی سے کام کر سکتی ہیں۔ میرے خیال میں بیرسٹر صاحب کے آفس میں آپ کا جانا مناسب ہے۔ میری مدد کو تو اور یہاں کئی لڑکیاں موجود ہیں،، مسز بوس کا یہ فیصلہ سن کر جمیل صاحب بہت خوش ہوئے اور "تھینک یو،، کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ کیونکہ اُنھیں اسٹیشن جانا تھا۔ اُن کے جانے کے بعد بوڑھا مینجر فوراً ان لوگوں کی طرف آیا اور گھبراہٹ سے دریافت کیا "بیرسٹر صاحب کیا حکم دے گئے؟،، مس خان نے سر اٹھا کر فوراً جواب دیا "ان بچارے نے کچھ نہیں کہا۔ مسز بوس صاحبہ نے اپنے لئے یہیں رہنا پسند کیا ہے۔ اور مجھ کو آدھر دھکیلا ہے" یہ سُن کر مینجر صاحب کچھ مُسکرائے اور کہا "چلو اچھا ہوا جو کچھ ہوا مسز بوس صاحبہ سمجھ دار ہیں۔ اور اپنی اسسٹنٹ لڑکیوں سے بڑی بھی ان لوگوں کو خوب قابو میں رکھیں گی" اب مینجر کے حکم سے مس خان جمیل صاحب کے آفس میں پہنچا دی گئیں۔ گو جمیل صاحب بہت مصروف تھے اور خوش بھی۔ کیونکہ جمیلہ اور قمران کے پاس تھے اور نہ صرف اکیلے قمر ہی بلکہ ان کی حسین اور جمیل بیوی بھی تاہم خدا جانے ایسی کیا کشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح ان سب کی نظروں سے بچ کر تھوڑی دیر کے لئے اپنے آفس آئے دیکھا کہ مس خان اس وقت تک اپنے کام میں مصروف ہے۔ اس کی میز کے قریب آکر کرسی پر بیٹھ گئے اور بولے "مس خان چار بج چکے آپ ابھی تک مصروف ہیں کام ختم کیجئے اس قدر محنت کی تو آپ گھبرا جائیں گی اور بچاری مسز بوس پر غصہ آئے گا کہ انہوں نے یہاں کیوں بھیج دیا" مس خان نے نگاہیں نیچی کئے جواب دیا "کچھ زیادہ کام نہیں آفسوں میں پانچ اور چھ بجے تک کرنا پڑتا ہے۔ میں تو مسز بوس کی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مجھے ایسی خاموش جگہ بھیج دیا۔ تنہائی ہی جو مجھ کو بے حد پسند ہے۔ یہاں بڑے آرام سے کام کرونگی وہ تو ایک میدانِ حشر ہے بہت سے کلرک مشینوں کی کھٹا کھٹ میں تو پاگل ہو جاتی" مگر اس وقت تو آپ نے کچھ نہ کہا جبکہ فیصلہ آپ دونوں ہی پر چھوڑ دیا تھا!،، "اُس وقت کچھ نہیں کہہ سکتی تھی وہ مالک کے حکم پر منحصر تھا۔ اب بھی اگر [illegible] جائے تو انکار نہیں،، بڑی ہمت سے جمیل صاحب نے مُسکراتے ہوئے اس کا یہ جواب دیا "اب تو یہ نا ممکن ہے جب آپ پسند کریں گی یہ آفس آپ کا اپنا ہے" (باقی آئندہ)

نذر سجاد حیدر

بیوہ کا راگ

پچھلا پہر ہے رات کا   عالم میں سنّاٹا بپا
گو شب کی ظلمت ہے سوا   تاروں کی روشن ہے بسا

انسان پر حیوان پر   اور طیرِ خوش الحان پر
جاندار اور بے جان پر   ہے نشہ سا چھایا ہوا

امکانِ موجودات میں   سب انس و حیوانات میں
اور ساری مخلوقات میں   اِک ہُو کا عالم ہے بپا

اس محشرِ خاموش میں   وارفتگی کے جوش میں
ہاں! اس جمودِ ہوش میں   آتی ہے اک دھیمی صدا

یارب! یہ کیسا راز ہے   کچھ سوز ہے کچھ ساز ہے
اِک دُور کی آواز ہے   چلتی ہو جیسے آسیا

ہاں! آسیا گردش میں ہے   آواز بھی لرزش میں ہے
نغمہ بھی اس سازش میں ہے   ہے درد سا جس میں بھرا!

آوازِ چکّی کی ادھر   اِک ٹوٹے دل کی لے اِدھر
سوزِ نہانی کی خبر   دیتی ہے سب کو بَر مَلا

یہ پچھلی رات اُٹھنا ترا   چکّی سے سر دُھنّا ترا!
پھر اُس پہ یہ نغما ترا   اُف! دے نہ گردوں کو ہلا!

دل میرا تیرے سات ہے   افسوس ہے! ہیہات ہے!
آخر بتا! کیا بات ہے ؟   جو قلب ہے مضطر ترا

ہاں! مجھ کو سننے دے ذرا   آخر ہے تیری کیا صدا
ٹوٹی ہے تجھ پر کیا بلا   ہے کس لئے رونا ترا؟

اک بیوۂ ناشاد ہوں   اِک خانماں برباد ہوں
میں کیوں کسی کو یاد ہوں   بس اپنا حامی ہے خدا!

یہ انقلابِ بخت ہے   برباد تاج و تخت ہے
چکّی کی محنت سخت ہے   اس کا مگر شکوہ ہے کیا!

اک دن تھا میں آباد تھی   اور عیش سے دل شاد تھی
بے خوف تھی آزاد تھی   ہر بات کا تھا حوصلا

جب بخت اپنا یار تھا   ہر خار بھی گلزار تھا
دل پر نہ کوئی بار تھا   دنیا کا حاصل تھا مزا

اپنے چمن کا پھول تھی   خوشبوؤں میں مشغول تھی
لیکن یہ میری بھول تھی   اب خار ہوں سوکھا ہوا

اِک دن تھا بے آزار تھی   اِک لطف میں سرشار تھی
"ان کے" گلے کا ہار تھی   لیکن وہ وہم و خواب تھا

مالک تھی اک دل کی کبھی   زینت تھی منزل کی کبھی
رونق تھی محفل کی کبھی   خاک ہوں اب بگڑا ہوا

تھی وادیٔ شاداب میں   گہ سرزمینِ آب میں
جب آگیا گرداب میں   بس اپنا بیڑا غرق تھا

تھا اک زمانہ وہ کبھی   سرسبز تھی ہستی مری
اب اُڑ رہی ہے خاک ہی   ہوں اِک چمن اُجڑا ہوا

وہ ناز بردار اب کہاں؟   وہ اپنا سردار اب کہاں؟
اُس جیسا غم خوار اب کہاں   اِک ہے تو ذاتِ کبریا!

اِس دہرِ ناہنجار میں   اس وادیٔ پُر خار میں
دنیائے دل آزار میں   ہے اپنے رب کا آسرا

اب دل ہے اور رنج و محن   یہ زندگی ہے یا جلن
دنیا ہے پُر از مکر و فن   جینے کا پھر کیا حوصلہ

ہوں ماہیٔ بے آب "میں"   ہوں صورتِ سیماب "میں"
ہوں اک بھیانک خواب "میں"   قسمت کا کیا کیجے گلا

ہیں نت نئے غم مجھ پہ اب   دیکھوں نکلتا دم ہے کب   ہر لحظہ ہے رنج و تعب   روتی ہوں ہر صبح و مسا
اب کس پہ اپنا ناز ہو؟   ہے کون جو ہم راز ہو؟   اس میں کہاں سے ساز ہو؟   یہ ٹوٹے دل کی ہے صدا!
ہے زندگی آزردگی!   افسردگی پژمردگی!   حیرانی و افسردگی!   دنیا ہے اک وحشت سرا!
اِک درس عبرتناک ہوں   اِک چشمِ حیرت ناک ہوں   اک راز وحشت ناک ہوں   از ابتدا تا انتہا!
میں اِک مجسم درد ہوں   اپنے الم میں فرد ہوں   اس غم کے ہاتھوں گرد ہوں   تھا یہ مقدر میں لکھا
ہوں اک سراپا سوز "میں"   اِک آہ ہوں دل دوز "میں"   غم دیکھتی ہوں روز "میں"   حد ہے نہ جس کی انتہا!
اِک دیدۂ غم ناک ہوں   غم سے گریباں چاک ہوں   سب کی نظر میں خاک ہوں   پا نسہ ہوں اِک پلٹا ہوا
سر پر گرا کوہِ الم   فرقت ہے دل پر اِک ستم   نالوں سے اپنے دم بدم   اِک شور محشر ہے بپا
اب اپنا ساتھی کون ہے؟   اب اپنا حامی کون ہے؟   بیکس کا والی کون ہے؟   اپنا کہوں کیا ماجرا!
دنیا پہ اب اِک بار ہوں   اِک لادوا آزار ہوں   سب کی نظر میں خار ہوں   کیا لطف جینے کا بھلا؟
عالم ہے پُر از رنگ و بو   ہر جی میں ہے اِک آرزو   اور اپنے دل میں بس یہ ہو   اب خاتمہ کر دے خدا!

چودھری محمد ابوالحسن صدیقی تپسیر ایم اے۔ ایل ایل بی

(بقیہ صفحہ ۳۴ کا) جیسا میں نے اس مضمون کے شروع ہی میں کہا ہے کہ یہ بے اعتمادی مبنی ہے ایک غلط فہمی پر۔ عورتوں کی "خواہشِ آزادی"، اور برابری کے حقوق چاہنے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ عورتیں بے راہ روی اختیار کرنا چاہتی ہیں۔ یا برابری سے اُن کی مراد یہ نہیں ہے کہ مثل مردوں کے وہ بھی زرہ بکتر سے لیس ہو کر، تلوار اور گُرز کی دھنی بننا چاہتی ہیں لیکن آزادی سے مراد صرف یہ ہے کہ اُن کے جذبات، اُن کی نفسیاتی قوتیں پامال نہ ہونے دی جائیں۔ قدرت نے جو دل و دماغ اُنھیں عطا کیا ہے، وہ اُسے نشو و نما دے سکیں۔ اُن میں بھی سوچنے اور سمجھنے کی قوت ہے۔ وہ اُسے کام میں لا سکیں اور برابری سے مراد یہ ہے کہ عورت کے جو کام ہوں۔ اس کے جو فرایض ہوں، انھیں حقارت سے نہ دیکھا جاے۔ اور اُن فرایض کی وجہ سے اُس کو حقیر اور کمتر نہ سمجھا جائے۔ اگر تیر و کمان سے زخمی کرنا مرد کا طرۂ امتیاز ہے تو زخمیوں کی نگہداشت، اُن کی جراحت کے اندمال میں سعی و کوشش کو عورت کے لئے بھی باعثِ فخر سمجھا جاے اس خدمت کی بنا پر اُس کو ذلیل نہ سمجھا جائے۔ اگر عورت کے کسی فعل سے مرد کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر عورت کا کوئی عمل مرد کے جذبات کو دھکا پہنچاتا ہے تو اُس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مرد کے کسی فعل، مرد کے کسی عمل سے عورت کو بھی تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ پھر جس طرح قدرت نے تکلیف کا احساس مرد کو دیا ہے، اُسی طرح، اُسی قدرت نے، تکلیف کا احساس عورت کو بھی دیا ہے۔ اگر مرد میں خودداری کا جذبہ موجود ہے تو عورت بھی خودداری سے عاری نہیں ہے۔ بس یہی برابری کے معنی ہیں۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ مرد و عورت کی تخلیق میں نظام قدرت کا کوئی بھید تو ہے۔ ورنہ دو علیحدہ جنسوں کو پیدا کرنے کے بجائے، قدرت ایک ہی جنس کیوں نہ پیدا کرتی۔

میرا خیال ہے کہ اس مختصر اظہار خیال سے مذکورہ بالا غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا ہوگا اور خدا کرے کہ یہ وضاحت، اُس اشتراک عمل میں ممد و معاون ہو جو آج بھی عمرانی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ **مومنہ بیگم۔ علی گڑھ**

آئینہ مُصحف

یہ رسم افغانستان میں شادی کے موقعوں پر ادا کی جاتی ہے۔ آئینہ مصحف کا اصلی مقصد "شیشہ اور قرآن مجید" ہے۔ ابتدا میں یہ رسم افغانوں کے شاہی فرقوں میں ہوتی تھی لیکن آجکل ملک بھر میں یہ رسم جاری ہے۔ ہمشیرگانِ محترم ہندوستان کے شاہ علاؤالدین خلجی سے واقف ہونگی۔ کہ چتوڑ کی مہارانی پدمنی کو اُس نے آئینہ میں دیکھا تھا۔ اس کے بعد ہر شاہی شادی پر یہ دستور ہو گیا کہ نکاح سے پہلے دولہا اپنی دولہن کو ایک نظر دیکھ لے۔ افغانستان میں یہ دستور ہے کہ مہندی کی رات ایک بڑے کمرے کے وسط میں مسند پر دولہا کو دائیں جانب بٹھا دیتے ہیں۔ پھر دُلھن کو بنا سنوار کر خاص جوڑا پہنایا جاتا ہے اور قیمتی کپڑا اوڑھا کر سر پر قرآن مجید اور آگے آگے ڈومنیاں گاتی بجاتی قدم بقدم مسند تک لاکر دولہا کے بائیں جانب بٹھا دیتی ہیں۔ پھر دولھن کی ماں یا نانی دولھن کے سر پر سے کپڑا اُتار کر دولہا و دلھن دونوں کے سر پر اُڑھا دیتی ہے اور کلام پاک جو خوب سجایا ہوا ہوتا ہے۔ کھول کر دولہا سے پڑھواتی ہے۔ ایک صفحہ یا نصف صفحہ پڑھوا کر دولھن سے بھی کہتی ہیں کہ وہ بھی پڑھے۔ وہ نہایت ہلکی آواز یا دل ہی دل میں شگون پورا کرتی ہے۔ بعد ازاں ایک آئینہ جو کمخواب یا زربفت یا اور کسی قیمتی کپڑے میں لپٹا ہوتا ہے۔ دونوں کے روبرو کیا جاتا ہے۔ دولہا تو دولھن کو دیکھ لیتا ہے لیکن دولھن شرم و حیا سے آنکھیں نہیں کھولتی۔ بڑی منتوں اور خوشامدوں سے ذرا کی ذرا آنکھیں کھولتی ہے۔ اس دیکھنے کے عوض دولہا دولھن کو رُونمائی دینا چاہتا ہے۔ دولھن بائیں مٹھی سر کے اوپر سے دولہا کی طرف بڑھاتی ہے مگر خود اسی حالت میں آنکھیں بند اور ساکت۔ دولہا دائیں ہاتھ سے مٹھی کھولنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر مٹھی کھلی تو مرد طاقتور ورنہ لڑکی والے دولہا کو مذاق کے طور پر کمزور بتاتے ہیں۔ دولھن مٹھی کھول دیتی ہے۔ دولہا ایک انگوٹھی یا اشرفی رکھ دیتا ہے۔ ایک خوانچہ جس پر زری کا خوان پوش پڑا ہوا ہو اس میں ایک قاب میں چوری (ملیدہ) ایک پیالہ میں شربت اور ایک چمچہ ہوتا ہے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ سب سامان اگر امیر یا شاہی گھرانہ ہو تو سونے کا جواہر نشان ورنہ عام چاندی کا ہوتا ہے۔ پہلے دولہا چوری کا لقمہ دولھن کے منہ میں دیتا ہے اب دلھن کی باری آتی ہے مگر وہ کھلائے کیسے۔ پھر وہی صاحبہ جو قرآن پڑھواتی ہیں دلھن کے ہاتھ سے لقمہ بنا کر دولہا کو کھلاتی ہیں اس کے بعد دولہا شربت کا چمچہ بھر کر دولھن کی طرف بڑھاتا ہے۔ اسی انداز میں وہ اُسے دیتی ہے۔ اسکے بعد دلھن کی ماں یا کوئی اور دلھن کی قریبی رشتہ دار۔ دولہا کی انگلی مہندی لگا کر باندھ دیتی ہے اور ذرا سی دولھن کے بھی اور ساتھ ہی دولہا کو سلامی دیتی ہے۔ پھر لڑکی کی خالہ، چچی، ممانی، بہن، دادی وغیرہ لڑکے کو باری باری سلامی دیتے ہیں۔ اب دو بڑے خوان سامنے رکھے ہوتے ہیں ایک میں تازہ پھل اور دوسری میں بچھائی ہوئی اور گندھی ہوئی مہندی پر الائچی دانہ کے بیل بوٹے مختلف کاغذ کے پھول اور روشن شمعیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں تمام شرکا رشادی میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔ وہ قرآن مجید۔ آئینہ اور چاندی یا سونے کے جو برتن تھے۔ لڑکی کو جہیز میں تبرک کے دئے جاتے ہیں۔ دولہا مردانے میں چلا جاتا ہے اور دولھن اپنے حجرے میں لیجائی جاتی ہے۔ "آئینہ مصحف" یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ دوسری رات نکاح پڑھکر صبح کے وقت دولھن کو رخصت کرتے ہیں۔ علاؤالدین خلجی نے تو صرف نظر ہی ڈالی تھی لیکن زمانے کی گردش نے اسے ایک رسم بنا دیا۔ یہ رسم افغانستان کے شاہی گھرانوں یا امیروں میں ہی نہیں تمام شہروں قصبوں۔ دیہاتوں کے جملہ قبایل میں ادا ہوتی ہے۔ (شہزادی) ع س گ فاطمہ نفیس بی اے۔ ایل ایل بی

مرغیاں پالنا

آج کل مرغیاں پالنے کا شوق ترقی کر رہا ہے جس کی عام وجہ یہ ہے کہ ہمارے روزمرّہ کی خوراک میں انڈوں کا استعمال بڑھ گیا ہے۔ انڈوں سے کئی قسم کی مٹھائیاں نانی اور کیک وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ صبح کے ناشتے میں انڈا کھایا جاتا ہے عموماً ڈاکٹر مریضوں اور کمزوروں کے لئے بتاتے ہیں اکثر دعوتوں میں مرغ پلاؤ یا قورمہ یا کباب ضرور پکائے جاتے ہیں مریض کے لیے چوزے کی یخنی زود ہضم اور مقوی غذا ہے غرض ہماری زندگی میں انڈے مرغی کی ضرورت دن بدن زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔ ہماری وہ بہنیں جو دیہات میں رہتی ہیں۔ یا شہروں کے قریب کھلی بستیوں میں ہیں وہ اس کام کی طرف توجہ کر کے معقول منافع بھی پیدا کر سکتی ہیں۔ شہروں میں رہنے والی بہنوں میں سے جن مکانات کے کھلے صحن یا احاطے ہوں وہ بھی مرغیاں پال سکتی ہیں۔ البتہ تنگ مکانوں میں جن کے آس پاس کھلی جگہ نہ ہو مرغیاں رکھنی مشکل ہیں یورپ میں تازے انڈے کی قیمت باسی انڈے سے تین گنا زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ تازہ انڈے میں حیاتیں اچھی حالت میں ہوتی ہیں اور وہ زود ہضم بھی ہوتا ہے۔ دماغی کام کرنے والوں۔ مریضوں اور چھوٹے بچوں کے لئے تازہ انڈا اعلیٰ درجے کی مقوی غذا ہے۔ اور بازار سے تازہ انڈا ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اسی طرح وقت بے وقت گھر میں مرغی اور چوزے کا گوشت با آسانی میسر ہو سکتا ہے۔ جو بہنیں فارغ البال ہیں وہ شوقیہ مرغیاں پال کر اپنے فرصت کے وقت کو بہترین مصرف میں لا سکتی ہیں اور تازہ انڈے مہیا کر کے اپنے خاندان کی صحت بہتر بنا سکتی ہیں اس فن پر چند کتابیں لکھی گئی ہیں اور آئے دن تجربے ہوتے رہتے ہیں۔ اور ولائتی نسل کی مرغیاں عموماً قدآور اور زیادہ تعداد میں انڈے دیتی ہیں۔ جو بہنیں مرغیاں پالنا چاہتی ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کے رکھ رکھاؤ خوراک اور علاج کے طریقوں سے واقفیت حاصل کریں تاکہ وہ اپنی محنت اور خرچ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں اور نقصان سے محفوظ رہیں۔

مرغیوں کی قسمیں

مرغیوں کی مشہور اقسام حسب ذیل ہیں۔ **سفید لیگ ہارن** یہ سخت جان اور زیادہ انڈے دینے والی نسل ہے۔ گرم آب و ہوا۔ اور ریتلی یا ہلکی زمینوں کے لئے موزوں ہے

سیاہ منارکا۔ یہ نسل کُڑک نہیں ہوتی۔ نیز بڑے اور زیادہ انڈے دینے کے لئے مشہور ہے۔

روڈ آئی لینڈ ریڈ۔ یہ سخت جان ہے۔ انڈے کافی تعداد میں دیتی ہے۔ اور خوب وزنی ہے یعنے اس میں گوشت کافی مقدار میں زیادہ ہوتا ہے۔

اصیل (انڈین گیم) پنجاب کی مشہور لڑنے والی نسل۔ اس میں سینے کا گوشت سب نسلوں سے زیادہ ہوتا ہے

چٹاگانگ۔ یہ بنگال کی نسل ہے۔ قد میں چھوٹی مگر انڈے کافی تعداد میں دیتی ہے۔

لائٹ سسکس۔ یہ سخت جان ہے۔ اور گوشت کے لئے نہایت موزوں۔

چوزوں کے نکالنے کا وقت

چوزے نکلوانے کا سب سے اعلیٰ وقت اور موسم ماہ اکتوبر سے موسم بہار یعنے مارچ تک ہے اس کے بعد چوزے نہیں نکلوانے چاہئیں۔ کیونکہ موسم گرم ان کی مناسب پرورش میں خلل انداز ہوتا ہے۔ انڈے سینے کے لئے مندرجہ ذیل امور کا خاص طور پر خیال کیجئے۔

(۱) سینے کے لیئے انڈے عمدہ قسم کے اور تازہ ہوں۔ انڈے صرف دو طریقوں سے دستیاب ہو سکتے ہیں ایک تو اپنی مرغیوں سے اور دوسرے اُن لوگوں سے جو اچھی مرغیاں پالتے ہوں۔ اپنی مرغیوں سے انڈے لینے کی حالت میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ پرند پورے قد کے مضبوط و توانا ہوں۔ اُن کو خوراک ٹھیک اور عمدہ دی جا رہی ہو اگر ایک مرغ تو اس کے ساتھ ۹ سے لے کر ۱۲ تک مُرغیاں ہو سکتی ہیں۔

اس کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ انڈے موزوں طریقے سے رکھے گئے ہوں زیادہ ناکامیابی انڈوں کے سینے میں اس وجہ سے ہوتی ہے کہ انڈے بُرے طریقے سے رکھے جاتے ہیں۔ انڈوں کو روزانہ مرغی کے ڈربے میں سے نکال کر بغیر ہلائے جُلائے کسی ایسے کنستر یا بکس میں رکھ دو جس میں چوکر بھرا ہو اور ڈھکنا مضبوطی سے بند ہو سکے۔ انڈوں کو پہلو پر لٹا کر رکھئے اور روزانہ کنستر کے انڈوں کے پہلو آہستہ سے بدلتے رہیں تاکہ ان کی زردی ایک طرف چھلکے سے نہ چمٹ جائے۔ اگر انڈوں کے خول میلے کچیلے ہوں تو گیلے کپڑے سے پونچھ کر صاف کر کے رکھئے اگر کسی الماری میں انڈے رکھنے ہوں تو خانے میں ریت ڈال کر انڈے رکھ دیجئے اور پاس ایک چوڑے برتن میں پانی بھر کر رکھ دیں اور دروازہ بند کر دیں پانی اس لئے رکھنا چاہئے کہ انڈوں کی نمی قایم رہے نمی قایم نہ رہنے سے انڈے گندے ہو جاتے ہیں۔ انڈوں کو چپٹا رکھئے اور روزانہ پلٹتے رہیئے۔ انڈوں کو رکھنے میں تازہ ہوا کی ضرورت نہیں مگر ان میں جو قدرتی نمی ہے اس کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔ اس لئے گھر کے ٹھنڈے گوشے میں انڈے رکھئے۔ ماہ اکتوبر سے ماہ مارچ تک انڈے دس دن تک محفوظ رہ سکتے ہیں۔ گرمیوں کے دنوں میں پانچ دن سے زیادہ نہیں رکھنا چاہئے البتہ اس صورت میں رکھ سکتے ہیں کہ کمرے یا الماری کی حرارت ۷۰ فارن ہائیٹ تک رکھی جا سکے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انڈا جتنا زیادہ تازہ ہوگا اتنا ہی طاقتور بچہ اُس میں سے نکلے گا۔ یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ انڈا بے متوسط اور اچھی شکل کے ہوں نہ بہت لموترے ہوں اور نہ زیادہ گول۔ خول میں درزیں نہ ہوں نہ کھردرا اور ٹوٹا ہوا ہو اور چھلکا زیادہ پتلا بھی نہ ہو۔ یہ بات غلط ہے کہ لمبے انڈے میں سے مرغا اور گول انڈے میں سے مرغی نکلتی ہے۔

وہ انڈے جو دوسری جگہ سے لیئے جائیں وہ بھی کسی با اعتبار جگہ سے تازے انڈے خریدیں۔ بیشتر اس کے کہ انڈے کسی مرغی کے نیچے رکھے جائیں ایک کڑک مرغی کم قیمت انڈوں پر بٹھا کر دیکھ لینی چاہئے کہ آیا وہ کڑک بھی ہے اور انڈے سینے کے قابل بھی ہے انڈے رکھنے سے دو چار دن قبل یہ تجربہ کر لینا چاہئے کہ مرغی انڈوں پر بیٹھتی بھی ہے یا نہیں اگر بیٹھ جائے تو کم قیمت انڈے وہاں سے نکال کر قیمتی انڈے فوراً مرغی کے نیچے رکھ دیئے جائیں اور دور سے منگوائے ہوئے انڈے جھٹ پٹ مرغی کے نیچے رکھ دینے چاہئیں۔ کڑک مرغی کو اچھی طرح سے دیکھ لینا چاہئے کہ بالکل کڑک ہو۔ تندرست اور حلیم الطبع ہو عموماً دیسی اور اصیل مرغیاں انڈے اچھی طرح سہتی ہیں۔ روڈ آئی لینڈ ریڈ یا لائٹ سیکس نسل کی مرغیاں بھی کڑک ہو جاتی ہیں مگر سفید لگہارن یا سیاہ مینار کا انڈے سینے کے لحاظ سے بالکل ناقص ہوتی ہیں۔

کڑک مرغی کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے انڈا دینے کی جگہ پر بیٹھی ہوگی اور جب کوئی اس کے نزدیک جائے تو پر کھڑے کر کے کُڑ کُڑ کرے گی اور بھاگے گی نہیں۔ انڈے سامنے رکھو تو جھٹ اپنی چونچ سے سینے کے نیچے کرے گی۔ یہ بھی دیکھ لینا چاہئے کہ مرغی میں جوئیں یا چیچڑیاں بھی نہ ہوں۔ اگر باہر سے کڑک مُرغی منگوائی جائے تو پہلے اس کو دو یا تین معمولی کم قیمت کے انڈوں پر شام کے وقت بٹھا کر اوپر سے ٹوکری ڈھک دیں دوسرے دن پھر شام کے وقت کھولیں اور دانہ پانی دے کر پھر بند کر دیں اگر وہ اِن انڈوں پر دو ایک روز اچھی طرح بیٹھی رہے تو سمجھ لو کہ وہ کڑک ہے۔ پھر جبکہ وہ ٹوکری کے باہر دانہ چُگ رہی ہو تو وہ انڈے

اُٹھاکر قیمتی انڈے ٹوکری میں رکھ دیجیے۔ بعض وقت بیمار مرغی آجاتی ہے اس لیئے پہلے دو چار روز کم قیمت انڈوں پر مرغی کو بٹھاکر ضرور اطمینان کر لیجیے کہ وہ بیمار تو نہیں اور اچھی طرح کڑک ہے۔ مرغی انڈوں پر بٹھانے کے لیئے کسی روشن کمرے کی ضرورت نہیں۔ مرغی اندھیری جگہ زیادہ پسند کرتی ہے۔ البتہ تازہ ہوا کی آمد و رفت کا اچھا انتظام ہو اور اس بات کی خاص احتیاط چاہیئے کہ اس کمرے کے تمام سوراخ جن میں سے نیولے چوہے اور بلیاں وغیرہ داخل ہو سکیں بند کر دینے چاہئیں۔ بچے اس کمرے میں داخل نہ ہوں۔ اور زیادہ آمد و رفت بھی نہ ہو۔ ایک کوٹھری میں دو تین مرغیاں نہیں بٹھانی چاہئیں کیونکہ وہ آپس میں لڑتی رہتی ہیں اور انڈے توڑ دیتی ہیں۔ مرغی کے نزدیک زیادہ شور و غل بھی نہیں ہونا چاہیئے ورنہ وہ ڈر کر انڈوں پر سے اُٹھ جاتی ہے اور اکثر انڈے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اگر گھر میں کوئی ایسا کونا نہیں ہے تو مرغی کے لئے کوئی الگ جگہ تلاش کیجیے۔

مرغی کسی چوڑی سی ٹوکری کے اندر نرم نرم گھاس پھوس یا تُوڑی (بھوسا) رکھ کر بٹھائیں۔ پُرانے مٹکے میں بھی مرغی کو بٹھایا جا سکتا ہے۔ مٹکے یا ٹوکری کو چار اینٹوں کا سہارا دے کر رکھنا چاہیئے تاکہ مرغی اُس کے کنارے پر کھڑی ہو تو ٹوکری یا مٹکا اُلٹ پلٹ نہ ہو جائے۔ پہلے ٹوکری اینٹوں کے درمیاں رکھ کر دیکھ لیجیے کہ حرکت تو نہیں کرتی پھر نرم گھاس پھوس یا توڑی (بھوسے) کو ٹوکری میں رکھ کر مرغی کے بیٹھنے اور انڈے رکھنے کے قابل بنا دیجیے۔ لیکن بیچ میں ذرا گہرا ہو اس گہری جگہ میں شام کے وقت معمولی کم قیمت دو چار انڈے رکھ کر اور مُرغی کو انڈوں پر بٹھاکر اُوپر سے دوسری ٹوکری ڈھانک دیں۔ دوسرے دن شام کو کھول کر دیکھیں اگر مُرغی اچھی طرح بیٹھی ہے۔ تو سمجھ لیجیے کہ اچھی کڑک ہے تو اس کے سامنے زمین پر دانا ڈال دیجیے اور کسی برتن میں پانی رکھ دیجیے۔ اور احتیاط سے مُرغی کو اُٹھاکر دانے کے پاس چھوڑ دیجیے جب وہ دانہ چُگنے میں مشغول ہو تو آپ کم قیمت انڈے بدل کر قیمتی انڈے اس جگہ رکھ دیں۔ آدھے گھنٹہ کے بعد مُرغی کو آہستہ سے پکڑ کر ٹوکری یا مٹکے کے کنارے پر کھڑا کر دیں۔ مُرغی انڈوں کو دیکھ کر اُن پر جا بیٹھے گی اس کو پھر ٹوکری سے ڈھانک دیں۔ دو تین دن کے بعد ڈھانکنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مُرغی اپنی جگہ کی عادی ہو جاتی ہے۔

اگر آپ مُرغی کو اُس کے دڑبے میں ہی بٹھانا چاہتی ہیں تو پھر ضروری ہے کہ ڈربہ اچھا کھلا اور صاف ستھرا ہو۔ ایک کھڑکی یا دروازہ جالی کا ہو جو ہر وقت بند رہے اور تازہ ہوا بھی جاتی رہے۔ اگر لکڑی کا ہے تو مُرغی بٹھانے سے قبل اُس کے اندر ٹک یا سلیگنم لگا دینا چاہیئے۔ اور ایک کونے میں بھوسہ بچھاکر اس کے چاروں طرف اینٹیں وغیرہ لگاکر انڈے رکھنے کی جگہ بنا دیجئے تاکہ بھوسہ پھیلنے نہ پائے۔

اگر ڈربہ کے نیچے زمین ہے تو پھر ۹ انچ لمبا چوڑا اور دو یا تین انچ گہرا گڑھا کھود لینا چاہیئے اور اس میں پانی کا خفیف سا چھینٹا دے کر نرم نرم خشک گھاس پھوس یا بھوسہ بچھا دیں اور اس پر کوئی جراثیم مارنے کا سفوف چھڑک دیں۔ مُرغی کے بیٹھنے کی جگہ خواہ ٹوکری میں بنائیں یا زمین میں سفوف چھڑکنا ضروری ہے (سفوف بنانے کی ترکیب آگے لکھی جائے گی)

جس مُرغی کے جسم پر جوئیں اور پسّو وغیرہ ہوں وہ آرام سے انڈوں پر نہیں بیٹھ سکتی۔ جب کبھی انڈوں میں سے بہت تھوڑے بچے برآمد ہوتے ہیں تو کسی کو یہ خیال تک نہیں ہوتا کہ یہ نقص جوؤں اور پسّوؤں کی وجہ سے ہے۔ اس لیئے اس بات کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہر کڑک مُرغی کو اور اس کے بیٹھنے کی جگہ کو ایسے سفوف سے چھڑکنا چاہیئے۔ سفوف بنانے کی ترکیب یہ ہے

پسی ہوئی گندھک۔ دو چھٹانک۔ خشک تمباکو پسا ہوا۔ تین چھٹانک۔ لکڑی کے کوئلے کی راکھ۔ ایک سیر۔

ان تمام چیزوں کو لے کر خوب ملا دو۔ مرغی کو انڈوں پر بٹھانے سے پیشتر تھوڑا سا سفوف اس کے بیٹھنے کی جگہ پر خوب چھڑک دو

پھر مُرغی کو بائیں ہاتھ میں لے کر دائیں ہاتھ کے ساتھ پروں کے نیچے سر اور گردن پر۔ بازوؤں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان اور دُم کے نیچے نرم نرم پروں پر بھی یہی سفوف مل دو۔ یہ سفوف چوزوں کو قطعاً کسی قسم کی تکلیف نہیں دیتا کڑک مُرغی کو جو انڈے سے رہی ہے ہر روز صبح کے وقت دانہ پانی ضرور دیں اور اس کو آواز دے کر اور دکھا کر دانہ ڈالیں اگر وہ خود کھانے کے واسطے نہ آئے تو اسے اُٹھا کر آہستہ سے دانہ پانی کے پاس چھوڑ دیں۔

ایک چھوٹا سا مٹی یا راکھ کا ڈھیر بھی اس کی جگہ کے قریب ہی لگا دیں تاکہ کڑک مُرغی ہر روز اپنا جسم صاف کر سکے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اگر مُرغی راکھ کے ڈھیر سے اپنے جسم کو صاف کرتی رہی تو انڈوں کو سردی لگ جائے گی۔ اگر مرغی بیس منٹ تک بھی انڈوں سے جُدا رہے گی تو بھی انڈے خراب نہ ہوں گے۔ اگر مرغی کے اٹھنے بیٹھنے یا کسی وجہ سے کوئی انڈا ٹوٹ جائے اور اس کی زردی وغیرہ دوسرے انڈوں کو لگ جائے تو فوراً انڈوں کو شیر گرم پانی سے دھو کر آہستہ آہستہ کپڑے سے خشک کر کے اسی جگہ رکھ دیں۔

بیس منٹ کے بعد اگر مرغی خود انڈوں پر نہ بیٹھے تو اس کو پکڑ کر آہستہ سے رکھ دیجیئے وہ خود ہی انڈوں پر جا بیٹھے گی مرغی کو گیہوں اور مکئی دَلی ہوئی برابر کی مقدار میں ملا کر دینی چاہیئے۔ صاف پانی ہر وقت مُرغی کے قریب رکھا رہے۔ اگر مکھن نکلی ہوئی لسی روزانہ رکھی جائے تو بہت اچھا ہے۔ اگر انڈے تازے ہیں تو بیس دن کے بعد تمام کے تمام چوزے نکل آئیں گے۔ خراب انڈوں میں سے بائیسویں دن تک چوزے نکلتے ہیں۔ لیکن بائیس دن کے بعد کسی انڈے کے تڑخنے کی امید نہ رکھنی چاہیئے۔ جب بچے نکلنے لگیں گے تو مُرغی انڈوں کو ہلاتی نظر آئے گی یہ ایک ضروری عمل ہے اور اس میں دخل اندازی ٹھیک نہیں جب بچے نکل رہے ہوں تو مرغی کو وہاں سے ہرگز نہ اُٹھائیں بلکہ بہت آہستگی سے مرغی کے نیچے ہاتھ ڈال کر خالی اور ٹوٹے ہوئے خول علیحدہ نکال لیا کریں۔ کسی چوزے کو باہر نکلنے میں مدد نہ دینی چاہیئے۔ مُرغی کو بھی وہیں رکھیں جب تک سب بچّے انڈوں میں سے نکل نہ آئیں سب کو وہیں رکھیں۔

مضمون کی دوسری قسط میں چوزوں کی پرورش کا طریقہ لکھا جائے گا۔

نوٹ۔ اچھی قسم کے اور ولائتی نسل کے انڈے حاصل کرنے کے لیئے۔ گورنمنٹ پولٹری فارم لائل پور۔ جالندھر۔ گورداسپور۔ لکھنؤ۔ کرکی ضلع پونا۔ سے خط و کتابت کیجیئے۔ یہ فیصلہ کرنا کہ ایک مرغی کے نیچے کس تعداد میں انڈے رکھنے چاہئیں مُرغی کے قد و قامت پر منحصر ہے معمولی دیسی مُرغی آٹھ دس ولائتی انڈے اور بارہ تیرہ دیسی انڈے سے سکتی ہے یہ خیال رہے کہ تمام انڈے بخوبی مُرغی کے پروں میں چھپ جائیں اور کوئی انڈا نظر نہ آئے ایک بڑی مُرغی بارہ ولائتی انڈے بھی سے سکتی ہے مگر اتنی تعداد میں انڈے رکھیئے جتنے مرغی بآسانی سے سکے۔ اگر انڈوں کی تعداد زیادہ ہوگی تو ممکن ہے کہ تمام کے تمام انڈے خراب ہو جائیں۔

م ن بیگم

امّید کی سرگوشیاں

راہیں جب زیست کی ساری ہوں غبار آلودہ
بجلیاں خرمنِ احساس میں ہوں آسودہ
جب حوادث کا سمندر رہو قیامت آرا
زنگ آلود جب آئینہ ہوا امیدوں کا
جب اُفق پر نہ چمکتا ہو ستارا کوئی
ہم کو چپکے سے یہ کرتا ہے اشارہ کوئی
مطلعِ غم پہ کبھی چمکے گا خورشیدِ نشاط

(۲)

جب ہر اک تازہ سحر رنج کا لائی ہو پیام
جب ہو لبریز مئے درد سے ایّام کا جام
جب غمِ کُہنہ دلِ غمزدہ کے مہماں ہوں
چُور جب شدّتِ آلام سے جسم و جاں ہوں
ایک خاموش سی خنداں سی کرن آتی ہے
چپکے سے حوصلہ دے جاتی ہے کہہ جاتی ہے
مطلعِ غم پہ کبھی چمکے گا خورشیدِ نشاط

(۳)

خود سے ہر چند یہ کہتا ہوں کہ "ممکن ہے کہاں
کہ یہ سرگوشیاں سچی ہوں۔ بدل جائے سماں"
پھر بھی اک میٹھی سی موسیقی ہے احساس نواز
جس کی ہر لے میں ہے تسکین و یقیں کا انداز
دلِ مغموم! تجھے ملتی ہے تسکیں کی نوید
فکرِ آلام نہ کر۔ یہ ہے نوائے امید"
مطلعِ غم پہ کبھی چمکے گا خورشیدِ نشاط

عبدالعزیز فطرت

دخترِ ہندوستان

دخترِ ہندوستاں بربادیٔ گلشن کو دیکھ
بجلیاں گرنے کو ہیں آ اور اس خرمن کو دیکھ
مانتا ہوں نوجواں کچھ ان دنوں ہشیار ہیں
ہے مگر افسوس جو ہشیار ہیں نادار ہیں
اور امیرِ ملک دولت کے نشہ میں چُور ہیں
عشرتوں کے قلعہ میں محبوس ہیں محصور ہیں
اے وطن کی لاج تو بے باک ہو جائے اگر
پھر نظام تفرقہ بازی ہو شاید منتشر
ہے مرا یہ مشورہ پابندیوں کو توڑ دے
توڑ دے آئینۂ پندارِ مغرب توڑ دے
مانتا ہوں تیرے دل میں جوشِ کرّاری نہیں
تیری آنکھوں میں ابھی مستی ہے خونخواری نہیں
پھر بھی اُٹھنے سے ترے شاید پلٹ جائے ہوا
شرم آ جائے امیروں کو تو اس میں ڈر ہے کیا
تو اگر اُٹھے تو شاید گلستاں ہو تو نہال
پستیوں میں بسنے والے پھر ہوں شاید باکمال
تو اگر اُٹھے تو شاید دورِ بدحالی ہو دُور
تیرے نعروں سے ہو شاید شیشۂ تفریق چُور

جگر قریشی (لودھیانوی)

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

دل کی دھڑکن

عورتوں اور بچوں کو عموماً دھڑکن کی شکایت ہوا کرتی ہے۔ بچوں کی طرف سے بے پروائی کرنے سے یہ مرض ہو جایا کرتا ہے مگر عورتیں زیادہ تر معقول اور موزوں غذا نہ ملنے اور طرح طرح کی بے بنیاد اور فضول فکروں کا شکار ہونے سے مرض میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

اکثر آدمیوں کو یہ خیال ہو جاتا ہے کہ اُن کا دل کمزور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنہیں دل کا دھڑکنا معلوم ہونے لگتا ہے اور جتنا زیادہ وہ فکر کرتے ہیں اُتنا ہی دل زیادہ دھڑکتا ہے۔ دل سُکڑ کے پھر پھیلتا ہے۔ سُکڑنے پر یہ خون رگوں میں دھکیلتا ہے۔ جس سے پٹھوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ بعض رگیں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں اور اُن میں سے ایک باریک سی دھار گزرتی ہے۔ خون کی گردش میں نقص واقع ہونے سے پٹھوں میں خرابی آجاتی ہے۔ اور طبیعت گری گری رہنے لگتی ہے دل کی دھڑکن میں کم گردشِ خون کی شکایت نہیں ہوتی بلکہ تیزی کی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ دل پر نسوں کا اثر ہے جن کی وجہ سے دھڑکن کم زیادہ ہو جایا کرتی ہے۔ تندرست آدمی کی دھڑکن ۷۲ فی منٹ ہوتی ہے۔ گو نسوں کی حرکت اس سے زیادہ اور اس سے کم بھی ہوتی ہے اور وہ بھی تندرست ہوتے ہیں۔ دھڑکن اس وقت بیماری بن جاتی ہے جب دھڑکن گھنٹوں تک سو سے اوپر رہے یا ذرا سے جوش پر ۱۲۰ ہو جائے۔ جیسے ریل پر سوار ہونے یا کوئی ذمہ داری کا کام کرنے کے وقت کیفیت ہوتی ہے۔ دل شام تک تھک جاتا ہے اور رات کو گھنٹوں کروٹیں بدلتے گزر جاتی ہے اور نیند نہیں آتی۔

بعض آدمی چڑ چڑے ہوتے ہیں۔ جلدی ڈر جاتے ہیں اور جلد فکر کا شکار ہو جایا کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ جوشیلے کاموں میں حصے لیتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ حصہ نہ لیا کریں۔ یہ مرض بیس اور چالیس سال کی عمر کے درمیان ہوتا ہے۔ ایسے لوگ معالجوں کے پاس جانے سے گریز کرتے ہیں۔ انہیں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ تم دل کو آرام سے رکھو اور کام کچھ عرصہ کے لئے بند کردو تو اُنہیں ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ دل کی دھڑکن کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ چُپ چاپ پڑے رہنا اور آرام لینا اس کا بڑا علاج ہے۔ دوسرا علاج خوراک کی اصلاح ہے۔ معدہ میں ریاح جمع ہو جاتے ہیں جلد جلد نوالے اُتارنے سے بھی یہ مرض ہو جایا کرتا ہے۔ ایسے مریضوں کو غذا خوب چبا کے کھانا چاہیئے ایسی غذا استعمال کی جائے جس میں قوت بخش اجزا ہوں اور معدنی نمک زیادہ ہوں۔ مچھلی دودھ انڈے پنیر مکھن ٹماٹر ہر قسم کی سبزی۔ کثرت سے میوے کھانے ضروری ہیں۔ ان سے پٹھوں کو پرورش کا موقع ملتا ہے جس کی وجہ سے دل قوی ہو جاتا ہے اور وہ فکروں کا کم شکار ہوتا ہے۔ جب دن بھر آدمی کام کرے اور اُسے دل کی دھڑکن معلوم نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اب آرام ہو گیا۔

چہرہ کی خدمت

جن کے چہرے قدرت نے گلاب کے پھول بنا رکھے ہیں اُنہیں اُن مصیبت زدوں کی کیا خبر جن کی جلد بہت خشک ہے اور چہرے سُکڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ جن کی جلد بہت چکنی ہے اور سرد ہوا چلنے کے وقت اس میں چتّیاں پڑنے اور سُرخ ہو جانے کا زیادہ میلان ہوتا ہے۔ جن کی جلد پر چھائیاں سے

اور جھائیاں رہتی ہیں۔ جن کے مسام پڑے بڑے ہو جاتے ہیں۔ جن کی جلد میں جھریاں پڑ جاتی ہیں یا گوشت جھول جاتا ہے، جن کی ٹھوڑی پھیل کے دوہری معلوم ہونے لگتی ہے جن کی گردن رسّہ کی طرح پتلی اور لمبی ہو جاتی ہے۔ وہ کیا جانیں کہ دنیا میں ایسی تکالیف بھی ہیں اور ان کا کوئی علاج بھی ہے۔

پہلے زمانہ کی بیبیاں بیشک آج کل کا سا سنگھار نہیں کرتی تھیں مگر بناؤ چناؤ اُن میں بھی جاری تھا اور ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وہ موجودہ زمانہ کے سنگھار سے کہیں بہتر تھا۔ اُن کی جلدیں آج کل کی عورتوں کی جلدوں سے بہت اچھی نہیں اور وہ دیر میں بڈھی ہوتی تھیں۔ اُن کے چہروں میں دلکشی بڑھاپے تک قائم رہتی تھی۔

آج کل جو سنگھار جاری ہے اُس کے قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اُس کا جاری رکھنا خوبصورتی کے لئے بس ضروری ہے۔ سنگھار ہر شخص کے لئے علیحدہ علیحدہ ہے لیکن عام قاعدے سب پر عائد ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے جلد کا صاف کرنا اور میل کچیل دور کرنا ہے۔ اس غرض کے لئے صاف کرنے والی کریم استعمال کی جاتی ہے۔ چہرہ اور گردن ہرگز پانی اور صابن سے نہ دھوئیں۔ اس کے بعد ہلکی مالش کی باری آتی ہے۔ اس کے لئے کوئی جلدی غذا درکار ہے کیونکہ اس سے سطح کی نسوں کو قوت پہنچتی ہے اور مساموں میں جو گندگی ہوتی ہے دور ہو جاتی ہے۔ یہ رات کی روئداد عمل ہے۔

صبح کو جلد پر تھپکی لگانا ہے جس سے جلد درست ہو کے پٹھے مضبوط ہو جاتے ہیں۔ تھپکی دینے والا آلہ Tapper ہے روئی لپیٹیں اور اسے ٹھنڈے اُبلے ہوئے پانی میں ڈبوئیں اور پھر جلد تان دینے والی دوا Astringent ہیں جو نشاں کے طور پر روز واٹر (گلاب کا پانی) اور وچ ہیزل Witch Hazel مساوی مقدار میں ہم تجویز کرتے ہیں ڈبوئیں۔ اس سے چہرہ اور گردن پر خوب تھپکیاں دیں۔ حرکت کا رُخ اوپر کی طرف رکھیں۔ گردن کا اگلا حصہ ہرگز نہ تھپکیں۔ ٹھوڑی کے نیچے اور خدوخال پر ہلکے ہلکے تھپکیں۔ اپنے ہاتھ کے برابر برف کا ٹکڑا رومال یا تولیہ میں لپیٹ کے چہرہ پر ملیں تاکہ اُس میں توانائی پیدا ہو اور مسام بالکل بند ہو جائیں۔ کان کی لوؤں کے علاوہ کانوں کی پشت پر اور ہونٹوں کے اردگرد بھی اسے پھیر سکتے ہیں۔ جب یہ عمل ختم ہو جائے تو بشرہ کی کریم Complexion Cream لگائیں اور نزاکت سے سرخ دانہ پڑے ہوئے پوڈر کو ہلکے ہلکے چہرہ پر لگائیں۔

یاد رکھئے خوشی خورمی بہترین سنگھار ہے۔ خود خوش رہ کے دوسروں کو خوش کرنا چاہئے۔ اس کا اثر دونوں پر یکساں پڑتا ہے ہر حالت میں پُر امید مسرت آگین کیفیت قایم رکھنا اخلاقی دلکشی اور رعنائی بخشتا ہے۔ یہ قوی اور مستقل محرک ہے جس کے نتائج نہایت فائدہ بخش ثابت ہوا کرتے ہیں۔

جوانی گزرنے پر سنگھار

روزمرہ کی زندگی میں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جو حسن و جوانی کے لئے منفی کا کام دیتے ہیں۔ یہ واقعات پٹھوں اور نسوں کے نشو و نما میں خارج ہوتے ہیں اور جوش و چستی کو برباد کر کے بڑھاپے کے آثار نمودار کر دیتے ہیں۔ جوانی گزرنے پر عورت کو جوان صورت حاصل کرنے کے لئے اپنا جسم ورزش لیپ تیل اور کریم سے بنانا شروع کر دینا چاہئے۔ نسوں سے خون گردش میں آتا ہے اور کریم قوت بخشتی ہے۔ اس کے علاوہ دل کو آج اور کل کے لئے خوش و خرم رکھنا ضروری ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اُدھیڑ عورت کل کی جوان عورت کی طرح کیوں لطف و مسرت سے لبریز نہ ہو۔ جوانی اور آرزوؤں کی تکمیل کی توقعات سے لبریز ہونی چاہئے۔ آج کل تو وہ زمانہ ہے کہ بڑھیاؤں کے لئے بھی کثرت سے مواقع میسر ہیں۔ ناتجربہ کار جوان عورت کے مقابلہ میں پختہ کار

ادھیڑ عورت کو ذمہ داری کے ہر کام میں ترجیح دی جاتی ہے۔ علم نفسیات کے ماہر بتاتے ہیں کہ عورت چالیس سے پچاس برس کی عمر تک ہر لحاظ سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے کہ مادری فرائض ختم ہو چکتے ہیں اور ہمت و جوش نوجوانی کے دیگر شعبوں کی طرف منعطف کی جا سکتی ہے۔ اس کے پاس بچوں کے رکھ رکھاؤ کے کام سے فارغ ہو کے کافی فالتو وقت ہوتا ہے اور وہ کوئی ملازمت یا کاروبار اختیار کر سکتی ہے یا مذہبی امور میں دلچسپی زیادہ لے سکتی ہے کتب بینی کر سکتی ہے۔ مضمون نگاری کا شوق ہو سکتا ہے۔ خدمت خلق میں مصروف رہ سکتی ہے۔ ان مصروفیات سے دل و دماغ کو خوش و خرم رکھا جا سکتا ہے اور اس طرح جسم کو دوبارہ طیار کر کے نوجوان صورت حاصل کی جا سکتی ہے۔ زیادہ عمر کی عورت کے لئے بھی قبول صورت ہونا ضروری ہے۔ اُسے اپنے کپڑوں کی موزونیت کی طرف خاص دھیان دینا چاہیئے اور موزوں رنگ اسے اختیار کرنا چاہیئے۔ وہ کتنی ہی محنت اور رنگ و روکرے وہ سولہ برس کی نازنین نہیں بن سکتی۔ زندگی میں نوجوانی کا ایک خاص وقت ہے اور کچھ باتیں اس وقت کے لئے بھی چھوڑ دینی چاہئے۔ کوئی عقلمند بڑی عمر کی عورت سولہ سال لڑکی نظر آنے کی خواہش نہیں کرے گی۔ وہ اُس تمکنت کو ترجیح دے گی جو زندگی کے تجربوں سے اُسے حاصل ہوتی ہے۔ یہی حال خوبصورتی کا ہے۔ اس میں بھی ادھیڑ پن کے حُسن کو حاصل کر کے اسے دلکش بنایا جائے۔ ادھیڑ عمر کی عورت موجودہ زمانہ کے مواقع حاصل ہونے اور جسم کو از سر نو بنانے اور علم و سائنس کے قواعد میسر ہونے کی صورت میں مفید زندگی باقاعدہ بسر کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے یہ تازگی اور توانائی اُس کی جوانی کے حُسن و دلکشی کو مات کرے گی۔

خانگی ٹوٹکے

ایک عورت کی شخصیت اُس کے لبوں کے رنگ سے معلوم کی جا سکتی ہے۔

اگر روز Rouge سے چہرہ کے مسام بڑے ہونے لگیں تو ایک پرانی چقندر Beet بیچ میں سے توڑ کے اس کا رس رخساروں پر ہموار ملیں۔ اس سے نفیس خوشنما رنگ آجائے گا اور جلد تن بھی جائے گی۔ رنگ اچھے ہونے کے علاوہ اس سے جلد میں توانائی بھی آتی ہے۔

اگر نیل کا پانی ٹھنڈے کی بجائے گرم استعمال کیا جائے تو کپڑے زیادہ سفید ہو جاتے ہیں۔

پلستر یعنی فرش پر چکنائی گر جائے فوراً سب پونچھ دیں۔ اس کے بعد نمک یا ریت بچھا دیں۔ بعد میں خوب گرم پانی اور صابن سے رگڑ رگڑ کے دھوئیں۔ ایسا نہ کرنے سے اس مقام پر پھسلن رہے گی۔

سمنٹ کے فرش وغیرہ پر پھسلنے کا ڈر ہو تو بازار سے ایسے مصالحے مل سکتے ہیں جنہیں فرش پر مل دینے سے پھسلن دور ہو جاتی ہے۔ اگر پائوں ایسے فرش پر سے پھسل پھسل جائیں تو اُن کے حاشیوں پر فلٹ کی دھجیاں ٹانک لی جائیں۔ یہ فلٹ سیاہ رنگ کا بازار میں دستیاب ہو سکتا ہے۔

کوٹوں کے گلے میل سے چکنے ہو جاتے ہیں۔ بنزین Benzine اُس پر ٹپکا کے نرم کپڑے سے رگڑ دیں یا کسی سخت بال والے برش سے لگا کے رگڑیں۔ ایمونیہ بھی اسی کام آ سکتا ہے مگر اسے پانی میں بہت پتلا کر لینا چاہیئے۔ سیاہ کوٹ پر دھبہ پڑ جائے تو سپنج گہرے قہوہ میں جس میں ایمونیہ کے چند قطرے ملا دیے جائیں ڈبو کے ملیں۔

سرکنڈے کا گودا دودھ میں ایک منٹ ڈبو کے باہر نکالیں۔ دودھ میں ملا ہوا پانی گودے میں سے ٹپکتا ہوا نظر آئے گا۔ اگر دودھ میں سے سارا پانی نکالنا منظور ہو تو بہت سا گودا ڈال کے تھوڑی دیر بعد نکالیں اور نچوڑ دیں۔ چند بار کے عمل سے تمام پانی

سیر بین

عجیب مخلوق

نئی گنی افریقہ میں ایک انگریز مجسٹریٹ کو وہاں والوں کی زبانی معلوم ہوا کہ قریب ہی ایک ایسی قوم آباد ہے جنہیں بطخی انسان کہا جاتا ہے جن کے پاؤں میں بطخ کی انگلیوں کی سی جھلی ہے۔ وہ پانی میں بخوبی تیرتے ہیں اور اُسی میں رہتے ہیں اور خشکی پر بالکل نہیں چل سکتے۔ انگریز اپنے چند دوستوں اور پولس کے ایک دستہ کے ہمراہ وہاں گیا۔ پہلے علاقہ دلدلی آیا حتےٰ کہ ایک پایاب جھیل آگئی جس میں مچھلی اور مرغابیاں کثرت سے تھیں۔ کنارہ سے نصف میل کے فاصلہ پر پانی میں لکڑیوں پر جھونپڑیاں تھیں جنہیں اُن لوگوں کا گاؤں کہا جاتا تھا۔ عجیب عجیب ترکیبوں سے ان میں سے بعض آدمیوں کو بلایا گیا مگر وہ پاس نہ پھٹکے۔ انگریز نے گاؤں والوں کو لیک کے چند کو پکڑنا بھی چاہا مگر وہ مُڑ تڑ کے ان کی گرفت سے نکل گئے۔ تمام گاؤں میں کھلبلی پھیل گئی اور سب پانی میں دبکنے لگے۔ بڑی مشکل سے چاقووں منکوں اور رنگین کپڑوں وغیرہ کی بخششوں سے اُنہیں پھر قریب بلایا گیا اور اُنہیں بتایا گیا کہ تم پاس تو آؤ۔ انگریز صاحب تمہارے پاؤں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ بڑی حیص بیص کے بعد اُنہوں نے ایک آدمی دیا جو اُن کے نزدیک بیکار تھا۔ یہ شخص برابر چلاتا اور روتا رہا۔ اسے بھی ایک کلہاڑا اور دوسرے نذرانے دے کر خاموش کیا گیا۔ اُسے دیکھ کے چھوڑ دیا گیا۔ اب اُن قوموں کو اطمینان ہوا اور قریب آگئے۔ دیکھا گیا کہ ان کے نتھنے اور سینہ خوب پھیلے ہوئے ہیں نتھنے گھوڑ دوڑ کے گھوڑے کی طرح پھیلا کے پتلے کئے جا سکتے ہیں۔ گھٹنوں کے پاس کی کھال تہوں میں لٹکتی تھی۔ گھٹنوں پر گانٹھ کی طرح کے پٹھے اُبھرے ہوئے تھے۔ ٹانگیں نسبتاً بہت چھوٹی اور پتلی تھیں۔ گھٹنے سے اُوپر ٹانگ کے اندر کی طرف پٹھوں کا ایک بڑا ڈھیر تھا۔ گھٹنے سے نیچے پنڈلی کا نشان نہ تھا۔ مگر آگے کی طرف پٹھے خوب مضبوط اور پرورش یافتہ تھے گھٹنے پر شکن اور چھلکے سے معلوم ہوتے تھے۔ پاؤں میں جھلی نہ تھی مگر وہ بالکل چوڑے تھے اور اس میں تلوے کی محراب نہ تھی۔ انگوٹھے لمبے لٹکتے ہوئے اور بے کار تھے۔ پاؤں کے نیچے کی کھال جاذب کی طرح تھی اسی لئے خشک زمین پر چلنے سے اُن میں سے خون نکلنے لگتا تھا۔ پانی میں وہ بے حد طاقتور تھے اور پانی کے اندر کے جھاڑ جھنکاڑ میں پھنس جانے سے ذرا نہ گھبراتے تھے۔ وہ کشتیاں بخوبی استعمال کرتے اور مرغابیاں آسانی سے پکڑ لیتے تھے کیونکہ اندر ہی اندر غوطہ لگا کے وہ پرندوں کو اندر گھسیٹ لیتے تھے۔ اُن کا گذارہ مچھلی اور شکار پر تھا۔ اُن کے سوا اُن کی جھونپڑیوں کے نیچے پنجروں میں رہتے تھے جن کے سوراخوں میں سے ان کی ٹانگیں نکلی رہتی تھیں اسی لئے وہ بیکار ہو جاتی تھیں اُنھیں مچھلیاں اور ساگو دانہ دیا جاتا تھا جس سے وہ موٹے تازے ہو جاتے تھے۔ وہ اپنے مردے پتوں میں لپیٹ کے بانس پر جما کے پانی سے اوپر رکھتے تھے اس مجسٹریٹ کے معاینہ کے کچھ عرصے بعد اس قوم پر ایک دوسری مخالف قوم نے حملہ کر کے تقریباً فنا کر دیا۔

عمارتوں کا نقل مکان

کچھ عرصہ میں بلیک پُول میں ایک گرجا اس کی اصلی جگہ سے تئیس گز کے فاصلہ پر اُٹھا کے قائم کر دیا گیا۔ بنیادیں کھول دی گئیں اور نئی جگہ تک راستہ کھود ڈالا گیا۔ اس راستہ پر سے گرجا نئی جگہ سرکا دیا گیا جہاں وہ اب تک قائم ہے۔

دُنیا میں سب سے بڑی عمارت امریکہ کے ایک شہر میں سرکائی جا چکی ہے۔ عمارتوں کا ایک جمگھٹ جس کا نام نائفنڈی عمارات تھا نئی جگہ ہٹا دیا گیا تاکہ اس مقام پر بلندی سے گذرنے والی ریل کی سڑک بنائی جا سکے۔ اس کام میں دس

بیٹھنے لگے۔ اس اُٹھائے جانے میں ایک اینٹ یا پتھر بھی بے جگہ نہیں ہوا۔ عمارت کا وزن ۴۲۰۰۰۰ من تھا۔
جنوبی ڈکوٹہ میں پلینٹ شہر اُٹھا کے دوسری جگہ قائم کر دیا گیا۔ یہ نیا مقام سابقہ موضع سے چند میل پرے تھا اور راستے میں ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ بیچ میں ایک چوڑی کھاڑی حائل تھی۔
بلجیم کے شہر بوچاٹ میں گرجا کو بڑھانے کا ارادہ کیا گیا۔ نئے نقشہ میں گھنٹہ گھر اصلی مقام سے تیس گز کے فاصلہ پر رکھا گیا تھا۔ راستہ کھودا گیا۔ گھنٹہ گھر جس کا وزن ۵۶۰۰۰ من تھا آہستہ آہستہ نئی جگہ پر سرکا دیا گیا۔
۱۸۹۹ء میں گلاسگو میں ایک گرجا کو نصف میل پرے منتقل کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ اندازہ کیا گیا کہ پرانا گرجا توڑ کے نئی جگہ پھر بنانے سے اسے اُٹھا کے سالم کا سالم دوسری جگہ قائم کر دینا زیادہ سستا ہوگا۔ چنانچہ یہ کام اس خوبی سے سرانجام دیا گیا کہ ہفتہ کی شام کو یہ اپنی نئی جگہ پہنچا اور اتوار کو صبح عبادت ہوئی گویا کوئی انوکھی بات واقع نہیں ہوئی تھی۔

عجیب علاج

پچھلے دنوں لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ بچوں کی کالی کھانسی اُنہیں ہوائی جہاز میں بٹھا کے سیر کرانے سے جاتی رہتی ہے کیونکہ اوپر کی ہوا رقیق ہوتی ہے۔ یہ علاج مہنگا ہونے کی وجہ سے مقبول عام نہیں ہوا۔ اسی طرح گونگے بہرے لوگوں کا علاج ہوائی جہاز کی سیر کے ذریعہ کرانے کا خبط پھیلا مگر یہ بھی کچھ زیادہ نہیں چلا کیونکہ ایک گونگا بہرہ لڑکا جہاز میں اس کی لڑھکنیوں اور قلابازیوں سے قریب المرگ حالت میں اُتارا گیا۔ اسی طرح ایک بہرے لڑکے کی جان گئی ورنہ اُن دنوں گونگے اور بہرے لوگوں کی ہوائی اڈوں پر بھیڑ لگی رہنے لگی تھی حتے کہ بہرے کتے بھی جہازوں میں بٹھائے گئے۔ تجربہ سے پایا گیا کہ ہوائی جہازوں کے مقابلہ میں بجلی خوب علاج کرجاتی ہے۔ بہرہ پن اور کالی کھانسی اچانک بجلی کے کوندے سے جاتی رہتی ہیں ایک شخص کے چہرے کے پٹھے مفلوج ہو گئے تھے جس کی وجہ سے وہ آنکھیں بند نہ کر سکتا تھا۔ اُس پر بجلی گری اور اُس کی بیماری جاتی رہی۔ ایک حبشن کے جسم میں خون نہ رہا اور معالج بے بس تھے۔ بجلی گری اور وہ اچھی ہو گئی ایک بڑھیا جس کی کمر کمان تھی اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی تھی بجلی گرنے سے جوان عورتوں کی طرح درست ہو گئی۔
کوئی شخص بجلی کی زد میں آنا پسند نہ کرے گا مگر یہ مسلمہ ہے کہ بجلی کی زیادہ خوراکیں صحت پر بہت عمدہ اثر کرتی ہیں۔ سائنس اس مسئلہ پر غور کر رہی ہے کہ کس طرح یہ بلا خطرہ آدمی کے جسم میں پہنچائی جا سکے۔
ایک شخص ایک چھکڑے میں جا رہا تھا۔ اُس کے دائیں گھٹنے میں بے حد درد تھا گٹھیا کی وجہ سے اس کی ٹانگ اکڑ رہی تھی گاڑی پر بجلی گری۔ درد کا علاج ہو گیا مگر ٹانگ بھی گھٹنے کے نیچے سے نہایت صفائی سے علیحدہ ہو گئی۔ بجلی نے ایسی جگہ سے ٹانگ کاٹ ڈالی تھی جہاں مصنوعی ٹانگ بخوبی لگائی جا سکے۔ کٹی ہوئی ٹانگ چند روز بعد سڑک کے کنارے پڑی ملی۔
ایک شخص کے معدہ میں بل پڑ گیا تھا اور اُس پر جراحی کا فیصلہ کیا گیا۔ مریض پالکی میں لے جایا گیا۔ شفاخانہ میں دیکھا گیا کہ مریض اچھا ہو گیا ہے۔ معاینہ سے معلوم ہوا کہ پالکی کے ہچکولوں سے بل دُور ہو گیا۔ ایک بچہ کو سخت کھانسی رہتی تھی۔ ڈاکٹروں نے بار بار اُس کے پھیپھڑوں کا معاینہ کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ایک دن بچہ نے کھیلنے میں مٹر کا دانہ اپنے کان میں داخل کر دیا کھانسی جاتی رہی۔ دانہ ڈاکٹروں نے نکال دیا مگر فائدہ قایم رہا۔

خطوں کی جاسوسی

دشمنوں کے جاسوسوں کی ڈاک عجیب طرح سے پڑھ کے بھید معلوم کر لئے جاتے ہیں اور اِن کے بُرے اثروں کا وقت پر انتظام کر لیا جاتا ہے۔ ڈاک خانہ کے افسروں کو

قانونی اختیار دے دیا ہے۔ جس علاقہ میں جاسوس کا پتہ چل جاتا ہے قانونی حکم کے ذریعہ وہاں کے ڈاک خانہ کو اس کی ڈاک روک کر پڑھ لینے اور پھر روانہ کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ تدابیر ایسی کی جاتی ہیں کہ جاسوس کو شبہ بھی نہیں ہونے پاتا کہ اس کے خط کھول کے پڑھے جا رہے ہیں۔ مثلاً لفافہ کے نیچے ایک شگاف کر دیا جاتا ہے جو ۱/۲ انچ گہرا ہوتا ہے۔ کاغذ نکال کے اس کی تصویر لے لی جاتی ہے۔ پھر اس شگاف کو بند کر دیا جاتا ہے۔ خاص مصالحہ موجود ہوتا ہے۔ اسے شگاف پر اس طرح پھیلا دیا جاتا ہے کہ پتہ نہیں چل سکتا۔ لفافہ رنگین ہو تو رنگ ویسا ہی کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور طریقہ یہ ہے کہ ٹکٹ کی جگہ کو اکھاڑ لیا جاتا ہے اور اس جگہ ایک سوراخ کر کے ایک خاص آلہ اندر ڈالا جاتا ہے جو نرمی سے کاغذ کو لپیٹ کے باہر نکال لیا ہے۔ تصویر لینے کے بعد اسی طرح آلہ سے کاغذ اندر رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر ٹکٹ بدستور سابقہ لگا دیا جاتا ہے۔ یہ کام اس قدر عجلت سے کیا جاتا ہے کہ ڈاک کچھ دیر بھی نہیں رکتی۔ خطوط وقت پر جاسوس کو مل جاتے ہیں۔

خطوط پڑھ لینے سے بعض بے پتہ مجرموں کا بھی سراغ مل گیا ہے چنانچہ کئی قاتلوں کو سزا دی جا چکی ہے جنہوں نے بڑی ہوشیاری سے قتل کی شہادت تک مٹا دی تھی۔

غریبی کا علاج

علم الاقتصاد والوں کے زیر نظر یہ مسئلہ رہا ہے کہ دنیا سے غربت کس طرح دور ہو سکتی ہے ان کے غور و خوض کا نتیجہ یہ ہے کہ دولت امیروں سے لے کے غریبوں میں بانٹ دی جائے تاکہ سب برابر ہو جائیں۔ اسی سوال سے اشتراکیت وجود میں آئی۔ روسی اشتراکیت کا مدار اس پر ہے کہ امیروں سے دولت لینے میں تشدد کی ضرورت ہو تو اس سے دریغ نہ کیا جائے بلکہ جس طرح بھی ممکن ہو اس مساوات کو قایم کیا جائے معمولی اشتراکیت یہ ہے کہ ہر فائدہ بخش پیداوار اور مال حکومت کے ہاتھ میں ہو تاکہ سب کو برابر کا فائدہ پہنچے۔ جو اشیا تمدنی لحاظ سے مفید ہیں ان کی ملکیت بھی تمدنی طریقہ سے ہونی چاہئے۔

اسی امیری غریبی سے عقیدہ تناسخ وجود میں آیا۔ اور یہی فکر اکثروں کو کھائے جاتا ہے۔ ایک طبقہ کے پاس اس قدر دولت ہے کہ وہ اسے خرچ نہیں کر سکتا۔ دوسرا طبقہ ایسا ہے جس کے افراد کو ایک وقت پیٹ بھر کے موٹی جھوٹی روٹی بھی میسر نہیں۔ دنیا میں دو کروڑ بیس لاکھ بیکار آدمیوں کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو کام کے شائق ہیں مگر کام نہیں ملتا۔ لاکھوں آدمی ایسے بھی ہیں جن کو ان میں شامل نہیں کیا گیا جن کا سہارا دوسروں پر ہے اور لاکھوں ایسے ہیں جنہیں پیٹ بھر کے روٹی مشکل سے ملتی ہے۔ مگر اندازہ کیا گیا ہے کہ مساوات کا مسئلہ عمل میں نہیں لایا جا سکتا جو حکومت ان احکام کے اجرا میں ساعی ہو وہ خود مطلق العنان ہو جائے گی اور اسی سے بچنا لازم ہے ایسی حکومت سرمایہ داری کا خود شکار ہو جاتی ہے ایک آدمی کا اقتدار اس میں پایا جاتا ہے جس کی امداد پر چند آدمیوں کا ایک حلقہ ہوتا ہے۔ وہ دیگر کی ذاتی مذہبی سیاسی اور اقتصادی آزادی میں حائل ہونے لگتے ہیں گویا مساوات کے حصول میں آزادی کی قربانی کی جانی لازمی ہے۔ ٹیکسوں کے ذریعہ امیروں سے روپیہ وصول کر کے خیرات کے طور پر غریبوں کو دیا جانا بھی ایک صورت ہے اس کی آزمائش ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں کی جا رہی ہے۔ مزا یہ ہے کہ جب غریبوں کے ہاتھ دولت آ جاتی ہے تو ان میں بھی امیروں کی سی رعونت پیدا ہو جاتی ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ دولت کا حصول و قبضہ اتنا برا نہیں جس قدر اس کی محبت ہے۔ امیروں کو تو معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ کیا کر سکتا ہے اور کیا نہیں کر سکتا مگر غریب جن کے پاس کبھی سرمایہ نہیں ہوتا غلط طور سے یہ سمجھتے ہیں کہ روپیہ سے ہر چیز حاصل ہو سکتی ہے۔ علاج صرف یہ ہے کہ خود غرضی دور کی جائے اور یہی وجہ اسلام میں

سود کی ممانعت کی ہے۔

پھلجھڑیاں

۱۹۰۸ء میں ۱۱ لاکھ ۲۰ ہزار من کے وزن کا ایک تارا سائبیریا میں ٹوٹ کے گرا۔ اس مقام کے پچاس میل ارد گرد اس کے دھماکے کا اثر محسوس ہوا۔ اس جگہ سے گرم ہوائیں چلیں۔ بیس میل کے نصف قطر میں درخت جڑوں سے اُکھڑ گئے اور ہزاروں جانور مر گئے برطانیہ میں مردوں کے مقابلہ میں عورتیں زیادہ تعداد میں شرابی ہیں۔

ایک شخص ہوم لیک میں ابھی وکیل بنا ہے اس کی عمر ۹۰ سال ہے۔

دنیا میں ۲۹ دھاتیں ایسی ہیں جو سونے سے زیادہ قیمتی ہیں۔

قصر بکنگھم میں دو سو سے زیادہ کمرے ہیں۔ ان میں ۴۰ سونے کے کمرے ہیں جن میں سے ۳۰ نوکروں کے ہیں۔ دس کمرے بادشاہ کے لئے اور نو ملکہ کے لئے خاص ہیں۔ ۳۰ سرکاری کاموں کے کمرے ہیں اور بیس میں سامان رہتا ہے۔

مسولینی کا باپ ایک دیہاتی لوہار تھا۔ مزاج میں بے حد تیزی تھی۔ ایک مرتبہ مقامی انتخاب کے وقت ناخوش ہو کے اُس نے پرچیوں کا صندوق توڑ ڈالا جس کی پاداش میں وہ قید خانہ بھیجد یا گیا۔

ڈائنا کی عدالت میں ایک عورت نے طلاق کا دعوی کیا ہے کہ پندرہ سال تک وہ ہنسی خوشی زندگی بسر کرتے رہے۔ بعد میں اُس کے شوہر کو ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کا جنون ہو گیا۔ اب وہ اُسی میں ڈوبا رہتا ہے اور میری ذرا بھی خبر نہیں لیتا

مس مریاں کرٹس نے نیو یارک میں ۴۲ گھنٹے برابر آنکھ کھلی رکھی اور ذرا نہ جھپکائی۔ اُس نے سو پونڈ کی شرط جیت لی۔

پِی ری نیز (ہسپانیہ) میں ایک ریاست انڈورا ہے جس کا رقبہ ۱۹۱ مربع میل ہے۔ اس میں ۳۵۲ باشندے بستے ہیں۔ اس کی فوج میں ایک سپہ سالار اور نو سپاہی ہیں وہ بھی اپنی فوج بڑھانے کی فکر میں ہے۔

ایک کتے کو دُم ہلانے کی بازی میں ۳۲۰ فی منٹ دُم ہلا کے انعام ملا۔

محمد ظفر

استدراک

ماہ اکتوبر کے عصمت میں ایک مضمون بعنوان "روزہ" شائع ہوا ہے جس میں ایک حدیث قدسی کے انتساب میں اشتباہ واقع ہوتا ہے محل اشتباہ کی عبارت یہ ہے۔ "کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ روزہ میرا ہے اور اس کا بدلہ میں دونگا اب ظاہر ہے کہ جو چیز آقائے نامدار کی ہو اور جس کی جزا حضور اکرم عطا فرمائیں وہ کیسی ہوگی"۔

ناظرین عصمت کی آگاہی کے لئے مذکورہ حدیث قدسی کا پورا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ جو یہ ہے "حضور اکرم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ روزہ میرا ہے اور اسکا بدلہ میں ہی دونگا" اس ترجمہ سے حدیث کا انتساب صحیح ہوگیا۔ ناظرین درست کرلیں۔ ابو القاسم صدر الدین

رفیقۂ حیات نماز با ترتیب کی ضرورت

صرف اس لڑکی کے متعلق خط و کتابت کی جائے جس نے اپنی عمر کے اول حصہ بلوغیت سے نماز ادا کی ہو، جس کے ذمہ پانچ نمازیں بھی قضائے عمری نہ ہوں۔

معرفت منیجر صاحب بمبئی الیکٹرک اینڈ انجینیرنگ ورکس۔ ہاسپٹل روڈ آگرہ۔ یوپی

ضرورت رشتہ

ایک شریف اور معزز شیخ خاندان کی لڑکی کے لئے ایسے رشتہ کی ضرورت ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور برسرِ کار ہو۔ ذات پات کی تمیز نہیں۔ یہ ضروری ہے کہ لڑکا سنی المذہب ہو۔ لڑکی کنواری ہے۔ عمر ۲۸ سال ہے۔ قبول صورت ہے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ امور خانہ داری میں ماہر ہے کنوارے لڑکے کے علاوہ رنڈوے شریف اور معزز انسان بھی درخواست دے سکتے ہیں۔ تمام خط و کتابت ازیں رسیگی۔

ت م ج معرفت رسالہ عصمت کوچہ چیلان دہلی

آپ کا حسن و شباب

اور گوری رنگت آپ کے چہرے کے مہاسوں اور چھائیوں نے بگاڑ دی ہے۔ کیا آپ کو خبر نہیں کہ دہلی کے حکیم صاحب نے اپنے تجربات میں سے ایک صابن ایجاد کیا ہے جو پچیس سال سے دنیا میں مشہور ہے جس کا نام

پری جمال صابن ہے (رجسٹرڈ)

جو حسن کی کان اور خوبصورتی کا خزانہ ہے اس کے چند دفعہ استعمال سے چہرے کے داغ دھبے چھائیاں مہاسے دور کر کے چہرہ کو مثل گلاب کی پتی کی طرح سرخ و سفید اور جلد کو ریشم کی طرح ملائم بنا دیتا ہے نفیس خوشبوؤں اور دواؤں کے جوہروں سے تیار کیا جاتا ہے۔ قیمت فی بکس تین ٹکیہ معہ صابندانی۔ عہ

او ٹو دل پسند یہ سینٹ چمنستان بہار کے محبت بھرے پھولوں سے تیار کیا جاتا ہے اسکا ایک قطرہ اپنے رومال پر چھڑک کر کسی محفل میں بیٹھ جائے پھر اسکی خوشبو دیکھئے کہ تمام محفل کا دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ فی شیشی۔ عہ

پتہ:- حکیم محمد یعقوب خان مالک دواخانہ نورتن فراشخانہ دہلی

لندن سے مس کے ٹامسن فلیسرین رجسٹرڈ

کے متعلق تحریر فرماتی ہیں فلیسرین کو میں نے استعمال کیا ہے۔ اور چھائیوں کے لئے بہترین مفید پایا ہے۔ (انگریزی ترجمہ)

فلیسرین کریم بلاشبہ کیلوں چھائیوں بدنما داغوں الغرض کہ تمام بیماریوں کے لئے اکسیر ہے خوبصورت بناتی ہے خوشبودار ہے۔ فی شیشی عہ

فلیسرین سنو اسکا دنیں استعمال فلیسرین کے اثر کو دس گنا کر دیتا ہے چہرہ کی خشکی کو دور کر کے اسے ملائم بناتی ہے جذب ہونے والی خوشبودار فی شیشی

یوٹرون رجسٹرڈ عورتوں کی تمام پوشیدہ اور پرانی بیماریوں کی اکسیر دوا ہے بے قاعدگی اور بے اولادگی کا لاثانی علاج۔ قیمت دو روپے ۲ عہ محصول ڈاک بذمہ خریدار۔ اپنے شہر کے جنرل مرچنٹس اور انگریزی دوا فروشوں سے خریدیں

نوٹ:- بذریعہ وی پی منگانے والوں کو لاثانی سرمہ جملہ امراض چشم کی مجرب دوا ہے طلب کرنے پر مفت بھیجا جائیگا۔ وی پی منگانے کا پتہ:-

فلیسرین فارمیسی۔ ملکتسر پنجاب

بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں خریداری نمبر کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) دہی استفسار نہ ہوں جن کے جواب عصمت میں پہلے شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ اڈیٹر

میری عزیزہ بہن کنیز فاطمہ بیگم کی شادی خانہ آبادی میرے جیٹھ حکیم محمد انیس الحق صاحب (فاضل طب و الجراحت دہلوی) سے ۶ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو بخیر و خوبی انجام پائی تھی۔ اس شادی کی پہلی سالگرہ ۶ر دسمبر ۱۹۴۰ء کو میں نے بڑی خوشی سے منائی۔ اب عصمتی بہنوں سے استدعا ہے کہ دعا کریں کہ خدا تعالےٰ ایک چاند سا بیٹا عطا کرے اور یہ دونوں ہمیشہ پھلتے پھولتے رہیں۔ اور کوئی بہن سالگرہ پر ایک نظم عصمت میں چھپوا کر شکریہ کا موقع دیں۔ اس خوشی میں ایک خریدار دیتی ہوں۔

بیگم دکپتان) ڈاکٹر محمد سراج الحق پٹنہ

میری پیاری خالہ جان محترمہ عزیز النساء بیگم ممتاز علی کی بڑی بچی شمس الجہاں بیگم کا انتقال بعمر ۸ سال ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۱ء کو ہو گیا۔ میری بڑی ہمشیرہ محترمہ عزیز فاطمہ بیگم حفیظ الدین احمد کی بڑی بچی نسیم بانو عرف ببو بیگم بھی بعمر سات سال ۲ر اکتوبر ۱۹۴۱ء کو اللہ کو پیاری ہوئی۔ عصمتی بہنیں دعا کریں کہ خداوند کریم غمزدہ والدین اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

آ۔ ن۔ قیصر یار محمد صدیقی۔ بلیا۔ یوپی۔

اگر کسی بہن یا بھائی کو کالے ناگوں والی (یعنی اژدھا) زمین کے گنوں کا پتہ معلوم ہو۔ تو مہربانی کر کے جلدی ہی جواب دیں کیونکہ اس وقت مجھے بہت ضرورت ہے۔ اور یہ کس طرح دستیاب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ آج کل گنوں کا موسم ہے۔ نیز یہ بھی لکھیں کہ وہ کس کس مرض کے لئے مفید ہیں۔ خاص کر ضلع میرٹھ اور مرادآباد کے لوگ توجہ فرمائیں۔

نذیر۔ بنت مولوی فضل الدین پلیڈر۔

میرے شوہر دن رات گھر سے باہر رہتے ہیں۔ رات کو ۲۔۳ بجے آکر سو جاتے ہیں۔ ہر چار پانچ روز بعد ایک نئی عورت ان کے ساتھ ہوتی۔ میں اندر ہی اندر فکر و رنج میں گھل گھل کر بیمار رہنے لگی ہوں۔ میری ملنے والیاں کہتی ہیں کہ تم بہت حسین ہو خط و خال کی بھی سب تعریف کرتے ہیں۔ مگر میرے شوہر کو میری بالکل پرواہ نہیں۔ وہ عیسائی عورتوں کے ساتھ زیادہ تر رہتے ہیں اور مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ کیا اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ براہ مہربانی کوئی عصمتی بہن یا بھائی مجھے کوئی ترکیب بتائیں۔ ساری عمر دعا، دوں گی۔ خریدار نمبر ۱۰۸۹۰

اگست کے عصمت میں مسز عثمان علی انصاری صاحبہ نے جو علامات بیماری کی بتلائی ہیں ان سے یقین ہوتا ہے کہ یہ مرض اٹھرا ہے۔ مجھے تجربہ ہے کہ اس مرض کے لئے شروع سے ہی علاج شروع کر کے بچہ کی پیدائش تک جاری رکھنا چاہئے تجربہ شدہ شرطیہ علاج یہ ہے۔

حب سرخبادہ۔ ۲ عدد۔ ہمراہ عرق سرخبادہ ۵ تولہ نہار اور اسی قدر رات کو سوتے وقت۔ معجون حمل علویخانی۔ دوپہر اور شام کو غذا کے آدھ گھنٹہ بعد پانی کے ہمراہ۔ یہ کورس بچہ کی پیدائش تک جاری رکھا جائے۔ ادویہ بہترین حاصل کر کے استعمال کی جائیں انشاء اللہ تعالےٰ مرض کا امکان نہ رہیگا۔ خریدار نمبر ۸۳۵

عصمت کی لاج

جن بہنوں اور بھائیوں نے عصمت کی توسیع اشاعت میں حصہ لیا اور اپنے پرچہ کو ایک ایک خریدار دیا ان کے نام دلی شکریہ کے ساتھ درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔ قاضی عزیز الرحمٰن صاحب مالیر کوٹلہ۔ مسز ایم نسیم صاحبہ پٹنہ۔ شفیع اللہ خانصاحب۔ منٹور۔ مولوی محمد داؤد صاحب مظفر نگر۔ مہر النساء صاحبہ۔ نواکھالی۔ ساجدہ احمد محی الدین صاحبہ حیدرآباد۔ گلشن آرا صاحبہ مردان۔ امام صاحب اکبرآبادی۔ آگرہ۔ بیگم کیپٹن ایم ایس حق صاحب سبالجے پور۔ مس محمد حفیظ اللہ صاحب۔ نئی دہلی۔ بلقیس بی بی صاحبہ۔ ماتھرؤں۔

محصول ڈاک بذمہ خریدار

عصمت دہلی

کربلا کے میدان میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں

شہادت کی نہایت جامع مفصل تاریخ

سیّدہ کا لال رض

مصورِ غم علیہ الرحمتہ کی بے مثل تصنیف

خاندانی عداوت۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ و جناب سیّدہ کے اسلام پر احسانات اور فضائل سرورِ عالمؐ کی رحلت، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کی شہادتیں اور مرثیے۔ جمل اور صفین کی لڑائیوں کا مفصل بیان شیعہ سنی اختلافات کی ترقیاں۔ بنی امیہ کی کوششیں امیر معاویہ کی سیاست حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور مرثیہ یزید کی حکومت غرض معرکہ کربلا سے پہلے کے تمام فروعی صحیح اور مستند واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ علامہ مغفور نے اپنے مخصوص پیرایہ میں تحریر فرمائے ہیں جن سے واقعۂ کربلا کے صحیح اسباب اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔

دوسرا حصہ مراثی کربلا ہے۔ حضرت مسلم اور ان کے بچوں کی شہادت بی بی زینب کا بے مثل ایثار۔ حضرت عباسؓ۔ حضرت قاسمؓ حضرت علی اکبرؓ کی شہادتیں۔ کربلا کا تنہا شہید۔ بیمار صغرا کا قاصد سیّدہ کے لال کی شہادت خانماں برباد سیدانیاں ابن زیاد اور یزید کے دربار شیعہ سنی اختلافات پر تبصرہ قاتلان حسینؓ کا انجام اور خدائی فیصلہ یوں تو تمام کتاب اسقدر دردانگیز ہے کہ بغیر آنسو بہائے نہیں پڑھی جا سکتی۔ مگر نثر میں جو مرثیے علامہ راشد الخیریؒ لکھ گئے ہیں برسوں اور قرنوں ان کا جواب ادب اردو میں نہ مل سکے گا۔ ایک ایک صفحہ پر ہچکی بندھ جاتی ہے۔

شہادت نامہ پڑھنا ہے تو سیّدہ کا لال پڑھیے

ادب لطیف کے علاوہ جو کتاب کی جان ہے شہادت کی کوئی کتاب اس سے زیادہ جامع اور مستند اس سے بڑھ کر دردانگیز اور موثر اردو فارسی عربی میں نہ ملے گی تعلیم یافتہ عورتیں اور مرد شیعہ ہوں یا سنی شہادت کی یہی کتاب خود پڑھتے یا مجلسوں میں پڑھواتے اور سنتے ہیں اس کی مقبولیت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تھوڑے عرصہ میں ہزاروں جلدیں ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں اور اب ساتویں دفعہ چھپی ہے۔ باعتبار ادب سیّدہ کا لال اردو کی چوٹی کی کتابوں میں سے ہے اور آمنہ کے لال کی طرح سیدہ کا لال بھی وہ کتاب ہے جس پر خود مصنف کو فخر تھا۔ ضخامت ڈھائی سو صفحوں سے کچھ کم قیمت ۱۲؍ علاوہ محصول۔

شہید کربلا کی ماں

یعنی سیدۃ النساء خاتون جنت حضرت بی بی فاطمہؓ کی اردو زبان میں بے مثل سوانح عمری الزہرا، علامہ راشد الخیری مرحوم کی برسوں کی محنت ہے جس سے معلوم ہوگا کہ میاں بیوی کسطرح رہتے ہیں۔ مائیں بچوں کو کس طرح پالتی ہیں۔ دنیا کے ساتھ دین کسطرح میسر آتا ہے۔ باپ بیٹیوں کے کیا تعلقات ہوتے ہیں باوجود مورخانہ حیثیت کے اس قدر عجیب ہے کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ آخر میں واقعہ کربلا کا مختصر بیان اور شہادت اہلبیت پر بھی بحث ہے اور بقدر دردانگیز کہ آنسو نکل پڑتے ہیں۔ الزہرا علامہ مغفور کی بہت مقبول کتاب ہے دس دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ایک روپیہ عمہ

عروسِ کربلا

علامہ مغفور کے تمام تاریخی ناولوں میں بلحاظ دردوا ثر کے ممتاز ہے کربلا کے تاریخی واقعات پہلے ہی کچھ کم دردانگیز نہیں اس پر مصور غم نے قلم گوہر ریز سے قیامت ڈھا دی ہے۔ کئی جگہ ہچکی بندھ جاتی ہے۔ اس پر لطف یہ کہ محبت کا دلآویز افسانہ ہے۔ بہت مشہور کتاب ہے اور ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے اور آج بھی اسی طرح دھڑا دھڑ نکل رہی ہے۔ عروس کربلا کے طرز پر کئی مصنفوں نے ناول لکھے مگر عروس کربلا عروس کربلا ہی ہے۔ قیمت ۱۲؍ محصول ڈاک بذمہ خریدار۔ کنواری بچیاں نہ منگائیں۔

زیورِ اسلام

مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کیلئے حضرت علامہ مغفور کے متفرق مذہبی مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس میں بھی دو مضمون عشرہ محرم اور واقعہ کربلا کے متعلق ہیں۔ بہت موثر اور دردانگیز مضامین ہیں۔ یہ مجموعہ ہر مسلمان لڑکی اور ہر مسلمان عورت کی نظر سے گزرنا چاہیے۔ قیمت ایک روپیہ عمہ

محرم نامہ

خواجہ حسن نظامی صاحب کی مشہور کتاب ہے شہادت حسینؓ تک تمام حالات بشرح بسیط درج ہیں۔ زبان آسان پیرایہ میں عام فہم۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔

یزید نامہ

محرم نامہ کا دوسرا حصہ ہے۔ جس میں شہادت حسینؓ کے بعد کے حالات لکھے گئے ہیں اور اسلام کی اس خونی داستان کو جس نے تاریخ اسلام پر بڑا اثر ڈالا بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی خلفائے بنی امیہ کے پورے حالات بھی ہیں۔ واقعہ شہادت کے متعلق دوسرے مصنفین کی کتابیں بھی دفتر عصمت سے مل سکتی ہیں۔

محصول ڈاک بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:۔ **عصمت بک ڈپو دھلی**

وداعِ راشد — از رازق الخیری

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی علالت اور وفات کے حالات، وفاتی اور مختلف انسانی حیثیتوں کا تذکرہ۔

"مولانا رازق الخیری نے اپنے عظیم المرتبت والد کا اچھوتا طرز تحریر گویا ورثہ میں پایا ہے جابجا اس قدر فصل موثر لکھے ہیں کہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے آگے سینما کے فلم کی طرح نظر آنے لگتے ہیں حزن نگاری کے بادشاہ کے آخری وقت کا بیان نہایت ہی رقت انگیز ہے"۔ **ساقی دہلی**

"رازق الخیری صاحب نے دلی کی صاف ستھری اور آسان زبان میں سچے پاکیزہ جذبات کی دردناک تصویر کھینچ کر رکھدی ہے۔ واقعات کو اس دلدوز اور موثر انداز میں بیان کیا ہے کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔" **شاہکار۔ لاہور**

"اس کتاب میں اس زبردست شخصیت کی زندگی کے آخری دنوں کا المناک افسانہ ہے جس نے ہندوستان کی مسلمان عورت اور اردو زبان کے سلسلے میں ایسا قابل قدر کام کیا ہے جسکی مثال ہمیں مشکل ہی سے مل سکیگی بلکہ نہیں مل سکیگی۔ کیونکہ اگرچہ اردو زبان کے متعلق تو اس جامع ہستی کے کارنامے بہتوں کی نظر میں ہیں لیکن مسلمان عورتوں کی ترقی اور بہبودی کے لئے انہوں نے جو کچھ کیا وہ ابھی مکمل طور پر لوگوں کو نہیں معلوم ہے یہ کام اس شخصیت کی زندگی میں ایک علیحدہ باب کی حیثیت رکھتا ہے جس پر امید ہے کہ ہندوستان کی تاریخ نسواں کا مولف کما حقہٗ توجہ کریگا۔ موجودہ کتاب انداز بیان کے لحاظ سے علامہ راشد الخیری مرحوم کے دردناک طرز تحریر کا ایک کامیاب عکس ہے اور اس میں جس سادگی سے جناب رازق الخیری نے اس عظیم شخصیت کے آخری لمحوں کے بیان کیساتھ ساتھ گھریلو زندگی کا دلکش اور قابل رشک نقشہ کھینچا ہے وہ بھی کچھ کم لائق توجہ نہیں ہے۔ رازق صاحب کو معلوم ہوتا ہے کہ اثر ورثہ میں ملا ہے اور جگہ جگہ بعض روزمرہ زندگی کے شگفتہ واقعات کے بیان نے اس اثر میں اصلی تصویر سے تضاد کیوجہ سے اور بھی شدت پیدا کر دی ہے۔ ہندوستان کی بیشمار عورتیں ذہنی طور پر علامہ مرحوم کی تحریروں کی پروردہ ہیں انکے لئے یہ دلکش لیکن المناک بیان خصوصاً مرغوب طبع ہوگا۔ کیونکہ ایک ایسے شخص کے حالات کے مطالعہ سے ایک طرح کی تسکین پیدا ہوتی ہے جس کا اس دنیا سے اٹھ جانا اس حسرت کے ساتھ اثر انداز ہوا ہو جیسا کہ اردو زبان میں طبقۂ نسواں کے سب سے بڑے مصنف کا سانحہ انتقال ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ملال میں ایک ہلکی سی مسرت بھی پیدا ہوتی ہے کہ سوانح نگاری کا یہ فرض کام علامہ مرحوم ہی کے ایک لائق بیٹے کے ہاتھوں تکمیل پایا۔" **ادبی دنیا**

۸۰ صفحات — ۲ فوٹو — قیمت ۸/

عصمت کی کہانی — از رازق الخیری

حضرت علامہ راشد الخیری کے زیر سایہ ہندوستان کے مشہور و معروف زنانہ ماہنامہ عصمت کے ۳۰ سال ۱۹۰۸ء تا ۱۹۳۸ء کس طرح گزرے۔ تاریخ میں افسانہ کا لطف۔

ادبی دنیا کی رائے:۔ "بظاہر یہ مختصر سی کتاب ملک کے مشہور زنانہ ماہنامہ عصمت کی تاریخ ہے لیکن اس حکایت کے بیان کے ساتھ ہی ساتھ دنیائے ادب کے ایک ماحول کی دلچسپ کہانی بھی ہلکے پیش نظر ہو جاتی ہے۔ یہ وہ ادبی ماحول ہے جو عصمت کے اجرا سے لیکر ابتک اس قابل قدر ماہنامہ کے کارکنوں کے ارد گرد قائم رہا۔ گزشتہ چند مہینوں میں ملک کے ایک دو اور ادبی اداروں نے بھی اسیطرح اپنی تاریخ کتابی صورت میں شائع کی ہے لیکن زیر نظر تاریخ میں ایک مستزاد دلچسپی یہ بھی ہے کہ یہ اس ادارے کی تاریخ ہے جس کا قیام اور جس کی ترقی اردو کے ایک زندہ جاوید خادم علامہ راشد الخیری مرحوم کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ تھی اور اسلئے اس سے جہاں ادارۂ عصمت کی کارگزاریوں پر روشنی پڑتی ہے وہاں علامہ مرحوم کے حالات بھی معلوم ہوتے ہیں۔"

دین و دنیا کی رائے:۔ "مولانا رازق الخیری ہندوستان کے پہلے مدیر اور اہل قلم ہیں جنھوں نے اس چیز کی کوشش کی کہ ہندوستان کو اپنے مشہور نسوانی رسالہ عصمت کی تاریخ سے باخبر کر دیں۔

ہندوستان میں کسی اخبار یا رسالہ کا جاری کرنا اور پھر اسے قائم رکھنا اور چلانا اتنا دشوار کام ہے جس کا عام لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مولانا رازق الخیری نے رسالہ عصمت کی ۳۰ سالہ زندگی پر روشنی ڈال کر یہ بتا دیا ہے کہ علمی اداروں کے لئے ہندوستان کی سرزمین کس قدر غیر موزوں ہے۔

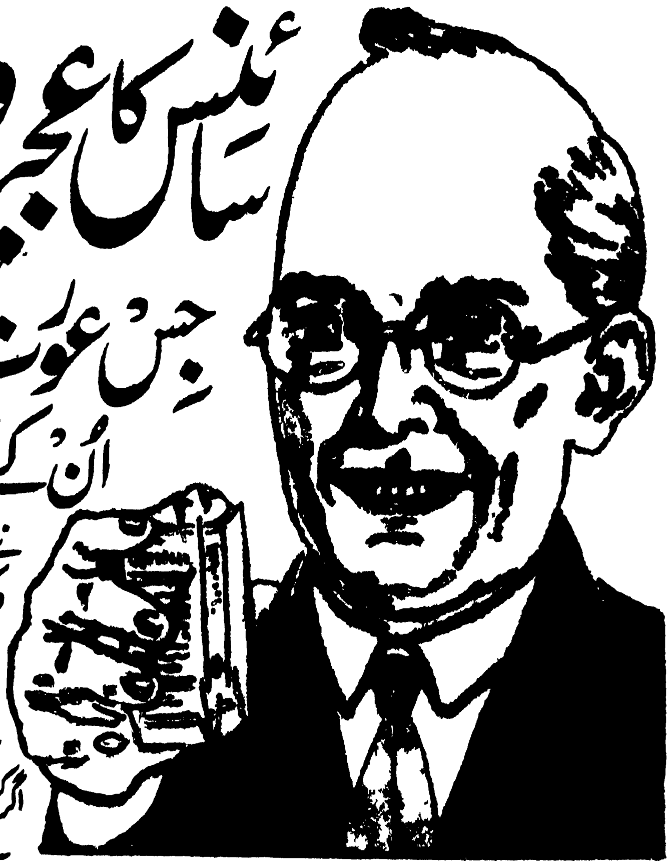
عصمت کی کہانی پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مشہور رسالہ کو زندہ رکھنے کیلئے مولانا راشد الخیری مرحوم نے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں لیکن اسکے باوجود آپ اردو لٹریچر اور عورتوں کے مظلوم طبقہ کی خدمت کرتے رہے۔" کاغذ اور کتابت و طباعت نہایت اعلیٰ

۹۰ صفحات — ۲ فوٹو — قیمت ۸/

سائنس کا عجیب و غریب کمال

جس عورت کو اولاد نہ ہوتی ہو

اُن کے ہاں بھی اولاد ہوسکتی ہے



نئے زمانہ کی سائنس نے جہاں اور بہت سے کرشمے دکھائے ہیں وہاں یہ بات معلوم کرکے بھی ہماری ہندوستانی بہنوں کو بیحد خوشی ہوگی کہ اب نئے زمانہ کی سائنس کی بدولت بے اولادی کے صدمے عورتوں کو برداشت کرنے نہیں پڑیں گے۔ یعنی اگر کسی بہن کی شادی کو عرصہ گذر گیا ہو اور کسی سبب سے اولاد نہ ہوتی ہو تو اب اولاد ہوسکے گی۔

سائنس کے اصولوں پر تیار کی ہوئی دوا "مُحافظِ اولاد" کا گذشتہ بارہ سال سے نہایت کامیاب تجربہ ہو رہا ہے۔ بعض عورتوں کی شادیوں کو پچیس اور تیس سال گذر چکے تھے مگر اس عجیب و غریب دوا یعنی "مُحافظِ اولاد" نے ان مایوس عورتوں کو بھی صاحب اولاد بنادیا۔ اس حیرت انگیز اور قابلِ فخر دوا کی ایجاد کا سہرا دہلی کے مشہور و معروف زنانہ دواخانہ کے سر ہے اور اُمید ہے کہ عنقریب کسی بین الاقوامی مقابلہ میں اس دوا کو رکھ کر ساری دنیا کو ثابت کیا جائیگا کہ اس مقصد کے واسطے "محافظِ اولاد" کتنی حیرت خیز چیز ہے۔

دوا "محافظِ اولاد" ہدایات کے مطابق مسلسل سات روز تک استعمال ہوتی ہے۔ (جس کی مفصل ہدایات دوا کے ساتھ ہوتی ہیں) اور اس کے بعد "اُمید" ہو جاتی ہے۔ اور ٹھیک نو ماہ بعد ایک جیتا جاگتا کھلونا مایوس ماں کی گود میں ہوگا۔

یہ وہ شاندار تجربہ ہے جو سالہا سال سے ہندوستانی اطبا اور ڈاکٹروں کو حیران کر رہا ہے۔ اور ہر شخص "مُحافظِ اولاد" کے اس حیرت انگیز اثر کو دیکھکر حیران رہ جاتا ہے۔ زنانہ دواخانہ دہلی کے ریکارڈ میں اس عجیب و غریب دوا کے متعلق لاتعداد سارٹیفکٹ موجود ہیں۔ لہٰذا اعلان کیا جاتا ہے کہ عصمتی بہنوں میں سے اگر کوئی بہن اولاد سے محروم ہوں تو انہیں چاہیئے

لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ نمبر ۳۴ دہلی کے پتہ پر خط لکھ کر دوا "محافظِ اولاد" کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگالیں۔ اور ہدایات کے مطابق اس دوا کا استعمال کرلیں۔ اولاد ہونے لگے گی۔ ایک شیشی میں ایک عورت کیلئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے۔ ایک شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے اور پارسل پر سات آنے محصول ڈاک خرچ ہوں گے۔

ٹیلی فون نمبر ۶۳۶۵

تار کا پتہ :- "زنانہ دواخانہ" دہلی

دُوربین

امریکہ کی مستعدی

نیویارک میں ہوائی حملوں کے خلاف مشقیں جاری ہو گئی ہیں۔ بظاہر جرمنوں کا امریکہ پر ہوائی حملہ دُور از قیاس معلوم ہوتا ہے مگر ماہرین جنگ کہتے ہیں کہ جرمنوں کی ۲۵ سال سے آرزو ہے کہ وہ نیویارک یا امریکہ پر بم برسائیں۔ گذشتہ جنگ کے خاتمہ پر اتحادی ہوائی کمیشن نے ایک جرمنی ہوائی لنگر پر ایک بڑا پانچ انجنوں کا ہوائی جہاز دیکھا جس کا مقصد یہ پایا گیا کہ وہ امریکہ تک اُڑ کے بم برسا سکے۔ اب تک تو ایسے جہازوں میں بڑی ترقی کرلی گئی ہوگی کہ جرمنوں کے پاس مختلف ایسے جہاز موجود ہیں جو آسانی سے امریکہ تک اُڑ سکتے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ یورپی یا افریقی ہوائی اڈوں سے پرواز کی جائے۔ دوسرا یہ کہ بحری جہاز سمندر میں دُور جاکے اپنے عرشہ پر سے ہوائی جہاز اُڑائیں۔ نئی شکل ۷۷ اجرمن جہاز اور اطالوی کنگرو جہاز سات ہزار میل سے زیادہ اُڑ سکتے ہیں۔ وہ بریسٹ بورڈو ڈاکر سے ایک ہزار پونڈ بم لے کے امریکی جنگی ٹھکانوں پر تباہی پھیلا سکتے ہیں۔ ڈاکر سے اُڑنے کی حالت میں اُنہیں تجارتی ہواؤں سے مدد ملے جو سال بھر میں چھ ماہ چلتی رہتی ہیں۔ ہر حال میں یہ جہاز رات کی تاریکی میں بم برسا کے پَو پھٹنے کے وقت امریکہ سے سات سو میل کے فاصلہ پر واپس جا سکتے ہیں۔ بحری جہازوں سے ہوائی جہاز ایک ہزار پونڈ بموں کے ساتھ ۵ ہزار میل اور دس ہزار بموں کے ساتھ ۴ سو میل دُور اُڑ سکتے ہیں۔ بحری جہازوں سے ہوائی جہاز اُڑانے میں جرمن خوب ماہر ہیں۔ ایسی پروازوں کے لئے بڑے تجربہ کار جہاز رانوں کی ضرورت ہوگی کیونکہ ہر سفر ۳۰ گھنٹے سے زیادہ کا ہوگا۔ ان باتوں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جرمنی سے جنگ کرنے میں امریکہ ہوائی حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور امریکہ کا مقابلہ کے لئے کیل کانٹے سے درست ہوجانا عین دانائی ہے۔

امریکہ کی یہ تیاریاں بروقت شروع ہو گئی تھیں۔ جاپانی سفرا امریکہ میں امن کی گفتگو کرتے رہے کہ کسی طرح دونوں ملکوں میں جنگ نہ ہو مگر اس تمام عرصہ میں جاپانی فوجی نقل و حرکت بحرالکاہل میں جگہ جگہ جاری رہی۔ امریکہ نے صاف بتادیا کہ امن اس طرح قائم رہ سکتا ہے کہ جاپان اپنی عالمگیر ہوس ترک کردے۔ چین سے ہٹ جائے وغیرہ۔ جاپان نے اس کا جواب پہلے تو کچھ نہ دیا اور جب اس کے سفرا نے امریکہ میں جواب پیش کیا تو اُسی وقت امریکہ کے جزیرہ ہوائی پر حملہ شروع کردیا گیا۔

جاپان کی جنگ

جاپان نے امریکہ اور برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کردیا اور فوراً نہایت پھرتی سے جزیرہ ہوائی کی بندرگاہ پرل کو بہت کچھ برباد کردیا اور دو ایک امریکی بڑے جہاز بھی ڈبو دیئے۔ امریکہ کے مجمع الجزائر فلپائن پر بھی جگہ جگہ فوجیں اُتار کے نہایت تند لڑائی شروع کردی۔ چین کا جو ساحلی علاقہ بین الاقوامی کہلاتا تھا اُس پر قبضہ کرکے ہانگ کانگ پر حملہ کردیا۔ وہاں کی افواج نے بہت دنوں تک اس کا پامردی سے مقابلہ کیا۔ آخر جاپانی اس جزیرہ میں اُتر آئے اور آدھے سے زیادہ جزیرے پر قبضہ کرلیا۔ اُن کی تعداد وہاں زیادہ ہے اس لئے اس جزیرے کے فتح ہوجانے کا اندیشہ ہے مگر انگریزی فوج آخر دم تک لڑتی رہے گی۔

فلپائن کے مختلف جزیروں میں جاپانی بڑی تعداد میں جگہ جگہ اُتر کے مصروفِ جنگ ہیں۔ سیام نے جو اب تک

اپنی غیر جانبداری کا یقین دلا رہا تھا جاپان کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اُس کے ملک میں جاپانی فوجیں داخل ہو کے چھا گئیں۔ جزیرہ نما ملایا میں انگریزی فوجوں کے سامنے گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے۔ ملایا کے شمالی حصہ پر جاپانی قبضہ ہو گیا۔ اور جزیرہ پینانگ بھی جو بحر ہند میں ملایا کے مغربی ساحل پر واقع ہے انگریزوں نے خالی کر دیا۔ آئی پو پر انگریزی اور جاپانی مقابلہ جاری ہے۔ یہاں ٹین کی زبردست کان ہے۔ سنگاپور کو زیادہ تیار کر دیا گیا ہے اور یہاں جاپان کا زبردست مقابلہ ہوتا رہے گا۔ لڑائی کے شروع دنوں میں برطانیہ کے دو بڑے جہاز جو بحری بیڑے کی بڑی قوت تھے۔ یعنی پرنس آف ویلز اور ریپلس کو جاپانی طیارچیوں نے بموں سے ڈبو دیا۔ اس طرح برطانیہ کی اس علاقہ میں بحری قوت کمزور ہو گئی۔ جاپان نے جزائر ویک اور گوام پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح غالباً وہ امریکہ اور ملایا کے درمیان حائل ہو کے امریکہ اور برطانیہ کو ایک دوسرے کی امداد سے روکنا چاہتا ہے۔ رنگون میں جاپانی طیاروں نے کچھ بم پھینکے جس سے کچھ آگ لگ گئی۔ کلکتہ سے مارواڑی نقل مکان کر رہے ہیں۔ بنگالہ میں جنگی مستعدی کی حالت کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

جرمنی کی پسپائی

روس میں جرمنی کی فوجیں ہٹنا شروع ہوئیں تو برابر اس کا سلسلہ جاری ہے۔ ماسکو اب جرمنی کی دست برد سے محفوظ ہو گیا ہے۔ کبھی کبھی ہوائی حملہ ہو جاتا ہے۔ حکومت بھی واپس آ گئی ہے۔ بڑے بڑے مقامات جیسے دلو کلومنسک وغیرہ بھی روسیوں کے قبضہ میں آ گئے ہیں جرمنوں کا قول ہے کہ وہ سردیوں میں روس میں مدافعت کریں گے۔ روسی برابر زبردست حملے کر رہے ہیں اور بے شمار سامانِ جنگ اُن کے ہاتھ آیا ہے۔

طرابلس میں انگریزی فوجیں برابر جرمنی کی فوجوں کا تعاقب کر رہی ہیں۔ درنہ برقہ بن غازی پر اب انگریزوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ بہت سا سامان جنگ اور قیدی انگریزوں کے ہاتھ لگ رہے ہیں۔

جرمنی کے متعلق اندیشہ ہے کہ وہ بحیرہ روم میں کوئی جنگی زبردست اقدام کرنے والا ہے۔ ہرہٹلر نے فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ اتحادیوں کا خیال ہے کہ وہاں فوج کے افسروں سے اُس کا اختلاف ہو گیا ہے اور یہ کمزوری کی علامت ہے۔ یونان میں جرمنی کی فوجوں کے اجتماع کی خبریں آ رہی ہیں۔ ہسپانیہ پر بھی جرمنی کا دباؤ معلوم ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے فرانس اپنا افریقی علاقہ جرمنی کو استعمال کرنے دے۔ مارشل پیتان کے استعفے کی خبر گرم ہے۔

مسٹر چرچل امریکہ گئے اور صدر روزولٹ سے مصروف گفتگو ہیں اور حصول فتح کے لئے زبردست دستور العمل تیار کرنے والے ہیں۔

تاروں کا جھرمٹ

بڑودہ میں ایک ہندو سیٹھ نے اپنے بیٹے کی یاد میں لڑکیوں کے دار الاقامت کی تعمیر کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ عطیہ دیا ہے۔ اس میں تین زنانہ کالجوں کی طالبات رہا کریں گی۔ اس کے سالانہ اخراجات ریاست برداشت کرے گی۔ دار الاقامت کا نام معطی کے بیٹے کے نام پر رکھا جائیگا

شاہ افغانستان کی والدہ ماجدہ یعنی نادر شاہ مرحوم کی ملکہ کا چند روز علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔

مدراس کے ایڈوکیٹوں کی مجلس نے حکومت کے سامنے تجویز پیش کی ہے کہ عورتوں کو محض عورت ہونے کی وجہ سے

عدالتی عہدوں سے محروم نہ رکھا جائے۔ انہیں بھی منصف وغیرہ بنایا جائے۔

ایران کے ساتھ انگریزوں اور روسیوں کا معاہدہ ہوگیا ہے جس کی رُو سے ایران کی خود مختاری کی حفاظت ہوگی۔ ایران کی سپاہ صف اندرونی بچاؤ کے لئے استعمال کی جائے گی۔ اُسے اتحادی لشکر اور رسد رسانی کا ایران کے اندر مفت انتظام کرنا پڑے گا۔ اتحادی لشکر اندرونی ملک میں رہیں کے جو صلح کے بعد ہٹا لئے جائیں گے۔ محکمہ احتساب کے قیام میں اتحادیوں کی امداد کرے گا جرمنی وغیرہ سے تعلقات قطع کرنے پڑیں گے۔

سر تیج بہادر سپرو نے انجمن روح ادب الہ آباد کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندو مسلمانوں میں سیاسی اور مذہبی بہت سے اختلافات ہوتے ہوئے دونوں میں اتحاد کی بہت سی صورتیں موجود ہیں۔ دونوں کی تہذیب مشترک ہے۔ میں اُردو کو آبائی مشترکہ سرمایہ سمجھتا ہوں جس پر ہندو و مسلمانوں دونوں کا مساوی مالکانہ قبضہ ہے اور اس لائق ہے کہ دونوں اس کی حفاظت کریں اسے بڑھائیں اور درست کرتے رہیں۔

دہلی کے سرکس کے تماشہ میں ایک عورت جب شیر کے کرتب دکھانے کے لئے اُس کے میدان میں آئی تو شیر کا مزاج بگڑ گیا۔ اُس نے اُس کا سر منہ میں دبا لیا اور گھسیٹتا ہوا اپنے پنجرہ میں لے گیا۔ لوگ اسے تماشہ کا جزو سمجھتے مبہوت دیکھتے رہے اس رفیق دوسری عورت جب چیخنے لگی تو معلوم ہوا مگر کوئی مدد کو آگے نہ بڑھا۔ وہ خود ہی ایک کیلوں دار لوہے کی سلاخ لے کے پنجرہ میں گھسی اور اسے شیر کے منھ میں بڑھا کر عورت کا سر اُس کے مُنھ سے چھڑالائی اور جلدی سے اُسے گھسیٹتی ہوئی باہر آگئی عورت بے ہوش تھی۔ اب شفا خانہ میں زیر علاج ہے۔

بادامی باغ لاہور کی ایک آٹے کی مل کا منیجر گرفتار کر لیا گیا ہے۔ مل میں سے ۸ ہزار گیہوں بھری ہوئی بوریاں برآمد ہوئیں۔ ہندوستان میں گیہوں کا کمشنر مقرر کر دیا گیا ہے۔ وہ گیہوں کی قیمت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ اس کے لانے لے جانے کو اپنی نگرانی میں رکھے گا۔

حیدرآباد دکن میں انسداد گداگری کا قانون نافذ ہوگیا ہے۔ اس کا پہلا تجربہ خاص حیدرآباد میں کیا جائے گا۔ وہاں کے تجربات کی روشنی میں ریاست کے دیگر مقامات میں اس کا اجرا عمل میں آئے گا۔ جگہ جگہ کیلیاں بنائی جائیں گی جو فقیروں کو اپنے اپنے مقامات میں نگرانی میں لے کے مختلف پیشے اور دستکاریاں سکھائے گی۔ میونسپل کمیٹیاں اور ڈسٹرکٹ بورڈ اپنے اپنے بجٹوں میں ان کمیٹیوں کے اخراجات برداشت کریں گی۔

جامع مسجد دہلی کا ایک مینارہ شق ہو کے کچھ ٹیڑھا ہوگیا ہے۔

حضور نظام نے تین سال مزید کے لئے علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کا چانسلر ہونا منظور کر لیا ہے۔

[زنا]نہ دستکاری کی مفید کتابیں

عصمتی کروشیا

[illegible] شوقین بہنوں کے لئے بہترین تحفہ فن کروشیا کی مشہور ماہر محترمہ فاطمہ انور علی بیگم صاحبہ نے ترکیبیں اور ہدایات لکھ کر مرتب کی ہے ۳ دفعہ چھپی ہے قیمت [illegible]

مختصر فہرست عصمتی کروشیا

[illegible] ڈاک بنگلہ [illegible] ۵ نفیس [illegible] خوش آمدید چڑیا ڈالی پر	گلدستہ ایک [illegible] قدم [illegible] [illegible] مرغ [illegible] [illegible]	سید مبارک طرہ دان [illegible] کی کوڑی [illegible] کژ تانت امام حسین [illegible]	جامع مسجد خوبصورت کونے درخت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

گلدستہ تارکشی

محترمات سیدہ اشرف و سیدہ اشرف نے یہ کتاب تیار کی ہے پہلے دھاگے نکالنے کے طریقے عام فہم پیرایہ میں سمجھائے گئے ہیں پھر تکیہ کے غلاف [illegible] میز پوش کشن [illegible] کشتی پوش جھالریں [illegible] بیلیں ہینڈ بیگ وغیرہ کے نمونے ہیں پھر کروشیا اور ایمبرائڈری کے اعلیٰ نمونے ہیں سب نمونے خوب واضح اور خوبصورت قیمت [illegible]

تارکشی کا کام

جس کی مدد سے لڑکیاں کپڑے سے دھاگے نکالنے کا کام بہت آسانی کے ساتھ سیکھ جائیں گی جو پہلے سے جانتی ہیں وہ اس کام میں ماہر ہو جائیں گی بیلیں [illegible] کنارے [illegible] کشن [illegible] کے مرکز گریبان پھر متفرق چیزیں مثلاً پنکھا بلاؤز دسترخوان ٹی کوٹ دستی بیگ چڑیوں کی جوڑی تاج محل وغیرہ وغیرہ ۵۶ نمونے ہیں اور مع مفصل تراکیب ایک [illegible] کے قریب سادہ بلاکوں کے نمونے ہیں دوسرا ایڈیشن قیمت [illegible]

کراس اسٹچ ورک

یعنی دو سوتی کام یا ترچھے ٹانکوں کا کام اس میں اٹھارہ وضع کی ۱۵ دلاویز بیلوں، گوشہ کی ۱۲ خوبصورت گلدستوں، مرکزوں، پھولوں کی ٹوکریوں کے خوبصورت نمونے ہیں پھر دوڑتا ہوا چوزہ، تیتری، دوڑتی ہوئی بطخ، بلبلوں کی جوڑی، چڑیا مع ڈالی، اڑتی ہوئی تیتری، چڑیا، تتلی، سارس، مور شاخ، بلی، چوہا، گلہری، ہرن، اونٹ، ہاتھی، گھوڑا وغیرہ کے نمونے ہیں اس کے بعد ایک باب میں متفرق چیزیں ہیں کل ۱۲۲ نمونے قیمت [illegible]

عصمتی کشیدہ

اس کتاب میں میز پوش پلنگ پوش رومال کرسیوں کے گدوں تکیوں کے غلاف پلنگ کی چادروں پردوں وغیرہ وغیرہ کے لئے کئی درجن نمونے ہیں کئی وضع کی دلاویز بیلیں پھر مختلف قسم کی کوہت کے عمدہ عمدہ نمونے ان کے بعد [illegible] اور چند مشہور عمارات کے خاکے ہیں بیتیں مکمل [illegible] عام فہم [illegible] چھپی ہے۔

قیمت ایک روپیہ

گلدستہ کشیدہ

جسے ۲۸ دستکار بہنوں نے تیار کیا ہے اس میں مستطیل خوبصورت فریم مختلف قسم کے پھولوں کے کونے مختلف وضع کے بڑے پھول چادروں وغیرہ کے کونے ۱۹ غلاف تکیہ وغیرہ کے خوشنما مرکز ۱۸ مختلف قسم کے گول پھول ۱۱ ٹیبل کلاتھ، پلنگ کی چادریں ساری وغیرہ کی بیلیں ۱۷ اسٹرین کی [illegible] وغیرہ ۸ قمیص کے کف ۳ قمیص کرتہ بلاؤز کے گریبان ۳ [illegible] کی گدی [illegible] ۵ متفرق مثلاً کوزی بچوں کے بب [illegible] [illegible] [illegible] مفید کارآمد ترکیبیں مکمل قیمت [illegible]

گلزار درخشاں

جس میں محترمہ سارہ کے درخشاں صاحب نے نئی نئی وضع کے گل بوٹے کھلائے ہیں نفیس و دلفریب کونے۔ میز پوش خوان پوش وغیرہ کے دیدہ زیب مرکز نصف درجن سے زیادہ تکیہ غلاف [illegible] نصف درجن گلے اور کف کے نئی نئی طرز کے نمونے طرح طرح کی خوبصورت بیلیں اور ٹیکے دلاویز بلکٹ میز پوش رومال دوپٹہ کے پھول الغرض [illegible] نمونے ہیں اور سب خوشنما۔ قیمت [illegible]

گلشن زہرا

مرتبہ محترمہ زہرا احمد بی۔اے اس میں ۴۳ وضع کی بیلیں ۲۸ پھول ۳۸ کونے ۱۱ گملے اور ٹوکریاں ۲۵ مرکزی یا دستی خاکے ہیں جن پر پرندے بھی دکھائے گئے ہیں۔ ۷ گریبان کے ۱ ٹی کوزی کے ۲ پنکھوں کے نمونے ہیں۔ پھر نو فریم ہیں نمونے صاف اور دیدہ زیب ہیں۔

قیمت [illegible]

اونی کام سلائیوں سے

فن تنگ پر نہایت قابل قدر کتاب جس میں بنائی کے متعلق مضامین اور ہدایتیں بہت ہی عام فہم پیرایہ میں نمونے بچوں کی اونی ٹوپیوں کے ۵ اور عمدہ موزوں کے ۸ اور بچوں کے لئے اونی بنیان فراک [illegible] کوٹ کے ۱۱ نمونے ہیں سویٹر سوئٹر کوٹ۔ سلیپ اور جرسی کے مختلف قسم کی بناوٹ اور بیلیں پھر متفرق چیزیں [illegible] [illegible] [illegible] کل تعداد ۲ [illegible] بلاک کے نقشے اور تصویریں اس کے علاوہ ہیں۔ بار دوم قیمت [illegible]

موتیوں کا کام

یہ مفید کتاب دستکاری کی ماہر ۲۷ عصمتی بہنوں نے تیار کی ۱۰ اس میں مندرجہ ذیل ۱۰۴ نمونے ہیں

۲۸ وضع کے پھول	۲۷ قسم کی لیس	۲۶ جھالریں
۱۳ عمدہ عمدہ فریم	۱۱ انسرشن [illegible]	۳ جالیاں
۲۹ وضع وضع کی بیلیں	۸ ہمس ہار	۸ خوان پوش
۹ حاشیہ کنارے	۲ پنکھے	۳ منی بیگ
۷ ہیٹ بینڈ کے نمونے	۲ پردے	گلاس پوش
متفرق چیزیں	ہولڈر سلیپر	لیمپ کے جھاڑ

سلمہ ستارہ کا کام

ہندوستان کی نامور دستکار محترمہ خدیجہ بانی مرحومہ کی بیش بہا کتاب ہے جس میں نقاشی، فریم، سلمہ ستارہ کلابتوں، شستان شکولیں، گجائی وغیرہ پر دستکاراتہ مضامین ہیں پھر نمونے شروع ہوتے ہیں۔ خاص سلمہ کے پھول بیلیں پتے اور سلمہ ستارہ کا خاص کام سلمہ اور موتی کے نمونے [illegible] کی بیلیں سلمہ اور کلابتوں اور شکولیں ستاروں کی بھی متفرق نمونے عبارتیں قطعات وغیرہ کل ۲۴۳ نمونے نہایت خوبصورت ہیں دوسرا ایڈیشن قیمت دو روپے

جالی کا کام

ہندوستان کی قدیم صنعت پر اردو زبان میں قابل قدر کتاب دو حصوں میں۔ پہلے جالی کے کام کے مختلف وضع اور مختلف طرز کے جاذب نظر اور دلکش نمونے دیئے ہیں ان کے بنانے کی عام فہم مکمل اور مفصل ترکیبیں لکھی ہیں۔ لہریں، جال، سینگ کے نقشے۔ بنے بنائے آسانی کے ساتھ متعدد نمونے ہیں جالی کے چھوٹے بڑے پھول گلدستے گملے بیلیں گلے گریبان اور جگ کور، میز پوش کشتی پوش وغیرہ مع ترکیب سب کے نمونے بلاک کے ہیں قیمت [illegible]

چمنستان خیاطی

یعنی سوئی کا کام مشہور دستکار محترمہ فاطمہ بیگم منشی فاضل نے [illegible] [illegible] نامور دستکار بہنوں کی مدد سے ایک [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

گلستان خیاطی

مضامین کے چند عنوانات یہ ہیں خیاطی، سلائی کا بکس، سلائی کرنے سے پہلے سیدھا پرونا۔ لباس کے طریقے کٹائی کے شعبے جن پر عمل کرنے سے لڑکیاں سلیقہ شعار بن جاتی ہیں۔ گر زنانہ مردانہ کپڑوں کے کارآمد نمونے ہیں اور لڑکوں لڑکیوں کے لئے کپڑوں کے کارآمد نمونے اور متفرق اشیاء کے متعلق ہدایات۔ قیمت صرف [illegible]

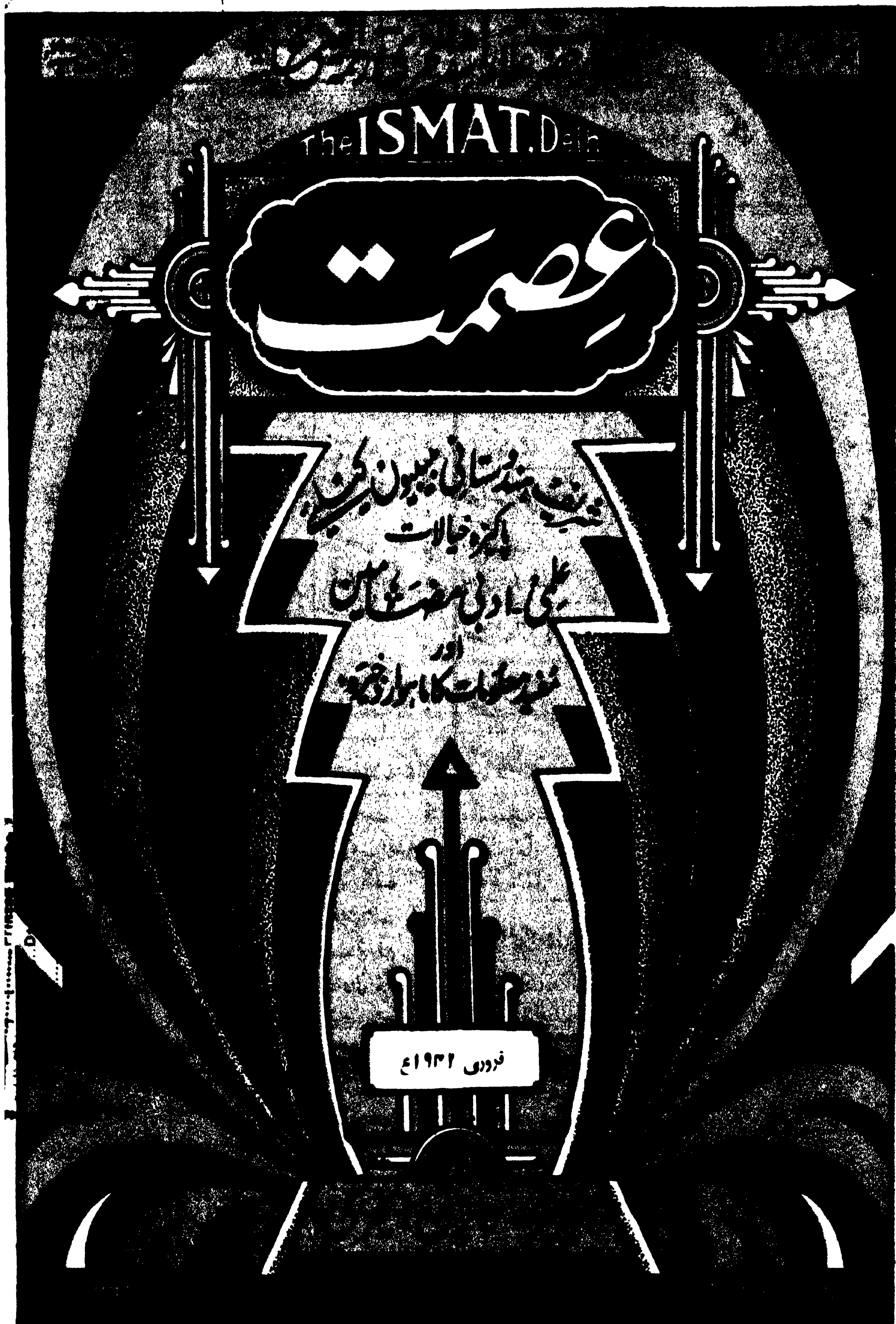
شمیم سوزن کاری

مرتبہ محترمہ سعیدہ ضمیر الدین صاحبہ جس میں زری کام یا فارجینا [illegible] کا مدانی کا کام، مکارچ کے نمونوں کا کام سلک ایمبرائڈری اور کروشیا کے نمونے ہیں حصہ دوم میں مختلف زنانہ دستکاریوں کے عمدہ عمدہ نمونے ہیں اور یہ سب نمونے بلاک اور [illegible] کے تعداد میں [illegible] سو ہیں ہدایتیں مفصل دی گئی ہے۔ قیمت صرف [illegible]

گوٹہ کناری کا کام

ہندوستان کی قدیم و مشہور صنعت کے متعلق بیش بہا کتاب ہے ہندوستان کی نامور دستکار محترمہ سیدہ اشرف مولف گلدستہ تارکشی وغیرہ نے مرتب کیا ہے۔ تقریباً [illegible] نمونے دلاویز اور دیدہ زیب ہیں۔ آپ دیکھ کر پھڑک اٹھیں گی۔ نمونے نہایت صاف نمایاں اور بڑے اور خطوط بھی نہایت مستقل۔ ہر ترکیب اور ہدایت نہایت عام فہم۔ قیمت [illegible]

Regd. L. No. 4872 February 1942 Established 1908



مصنفہ مرحوم حضرت علامہ راشد الخیری کی تصانیف

تاریخ و سیرت

آمنہ کا لال ۵ر
سیدہ کا لال ۱۲ر
الزہرا عہ
نوبت پنج سوزیا وداعِ ظفر عمہ
وداعِ خاتون ۵ر
امین کا دم واپسیں ۳ر
دلی کی آخری بہار عہ
بزمِ رفتگاں (باتصویر) ۱۰ر
داستانِ پارینہ ۱۲ر

مذہبی مضامین

احکامِ نسواں عہ
محسنِ حقیقی ۶ر
دعائیں ۸ر
قرآنی قصے عمہ
زیورِ اسلام عہ

سیاسی صحافتی سیاحتی مضامین

شہیدِ مغرب عہ
یادگارِ تمدن ۶ر
عالمِ نسواں ۸ر
سیاحتِ ہند عہ

مضامین کے متفرق مجموعے

عروسِ مشرق ۱۰ر
گدڑی میں لعل ۱۲ر
مسلمان عورتوں کے حقوق ۱۲ر
نالۂ زار ۱۲ر
بلبلِ صیاد ۱۰ر
ساجن موہنی ۴ر
شادی کا انتخاب ۸ر
فریبِ ہستی ۶ر
بے فکری کا آخری دن ۴ر
چمنستانِ مغرب عہ
بکھری ہوئی پتیاں عمہ

اصلاحی معاشرتی ناول

حیاتِ صالحہ عمہ
منازل السائرہ مکمل ۱۲ر
صبحِ زندگی عمہ
شامِ زندگی عہ
شبِ زندگی دو حصے ۱۲ر
نوحۂ زندگی ۱۲ر
طوفانِ حیات عہ
جوہرِ قدامت عمہ

اسلامی تاریخ بطرز ناول

ماہ عجم ۸ر
عروسِ کربلا ۱۲ر
یاسمینِ شام ۱۲ر
محبوبۂ خداوند ۱۲ر
تیغِ کمال عہ
شہنشاہ کا فیصلہ ۴ر
منصور و موہنا ۵ر
شاہین و دُراج ۸ر
دُرِ شہوار ۸ر

مذاحیہ افسانے

نانی عشو ۱۰ر
ولایتی نخمی ۶ر
دادا اماں کا جگرا ۸ر

نظموں کے مجموعے

رودادِ قفس ۱۰ر
گرفتارِ قفس ۴ر

ادبِ لطیف و انشا

قلبِ حزیں ۸ر
لڑکیوں کی انشا ۱۲ر
مسلی ہوئی پتیاں ۶ر

لڑکیوں کا نصاب زیر طبع

اصلاحی معاشرتی افسانے

بنت الوقت ۸ر
سراب مغرب ۸ر
فسانۂ سعید ۸ر
صدائے نغمہ ۵ر
تنبیہ شیطانی ۱۲ر
سات روحوں کے اعمالنامے ۸ر
غدر کی ماری شہزادیاں ۱۲ر
سبز کرم ۱۰ر
ستونتی ۷ر
سوکن کا جلاپا ۵ر
مودہ ۷ر
تفسیرِ عصمت ۵ر
انگوٹھی کا راز ۲ر
منازلِ ترقی ۴ر
بچہ کا کرتہ ۴ر
ویدیا کی سرگزشت ۴ر
چہار عالم ۴ر

مختصر افسانوں کے مجموعے

جوہرِ عصمت عمہ
سیلاب و اشک بیتیم عمہ
طوفانِ اشک عہ
قطراتِ اشک ۱۲ر
فدائی راج عہ
نسوانی زندگی ۸ر
گلدستۂ عید ۸ر
گوہرِ مقصود ۶ر
گردابِ حیات عہ
ساطِ حیات ۶ر
حور اور انسان ۱۲ر
نشیب و فراز ۴ر

کھانا پکانے کی مستند کتابیں

عصمتی دسترخوان ۱۲ر
مشرقی مغربی کھانے ۱۲ر
عصمتی ہنڈکلیا ۸ر
ناشتہ ۱۰ر
بچوں کے کھانے ۸ر
بیماروں کے کھانے ۱۰ر
مذاقیہ کھانے ۶ر

دیگر تصانیف محترمہ آمنہ نازلی

دولت پر قربانیاں (ناٹک) ۸ر
تاریخی لطیفے ۸ر
عقل کی باتیں ۸ر
ہنسی کی باتیں ۸ر

تصانیف منشی پریم چند

دودھ کی قیمت (افسانے) عمہ
روحانی شادی (ڈراما) ۶ر

تصانیف رازق الخیری

وداعِ راشد ۸ر
عصمت کی کہانی ۸ر

تصانیف مولانا سیماب اکبرآبادی

زنانہ بستہ (۲ حصے) عہ
آفتابِ زندگی ۶ر
شبابِ زندگی ۶ر

تصانیف صاحبزادہ ولی الحق صاحب

مختصر سوانح بانیان شیعوں کی دنیا ۱۲ر
افسانے سلمی (زنانہ خطوط) ۶ر

کچھ اور زنانہ کتابیں

پردہ و تعلیم، مذہبی و سیاسی بحث ۱۲ر
خواتین (ادب سے دلچسپ تذکرہ) ۶ر
خیابانِ نسواں (منتخب مضامین) ۱۲ر

زنانہ دستکاری کی بہترین کتب

عصمتی کروشیا عمہ
عصمتی کشیدہ عہ
گلزار درخشاں عہ
گلدستۂ کشیدہ عمہ
گلشنِ زہرہ عمہ
چمنستانِ خیاطی (سوئی کا کام) عمہ
گلستانِ خیاطی عمہ
موتیوں کا کام ۱۲ر
سلمہ ستارہ کا کام ۱۲ر
اونی کام سلائیوں سے عمہ
گوٹہ کناری کا کام عمہ
جالی کا کام عمہ
تارکشی کا کام عہ
گلدستۂ تارکشی عمہ
کراس اسٹچ ورک عمہ
جوہر نسواں راشد الخیری نمبر عہ
شمیم سوزن کاری عمہ
خواتین کی دستکاریاں ۸ر
لکڑی کا باریک کام ۸ر
وصلی کا کام ۸ر

عورتوں کی خاص کتابیں

زچہ خانہ (۲ حصے) عمہ
سنگھار خانہ ۱۲ر

نامور خواتین کے افسانے و ناول

انوری بیگم عمہ
جاں باز ۱۲ر
غیرت کی پتلی ۶ر
شہیدِ وفا عہ
چار رُخ ۴ر
فیروزہ ۸ر

کچھ اور بہترین صنفی کتابیں

صنعت و حرفت ۱۲ر
تندرستی ہزار نعمت ۴ر
بچوں کی تربیت ۱۰ر
آئینۂ موثر عمہ
گھر کی صفائی ۸ر

تصانیف محترمہ خاتون اکرم مرحومہ

جمالِ ہمنشیں عہ
گلستانِ خاتون (افسانے) عمہ
پیکرِ وفا ۸ر
بچھڑی بہنیں ۶ر

تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا

مشیرِ نسواں یا زہرہ عمہ
سرگذشتِ ہاجرہ ۱۰ر
تحریر النسا ۱۲ر
موہنی ۱۰ر

تصانیف محترمہ بلقیس بیگم (و۔ا)

خانہ داری کے تجربات ۱۲ر
مفیدِ نسواں ۸ر

تصانیف محترمہ حجاب امتیاز علی

ادبِ زریں عہ
نغماتِ موت ۶ر

تصانیف محترمہ سرو جہاں عنایت

پھول پھلواری (باغبانی کے متعلق) ۸
شہزادی نیلوفر (بچوں کیلئے کہانی) ۸

زنانہ افسانے و گیت

افسانۂ حرم ۷
دامنِ باغبان عہ
دیہاتی گیت ۸

زنانہ نظمیں

شمعِ خاموش ۶
آئینۂ جمال ۲

بچوں کے لئے کہانیاں

جاپانی کہانیاں [illegible]
مزیدار کہانیاں [illegible]
بچوں کی دنیا [illegible]

خواتین کے لئے دوسرے مصنفوں کی کتابیں بھی ہم سے منگوا سکتی ہیں

عصمت بک ڈپو دہلی

رسالہ عصمت دہلی

جلد ۶۸ نمبر ۲	بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۴۲ء	چونتیسواں ۳۴ سال

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی - مع محصول ڈاک چار ۴ روپے ممالک غیر سے دس شلنگ

قسم خاص اعلیٰ کاغذ کا اڈیشن دس ۱۰ روپے رؤسا سے پچیس ۲۵ روپے

والیانِ ریاست سے سو ۱۰۰ روپے ممالک غیر سے ایک پونڈ فی پرچہ ایک روپیہ۔

رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وہیلر کے بک اسٹال پر بھی ۵ر میں ملتا ہے۔

باہتمام رازق الخیری اڈیٹر پرنٹر پبلشر۔ محبوب المطابع دہلی میں چھپکر دفتر عصمت کوچہ چیلان دریا گنج دہلی سے شائع ہوا

حضرت علامہ راشد الخیریؒ

پیدائش سنہ ۱۸۶۸ء

وفات سنہ ۱۹۳۶ء

چھٹی برسی

۳ فروری سنہ ۳۶ء وہ منحوس تاریخ تھی جب موت کے ظالم ہاتھوں نے بیسویں صدی کے مصلح اعظم کا مبارک سایہ قوم بدنصیب کے سر سے اٹھا دیا۔ یہی وہ صبح تھی جب بزم دہلی کی آخری شمع ہمیشہ کیلئے خاموش ہوئی۔ یہی وہ دوپہر تھی جب مشرق کے بلبل حزیں نگار کا پیکر خاکی وہ محبت اور انسانیت کا مجسمہ وہ شگفتہ چہرہ وہ نورانی صورت سپرد خاک کر دی گئی۔

۳ فروری سنہ ۴۲ء کو حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ کی چھٹی برسی ہے۔

عصمتی بہنوں کو وقت اچھا ہے کہ اس تاریخ کو یہ منانے کا [illegible] جس قدر زیادہ سے زیادہ ہو سکے تلاوت [illegible] استقامت [illegible] کی [illegible] اور براہ کرم مجھے بھی مطلع فرما دیں کہ انہوں نے [illegible]

رازق الخیری

راشد الخیری کی یاد

ہم نے دنیا میں یہ دیکھا بھالا — ہم نے ہستی کو یہ سمجھا جانا
کچھ نہیں بننے بگڑنے کے سوا — کچھ نہیں ہے مگر آنا جانا
پھر بھی یکساں نہیں آنا آنا — پھر برابر نہیں جانا جانا
جس نے دنیا کو تصیر سمجھا — جس نے ہستی کو تماشا جانا
جس سے دنیا کی بھلائی نہ ہوئی — جس کو عالم نے نہ اچھا جانا
وہ جدا ہم سے ہوا دنیا سے — اس کا رہنا ہو یہاں یا جانا
جیسا بے فیض ہوا اسکا رہنا — بے اثر ایسا ہی اسکا جانا
لیکن اک وہ ہو کہ جس نے آکر — مدعا زیست کا سمجھا جانا
خدمت قوم و وطن کی جس نے — اور اسے مقصدِ اعلیٰ جانا
جسم کو جس نے نہ اپنا سمجھا — جان کو جس نے نہ اپنا جانا
دنکو دن سمجھا نہ وہ راتکو رات — عمر کو کام کا وقفا جانا
محنت کار کو راحت سمجھا — درد کو جس نے مداوا جانا
کام کو کام کا سمجھا انعام — کام آرام کا بدلا جانا
گو جوانی سے بڑھاپا آیا — اس کی ہمت نے نہ مانا جانا
ہو گئے بال جو پیری میں سفید — اوج پر اپنا ستارا جانا
کی جوانی میں جو کچھ خدمتِ خلق — اس کو پیری کا سہارا جانا
نہ جوانی کو جوانی سمجھا — نہ بڑھاپے کو بڑھاپا جانا
ایسے انسان بھی ملجاتے ہیں — گرچہ آسان نہیں پایا جانا
قابلِ قدر ہے ایسی ہستی — قسمت جس نے یہ سمجھا جانا
ایسی ہستی کی وفات اے صلد — ایک نعمت کا ہی کھو جانا
راشد الخیری تھا ایلناس — شاق یہ کیوں نہ ہوا اسکا جانا
کیا بتائیں انھیں کیا پایا — کیا بتائیں انھیں کیا جانا
ہم نے ان کو [illegible] پایا — ہم نے ان کو [illegible] جانا
[illegible] — [illegible] کا [illegible] جانا
دل [illegible] سمجھا — جو [illegible] جانا
[illegible] — اس [illegible] جانا

ملک نے ان کو مربی پایا — قوم نے ان کو مسیحا جانا
ان کو استادِ ادب نے مانا — ان کو اردو نے بھی آقا جانا
ان کے افسانے نرالے پائے — طرز کو ان کے اچھوتا جانا
ملک کی بیٹیوں بہنوں نے انہیں — سایۂ رحمتِ مولےٰ جانا
خیر و بہبودِ خواتین کے لئے — سرپرست ان کو ہمیشہ جانا
ان کا مرنا نہیں تنہا مرنا — ان کا جانا نہیں تنہا جانا
حسرتیں سب کی ہیں انکے ہمراہ — ان کو یوں جانا ہی تھا کیا جانا
نقش ہر دل پہ ہے یوں یاد انکی — غیر ممکن ہے مٹایا جانا

آج تک روتے ہیں سب ان کے لئے
واقعی ہو تو ہو ایسا جانا

حامد حسن قادری

راشد الخیریؒ

قطعات

فروری گذرے نہ کیوں غم میں فغاں میں آہ میں
راشد الخیری ہوئے ہم سے جدا اِس ماہ میں
صبر دے ہم کو عطا کر اُن کو جنت کے مزے
ہے یہی اپنی دعا یارب تری درگاہ میں

راشد الخیری کی پھر یاد آگئی — یاد کیا آئی ہمیں تڑپا گئی
فروری کے تھے یہی منحوس دن — جب قضا اُن کو کسی کی کھا گئی

دم میں جب تک دم رہا یہ رفلک — وہ رہے اور غمخوارِ نسوان ہند
[illegible] تھی انکی [illegible] — یا مصطفیٰ بیماریِ نسوانِ ہند
ان کی بہبودی میں [illegible] — [illegible]

زندگی کا [illegible] — [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

علامہ راشد الخیری (مرحوم) وشاعرہ

"اے زنِ مسلم! نہ ہونا مادیت کا شکار
روح کا دامن نہ چھوٹے تجھ سے تا حدِ مزار
میری تصنیفات نے بخشی ہے تجھ کو اک نظر
ہو سکے تو طبقۂ نسواں کی الجھن دور کر
گریۂ وقتی نہ ثابت ہو مری تصویرِ غم
اس لئے درکار ہے مجھ کو ترا زورِ قلم
میں نے اپنے وقت میں سر تیرا اونچا کر دیا
قوم کو شرمندہ حرکات بیجا کر دیا
میں نے اس انداز سے چٹکی رگِ ملت میں لی
تیرے حق کے سامنے سر کو جھکاتے ہی بنی
رہبرِ سوز دروں ہو کاش میرا نقشِ پا
مثل میرے اشکباری میں تجھے آئے مزا"

"اے تسلی بخش جاں وائے سکوں افزائے دل
گو ہوائے مادیت چل رہی ہے متصل
گو ہوئی مفقود یکسر روح میں ڈوبی نظر
طبقۂ نسواں کے دامن میں ہے علمِ بے اثر
پھر بھی ہم میں ہیں جلوہ گر ہیں چند وہ اہلِ قلم
جن پہ ظاہر نبضِ ملت کی دھمک کا زیر و بم
ڈاکٹر اختر۔ جمیلہ۔ نذر سجاد و آمنا
رابعہ نہاں۔ صفیہ۔ نجمہ و حور و حیا
آپ کا پودا بڑھا اور بڑھ کے بار آور ہوا
شاہدِ بے مثل ہیں اوراقِ عصمت برملا
سر جو اونچا ہو چکا نیچا وہ ہو سکتا نہیں
نقش پائے محسنِ اعظم کو کھو سکتا نہیں
آپ کی تحریر ہے جبتک فروغِ چشم دل
کر نہیں سکتی ہیں باد مخالف مضمحل

ساجدہ بنت دانش

بیاد علامۂ مغفور

فصلِ گل آئی ہے پھر اور لائی ہے پھولوں کے ہار
راشد الخیری کی تربت پر چڑھانے کے لئے
اے سحابِ فرودیں! آ تو بھی آ۔ اور گھر کے آ
اس مقدس خاک پر موتی لٹانے کے لئے
اے نسیمِ صبح دم! آہیں نہ بھر ماتم نہ کر
صدمۂ دردِ جدائی کو بڑھانے کے لئے

دہرِ فانی پر مسلط ہے یہ آئینِ ازل
موت آنے کے لئے ہے جان جانے کے لئے
مٹ نہیں سکتی دلِ عالم سے لیکن اُن کی یاد
فخر جینا جن کا ہو سارے زمانے کے لئے
اہلِ دل کی موت کیا ہے؟ اک تماشائے عجیب
چھپتے ہیں آنکھوں سے وہ دلمیں سمانے کے لئے

زندہ ہیں پائندہ ہیں علامۂ مغفور بھی
جلوہ انوارِ سعادت کا دکھانے کے لئے
یہ ہے اک رسمِ جہاں! اے ان کی یادِ جاوداں
جمع ہیں احباب اگر برسی منانے کے لئے
ورنہ وہ دل کون سا ہے جس میں تو شامل نہیں
کب ہے یہ نقشِ حسیں مٹنے مٹانے کے لئے

تلوک چند محروم

علامہ راشد الخیری

صنفِ نازک کا نہ دُنیا میں کوئی غمخوار تھا — ان غریبوں سے زمانہ برسرِ پیکار تھا
ذات ان کی موجبِ صد ذلت و تحقیر تھی — آہ ان کی بے اثر فریاد بے تاثیر تھی
گردشِ قسمت کے ہاتھوں جانہ ہستی تھا تنگ — ان کی پیدائش تھی اہلِ خانداں کو وجہ ننگ
ان غریبوں کا نہ دنیا میں ٹھکانہ تھا کہیں — لوگ زندہ ان کو کر دیتے تھے پیوندِ زمیں
دل شکستہ تھیں ازل کے روز سے مغموم تھیں — ترکۂ اجداد سے یہ مطلقاً محروم تھیں
اپنا رنج و غم زمانے کو سنا سکتی نہ تھیں — طعنِ دنیا سہ کے بھی لب تک ہلا سکتی نہ تھیں
ان غریبوں کا زمانے میں کہیں رُتبا نہ تھا — غیر تو پھر غیر ہیں اپنا کوئی اپنا نہ تھا
باپ بیٹی سے محبت بھی جتا سکتا نہ تھا — شرم کے مارے وہ سر اپنا اٹھا سکتا نہ تھا
صنفِ نازک مبتلائے رنج و غم تھی رات دن — ہر طرف سے بارشِ تیرِ ستم تھی رات دن
ظلم و استبداد قدرت سے نہ یہ دیکھا گیا — دفعتاً دریائے رحمت میں تلاطم آگیا
گلشنِ دنیا میں آئی پھر نئے سر سے بہار — کر دیا پیدا خدا نے بےکسوں کا غمگسار
جس نے آتے ہی جہاں میں رُوح تازہ پھونک دی — بیکسوں کی کی اعانت گمرہوں کی رہبری
فرقۂ نسواں کی خاطر اس قدر منظور تھی — دو ہی دن میں ہر مصیبت ان سے کوسوں دُور تھی
ذرّۂ ناچیز سے ماہِ منوّر کر دیا — ہر طرح سے اُن کو مردوں کے برابر کر دیا
سرپرستی مل گئی ایسی تو اترانے لگی — صف بہ صف مردوں کے عورت بھی نظر آنے لگی
مرد ایسی چیرہ دستی اب دکھا سکتے نہ تھے — صنفِ نازک کو ذرا سا بھی ستا سکتے نہ تھے
فرقۂ نسواں کی بالکل مٹ چکی تھی آبرو — رحمت اللعالمیں نے آکے رکھ لی آبرو
صنفِ نازک اس حقیقت کو بُھلا سکتی نہیں — بارِ احساں سے کبھی سر کو اٹھا سکتی نہیں

گردشِ دورِ جہاں پھر رنگ لائی دوسرا — جوشِ اصلی دل سے رفتہ رفتہ کم ہونے لگا
پھر وہ دن آیا کہ عورت رہنِ غم ہونے لگی — شارعِ اسلام کی تعلیم کم ہونے لگی
کجروی سے اپنی مردوں نے اُٹھائے وہ ستم — محو دل سے کر دئے احکامِ سنت یک قلم
ایسے خودسر بن گئے فرق آگیا ایمان میں — نکتہ چینی رات دن کرنے لگے قرآن میں
فرقۂ نسواں کے پھر ادبار کے دن آگئے — ہر طرف بادل غم و افکار کے پھر چھا گئے
سب سے بڑھ کر ہند والوں کی ہوئی مٹی خراب — صنفِ نازک ہوگئی پابندِ ظلمِ بے حساب
عورتوں پر مرد ظلمِ ناروا ڈھانے لگے — پا کے قوت اور بھی دن رات اترانے لگے

مٹ گیا آرام دل کا اور کلفت بڑھ چلی
فرقۂ نسواں کی جب حد سے مصیبت بڑھ چلی

اک فرشتہ رحمتِ باری نے پیدا کر دیا
راشد الخیری کو دنیا میں ہویدا کر دیا

جس نے ہر ذلت اٹھائی اسکی عزت کے لئے
جان اپنی وقف کر دی اسکی خدمت کے لئے

ساری دنیا ہو گئی دشمن مگر پروا نہ کی
ہو گئی اپنوں سے بھی اَن بَن مگر پروا نہ کی

فرقۂ نسواں کی عزت کو بڑھا کر دم لیا
اس کے حق کو سارے لوگوں سے منوا کر دم لیا

عورتوں کی آج جو عزت ہے ہندوستان میں
آرہی ہیں یہ نظر چاروں طرف اس شان میں

کوئی مانے یا نہ مانے ستو کی ہے یہ ایک بات
اس کا باعث ہے اکیلی راشد الخیری کی ذات

دعا ڈبائیوی

فروری کے عصمت میں

ہر سال خواتین ہند کے محسنِ اعظم کی یاد میں نظموں کے علاوہ نثر کے مضامین (ذاتی حالات اور تصانیف پر تبصرے) بھی شائع کئے جاتے ہیں لیکن اس دفعہ کاغذ کے قحط کی وجہ سے نثر کے مضامین روک کر صرف نظمیں شائع کی جا رہی ہیں۔ مضامین سال آئندہ شائع ہوں گے۔

رازق الخیری

محسن اعظم کی یاد میں

کہاں ڈھونڈیں تجھے اے فخر قوم اے راشد الخیری
تری رحلت سے اب تک اک تپک ہے دل کے چھالے میں

تری تحریر تھی آئینہ رودادِ مظلوماں
نمایاں دردِ قومی تھا ترے ہر ہر مقالے میں

تری سعی عمل نے کی وہ شمع رہبری روشن
نظر آتا ہے سیدھا راستہ جس کے اُجالے میں

پڑھایا یہ سبق اُن بیکسوں کو تیری شفقت نے
گذر جاتی تھی جن کی زندگی فریاد نالے میں

کہ دنیا کو کریں روشن مکاں کی قید میں رہکر
ضیا بخشِ جہاں ہے ماہ جیسے رہ کے ہالے میں

حمایت نے تری کی بر محل ایسی مسیحائی
سنبھالے جس طرح بیمار کو کوئی سنبھالے میں

دلائے وہ حقوقِ زندگانی غم نصیبوں کو
پڑے تھے ایک مدت سے جو اب تک ٹالے ٹالے میں

بلندی پر بٹھایا ان کو لا کر قعرِ پستی سے
کئے پیدا معانی "ہر زوالے را کمالے" میں

سہی اسمیں بھی کچھ سطحی نگاہوں کے لئے لیکن
جو تیرے دل میں تھا ویسا کہاں ہو داغ لالے میں

حیاتِ جاوداں ہے تیری تصنیفات کو حاصل
کتابِ زندگی کی روح ہے تیرے رسالے میں

یہ کہہ کر زمانہ تا قیامت تجھ کو روئے گا
"خدا بخشے ہزاروں خوبیاں تھیں مرنے والے میں"

اُم زہرا ہاشمی

علامہ راشد الخیری رح

عربک کالج ہال دہلی میں حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی تصویر کی نقاب کشائی کے موقع پر پنڈت برج موہن صاحب دتاتریہ کیفی دہلوی نے یہ تقریر فرمائی تھی۔

محترم صدر معزز خواتین اور حضرات!

آج میرے جذبات اجتماع ضدین کی قطعی مثال بنے ہوئے ہیں۔ میں بہت خوش ہوں کہ اس کالج کی انجمن علوم شرقیہ نے ضروری سمجھا کہ اس ہال کو علامہ راشد الخیری کی تصویر سے زینت دی جائے۔ یہ تو ہوئی میرے دل کی ایک کیفیت۔ دوسری کیفیت کچھ نہ پوچھئے۔

دل میں اک درد اٹھا منہ کو کلیجہ آیا　　　یہاں آکر ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

وہ زمانہ اسوقت آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے جب راشد اور میں شاہ جی کے چھتے کے مدرسے میں پڑھتے تھے پچھلی صدی کے ستروں کے اواخر کی بات ہے مولوی رحیم بخش صاحب جو بعد کو ریاست بہاولپور کے وزیر اعظم ہو کر اسوقت نواب اور سر کے خطابوں سے سرفراز ہیں ہمارے فارسی کے استاد تھے۔ ایک مقامی اخبار میں یہ سوال چھپا کہ جب چاند اور سورج کے درمیان زمین کا کرہ آجاتا ہے تو چاند آفتاب سے کسب نور نہیں کر سکتا لہٰذا کشش شمسی سے محروم ہو کر اسے نظام شمسی سے باہر ہو جانا چاہئے۔ یہ سوال واہیات معلوم ہوا۔ مرحوم نے اور میں نے اسی اخبار میں اس کا جواب دیا۔ مختصر یہ کہ دونوں طرف سے جواب الجواب ہو کر فریق مخالف نے جو نارمل سکول کے ایک مدرس طالب علموں کے پردے میں تھے زبانی مباحثہ کی دعوت دی۔ ہمارے مولوی صاحب نے یہ راز کھولا اور کہا کہ تم بحث میں گڑبڑ کر دینا پھر میں سنبھال لونگا۔ مرحوم کے لئے اور میرے لئے یہ موضوع خاص نہ تھا۔ ہماری فارسی کی تعلیم جماعت کے معیار سے بہت آگے تھی مگر یہ مباحثہ ٹیڑھی کھیر معلوم ہوا۔ بحث ہوئی لیکن راشد صاحب نے اسمیں حصہ نہ لیا پہلے ہی یہ کہکر انکار کر دیا کہ یہ ایک قسم کی سازش ہے اور مجھے سازش سے نفرت ہے۔ خواتین اور حضرات۔ یہی اصول ان کا آئندہ زندگی میں رہا جسکی شاہان کی نصف صدی سے زیادہ علمی زندگی اور قومی خدمت ہے۔ راستبازی اور خلوص ان کے لائحہ عمل کا ہراول رہے۔

ڈپٹی نذیر احمد نے بنات النعش اور مرأۃ العروس خواجہ حالی نے مجالس النساء مرتب کی مولوی سید احمد نے راحت زمانی کا افسانہ شائع کیا لیکن مرحوم نے قوم کی جنس لطیف کے سدھار اور ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کی اصلاح کو اپنی زندگی کا اول مقصد بنایا تھا۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ قوم کی اصلاح افراد کی اصلاح سے اور افراد کی اصلاح گھر کی اصلاح سے اور گھر کی اصلاح عورتوں کی اصلاح سے ہی ہو سکتی ہے اس اصول کو لیکر انہوں نے کام شروع کیا۔

آپ جانتے ہیں کہ جب کسی قوم کی معاشرت سیاسی یا کسی وجہ سے اپنی جگہ سے متزلزل ہو گئی ہو اور انقلاب کا عبوری دور شروع ہو گیا ہو وہ وقت قوموں کیلئے بہت نازک ہوا کرتا ہے معاشرت کی فضا غبار آلود ہوتی ہے نئے خیالات کے ہجوم سے ذہنوں کی فضا تاریک ہوتی ہے۔ ایک طرف خطرے کا اعلان ہوتا ہے۔ دوسری طرف خواب غفلت کے خراٹے سنائی دیتے ہیں یہ حالت تھی کہ علامہ مرحوم نے ایک صحیح الذہن مفکر اور دیدہ ور مصلح کی طرح میدان میں قدم رکھا۔

معقول ترمیم و تجدید کے وہ مخالف نہ تھے لیکن انکو یقین تھا کہ ہندوستان کی روایات اور کلچر مغربی معاشرت کے پیوند سے اپنی ذاتی صلاحیت کھو بیٹھیں گی وہ سمجھتے تھے کہ انقلاب کا فعل تخریبی ہوتا ہے اور اس کا فوری نتیجہ رد عمل وہ جانتے تھے کہ جمہور کو جوش دلا کر انقلاب آمادہ کرنا ہے ہی معاشرت کو بھی خاک میں ملا دینا ہے چنانچہ اول سے انہوں نے تعمیری کام کی بنیاد رکھی۔ عصمت بنات اور جوہر نسواں ہی کو لے لیجئے جو اسوقت بہت کامیابی اور افادیت کیساتھ چل رہے ہیں مگر وہ ابتدا میں ایسے نہ تھے۔ قومی معاملوں میں کامیابی سہل الحصول نہیں ہوا کرتی جو جو دقتیں ان کو پیش آئیں اور جن موانع اور مکروہات دنیا اور نیز حادثوں کا انہیں مقابلہ کرنا پڑا اُن سے واقف تھا جو ہمراہ ہونا انہیں کا دل گردہ تھا۔ خود وہ لوگ جن کے لئے وہ اپنا تن من دھن نثار کر رہے تھے انکے اس مستحسن کام کے مزاحم ہوئے الزام دیئے گئے کہ وہ قوم کو ایک صدی پیچھے لیجا رہے تھے۔ زمانہ کے نتائج نے دکھلا دیا کہ راشد الخیری کا اصول صحیح اور درست تھا۔ انہوں نے قوم کو رد عمل کی شامت سے بچانے کی کوشش کی اور اسمیں کامیاب ہوئے۔ ابھی ابھی جو میں یہاں آنے لگا تو ایک صاحب نے طنز سے کہا کہ ملک میں مسلمانوں کے علاوہ اور لوگ بھی تو بستے ہیں ان کے لئے راشد صاحب نے کیا کیا؟ اس کا جواب میں نے دیا آپ بھی سنیں اور بتائیں کہ ٹھیک تھا یا نہیں میں نے

کہا کہ ان کی کتابوں کی بہت بڑی اکثریت ایسی ہے کہ اگر ان کے مسلمان نام کی جگہ ہندو یا کوئی نام رکھ دیئے جائیں تو جو کچھ کتاب میں لکھا ہے وہ جزوی تبدیلی کے ساتھ اس جماعت پر بھی عاید ہوگا جو مسلمان نہیں۔ ان پیمبرانہ خوبی ہے کسی غیر مسلم جماعت کے خلاف انہوں نے کبھی قلم نہیں اُٹھایا۔

مرحوم ہمدردی کا اوتار تھے، وہ کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتے تھے وہ خود دکھی ہوجاتے تھے جب کسی کو تکلیف میں دیکھتے۔ ظاہر ہے کہ گردوپیش کے حالات ہی ایک ذکی الحس ذہن پر زیادہ اثر کرتے ہیں۔

ادب میں بھی علامہ مرحوم کی ذات سے بڑی اصلاح ہوئی میں نوجوان دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ ٹکسالی زبان سیکھنی ہو تو راشد الخیری کی کتابیں اور تحریریں پڑھو۔ اب زبان کا نام آگیا تو اتنا کہنے کی اجازت چاہوں گا کہ آجکل ہمارے بعض ہم وطن عربی فارسی الفاظ کے خلاف بہت شور مچاتے ہیں۔ اس موقع پر میں صرف یہی کہنا چاہتا ہوں کہ بعض مذہبی مراسم اور الفاظ سے قطع نظر کرلیں تو ہر ہندی جاننے والا راشد الخیری کی تصنیفوں سے اتنا ہی فائدہ اُٹھاسکتا ہے جتنا کوئی اور۔ ناول کا رواج اُردو میں تھا تو پہلے سے لیکن اُن کی پرواز یا تو محض داخلیت کے رنگ کی ہوتی یا خارجیت کے رنگ کی۔ علامہ مرحوم نے ناول کو خارجی داخلیت کے سانچے میں ڈھال کر فن میں اہم اصلاح کی جس کے لئے اُردو ادب ہمیشہ ممنون رہے گا۔

علامہ موصوف سے آخری ملاقات کا مجمل تذکرہ اور کرنا چاہتا ہوں اس سے پیشتر کہ آپ سے رخصت ہوں۔ وفتر اوپر کے کمروں میں تھا۔ میں بہت دنوں بعد ملا تھا جب ملاقات ختم ہوئی تو وہ میرے ساتھ اُٹھے باہر کے کمرے میں رازق میاں کچھ لکھ رہے تھے ان کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ زندگی کا بھروسا نہیں پکا پان ہوں تمہارے بھتیجوں کو میں نے اپنے کاموں میں رواں کرلیا ہے۔ اور جیسا کہ آپ سب دیکھتے ہیں رازق الخیری صاحب وصادق الخیری صاحب یہی نہیں کہ اپنے والد بزرگوار کی قومی خدمت کی روایات کو قائم رکھے ہوئے ہیں بلکہ ان کے کاموں کو خوش اسلوبی سے چلارہے ہیں۔

علامہ راشد الخیری کی یاد میں

اے رئیس الادبا اے ہمہ دانِ دہلی
اے حفاظت گرِ آثار و نشانِ دہلی

آج پھر یاد تری زخمِ دلِ محفل ہے
رو رہے ہیں تجھے پھر نوحہ گرانِ دہلی

تجھ سے زندہ ہوا اس دور میں "دہلی اسکول"
جان اُردو میں پڑی تجھ سے بجانِ دہلی

کارنامے ترے، ہیں زندہ جاوید ہنوز
نام سے تیرے ہے اب بھی وہی شانِ دہلی

معتبر تیری تصانیف سے ہے ہر تصنیف
مستند تیری زباں سے ہے زبانِ دہلی

اُن کے کاموں کی ہوئی تیرے ہی دم سے تکمیل
تجھ سے پہلے جو مٹے ناموَرانِ دہلی

تھی بقائے ہنر و شیوہ بیانی تجھ سے
تجھ سے تھی "لیلی اُردو" کی جوانی تجھ سے

ابھی ماحول تجھی سے ہے درخشاں تیرا
فیض دُنیائے ادب میں ہے نمایاں تیرا

نونہال اب ترے، مصروف چمن بندی ہیں
ان کے دم سے ہے بہاروں پہ گلستاں تیرا

اللہ اللہ ترا اعجازِ مسیحا نفسی
ہو ہر اک نطق میں اب نطق، گل افشاں تیرا

جذب سے خاطرِ ہستی میں ترا نقشِ جمیل
صفحۂ دہر سے مٹنا نہیں آساں تیرا

دی ہے عمرِ ابدی تیرے قلم نے اس کو
ادبِ مشرقِ اقصیٰ پہ ہے احسان تیرا

تو ہے باقی کہ تری یاد ابھی باقی ہے
اثرِ نغمۂ ایجاد ابھی باقی ہے

سیماب اکبر آبادی

اے راشدِ خیری ہے جزا تیری خدا پاس

چھاتا ہے کسی قوم پہ جب نکبت و افلاس　　رہتا نہیں کچھ پاس جز اندوہ و غم و یاس
کہنے کو تو جیتے ہیں مگر مُردوں سے بدتر　　ناموس کا عزت کا بھی رہتا نہیں کچھ پاس
کر دیتے ہیں خم آگے ہر اک کے سرِ طاعت　　مٹ جاتا ہے خاطر سے غلامی کا بھی احساس
کچھ خوف خدا کا نہ انہیں پنچ کی کچھ لاج　　مظلوم کی فریاد کو کہدیتے ہیں بکواس
عورات جو انسان کی ہیں مونس ازلی　　ہیں دل سے سمجھتے انہیں ناکارہ سی اجناس
بچوں کو سمجھتے ہیں کہ ہیں کیڑے مکوڑے　　ہے زن کا کچھ احساس نہ فرزند کا کچھ پاس
گذرا ہے قوم پہ بھی ایسا ہی اک دَور　　مسلم تو تھے در گور اور اسلام بہ قرطاس
انسانیت اُس وقت وہ سب بھولے ہوئے تھے　　تھی شرع، نہ قانون، نہ اخلاق کا احساس
تھے فرقۂ نسواں کے بھی حالات کچھ ایسے　　ذی فہم جنہیں دیکھ کے ملتے تھے کفِ یاس
تھے کفر و جہالت میں وہ ڈوبے ہوئے ایسے　　کچھ قول خداوند کا بھی ان کو نہ تھا پاس
بیدار پھر اُس وقت ہوئے قوم میں کچھ لوگ　　اک اک کو فرائض کا دلانے لگے احساس
اس قوم کو جو ورطۂ غفلت میں پڑی تھی　　چونکا دیا - آگاہ کیا - کر دیا حساس
علامہ راشد بھی انہیں لوگوں میں سے اک تھے　　تھا دل سے جنہیں قوم کی اصلاح کا احساس
مصلح بھی تھے، لیڈر بھی تھے اور اہلِ قلم بھی　　وہ اُس کا سہارا بنے جو صنف تھی بے آس
تھا ان کا قلم فرقۂ نسواں کے لئے وقف　　مُلک و ادب و قوم کی خدمت کا تھا احساس
آئندہ کی نسلیں انہیں کس طرح بھلائیں　　لَمْ یَشْکُرُ لِلّٰہ فَلَمْ یَشْکُرْ لِلنَّاس

اللہ تیرے کاموں کو مقبول بنائے
اے راشدِ خیری ہے جزا تیری خدا پاس

محمد ابوالحسن صدیقی بصیر بدایونی

علامہ راشد الخیری کی جنت

خلد آشیانی کی زبانی

بلینک ورس Blank Verse

موت کے پُرشور ہنگاموں سے دُور
ہم نے اک بستی بسائی ہے یہاں
اے ہمارے دوستو
جس کے دریاؤں نے دیکھی ہے نہ موجِ بے قرار
وادیوں میں جس کی بے پایاں خموشی کا سرور
کوہساروں پر ہوائیں پُرسکوں
آسماں ساکن زمیں ٹھہری ہوئی
جس کے سیارے ثوابت پُرسکوں
جس کے سورج چاند تاروں کو قیام
ظُلمتِ شب کی رفیق
جس کی نورانی سحر
تیرگی میں روشنی کی تابندگی
روشنی میں تیرگی کی عاجزی
پستیوں میں رفعتوں کا سا غرور
رفعتوں میں پستیوں کا انکسار
اور جنوب و مشرق و مغرب شمال
[illegible]
سرحدیں قائم نہیں جس میں مقام و وقت کی
ہے بہار جاوداں جس کی خزاں
اور خزاں جس کی بہار جاوداں
ایک طولانی خموشی ایک بے پایاں سرور
ہم نے اک بستی بسائی ہے یہاں
موت کے پُرشور ہنگاموں سے دُور

اور اس خاموش بستی کے مکیں
کلفتوں سے جو نہیں ہوتے حزیں
راحتوں سے بھی جو خوش ہوتے نہیں
جو کبھی ہنستے نہیں روتے نہیں
فرقِ جسم و رُوح میں جن کو محال
فرقِ مرگ و زیست میں جن کو محال
جن کی فطرت پر تغیر کا اثر ہوتا نہیں
زندگی کا جن پہ افسوں کارگر ہوتا نہیں
کچھ محبت اور نفرت میں نہیں جن کو تمیز
نیک و بد جن کو ہیں سب یکساں عزیز
کچھ نہیں جن کو تمیزِ حُسن و عشق
رُوح میں لرزش نہیں
جسم میں جنبش نہیں
اک سکونِ مستقل
اک ثباتِ لازوال
دوسروں کی کلفتوں سے بے خبر
دوسروں کی راحتوں سے بے نیاز
جو ستم ڈھاتے نہیں کمزور پر
جو ترس کھاتے نہیں کمزور پر
قوتوں میں انکساری کا ظہور
انکساری میں نہ قوت کا غرور
ہیچ جن کے واسطے درماندگی
ہیچ جن کے واسطے بیچارگی
کوئی حیرانی نہیں

کچھ پریشانی نہیں
ایک طولانی خموشی ایک بے پایاں سرور
موت کے پُرشور ہنگاموں سے دُور

آرزو - ذوق و ہوس - سود و زیاں - اُمید و بیم
حسرت و حرمان و یاس
جدّت کردار - فکر و ہوش - سودائے عمل
دشمنی - جبر و تشدّد - غصہ و رنج و ملال
مہربانی - شفقتیں صبر و تحمل - عاجزی
ولولے سرمستیاں - جوشِ نشاط
زندگی کی یہ سبھی کمزوریاں
کوئی بھی ہم تک گذر سکتی نہیں
کوئی بھی ہم تک پہنچ سکتی نہیں
مستقل آسودگی
غیر متناہی سکوں
ایک طولانی خموشی - ایک بے پایاں سرور
موت کے پُرشور ہنگاموں سے دُور

وید پرکاش شادبی اے

۳ فروری سنہ ۱۹۳۶ء کی صبح

جا رہا تھا ایک دن میں سیرِ گلشن کے لئے
مضمحل سا کر دیا تھا کچھ دلِ بیتاب نے
صبح کی دیوی نے مُنہ پر ڈال رکھا تھا نقاب
دیدنی تھا اُس کے جلوے کو - سحر کا اضطراب
میں طلوعِ صبح کے نظّارے میں مشغول تھا
پا رہا تھا شاہدِ معنی کو بھی جلوہ نما
اتنے میں آہٹ کسی کے قدموں کی میں نے سُنی
مڑ کے دیکھا - تو سیہ پوش اک حسینہ تھی کھڑی
بال تھے بکھرے ہوئے آنکھوں سے آنسو تھے رواں
مُردنی سی چہرے پر چھائی ہوئی تھی بے گماں
میں نے پوچھا - کون ہے اور کس طرف جاتی ہے تو؟
کس لئے آنکھوں سے پیہم اشک برساتی ہے تو؟
اُس نے مجکو غور سے دیکھا - تعجب سے کہا
مُلہمِ غیبی ہے تو اے شاعرِ رنگیں نوا؟
مجھ سے تو نا آشنا ہے؟ سُن میں اُردو ہوں مگر
جلد جانا ہے مجھے اک رنج کی سُن لے خبر
آج دلّی جا رہی ہوں کس لئے معلوم ہے
رویاں رویاں آج میرا کس لئے مغموم ہے؟
جانتا ہے میرا عاشق، میرا پیارا وہ جو تھی
راشد الخیری کہ میں جس کی کنیزوں میں رہی
مجھ سے رشتہ توڑ کر جانے کو ہے سوئے جناں
ایک محسن سے بچھڑنے والی ہے اُردو زباں
خیراب جانے دے مجکو دیر ہوتی ہے وقار
ہوگا اُس کو بھی سفر سے پہلے میرا انتظار
گو کہ دلّی دُور ہے لیکن میں آتی ہوں ابھی
ٹھہر جا اے موت مل لینے دے اُس سے مجکو بھی

وقار واثقی

تین رُوحیں

یہ سین عرش بریں کا ہے ۔ آسمان پر ہر طرف تاریک بادل چھا رہے ہیں۔ کبھی کبھی زور سے بجلی چمک کر آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیتی ہے۔ کبھی بادل گرجنے کی مہیب آواز دہشت زدہ کئے دیتی ہے۔ طوفان کے تند و تیز تھپیڑے فضا میں ایک خوفناک ہلچل پیدا کر رہے ہیں۔ تاریکی سے زیادہ بجلی کی خیرہ کن چمک اور رعد و برق سے گھن گرج برابر سنائی دے رہی ہے۔ معلوم نہیں انسان اور فرشتے ایک دوسرے پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ یا مہذب دنیا سے آگ یا بارود اور شعلہ افروز بم پھینکے جا رہے ہیں جو سقف نیلی رواق سے دہشت ناک آواز کے ساتھ ٹکرا کر پھر واپس جا گرتے ہیں۔

اتنے میں فرشتوں نے تسبیح اور تقدیس زور شور سے شروع کر دی۔ یکایک ایک تیز روشنی زمین کی جانب سے آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی یہاں آ کر ٹھہر گئی طوفان کا جھکڑ کچھ کم ہو گیا تو ایک نورانی پیکر فرشتہ نے ملاء اعلیٰ کے دربار میں ڈرتے اور کانپتے ہوئے عرض کیا۔ کہ آج دنیا سے ایک ایسی رُوح آ رہی ہے جسکی تسبیح اور تہلیل کے آگے فرشتے زانوئے ادب طے کرتے تھے دن رات اس نیک ہستی کو سوائے خالق کی عبادت کے اور کوئی کام نہ تھا۔ اسکی زندگی کا مقصد عبادت۔ صرف خدا کی عبادت تھا۔ سال میں ساڑھے گیارہ مہینے روزے رکھتا تھا۔ مسلمان پر صرف فریضۂ پنجگانہ لازمی کیا گیا تھا۔ مگر یہ شخص دن اور رات میں اتنی نمازیں پڑھتا تھا کہ حساب رکھنا دشوار تھا۔ گو اس کی بیوی اور ضعیف والدین کے قریب اولاد ضرور تھی مگر وہ کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا بس دن رات خلوت میں یا تو مصروف رہتا یا دنیا کے دوسرے نیک بندوں کو طریقۂ عبادت سکھاتا۔ یہ لوگ اُس کے مُرید کہلاتے تھے۔ وہ اس کے لئے دنیا کے گنہگار بندوں کو تلاش کر کے حاضر کرتے تاکہ مریدوں کا حلقہ وسیع تر ہوتا جائے اور انکی تائید سے اس برگزیدہ شاہ جی کی خانہ داری اور مریدوں کے اخراجات سرانجام پائیں لوگ لہو و لعب دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے حق پرستی شعار بنائیں۔ اس خدا پرست انسان کا کوئی لمحہ یاد الٰہی سے خالی نہیں گیا۔ یوسف جیسے سرمایہ پرست مادیت کے شیدائی کو اس نے ایسا شیشے میں اُتارا کہ وہ حکومت اور مجسٹریٹی کو بھول کر دنیاداری سے مُنہ موڑ کر اہلِ طریقت کی راہ روی کو صحیح راستہ تسلیم کر کے اُس کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔ مگر ملاء اعلیٰ سے فرمان صادر ہوا۔ وہ مجسٹریٹی کی کرسی پر زیادہ شاندار خدمات انجام دے سکتا تھا۔ اس لئے کہ انصاف اور حق بینی کا مادہ اسمیں ودیعت کیا گیا تھا۔ وہ حقوق تلفی، رشوت ستانی اور غیر منصفی سے نفرت کلی رکھتا تھا۔ لہذا اس قدر دُور اندیش وسیع النظر فردِ کا بیکار ہو جانا۔ گویا نعمتوں کی بے قدری اور فرض شناسی کے سراسر منافی عمل تھا۔ جو متوفی شاہ جی کے حلقۂ اثر سے ظہور میں آیا یہ کوئی ممدوح فعل نہیں۔"

فرشتہ نے حیرت اور افسردگی سے کانپ کر کہا کہ اے رب العالمین اسکا عمل بالکل قرآن مجید کے احکام اور اسوۂ حسنہ نبوی کے مطابق رہا تھا ۔ پھر"۔۔۔

"اگر قرآن کریم سے ہمارے بندے یہ عمل سیکھیں کہ دنیا کے تمام کاروبار چھوڑ کر پانچ مفروضات کو پس پشت ڈال کر صرف ایک حکم کو ماننے میں اپنی انسانیت کو صرف کر دیں۔ اپنے فلاح و بہبود کو نہ سوچیں اور نص قرآنی سے غلط تاویل حاصل کریں۔ تو پھر دنیا پر حکومت اور فوقیت کا حق کسی طرح بھی انہیں حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو پھر انسان اور ساواتی کیڑوں میں کونسی تفریق رہ گئی۔ عبادت کیلئے کیا فرشتوں کی کمی تھی انسانی تخلیق کا مقصد ہی یہ تھا کہ زمین پر وہ خلیفۂ مخلوق بنکر دنیا کے کام سنوارے اُس کو دنیا میں بھیجنے کی غرض و غایت ہی یہ تھی کہ انسانوں کی جنگجوئی قتل و غارتگری کو روکے غریبوں بیکسوں اور مجبوروں پر رحم کھا کر ان کو حتی الامکان مصائب سے نجات دلائے کیونکہ غریبوں کی آہ فلک پر رحم کی طلب گار بنکر آتی ہے۔ اور اس عقدہ کو حل کرنے کے لئے ہم نے انسان کو اشرف المخلوقات اس لئے منتخب کیا تھا کہ وہ اپنی فراست عقل و ادراک سے دنیا کے ہنگاموں کو فرو کرے۔ اور اس عظیم الشان کارخانۂ حیات میں انسانوں کی محبت قوموں کی برتری۔ فاتحین کے کارنامے انجام دیتا ہوا۔ ہماری اصولی تائید کرے۔ فرشتو جاؤ اس خود غرض انسان کی مرے ہاں کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اس نے صرف اپنے نفس کو آوارگیوں سے بچانیکی کوشش کی میرے بدقسمت درماندہ اور غریق ظلمت بندوں کو بھنور سے نکالنے کی کوئی جد و جہد نہ کی مذہبی واقفیت اس کو حاصل تھی۔ مگر اس نے کسی کو فیض نہیں پہونچایا۔

پھر عالم افلاک میں غل ہوا۔ ستاروں کی دنیا میں جنگ و جدال کی محشر خیز آوازیں چھا گئیں۔ فرشتوں کی حمد و تسبیح کی سُریلی اور دلکش آوازوں میں تلواروں کی جھنکاروں اور توپوں کی گرج غالب آنے لگی۔ نغموں کا سحر اور طلسم ٹوٹ گیا۔ ساکنانِ عرش دہشت زدہ ہو کر کانپنے لگے سراسیمگی ان پر چھا رہی تھی کہ انسان بھول کر سارے وعدوں کو بھلا دیتا ہے۔ چوبدار فرشتے نے اُسی وقت ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ احکم الحاکمین دنیا سے ایک اور نئی رُوح اسوقت لائی جا رہی ہے جس کو دنیا میں عزت شہرت اور فوقیت حاصل تھی۔ لوگ اسکی سیادت کو بدل و جان تسلیم کرتے تھے۔ اسکی حیات۔

موت کھانا پینا اور ہر ایک عمل قوم - ہاں صرف قوم اور قوم کی بہبودی میں مضمر تھا - اُس نے ملک اور قوم کیواسطے کیا کچھ قربانیاں نہیں کیں - لوگ اس کے کارناموں پر فخر و مسرت کے نغمات گاتے تھے تحسین و آفرین کے فلک شگاف نعرے بلند کرتے تھے اور جہاں یہ ہدایت کیلئے جاتا اسکی راہ میں آنکھیں بچھاتے تھے - یہ قوم کا وہ ہر دلعزیز لیڈر ہے کہ جسکی وفات پر دنیا والے مدتوں آنسو بہائیں گے - اس کے ایک ایک وصف کو یاد کریں گے لیکن اس کا ثانی نہیں ملیگا - اسکی موت نے گویا ایک شاداب پھول کو شاخ حیات سے توڑ لیا - اس کے کارنامۂ حیات کو ابدیت کا جامہ پہنانے کیلئے درماندگان قوم بےچین ہیں - کیونکہ ملک اور وطن کا یہ سچا فرزند تھا جس کو بادِ صرصر کے ایک جھونکے نے فنا کر دیا اسکے وہ شاندار کارنامے بیان کرو" خطاب ہوا -

فرشتوں نے عرض کیا کہ اس نے قوم میں ترقی اور زندگی کی رُوح پھونکنے کے لئے ان کو آزادی اور مساوات کا سبق سکھانے کیلئے اپنی پوری طاقت - ساری دولت - استعداد و قابلیت صرف کر دی - لوگ اس کے ادنےٰ اشارے پر سر کٹانے کو تیار ہو جاتے تھے - اگرچہ اعداء و مخالفین نے اس کو بڑی بڑی اذیتیں پہونچائیں - حکام وقت سے ساز باز کر کے اسے محبوس کرا دیا اور حتی الامکان اس کو زک دینے پر تلے رہے - مگر یہ حق اور آزادی کی خاطر سینہ سپر ہو کر لڑا - قید سخت کی اذیتیں اُٹھائیں - اپنی جائداد اور تمام دولت قوم کے مفاد میں لٹا دی - اپنا عالیشان محل جمیں وہ ہمیشہ مکین رہا ہے - قوم کے نام پر وقف کر کے اس کو قومی جلسوں اور اداروں کے اغراض سے منسوب کر کے خود ایک گمنام محلے میں رہائش اختیار کی اپنوں کی محبت اور پاسداری کی اس نے قوم کی محبت مفاد و برتری کے حصول پر ترجیح دی - اس نے ملک کی خاطر بیشمار قربانیاں کیں - اس لئے کہ اس میں وطنیت کا جذبہ فطری تھا پھر اس کو صیقل دے کر اس نے اور بھی تیز کیا - وہ یورپ میں جاکر بھی ہندوستانی مفاد کا ساعی رہا - اُس نے ہندو مسلم اتحاد پر اپنا زور قلم ختم کیا - بلکہ پلیٹ فارم پر کئی ایسی مفید مطلب اور بلیغ تقریریں کیں کہ مجمع اس کے تاثرات سے مسحور ہو گیا - دیش سیوک اور ہمدرد قوم کے نعرے لگائے گئے تھے - مظلوم اور غریب مزدوروں اور کسانوں کے لئے اس نے یونین قائم کرائیں سرمایہ دار اور مزدور دنیا کو گروہوں کی تقسیم بتائی - انہیں ناانصافی اور مظالم کا شکار ہونے سے بچایا - یہ شخص بیشک بہت ہی اعلیٰ مقام کے لائق ہے - خطاب ہوا " مگر یہ ساری حقیقت اس امر کا انکشاف کر رہی ہے کہ اس نے جو کچھ بھی کیا وہ نام و نمود کی خاطر - اس نے جس قدر بھی قومی اور مُلکی خدمت کی اسمیں اُسے اپنی قیادت کی شان کا اظہار منظور تھا - اُس نے غریبوں کی تائید میں جو کچھ بھی دنیا میں کیا ہے وہ اپنا نام اُچھالنے کی خاطر - قومی اداروں میں کثیر رقوم - اور جنگی قرضوں میں ایک معتد بہ سرمایہ پیش کر کے اُس نے خطابات سرکاری حاصل کئے -

لیکن اس کا بُرا نتیجہ عوام اور غریب مزدوروں پر یہ ہوا کہ اسکی تقریروں سے متاثر ہو کر وہ اپنی ترقیوں کی جد و جہد کی طرف سے بے پروا ہو گئے - سرمایہ داروں کے مظالم کو بھلا دینا چاہا - اور اس کے کہنے پر قومی اور سیاسی جنگوں میں حصہ لیکر اپنی دال روٹی کا سہارا بھی مالکوں سے چھوڑ دیا - وہ لوگ خود اور ان کے ننھے ننھے معصوم بچے اور غریب بیبیاں بے روزگاری کی وجہ سے دانے دانے کو محتاج ہو گئے - اسلئے انہوں نے اس قومی لیڈر کی حمایت میں آکر سامراجی ذہنیت اور سامراجی طبقہ کی بے طرح مذمت اور ہجو گوئی کی - غرضکہ اس کی قیادت میں سرکشی بغاوت اور سیاسی منافقات کا زور بے طرح بڑھ گیا اور مزدوروں کی بھوک فلاکت اور محتاجی دُور ہونے کے بجائے اور بھی بڑھ گئی - ان لوگوں کو برطرف کر دیا گیا تھا اور اسکی سعی مشکور نہ ہوئی - اور یہ شہرت اور خود نمائی کا خواہاں لیڈر کبھی بھی بہشت بریں میں داخل ہونے کے قابل نہیں "۔

ہر چہار طرف آمد سحر کی ہلکی ہلکی نورانی روشنیاں پھیلنے لگیں - چاندنی رات کی ضو فشانیاں نور سحر میں تبدیل ہو رہی تھیں سپہر نیلی رواق کے شفاف پردوں میں جواہرات ٹکے ہوئے ستاروں کے علاوہ کہسار کی گھٹائیں - برفستانی نظارے اور صحراؤں کا ساکت سماں سب کچھ منعکس ہو کر نظر آرہا تھا ایسے میں نہایت دلفریب فردوسی سُروں میں ساز موسیقی کی لہریں فضائے بسیط میں دُور دُور تک پھیلنے لگیں - عالم افلاک میں غُل ہونے لگا کہ لیجئے اب وہ محبوب رُوح آرہی ہوگی - شاید اس کی قسمت میں باریابی اور فردوس مکانی ہونا لکھا ہوگا - ہاں محبت - ہمدردی . . . اور غریب نوازی کے آثار اس کے قدموں سے ہویدا ہیں فرشتوں نے نہایت دلگیر آواز میں بیڑہ وہ سُنایا کہ "ربّ العزت یہ غریب اور بندہ پرور انسان کی رُوح ہے کیا اس کو باریابی کا شرف حاصل ہو سکتا ہے ؟" خطاب ہوا " بیشک بیشک ہمارے لئے شاہ و گدا ایک ہیں - ہمارے لئے شخصیت سے بڑھ کر کردار ہے لاؤ اور فوراً اس کے کارنامے بیان کرو " - فرشتوں نے عرض کیا کہ " یہ ایک غیر معروف انسان تھا - دنیا میں اس نے کوئی بہت بڑا کام نہیں کیا ہاں سوائے اس کے کہ یہ شاعر تھا اور ادیب شاعری بھی کیسی ؟ منشور حقیقت کی آئینہ دار فضول تشبیہوں اور استعاروں سے مبرا البتہ اس کے قلم سو غم کی

آندھیاں اُٹھنے لگتیں۔ آنکھیں خون کے آنسوؤں کا لبریز کٹورا بن جاتیں جس وقت اس کے دردانگیز اور حقیقی مصائب و آلام کے رقت خیز فسانے پڑھے جاتے ایک ایک لفظ دل میں تیر و نشتر بنکر اُترتا۔ دراصل یہ انقلابی ادیب تہا۔ اُس نے گھر بیٹھے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور قوم کی سب سے درماندہ ہستی سب سے ذلیل فرد اور سب سے بڑھکر بیکس اور مجبور گروہ کی حمایت کو اپنا کارنامہ قرار دیا۔ اور چوتھائی صدی سے کچھ زیادہ عرصے کے اندر اس نے اپنے مشن کی تکمیل کرلی۔ یہ وہ حقائق ہیں جو اس کے اعمالنامے میں صاف دکھائی دے رہے ہیں اسکی بلندپایہ اور اثر آفریں تصانیف شرک بدعت حسد دروغ گوئی فساد انگیزی جہالت اور ہر اقسام کے مظالم کو مٹانے میں کامیاب ہوئیں۔ اس کے مطالعہ سے لوگوں کے دل اور رُوح میں پاکیزگی کا عنصر غالب ہوجاتا۔ فسانے کیا ہوتے ایک مشاق چابکدست مصور کی تصویریں ہوتیں جن کو تصور اور رعنائی خیال کی روشنائی سے وہ اُجاگر کرتا ان کے خدوخال گفتار اور کردار کو وہ کچھ ایسی خوبی سے اُبھارتا کہ وہ بالکل جیتی جاگتی مخلوق نظر آتیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ پڑھنے والے اس خیالی مخلوق کی اعلیٰ سیرتوں سے متاثر ہوکر اس ماحول پر ایسا فریفتہ ہوجاتے کہ ہمیشہ کے لئے اپنی قبیح عادتوں کو ترک کرکے اسی عالم میں چین سے زندگی بسر کرنے کی آرزو کرنے لگتے۔

وہ عورتوں کا حامی تہا۔ تنگ نظر متعصب مرد اسکی نسبت نکتہ چینی کرتے کہ وہ دیوانہ تھا۔ ہوگا دیوانہ ہی صحیح۔ مگر ماہرین نفسیات کا یقین ہے کہ آتش نفس شاعر خیالی مناظر و واقعات پیش کرکے انمیں جان ڈالدیتے ہیں۔ شہرت آفریں مصلح فطرت قادر انداز ایکٹر بنکر مصنوعی سین میں حقیقت کا رنگ بھر سکتے ہیں۔ لہذا ایسے شاعروں ادیبوں اور مصلحوں پر ایک قسم کی دیوانگی سی طاری رہتی ہے۔ اور جبتک ان کی آرزوئیں تشنہ تکمیل رہتی ہیں انمیں ہر دم ایک جوش اور ولولہ پیدا ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ مقصد کی تکمیل نے اس کو موت سے پیشتر ہی راحت بخشدی تھی۔ وہ ہندوستانیوں کی شکست خوردہ خمیر کو بیدار کرنے میں کامیاب ہوا۔ باپ سے بیٹی کے حقوق طلب کئے شوہر سے بیویوں کے اور بھائیوں سے بہنوں کے اور سچے اسلامی مسلک پران سے پیش آنے کیلئے بانی اسلام کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے عورتوں کو مساوات عطا کرنے کا سبق قصے کہانیوں میں پڑھایا۔ رسوم جو شرک و بدعت کی مرادف ہوا کرتی تھیں مثلاً بیاہ بارات کے موقع پر کسی پیر کی درگاہ کو سجدہ سلام کرنا۔ بیماری اور مصیبت میں پیروں ولیوں اور شہیدوں کی منتیں ماننی۔ ان کی قبروں کو سجدہ کرنا۔ دھوم دھام سے چادر چڑھانا۔ آپس میں ایکدوسرے کو آرام پُرمسرت زندگی بسر کرتے دیکھکر جلنا اور ان کی تخریب کی کوششوں حسد دروغگوئی اور چغلخوری سے فساد اُٹھاکر دوسروں کی بربادی سے محظوظ ہونا۔ یہ عورتوں کا خاص شیوہ تھا۔ اس کی اصلاح کے لئے ہاں اس بدنما دھبے کو مسلمان خواتین کے مصفا جبینوں سے مٹانے کے لئے اُس نے نئے نئے پیرایہ میں عبرت انگیز داستانیں لکھیں اور اس کے ہولناک نتیجوں میں تلایا کہ یہ کس قدر رکیک حرکتیں ہیں۔

ساس بہوؤں کی مخالفت اس کی نگاہوں میں خار بنکر کھٹکی۔ سوتیلی اولاد کی حق تلفی اور ناروا مظالم اس کے دل میں نشتر بن کر چبھے۔ اور بجلی کی طرح جسم سے پار ہوکر اس کی قمیص کو داغدار کرگئے چنانچہ ان بدنما دھبوں کو مٹانے کا اُس نے اپنے زور قلم سے تہیہ کرلیا۔ جو رفتہ رفتہ رواج پذیر ہونے لگا۔ اس کے نکتہ رس دماغ سے جو کچھ بھی نکلا وہ مقصد کے لحاظ سے صحیح اور ممکن العمل تھا۔ ابتدا میں اس بلند پایہ اثر آفریں ادب کی بہت کچھ مخالفت ہوئی ظالم اس انقلابی تحریکوں سے تلملا گئے۔ کیونکہ اس کی جدید تعلیم نے عورتوں میں رُوح کی بیداری پیدا کردی تھی۔ کسی نے اُسے ریاکار کسی نے عورتوں کو گمراہ کرنے والا قرار دیا۔ مگر مکمل دماغ سے آگے یہ کوششیں رائیگاں نہ گئیں۔ عورتوں کے احساسات جذبات اور خیالات میں مدوجزر شروع ہوگیا تھا۔ اُنہوں نے انتہائی عقیدت سے اس کو اپنا حقیقی خیرخواہ اور مصلح مان لیا۔ اور اس کے کہنے پر عمل پیرا ہونے لگیں اس کے فسانوں کی دُنیا معرفتوں پند اور نصیحتوں سے معمور تھیں۔ اور ایسی خوبیوں سے بتلائی گئی تھیں کہ جن کو خشک حقائق زندگی سے ہمیشہ واسطہ رہتا تھا۔ ایسے بدرجہا خوشگوار دلکش اور روح پرور اس نامور ادیب نے اپنی تخیلی دنیا میں لفظی مرقعوں سے لوگوں کو سمجھایا کہ عبادت نام ہے دنیا میں بیکسوں اور مجبوروں پر رحم اور ان کی تائید کا۔ عبادت نام ہے کسی کے درد اور کرب سے متاثر ہوکر اس کے مصائب کو آسان کرنے کا۔ عبادت کا فیض صرف دلق سجادہ اور تسبیح لیکر تارک الدنیا ہوجانے سے مقصود نہیں۔ بلکہ اپنی خدمت ریاضت اور عمل سے لوگوں کو فائدے پہنچانے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اور سچی عبادت وہی ہے کہ خالق کے نیک بندوں کی پیروی میں اس کے مصیبت زدہ مخلوق کی مدد کی جائے۔ خواہ وہ انسانی خلقت اور روپ میں ہو۔ خواہ بے زبان جانور۔ اگرچہ بعض فلسفی اور سائنٹیفک عالموں کی نگاہوں میں اس کی

تصانیف کی کوئی خاص وقعت نہ تھی۔ مگر معاشرتی اصلاح کے لئے یہ تازیانہ تھیں اور درسِ عبرت یہ شخص اپنی تصانیف میں خود جلوہ فرما تھا۔ اپنی جمالیاتی اہمیت کے لحاظ سے یہ فسانے بہت بلند و بالا معیار کے ہوتے تھے۔ کیونکہ مستقبل کی اصلاح اس میں مقصود تھی"۔

فرشتوں کے اس طویل بیان سے رحمتِ ایزدی موجزن ہونے لگی پھر خطاب ہوا کہ "اس شخص کے اوصاف تو بہت بیان کئے۔ اب کوئی سین اس کے عملِ خیر کا پیش کرو تاکہ اس سے اندازہ ہو جائے کہ واقعی اس کا عمل مصیبت زدہ لوگوں کی تائید میں معمول تھا"۔ چشم زدن میں ایک عالیشان محل پیشِ نظر تھا۔ اس کے مکیں سب ہی خوشحال خوش پوش اور خوش باش تھے۔ مکان قیمتی سامان و آرائش سے مزین تھا۔ ملازمین اچھے لباس میں تھے۔ لیکن اس میں ایک لڑکی میلے کچیلے لباس میں خانہ داری کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ مگر نہ معلوم اس لڑکی پر کیا ایسی بپتا پڑی تھی جو بُرے حالوں میلے کچیلے بال۔ دھنسے ہوئے گال نحیف و کمزور۔ جوانی حُسن اور معصومیت کی آرزوں سے محروم ایسی مصیبت زدہ نظر آرہی تھی در اصل یہ اس مکان کے دولت مند مالک کی بہو تھی۔ اس کے نالائق شوہر اور سُسرال والوں نے اُسے ستا ستا کر اس درجے کو پہنچا دیا تھا۔ کس لئے؟ اس لئے کہ اس کا باپ بیحد متمول زمیندار تھا۔ دولت کے لالچ میں آکر ان لوگوں نے بیٹے کا بیاہ کیا تھا۔ اور دولت مند ناعاقبت اندیش رئیس نے دھوم دہام کا قیمتی جہیز بیٹی کو دیکر گویا اس کا حق ادا کر دیا تھا اور وہ آئندہ ورثہ سے محروم کر دی گئی تھی۔ جس کی پاداش میں سُسرال والوں نے اُس کی یہ دُرگت بنا رکھی تھی۔ کئی کئی دن فاقے سے کٹ جاتے مگر وہ زبان سے اُف نہیں کرتی۔ سارے خاندان کی خدمت کرتی مگر سانس تک نہ لیتی اور نہ کبھی اس کی حسین شفاف پیشانی پر کسی نے بَل دیکھا۔ بیداد گر شوہر اور سُسرال والوں نے اس پر بھی اکتفا نہیں کیا۔ اس پر ایک سوکن بیاہ لائے۔ اور اُسے مزید اذیت دینے لگے۔ آخر کار جب یہ مصیبت حد سے گذرنے لگی۔ تو اس شخص سے جو اس دردمند پڑوسی سے جو روزانہ زدو کوب اور گالیوں کی آوازوں سے آشنا تھا۔ برداشت نہ ہوسکا اور اُس نے گھروالوں سے التجا کی کہ اس لڑکی کو میری تربیت گاہ میں بھیج دو۔ جہاں بشیار ایسی مصیبت زدہ مظلوموں کو پناہ میں رکھکر وہ تعلیم و تربیت بزرِ کثیر صرف کر کے دلوا رہا تھا۔ مگر ان کی فریب خوردہ خمیر بھلا اس کی نیکیوں پر کان دہر سکتی تھی۔ اُنہوں نے اس درخواست کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اس کے شاید دو ہفتہ بعد ایک مشنری عورت سبزی والیوں کے بھیس میں یہاں آنے لگی۔ اور بڑی عیاری سے اس معصوم مصیبت زدہ لڑکی کو اس زندہ قبر سے نکال کر لے جانے کا اس وعدے پر تہیہ کیا کہ وہ یہاں سے نکلتے ہی مذہب بدل لیگی۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ اس نے اس عذاب سے رہائی کی یہ شرط منظور کر لی۔ اور ایک رات جبکہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ وہ خفیہ طور پر آکر اُسے بھگا لے گئی۔ اس کی شہرت دوسرے دن سارے شہر میں ہو گئی۔ اس وقت اس نیک دل انسان نے کئی ہزار روپے اپنی جائداد کو رہن رکھ کر اُس کے مقدمے کی پیروی میں صرف اللہ کے واسطے صرف کر دیئے اور بڑی سعی اور کاوشوں سے اس کو نکال لایا۔ مظالم کی پاداش میں I.C.P.S.C کے ذریعہ اس کے درندہ صفت شوہر اور سُسرال والوں کو بھی اس نے ماخوذ کیا۔ یہ بے لوث خدمت صرف اُس نے اس کی مصیبت پر ترس کھا کر کی تھی۔ جس سے بڑھکر درسِ عبرت حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ انسانی ہمدردی اور مجبوروں کی فریاد رسی کا اس سے بڑھ کر اور کیا حق ادا ہو سکتا تھا۔ فرشتوں میں واہ وا سبحان اللہ اور صلِ علیٰ کا غُل ہوا۔ ربُ العزت نے خوش ہو کر یہ فرمان صادر کیا "ہاں! بے شک! اس رُوح کو نہایت شان و شوکت اور عزت کے ساتھ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر پہنچا دو۔ یہ فردوس مکانی ہے"۔

جمیلہ بیگم۔ کلکتہ

ہماری لڑکیوں کی تعلیم

الم غلّم تو ہر شخص بک سکتا ہے کہ عورتوں کی تعلیم ایسی ہونی چاہیئے اور ویسی ہونی چاہیئے۔ سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ بنیادی اصولوں کی تلاش کی جاوے۔

کہتے ہیں کہ شیر نے جو درندوں کا بادشاہ ہے اپنے لڑکے کو اعلیٰ ترین تعلیم دلوانی چاہی۔ درندوں کی مجلسِ شوریٰ جمع کی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے دی آخر طے یہ ہوا کہ درندوں کے بادشاہ کے بیٹے کی تعلیم کسی بادشاہ ہی کے سپرد کی جائے اور اس کے لئے پرندوں کا بادشاہ عقاب نہایت ہی موزوں اور مناسب ہے۔ چنانچہ شیر کا لڑکا عقاب کے پاس بھیج دیا گیا۔ دو سال کے بعد پوری تعلیم حاصل کرکے واپس آیا۔ شیر بہت خوش ہوا۔ اس خوشی میں تمام درندوں کی دعوت کی۔ سب طرف سے مبارک باد کی صدائیں تھیں۔ کھانے کے بعد لومڑی جو پہلے ہی سے اس کے خلاف تھی کہ شیر کا بچہ عقاب کے پاس تعلیم کے لئے جائے بولی کہ حضور ہم سب کی خواہش ہے کہ ولی عہد کی زبانی سنیں تو کہ وہ کیا سیکھ کر آتے ہیں اور ملک میں ان کا کون کون سی اصلاحیں کرنے کا ارادہ ہے۔ سب نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ آخر ولی عہد صاحب کھڑے ہوئے اور اس طرح تقریر شروع کی: "اللہ کا شکر ہے کہ آپ لوگوں کے مشورے سے مجکو پرندوں کے بادشاہ عقاب کے پاس تعلیم کو بھیجا گیا۔ انہوں نے مجکو بہت سی باتیں سکھائی ہیں۔ اول تو مجکو یہ بہت ناپسند ہے کہ ہم لوگ زمین میں کھوئیں کھود کر دبے چھپے رہا کریں میں جو پہلی اصلاح کروں گا وہ یہی ہوگی کہ کھوؤں کا رہنا ترک کیا جائے اور اس کے بجائے اونچے درختوں پر اور اونچے پہاڑوں کی چٹانوں پر گھونسلے بنائے جائیں اور گھونسلوں میں رہا جائے۔" ابھی اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ درندوں نے کہا کہ اگر آپ یہی سیکھ کر آئے ہیں تو اس عقل اور دانش پر ہم کو رونا چاہیئے۔ خوشی کی محفل ایک ماتم کی مجلس بن گئی۔ شیر بہت پشیمان ہوا۔

تعلیم دینے میں ہم کو سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ ہماری اصل کیا ہے اور ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے۔ ہم کہاں سے آئے ہیں اور ہم کہاں جا رہے ہیں۔ جو ہماری زندگی کا مقصد ہے اور جہاں ہم کو جانا ہے۔ ہم کو اسی کے لئے اپنے آپکو یعنی اپنی اولاد کو تیار کرنا چاہیئے ورنہ کھانے پینے میں تو گھوڑا گدھا اور آدمی سب برابر ہیں۔

بغیر ان بنیادی باتوں کے جانے ہم اپنا تعلیمی پروگرام مقرر نہیں کر سکتے اور اگر کریں گے تو یہی حال ہوگا جو شیر کے بچے کا ہوا۔

اگر ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اگر ہم مسلمان ہیں اور ہم کو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو اسکے رسولؐ پر نازل ہوئی حقیقۃً میں ایمان ہے تو اس بنیادی اصول کا معلوم کر لینا ہمارے لئے کچھ مشکل بات نہیں۔ قرآن پاک میں ایک بہت بڑی خبر ہے۔ نبی کا کام اللہ کی طرف سے نبا سنانا ہے اور جس نبا (یعنی خبر) کو اللہ تعالےٰ خود عظیم کہے اس سے بڑی خبر اور کون سی ہو سکتی ہے۔ میں نے پچھلے مضمون میں جس کا عنوان ہے "آدم کی پیدائش کی کہانی قرآن پاک کی زبانی" اس بنا کا پورا حال لکھا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے آدمی کو اس لئے پیدا کیا کہ اس کو اپنا خلیفہ زمین پر بنائے اسی وجہ سے اس کو علم دیا اور فرشتوں پر

اس کو فضیلت بخشی۔ عبادت اور تسبیح اور تقدیس میں فرشتے سب سے اول تھے ان کا وہی کام تھا۔ اللہ تعالےٰ نے آدمی سے خلافت کا عہد لیا اور آدمی نے اطاعت اور تابعداری کا وعدہ کیا کہ وہ زمین پر اللہ تعالےٰ کا خلیفہ ہوگا اور اس کی حکومت قائم کرے گا۔

ہر ملک میں اور ہر قوم میں اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی بھیجے۔ سب نبی یہی خبر لیکر آئے۔ بعض نبیوں کے نام قرآن شریف میں درج ہیں۔ یہودیوں نے عہد توڑ دیا اللہ تعالےٰ نے قیامت کے دن تک کیلئے لعنت کر دی اور ان کے لئے ذلت اور خواری لکھ دی۔ عیسائیوں نے عہد توڑا تو ان میں آپس میں قیامت تک کے لئے بغض وکینہ بھر دیا۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ پھر نبی آخرالزماں کے ذریعہ سے یہ خلافت کا کام ہمارے سپرد کر دیا جس کو ہم نے کچھ عرصہ کیا بھی مگر بھول بیٹھے۔ مگر ہماری کتاب جوں کی توں موجود ہے ہم بھولی ہوئی خبر کو پھر پا سکتے ہیں۔

پس معلوم ہوا ہم کو تحقیق کے ساتھ کہ ہمارا کام اللہ کی خلافت اللہ کی حکومت اس زمین پر قائم کرنا ہو۔ یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ اللہ کی حکومت ہماری اپنی حکومت نہیں۔ اس کے معنی اصل میں یہ ہیں کہ ایسے لوگوں کی حکومت جو بالکل اللہ کے لوگ ہوں۔ جنہوں نے اپنا سر اللہ کے حکم کے آگے جھکا دیا ہو۔ جن کا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا روزہ نماز مرنا جینا سب اللہ ہی کے لئے ہو جس کے کاموں میں خودغرضی کا نام نہ ہو جب وہ اللہ کا کلام سنیں تو ان کے دل دُھل جائیں۔ ایسے لوگوں کی حکومت اللہ کی حکومت ہے کیونکہ یہ لوگ اللہ ہی کے ہیں اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

پس ہماری تعلیم ایسی ہی ہونی چاہیئے جو ہم کو ایسا بنا دے یعنی ہم کو اللہ کا بنا دے۔ ہم میں سے خودغرضی دُور کر دے تاکہ ہمارے سب کام اللہ ہی کے لئے ہوں۔ اللہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ وہ یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کی حکومت زمین پر قائم کریں۔ اور اسی کی حکومت میں پورا پورا انصاف ہو سکتا ہے۔ حکومت کا اساس انصاف اور امن وامان پر ہے۔ اسی لئے اللہ کی حکومت کا دوسرا نام دارالسلام ہے یعنی جہاں امن وامان ہو۔

وہ لوگ جو اللہ کی حکومت کے چلانے والے ہوں گے ان کی علاوہ حکومت کے کاموں کے جاننے کے سب سے بڑی صفت "امانت" ہے۔ ہر نبی اسی لئے "امین" ہوا ہے۔ امین وہ جس پر ہم پورا بھروسہ کر سکیں۔ بھلا جس پر ہم بھروسہ نہ کر سکیں وہ ہمارا سردار کیسے ہو سکتا ہے۔ نہ معلوم ہم کو کہاں سے کہاں لے جائے۔ جانا چاہتے ہیں ہم اللہ کی طرف اور لیجاوے وہ ہم کو شیطان کی طرف۔

ابتدائی اساسی بنیادی تعلیم وتربیت کا کام اللہ تعالےٰ نے ماں کے سپرد کیا ہے۔ ماں ہی بچے میں امانت، صداقت، اطاعت، خدمت جیسی صفات پیدا کر سکتی ہے۔ اللہ اللہ عورت کو کتنا بڑا درجہ دیا گیا ہے۔ اسی لئے تو ہمارے نبی ؐ نے کہا ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ ماں کی طرف سے سچی تعلیم وتربیت ملے تو جنت مل سکتی ہے ورنہ جہنم ہی جہنم ہے۔ لہٰذا اگر یہ باتیں جو میں نے بیان کی ہیں صحیح ہیں اور بیشک صحیح ہیں تو ہماری لڑکیوں کی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یا یوں کہنا چاہیئے فقط مقصد واحد بس یہی ہے کہ ان کو ایسی تعلیم وتربیت دی جاوے کہ وہ ایسی مائیں بن سکیں جو اپنی اولاد میں مذکورہ بالا صفات پیدا کر سکیں اور یہ جانتی ہوں کہ یہ صفات کس غرض سے ضروری اور لازمی ہیں۔

میرا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ عورت کا مقصد فقط یہ ہے کہ بچے پیدا کرے اور بہت سے پیدا کرے جس کی بعض ملکوں میں تعلیم دی جا رہی ہے۔ بچے تو کتیا کے ایک دفعہ میں چھ سات آٹھ بلکہ دس تک بھی ہوتے ہیں۔ نہیں یہ ہرگز نہیں بلکہ

یہ کہ ایسے بچے پیدا کرے جن میں وہ صفات موجود ہوں جن سے اللہ کی حکومت قائم ہو۔

جب ہم اس بات پر متفق ہوگئے تو پھر اس قسم کا پروگرام بنانا کچھ بہت مشکل نہیں۔ مگر جب تک یہ پروگرام بنے اور اس پر عمل ہو چند باتیں ہر عصمت کی پڑھنے والی بہنیں کر سکتی ہیں ابھی یا بعد میں۔

بچے کی تعلیم و تربیت کم از کم پیدا ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ کیسے افسوس کا مقام ہے کہ ہم لوگ بھی اسی وقت سے برائیوں کی تربیت دینی شروع کر دیتے ہیں۔ پیدا ہوتے ہی بچے کو دھوکا دینا رشوت دینا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر چاہیں تو پہلے ہی دن سے اس کو وقت کی پابندی کی تربیت دینا شروع کر دیں۔ یہ بالکل کافی ہو کہ اس کو ہر تیسرے یا چوتھے گھنٹے دن کو دودھ پلایا جاوے اور رات کو دس بجے کے بعد سے صبح چار یا پانچ بجے تک بالکل دودھ نہ پلایا جاوے۔ رونا اگر پیٹ کے درد یا کسی اور بیماری کی وجہ سے نہو تو پھیپھڑے کے لئے بہت مفید ہے در اصل یہ اس کے لئے ورزش ہو۔ اور اگر بچہ پیٹ کے درد یا کسی اور بیماری کی وجہ سے روئے لہٰذا اس کو اس حالت میں دودھ پلانا اور بھی نقصان دہ ہے۔ بہت جلد یہ پہچانا جا سکتا ہے کہ بچہ کیوں رو رہا ہے۔ بہرحال اس کو دودھ فقط وقت ہی پر دینا چاہیئے۔ رونے پر دودھ دینا رشوت دینا ہے اور ہر طرح مضر ہے۔ بچے سے جھوٹ بولنا میری رائے میں کسی بڑے آدمی سے جھوٹ بولنے سے بھی بہت زیادہ برا ہے۔ پھر بچہ تم پر کبھی بھروسا نہیں کر سکتا۔ بھروسا نہیں کر سکتا تو وہ عزت اور ادب کیا خاک کرے گا۔ اور پھر وہ بھی ایسا ہی اٹھے گا۔

میں سچ کہتا ہوں کہ بچوں سے جھوٹ نہ بولنا ان کو دھوکا نہ دینا وغیرہ کچھ مشکل بات نہیں۔ میں نے اپنے بچوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولا نہ میں نے ان کو کبھی دھوکا دیا۔ اگر بیماری میں ڈاکٹر نے ان کو کوئی چیز منع کر دی تو یہ نہیں کہ ان سے چھپا کر وہ چیز کھالی بلکہ اُن کے سامنے کھائی اور ان کو سمجھا دیا کہ تم بیمار ہو تمہارے لئے اس وقت یہ مضر ہے اچھے ہو جاؤ گے تو انشاء اللہ پھر کھانا۔ میں نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ اُن کے سامنے سے کوئی چیز ہٹالی اور کہہ دیا کہ کوّا لے گیا۔ ان کی کسی ضد کے آگے میں نے سر تسلیم خم نہیں کیا۔ مجھ سے یہ پوچھا جائے گا کہ پھر میرے بچے تو بہت ہی اچھے اٹھے ہوں گے۔ اس کا جواب میں یہ دونگا کہ جیسا میں چاہتا تھا افسوس ویسے نہیں اُٹھے۔ علاوہ میرے اُن پر اور بھی بہت سے اثر پڑے۔ جن کو میں کیا کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ مگر میں نے اپنا فرض ادا کیا اور اس میں کچھ مشکل محسوس نہیں کی۔

میں چاہتا ہوں کہ میری بہنیں بھی اسکا تجربہ کریں اور اپنے بچوں سے کبھی کسی حالت میں جھوٹ نہ بولیں ان کو کبھی دھوکا نہ دیں اور نہ کبھی انکو رشوت دیں۔ خلاصہ میری تمام بات کا یہ ہو کہ لڑکیوں کی تعلیم کی بنیاد اس اصول پر ہونی چاہیئے کہ وہ ایسی مائیں بن جائیں جو اپنی اولاد میں وہ تمام صفات پیدا کر سکیں جن سے اللہ کی حکومت اس زمین پر قائم ہو سکے۔ عورت کی زندگی کا مقصد واحد فقط یہی ہے کہ وہ ایسی ماں بنے اور باقی سب ہیچ ہو۔ خرافات ہے۔ حتیٰ کہ بیوی بننا بھی دوسرے درجے پر ہے۔ بیوی بھی اسی لئے بننا ہو کہ ماں بنے۔ بے دین لوگوں کو بھی یہ ماننا پڑیگا کہ قدرت نے عورت کو صرف اسی لئے بنایا ہو۔ یہ بات اصولاً اس بات کی مانع نہیں کہ عورت اور کچھ نہ کرے میرے نزدیک اس وظیفہ کو پوری طرح ادا کرنے کے لئے عورت کو بیحد تعلیم تربیت تجربے سفر اور طرح طرح کے کاموں کی ضرورت ہو۔ وہ سب کچھ کر سکتی ہو وہ سب کچھ ہو سکتی ہو مگر اسکا اصل مرکزی کام مذکورہ بالا صفات کی ماں بننا ہو۔ ایسی ماں اگر شرک قطعی حرام نہوتا تو پوجنے کے قابل ہو۔ اسکے درجہ کی کوئی حد ہی نہیں خدا اور رسولؐ کے بعد اسی کا درجہ ہو اسی کے قدموں تلے جنت ہے۔ اسی کے ذریعہ سے آدمی اللہ اور رسولؐ تک پہنچتا ہے۔ مگر ہو ماں ایسی ہی باصفات ورنہ ماں تو کتیا بھی ہوتی ہے۔

ستار خیری

نذر حسین علیہ السلام

تپش سوزِ محبت کی نہ دنیا سے کہی تو نے
بجھالی آب تیغ ظلم سے دل کی لگی تو نے

دلِ قاتل میں لرزہ پڑگیا تھا جب سُنائی تھی
نگاہِ واپسیں میں داستانِ آخری تو نے

خدائی کیوں نہ قرباں تجھ پہ ہو حق کی رضا والے
کہ خاطر دیں کے دُنیا سے نظر تھی پھیرلی تو نے

سرِ لاشِ پسر تیرے تبسم ہائے پنہاں پر
زمانہ محوِ گریہ ہے ہنسی تھی وہ ہنسی تو نے

بجز اک اللہ مختارِ دو عالم ہو کے بھی رن میں
دکھا دی اہل عالم کو بشر کی بے بسی تو نے

نہ کیوں شاہا ترا مرنا سبق آموزِ عالم ہو
فنا ہو کر سکھائی ہے جہاں کو زندگی تو نے

قیامت تک کہے گی سجدہ گاہِ کربلا مولا
سکھادی ایک سجدہ سے جہاں کو بندگی تو نے

یقیناً غرق ہو جاتا سفینہ امتِ جد کا
مگر ہاں۔ آبرو رکھلی حسین ابن علی تو نے

یہ دُنیا منحرف ہو جاتی ساری کلمہ گوئی سے
بنائے لا الٰہ از سرِ نو ڈال دی تو نے

دلِ پُر درد میں اک درد پیدا ہو گیا ریحاں
عجب انداز سے یہ داستانِ غم لکھی تو نے

حسن آرا بیگم ریحاں

دھرم

عصمت کے تازہ پرچے میں اس عنوان سے ایک افسانہ دیکھا۔ مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے جب میں صوبہ مدراس کے ہندوؤں کو دیکھتی ہوں جن میں چھوت چھات نام کو بھی نہیں ہندو اور مسلمان ہر جگہ شیر و شکر ہیں۔ اچھوت اقوام سے بھی کوئی چھوت نہیں کرتا پنجاب و یو۔پی کے ہندوؤں کا مسلمان کے ہاتھ کا پانی پینے سے دھرم بھرشٹ ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے یہاں مسلمان رؤسا کے گھڑوں میں پانی بھرنے کا کام غریب ہندو کرتے ہیں۔ وہیں کھانا کھاتے ہیں۔ وہیں پانی پیتے ہیں۔ بلکہ مسلمان اور ہندو ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے ہیں۔

کسی دعوت میں جاؤ۔ ہندو کی طرف سے ہو یا مسلمان کی طرف سے ہندو اور مسلمان دونو مدعو ہوں سب پتلوں پر کھانا کھاتے ہیں ہندو مسلمان دونوں بانٹنے والے ہوں گے ہندو پانی پلاتا ہے تو مسلمان کھانا لاتا ہے غرضیکہ عجیب یگانگت دیکھنے میں آتی ہے۔

سندھ میں دیکھا تھا کہ ہندوؤں کے گھروں میں مسلمان پانی بھرتے تھے یہاں اس کے برخلاف مسلمانوں کے ہاں ہندوؤں کو پانی بھرتے دیکھا۔

یہاں ایک اور نئی بات یہ ہے کہ ہر جگہ قصائیوں کا کام ہندو کرتے ہیں۔ صرف ذبح کرنے والے مسلمان ہوتے ہیں۔ اور مسلمانوں سے زیادہ ہندو گوشت کھاتے ہیں۔

یہاں کے مسلمان گائے کے گوشت سے اس طرح بھاگتے ہیں جس طرح پنجاب کے ہندو۔ اچھوت اقوام اور عیسائی گائے کا گوشت کھاتے ہیں ہندوؤں کے سامنے اچھوت اقوام کے لوگ گائے کو حلال کرتے ہیں۔ مگر اُن کو خیال بھی نہیں ہوتا۔ اس طرح سور کتوں کی طرح پھرتے ہیں مگر مسلمان کو پروا بھی نہیں۔

یہاں کے ہندو مُردوں کو قبروں میں دفن کرتے ہیں لاش کو جلانا بُرا جانتے ہیں، باقی دیکھئے صفحہ ۱۱۶

بچّوں کا قومی لباس

محترم بہن بیگم حکیم محمد عزیز خاں صاحب جاورہ کا ایک مضمون بعنوان "ہمارے بچوں کا قومی لباس" عصمت بابتہ ماہ جنوری میں شائع ہوا ہے۔ محترمہ نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ "ایک تو چھوٹا سا قمیص ہونا چاہیئے اور ایک مضبوط پھنا جو ترمیم شدہ شکل لیا جدید نام سے آج کل نیکر کہلاتا ہے بس یہی دو کپڑے ہمارے بچوں کے قومی نشان کے لئے کافی ہیں اور اس پر اس کثرت سے عمل ہونا چاہیئے کہ جس طرح آج کل ترکی ٹوپی پہننے والے کو عام طور پر بلا تامل مسلمان سمجھ لیا جاتا ہے اسی طرح جس بچے کے تن پر صرف دو کپڑے ہوں اس کو دیکھتے ہی مسلمان بچہ کا تصور کر لیا جائے سر اور پیر کو ڈھانکنے کے لیئے اس وقت ہماری مفلس قوم کو بالکل ضرورت نہیں" اس تجویز کے بعد محترمہ نے مضمون کو اس جملہ پر ختم کیا ہے کہ "مجھے امید ہے کہ عصمتی بہنیں اس ضروری تجویز پر اپنی اپنی رائے کا اظہار فرمائیں گی" چنانچہ میں مندرجہ ذیل سطور میں محترمہ کے ارشاد کے بموجب اپنی رائے کا اظہار کرتی ہوں۔

۱۔ سب سے پہلے میری رائے یہ ہے کہ عصمتی بہنیں محترمہ کی تجویز پر اس وقت تک عمل نہ کریں جب تک کافی تبادلہ خیالات اور غور و خوض کے بعد کوئی یونیفارم متفقہ طور پر عصمت میں شائع نہ ہو۔

دوسری بات اقتصادی نقطۂ نظر سے کہوں گی کیونکہ مضمون نگار بہن نے اپنے مضمون میں کفایت شعاری اور اقتصادی حالت کی اصلاح پر بہت زور دیا ہے۔ مگر اس کا خیال نہیں رکھا کہ انھوں نے صرف بچوں کے لئے یہ تجویز پیش کی ہے حالانکہ اول تو قوم کے تمام بچے مل کر قوم کے کل افراد کی تعداد کا چوتھائی حصہ بھی نہ ہوں گے اس کے علاوہ ان کا جسم چھوٹا ہوتا ہے اور بہت کم کپڑا ان کے لباس میں خرچ ہوتا ہے اس لئے ساری قوم جتنا کپڑا پہنتی ہے تمام بچے مل کر مشکل سے اس کا پچیسواں حصہ پہنتے ہیں اس لئے کفایت شعاری تو جب ہو سکتی ہے کہ یہ یونیفارم قوم کے تمام افراد استعمال کریں حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ عورتیں اور سن شعور کو پہونچتی ہوئی لڑکیاں اس پر حیا و شرم کے لحاظ سے عمل نہ کر سکیں گی اور مرد بھی خواہ بوڑھے ہوں یا جوان ننگے سر اور ننگے پیر پھرنا اور ایک چھوٹا سا قمیص اور پھنا پہننا پسند نہ کریں گے اور نہ ان کے لئے یہ مناسب ہے ہاں اگر عورتیں حیا و شرم کو بالائے طاق رکھدیں اور پھنے اور قمیص پر اتر آویں اور دوپٹہ اور جوتی یا جوتا اُتار پھینکیں تو شاید مرد بھی راغب ہوں لیکن یہ محال معلوم ہوتا ہے اس لئے تجویز کا نفاذ صرف بچوں پر کرنا گویا ان کو تختۂ مشق بنانے کے مترادف ہو جائے گا اس لئے اقتصادی نقطۂ نظر سے یہ تجویز بالکل ناکامیاب ہے

تیسری بات بچوں کے ساتھ والدین کی فطرت محبت کے نقطۂ نظر سے کہتی ہوں کہ عید و بقرعید یا دیگر مسرت کی تقریبات میں مائیں اس کو کس طرح گوارا کریں گی کہ بڑے بوڑھے تو پہنیں اوڑھیں اور بچے "ننگے سر ننگے پیر ایک قمیص ایک پھنا پہن کر قومی بیداری اور کفایت شعاری کا مظاہرہ کریں درانحالیکہ ماؤں کی دلی آرزو یہ ہوتی ہے جس میں وہ از روئے انصاف اور از روئے فطری محبت حق بجانب بھی ہیں کہ پہننے اوڑھنے میں بڑوں کے مقابلہ میں بچوں کا زیادہ خیال رکھا جائے بھلا کون سی ماں ایسی ہوگی جو خود تو پہنے اوڑھے اور اپنے نور نظر کو اس ہیئتِ یتیمی میں رکھے۔

چوتھی بات بچوں کے بچپن کو پیش نظر رکھ کر کہنے پر مجبور ہوں کہ بچپن ہی کی عمر ایسی عمر ہے جس میں پرورش اور تربیت کے نقطۂ نظر سے بچوں کی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اور گرمی سردی۔ ہوائی۔ لو وغیرہ آفات سے ان کے سر پیر اور جسم کو محفوظ رکھنا

ضروری ہے مائیں اپنے عزیز بچوں کے لئے اُس یونیفارم کو کیسے قبول کریں گی جس میں مفروضہ قومی تصور کی خاطر بچے کے لئے ننگے پیر ننگے سر رہنا اور ایک چھوٹی قمیص اور ایک کچھنا ضروری ہوگا۔

پانچویں بات شرعی نقطۂ نظر سے بہت اہتمام اور تاکید کے ساتھ کہتی ہوں کہ اگرچہ محترمہ نے اپنے مضمون میں ایک جگہ شرعی ستر پوشی کا کلمہ خود بھی استعمال فرمایا ہے لیکن شرعی ستر پوشی کے حدود کو بالکل فراموش کرگئیں۔ کچھنا شرعی ستر پوشی نہیں کرسکتا بہت ہی چھوٹی عمر شرعی ستر پوشی سے مستثنیٰ کی جاسکتی ہے اور جس وقت سے بچوں کو ستر کا شعور اور حیا کا احساس پیدا ہونے لگے یا وہ بچپن کی ابتدائی عمر گزار کر ایسی عمر کو پہونچیں جب سے اُن کے اخلاق و عادات کی نگہداشت از روئے تربیت والدین سے متوقع ہوتی ہے تو پھر نہ صرف ان پر بلکہ ان کے سبب سے ان کے سرپرستوں پر بھی عقلاً و شرعاً دارو گیر ہونے لگے گی۔

چھٹی بات تربیت کے نقطۂ نظر سے کہنا ناگزیر سمجھتی ہوں کہ اگر بچوں سے بہن صاحبہ کی مراد شیر خوار بچے نہیں تو پھر ان بچوں کے لئے جو سات برس کی عمر کے قریب پہونچتے ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اُن کو نماز کی تاکید کی جائے اور یہ حکم شرعی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ عقلی حیثیت سے بھی بے حد مہتم بالشان ہے کیونکہ اگر مسلمان کے بچے کو اللہ تعالیٰ کا نمازی بندہ بنانے کا فریضہ والدین کے ذمہ عائد ہے تو پھر ننگے سر اور ننگے پیر رہنے اور کچھنا پہننے کا یونیفارم کس طرح قابل قبول ہوسکتا ہے جبکہ مشاہدہ ہے کہ بچے تو بچے بڑی عمر کے مسلمان خود دنیاوی حیثیت سے خوب سمجھ بوجھ رکھتے ہیں ہیٹ اور نیکر والی فضا میں پڑکر فرض نمازوں کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

ساتویں بات بہن صاحبہ کے تصور اسلامی کو مدنظر رکھ کر کہنا پڑتا ہے اُنھوں نے لکھا ہے کہ "جس بچے کے تن پر صرف دو کپڑے اس کو دیکھتے ہی مسلمان کا بچہ تصور کرلیا جائے" لیکن شرعی یا قومی کسی نقطۂ نظر سے بھی یہ ہیئت کذائی اسلامی تصور کی حامل کبھی نہیں رہی ہے اور اسلامی و شرعی جذبہ کے ماتحت اگر مسلمان بچہ کی تربیت مدنظر ہو تو یہ ہیئت غیر اسلامی کبھی قابل قبول نہیں ہوسکتی پھر اس ہیئت کذائی میں کسی بچے کو دیکھ کر اس کو مسلمان کا بچہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے۔ ہاں صرف وہی صورت ہے جس کو بہن صاحبہ نے لکھا ہے کہ "اس پر اس کثرت سے عمل ہونا چاہیے کہ یہ مسلمان کا بچہ تصور کرلیا جائے" یعنی کثرت عمل اور تکرار نظارہ سے آنکھوں کو اس کا خوگر بنایا جائے کہ اس غیر اسلامی ہیئت کو اسلامی ہیئت سمجھ لینے کی عادت پڑجائے حالانکہ اس طرز عمل کو نگاہ کا ارتداد کہنا صحیح ہوگا۔

آٹھویں بات میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ بڑے اہتمام سے قوموں کے باہمی امتیازات اور خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ سچ پوچھئے تو انہیں سے قومی تخیل کی بنیاد پڑتی ہے جس پر قومی سیرت کی بلند عمارت تعمیر ہوتی ہے انہیں کی بلندی و پستی سے قومی عروج و زوال وابستہ ہوجاتا ہے" اور لباس کے متعلق بہت زوردار الفاظ میں فرمایا گیا ہے کہ "تسلیم کرنا پڑے گا کہ لباس بھی جو ہر آن نظر کے سامنا اور جسم سے متصل اور حرکات و سکنات سے کم و بیش متعلق ہے کیوں نہ عادات و خصائل پر اثر انداز ہوگا" لیکن حیرت ہے کہ باوجود ان اہتمامات و تاکیدات کے ایک ایسی قوم کے بچوں کے متعلق ننگے سر اور ننگے پیر رہنے اور کچھنا پہننے کی تجویز پیش کی گئی ہے جس کی قومی خصوصیات و عادات و خصائل ضرب المثل ہیں کیا قوم مسلم کی کچھ اپنی خصوصیات نہیں ہیں اور کیا یہ تجویز کردہ ہیئت کذائی بھی کسی درجہ میں مسلمان کے قومی تصور کو پیش کرنے کا امکان رکھتی ہے کیا کچھنا پہننا اور ننگے سر اور ننگے پیر رہنا مسلمان بچہ کی حرکات و سکنات سے غیر متعلق رہے گا۔ کیا اس کا اثر اس کی روزانہ کی خالص اسلامی زندگی پر نہ پڑے گا۔ کیا مسلمان کا بچہ اسی یونیفارم کو اپنے جسم سے متصل رکھ کر اور بار بار اس پر نگاہ کرکے اپنا قومی تخیل پیدا کرے گا۔ کیا اسی کردار پر قومی سیرت کی بلند عمارت تعمیر ہوگی اور کیا

محمدؐ کی قوم الصلوٰۃ معراج المؤمن کی بلندی سے پستی اور زوال کے گڑھے میں نہ گر پڑے گی؟

نویں بہن صاحبہ نے تحریر فرمایا کہ "حقیقت میں جس جماعت کے ہر فرد کا لباس ہر اعتبار سے مختلف ہو اور کسی معقول ضابطہ کی پیروی نہ کی جاتی ہو اسکو کون ایک منظم جماعت کہہ سکتا ہے" میں صرف یہ پوچھتی ہوں کہ پیش کردہ تجویز میں کون سے معقول ضابطہ کی پیروی مدنظر رکھی گئی ہے؟ کیا اسلام نے لباس کے لئے اتنی وسیع اور عام حدود و قیود مقرر نہیں فرمائی ہیں کہ ان پر عمل اتنا دشوار بھی نہیں ہے اور پھر بھی ایک عجیب و غریب یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے اور کیا اُس اسلامی حدود و قیود سے بڑھ کر بھی کوئی معقول ضابطہ ہو سکتا ہے اور کیا اس تجویز کردہ یونیفارم میں بھی اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی معقولیت بتائی جا سکتی ہے؟ سارے ملک میں دیہاتی لوگ اور شہروں میں ادنیٰ پیشہ ور لوگ عموماً جوتا پہننے کی عادی نہیں ہیں۔ پست اقوام کے بچے بوڑھے بھی سب ننگے پیر رہتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سر اور پیر کے ننگے رہنے میں کوئی قباحت نہیں ہے" مضمون نگار بہن ایک طرف دیہاتی لوگوں ادنیٰ پیشہ وروں۔ اور پست اقوام کے بچوں اور بوڑھوں کے طرزِ زندگی سے اپنے تجویز کردہ یونیفارم کی معقولیت ثابت کرتی ہیں اور دوسری طرف خود ہی نیم دیہاتی ہونے کو بھی عیب شمار کرتی ہیں "حقیقت میں جس جماعت ۔۔۔ کسی معقول ضابطہ کی پیروی نہ کی جاتی ہو ۔۔۔ اس جماعت کی حیثیت محض ایک نیم دیہاتی انبوہ کی شان رکھتی ہے"۔

دسویں بہن صاحبہ نے ترکی قوم کی مثال تعریف و تحسین کے انداز میں پیش کی ہے کہ "ترکی قوم نے اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اصلاحات سے کام لیا لیکن جس چیز نے پہلے پہل ان کے قومی و بنیادی تخیل کو بدلا وہ لباس کی تبدیلی ہی تھی" لیکن مضمون نگار بہن کو اتنا ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ ترکی قوم نے سوئٹزرلینڈ کے قانون کے بموجب زندگی کے ہر شعبہ میں اصلاحات کی ہیں یا اُس محمدی اور آسمانی اور اسلامی اور خدائی اور الہامی قانون کے بموجب اصلاحات کی ہیں جس پر ایک مسلمان نہ لندن کے قانون کو ترجیح دے سکتا ہے نہ سوئٹزرلینڈ کے قانون کو۔ قرآن اور حدیث الہام و وحی اور سیرت رسول و صحابہ کی اساس پر جو قوم کھڑی کی گئی ہے کیا اُس کا بھی کوئی فرد ترکی قوم کے انقلابات و تغیرات کو اصلاحات کا نام دے سکتا ہے؟ بقول مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب "ایک اور مثال ترکی انقلاب کی ہے جہاں اس انقلابی ذہنیت نے کوشش کی کہ ایک قوم کو جادو کے زور سے آن کی آن میں ایک دوسری قوم بنا دیا جائے اس کوشش میں پھوڑوں اور پھنسیوں پر نشتر چلانے کے ساتھ جسم کے اچھے خاصے حصوں کو بھی کاٹ پھینکا گیا اور ان کی جگہ یورپ کے کچھ نئے اعضا منگوا کر لگائے گئے حتیٰ کہ پرانے دماغ کی جگہ بھی ایک نیا دماغ نئی ٹوپی کے ساتھ حاصل کیا گیا لیکن اب مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ انقلاب پسند ترکوں کو آہستہ آہستہ یہ سبق مل رہا ہے کہ ہر پرانی چیز کو برا اور ہر نئی چیز کو اچھا سمجھنے کا جو قاعدہ کلیہ انھوں نے بنا لیا تھا وہ درست نہیں ہے چنانچہ اکثر نئے تجربوں سے کافی نقصان اٹھانے کے بعد ان کو افراط سے اعتدال کی طرف پسپا ہونا پڑا ہے (مسلم لیگ لاہور یکم جنوری ۴۲ء صفحہ ۳) لیکن میں یہ دیکھتی ہوں کہ ترکی کے ارباب فہم تو اپنی غلط کاری کے متاسف ہیں لیکن ہندوستان کی مسلم خواتین ابھی قصیدہ خوانی ہی میں مصروف ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب رجحانات کا کرشمہ ہے غنیمت ہے کہ ابھی مسلم خواتین کی زبان پر ستر شرعی اور اسلامی تصور کے الفاظ آ جاتے ہیں اور صرف اس لئے کہ ان کے کان میں ابھی بڑے بوڑھوں کے کچھ الفاظ گونجتے ہیں ورنہ ہماری بچیاں تو اس ماحول کے سانچہ میں ڈھل کر ستر شرعی اور تصور اسلامی کا مضحکہ اڑانے لگی ہیں۔

بہن صاحبہ نے تجویز کردہ یونیفارم کے متعلق میں نے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا اب عصمتی بہنوں کو اختیار ہے کہ چاہے مجھ کو تنگ نظر ملانی سمجھیں یا اُجڑی ہوئی بزم سلف کی یادگار۔

ام خالد۔ از گونڈہ

ننھے بچوں کے ساتھ

اکثر بیبیاں طبیعت کی کثافت اور پھوہڑپن کو چھپانے کے لئے یہ عذر کرتی ہیں کہ ننھے ننھے بچوں کے ساتھ صفائی ستھرائی کیسے ہوسکتی ہے طویلہ کی بلا بندر کے سر ڈال کر وہ بری الذمہ ہوجاتی ہیں لیکن ایسی عورتوں کے گھر کا پان کھانے یا پانی پینے کو بھی نفاست پسند طبیعتیں گوارا نہیں کرتیں کیونکہ ان کے گھر کا کوئی کونہ گندگی سے محفوظ نہیں ہوتا بلکہ ان کا لباس اور ہاتھ بھی صاف ستھرے نہیں ہوتے۔ وہ ننھے بچوں کو بلا تکلف بغیر نہلائے کے گھٹنے پر بٹھا کر خوب اچھالتی ہیں۔ اگر ان کے کپڑے ناپاک ہوتے ہیں تو گویا کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔ ان کے مکانات کے صحن اس قدر گندے ہوتے ہیں کہ خیال ہی سے کراہیت آتی ہو۔ جب تک مہترانی نہ آئے گی مکھیوں کی بھنکار سے تمام گھر گونج رہا ہوگا۔ کمرہ دالانوں میں اُجلی اُجلی سپید براق چاندنیاں بچھی ہوئی ہونگی مگر ایک دن بھی خیر سے نہیں گذرا کہ گہرے گہرے چکتے پڑ گئے۔ گھر کے ہر پلنگ اور ہر بستر سے اس قدر بو آتی ہے کہ سانس بھی نہیں لیا جاسکتا ننھے کی اماں کے بستر کی تو ہر صبح یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ناک بھی نہیں دی جاتی، تھوڑی دیر دھوپ دینے کے بعد رات کو پھر وہی بستر وہی امی اور وہی ننھے میاں۔

اگر ننھے بچوں کو علیحدہ سلانے اور علیحدہ رکھنے کی عادت ڈالی جائے تو نہ صرف گندگی سے بآسانی نجات مل سکتی ہے بلکہ بچہ کی تندرستی پر بھی نہایت اچھا پڑتا ہے۔ جو بچے ماؤں سے چمٹے رہیں گے وہ ماؤں کا جو کچھ بھی بڑا نہ بنائیں کم ہے۔ ننھے بچوں کے لئے چھوٹی سی مسہری یا ہنڈولے کا اگر انتظام کرلیا جائے اور رات کو اسی میں ان کو سلایا جائے تو وہ اٹھ کر ماں کا جسم اور لباس اور بستر تو ناپاک کرنے سے رہے پھر ماں اور بچہ دونوں کی صحت کے لئے یہ انتظام کس قدر مفید ہے۔ اگر ننھے کو علیحدہ سلانا کسی طرح گوارا نہ ہو تو ماں کو چاہیئے کہ اپنا بستر لمبائی میں نصف پلنگ پر بچھائے اور نصف پر بچہ کا بستر کرکے دونوں طرف تکیاں لگادی جائیں۔ سردیوں میں بھی آدھے پلنگ کی توشک سلوانی چاہیئے۔ سوتے وقت بچہ کے کلوٹ باندھ کر ایک چھوٹی رضائی اڑھائیں اور رضائی کے دونوں سروں کو گدے کے نیچے اس طرح دبائیں کہ بچہ کی لاتیں لگنے سے ماں کی آنکھ نہ کھلے اور پھر اُوپر سے اپنا لحاف اوڑھائیں۔ اس طرح ننھا ساتھ بھی سوئے گا سردی سے بھی محفوظ رہے گا اور ماں کا لباس بھی خراب نہ ہوگا۔

آمنہ نازلی

محبت

ایک روز میں نے پروانہ سے پوچھا —— محبت کسے کہتے ہیں؟! —— وہ فوراً کیف میں جھوم اٹھا۔
اور اپنی جان شمع پر نثار کردی

پھر میں نے شمع سے پوچھا —— زندگی کسے کہتے ہیں؟ —— وہ لرز گئی۔ اچانک ہوا کا ایک معصوم جھونکا آیا
اور اُسے گل کرگیا۔

(ماخوذ)

محمود علی (حیدرآباد دکن)

کھانا پکانے کے برتن

آجکل عام طور پر مندرجہ ذیل قسم کے برتن کھانا وغیرہ پکانے کے کام آتے ہیں۔

(۱) مٹی کے برتن (۲) ایلومنیم کے برتن (۳) لوہے کے برتن (۴) تانبے پیتل کے برتن۔

مٹی کے برتن نہ صرف غربت اور تمدنی پستی کی علامت ہیں بلکہ ان میں کھانا پکانا بھی بعض اعتبارات سے ٹھیک نہیں ہے۔ مٹی چکنائی اور رطوبت کو جذب کرتی ہے۔ اور اپنے مسامات اور باریک درزوں میں جمع رکھتی ہے جس سے عفونت پیدا ہوتی ہے۔ اگر مٹی کا برتن پلید ہو جائے تو اس کا پاک کرنا بھی بہت دشوار ہے مٹی کے برتن جلد جلد ٹوٹتے پھوٹتے بھی رہتے ہیں۔ قیمت میں اگرچہ سستے ہوتے ہیں لیکن جلد ٹوٹ جانے کی وجہ سے بہت زیادہ سستے نہیں پڑتے۔ ایلومنیم کے برتنوں کے متعلق اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان میں کھانا پکانے میں کوئی نقصان نہیں ہے اور بعض کی رائے اس کے خلاف ہے جو کمپنیاں ان کی تجارت کرتی ہیں وہ تو یہاں تک ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں کہ ایلومنیم جسم انسان کے عناصر میں سے ایک عنصر ہے تاہم یہ تجربہ ہے کہ ایک طویل زمانے سے لوگ عام طور پر ایلومنیم کے برتنوں میں کھانا پکاتے اور کھاتے آرہے ہیں اور کوئی خاص نقصان محسوس نہیں کرتے۔ یہ ضروری ہے کہ آجکل امراض بڑھتے جا رہے ہیں لیکن قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تمام امراض یا بعض امراض ایلومنیم کے برتنوں میں کھانا پکانے کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ یا ہو رہے ہیں البتہ ترش چیزیں ان برتنوں کو خراب کر دیتی ہیں اور بعض کیمیائی مرکبات بنا کر خود بھی خراب ہو جاتی ہیں جن سے نقصان کا اندیشہ ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ ترش اور تیز چیزیں انمیں نہ پکائی جائیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ ایسی چیزیں ان برتنوں میں رکھی بھی نہ جائیں کیونکہ ترش اور تیز چیزیں بغیر حرارت کے بھی آہستہ آہستہ کیمیائی مرکبات میں تبدیل ہو جاتی ہیں یا گھریلو زبان میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایسی چیزیں ایلومنیم کو کھا جاتی ہیں۔

لوہے کے برتنوں میں زیادہ تر کڑاہی اور توا کام آتے ہیں مٹی اور ایلومنیم دونوں سے لوہا بدرجہا افضل ہے۔ لوہا انسانی جسم کا ایک خاص عنصر ہے اور خون کی تمام سرخی اور طاقت اسی کی بدولت حاصل ہوتی ہے ان خوبیوں کے ساتھ لوہے میں یہ نقائص بھی ضرور ہیں کہ سیاہی چھوڑتا ہے اور جلد زنگ آلود ہو جاتا ہے ان نقائص کے باعث لوہے کے برتن میں پکی ہوئی اور رکھی ہوئی چیزیں سیاہ اور بدمزہ ہو جاتی ہیں۔ البتہ اگر توے یا کڑاہی کو خوب مانجھ کر کوئی چیز اسمیں پکائی جائے اور جلد نکال لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اس طرح پکی ہوئی چیزیں کھانے سے ان چیزوں کے ذاتی فائدوں کے علاوہ لوہے کے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں یعنی تقویت معدہ جگر مثانہ وخون وغیرہ۔

پیتل کا رواج ہندوؤں میں زیادہ ہے اور مسلمانوں میں تانبا زیادہ برتا جاتا ہے۔ پیتل بھی تانبے اور جست کا ایک مرکب ہے تانبے کا درجہ مٹی ایلومنیم اور لوہا سب سے افضل ہے جسم انسان کے عناصر میں داخل ہے اور جگر کی ساخت میں حصہ لیتا ہے۔ عیب سے کوئی چیز خالی نہیں ہے چنانچہ تانبا خالص حالت میں کسیا جاتا ہے اور زہریلی علامات پیدا کرتا ہے۔ اس لئے اس کے برتن پر قلعی کرا لیتے ہیں جس سے یہ ضرر بالکل دفع ہو جاتا ہے اور فائدہ بڑھ جاتا ہے۔ تانبے میں بیماریوں کے کیڑے (جراثیم) مار ڈالنے کی بے پناہ طاقت ہے۔ اس لئے تانبے کے قلعی دار برتن میں پکا ہوا تازہ کھانا جراثیم سے قطعاً پاک ہوتا ہے۔ بعض سخت بیماریوں کے زہر کو بھی تانبا مارتا ہے اور جسم کو طاقت بخشتا ہے۔ قلعی بھی مقوی اور مصفی خون ہے۔

بیگم حکیم محمد عزیز خان۔ جاورہ

عورتوں کی اقتصادی آزادی کا اثر ازدواجی زندگی پر

عورتوں کی اقتصادی آزادی ہندوستان کیا انگلستان میں بھی ایک نئی چیز ہے اور اس کی بدولت وہاں بھی ازدواجی زندگی میں بہت کچھ دشواریاں پیدا ہو رہی ہیں۔ اس لئے ہندوستان جیسے قدامت پسند ملک میں جہاں عورت پر حکومت کرنے کے مرد بہت زیادہ عادی ہو گئے ہیں۔ ضروری ہے کہ اور بھی دقتیں پیش آئیں۔

مرد صدیوں سے عورت کی کفالت کرتا رہا ہے اور یہ خیال اس کی فطرت کا جزو بن چکا ہے کہ اس کی مردانہ حمیت کے شایان شان ہے کہ وہ عورت کے اخراجات کا ذمہ دار ہو۔ وہ اقتصادی طاقت کے باعث ہی خود کو گھر کا مالک خیال کرتا ہے اور اس کے چھن جانے یا مٹ جانے کو وہ گویا اپنے اس درجہ سے معزولی کا مترادف سمجھتا ہے۔ مرد کا یہ خیال عورت کے کیرکٹر میں بہت سی خوبیاں پیدا کرنے کا باعث ہے۔ وہ اپنے طبیعت پر زور ڈال کر اپنی فطری آوارہ گردی کے شوق کو دبا کر روٹی کمانے میں مشغول رہتا ہے کیونکہ اس کا خیال ہے کہ بیوی کی کفالت اور بچوں کی پرورش اس کا اولین اور اہم ترین فرض ہے۔ لیکن جب بیوی اس کی محتاج نہیں رہتی یا نہیں رہے گی تو مرد کو اپنی طبیعت پر اس طرح جبر کرنے کی کوئی وجہ نہ ہوگی اور وہ مطلق العنان اور غیر ذمہ دار ہو جائے گا۔ اب اس مشکل کا کیا حل ہو۔ ہر قوم کو ایک طرف اقتصادی ضرورتیں مجبور کر رہی ہیں کہ عورت بھی مرد کے برابر روٹی کمانے میں شریک ہو۔ دوسری طرف اس کا اس طرح سے مرد کے مقابل میں آنا ازدواجی زندگی کو معرض فطری ڈال رہا ہے اور مردوں کے کیرکٹر پر بہت خراب اثر پڑنے کا احتمال ہے۔ اس کا حل صرف ایک یعنے مردوں میں ذہنیت کے پیدا ہونے سے ہو سکتا ہے۔ وہ اب تک گھر میں اپنی عزت اپنی وقعت کا دارومدار روپیہ کو سمجھتا ہے اور اس لئے وہ خیال کرتا ہے کہ یہ وجہ نہ رہی تو وہ عورت پر کوئی اور دباؤ نہ ڈال سکے گا یا عورت کو اس کی ضرورت نہ رہے گی۔ اگر مرد ذرا غور کریں تو وہ دیکھیں گے اس نقطۂ نگاہ کے کیا معنی ہیں یعنی یہ کہ ان کی شخصیت یا کیرکٹر ایسا نہیں کہ وہ کسی کے دل میں ادب یا محبت کا جذبہ پیدا کر سکیں وہ صرف روپیہ کے دباؤ سے ہی کسی کی اطاعت حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن محبت۔ وفاداری۔ عزت وہ جذبات ہیں جو خریدے نہیں جا سکتے۔ دل میں مجبوری سے پیدا نہیں کئے جا سکتے جس وقت اقتصادی ضرورت نہ رہے عورت اپنے شوہر کی اطاعت یا اس کا خیال چھوڑ دے تو ظاہر ہے کہ اس کے دل میں یہ جذبہ کبھی تھا ہی نہیں صرف ڈر یا ضرورت سے مجبور ہو کر وہ اس جذبہ کا اعادہ کر رہی تھی اور جس وقت وہ ضرورت نہ رہی وہ اپنے اصلی رنگ پر آ گئی۔ اپنی بیوی سے اطاعت اور محبت مرد کو اقتصادی دباؤ کی وجہ سے ملتی ہے اس کے کیرکٹر کی بلندی کے باعث نہیں یہ نقطۂ نگاہ کہ عورت صرف اقتصادی مجبوریوں سے ہی ازدواجی زندگی کی پابندیاں قبول کرتی ہے نہ صرف مرد کی شخصیت پر حرف لاتا ہے بلکہ عورت کی شخصیت پر بھی یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ مرد عورت کی فطرت کو کس قدر کم جانتے ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عورت صرف اقتصادی ضرورت کی وجہ سے شادی کی ذمہ داریوں میں پڑتی ہے تو وہ عورت کی فطرت سے بالکل ناآشنا ہیں۔ عورت کی دنیا میں اس کی جذباتی دنیا میں روپیہ بہت کم اہمیت رکھتا ہے۔ عورت نے شادی کو اقتصادی جدوجہد سے بچنے کا ذریعہ سمجھ کر اختیار نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ چند عورتیں ایسی بھی ہوں اور ہوتی ہیں لیکن طبقہ اناث میں عموماً یہ جذبہ نہیں پایا جاتا۔ شادی سے عورت کا مقصد ایک رفیق زندگی کا پانا ہے۔ ایک چھوٹی سی سلطنت کی ملکہ بننا یا اس کی اپنی فطرت کی تکمیل اولاد ہے۔ ازدواجی زندگی عورت کی اصلی زندگی ہے وہ سیاست میں حصہ لے سکتی ہے اقتصادی جدوجہد میں برابر کی شریک ہو

اس کی حقیقی زندگی اس کے گھر ہی میں ہے۔ بشرطیکہ گھر صحیح معنوں میں گھر ہو۔ زنداں اور قفس نہ ہو۔ وہ عورت جس کی ذہنی نشوونما پورے طور پر ہو چکی ہے۔ جو نہ صرف بیوی اور ماں ہے بلکہ ایک جداگانہ ہستی بھی ہے اس کی جذباتی زندگی اس کے لئے چاہے کتنی اہم ہو وہ اپنی ذہنی زندگی فراموش نہیں کر سکتی۔ اس کو بچوں کی گھر کی۔ شوہر کی۔ اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ ایک جاہل عورت کو لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کو ضرورت ہے کہ وہ اپنے دماغ سے بھی کام لے۔ علمی ادبی سیاسی اور اقتصادی مسئلہ سے دلچسپی اور اس میں حصہ لینا وہ کبھی فراموش نہیں کر سکتی اور شوہر کو اس کی توقع ہی کیوں ہو۔ مرد ادیب شاعر ہوتے ہیں فلسفی سائنس داں ڈاکٹر بیرسٹر سرکاری نوکر سب ہی کچھ ہوتے ہیں لیکن آج تک کسی نے نہیں کہا کہ ان کاموں کی وجہ سے وہ اچھے شوہر یا باپ نہیں ہو سکتے کیونکہ مرد کے متعلق یہ مان لیا گیا ہے کہ اس کا کام اور اس کی خانگی زندگی دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ بچے بیوی گھر یہ اس کی زندگی ہیں اصلی معنوں میں۔ اور اس کا کام اس کی اس زندگی سے علیحدہ مگر ضروری جزر ہے اس کی شخصیت کے مکمل ہونے کے لئے۔ تو پھر کیوں عورت کی شخصیت کو آدھے ادھورا رکھنے پر اصرار ہو۔ لیکن واقعہ ہے کہ مرد نہ صرف عورت کی اقتصادی آزادی کو ناپسند کرتے ہیں بلکہ عورت کے ہر ایسے مشغلہ سے نفرت رکھتے ہیں جو صرف گھر سے متعلق نہ ہوں یہاں بھی اسی ذہنیت کا اظہار ہوتا ہے یعنی مرد کو یہ خوف ہے کہ عورت شہرت یا ناموری حاصل کرنے کے بعد اس کی حکومت کی قائل نہ رہے گی اس کو گھر اور گھریلو زندگی سے کوئی تعلق باقی نہ رہے گا شوہر اور بچوں کی محبت سے بے نیاز ہو جائے گی۔ گویا مردوں کو یقین نہیں کہ گھر اور گھریلو زندگی سے فطرتی لگاؤ ہے وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اب تک جبر یہ عورت کو گھر کی چاردیواری میں مقید رکھا اور اگر وہ اس کو آزاد کر دیں گے تو وہ پھر قابو میں نہیں آئے گی۔ یہ عورت کے فطرت کے بارے میں اُن کی غلط فہمی ہے اور یہ صرف اس صورت سے دور ہو سکتی ہے کہ وہ عورت کو اقتصادی آزادی دے کر دیکھیں۔ اس کو سیاست۔ ادب اور آرٹ کے میدان میں شہرت و ناموری حاصل کرنے دیں اور پھر دیکھیں اسے گھر اور بچوں کی تمنا رہتی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں رہی تو اس کی فطرت میں شروع سے ہی مادہ نہ تھا اور اس کو اس پر مجبور کرنے سے وہ ایک سلیقہ شعار بیوی اور محبت کرنے والی ماں نہیں بن سکتی اس لئے بہتر ہے کہ وہ اپنی فطرتی رجحان کے مطابق ایک کامیاب سیاست داں شاعرہ یا ادیب ہو۔ ایسی عورتیں ہیں اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے جن کی فطرت میں نسائیت بہت کم ہے جنمیں قدرت نے ایثار محبت اور نرمی کا مادہ رکھا ہی نہیں شہروں کی صفائی اور جیلوں کی منتظمہ ہونے کے لئے دُنیا میں پیدا ہوئیں وہی ہونا چاہئے خانگی زندگی پر ان کو مجبور کرنے سے ان میں وہ صفتیں پیدا نہ ہوں گی جن پر ازدواجی زندگی کی کامیابی کا دارومدار رہے۔ ایسی خشک مزاج عورتیں آپ کے نظر میں ضرور ہوں گی جو کہ خانگی زندگی کا جوا بہت ہی مجبوری سے اٹھا رہی ہیں۔ پھر عورتوں کی زیادہ تعداد اقتصادی اور ہر قسم کی آزادی کے باوجود بھی خانگی اور ازدواجی زندگی سے کنارہ کش نہ ہوگی۔ اور جہاں اور جن موقعوں پر اس سے خانگی یا سیاسی یا کاروباری زندگی کا نباہ نہ ہو سکے گا وہ خود ان کو چھوڑ دے گی۔ لیکن اس کو یہ چھوڑنا کسی کے جبر سے نہ ہوگا اختیاری ہوگا وہ خود اس کا فیصلہ کرے گی کہ کون سی چیز اس کی زندگی میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور اس کی خوشی اور طمانیت کے لئے ضروری ہے اور ازدواجی اور گھریلو زندگی وہی کامیاب ہو سکتی ہے جو آزاد اور خود مختار عورت اپنے رضا و رغبت سے اختیار کرے۔ وہ زنجیریں آہنی نہیں زرین و سیمیں ہیں جو اپنے خوشی سے پہنی جائیں اور وہ چاردیواری قفس و قید خانے نہیں بلکہ حدود سلطنت ہیں جن میں عورت اپنی خوشی سے حکومت کرتی ہو۔

شائستہ اختر سہروردی

گوتم کے سائے

افسانہ

شاید میں راستہ بھول گیا؟ میں رہ رہ کر اپنے حافظہ پر زور ڈال رہا تھا۔ اس وقت میں ایک پگ ڈنڈی پر چلا جا رہا تھا جو کہ آسمان سے باتیں کرنے والے اونچے اونچے پہاڑوں کے نیچے سے ہو کر گزر رہی تھی۔

یہ راستہ بہت کم لوگوں کو معلوم تھا کیونکہ کہیں کہیں پر گھانس اور جھاڑیوں کے اُگ آنے سے راستہ بالکل رُک گیا تھا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس شاہ راہ کو ڈھونڈ رہا تھا جس سے کہ میں آیا تھا۔ مگر اس کو نہ ملنی تھی نہ ملی۔

کچھ دور چل کر وہ ٹوٹا پھوٹا راستہ بھی ایک چٹان کے سامنے آجانے سے رُک گیا مجھ کو مجبوراً بائیں طرف مڑنا پڑا۔ رات قریب تھی۔ میں نے وقت کی نزاکت کو غور کرتے ہوئے گھوڑے کو ایڑھ لگا کر رفتار تیز کر دی۔ سورج مغرب میں نیچے بیٹھتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اور ساتھ ساتھ پہاڑوں کے دامن سے ایک بھیانک اندھیرے کا آغاز ہو چلا تھا۔

کچھ دور یونہی پتھروں میں بھٹکتے ہوئے ایک راستہ نظر آیا۔ اس وقت بالکل شام ہو چکی تھی۔ یہ راستہ دھیرے دھیرے سیدھے ہاتھ کو مڑ گیا۔ اور آگے چل کر ایک دریا کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ اندھیرا بڑھنے لگا اور ساتھ ساتھ میرا دل خوف سے لرزنے لگا۔

میں سوچ رہا تھا کہ یہ راستہ مجھے منزل مقصود تک پہونچائے گا بھی یا نہیں۔ اگر نہ پہونچا تو کیا ہوگا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ شہر "گر گرمی" کتنی دور ہے اور کس طرف کو ہے۔ اور میرے ساتھی کہاں ہیں۔

خدا خدا کر کے وہ راستہ ختم ہوا۔ اور اس نے مجھے ایک بڑے کشادہ میدان میں لا کر چھوڑ دیا۔ اس وقت اندھیرا پوری طرح پھیل چکا تھا۔ اور میں تن و تنہا اس میدان میں کھڑا تھا۔ اس میدان میں نہ کوئی پیڑ نظر آتا تھا نہ کوئی پہاڑ۔ بلکہ دور ایک مٹی کا تودہ نظر آیا جس کے نیچے سے چراغ کی ہلکی سی روشنی نظر آئی۔ میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور گھوڑے کو اسی طرف سرپٹ چھوڑ دیا۔ تھوڑے ہی دیر میں میں اُس کے قریب پہنچ گیا دیکھا تو وہ تودہ نہ تھا بلکہ ایک مجسمہ تھا۔۔ مجسمہ۔ گوتم بدھ کا۔ جو کہ زمین سے کئی ہاتھ بلند تھا۔ اس مجسمہ کے پانوں کے نیچے ایک دروازہ تھا جس میں سے وہ روشنی نظر آرہی تھی۔

میں گھوڑے سے اُترا اور راستہ معلوم کرکے اس دروازے میں گھسا۔ اندر خاموشی۔۔ ایک موت کی سی خاموشی۔ میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی یہ ایک لمبا اور اونچا کمرہ تھا جس کی اونچائی کا اندازہ لگانا بڑا مشکل تھا۔ شاید گوتم کے مجسمہ کے برابر ہو۔ مجھے ہیبت ہونے لگی میں پلٹنا چاہتا تھا کہ میرے بائیں کندھے پر کسی کے سانس لینے کی آواز میرے کان میں آئی۔ میں پلٹا۔۔ تو دیکھا کہ ایک بڈھا جس کی بھویں تک روئی کے گالے کی طرح سفید تھیں ایک پیلے چغے میں لپٹا ہوا کھڑا مسکرا رہا تھا۔ میں فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ بڈھے نے کسی قدر مسکراہٹ کے آثار پیدا کر کے زبان کو ہلایا اور چند ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں یہ کہنا شروع کیا آج بھگوان کی مرضی پوری ہوئی۔ میں ستره برس سے تیرا انتظار کر رہا تھا۔ بس تو آ گیا" مجھے ایسا معلوم ہوا کہ زمین پانوں تلے سے نکل گئی۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میں نے کہا یا خدا یہ کیا آفت ستره برس سے اور میرا انتظار۔ "چل بیٹا" مجھے بڈھے کی آواز نے چونکا دیا۔ "چل تو میرے سر کا بوجھ لے۔ میں اس جنم سے گھبرا گیا ہوں۔ مجھے اس دنیا میں ایک سو اٹھاسی برس ہو گئے۔ چل بھگوان کی مرضی کو پورا کر اور میرا جانشین بن جا۔

میں نے کہا اے پیرو مرشد۔ میں تو پناہ لینے کے لئے آیا تھا۔" ملے گی اور ضرور ملے گی گوتم کے سائے میں" بڈھے نے ایک کرخت ہنسی کے ساتھ جملہ پورا کیا۔

'مجھے آپ کی جانشینی نہیں چاہئے' میں نے چیخ کر کہا۔ میں جاتا ہوں' میں وہاں سے پلٹا مگر میرا دل دھک سے ہوگیا۔ کیونکہ دروازہ بند تھا۔

میں نے چیخ کر کہا۔ ظلم سراسر ظلم میں خود مرجاؤں گا اور تجھے بھی ماردوں گا۔ شیطان کہیں کا کھول دروازہ۔"

بڈھا مسکرایا۔ اور اس نے ایک سنکھ بجایا جس کے سنتے ہی تین چار لاما پیلے چغوں میں لپٹے ہوئے آئے اور اُنھوں نے بڈھے کے اشارے سے مجھے پکڑلیا۔ میں نے بے بسی کی حالت میں چیخنا شروع کردیا۔

'خدا کے واسطے چھوڑدو مجھے چھوڑدو۔ میرے اوپر رحم کرو۔ میری بیوی مرجائے گی۔ خدا کے واسطے موذیوں میرے بچوں کا خیال کرو۔ اُف خدایا مجھے پناہ دے" انہوں نے مجھے رسیوں سے جکڑدیا۔ مجھے دوسرے کمرے میں لے گئے اور ایک لمبا سا پیلا چغہ پہنادیا میں گریہ وزاری کررہا تھا اور وہ ناچ رہے تھے۔ خوش تھے۔ مجھے گھسیٹ کر اوپر لے گئے۔ مجھے مجسمہ کے پانوں کے ڈال دیا۔ میرے عین اوپر ایک بڑا گھنٹہ لٹکا ہوا تھا۔ میرے چاروں طرف بہت سے لاما۔ خوشی سے ناچ رہے تھے۔ یکایک وہ چپ ہوگئے۔ اور بوڑھا لاما آگے بڑھا اور یوں کہنا شروع کیا' بھگوان تیری اچھا پوری ہوئی۔ میرا جانشین تیرے چرنوں میں ہے اب مجھے اپنی شرن میں لے لے" میں چیخ اٹھا نہیں۔ میں ہرگز جانشین نہیں بنوں گا۔ مجھے چھوڑدو۔

اسی اثنا میں بڈھا بےحس و حرکت بدھ کے پانوس پر گرپڑا۔ یکایک سب چیخ اُٹھے اور میرے اوپر کا گھنٹہ زور زور سے بجنے لگا۔ گھنٹے کی آواز سے میرا سر گھومنے لگا۔

میں نے چلاکر کہا۔ بند کرو موذیوں اس گھنٹہ کو۔ بند کرو میں پاگل ہوجاؤں گا۔ بند کرو۔ گھنٹے کی آواز اور تیز ہوگئی۔ بند کرو۔ خدا کے واسطے بند کرو۔ اس شور کو۔

"آخر تمہیں ہوا کیا؟" کیسے گھنٹے کون شور کررہا ہے؟" خانم نے میرا ہاتھ جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

میں اپنے بستر پر دوزانوں پڑا چیخ رہا تھا۔ خانم خواب ایک ہیبت ناک خواب۔ میں نے کہا۔ میں نہیں جاؤں گا خانقاہوں کو دیکھنے۔ بس فوراً گرگری سے چل دینا چاہیئے۔

دوسرے روز علی الصبح میرا سامان لدرہا تھا۔ دوست ہزارے منا رہے تھے۔ بعض بے وقوف اور پاگل کہہ رہے تھے۔ بعض کہہ رہے تھے کہ آخر تبت آنے سے کیا فائدہ جو بدھ کے مجسموں اور خانقاہوں کی زیارتوں سے محروم رہے۔

مگر میرا ارادہ اٹل تھا۔

جمیل انصاری

دیہاتی پھل

جن کو عموماً لوگ ناپسند کرتے ہیں

اس سے پہلے میں اُن پھلوں کے متعلق لکھ چکی ہوں جن کو استعمال میں لایا جاتا ہے اور بہتر سے بہتر جانے جاتے ہیں اب ان پھلوں کے لئے لکھنا چاہتی ہوں جن کو عام طور پر نقصان دہ اور دیہاتی پھل سمجھ کر نظرانداز کر دیا جاتا ہے مگر آپ موازنہ کرکے دیکھئے تو فوائد میں کچھ زیادہ ہی بہتر ثابت ہوں گے ہمیشہ یہ یاد رکھیے کہ جس چیز کو آپ اچھا نہیں سمجھتیں پتہ نہیں ان کو قدرت نے کیا کیا اثرات دیئے ہیں لہٰذا جو چیزیں انسان کے لئے پیدا ہوئی ہیں اُن میں بظاہر کوئی اچھائی نظر نہ آئے مگر اس میں قدرت نے ضرور فوائد رکھے ہیں دنیا کی کوئی چیز بھی قدرت نے بے فائدہ نہیں بنائی یہ ہی سبب ہے کہ بعض جڑی بوٹی اور گھانس پھونس کے شناخت کرنے والے ایسی ادویات تیار کرتے ہیں جو آج کل ہیچ سمجھ کر استعمال نہیں کی جاتیں مگر وہ اکسیر کا درجہ رکھتی ہیں انسان کو چاہیئے قدرت کے عطیات سے ضرور فیض حاصل کرے آج میں اُن چیزوں کے فوائد بتاتی ہوں جن کو بظاہر بُرا سمجھا جاتا ہے اور معمولی سمجھ کر اول تو استعمال نہیں کیا جاتا اگر کرتے ہیں تو بہت کم ان میں سے اکثر خود میرے تجربے میں بھی آئی ہیں۔

(۱) **ارنڈ خربوزہ**۔ یہ ذرا ہیک دار ہوتا ہے لیکن اگر عمدہ بیج بوئے جائیں اور درخت کے ساتھ محنت کی جائے تو عمدہ اور بڑے پھل تیار ہوتے ہیں اگر پختہ پھل درخت سے اُتارے جائیں تو ہیک بہت کم ہوتی ہے یہ تو میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اس کو فی صدی دس آدمی بھی علاوہ گلاوٹ کے استعمال نہ کرتے ہوں گے مگر یہ بہت ہی عمدہ چیز ہے اس کا مزاج گرم ہے اس لئے اس کا استعمال کم ہونا چاہیئے ہاضم ہے بھوک بڑھاتا ہے ریاح تحلیل کرتا ہے گوشت کا مصلح ہے اور اس کو گلاتا ہے اس کا اچار بہت عمدہ بنتا ہے کھانے کے بعد ایک قاش کھانے سے معدہ کو درست کرتا ہے پختہ خربوزہ کی ایک قاش صبح کے وقت نہار منہ نمک لگا کر کھانے سے تلی اور ورم جگر و معدے کو مفید ہے اس کے کچھ عرصہ کے استعمال سے تلی جاتی رہتی ہے گردے کی پتھری توڑ کر نکالتی ہے اس کے اچار سے بھی بہت ہی فائدے ہوتے ہیں اس کا استعمال بہر صورت معدے کے لئے مفید ہے۔

ترکیب اچار۔ خربوزے کچے بڑے چھ عدد ان کو چھیل کر قاشیں کر لیجئے ان کو اُبال ڈالئے جب تھوڑی گل جائیں تو پانی سے نکال کر خشک کپڑے پر پھیلا دیجئے تاکہ پانی بالکل نہ رہے عرق نعناع ایک سیر۔ کلونجی ۵ تولہ۔ پودینہ سبز ۴ تولہ نمک پانچ تولہ۔ شکر ایک سیر مرچ خشک ثابت ۱۰ انورہ اور ک ترشی ہوئی ۵ تولہ کشمش ۵ تولہ لہسن چھلا ہوا ثابت جوے ۵ تولہ۔ کلونجی کو ہلکا سا بھون لیجئے بقیہ سامان کچا ایک اچاری میں قاشیں ڈال کر اس میں سب مصالہ ملا دیجئے پھر شکر ڈال کر عرق نعناع ڈال دیجئے چند روز دھوپ میں رکھیئے اس کے بعد استعمال کیجئے بے حد لذیذ ہوتا ہے قاشوں میں پانی بالکل نہ رہنا چاہیئے ورنہ اچار جلد خراب ہو جائے گا۔

(۲) **جامن** ۔ اور پھلیندے۔ یہ چیز عام طور پر شہری لوگ بالکل ہی استعمال نہیں کرتے اس کو جنگلی چیز اور صرف دیہاتیوں کا کھا سمجھا جاتا ہے دراصل اس میں بہت سے فائدے پنہاں ہیں جامن صفراوی دستوں کو بے حد مفید ہے خون کی تیزی اور صفرے کو دور کرتی ہے اس کے پانی کا غرغرہ خناق کو مفید مسوڑوں اور دانتوں کے پیپ و خون کے لئے بہت زیادہ مفید ہے اس کا پانی نمک ڈال کر غرغرہ کرنے سے دانت و مسوڑوں کو مضبوط کرتا ہے گرم مزاج والوں کے لئے بے حد مفید ہے معدہ صاف کرتی ہے بھوک بڑھاتی ہے ذیابیطس کے مریضوں کے لئے تو خاص طور سے مفید ہے اس کا سرکہ کھانے میں استعمال کیا جاتا ہے جامن جو بہت چھوٹی ہوتی ہے اس کی گٹھلی

سایہ میں خشک کر کے کوٹ چھان کر رکھ لیجئے اس میں نصف شکر ملا کر پھانکنے سے جو صفراوی پیچش ہوتی ہے اس کو فائدہ ہوتا ہے خشک جامن کو پیس کر لگائیے گنج کی جگہ نکل آتے ہیں اس کے پتوں کو خشک کر کے پیس کر اس میں سیاہ مرچ نمک لاہوری قدرے ملا کر منجن کی طرح ملنے سے مسوڑے و دانت مضبوط ہوتے ہیں اس کا عرق نکال کر شیشے کی بوتل میں بھر کر دھوپ میں رکھنے سے سرکہ تیار ہو جاتا ہے سرکہ ہاضم طعام ہے تلی کے لئے بے حد مفید ہے اس کے عرق میں لوہے کا برادہ ڈال کر دھوپ میں رکھنے سے لوہے کا کشتہ ہو جاتا ہے اگر اس کا عرق تانبے کے برتن میں رکھ کر دھوپ میں رکھیں تو تیزاب بن جائے گا۔

(۳) **امرود**۔ اس کے متعلق اول تو یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ بخار کا گھر ہے مگر اس کے فائدوں سے بے خبر نقصان ہی نقصان پر نظر رکھتے ہیں امرود۔ فرحت بخش ہے مقوی اعضاء ہے اس میں قبض و ملین دونوں خاصیتیں موجود ہیں اکثر باتوں میں سیب سے بہتر ہے دماغ کو تازگی بخشتا ہے ہر طرح کے نزلوں اور بخاروں کو دور کرتا ہے مقوی معدہ و قلب ہے ہاضمہ کی قوت کو بڑھاتا ہے خفقان و تشنگی پیاس سوزش کا دافع ہے جوشِ خون کو کم کرتا ہے ہائی بلڈ پریشر کے لئے مفید ہے بعد کھانے کے اس کو کھانے سے طبیعت کو نرم کرتا اور ہاضمہ درست کرتا ہے گرمی دمہ کو بے حد مفید پیچش کو دور کرتا ہے اس کے پتوں کا جوشاندہ پینے سے پیچش کا قبض اور حبس جاتا رہتا ہے اس کے پھولوں کا لیپ گرمی کے آشوب چشم کو مفید۔ آنکھ کے ورم کو تحلیل کرتا ہے اس کے پتوں پر گھی لگا کر سینک کر گرم گرم آنکھ پر باندھنے سے ورم بھی تحلیل ہوتا ہے سرخی بھی کٹتی ہے اس کے پتوں کو نمک ڈال کر پکایا جائے اس کے جوشاندے سے غرغرہ کرنے سے غدود جاتے رہتے ہیں۔ پتہ سایہ میں خشک کر کے باریک پیس کر دیرینہ زخم پر چھڑکنے سے زخموں کو خشک کرتا ہے کچا امرود آگ میں بھلبھلا کر نمک سے کھانے سے پرانی کھانسی جاتی رہتی ہے اس کے بیج معدے کے کیڑوں کے قاتل ہیں جس کو معدے کی شکایت ہو وہ کھانے کے بعد اس کے کچالو بنا کر کھائے معدہ درست ہوگا۔

(۴) **املی**۔ املی آلو بخارے سے بہتر ہے مقوی دل و معدہ ہے اس میں بھی دو صفتیں ہیں قابض بھی ہے ملین طبع بھی ہے پیچش کے لئے فائدہ مند دستوں کے لئے مفید اگر اس کو پانی میں مل کر پی لیجئے یا املی کھا کر خوب سیر ہو کر پانی پی لیجئے قبض دور کرتی ہے مفرح قلب و دماغ ہے معدے کی رطوبت کو جذب کرتی ہے متلی و صفرے و قے کی دافع ہے خفقان و کرب غشی زیادتی پیاس کو بے حد مفید ہے بدہضمی خونی کو دور کرتی ہے اس کی پتی کا غرغرہ خناق اور منہ کے آنے کو بے حد مفید ہے۔

(۵) **بیل**۔ یہ بھی دو قسم کی خاصیتیں رکھتا ہے خشک کھانے سے یا خشک بیل کا شربت بنا کر پینے سے پیچش کو فائدہ کرتا ہے دستوں کو بند کرتا ہے اگر تازہ پھل کھا کر خوب سیر ہو کر پانی پی لیجئے تو قبض کو دور کرتا ہے بے حد مفرح چیز ہے گرمیوں میں اس کا شربت بہت فرحت بخشتا ہے بیل کا شربت اس طرح بنانا چاہیئے یہ مقوی ہو جاتا ہے اور ہلکا ہوتا ہے ایک عدد پورا بیل لے کر بھو بھل میں شب کو دبا دیجئے ہلکا سا بھن جائے صبح اس کا گودا نکال کر پانی میں ملا دیجئے اس کو بند کر کے رکھ دیجئے سہ پہر تک وہ پانی رہے پھر اس کو نتھار کر اوپر کا موتی سا پانی نکال کر اس میں شکر ملا کر پی لیجئے تشنگی پیاس کو سکون دیتا ہے گرمیوں میں بہت عمدہ چیز ہے اگر زیادہ نفاست منظور ہو تو قدرے کیوڑہ ملا لیجئے یہ مفرح قلب و دماغ ہے معدے کی خراب رطوبت کو دور کرتا ہے جب گرمیوں میں پانی کم پیا جائے اتنا ہی معدہ درست رہتا ہے اور ہاضمہ قوی ہوتا ہے۔

(۶) **بیر**۔ یہ چیز اگر زیادہ کھائی جائے تو نفاخ اور قابض ہے اگر اعتدال سے استعمال کی جائے تو صالح الکیموس ہے صفرے معدے اور آنتوں کی حدت حرارت عارضی کو نکالتا ہے کرم معدے کو نکالتا ہے میٹھا بیر سدوں کا دافع ہے خشک بیر بھون کر کھانے سے آنتوں کے زخم کو مفید اس کی پتی کا لیپ زخموں کی سوزش کا دافع ہے زخموں کو بھرتا ہے اس کی لکڑی کا جوشاندہ [illegible]

مداری

ضلع سہارن پور میں ایک مرتبہ یہ خبر نہایت زور شور سے پھیلی کہ کلکتہ سے ایک مداری جو اپنے فن میں کمال رکھتے ہیں آرہے ہیں۔ آپ جانیئے خالی بیٹھا بنیا کیا کرے اس کوٹھی کے دھان اس میں اور اُس کے اس میں۔ بے کار لوگوں کے لئے اچھا خاصہ شغلہ ہاتھ آگیا۔ کچھ تو مداری کی شہرت اوپر سے دوسرے لوگوں کے حاشیے غرض ایک ہی ہفتہ میں یہ خبر نہ صرف شہر میں بلکہ دیہاتوں تک پھیل گئی اور بڈھے بڈھے اس مداری کے کمال دیکھنے کے آرزومند ہو گئے۔

اتفاق دیکھئے اُن دنوں میرے والد صاحب کا تقرر کوتوالی شہر میں ہو گیا تھا بھلا آپ جانئے کوتوالی سے یہ خبر کیوں چھپی رہتی ہم کو بھی یہ خبر معلوم ہو گئی فوراً ہی والد صاحب سے فرمائش ہوئی کہ مداری شہر میں آتے ہی سب سے پہلے کوتوالی میں اپنے کرتب دکھائے والد صاحب تو ممکن تھا ٹال دیتے مگر خدا بھلا کرے ہمارے دیوان جی صاحب کو اس ضعیفی میں بھی بچوں سے زیادہ ایسی باتوں کا شوق ہے اُنھوں نے نہ صرف ہماری ہاں میں ہاں ملائی بلکہ ایسے پُرزور الفاظ میں سفارش کی اور مداری کی تعریفیں کیں کہ آخر والد صاحب نے فرمایا کہ دیوانجی آپ ان بچوں سے بھی زیادہ ہیں اچھا بلا لینا" ان کی اس اجازت سے ہم تو خوش ہوئے ہی لیکن دیوانجی کی بھی باچھیں کھل گئیں اب ہم کو مداری کا انتظار روزانہ رہتا تھا اور جس وقت دیوانجی صاحب مکان پر آجاتے یا اُن سے کہیں ملنا ہو جاتا تو ان سے ہم سب اس قدر سوال کرتے کہ اُن کا ناک میں دم آجاتا تھا۔ دیوانجی ہم کو جواب دیتے کہ "آئے گا تو ضرور۔ کیا عجب ہے کہ آج ہی آجائے"

موسم خوش گوار تھا۔ ہم سب نماز کے بعد چار پی رہے تھے کہ باہر کا نوکر یہ خوش خبری لے کر آیا کہ دیوانجی صاحب نے کہا ہے کہ مداری صاحب آگئے۔ بس پھر تو ہماری خوشی کی انتہا نہ پوچھئے۔ چائے چھوڑ چھاڑ کمرے میں چکیں ڈلوا کر سب یوں پر جا ڈٹے۔ اپنی سہیلیوں کو بھی کہلوا بھیجا کہ آٹھ بجتے بجتے آجائیں۔ مداری کا تماشہ ہو گا۔

شہر کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ خبر آنے سے آج تک مداری کا انتظار کر رہے تھے اب جو خبر سنی تو بے انتہا لوگ جمع ہو گئے نو بجتے بجتے کوتوالی کے صحن میں مجمع کا یہ عالم کہ کھڑے ہونے کی جگہ نہ تھی۔ تھالی پھینکو تو سر پر ٹھیک سوا نو بجے پھاٹک کے باہر سے دیوانجی صاحب نے خوشی سے اپنی سفید لمبی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بلند آواز سے فرمایا "راستہ دو۔ مداری صاحب آتے ہیں" بدقت مجمع کو چیرتے پھاڑتے مداری صاحب مع دیوانجی صاحب کے والد صاحب قبلہ تک پہنچے۔ مداری آدمی نوجوان تھا۔ چہرے سے بھی شرافت ٹپکتی تھی۔ لباس آج کل کی تہذیب کا نمونہ۔ ایک ہاتھ میں بید دوسرے میں ایک چھوٹا سا بکس۔ آتے ہی سلام کیا۔ اور عین والد صاحب کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ لوگوں کی نگاہیں شوق سے اس کی طرف اُٹھ رہی تھیں اس کو دیکھ کر کوئی کہتا "اجی یہ کیا کرتب دکھائے گا۔ انگریزی تو لباس پہنے ہوئے ہے۔ بس ڈھونگ ہی ڈھونگ معلوم ہوتا ہے" دوسرا جواب دیتا "واہ تم کیا جانو۔ آج کل سائنس نے بہت ترقی کی ہے" تیسرا کچھ کہتا اور چوتھا کچھ غرض ہر طرف ایک کھچڑی پک رہی تھی کہ دیکھئے مداری کیا کرتا ہے۔

سب سے پہلے مداری نے اپنا بکس کھولا۔ اور ایک چھوٹا سا لیمپ نکال کر اسپرٹ جلائی۔ ذرا کی ذرا میں تمام فضا تاریک ہو گئی گھٹا کے بادل چھا گئے۔ لوگ منتظر تھے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے کہ اتنے میں مداری نے نہایت پھرتی سے ایک خوبصورت لکڑی کا گڈا نکالا اور میز پر رکھ دیا پھر ایک اور نکالا اور اس کو پولیس والوں کی سی وردی پہنائی۔ اور ایک چھوٹی کرسی پر بٹھایا۔

لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے اتنا نامی مداری اور یہ معمولی گڈّے
نکال نکال کر دکھا رہا ہے۔ آخر یہ ان سے کیا کرتب دکھائے گا مداری تھا
ہوشیار عوام کی نگاہوں کو تاڑ گیا۔ اور ایک درجن گڈّے جو مختلف
قسم کے پولیس کے عہدہ داروں کی وردیاں پہنے ہوئے تھے میز پر
رکھتے ہوئے بولا" آپ لوگ ضرور حیران ہونگے کہ میں ان معمولی لکڑی
کے گڈوں سے کیا عجب کرتب دکھا سکتا ہوں۔ آپ لوگ دیکھیں گے کہ
میں وہ کرتب دکھانے والا ہوں جو مجھے یقین ہے کہ اس سے پہلے آپنے
کبھی نہ دیکھا ہوگا" یہ کہتے کہتے اس نے تمام گڈوں کو میز پر لگایا اور کچھ
اس طرح ترتیب دیا گویا کوتوالی میں اچھی خاصی عہدہ داروں کی محفل جمی
ہوئی ہے۔ ایک گڈے کو مجرم کی صورت سامنے بٹھایا۔ لوگ نہایت
شوق سے اس مصنوعی کوتوالی کے اہلکاروں کو دیکھ رہے تھے کہ اچانک
خدا معلوم اس مداری نے ان کی کونسی کل دبائی کہ مجرم نے فریاد کرنی
شروع کی اور اپنے بے قصور ہونے کی نہ صرف ایک بلکہ کئی ثبوت
پیش کئے۔ جس پر دیگر افسران نے یقین کا اظہار کیا ان گڈوں میں ایک
گڈا ہمارے دیوانجی صاحب کی وضع کا بھی تھا۔ ویسا ہی لباس ویسی ہی
شکل ویسی ہی ٹوپی اور سب سے بڑھ کر ویسی ہی لمبی ڈاڑھی تھی اس گڈے نے
گردن نفی میں ہلائی۔ اور افسر اعلیٰ سے کہا کہ حضور میں ابھی سب جھوٹ
سچ کہلوائے لیتا ہوں اور یہ کہتے ہی اس گڈے نے ایک موٹا سا ڈنڈا
اپنے ہاتھ میں سنبھالا اور بیچارے مجرم کو پیٹنا شروع کیا پٹتے پٹتے غریب کا
برا حال کر دیا مگر مجرم یہی کہے گیا کہ "حضور میں بے قصور ہوں"
لوگ متعجب تھے کہ یہ لکڑی کے گڈے انسانوں کی طرح کیسے
بول رہے ہیں۔ اس وقت اندھیرا بھی زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک
کہ تھوڑی دیر میں ہاتھ کو ہاتھ بھی سجھائی نہیں دیتا تھا مگر لوگ کھیل میں
اس قدر دلچسپی لے رہے تھے کہ اس بڑھتی ہوئی تاریکی پر کسی نے
توجہ نہ کی۔ ادھر مجرم کا پٹتے پٹتے برا حال ہو گیا آخر بے تاب ہو کر دیوانجی
کا مقابلہ کر بیٹھا اور جھٹ جیب سے استرا نکال۔ اس کی ڈاڑھی کا
جو دیوانجی صاحب کی سی تھی صفایا کر دیا دیوانجی جیسے گڈے کے ایک
ہاتھ میں اپنی ترشی ہوئی ڈاڑھی تھی اور دوسرا ہاتھ چہرے پر تھا۔ لوگوں نے
مجرم کی اس حرکت پر خوب قہقہے لگائے چاروں طرف خوب اندھیرا
پھیلا ہوا تھا شور و غل مچ رہا تھا۔ چیخ پکار کی آوازیں آئیں مگر لوگ
تماشے میں محو تھے۔ یکایک ہمارے دیوانجی صاحب کی خوفناک
آواز آئی کہ "ارے خدا کے لئے مجھے بچاؤ" مگر تاریکی کی وجہ سے
کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ تھوڑی دیر میں پھیلا ہوا دھواں صاف ہو گیا
اب جو سب نے دیکھا تو مداری صاحب غائب ہو چکے تھے۔ البتہ
دیوانجی صاحب کا برا حال تھا دیکھا تو یہ دیکھا کہ ان کے ایک ہاتھ میں
ان کی ڈاڑھی ہے اور دوسرا ہاتھ چہرے پر رکھے ہوئے ہیں۔
لوگ حیران تھے نہ صرف دیوانجی کی اس حالت پر بلکہ مداری کے
غائب ہونے پر بھی۔

اور میز پر ایک لفافہ رکھا ہوا ملا جس سے معلوم ہوا کہ یہ مداری صاحب
نہ تھے دراصل وہ مجرم تھا جس کو مہینہ بھر ہوا دیوانجی صاحب نے
قبلہ والد صاحب کے منع کرنے پر بھی نہایت بے دردی سے مارا تھا
مجرم آدمی تھا چالاک اس نے دیوانجی صاحب سے یہ بدلہ لیا کہ بیچارے
کے اس باغ کو جسے مدتوں وضو کے پانی سے سینچا تھا بالکل نیست
و نابود کر دیا۔ لیکن شہر کے لوگ بہت دنوں تک ہمارے دیوانجی
کی اس مرمت پر ہنستے اور مذاق اڑاتے رہے۔

حسن بانو بیگم

(بقیہ مضمون صفحہ (۹۴) کا۔

ضعف معدہ کو مفید اس کے پتے پیس کر سر دھونے سے دماغ کو
قوت پہونچتی ہے بال بڑھتے ہیں اس کے پھول پانی میں جوش
کر کے نہانے سے سفید داغ جاتے رہتے ہیں بشرطیکہ مستقل
عمل کیا جائے جس زمانہ میں پھول نہ ملیں تو سایہ میں خشک
کئے ہوئے پھول کام آسکتے ہیں۔

(۷) **شلغم**۔ اس کی زیادتی معدے کو خراب کرتی ہے۔
داد خارش پھوڑے جلدی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں خون بلغمی
پیدا کرتا ہے مگر باوجود ان خرابیوں کے اس کو اور چیزوں کی
بہ نسبت زیادہ کھایا جاتا ہے۔

مسز حمید۔ لکھنوی

فیشن جدید

میں مدت سے فیشن کی دلدادہ ہوں۔ شاید اپنی مادر مہربان کی آغوش محبت سے ہی اس کی پرستش کرتی چلی آرہی ہوں مگر آج کل کے برے فیشن کی بے ہودگی سے تو الاماں۔ الاماں کا نعرہ نکل ہی جاتا ہے۔ فیشن کے چند اصولوں پر اگر غور و خوض کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نانی اماں اور دادی جان کے زمانۂ ابتدا پر عمل ہو رہا ہے۔ یاد آتا ہے وہ زمانہ جب بڑی بوڑھیوں سے معمول سے زیادہ چوڑیاں پہننے کے لئے کہا جاتا تھا تو وہ فوراً انکاری جڑا دیتی تھیں کہ یہ تو آؤٹ آف فیشن یعنے خلاف تہذیب ہے۔ مگر کل کے اس جواب میں آج جس قدر زیادہ چوڑیاں پہنی جائیں گی اتنی ہی فیشن ایبل سمجھی جائیں گی۔ الاسٹک کے جمپر زمانۂ گذشتہ کی محرم کی نقل نہیں تو اور کیا ہے؟ کسی کے ناخنوں پر مہندی کا رنگ ہوتا تھا تو وحشیانہ تصور کیا جاتا تھا مگر فیشن جدید نے (جو خربوزہ کے مانند رنگ پکڑ رہا ہے) لڑکیوں اور نوعمروں کے ناخنوں کو کیوٹیکس سے رنگنے کا عادی بنا دیا ہے حنائی رنگ تو بے داموں کا تھا مگر یہ رنگ روپیہ خرچ کر کے حاصل کیا جاتا ہے مسّی آلودہ لبوں کی خوبصورتی کو چھوڑ کر روژ لپ سٹک کا استعمال تو غضب ڈھا رہا ہے۔ کسی کو پان کھاتے ہوئے دیکھ کر بدتہذیبی و ناشائستگی کا الزام لگایا جاتا ہے۔ مگر آج کل کے لپ سٹک سے آلودہ ہونٹوں نے تو پہاڑی طوطے کی چونچ کو بھی مات کر دیا ہے۔ اس طرح لڑکیاں فیشن میں حد سے بڑھی ہوئی ہیں۔ اور اندھی تقلید کر کے دنیا میں انگشت نما ہو رہی ہیں بہت سی مستورات اس حد سے بھی آگے بڑھ گئی ہیں اور مردانہ لباس کی وضع اختیار کرتی جاتی ہیں۔ بلکہ اس بات کا خوف ہے کہ شاید پورا مردانہ لباس ہی اختیار نہ کر لیں اور آئندہ چل کر ایسا نہ ہو کہ یورپین تقلید میں ڈانس (ناچ) اور کورٹ شپ کی بھی تقلید کرنے لگیں۔ کیونکہ یہ بات بھی تو فیشن میں داخل ہے یہ بھی دیکھنے میں آرہا ہے کہ (بوب) یعنے سر کی چوٹیاں کٹوانے کا رواج بھی ترقی کر رہا ہے لعنت ہو اس جدید فیشن پر کہ بال جو عورت کی زینت ہیں ان کو بھی کٹوا دیا جاتا ہے اس کے علاوہ چند خواتین جو انگریزی زبان سے واقفیت بھی نہیں رکھتیں لیکن پھر بھی گفتگو میں انگریزی لب و لہجہ اور الفاظ کا استعمال فیشن سمجھ کر کرتی ہیں اور بے موقع و بے محل مولود شریف کے جلسہ میں یا کسی بزرگ کے عرس میں اپنی ادھوری انگریزدانی کو ظاہر کر رہی دیتی ہیں۔ حد سے زیادہ فیشن میری دانست میں "نقش بر آب ہے" فیشن کے لفظ کے ہر حرف سے جداگانہ نامعقول معنے نکلتے ہیں مثلاً۔ فَ سے فانی۔ یَ سے یاس۔ شَ سے شَل۔ اور نونؔ سے نکما ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لئے لازم ہوا کہ ہم اسلاف کی سادہ زندگی کو خانہ برباد کرنے والی فیشن ایبل زندگی پر ترجیح دیں پان و مہندی کو ہی اپنا لپ سٹک کیوٹکس کیوں نہ بنائیں فیشن جدید کی رو سے پردہ بھی اٹھا دیا گیا ہے پردہ سے مراد یہ نہیں کہ ہم گھر کی چار دیواری میں قید رہیں اور نہ فیشن جدید کی طرح بھیڑ کیلئے نیم برہنہ لباس میں مردوں کے دوش بدوش پھریں۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ جب کوئی غیر شخص کسی بیگم کے شوہر یا بھائی سے ملنے آتا ہے تو بیگم صاحبہ نامحرم سے مصافحہ کر کے نہایت آزادی سے باتیں شروع کر کے بہت جلدی سے اس کے ساتھ خلا ملا ہو جاتی ہیں۔ بعض کی یہ حالت ہوتی ہے کہ آدھی سامنے اور آدھی پردہ میں گویا صاف چھپتی بھی نہیں سامنے آتی بھی نہیں۔ باتیں بھی ہو جاتی ہیں اور شائستہ مذاق بھی کیا۔ بعض اس سے بھی زیادہ آزادی سے غیر مردوں کے ساتھ سیر و تفریح میں جلسوں میں۔ سینما میں تشریف لے جاتی ہیں اور اعتدال سے آگے بڑھ جاتی ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ مغربی فیشن کو حتی المقدور ترک کریں اور اپنی قدیمی آبائی اور اسلامی تہذیب و تمدن پر کاربند ہوں۔

نجم النساء وہاب بی۔ اے۔

غلط فہمی

آپس کی غلط فہمیوں سے اکثر اوقات بہت بُرے نتائج پیدا ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً میاں بیوی کے درمیان اس لئے ان لوگوں کو جو ازدواجی زندگی بسر کر رہے ہیں بہت احتیاط رکھنی چاہیئے ورنہ ان کو پشیمانی اُٹھانی پڑتی ہے۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ میاں بیوی جو چین و امن سے زندگی بسر کر رہے تھے ایک ذرا سی غلط فہمی پر ایک دوسرے کے لئے عذاب جان بن گئے حالانکہ دیکھا جائے تو واقعہ کی بنا معمولی سی بات ہوتی ہے لیکن شروع سے ہی اسے غلط سمجھ کر اس کے متعلق خیال کو جو پختگی حاصل ہو جاتی ہے وہ بعد میں بڑی مشکل سے رفع ہوتی ہے۔ ایک ذرا سے واقعہ کو غلط جامہ پہنا کر دیکھنا میاں، بیوی کے پر خلوص جذبات میں ایک بہت بڑی دیوار حائل کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو زوجین ایسا موقعہ پیدا ہونے ہی نہ دیں جو بات ہو اور جو کچھ وہ کریں آپس میں اس کی رازداری نہ ہو۔ اکثر مرد اسے کسر شان سمجھتے ہیں کہ بیوی کو ہر ایک بات بتا کر کی جائے بلکہ معمولی اور عام باتوں کو بیوی سے نہ کہنا حقوق شوہریت میں سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کوئی بات ہو یا نہ ہو وہ اپنے طرز عمل سے بیوی کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیتے ہیں ایسی غلط فہمیوں سے اکثر بیویاں ہی متاثر ہوتی ہیں اور دل ہی دل میں بات کا بتنگڑ بلکہ رائی کا پہاڑ بنا لیتی ہیں اور کڑھ کڑھ کر خیالی پلاؤ پکاتے پکاتے اپنی جان کو ایک روگ لگا لیتی ہیں۔ مگر کیا ایسے شوہر بھی خوش رہ سکتے ہیں؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ جب بیوی کا دل خاوند سے ذرا برگشتہ ہو گیا تو وہ اس کے آرام و آسائش کا خیال کس طرح کرے گی اور اس پریشان حالی میں گھر کا جو حال ہو گا وہ بھی سمجھ لیجئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک مرد صحیح معنوں میں عورت کو اپنا ہمدرد نہ سمجھیں زندگی چین و امن سے نہیں بسر ہو سکتی۔ اور جب وہ بیوی کو اپنا خیر خواہ سمجھنے لگیں گے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنی کوئی بات اس سے پوشیدہ رکھ سکیں یا اپنا طرز عمل غیروں کا سا رکھیں جو شوہر اپنی بیویوں کو خیر خواہ و ہمدرد سمجھتے ہیں ان کی بیویاں کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح بیویوں کو بھی چاہیئے کہ اپنے متعلق وہ شوہروں کو غلط فہمیوں میں مبتلا نہ کریں ایسی بیویاں بھی ہیں جو دل سے شوہر کی قدردان ہوتی ہیں لیکن ظاہر ہونے نہیں دیتیں جس سے شوہر کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ بیوی کے دماغ ہی نہیں ملتے۔ ایک بات اور ہے اور بظاہر بہت ہی معمولی وہ یہ کہ بعض عورتیں شوہر یا اس کے رشتہ داروں کو خواہ کتنا ہی سمجھتی ہوں مگر مقابلتاً ہر بات میں میکہ والوں کی تعریف کرتی ہیں چنانچہ یہ بات بھی تجربہ میں آچکی ہے کہ شوہر خواہ کتنا ہی اچھا ہو لیکن بیوی سے اس کے میکے والوں کی تعریف نہیں سُنی جا سکتی اس سے وہ سمجھتا ہے کہ بیوی اپنے لوگوں کو مجھ پر ترجیح دے رہی ہے۔ گو حسد کرنے میں عورتیں ہی مشہور ہیں لیکن مرد کو بھی ان سے پیچھے نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بیوی کو یہ خیال خاص طور پر رکھنا چاہیئے کہ اس کی کسی بات سے ظاہر نہ ہو کہ وہ شوہر یا اس کے عزیزوں پر اپنے عزیزوں کو ترجیح دیتی ہے یہ اچھی طرح سمجھنا چاہیئے کہ غلط فہمی نے ازدواجی زندگی میں جہاں قدم رکھا وہاں سے اطمینان و خوشی ناپید ہو جاتی ہے اور گھر بدانتظامی بدحالی اور بیماریوں کا اکھاڑا بن جاتا ہے۔

صغرا عبد السبحان

نجمہ

(بسلسلۂ اشاعتِ گذشتہ)

جمیل صاحب نے گھڑی دیکھی سوا چار ہو چکے تھے اُن کو خیال آیا کہ جمیلہ اور قمر جان کا انتظار کر رہے ہوں گے لیکن مس خان کا نام تک معلوم نہ تھا کچھ دیر ٹھیر کر کہا "آپ کلکتہ ہی کی رہنے والی ہیں یا کہیں باہر سے تشریف لائی ہیں" "مجھ کو کلکتہ آئے تھوڑے ہی دن ہوئے میرا وطن تو کبھی پشاور تھا۔ والدین کا انتقال ہو گیا جس طرح ہو سکا حالتِ یتیمی میں میں نے کالج کی تعلیم پوری کی اور ٹیوشن کر کے ایم۔ اے۔ کیا کئی جگہ سکولوں میں ٹیچری بھی کی آج کل خالی تھی اپنی ایک دوست کے پاس کلکتہ آئی ہوئی تھی کہ اخبار میں آپ کے مینیجر صاحب کا ایک اشتہار دیکھا اور قسمت مجھے آپ کی خدمت میں لے آئی" "خدا آپ کا مددگار ہو ہم لوگوں کو آپ اپنا سچا ہمدرد خیال فرماویں۔ اچھا اب تو میں رخصت ہوتا ہوں مہمان میرے منتظر ہوں گے انشاء اللہ پھر کل ملاقات ہو گی" اور کھڑے ہو گئے مس خان بھی کھڑی ہوئیں اور کہا "سُنا ہے آج محل میں کوئی بڑی تقریب ہے۔ جس کی بڑے اعلیٰ پیمانے پر تیاریاں ہیں" "جی ہاں بہت سے مہمان جمع ہیں۔ کیا آپ بھی اس تقریب میں شریک ہو کر خوش ہونگی؟" "بہت خوشی ہو گی اگر میں اس قابل خیال کی جاؤں" "بڑے شوق سے ابھی چلئے میرے ہمراہ میں اپنی عزیز بہن بھاوج سے ملاؤں گا۔ لیکن ابھی آپ تیار نہیں ہیں" "مجھ کو تیاری کی تو چنداں پرواہ نہیں ہے۔ مگر یہاں آپ کے ہاں آج جلسہ ہے وہاں ایسی حالت میں جانا مناسب نہ ہو گا مجھے اجازت دیجئے کہ گھر جا کر تیار ہو کر حاضر ہو جاؤں" "اچھی بات میں چلتا ہوں۔ دوسری کار آپ کے لئے باہر موجود رہے گی اُس پر آ جائیے۔ اور بجائے خلیل منزل کے بڑے پھاٹک سے داخل ہونے کے آپ باغیچے کے پھاٹک سے داخل ہوں جہاں میرے نام کا بورڈ لگا ہے۔ وہاں ہم چند لوگ ہونگے اور میں آپ کا منتظر ہوں گا پہلے آپ میری بیوی اور بہنوں سے مل لیں گی پھر وہ ہی رات کو اپنے ہمراہ محل میں لے جائیں گی" یہ کہہ کر جمیل صاحب روانہ ہو گئے۔ اور یہ بھی اپنی قیام گاہ مسلم ہوٹل میں آئیں نمبر ۳ کمرے میں مس خان رہتی تھیں اور نمبر ۴ میں ایک پشاوری خاتون ٹھیری ہوئیں تھیں جن کی جوان لڑکیوں سے اِن کی دوستی ہو گئی تھی انہوں نے آتے ہی اپنی سہیلی شیریں سلطان سے اُن کا ایک اعلیٰ درجہ کا پشاوری لباس کا جوڑا لیا۔ دھانی کمخواب کا قمیص اور شلوار تھی اور پیازی رنگ کے جارجٹ کا ستاروں بھرا دوپٹہ جس پر بنارسی چوڑی بیل ٹکی تھی۔ وہ لے کر پہنا سر کے بالوں کی حسب معمول دو چوٹیاں گوندھ کر سامنے سینے پر دو سیاہ ناگنیں لہرانے کو چھوڑ دیں جن کے سر پر دھانی رنگ کا ربن خوبصورتی سے بندھا ہوا تھا جو بالکل حیرت یہ ہے کہ "سانپ زمرد نگل گیا" کے مصداق تھا۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر آراستہ ہو کر جمیل صاحب کے خوش نما باغ میں پہنچیں اُن کے کان اسی طرف لگ رہے تھے جیسے ہی ہارن کی آواز آئی چار کی پیالی ہاتھ سے رکھ کر اُن کو اُتروانے باہر آئے لیکن ایک عجیب صورت دیکھ کر گھبرا گئے تب مس خان نے کہا "آپ اس قدر جلد بھول جاتے ہیں۔ میں ہوں آپ کی خادمہ جس کو آپ نے ابھی تیار ہو کر آنے کا حکم دیا تھا" جمیل ہنس کر بولے "آہ مس خان معاف کیجئے میں بالکل نہیں پہچان سکا ہم نے تو ابھی مس خان کو رخصت کیا تھا اور اس وقت ایک کابلی شہزادی کو پایا۔ چلئے اندر سب ہمہ تن شوق ہیں" پھر یہ دونوں گیلری سے ہوتے ہوئے ڈرائینگ روم میں آئے اور جمیلہ اُن کے شوہر قمر صاحب اور اُن کی بیوی اور اپنی بیوی کو اُن سے ملوایا گو جمیلہ بیگم کا شمار بہت حسینوں میں تھا مگر اِس وقت مس خان اُن سے

زیادہ اچھی معلوم ہو رہی تھیں وہ تینوں ساڑیاں پہنے تھیں جو معمولی چیز ہو گئی ہے۔ مگر حسین مس خان اس نئے اور خوبصورت لباس میں بڑی معلوم ہو رہی تھیں اس وقت کی اس چھوٹی سی پارٹی میں جاؤ بے نظر غضب مس خان ہی تھی بیگمات مل کر بہت خوش ہوئیں۔ قمر صاحب کبھی مس خان کی طرف اور کبھی اپنے دوست جمیل کے بشاش چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ دل میں سوچ رہے تھے۔ کہ جمیل تو ہمیشہ کے افسردہ خاطر ہیں اور اب نجمہ کی ریل کی ملاقات کے بعد سے تو بہت ہی غمگین رہنے لگے تھے۔ آج یہ کیا بات ہے کہ اس قدر خوش نظر آ رہے ہیں۔ اور ٹائی پیسٹ لیڈی کی طرف خاص توجہ کیوں ہے؟ جمیلہ اور شکیلہ بیگم بھی اس بات کو نوٹ کر رہی تھیں۔ ایک گھنٹہ بعد چار ختم ہوئی۔ اور مس خان ان تینوں بیگمات کے ساتھ اندر محل میں گئیں اور کمشنر رفیق احمد صاحب کار پر کہیں باہر چلے گئے۔ تب قمر جمیل کا ہاتھ پکڑ کر باغیچہ میں آئے اور ٹہلتے ہوئے یہ گفتگو ہوئی۔ جمیل نے کہا "آخر تم بدظن کیوں ہو گئے ہو کہیں میری بیوی کو بھی شک میں نہ ڈال دو" دوست میں بدظن نہیں ہوں تم ہی ایمان سے کہہ دو کہ مس خان کی طرف تمہاری خاص توجہ نہیں ہے؟ وہ تمہارے دل کو یا نظروں کو اچھی نہیں لگتی؟" قمر تم سے آج تک کوئی بات نہیں چھپائی ابھی دیکھو اس حسرت نصیب نجمہ سے ملاقات ہو گئی تھی وہ بھی جمیل پور پہنچ کر بیان کر دی تھی تمہارا یہ خیال بالکل درست ہے۔ کہ مجھ کو پہلی ہی ملاقات کے وقت سے مس خان بہت پسند آئیں نہ معلوم کیوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس سے بار بار ملوں اور باتیں کئے جاؤں یہ ضرور ہے کہ وہ خاندانی ہے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معزز ہے اور اسی وجہ سے میں آج اس کو گھر میں لے آیا۔ ورنہ ہماری ٹائی پیسٹ لڑکیاں آج محل میں نہیں گھسنے پائیں" پھر وہ قمر کو لے کر ایک پتھر کے بنچ پر بیٹھ گئے اور کہا "پیارے قمر تم جانتے ہو میں کچھ برے خیالات کا انسان نہیں ہوں لیکن میں خود حیران ہوں۔ کہ اس وقت پینتیس ۳۵ سال کی عمر ہوئی جو سمجھداری کا زمانہ ہے۔ اور میں نے کم عمری میں بھی سوائے نجمہ کے کسی سے محبت نہیں کی لیکن آج صبح سے دل بے اختیار اس کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔ تم دیکھتے ہو یہ میری بیوی سے زیادہ حسین نہیں عمر میں اس سے بڑی معلوم ہوتی ہے پھر مجھے یہ کیا ہو گیا ہے"؟ قمر نے ہنستے ہوئے کہا "کہئے کیسا پچھاڑا اور میرا خیال ہے کہ آپ کی بیوی بھانپ گئی ہیں۔ جمیل تم نے اور غضب کیا۔ یہ بڑی نادانی ہے۔ ایسی حالت میں تم کو اس سے بچنا چاہیئے۔ نہ کہ آپ نے آفس ہی میں اس کا تقرر کر لیا اب تو وہ ہر وقت پیش نظر رہ کر اور دیوانہ بنائیں گی" یہ سُنکر جمیل نے جواب دیا "میرے قمر میں نے تو خود کچھ بھی نہیں کیا اشتہار پر تین لیڈیاں آئیں قبلہ ابا جان اور مینیجر نے ان تینوں کو کام تقسیم کر دیا۔ یہ میرے حصہ میں آئیں اب مجھ کو یہ اچھی لگتی ہیں۔ اس کا کیا علاج ہے"؟ "یہ سب سہی لیکن یہ بھی سوچا کہ اس کے ساتھ تم کس قدر بے وفائی کر رہے ہو جو تمہارے نام پر قربان ہو گئی۔ ابھی تازہ چوٹ غم جدائی کی کھا چکے ہو اس قدر جلد بھول گئے" یہ سُنکر جمیل آبدیدہ ہو گئے قمر کے بازو پر سر رکھ لیا پھر قمر نے کہا "پیارے جمیل اپنے کو سنبھالو ماشاء اللہ آدھ درجن بچوں کے باپ ہو تمہاری بیوی کی زندگی بھی عذاب ہو جائے گی کیونکہ اس عورت کا ہر وقت تمہارے ساتھ رہنا ہرگز گوارہ نہ ہو گا" جمیل پھر درست ہو کر بیٹھے اور جواب دیا "مجھ کو خود یہ خیال ہے۔ ابھی تین ۳ ماہ سے میں نجمہ کی جدائی میں زندگی سے بیزار ہو رہا تھا اور آج صبح سے اپنے دل میں ایک خوشی محسوس کر رہا ہوں لیکن قمر تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ مجھ کو یہ عورت بھی نجمہ نظر آتی ہے شاید کچھ ہم شکل ہی ہو لیکن میں اس کا اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونا گوارہ نہیں کر سکتا اور ایک ہی دن میں یہ سب کچھ ہو گیا۔ تم نے دیکھا میں تم سب کو چار ہی بجے چھوڑ کر آفس چلا گیا تھا وہاں سے پھر اس کو چھوڑ کر آنا مشکل تھا۔ تو یہ ترکیب کی کہ اس کو بھی محل کی تقریب میں شریک کیا جائے" قمر بولے تمہارا یہ خیال بالکل صحیح ہے اس میں نجمہ کی جھلک ضرور ہے میں بھی اس کے چہرہ کو غور سے دیکھتا رہا آنکھیں بالکل نجمہ کی ہیں۔

جسم ذرا بھاری ہے اور اِس وقت تو "میک اپ" کے بعد اُس کا رنگ بھی نجمہ کا سا ہی ہو رہا تھا شاید یہی وجہ کشش ہے۔ خیر جو کچھ بھی ہو ابھی نئی نئی بات ہے جلد زخم بھر جائے گا۔ اِس عورت کو فوراً علٰحدہ کر دو۔ اپنے آفس سے ہی نہیں بلکہ نوکری سے بھی برطرف کر دو۔ ورنہ جمیل بڑی مصیبت کا سامنا ہوگا جس کو تم اور تمہاری بیوی برداشت نہ کر سکیں گے" جمیل نے جواب دیا "قمر یہ تو ناممکن ہے کہ اس بے کس کو ملازمت سے علٰحدہ کر دوں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ کسی اور آفس میں بھیج دی جائے اور میں ملنا چھوڑ دوں" یہ گفتگو ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ باہر سے کھانے کا بلاوا آیا اور یہ دونوں کھڑے ہو گئے اور قمر بولے "جمیل کھانے کے بعد ناچ گانا بھی ضرور ہو گا لیکن ہم اُس میں شریک نہ ہوں گے" "اچھا قمر سلطانہ سے چند گھنٹے بھی علٰحدہ نہیں رہ سکتے؟" "نہیں بھائی ہم کو اس آئی ہوئی آفت کے ٹالنے کی تدبیریں سوچنا ہے" "خیر کچھ سوچنا مگر مجھ کو اتنی اجازت دیدینا کہ اس وقت اُس کو میں خود ہوٹل تک پہنچا آؤں" "ہرگز نہیں رواروی کی دو تین ملاقاتوں میں تو یہ حالت ہو گئی۔ تم اب اُس کی شکل مت دیکھو اب تک تو ہم لوگ یہ چاہتے تھے کہ نجمہ کا غم تم بھول جاؤ اور اسی لئے ہم چاروں جبل پور سے یہاں آئے ہیں کہ تمہیں خوش کر سکیں لیکن یہ نیا شگوفہ کھلا یہ حالت دیکھ کر تو پھر یہی جی چاہتا ہے۔ کہ تم اُسی کے غم میں مبتلا رہو۔ تاکہ اِس نئی آفت سے بچو" جمیل نے جواب دیا "میں نے تمہارا کہنا ہمیشہ مانا اور اب بھی اس کی کوشش کروں گا ابھی تو مقرر ہوئی ہے۔ بے گناہ علٰحدہ کرنا ظلم ہے۔ ہاں اپنے آفس سے اس کی میز ہٹوا کر دوسری جگہ ان کا دفتر بنا دیا جائے گا قمر اطمینان رکھو تمہارا جمیل بہت متحمل ہے اور طبیعت میں بہت ضبط ہے یہ بھی خدا جانے کیا سبب ہے؟" "تم بھی تو کہتے ہو کہ آنکھیں نجمہ جیسی ہیں وہ جب باتیں کرتی ہیں تو نجمہ کا سا انداز گفتگو نظر آتا ہے۔ محض اسی وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ مس خان مجھ سے گھنٹوں باتیں کرتی رہیں۔ اچھا تمہارا حکم سر آنکھوں پر جہاں تک ہو سکا اس سے علیحدہ رہوں گا" یہی باتیں کرتے ہوئے دونوں دوست کھانے پر پہنچ گئے۔ بقول قمر صاحب شکیلہ بیگم بھی تھوڑی دیر میں یہ اندازہ لگا چکیں تھیں کہ ان کا نیک دل شوہر مس خان کو زیادہ پسند کر رہا ہے وہ چیز ہی اچھی تھی ان تینوں کو بھی بہت پسند آئی یہ لوگ اپنے ساتھ ایک نیا نمونہ لے کر بیگمات کے پاس پہنچیں علاوہ نوجوان مہمان بیبیوں کے شکیلہ کی والدہ صاحبہ اور ساس صاحبہ نے بھی مس خان کو بہت پسند کیا اور اپنے ساتھ کھانے پر بٹھایا کھانے کے بعد بارہ بجے رات تک میراثنوں کا ناچ گانا ہوتا رہا۔ لیکن یہ چاروں اُکتا گئیں اور شکیلہ بیگم کے ساتھ اِن کی باغیچہ والی چھوٹی کوٹھی میں آئیں جہاں قمر اور جمیل کو ڈرائنگ روم میں باتیں کرتے پایا کمشنر صاحب اپنے بیڈ روم میں جا چکے تھے۔ ان چاروں کو دیکھ کر دونوں کھڑے ہو گئے۔ جمیل نے کہا "ارے آپ لوگ اب تک جاگ رہے ہیں"! قمر نے جواب دیا "ہم تو اٹھ بھی آئے باہر تو ابھی ناچ ہو رہا ہے۔ آپ فکر نہ کریں آپ کے صاحب بہادر دو گھنٹے گذرے وہاں سے اٹھ آئے تھے اپنے کمرے میں آرام کر رہے ہیں۔ آپ بھی تشریف لے جائیے" شوہر سے یہ سن کر بیگم قمر نے کہا "ایسا ہی چاہیے چوبیس گھنٹے بیٹھے رہنے اور باتیں کرنے کا صحبت پر کچھ اچھا اثر نہیں ہوتا" جمیل بولے "قمر سلطانہ آپ ناراض نہ ہوں یہ قصور میرا ہے بیچارے قمر کا نہیں ایک ہفتہ میں جبلپور رہا تب بھی آپ کو تکلیف ہوئی میں نے قمر کو آدھی رات تک جگایا۔ آج تو ابھی پہلا ہی دن ہے" پھر مس خان نے کہا "بیگم صاحبہ رات زیادہ آ گئی ہے اب مجھ کو اجازت ملنی چاہیے" شکیلہ بیگم نے اِن سے کہا بہت اچھا اور شوہر کو دیکھ کر کہا "آپ ذرا کار منگا کر مس خان کو روانہ کر دیں" بیوی سے یہ سنتے ہی بے اختیار انہوں نے قمر کو دیکھا وہ فوراً ہی کھڑے ہو گئے۔ مس خان سب سے رخصت ہوئیں اور قمر کے ساتھ کار تک آئیں تب انہوں نے کہا "ڈرائیور گھر کا پرانا ملازم ہے۔ اگر آپکو ضرورت معلوم تو کوئی آیا ساتھ کر دی جائے" "آپ کی مہربانی اگر کوئی عورت ساتھ ہو تو اچھا تھا" قمر صاحب نے فوراً ہی ایک ملازمہ کو گاڑی میں بٹھا دیا۔ یہ واپس آئے قمر سلطانہ چونکہ اپنے بیڈ روم میں جا چکیں تھیں ناچار وہ بھی چلے گئے اور جمیل نے جمیلہ کو بھی بھیج دیا اور بیوی سے کہا "اب ہمیں بھی سونا چاہیے" بیوی اِن کے چھیڑنے کو بولیں "ہاں نہ قمر ہیں نہ جمیلہ اب تو مجبور سونا ہی پڑے گا" یہ کہہ کر ہنستی ہوئی ان کے

قریب بیٹھ گئیں۔ تو جمیل نے کہا خدا کا شکر ہے میری بیوی قمر سلطانہ کی طرح تنگ دل نہیں" "خیر یہ تو مذاق تھا مس خان کی بابت تو بتایئے یہ اتنی قابل کسی اچھے گھرانے کی خاتون اس چھوٹے سے کام پر کس طرح آمادہ ہو گئیں؟ اس کو تو سکولوں میں بہت اچھی جگہ مل سکتی تھی اچھی شکل ہے۔ اب تک شادی کیوں نہیں ہوئی یہ معمہ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا" "میں خود حیران ہوں کہ ام محبت ایم۔اے۔ ہے خوش شکل ہے جوان ہے شادی کیوں نہیں کرتی؟ اسکولوں میں تو کہتی تھی کام کر چکی ہوں۔ اسی خیال سے میں نے اس کو آپ سے ملایا کہ دو چار ملاقاتوں میں اس کے حالات معلوم کرلیں بظاہر تو شریف معلوم ہوتی ہے شریف تو خیر ہو گی خوبصورت ہے دلکش ہے کہیں دفتر میں گڑبڑ نہ ہو جائے۔ ابھی اس دن چچا جان فرما رہے تھے کہ "ہمارے ہاں چند ٹائپسٹ لڑکیاں بہت خراب آگئی ہیں منیجر صاحب مقرر کرتے وقت اس کا خیال نہیں کرتے اگر یہ کام ہماری دلہن کے ہاتھ میں ہو تو بہت اچھی قسم کی لڑکیاں انتخاب کی جائیں" چچا جان اُن لڑکیوں ہی کو ناپسند کر رہے ہیں جن کی معمولی شکلیں ہیں اور کم علم ہیں۔ یہ مس خان صاحبہ تو سب کی سردار ہیں خدا خیر ہی کرے"

"ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو نہیں معلوم وہ کس قسم کی عورت ہے! مگر اطمینان اس وجہ سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ ضرور سمجھ سے کام لے گی کبھی کبھی تم یہاں بلا لیا کرنا اس سے اس کی حالت کا اندازہ ہوتا رہے گا اس کے علاوہ دو اور تعلیم یافتہ اور شریف ہندو لیڈیاں بھی مقرر ہوئی ہیں تم اُن کو بھی بلوا کر دیکھنا"

"تو آج آپ اُن دونوں کو ساتھ کیوں نہیں لائے" "بات یہ ہے کہ وہ دونوں ہندو ہیں اور یہ مسلمان وہ دونوں اپنا کام ختم کر کے جا چکی تھیں اور شام جب میں آفس گیا تو یہ اس وقت تک کام کر رہی تھی اور چونکہ مسلمان ہے اس کو ہمارے رسم و رواج سے زیادہ دلچسپی ہے۔ اس نے خود خواہش ظاہر کی کہ آج کی تقریب میں اس کو شریک ہونے کی اجازت دی جائے تم کو دکھانے کے خیال سے بلالی گئی۔ اب اگر تم پسند کرو گی تو آتی جاتی رہے گی۔ پسند نہ ہو تو نہ آئے گی اب سونا چاہئے ایک بج گیا ہے"

(بقیہ مضمون ص ۱۰۳ کا)

اس طبقہ کو ادنے درجہ سے نفرت کرنے اور اپنے درجہ میں قناعت کے نہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ میں بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ اعلیٰ درجہ کے لوگوں سے اس کو ایک خاص قسم کا حسد ہوتا ہے بلکہ اس کی پیروی کی خواہش اس کی طرز معاشرت اور اس کی جیسی زندگی کے حصول کی کوشش میں اپنی تمام زندگی ختم کر دیتا ہے لیکن حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ اس ناکامیابی کو بہت زیادہ محسوس کرتا ہے۔ اعلیٰ درجے کے طبقہ کے لوگ اس کی اس سعی کو دیکھتے ہوئے ادنے درجہ کے مقابلہ میں اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اکثر یہی طبقہ ادنے درجہ کے طبقہ سے زیادہ سختی سے بھی پیش آتا ہے اس طبقہ میں احساس کا مادہ بہت زیادہ ہے کیونکہ ہر چھوٹی سی چھوٹی بات کو بہت زیادہ محسوس کرتا ہے اعلیٰ درجہ کے لوگوں سے ملنے کو فخر سمجھتا ہے ان کے درجہ میں داخل ہونے کے لئے جان و مال تک قربان کرنے کے واسطے تیار ہے عموماً اس طبقہ کے لوگوں کے اخلاق بھی رکیک ہوتے ہیں چونکہ یہ طبقہ اپنے آپ کو ادنے طبقہ سے بہتر اور اعلیٰ طبقہ سے نزدیک تر سمجھ کر مغرور ہو جاتا ہے اس طبقہ میں بناوٹ بھی زیادہ پائی جاتی اور اسی وجہ سے ظاہر و باطن بھی یکساں نہیں ہوتا متوسط کے طبقہ سے ایک قسم نفرت ہے اور ادنے سے ایک قسم کی ہمدردی اس طبقہ کے لوگ زیادہ میل جول کے دلدادہ نہیں ہیں بلکہ علیحدگی کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور متوسط درجہ کے لوگوں کے اپنے تک پہنچنے کی کوشش کا مذاق اڑاتے ہیں اس طبقہ کی بہت سی عادات ادنے درجہ سے مشابہ ہیں یعنی طبیعت میں لاپروائی صاف گوئی۔ ان لوگوں کا ظاہر باطن بھی ایک سا ہے چونکہ متوسط درجہ کے لوگوں کی طرح ان کو اپنے آپ کو برتر دکھانے کی ضرورت نہیں اس لئے بناوٹ کی بھی ضرورت نہیں۔

یہ ہیں تینوں درجوں کی خاصیتیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان ہر سہ طبقوں میں کچھ چند لوگ ایسے نہ ہوں۔ بہر حال سب سے زیادہ قابل رحم حالت تو متوسط درجہ کے طبقہ کی ہے۔ جیسی بناوٹ ظاہرداری و خوشامد اس طبقہ میں ہے کہیں نہیں پائی جاتی ہے

متوسط طبقہ

(۱) دُنیا کے ہر حصہ اور خاص کر ہندوستان میں انسانی دنیا تین طبقوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے ہندوستان کے ان تینوں طبقوں میں ایک دوسرے میں بہت فرق ہے اور ایک ہی نظر دیکھنے سے ہم بتا سکتے ہیں کہ اس شخص کو ان تین طبقوں میں سے کونسا درجہ دیا جائے ادنےٰ متوسط یا اعلےٰ لوگوں کی آمدنی میں بہت زیادہ فرق ہونے کی وجہ سے طرزِ معاشرت وگزران وغیرہ میں بھی ایک دوسرے سے بہت اختلاف ہے اسی وجہ سے ہر طبقہ کے لوگوں کے خیالات وعادات وجذبات میں کمال درجہ کا فرق ہے۔ انسان کی فطرت اُس کے ماحول سے بنتی ہے لہذا ہر ایک طبقہ کے لوگ دوسرے طبقہ کے لوگوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں مگر ایک ہی طبقہ کے لوگ آپس میں بہت زیادہ مشابہ ہوتے ہیں مثلاً ادنےٰ درجہ کے لوگ سب تقریبًا ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں متوسط درجہ میں بھی سب لوگوں میں مشابہت پائی جاتی ہے اگرچہ اعلےٰ درجہ کے لوگوں کے عادات وخصائل ان دونوں طبقوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے سے بالکل ملتے جلتے ہوتے ہیں۔

ادنےٰ طبقہ کے لوگ اپنی ہر حالت میں خوش رہتے ہیں یہ طبقہ مزدور طبقہ ہے اس کو اپنی گری ہوئی حالت کا بہت کم احساس ہوتا ہے دُنیا میں اپنے آپ کو اسی قابل سمجھتا ہے کہ صرف پیٹ بھر کر روٹی اور تن ڈھکنے کے واسطے کپڑا حاصل کرنا اس کا نصب العین ہے اس کی زندگی خواہشوں وآرزؤں سے آزاد ہوتی ہے۔ قناعت اس کی سب سے بڑی صفت ہے۔ گو زمانہ اس کو ہمیشہ پریشان ہی رکھتا ہے مگر یہ اُس کی کوئی شکایت نہیں کرتا تمام دن محنت کرنے کے بعد جب پیٹ بھر کر کھانا مل جاتا ہے تو خدا کا شکر بجا لاتا ہے اور چین کی نیند سوتا ہے۔ جسمانی محنت کی وجہ سے اس کی صحت بھی بہت اچھی رہتی ہے۔ اس طبقہ کے لوگوں میں بہت زیادہ عجز وانکساری پائی جاتی ہے غرور وتکبر کا نام تک نہیں ہوتا اور دوسرے طبقوں کے لوگوں کو اپنے سے بہتر اور برتر تسلیم کر کے اُن کی بے حد اطاعت کرتا ہے ان کے جبر وتشدد پر چون وچرا بالکل نہیں کرتا یہ طبقہ زمانہ کے ظلم کا اتنا عادی ہو جاتا ہے کہ اس کو معمولی مظالم کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ باوجود بھوکے رہنے اور ننگے پھرنے کے اوسط درجہ کے لوگوں سے زیادہ قانع ہوتا ہے اور ہمیشہ خوش رہتا ہے اس طبقہ کے دماغ کو ایک قسم کا سکون ہوتا ہے جو اوسط درجہ کو نصیب نہیں یہ طبقہ ترقی کی کوئی جستجو نہیں کرتا بلکہ اس کا خیال رہے کہ جس حالت میں خدا نے بنایا ہے اس سے تبدیلی ناممکن ہے۔ یہ طبقہ مذہبی بھی ہوتا ہے یعنی خدا تعالےٰ کے ذرا سے احسان کے لئے بھی بہت مشکور ہو جاتا ہے اور متوسط درجہ کے طبقہ سے بالکل مقابلہ نہیں کرتا اس طبقہ میں بہت کم لوگ عیار یا بدمعاش اور جھوٹے ہوتے ہیں ان میں بناوٹ کا نام ونشان نہیں بلکہ ظاہر وباطن سب یکساں ہوتا ہے اس کا مقصد زندگی گزارہ کرنا ہے اور اس سے زیادہ نہیں۔

متوسط طبقہ۔ تعداد میں ادنےٰ طبقہ سے کم ہے مگر عادات میں بالکل مختلف کہنے کو ادنےٰ طبقہ سے بہتر لیکن اگر اس کی زندگی پر غور کیا جائے تو ادنےٰ سے بدتر ہے اس کو وہ اطمینانِ قلبی اور سکون دماغی جو ادنےٰ طبقہ کو حاصل ہے بالکل میسر نہیں۔ یہ طبقہ تمام عمر عجب کش مکش میں مبتلا رہتا ہے اس کی مشکلات ادنےٰ طبقہ سے بہت زیادہ ولاعلاج ہوتی ہیں۔ اگرچہ پیٹ بھر کر کھانے کو مل جاتا ہے لیکن ویسا چین میسر نہیں جو ادنےٰ طبقہ کو حاصل ہے۔ ہر وقت زیادہ کی ہی جستجو اور ترقی کی تگاپو میں لگا رہتا ہے اور خواہشات وآرزؤں کے پورا کرنے کے لئے پریشان۔ دراصل اس کی پوری کوشش اپنے آپ کو اعلےٰ درجہ پر پہنچانے کی رہتی ہے۔

باقی مضمون صفحہ ۱۱۳ کالم ۲ دوسرے پیرا میں ملاحظہ ہو

نازیبا بے تکلّفی

آج کل برابری اور ہمسری کے ساتھ بے تکلفی کے نام سے بھی یہ رَوِش چل نکلی ہے کہ میاں بیوی میں گفتگو کے معمولی آداب کا لحاظ نہیں رکھا جاتا اور ان کے مابین ایسی باتیں ہونے لگیں ہیں جو نہ ہونی چاہیئیں یہ بے تکلفی کبھی حد سے بڑھ جاتی ہے اور وہ باتیں سننے میں آتی ہیں جو صرف بعض افسانوں ہی میں دیکھی جاتی تھیں اور جن کی ابتدا یوں ہوتی کہ میاں باہر سے آئے بیوی کہتی ہیں "یہ صورت پر ڈھائی کیوں بج رہے ہیں" یا "چہرے پر ہوائیاں کیوں اُڑ رہی ہیں" اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کا اثر کیا ہوگا اور کیا نتیجہ نکلے گا مذاق سہی لیکن پیرایہ تو اچھا نہیں اول اول مذاق میں بات آئی گئی ہوتی رہتی ہے جب عادت پڑ گئی اور دوسری باتیں بھی اسی پیرایہ میں شروع ہوئیں تو خواہ مخواہ ردّوکد ہونے لگتی ہے اس قسم کے فقرے تو ہمجولیوں سہیلیوں پر کسے جاتے تھے یا کبھی کام چور مُنھ تھوتھائے ہوئے چھوکرے چھوکریوں کو کہہ دیے جاتے تھے شوہر کو ایسا کہنے کا گمان بھی نہ ہو سکتا تھا شوخ مزاج سے شوخ مزاج بیویاں بھی جو نہایت بے تکلف اور ہر اعتبار سے شوہروں پر حاوی ہو جاتی تھیں کبھی ایسا فقرہ زبان پر نہ لاتی تھیں جس سے شوہر کی توہین کا پہلو نکلے دراصل میاں بیوی میں جو ربط اور وابستگی قائم ہو جاتی ہے وہی اس امر کے منافی ہے میاں کی تحقیر اپنی تحقیر اور اس کی اہانت اپنی اہانت ہے۔

لڑکیوں کو ایسا اُٹھایا جاتا تھا کہ وہ میاں سے کسی قسم کی بے تمیزی نہ برتیں مُنھ پھٹے پن اور بے تکے پن سے بچیں ہر موقع و محل زیبا و نازیبا کا بخوبی دھیان رکھیں۔ بدقسمتی سے میاں کا مزاج اچھا نہ ہوا تو بیویاں اور زیادہ احتیاط رکھتی تھیں یہ عمل کسی خوشامد یا دباؤ کی وجہ سے نہیں ہوتا تھا بلکہ ادب کے تقاضے۔ نباہ کے لحاظ اور اپنی توقیر و حرمت کے خیال سے ہوتا تھا یعنی ایسا نہ ہو کہ بات کا بتنگڑ بن جائے یا وہ بھی جواب میں کوئی ویسی ہی بات کہہ گزرے یہ خیال بچپن ہی سے دلوں میں جما ہوا ہوتا تھا کہ بیویوں کی عزت جیسی بے بہا شے ہے ویسی ہی نازک بھی ہے ادھر میاں کو لازم ہوتا تھا کہ وہ ہر طرح بیوی کی عزت کا خیال رکھتے تھے۔ خود کچھ کہنا تو درکنار اگر کبھی کسی الجھن کے سبب سے یا اتفاقاً کوئی نامناسب کلمہ اُن کی زبان سے نکل جاتا یا شاید بات چیت کا سلیقہ ہی نہ ہوتا تو ضبط و تحمل سے کام لیتے تھے اور جن اشخاص سے ان کے مزاج کے افتاد یا خاندانی خصائل کی بنا پر ایسی توقع نہ ہو سکتی تو لوگ ان کی قرابت سے گریز کرتے تھے ساس نندوں اور بہوؤں میں ان بن ہوتی تو ساس نندیں خود خواہ جو کچھ بھی کہہ لیں بیٹوں اور بھائیوں سے ان کی بیویوں کی شکایت بغیر کسی خاص ضرورت کے نہیں کرتی تھیں کہ میاں بیوی میں تکرار زیادہ نہ ہو جائے دونوں طرف سے لحاظ ہونے کی وجہ سے گفتگو میں خود بخود خوش اسلوبی آجاتی اعتدال کی کیفیت رہتی اور مزاجوں میں موافقت اور تعلقات کی استواری بھی پیدا ہو سکتی۔ خدانخواستہ کبھی کشیدگی بھی واقع ہوتی تو رسوائی اور جگ ہنسائی کا موقع نہ آنے پاتا۔

امیر ہوں خواہ غریب تمام عزت دار گھرانے انہیں قاعدوں کے پابند ہوتے تھے اور اب بھی ہوتے ہیں۔ میاں بیوی میں تو تو میں میں کا ہونا بہت بری بات ہے۔ کونسا گھر ہے جہاں یہ بات بُری نہ سمجھی جاتی ہو۔ مذکورہ بالا بے تکلفی اس کے اسباب میں سے ایک قوی اور بنیادی سبب بن جاتی ہے۔ یہ بے تکلفی جس سے بے لطفی و بدمزگی و ناگواری اور بیزاری پیدا ہو جاتی ہے حقیقت میں بے تکلفی نہیں بلکہ اور ہی کچھ ہے ہمیشہ اس سے بچتا ہی رہنا چاہیئے۔

بنی فاطمہ نقوی۔

مرغیاں پالنا

بسلسلۂ اشاعت گذشتہ

اتنے عرصہ میں کہ آپ کی مرغی انڈے سے رہی ہے آپ کو چوزوں کی پرورش کے لئے ایک ڈربے اور اس کے ساتھ ایک جنگلے کا بھی انتظام کر لینا چاہیئے۔ چوزوں کی پرورش کے دوران میں اُن کو موزوں جگہ رکھنا اُتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ درست اور ٹھیک خوراک دینا۔ اگر چوزوں کو تنگ و تاریک غلیظ اور نمدار جگہ پر رکھا جائے گا تو خواہ اُن کو کتنی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ خوراک کیوں نہ دی جائے وہ ہرگز اچھی نشوونما نہیں پائیں گے اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو کر مرتے رہیں گے۔ جو بہنیں مُرغیاں پالنے کا شوق رکھتی ہوں یا اب ارادہ کریں اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ دو قسم کے ڈربے بنوائیں۔ ڈربہ نمبر ۱ وہ ہو جس میں چوزے ابتدا سے چار ماہ کی عمر تک پرورش پائیں اور نمبر ۲ جس میں چار ماہ کی عمر کے بعد مرغیاں رہ سکیں۔ بس اس وقت ڈربہ نمبر ۱ کے متعلق لکھ رہی ہوں۔ معمولی سستی سی لکڑی کا چھوٹا سا بکس بنوالیں۔ یہ صندوقچہ آگے سے اٹھارہ انچ اور پیچھے سے پندرہ انچ اونچا ہو۔ اور چوڑائی لمبائی چاروں طرف سے کم از کم اٹھارہ اٹھارہ انچ۔ اگر بکس اس ناپ سے کسی قدر بڑا ہو سکیں تو زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ تختے آدھ انچ موٹی لکڑی کے کافی ہوں گے۔ پچھلا دروازہ بارہ انچ اونچا اور باقی تین انچ دونوں طرف تختہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ دروازہ مضبوطی سے بند ہو سکتا ہو اور اس کو کھول کر بکس صاف کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ سامنے کا دروازہ جالی دار جنگلے میں ہو جس میں سے مُرغی اور چوزے جنگلے میں آجا سکیں۔ یہ دروازہ جالی دار ہوگا کہ ہوا اندر جا سکے اور دروازے کے اوپر بارش وغیرہ کی روک کے لئے ایک معمولی سی تختی لگا کر چھجہ بنا دیں۔ جالی باریک سوراخ کی ہو تاکہ چوہے وغیرہ اندر نہ جا سکیں اور رات کو یہ دروازہ بند کر دیا جائے۔ پیشتر اس کے کہ بکس بنایا جائے تختیوں کو گرم لک یا سلگنم میں تر کر لینا چاہیئے۔ چھت پر جستی چادر ٹین یا ٹاٹ کا ٹکڑا ڈال دیا جائے۔ بکس کے اندر نرم خشک گھاس یا بھوسہ بچھا دو جو ہر دوسرے تیسرے دن بدل دیا جائے اور اس پر جراثیم مارنے والا پوڈر جس کے بنانے کی ترکیب پہلے نمبر میں لکھی جا چکی ہے چھڑک دو غرض یہ ڈربہ اپنی مرضی سے بنایا یا انتخاب کیا جا سکتا ہے مگر اتنا خیال ضرور رکھیئے کہ یہ چوہوں سے محفوظ ہو۔ اچھا فراخ ہو اور جس میں روشنی و تازہ ہوا کی آمد و رفت کافی ہو۔ آسانی سے صاف ہو سکتا ہو۔ اور اس کے اندر کوئی ایسی چیز نہ ہو جس سے چوزوں کو اچانک نقصان پہنچ جائے۔ آر پار ہوا یا بوچھاڑ کی زد نہ ہو۔ مٹی کے بنائے ہوئے ڈربوں میں عموماً چیچڑیاں وغیرہ پڑ جاتی ہیں اس لیئے لکڑی کے ڈربے جو اُٹھا کر کسی دوسری جگہ بدل کر رکھے جا سکیں بہت بہتر ہوتے ہیں۔ ڈربوں کے ساتھ ایک انچی لوہے کی جالی کا جنگلہ ہو جس کے اوپر کی طرف بھی جالی لگی ہو تاکہ چھوٹے چوزے چیل وغیرہ سے محفوظ رہیں۔ یہ جنگلہ چوزوں کی تعداد کے مطابق اتنا بڑا ہو کہ وہ اس کے اندر بخوبی دوڑ بھاگ سکیں۔ جن کے پاس کھلے احاطے یا کھیت وغیرہ ہوں وہ اگر ایسا جنگلہ بنوالیں جو اُٹھا کر دوسری جگہ رکھا جا سکے تو جگہ بدل بدل کر رکھنے سے چوزے بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ جنگلے میں کتری ہوئی خشک گھاس یا بھوسے کی ایک انچ موٹی تہ بچھا دیں۔ تاکہ چوزے اس کو لاتوں سے کرید کرید کر دانہ وغیرہ تلاش کریں اور اُن کی ورزش بھی ہوتی رہے لیجیے چوزوں کے لئے گھر تیار ہو گیا۔ اب دوسرا مسئلہ خوراک کا ہے اس کے لئے چند دن انڈوں کے نکلنے سے پہلے دو تین سیر زرد مکی ڈلوالیں۔ لیکن اس کو پیس نہ لیں۔ بلکہ دلیہ سا بنا لیں۔ اسی طرح دو تین سیر گندم اچھی

قسم کی دلوالیں یہ دلیہ بھی بہت موٹا ہو یعنے ہر دانہ کے دو ٹکڑے ہوں اب اِن دونوں اناجوں کو آپس میں ملاکر بچوں کی خوراک کے واسطے رکھ چھوڑیئے۔ اس کو ہم آئندہ دلیے کے نام سے لکھیں گے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل اشیاء کو بھی ملاکر گھڑے وغیرہ میں رکھ لیجئے۔

گندم کے آٹے کا چوکر۔ ایک سیر۔ گندم کا آٹا۔ ایک سیر۔ زرد مکی کا آٹا۔ تین پاؤ۔ پسا ہوا لکڑی کا کوئلہ۔ آدھی چھٹانک مادہ معدنیات۔ ایک چھٹانک۔ مچھلی کا تیل حیوانی۔ دو فی صدی۔

اس ملاوٹ کو ہم ہستا کھانا کہیں گے۔ یہاں میں مادہ معدنیات اور مچھلی کا تیل حیوانی کی تشریح کرتی ہوں۔

مچھلی کا تیل (حیوانوں کے لیئے) یہ تیل اگر دو فی صدی کھانے میں ملایا جاوے تو چوزوں کی پرورش میں بہت مدد کرتا ہے اور مرغیوں کی جسمانی حرارت کو موسم سرما میں برقرار رکھتا ہے۔ پرندوں کا قد بڑھانے میں خاص طور پر مفید ہے۔ منگواتے ہوئے خاص طور پر مچھلی کا تیل (حیوان کے لیئے) کہہ کر لیا جائے۔ صاف شدہ مچھلی کا تیل جو انگریزی دوا فروش فروخت کرتے ہیں بہت مہنگا ہے۔ اگر آپ کے شہر کے کیمسٹ سے نہ ملے تو یہ تیل۔ میسرز ابین اینڈ ہین بریز۔ کلائیو بلڈنگس کلکتہ سے مل سکتا ہے۔

مادہ معدنیات موجودہ زمانے کی تحقیقات سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ خوراک میں عام طور پر مادہ معدنیات کی کمی ہوتی۔ اور یہ جانور کی صحت اور انڈا پیدا کرنے کے لیئے ضروری ہے۔ ان معدنی چیزوں میں سے فاسفورس اور چونا زیادہ وقعت رکھتے ہیں۔ خوراکوں کے معدنی اجزا میں اضافہ کرنے کے لئے یہ معلوم کیا گیا ہے کہ مندرجہ ذیل ملاوٹ کو خشک ۳ سے کھانے میں ملالیں۔

ملاوٹ مادہ معدنیات تازہ پسی ہوئی ہڈیاں۔ تین حصے۔ چونے کا پتھر پسا ہوا۔ ایک حصہ۔ نمک پسا ہوا۔ ایک حصہ۔ (اس کو تین فی صدی کے حساب سے ۳ کھانے میں ملادیں) پسی ہوئی ہڈیاں امپیریل کیمیکل انڈسٹریز لمٹیڈ مال لاہور سے مل سکتی ہیں۔ اور جس جگہ چونا بناتے ہیں وہاں سے چونے کا پتھر مل سکتا ہے۔ یہ پتھر جلا ہوا نہ ہو اس کو پیس لینا چاہیئے اگر آپ کے شہر میں چونے کا پتھر نہ ملے تو لائم سٹون سنڈیکیٹ سہلٹ آسام سے منگوا لیجئے۔ اگر آپ مادہ معدنیات تیار نہیں کر سکتیں تو پھر معمولی کھانے کا نمک تین فی صدی یعنے دو سیر ۳ کھانے میں ایک چھٹانک نمک ملادیں۔ سب اشیا یکجان ہو جائیں۔

چوزوں کا نکلنا انڈوں میں سے بچے نکلنے کے لیئے اکیس دن چاہئیں۔ لیکن اگر انڈے بالکل تازہ ہوں گے تو بچے بیسویں دن نکل آئیں گے۔ انیسویں روز سے بچے نکلنے کی نشانیاں نظر آنے لگ جائیں گی خول میں درزیں نظر آئیں گی اور چوزوں کی آواز سنائی دے گی۔

جب یہ وقت آجائے تو مرغی کو اس کی جگہ پر سے صبح ہی مت اٹھایئے۔ بہت آہستگی سے مرغی کے نیچے ہاتھ ڈال کر انڈوں کے خالی اور ٹوٹے ہوئے چھلکے علیحدہ کر دینے چاہئیں۔ کسی چوزے کو باہر نکلنے کے لیئے مدد نہ دینی چاہیئے۔ چوزوں اور مرغی کو اُن کی جگہ سے دور ہٹانے کی اس وقت تک کوشش نہ کریں جب تک کہ تمام انڈوں میں سے بچے نہ نکل آئیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ بہت باسی انڈوں میں سے بائیسویں دن تک چوزے نکلیں لیکن اس کے بعد کسی انڈے کے تڑخنے کی امید نہیں رکھنی چاہیئے جن انڈوں میں سے بچے نہیں نکلے وہ یا تو خراب تھے یا بیمار تھے۔

اب چوزوں کو معہ مرغی کے دڑبے میں جو پہلے سے تیار ہے اور جس میں خشک گھاس پھونس بچھا کر اس کے اوپر جراثیم مارنے کا پوڈر چھڑک دیا گیا ہے رکھ دیں۔ اب تھوڑی سی باریک پسی ہوئی گندھک لے کر تھوڑے سے سرسوں کے تیل میں اس طرح ملاؤ کہ یہ مرہم سی بن جائے اور یہ مرہم ہر ایک چوزے کے سر پہ تھوڑی تھوڑی لگا دو۔ یہ کام نہایت ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو بہت ممکن ہے کہ چوزے جلد ہی جوؤں سے مر جائیں گے۔ کیونکہ بہت سی مہلک بیماریوں کا سبب جوں ہی ہوا کرتی ہے اگر یہ عمل ہفتے وار دہرایا جائے تو ایسی بیماریوں کا سامنا ہرگز نہ ہوگا۔

چوزوں کو انڈوں میں سے نکلنے کے اڑتالیس گھنٹے بعد تک کوئی کھانے کی چیز نہیں دینی چاہئے۔ اس کا اندازہ اس وقت سے کرنا چاہئے جبکہ پہلا انڈا ٹوٹے۔ یہ اصول بہت ضروری ہے کیونکہ انڈے میں سے نکلنے سے تھوڑی دیر پہلے چوزہ انڈے کی زردی کو اپنے جسم میں ہضم کر لیتا ہے قدرت نے ایسا انتظام بنایا ہے کہ یہ زردی اڑتالیس گھنٹے کے لئے کافی خوراک ہے۔ اور علاوہ ازیں قدرت اسی دوران میں ہاضمہ کا نظم و نسق درست کرتی ہے اگر اس وقت بیرونی خوراک دے دی گئی تو ڈر ہے کہ ہاضمہ کے نظام میں بھاری خلل پیدا ہو کر چوزہ مر جائے۔ اس لئے پہلے اڑتالیس گھنٹوں کے دوران میں صرف لسی (مکھن نکلی ہوئی) یعنے چھاچھ اور موٹی ریت دی جائے۔ ریت میں سے چوزے تیز کنکر وغیرہ چن لیں گے اور یہ کنکر اُن کو خوراک کے پیسنے کا کام دیں گے۔ اگر ریت آسانی سے نہ ملے تو انڈوں کے خول اوبال کر اور پیس کر جب موٹی ریت کی طرح ہو جائیں تو کسی برتن میں رکھ کر چوزوں کے سامنے رکھ لیجئے۔ اور کسی کم گہرے برتن میں چھاچھ ڈال کر رکھ لیجئے۔ مرغی کو الگ کر کے دانہ دیدیجئے۔

دو دن سے پانچ دن کی عمر تک

آٹھ بجے صبح۔ دلیہ ایک مٹھی ہر بارہ چوزوں کے لئے دڑبے میں جو گھانس یا بھوسے کی تہہ بچھی ہوئی ہے اس میں پھینک دیجئے۔ (آئندہ اس گھانس یا بھوسے کی تہہ کو ہم بچھالی کہیں گے۔)

دس بجے صبح۔ مِستا گھانا کسی رکابی میں ڈال کر سامنے رکھ دیں اور پندرہ منٹ کے بعد اٹھا لیں۔

بارہ بجے دوپہر۔ آٹھ بجے کے مطابق مکئی اور گندم کا دلیہ دیجئے۔ پہلے بچھالی کی تہہ کو اٹھا کر یا ہٹا کر دیکھ لیجئے کہ صبح کے دانے چوزوں نے تمام کے تمام کھا لیئے ہیں یا نہیں۔ اگر کھا لیئے ہیں تو اتنی ہی مقدار اس وقت بھی دیدیں۔ اگر نہیں کھائے تو صبح سے کچھ کم مقدار میں دیں۔ تھوڑا سا باریک کترا ہو سلاد بھی کسی برتن میں ڈال کر دیں۔ اگر سلاد موجود نہ ہو تو بند گوبھی یا پھول گوبھی کے نرم پتے۔ پالک۔ توسرن۔ پیاز۔ میدان کی نرم نرم کٹی ہوئی گھانس۔ گیہوں کے چھوٹے چھوٹے پودے سینجی یا برسیم وغیرہ دینا چاہئے۔ اس بات کا خاص خیال چند دن تک رکھا جائے کہ مندرجہ بالا چیزیں نرم اور باریک کتری ہوئی ہوں۔ دو بجے شام۔ مِستا گھانا جیسے کہ دس بجے صبح دیا تھا۔ چار بجے شام۔ ویسا ہی مِستا گھانا جیسا کہ دس بجے صبح دیا تھا۔ چھ بجے شام۔ (آخری خوراک جو کہ سورج غروب ہونے کے وقت دی جاتی ہے۔) دلیہ کسی برتن میں ڈال کر دیں۔ اس وقت بچھالی میں نہ پھینکا جائے۔ لسی (چھاچھ) ہمیشہ اُن کے سامنے ہونی ضروری ہے۔ اس کو یا تو مٹی کے کم گہرے برتن میں دینا چاہیئے یا قلعی شدہ برتن میں۔ کیونکہ چھاچھ کا تیزابی مادہ لوہے یا تانبے کے برتنوں کو خراب کر دیتا ہے۔ ایک برتن میں پانی بھی رکھ دیں۔

(باقی آئندہ)

م ن بیگم

غریب

سائنس کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ مشینوں کے کاروبار میں اتنی ترقی کبھی نہیں ہوئی تھی جتنی گذشتہ سو سال میں ہوئی ہے۔ ایجادات کے لحاظ سے گذشتہ صدی سائنس کی "سنہری صدی" کہلانے کی مستحق ہے۔ نئی نئی ایجادیں جن کے بغیر ہمارا خیال ہے کہ ہم زندہ ہی نہیں رہ سکتے گذشتہ سو سال کے کارناموں میں سے ہیں۔ آج سے ڈیڑھ سو سال قبل کے لوگ خواہ وہ امریکہ یا یورپ کے ہوں یا ہندوستان کے موجودہ زمانہ کی ریل۔ ٹریموے۔ موٹر۔ چھاپے خانہ۔ ٹیلیفون۔ ریڈیو۔ ہوائی جہاز۔ ٹینک وغیرہ کو دیکھتے تو یقیناً انگشت بدنداں رہ جاتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان نئی نئی ایجادوں کے باعث ہم زیادہ خوش حال ہیں یا وہ ڈیڑھ دو صدی پہلے کے لوگ تھے کیا سائنس کے ان نئے نئے کرشموں سے جنکی بدولت ہم کو بہت سی محنت اور دردسری سے نجات مل گئی ہے حقیقت میں ہمارے لئے فائدہ مند ہیں؟ ہمارے باپ دادا آج سے سو سال قبل جس قسم کی زندگی بسر کرتے تھے کیا ہماری زندگی ان سے زیادہ آرام دہ اور قابل رشک ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ تمام ایجادات ہماری ضرورت کو پیش نظر رکھ کر کی گئی ہیں لیکن جب مختلف اقسام کی مشینوں کا سوال بیچ میں آجاتا ہے جن سے محنت اور وقت کی بہت بچت ہوگئی ہے تو ہم قدرتی طور پر سوچتے ہیں کہ کیا حقیقت میں یہ ایجادیں ہمارے لئے مفید ہیں ذرا سڑک پر چلے جائیے آپ دیکھیں گے کہ دیوہیکل پتھر توڑنے کی مشینیں منٹوں میں پتھر کی بڑی بڑی چٹانوں کو چھوٹے چھوٹے ترشے ہوئے ٹکڑوں میں تبدیل کر دیتی ہیں سینکڑوں مرد اور عورتیں مل کر ایک دن میں جتنا پتھر توڑ سکتے ہیں اس مشین کے ذریعہ سے صرف دو چار آدمی کام کر کے بہت زیادہ پتھر توڑ سکتے ہیں۔ موجودہ اسٹیم رولر صرف ایک ڈرائیور کی مدد سے جتنی سڑک ایک دن میں تیار کر سکتا ہے پرانے زمانے کے بہت سے آدمی اس پر کام کر کے چھ دن میں بھی تیار نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن وقت اور محنت سے بچانے والی ان تمام ایجادوں سے فائدہ دراصل کون اٹھاتا ہے؟ بلاشبہ غریبوں اور مزدوروں کو تو اس سے ذرہ برابر فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ وہ محنت کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں کیونکہ بہرحال ان کو روٹی کی ضرورت ہے۔ اگرچہ ان مشینوں کی ایجاد کی وجہ سے بہت سی چیزیں سستی بھی ہو سکیں۔ لیکن ان ہی مشینوں کی وجہ سے لوگوں کی غربت اور بے روزگاری بھی بے حد بڑھ گئی ہے اس کے علاوہ غور کیجیے کہ ان نئی ایجادوں نے نوع انسان پر اور کیا کیا مصیبتیں برپا کر رکھی ہیں موجودہ جنگ یورپ کا مطالعہ کیجیے کہ زہریلی گیسوں۔ نئی قسم کی توپوں۔ تباہ کن سمندری جہازوں خوفناک ہوائی جہازوں۔ آبدوز کشتیوں نے کیا کچھ طوفان برپا کر رکھا ہے۔ یہ سب نئی نئی ایجادات کے کرشمے ہیں۔ ان مشینوں اور اکثر ایجادات سے صرف متمول اور سرمایہ دار لوگ ہی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کو اپنے گذارہ یا روزی کمانے کی ضرورت تو ہے نہیں بلکہ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان مشینوں کے ذریعہ سے غریبوں کی پسینہ کی کمائی ان کی جیبوں میں سے نکال کر اپنی اس دولت میں ایزاد کریں جو ان کی آہنی تجوریوں میں محفوظ ہے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سائنس کی ایسی ایجادات سے اگر دس فیصدی لوگوں کو فائدہ پہنچا ہے تو یقیناً نوے فی صدی لوگ ہر طرح سے نقصان میں ہیں اس روشن اور تہذیب کے زمانہ میں جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انسان بے حد حساس ہو گیا ہے کیا احساس کا ثبوت اسی سے ملتا ہے کہ ایک کا شکم تو اعلیٰ درجہ کی مرغن اور خوشبودار مقوی اور مزیدار غذاؤں سے بھرے اور دوسرے کو نہ تو تن کا کپڑا اور نہ پیٹ کو سوکھی روٹی میسر ہو کاش کہ گورنمنٹ اس بات پر توجہ کرے اور وہ لوگ جنہیں قائد بننے کا شوق اور دعوے ہے اور وہ لیڈر اتحاد پر زور دیتے ہوئے اپنی حلق

خواہ مخواہ خشک کرتے پھرتے ہیں۔ اُن کو چاہیئے کہ وہ غریبوں کی حالت کی طرف بھی متوجہ ہوں۔ کاش کہ وہ لوگ اپنے آپ کو عالم سمجھتے ہوئے دوسروں کو حقارت سے دیکھ کر بے وقوف جاہل بے حس اور کوڑھ مغز کا خطاب عطا کرتے ہیں اور وہ لیڈر جو صبح سے شام تک چلاتے رہتے ہیں کہ "قوم کی خدمت کرو" "وطن پر قربان ہو جاؤ" یہ سمجھیں کہ غریبوں کو کچھ کرنے سے پیشتر دو چیزوں کی ضرورت ہوتی "روٹی" اور "سکون" کی یہ دو چیزیں ان کے لئے مہیا کیجئے اور پھر دیکھئے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

آنسہ آصف جہان بیگم بلگرامی۔

شام

ڈوبتے آفتاب کی کرنیں
چند لمحوں میں ہوگئیں روپوش
ہلکا ہلکا سا نغمہ بلبل کا
درد اور سوز سے ہے ہم آغوش

سر جھکا کر کھڑے ہیں کھیتوں میں
پیلے پیلے سے پھول سرسوں کے
گرتے ہیں کانپ کانپ کر پتّے
بیدِ مجنوں کی شاخِ لرزاں سے

ملکۂ شب کی پُر فسوں خوشبو
صحن گلشن میں ہر طرف پھیلی
باغ کے اِک اُداس کونے میں
کُوک اُٹھی دل شکستہ کوئل بھی

پھول چُپ چاپ ہیں کلی مغموم
چھپ کے پتّوں میں سوگیا بھونرا
گیت اک گا رہا ہے غم انگیز
دُور کھیتوں میں کوئی چرواہا

نجمہ رحمت اللہ بی اے

خواتین میں ذوقِ علم کی کمیابی

از زیب عثمانیہ لودیانوی

جہل کیا ہے؟ سعی حاصل پر قناعت کا خیال!
علم کیا ہے؟ زندگانی میں کمال اندر کمال!
چھان ڈالو ہر صحیفہ دیکھ ڈالو ہر کتاب!
ہو کسی صورت جہالت کا جہاں سے سدِّ باب!
صدرِ شباب خام ہوں اس پختہ پیری پر نثار
جس کا اندیشہ بیاں کرتے ہیں جوش نامدار
ہے محبت ہی یقیناً حاصلِ کشتِ حیات
اور یہی شے ہے فقط لے دے کے اپنی کائنات
ہیں مگر راہِ محبت میں بہت ایسے مقام
لغزشِ پا کا ہے اندیشہ جہاں ہر ایک گام
بے حصولِ علم ہے مخدوش ہستی کا سفر
قلبِ انساں بے مذاقِ علم مانند حجر
علم کی توسیع سے خائف ہے ہر قوم غلام
کیونکہ ہے محدود بزم دہر میں اس کا مقام

خواتین کی تحصیل تعلیم کے ضمن میں حضرت جوش ملیح آبادی کا ایک شعر ہے۔ ع

وقت سے پہلے بلا لیتے ہیں پیری کو علوم
عمر سے آگے نکل جاتے ہیں چہرے بالعموم

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

غذا کی دوا

حسن و جمال کے سلسلہ میں غذا کی احتیاط کے متعلق بار بار لکھنا ناموزوں نہیں معلوم ہوتا۔ غذا کا خیال کچھ بیماروں کے لئے مخصوص نہیں۔ غذا احتیاط اور عقل مندی سے منتخب کرنا حسن و دلکشی ایک جزو ضروری ہے۔ ایسی غذا چننا بسا ضروری ہے جس سے آپ کا باطن خوش و خرم رہ کے کام کرتا رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کی جلد صاف ستھری رہے گی آنکھوں اور بالوں میں چمک آجائے گی۔ دانت موتی جیسے ہو جائیں گے اور بدن پر بے کار گوشت نہ چڑھنے پائے گا غلط غذا استعمال کرنے سے آپ پر کاہلی اور درد سر کا اثر ہوگا مسام کھلے رہیں گے جلد چکنی ہو جائے گی۔ اس پر جھائیاں اور چھیپ پڑ جائیں گے اور بہت جلد جسم ضرورت سے زیادہ بھاری پڑ جائے گا۔ اس لئے آپ کو غذا کے متعلق دو چار ایسی باتیں معلوم ہو جائیں جن سے حُسن میں اضافہ ہو تو آپ کو فائدہ ہی پہنچے گا۔

آپ کی غذا میں تین خوبیاں ہونی چاہئیں قوت بخش ہو۔ اس کی ذیل میں سبزیاں میوے اور بے چھنا آٹا ہوگا۔ دُہنیت ہو۔ اس سلسلہ میں مکھن۔ مارگرین۔ گُردوں وغیرہ کے پاس کی چربی آتی ہیں۔ جزو بدن بن سکے۔ جیسے گوشت انڈے پنیر وغیرہ۔ گرمیوں میں موخر الذکر دونوں اجزا کا کم سے کم حصہ غذا میں رکھا جائے۔ اول الذکر خاص کر زیادہ ہو۔ غذا میں تازہ کچی سبزی یا میوہ ضرور شامل کریں۔ مولی اور شلغم کے اندر کے نرم پتّے یا کچی گاجر وغیرہ رنگ میں نکھار پیدا کرتے ہیں۔ تازہ ٹماٹر کھیرو وغیرہ بھی بے حد مفید ہیں۔ ہو سکے تو صبح کو اٹھنے کے بعد یا ناشتہ کے ساتھ کسی میوہ یا سبزی کا عرق پی لیا کریں۔ اس سے بھی رنگ نکھر جاتا ہے۔ سنگترہ انگور وغیرہ کا رس بھی بہت مفید ہے۔ مہینہ بھر میں ایک دن بھوکے رہیں۔ معدہ میں جو آخر کبار ہے اسی کو نکلنے دیں۔ پیاس لگے تو سنگترہ یا کسی اچھی سبزی کا عرق پئیں مگر اس فاقہ کے آخر میں مسلمانوں کے روزوں کی طرح اعلیٰ افطاری جیسی چیزیں نہ کھائیں۔ اس سے ساری محنت برباد ہو جاتی ہے۔ اس فاقہ سے جسم کے زہر دُور ہو جاتے ہیں اور مہینہ بھر کی دوڑنے سے سر سے شروع ہو جاتی ہے۔ مہینہ میں ایک مرتبہ ایسا دن انتخاب کرنا چاہئے جب کام زیادہ نہ ہو۔ آرام و سکون حاصل ہو۔ ایک رات پہلے کوئی ہلکی سی قبض کشا دوا کھالی جائے۔

زندہ رہنے کے قابل

دُنیا میں ہے کوئی چیز جس کے لئے آدمی زندہ رہنے کی خواہش کرے؟ یہ سوال ہم میں سے ہر شخص ایک نہ ایک دفعہ اپنے دل سے کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس سوال کا جواب بعض اوقات بڑا عجیب دیا کرتا ہے۔

یہ قابل یقین ہے کہ ہم سب کسی نہ کسی بات کی خاطر زندہ رہتے ہیں۔ گو ہم نہیں بتا سکتے کہ وہ کیا چیز ہے جسے ہم اپنی زندگی کی جان سمجھتے ہیں۔ آپ نے سرکاری ملازموں کو دیکھا ہوگا ۵۵ سال کی عمر تک سارا سارا دن کچہری میں گزارنے اور کاغذ پیٹنے کے بعد جب پنشن لیتے ہیں تو اکھڑے اکھڑے پھرتے ہیں اُن کے لئے کوئی کام نہیں رہتا حتےٰ کہ وہ جلد ہی مرجاتے ہیں کیونکہ زندگی کی دلچسپی ان کے لئے ختم ہو جاتی ہے ایسے آدمی ہزاروں ہیں جو اپنے کام سے ایسی دلچسپی رکھتے ہیں کہ اس کے ختم ہو جانے پر خود بھی جلد ختم ہو جاتے ہیں ان کا مقدمہ یہ ہوتا ہے کہ تھکنا گھسنا اچھا۔ زنگ لگنا بُرا۔ اُنہیں اپنے کام سے سچی خوشی حاصل ہوتی ہے ایسے

لوگ ہمارے لئے سبق بن سکتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بے مطلب زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ ہماری زندگی کا معیار ہمارے منتہائے نظر سے قائم ہوتا ہے۔

ایسی عورتیں ہزاروں ہیں جو صرف اپنے گھر بار کے لئے جیتی ہیں۔ وہ گھر کو اپنے تھکے ماندے آنے والے آدمی کے لئے چھوٹی سی جنت بنانے میں لگی رہتی ہیں۔ خدا اُن پر اپنی رحمتیں بھیجے۔ وہ مرد اس پاکیزہ گھر میں شکر گذاری سے قدم دھرتا ہے اور چھوٹے کے پاس لطف و سکون سے روٹی کھاتا ہے۔

ایسی بھی ہستیاں ہیں جو بال بچوں کے لئے زندگی بسر کرتی ہیں۔ اُنہیں ان ہی میں مسرت بے پایاں حاصل ہوتی ہے۔ بعض اس زندگی کو فضول کہتے ہیں مگر وہ بچارے اس خوشی کو کیا جانیں جو بچہ سے لڑکا اور لڑکے سے جوان ہوتے دیکھ کے ماں باپ کو حاصل ہوتی ہے۔ ماں باپ کی اصلی محبت کوئی بگاڑ نہیں پیدا کرتی۔

بہت سے فضول اور ناپائدار باتوں کے لئے زندگی کرتے ہیں۔ عارضی مسرتوں پر ان کا مدار ہے جن کے ہر وقت چھن جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ یہ کوئی زندگی نہیں ہے۔ یہ تو نا قابل اطمینان زندگی ہے جیسے سامنے کھانا ہے کھالیا پھر خالی کے خالی۔

کسی نہ کسی بات کے لئے جینے کی اصلی خوشی کام کرنے مدد کرنے یہ محسوس کرنے میں ہے کہ ہم کوئی کام کر رہے ہیں اور کوئی بات حاصل ہو رہی ہے۔

سمندر کا سفر

اکثروں کو سمندر میں سفر کرنے کا موقع ہاتھ آتا ہے۔ سمندر کی بیماری کا اثر ہر ایک پر ہوتا ہے گو ہر شخص میں مختلف پایا جاتا ہے۔ بعض بالکل چت ہو جاتے ہیں۔ بعضوں کو اضمحلال ہی معلوم ہوا کرتا ہے اس کا باعث زیادہ تر اعصابی اثرات ہیں لیکن اصل سبب قابل اطمینان طریقہ سے اب تک بیان نہیں کیا جا سکا۔ اکثر علاجوں میں نشیلی دواؤں کا استعمال شامل ہے لیکن سادہ تدابیر بھی ہیں جو نسبتاً زیادہ بہتر اور موثر ثابت ہوئی ہیں۔ اگر سمندر میں سکون نہیں ہے تو جہاز میں سوار ہونے سے پہلے پیٹ بھر کے کھانا نہ کھائیں۔ سفر کی صبح کو بھی کسی ملین دوا سے معدہ صاف کر لیا جائے اور چورن یا معدنی نمک کی ایک خوراک اس کے لئے کافی ہے۔ جنہیں سمندر کی بیماری زیادہ تکلیف دیتی ہے اُنہیں جہاز کے چلنے سے پہلے بالکل سیدھے لیٹ جانا چاہئے اور جب تک سفر ختم ہو لیٹے رہنا چاہئے یا اس وقت تک لیٹے رہنا چاہئے جب تک جہاز کی حرکت مزاج کے موافق نہ آجائے پیٹ پر چوڑی پٹی کس کے باندھ لینے سے بھی فائدہ ہوتا ہے کیونکہ اس سے معدہ کو ایک قسم کا سہارا سا معلوم ہونے لگتا ہے۔

موزوں رنگ

مغرب میں تو رنگوں کا انتخاب فیشن پر منحصر ہے۔ وہاں کی عورتیں عام طور پر اندھا دھند اس رنگ کو اختیار کر لیتی ہیں خواہ خود اُن کے رنگ پر وہ رنگین کپڑا موزوں بیٹھے نہ بیٹھے یار نگوں کا انتخاب گو آسان ہے مگر رنگ دار کپڑوں کا پہننا محض اس لئے ہے کہ عورت اور زیادہ خوبصورت معلوم ہو۔ نہ یہ کہ وہ کپڑوں کی خوبصورتی کے دکھاوے کی سیر بین بن جائے۔ مختلف رنگوں کی ہیبیوں کے لئے رنگوں کے انتخاب کا نقشہ ذیل میں دیا جاتا ہے اس کی موزوں کتر بیونت کر کے اس سے معقول فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔

سیاہ رنگ کا کپڑا سمجھا جاتا ہے کہ ہر ایک کے لئے موزوں ہے مگر یہ غلط خیال ہے۔ جس عورت کا رنگ بھبو کا اور جلد نازک ہو اسے بالکل نہ پہنے البتہ سیاہ کپڑے کی بناوٹ اگر ملائم ہو جیسے مخمل تو مضائقہ نہیں۔ سنہری رنگ کی عورت کے لئے بھی یہ بارِ گراں ہے۔ پہلے لوگ غالباً اسی لئے گوری عورت کو کالا دوپٹہ نہ اُوڑھنے دیتے تھے کہ نظر لگ جاتی ہے اور عورت بیمار پڑ جاتی ہے۔

وہم کی صورت میں یہ رنگ ممنوع تھا۔ سفید کپڑا ہر رنگ پر کم و بیش موزوں پڑتا ہے لیکن عنفوان شباب کے بعد عورتیں نہ پہنیں ہاں ملائی یا ہاتھی دانت کا سا رنگ ہو تو ہر عمر میں پہنا جا سکتا ہے۔

ہلکا سبز نیلگوں یا کرنجی آنکھوں اور سنہری بالوں والی عورتوں کے لئے موزوں ہے۔ گہری زرد آنکھوں اور ملائی جیسی سفید جلد والیوں کے لئے بھی یہ ٹھیک ہے۔ انہیں گہرا سبز نہ پہننا چاہیئے کیونکہ انہیں گوری ہونے کی وجہ سے ہر ایسی چیز کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دینا چاہیئے جس سے اُن کا اصلی رنگ پھیکا پڑ جانے اور گہرا سبز اُن پر چھا جائے گا۔ ہلکے سبز دوپٹہ سے گوری عورت زیادہ خوبصورت معلوم ہوگی مگر گہرا سبز اُس نے پھیکی رُول کے اس کی نازک دلکشی کو بالکل اُڑا دے گا۔ ہلکا نیلا بھی اسی طرح موزوں ہے اور گہرے سبز کی طرح گہرے نیلے سے بھی گوری عورت کو پرہیز کرنا لازمی ہے۔

سنہری بالوں اور زرد نیلگوں آنکھوں والیوں کے لئے ہلکے رنگ موزوں ہیں۔ لال نارنجی اور زرد رنگ ان کے لئے ناموزوں ہیں۔ گدلی جلد والی عورتوں کو ہر قسم کے نافرمانی۔ خاکستری۔ بادامی اور شتری رنگ سے پرہیز کرنا چاہئے سفید اُس وقت پسند کریں جبکہ اس میں ملائی کا سا رنگ ہو۔ نیلا جبکہ گہرا ہو ہلکا سبز سرخ اور سیاہ رنگ بھی موزوں نہیں۔ سیاہ اگر بے رونق ہو، ور کپڑا گلے تک نہ پہنچے تو پہنا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے سنہری گہرا سرخ گلابی مکئی اور نیلگوں رنگ موزوں ہیں۔

سُرخ رنگ کی عورت بہت گہرا سُرخ کپڑا نہ پہنے۔ وہ گہرا نیلا اور گہرا سبز پہن سکتی ہے۔ سیاہ نہ پہنے۔ البتہ ہلکے نمونہ کا سیاہ ہو تو مضائقہ نہیں۔

خانگی ٹوٹکے

فلالین پر گھاس کے دھبے پڑ جائیں۔ گلیسرین اور انڈے کی زردی مساوی تعداد میں ملا کے لگائیں اور دو گھنٹے بعد دھو ڈالیں۔

رنگین رومال یا کپڑے نمک کے ٹھنڈے پانی میں کچھ دیر بھگوئے رکھیں۔ پھر دھوئیں۔ رنگ کچے گا نہ اُڑے گا۔

مکھن لپٹے ہوئے کاغذ کو ٹونٹی کے نیچے ٹھنڈے پانی کی دھار میں چند سکنڈ رکھیں اسی طریقہ سے کاغذ صاف اُتر آئے گا اور مکھن ذرا بھی کاغذ پر نہ لگنے پائے گا۔

گول آلو پکایا کریں۔ ان میں آٹا زیادہ ہوتا ہے اُنہیں چھیل کے کبھی نہ ابالیں چھلکے سمیت ابالا کریں زیادہ مزیدار ہوتے ہیں۔ اور زیادہ خشک اور ہلکے رہتے ہیں۔

ہیڈروجن پروکسائڈ دھبوں پر تھوڑی سی مل ڈالیں روئی کے کپڑے سے قہوہ کے دھبے دُور ہو جائیں گے۔

روشنائی کے دھبہ پر چربی پگھلا کے لگائیں پھر کپڑا دھوئیں سیاہی اور چکنائی دونوں ساتھ نکل جائیں گے۔

گلاب کے پانی (روز واٹر) کے تین چمچوں میں ایک انڈے کی سفیدی پھانٹیں اس کے لگانے سے آنکھوں کی سوزش جاتی رہتی ہے۔ کسی صاف نرم چیتھڑے سے لگائیں۔

منقش دیواروں کو صاف کرنے کے لیے نصف چھٹانک سہاگہ ۱/۲ چھٹانک پانی اور تین چوتھائی چمچہ ایمونیہ کا مرکب بنائیں خوب صفائی ہوگی۔

آنگلیوں میں سیاہی کے دھبے پڑ جائیں تو دھبوں کو گیلا کر کے دیا سلائی کا فاسفورس والا سر اگڑیں دھبے جلدی ہی جاتے رہیں گے

محمد ظفر

سیر بین

عجیب کارگذاریاں

ایک انگریز نے ایک ہزار قسم کے مختلف سگرٹوں کے پورے کارڈ جمع کر رکھے ہیں۔ جرمنی کے ایک حقہ باز نے سوا چار ماشہ کے قریب تمباکو دو منٹ ۱۵ سکنڈ تک سلگائے رکھا۔ باجہ بجتا رہا اور وہ اسے پیتا رہا۔ بڑے بڑے جنٹی ٹکٹ خرید کے اُس کا یہ تماشہ دیکھتے رہے۔ ایک آدمی نے ۸۷ مختلف اشیاء دیا سلائی کی ایک ڈبیہ میں بھر دیں۔ ٹوکیو کے ایک شخص نے ایک دن میں ۳۰۰۰۸ مکھیاں مار ڈالیں۔ ایک ٹائپ باز نے ایک منٹ میں ۱۳۹ لفظ ایسی عبارت کے چھاپے جسے اُس نے کبھی نہ پڑھا تھا۔ ایک شخص ۲۷ قسم کی مختلف گرہیں لگانے کا دعویدار ہے۔ ایک ذہک طالب علم ایک نشست میں کھیر کی ۱۱۱ طشتریاں چٹ کر گیا۔ یگوسلاویہ کے ایک شخص نے دو پونڈ کی بازی اس طرح جیت لی کہ اُس نے ایک پوری سیر مرغی ۵۰ قیمے کی چھوٹی آنتیں دس پارچے دس نان پاؤ اور پانچ سیب کی کھیر کی طشتریاں ایک بیٹھک میں کھالیں۔ ایک اور شخص ۱۳ سیر گوشت ایک دفعہ ہی کھا گیا۔ ایک شخص نے جو بے کار تھا دنیا کی توجہ اپنی طرف کرنے کے لئے دو اخبار کھالئے۔ وہ ایک ایک صفحہ کرتا گیا اور نمک مرچ اور سرکہ کے ساتھ لگا لگا نگلتا گیا۔ چند منٹ تک سیاہی کے برے مزے سے وہ منہ بگاڑتا رہا لیکن اُس نے شراب کے بڑے بڑے گھونٹ لے کے اس بدمزگی کو دُور کر دیا۔

جنگی اخراجات

آج کل کی لڑائی دولت کی ہے۔ موجودہ جنگی سامان کی قیمتیں ملاحظہ ہوں۔ گولی کی قیمت ایک آنہ۔ ریت کا تھیلہ دو آنے۔ پستول پچاس روپیہ۔ رائفل سو روپیہ۔ مشین گن ۱۸ سو روپیہ۔ ہوائی جہازوں کو روکنے والے غبارے (بیرج بیلون) فی دس ہزار۔ جنگی ہوائی جہازوں پر گولیاں چلانے والی توپ ۴۰ ہزار۔ جنگی ہوائی جہاز ایک لاکھ ۴۰ ہزار۔ بم بار ہوائی جہاز دو لاکھ ستر ہزار۔ تباہ کن بحری جہاز ۴ لاکھ۔ کروزر ۲½ کروڑ۔ جنگی بحری جہاز ۱۰½ کروڑ روپیہ میں بنتا ہے۔

ریل کی ابتدا

۱۹۲۵ء میں برطانیہ میں ریلوں کی صد سالہ سالگرہ منائی گئی۔ شروع میں کوئلہ کی کانوں سے کوئلہ لانے والی گاڑیوں کے لئے لکڑی کی پٹڑیاں بنائی گئی تھیں۔ اس کے بعد گھسنے ٹوٹنے سے بچنے کے لئے ان پٹڑیوں پر لوہے کے خول چڑھائے گئے۔ اس کے بعد پٹڑیوں پر کنارے رکھے گئے تاکہ گاڑیوں کے پہیئے پھسل نہ سکیں۔ ستمبر ۱۹۲۵ء میں سٹاکٹن ڈارلنگٹن ریلوے کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ ریل نارتھ ایسٹرن ریلوے میں عرصہ ہوا جذب ہو چکی ہے۔ یہ ریل ۳۸ میل کے لئے قائم کی گئی اور شروع میں گاڑیوں کو گھوڑوں سے کھنچوانے کا منشا تھا۔ اُسی زمانہ میں سڑک کا انجن ایجاد کرنے والے سٹیفن سن نے جس نے بڑے غور سے اس ۳۸ میل کی پٹڑی بچھنے کو دیکھا تھا ریل کے مہتمموں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ بھاپ کا انجن گاڑیوں میں لگائیں چنانچہ ۳۴ گاڑیاں ایک انجن کے ساتھ لگائی گئیں جن کا مجموعی وزن ۲۰۵ من تھا۔ سٹیفن سن نے خود انجن چلایا۔ ریل سے آگے ایک گھوڑے سوار بطور کانٹے والے کے چلتا رہا اور گاڑی کی رفتار دس سے بارہ میل فی گھنٹہ رہی۔ لوگوں نے ریل کی خوب قدر کی۔ چنانچہ باقاعدہ مسافر گاڑی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آنے جانے کے سفر میں ریل کو دو گھنٹے لگتے تھے۔ کرایہ ایک شلنگ تھا جو شاید اُس زمانہ گیارہ بارہ آنے کا تھا۔ مسافروں کو فی کس ۷ سیر اسباب بلا کرایہ لے جانے کی

اجازت تھی۔ ریل جاری ہونے کا نتیجہ اُس وقت یہ ہوا کہ کوئلہ کی قیمت فوراً ۱۸ شلنگ سے ۸ شلنگ فی ٹن ہوگئی۔ اس کے بعد ۱۸۲۶ء میں کئی جگہ ریلیں جاری ہوگئیں۔ چار سال بعد لورپول مانچسٹر ریلوے جاری ہوئی جس نے ملک کے اندر سفر کرنے کے معاملہ میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا۔ اس ریل کے مہتمموں نے اُس شخص کے لئے پانچسو پونڈ کا انعام مقرر کیا جو جو زیادہ طاقت کا انجن ایجاد کرے چنانچہ ایسا انجن بنا دیا گیا۔ اس کے بعد ریل ایک باقاعدہ شعبہ بن گیا جس میں کروڑوں اربوں روپیہ لگا اور لاکھوں آدمی اس میں جذب ہوگئے۔

بھوتوں کے سامان

بعض چیزوں اور مقامات سے بھوتوں کی وابستگی کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں چنانچہ سابقہ آخر جنگ میں ایک کرسی تھی جس وقت اس میں بیٹھنے والا میجر الف کھانا کھانے کے لئے چلا جاتا تھا اس کمرہ میں کسی کے داخل ہونے کی چاپ اور کرسی کے میز تک کھینچنے کی آواز سنائی دیتی تھی میجر کی واپسی تک خاموشی طاری رہتی۔ جیسے ہی آپ کے آنے کا وقت آتا۔ کرسی کے پیچھے دھکیلنے اور کسی شخص کے کمرہ سے نکلنے کی آواز آتی۔ مگر کوئی شخص کمرہ میں دکھائی نہیں دیتا تھا سب کو معلوم تھا کہ میجر کی غیر حاضری میں اُس کی کرسی خالی نہیں رہی ایسے واقعات بھی علم میں آئے ہیں کہ کسی چیز کی خریدنے کے بعد سے عجیب وغریب حالات پیش آنے شروع ہوگئے۔ ایک شخص نے ایک پُرانی روغنی چینی صندوقچی خریدی اور اس جگہ سے سومیل پرے اپنے گھر لے گیا۔ گھر مقابلۃً نیا تھا اور اُس وقت تک وہاں کوئی موت یا پیدائش نہ ہوئی تھی اور نہ وہاں کسی بھوت کا اثر تھا مگر صندوقچی کے گھر میں پہنچتے ہی عجیب عجیب واقعات رونما ہونے لگے۔ کمرہ میں کوئی نظر نہ آتا مگر دروازے کھلتے اور بند ہو جاتے۔ ایک رات مالک مکان نے عجیب بھوت دیکھا۔ ایک چھوٹی سی شکل سبز روشنی میں نظر آئی اور عین اس کے پیچھے دروازہ کے مقابلہ میں برقی شمع کی سی روشنی کا دھبہ تھا۔ اس بھوت سے کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا اور نہ کسی کو اُس نے کبھی ستایا لیکن گھر والے اس کے اس طرح موداری سے حیران ہیں کہ آخر اس کا منشا ہے کیا۔

چند سال گزرے شادی سے پہلے دولھا دُلہن کو پُرانی قسم کی آرام کرسی نذر کی گئی۔ شوہر کو وہ بہت پسند آئی اور اکثر اُس میں بیٹھا کرتا۔ اُس کے عادات وخصائل بہت اچھے تھے اور کسی قسم کا اس میں عیب نہ تھا۔ بیوی سے محبت کرتا تھا۔ بچاری بیوی کی حیرت کا کیا اندازہ جب ایک رات وہ باہر سے نشہ میں چور لایا گیا۔ صبح کو وہ تائب تھا مگر حیرت زدہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ بار بار کہتا تھا خدا جانے کس چیز نے مجھے شراب پینے پر آمادہ کیا۔ مجھے روحوں پر اعتقاد نہیں ہے۔

دو ماہ کے بعد یہی واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد وقفے تھوڑے تھوڑے ہوتے گئے۔ بچارا نوجوان کہتا تھا کہ کوئی قوت اُسے اس بات پر مجبور کرتی ہے اور وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا مگر وہ کچھ نہ بتا سکا۔ آخر سب کو صبر کرنا پڑا کہ نوجوان بے حد شرابی ہوگیا ہے۔ ایک دوست کو جسے روحانیات سے دلچسپی تھی اُس نے فوراً کشف سے بھانپ لیا کہ کرسی اس سارے فساد کی جڑ ہے۔ اس کی ساری تاریخ معلوم کی گئی۔ پتہ چلا کہ اس کا اصل مالک ایک قصائی تھا جو اس میں بیٹھا بیٹھا سرسامی حالت میں مرگیا تھا۔ کرسی جلا دی گئی اور بھوت کا اثر جاتا رہا۔

انگلستان کے جنوبی ساحل کے ایک قصبہ میں پیانو پر ایک ستار لٹک رہی ہے۔ اس میں سے شُر نکلتے ہیں۔ اس کے تار ملتے نظر آتے ہیں حالانکہ کوئی ہاتھ اس کے پاس نظر نہیں آتا۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی حالات پیش آئے چنانچہ کرایہ دار نے مکان چھوڑ دیا۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ماربل ہیڈ کے ایک گھر میں ایک گھنٹہ ہے جس میں پُرزے نہیں۔ اس میں صرف وہ مُڑا ہوا تار ہے جس میں لٹکن ہلا کرتا تھا لیکن برسوں اس گھنٹہ سے ٹک ٹک کی آواز آتی رہی بلکہ بعضوں نے گھنٹہ بجنے کی آواز بھی سنی سینکڑوں نے اسے دیکھا مگر کسی کو اس کا بھید نہ ملا۔

قاصد کبوتر

پیام رسانی کا قدیم ترین طریقہ کبوتروں کو بطور قاصد استعمال کرنا ہے۔ تقریباً پانچ ہزار برس پہلے مصری کبوتروں کو پال کر اُن سے پیام رسانی کا کام لیا کرتے تھے قدیم یونانی بھی جنگ کے ایام میں کبوتر سے یہی کام لیتے تھے۔ بروٹس اور ہرٹی اُس نے مروبینہ کے محاصرہ میں آپس میں اسی طرح بات چیت کی تھی۔

۱۸۷۰-۱۸۷۱ء کی جنگ فرانس و جرمنی میں کبوتروں نے پیرس کے محصورین کے پیامات باہر والوں کو لاکے دینے میں بڑے قابل قدر کام انجام دیئے۔ بہت سے خطوط اسی طریقہ سے انگلستان گئے۔ ایک کبوتر کئی سو خطوط اسی طرح لے جاتا تھا۔ بعض اس پر یقین نہ کریں گے مگر اس جگہ تصویر کشی نے اس کو ممکن بنا دیا تھا۔ چار سو سے پانچ سو تک خطوط مصالحہ کے باریک کاغذ پر جو دو انچ لمبا اور ایک انچ چوڑا ہوتا تھا۔ بذریعہ فوٹو منتقل کر دیئے جاتے تھے۔ وہ اس طرح بے حد چھوٹے کر دیئے جاتے تھے منزل مقصود پر ان کو پھر بڑھا لیا جاتا تھا۔ ایک لفظ کے دام ایک آنہ لئے جاتے تھے۔ ایسے کبوتروں نے اپنے مالکوں کو بڑا روپیہ کمائے دیا۔ ایک کبوتر کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُس نے مختلف سفروں کے بعد اپنے مالک کو اس طریقہ سے ایک لاکھ ہزار روپیہ کموایا۔

۱۹۱۴-۱۸ء کی جنگ عظیم میں بھی کبوتروں نے بڑا کام کیا۔ ان میں سے بیشتر اپنے پیاموں سمیت صحیح و سالم منزل پر پہنچ گئے لیکن جب جرمنوں کو اس کا پتہ چلا تو ان کو روکنے کے کئی طریقے انہیں اختیار کرنے پڑے۔ کچھ آدمی اُن کی تاک میں بندوق لئے بیٹھے رہتے لیکن یہ آسان کام نہ تھا۔ کیونکہ چند سو گز ابتدا میں طے کرنے کے بعد پھر وہ نشانہ سے باہر ہو جاتے تھے۔ لیکن کچھ کبوتر اس طریقہ سے مارے ضرور گئے۔ کچھ بُری طرح زخمی ہوئے مگر گرتے پڑتے اپنی منزل پر جا پہنچے بعد میں جرمنوں نے شکرے استعمال کرنے شروع کر دیئے جن کو اس کام کے لئے سدھایا گیا۔ اُنہوں نے اُڑ اُڑ کے ایسے کبوتروں کو پکڑنا شروع کیا۔ بہت سے شکروں سے ڈر کے اس بُری طرح بھاگے کہ راستہ بھول گئے۔

بس پرواز میں کبوتر تیزی سے اُڑتا ہے۔ اچھا سدھایا ہوا پرندہ راستہ بھولے بغیر سیکڑوں میل اُڑا چلا جاتا ہے۔ ہوا کے مطابق اُن کی رفتار میں فرق ہوتا رہتا ہے۔ ہوا ان کی پشت پر ہو تو ان کی اوسط رفتار ۷۰ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے ورنہ چالیس میل فی گھنٹہ عام اوسط ہے۔

بے تار کے پیامات ہوا ہی میں مٹائے جا سکتے ہیں۔ ٹیلیفون کی تاریں کاٹی جا سکتی ہیں۔ ہاتھ کے ذریعہ پیام رسانی وقت لیتی ہے لیکن کبوتر بالعموم معتبر قاصد ہے۔ وہ جلدی منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ گذشتہ جنگ کا سبق فراموش نہیں کیا گیا کہا جاتا ہے کہ اس موجودہ جنگ سے پہلے لاکھوں ایسے پرندے سدھائے گئے ہیں مگر اب تک عملی حیثیت سے اُن کے متعلق اخباروں میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔ بہت ممکن ہے کہ جنگ کی ہولناکی میں اس کا خیال ہی ترک کر دیا گیا ہو۔

پھلجھڑیاں

ایک شخص انگریز جب اخبار خریدتا ہے۔ اس کی دو کاپیاں لیتا ہے۔ ایک وہ خود پڑھتا ہے۔ دوسری اس کی بیوی کھا جاتی ہے۔ کیونکہ اُس عورت کا خیال ہے کہ اس سے ہاضمہ کو مدد ملتی ہے اور اچھا رنگ روپ آجاتا ہے۔

ایک ۳۳ سالہ اطالوی فوجی افسر جنگ سے پہلے بھاگ کے فرانس میں آگیا۔ اُس نے پولس کو بتایا کہ میری بیوی قیامت ہے۔ میں مسولینی سے اس قدر نہیں ڈرتا جتنا اس سے چنانچہ وہ فوج کے قانون سے نہ ڈرا اور بیوی سے بھاگ کے جان بچائی۔

دُنیا میں آدھے سے زیادہ لوگ ناخواندہ ہیں۔

باتھ کے مقام پر دو کنواریاں گیس کے زہر سے مردہ پائی گئیں۔ اُن کے برابر ایک پرزہ پڑا تھا جس پر لکھا تھا۔ خدا کیلئے ہماری پیاری کالی بلی کا خیال رکھنا۔ یہ دونوں عورتیں پہلے مالدار نہیں۔ اس قدر غریب ہوگئیں کہ بلی کے خاطر خود روٹی نہ کھاتی تھیں

دُنیا میں سب سے چھوٹا درخت cupressus obtusa tetragona minima ہے جو سال بھر میں صرف ۱/۸ انچ بڑھتا ہے۔

دُنیا میں ہر سال ایک کروڑ ۶۰ لاکھ طوفان رعد وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

بلیوں اور آدمیوں کی ہڈیاں تعداد میں برابر ہوتی ہیں۔ یہ کل ۲۳۸ ہوتی ہیں۔

ایک ایسی ایجاد در پیش ہے جس کی مدد سے آدمی لکڑی کے اندر گھن کے کھانے کی آواز سُن سکے گا۔

جنوبی امریکہ میں گاؤ درخت گائے جیسا دودھ دیتا ہے۔ ذرا فرق نہیں ہوتا اور ایسی ہی طاقت دیتا ہے۔ اس سے نہایت عمدہ ملائی اور پنیر بن سکتا ہے۔

درخت پلم باگو Plumbago کی تازہ جڑ بدن پر چھڑکنے سے گہرے زخم پڑ جاتے ہیں۔ سین ڈومینگو کے فقیر اسے بدن پر لگاتے ہیں تاکہ لوگ ان کے زخموں پر ترس کھا کے اُنہیں خوب دیں۔

کان ہمیشہ بڑھتے رہتے ہیں۔ ۹۶ سال کی عمر کے آدمیوں کے کان بڑھتے دیکھے گئے ہیں۔

یارک شائر میں عجیب عجیب انجمنیں قائم ہیں۔ ایک چھ فٹ کا کلب ہے جس میں آدمی عورتوں کے ناقابل برداشت طریقوں پر بحث کرتے ہیں۔ ایک مجلس ایسی ہے جس کے ممبروں کو اختیار ہے کہ وہ سچ نہ بولیں۔

کیسٹن کی ایک ۹ سالہ لڑکی ٹانگ ٹوٹ جانے سے پانچ دفعہ شفاخانہ میں داخل ہو چکی ہے۔ اس کے اعضا ذرا سے مڑنے تڑنے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔

محمد ظفر

(بقیہ مضمون صفحہ ۹۳)

اور ہندوؤں کے بزرگوں کی قبروں پر بھی بڑے بڑے عرس ہوتے ہیں یہاں کے ہندو تمام دوسرے صوبوں سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں گویا ان کا دہرم پنجاب و یوپی کے ہندوؤں سے بالکل الگ ہے۔ یہاں سب تو میں رَل مِل کر رہتی ہیں ایسی کہ اگر ہندو مسلمان و دیگر اقوام کو ایک ہی قوم کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

یہاں کے مسلمان پچاس فی صدی تجارت کرتے ہیں اور اس کام میں اہل ہنود سے بڑھے ہوئے ہیں کپڑے کریانہ وغیرہ کی زیادہ تر تجارت مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس طرف ہندو مسلم کا کوئی خاص سوال نہیں ہے تمام اہل ہنود تمام خرید و فروخت مسلمانوں ہی سے کرتے ہیں۔ پنجاب کی طرح کسی کو خیال بھی نہیں ہوتا۔

اگر تمام ہندوستان کے ہندو اور مسلمان ایسے ہی ہوجائیں تو بہت جلد آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔

خورشید آرا بیگم ڈونڈیکل۔ مدراس

بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں خریداری نمبر کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جواب عصمت میں پہلے شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔
ایڈیٹر

میں نہایت مسرت کے ساتھ یہ خبر سناتی ہوں کہ میری لڑکی مسز محمد ولی الحق کو جو عصمت کی دیرینہ خریدار ہیں خدا نے شادی کے پندرہ سال بعد ۱۶ نومبر ۱۹۴۱ء بروز اتوار دخترِ نیک اختر عطا فرمائی۔ بچی کا نام "تنویر" رکھا گیا اور تاریخی نام "اصغری اشرف جہاں"۔

عصمتی بہنیں دعا کریں۔ اللہ پاک بچی کی عمر دراز کرے اور والدین کے زیرِ سایہ پروان چڑھائے۔ آمین۔ ثم آمین۔
اس خوشی میں چار روپیہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے ارسالِ خدمت ہے۔

والدہ مسز محمد ولی الحق لال منیر ہاٹ

میں نہایت مسرت و انبساط سے یہ خبر فرحت سناتی ہوں کہ مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۱ء مطابق ۷ ذوالحجہ ۱۳۶۰ھ میری چچا زاد بہن سیدہ سلطان جہاں بیگم کی جو خریدار عصمت ہیں شادی خانہ آبادی بھائی مسٹر سید عبداللہ بن علی خلف اکبر جناب کپتان سید علی بن حامد صاحب ڈپٹی کلکٹر متعین ملایا کے ساتھ بخیر و خوبی انجام پائی دعا ہے کہ فریقین مسرت سے لبریز ازدواجی زندگی بسر کریں میں مکرمہ آپا صاحبہ و دولہا بھائی صاحب کو تہ دل سے مبارکباد پیش کرتی ہوں و نیز اس خوشی میں عصمت کو ایک خریدار دیتی ہوں۔

سیدہ ممتاز خاتون ضیا منشی فاضل منڈاور ضلع بجنور

میرے سر میں بہت سیکری (جسے پنجابی میں بفا کہتے ہیں) ہے۔ اور کئی طرح کے علاج کرنے سے بھی نہیں گئی۔ اور بال بڑے جھڑتے جا رہے ہیں۔ اگر کوئی بہن کوئی تیل یا نسخہ تجویز کر دیں تو میں نہایت ممنون ہوں گی۔

ایک عصمتی بہن خریداری نمبر ۴۲۴۷

عصمتی بہنوں کی خدمت میں عرض ہے کہ مجھے سوہن حلوے میں جو سمنک ڈالا جاتا ہے اس کے تیار کرنے کی اور تنوری روٹی و ڈبل روٹی تیار کرنے کے خمیر کی بھی صحیح ترکیب درکار ہے۔ امید ہے کہ بہنیں اس طرف متوجہ ہو کر مجھے صحیح ترکیب سے آگاہ کر کے مشکوری کا موقعہ دیں گی۔

حبیب النساء ہاشمی ہمشیرہ ڈاکٹر ایم۔ اے حفیظ

میری ایک سہیلی کے گال پر تل کے چھوٹے چھوٹے نشان ہو گئے ہیں اور روز بروز بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ کوئی بھائی یا بہن اس کے لئے کوئی مجرب نسخہ تحریر فرمائیں کہ تل کے نشان ہمیشہ کے دور ہو جائیں ممنون و مشکور ہوں گی۔

ام۔ خاتون خریدار نمبر ۵۰۳۴

ایک عزیزہ کو عارضہ ہے آٹھ دس سال ہوئے ایک دو دفعہ سر کا درد ہوا کرتا تھا۔ پھر قریباً ماہوار درد سر کا دورہ رہا۔ اب تو ہفتہ میں ایک دو دفعہ سخت درد ہوتا ہے کسی انگریزی یا یونانی دوا سے آرام نہیں ہوتا قبض نہیں ہے۔ پانچ چھ بچوں کی ماں ہیں۔
بڑی مہربانی ہوگی اگر عصمت کے خریداروں میں سے کوئی خاتون ذاتی تجربہ کی بنا پر کوئی بزمِ عصمت کے ذریعہ بتا دیں آج کل برہمی بوٹی کا استعمال کر رہی ہیں۔ مگر کسی کسی دن اچانک سخت درد تمام سر میں شروع ہو جاتا ہے۔

خریدار نمبر ۱۷۹۵۔ از لدھیانہ

نہایت مسرت سے مطلع کرتی ہوں کہ بتاریخ ۲۱ جنوری ۱۹۴۲ء بوقت ساڑھے ۳ بجے شب میری بھاوج عزیزہ سراج النساء بیگم دیوان نجف علی خاں کو فرزند ارجمند تولد ہوا ہے دعا فرمایئے کہ خداوند تعالےٰ اس نو مولود کو عمرِ خضر اور اس کو ڈ سائے علم و م

دوربین

جنگ جاپان:- جاپانیوں نے جزائر فلپائن میں اترنے کے ۲۴ ویں روز اس کا دارالسلطنت منیلا فتح کرلیا۔ جنگ بڑی شدید ہوتی رہی۔ امریکی سپاہی خوب لڑے مگر امریکہ سے جزیرہ ہوائی کے جاپانی حملہ کی بدولت کمزوری واقع ہوجانے کیوجہ سے وہاں کوئی مدد نہ پہونچ سکی۔ اس عرصہ میں جاپانی ۴۰۰ میل جنوب کی طرف بڑھ گئے مبصر شین نے بیان کیا کہ جاپانی سپاہی کی تربیت اور سامان بُرا نہیں۔ وہ گٹھیلا پستہ قد سخت لڑاکا ہے اور جنگ میں اچھے ضبط کا ثبوت دیتا ہے۔ جاپانیوں کے پاس اچھا سامان جنگ ہے۔

جاپانیوں نے جزیرہ ہانگ کانگ انگریزوں سے سخت لڑائی کے بعد فتح کرلیا اور شمالی بورنیو جو انگریزوں کے قبضہ میں تھا ان کے ہاتھ آگیا ہے۔ انگریزی فوجیں اپنے سامان سمیت ہالینڈ کے مقبوضہ علاقہ بورنیو میں چلی گئی ہیں۔ فلپائن کے ایک کہنہ قلعہ کورگ اڈور میں بقیۃ الیف امریکی فوجیں مصروف پیکار ہیں اور جاپانی افواج فلپائن سے نجات پا کے جزائر شرق الہند پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ ترکان جزیرہ پر انھوں نے قبضہ کرلیا۔ یہاں تیل کی کانیں ہیں جو برباد کردی گئی ہیں سی لی بیز پر بھی جاپانی فوجیں اتر پڑیں۔ نیوگنی اور دیگر جزائر پر جاپان ہوائی اور بحری حملے کرتا چلا جارہا ہے۔ انگریزوں کو ملایا میں ہٹ ہٹ کے بالکل جنوب میں آجانا پڑا۔ انھوں نے سنگاپور کو ہر طرح کی قربانی کرکے بچانے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے۔ رنگون پر بھی بار بار ہوائی حملے کئے جارہے ہیں مشکل یہ ہے کہ انگریزی افواج کا زیادہ حصہ اور ہوائی بیڑہ جنگ طرابلس میں چلا گیا ہے اور روس کو بھی ہر قسم کی امداد دینے کی وجہ سے ملایا کا علاقہ امریکہ کے بھروسہ پر خالی ہوگیا جس کی وجہ سے جاپان کو آسانی حاصل ہوگئی مگر برطانوی امداد جلد پہونچ جانے کی امید کی جارہی ہے۔ جنوبی برما میں توائے کا ہوائی اڈا انگریزوں کو خالی کرنا پڑا یہ ۱۸۲۴ء سے انگریزوں کے قبضہ میں تھا۔ ۳۰۰۰ ہزار کی آبادی ہے۔ ربڑ ٹین چاول اور ریشمی اسباب کی تجارت کا مرکز ہے۔ برما میں سیامی اور جاپانی کئی جگہ ۴۰ میل کے محاذ پر برطانوی فوجوں سے جنگ کررہے ہیں۔

روسی محاذ:- روسیوں نے جرمنوں کو برابر پیچھے دھکیلنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ قالوجہ فتح کرنے کے بعد انھوں نے مالویا روسلے وزر بھی چھین لیا۔ کریمیا میں کرچ اور ندوسیہ بھی فتح کرلیا۔ لینن گراڈ سے بھی جرمنوں کو ۶۰-۷۰ میل دُور دھکیل دیا۔ شمالی محاذ پر فن لینڈ کی افواج کے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے کہ وہ بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئی ہیں۔ جرمن صرف مداخلت میں لڑ رہے ہیں۔ جارحانہ کارروائی اب روسیوں کے ہاتھ میں آگئی ہے۔ جرمن اپنی پسپائی کی وجہ روس کی سخت سردی بتاتے ہیں کہ روسی اس کے عادی ہیں اور جرمن بالکل نہیں اس لئے وہ جاڑے سے بچنے کے لئے مناسب محاذ تک ہٹنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اب ان کا مقابلہ صرف ہوائی حملوں تک محدود ہے۔ دونوں طرف کے ریوڑی اعلانات کے پڑھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جرمن سخت لڑائی بھڑائی کرتے ہوئے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ فریقین کا آپس میں کافی نقصان ہورہا ہے۔

جرمنوں نے کریمیا میں پھر زور لگانا شروع کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے ندوسیہ واپس لے لیا ہے۔ اور روسیوں کو اوپرے دھکیلا جارہا ہے۔ وسطی محاذ میں روسیوں نے مضافات فتح کرکے ماسکو کو خطرہ سے بچالیا ہے۔

خار قاف پر زور کی لڑائی ہو رہی ہے۔ روسیوں کو اس کے جلد فتح ہو جانے کی امید ہے۔

افریقی میدان: حبش میں اکا دکا جہاں جہاں اطالوی مقابلہ کر رہے تھے سب لپپا کر دئے گئے اور اب اُدھر سے انگریزی فوجیں فارغ ہو کے طرابلس میں مصروف ہیں جس مقام سے سپہ سالار رومیل ہٹ کے مصر میں آگیا تھا اور جرمنوں نے سارے صوبہ سرانیکہ پر قبضہ کر لیا تھا اب جرمن لپپا ہوتے ہوتے پھر اسی مقام تک ہٹ آئے ہیں۔ بن غازی فتح کر کے جدابیہ سے آگے انگریزی فوجیں بڑھ گئی ہیں اور اب العقیلہ پر سخت جنگ ہو رہی ہے۔ اس مقام پر آ کے جرمنوں نے کچھ جم کے لڑنا شروع کیا ہے۔ ہوائی حملوں میں بھی شدت پیدا ہو گئی ہے۔ فرانس کی فوجوں میں پرانے افسروں کو ہٹا کے ان کی جگہ نوجوانوں کو مقرر کیا جا رہا ہے۔ اس تغیر و تبدل کو حیرت کی نظروں سے دیکھا جا رہا ہے۔ مالٹا پر بھی بے شمار ہوائی حملے کئے جا رہے ہیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے جرمنی اس پر آخر میں کریٹ کی طرح زبردست حملہ کر کے اسے فتح کرلے تاکہ اس کا مغربی بحیرہ روم کا حصہ محفوظ ہو جائے اور وہ آسانی سے جبل الطارق اور طرابلس پر جنگی قوت آزمائی کر سکے۔ بعد کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنرل رومل کو غالباً امداد پہونچ گئی ہے اور وہ العقیلہ سے ۷۰ میل بڑھ کے جدابیہ پر پھر قابض ہو گیا ہے۔

سیاسی ملاقاتیں: مسٹر چرچل وزیر اعظم انگلستان ہوائی جہاز کے ذریعہ ریاست ہائے متحدہ گئے اور وہاں کے دار الشوریٰ میں انھوں نے زبردست تقریر کی جس سے امریکیوں کی ہمدردی پوری طور پر انگلستان کی طرف کر لی۔ صدر روزولٹ سے خفیہ امور پر ملاقاتیں ہوئیں جن کے نتائج بعد کے جنگی مرحلوں پر خود بخود معلوم ہوتے رہیں گے۔ پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ بحر الکاہل کی کمان سپہ سالار ویول کو دی گئی۔ امریکی فوجیں ان کے زیر حکم کام کریں گی۔ مشرق وسطیٰ کی کمان سپہ سالار اچن لک کو دی گئی جن کا اقتدار ایران و عراق وغیرہ پر بھی رہے گا۔ دوسری طرف مسٹر ایڈن نے شتالین سے ملاقات کی۔ ان گفتگوؤں میں ترکی کا بھی ذکر آیا۔ جرمنوں نے ترکوں کو بھڑکایا کہ ایران کے دونوں نے حصے بخرے کرنے اور ترکی میں روس کو اقتدار دینے کی بات چیت ہوئی ہے۔ مسٹر ایڈن نے تردید کی کہ وہاں ترکی کا جہاں ذکر آیا دوستانہ پیرایہ میں آیا۔ شاہ ایران نے ایک ملاقات کے دوران میں کہا کہ عنقریب انگریزی ایرانی معاہدہ پر دستخط تکمیل ہو جائیں گے۔ انھوں نے اسلامی سلطنتوں کے تعلقات مستحکم دیکھنے کی تمنا ظاہر کی کہ ترکی اولین مسلم سلطنت ہونے کی حیثیت سے اس معاملہ میں رہنمائی کرے۔ ترکی بدستور برطانوی دوستی کا دم بھر رہی ہے۔ اور برطانوی اور روسی سفرا کی ترکی صدر سے ملاقاتیں اس دوستی پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہیں۔

آسٹریلیا کی سرگرمی: آسٹریلیا جنگ جاپان کو زیادہ اہمیت دئے جانے پر زور دے رہا ہے۔ اس نے سیلیبز کے جزیرہ پر جاپانی سرگرمی کو اپنے لئے زبردست خطرہ سمجھا ہے۔ جاپانی خطرہ اسکے قریب تر آ رہا ہے اور وہ بطور خود چاق چوبند ہو رہا ہے۔ اس نے انگلستان سے اپنے قدیمی تعلقات کو قائم رکھتے ہوئے ریاست ہائے متحدہ سے جنگی اشتراک عمل کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اس نے اپنی فوجیں سنگاپور کی حفاظت کے لئے بھی دھڑا دھڑ بھیجنی شروع کر دی ہیں جہاں وہ داد شجاعت دے رہی ہیں۔ آسٹریلیا کے جنوب مشرق میں تسمانیہ اور نیوزی لینڈ کے بڑے جزیرے واقع ہیں اور بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ جاپانیوں نے آسٹریلیا کے جزیرہ نیوگنی اور جزائر سلیمان میں فوجیں اتار دی ہیں۔

تاروں کا جھرمٹ

اس دفعہ پنجاب یونیورسٹی سے ۳۰۷۶ اُمیدواروں کو ڈگریاں ملیں۔ ان میں ۱۰۷۶ عورتیں تھیں مس خدیجہ فیروزالدین پرنسپل زنانہ کالج امرتسر کو ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری ملی۔ جس کی وجہ سے اب ان کے نام کے ساتھ ڈاکٹر کا لفظ لکھا جایا کرے گا۔ چہرہ پر نقاب ڈالے وہ گورنر صاحب پنجاب کے چبوترہ تک ڈگری لینے گئیں اور علمی خلعت انھیں مس شیا ما زتشی نے پہنایا۔

چونکہ ہندوستان سے چا آسانی سے آئرلینڈ نہیں پہونچ رہی اس لئے حکومت نے چا کی مقدار ہر شخص کے لئے سوا تولہ فی ہفتہ مقرر کردی ہے۔ اب تک ۲ ½ تولہ فی ہفتہ تھی۔

ہندوستان کے لئے دو خاص قانون منظور کئے گئے ہیں جن پر جنگ کے خاص حالات میں عمل درآمد کیا جائے گا۔ ہندوستان کے کسی حصہ پر دشمن کے حملے سے شورش پسند لوگوں کو امن پسند لوگوں کے جان و مال پر ہاتھ صاف کرنے کی جرأت ہونے کی صورت میں خاص عدالتوں میں انکو موت یا تازیانہ کی سزا دی جائے گی۔ وہ جرائم لوٹ مار آتش زنی خطرناک ہتھیاروں سے ضرب شدید۔ بلوہ۔ سرکاری ملازمین کے کاموں میں خلل اندازی ہیں۔ صوبجاتی حکومتیں ڈاک اور تار پر دیکھ بھال بھی قائم کرسکیں گی۔

حکومت پنجاب نے گیہوں آٹا میدہ سوجی مجسٹریٹ ضلع کی اجازت کے بغیر باہر لے جانے کی ممانعت کردی ہے۔ خلاف ورزی پر جرمانہ کی سزا دی جائے گی۔

حکومت ہند نے خاص قانون بنائے ہیں کہ مخصوص افسر ایک خاص رقبہ میں ہر کسی مرد سے حفظ جان و مال وقیام امن میں خاص وقت اور طریقہ سے کام لے سکتا ہے۔ افسران ضلع مقررہ کسی شخص کو خاص پولس افسر مقرر کرسکتے ہیں جن کو ملازم پولس افسر کے سے اختیارات حاصل ہوں گے اور ان پر وہی پابندیاں عائد ہونگی۔ خاص افسر کسی شخص سے خاص رقبہ میں اپنی مقرر کردہ شرح پر حملہ کی رکاوٹ یا اس کے نقصانات کی درستی کے لئے کام لے سکتا ہے۔ نافرمانی کی ہر حالت میں سزا چھ ماہ یا جرمانہ یا دونوں ہوں گی۔

افسوس ہے سر اکبر حیدری ۷۳ سال کی عمر میں انتقال کرگئے۔ ان کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر احاطہ بمبئی میں گزرا اور آخری حصہ ریاست حیدرآباد میں۔

شہزادی دُرِّ شہوار ولیہ عہد حیدرآباد دکن نے ایک اونی نیمان اپنے ہاتھوں سے بُنا اور اسے نیلام کیا گیا۔ وہ ۲۲۰ سو روپے میں بک گیا۔ کل روپیہ عورتوں کی طرف سے جنگ میں دے دیا گیا۔

علامہ مشرقی کو حکومت ہند نے رہا کردیا ہے مگر شرط یہ ہے کہ انکی آزادی احاطہ مدراس تک محدود رہے گی۔ اور خاکسار تحریک بدستور خلاف قانون متصور ہوگی۔ علامہ موصوف نے خاکساروں کو وردی پہننے بیلچے اٹھائے پھرنے اور فوجی ورزش کرنے کی تا اختتام جنگ ممانعت کردی ہے مگر اصلاحی کام وہ جاری رکھیں گے۔

گیہوں کی تعداد پر حد مقرر کردی گئی ہے کہ ۲۰ من سے زیادہ گیہوں یا اس کا آٹا رکھنے والا کمشنر گیہوں دہلی کو مطلع کردے ورنہ تین سال قید سخت یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جائیں گی ہر جگہ گیہوں اور آٹے کا نرخ مقرر کردیا گیا ہے مگر اس کے باوجود اکثر مقامات پر گیہوں کی دستیابی مشکل ہوگئی ہے۔

ادھنی کا سکہ دوانی کی شکل کا مگر اکنی سے چھوٹا جاری کیا جانے والا ہے۔ آیندہ سے اکنی کی شکل میں بھی کفایت کی غرض

دو روپے میں فوٹو کیمرہ

اس فوٹو کیمرہ سے عورتیں اور بچے بھی فوٹو اتار سکتے ہیں

کیونکہ اس کی ترکیب استعمال بہت آسان ہے اور اس سے فوٹو نہایت آسان روشن اور صاف تیار ہوتا ہے۔ بازار میں یہ فوٹو کیمرہ زیادہ قیمت کو ملتا ہے مگر اب ہمارے ہاں سے صرف دو روپے میں مل سکتا ہے۔ ترکیب استعمال اتنی آسان کہ چھوٹی عمر کے بچے اور عورتیں بھی خود ہی بغیر کسی کی مدد کے ہر قسم کا فوٹو اس کیمرے سے لے سکتی ہیں۔ گھر کے بچوں اور مستورات کا فوٹو گھر بیٹھے تیار کرنے کے لئے یہ کیمرہ عام طور پر استعمال ہو رہا ہے۔ ہندوستان میں نہایت تیزی کے ساتھ فروخت ہو رہا ہے۔ اگر عصمتی بہنوں میں کسی کو فوٹو کا شوق ہو یا وہ اپنے پیارے بچوں کا فوٹو گھر میں خود ہی اتارنا چاہیں تو یہ کیمرہ سب سے بہتر ثابت ہوگا۔ منیجر کامیاب بکڈپو ۳۴ دہلی کے پتہ پر خط لکھ کر بذریعہ وی۔پی منگایا جا سکتا ہے۔

اس فوٹو کیمرہ کے ساتھ فلم اور پرنٹنگ کارڈ اور فوٹو دھونے کا مسالہ بھی کافی مقدار میں ہم مفت دیتے ہیں۔ تاکہ کیمرہ وصول کرتے ہی بیشاندار تجربہ کیا جا سکے۔ ایک عدد فوٹو کیمرہ (جس کے ساتھ فلم اور پرنٹنگ کارڈ اور فوٹو دھونے کا مسالہ بھی ہوگا) کی قیمت صرف دو روپے ہے محصول پارسل پر سات آنے لگتا ہے۔ خط لکھ کر منگانے کا پتہ:-

منیجر کامیاب بک ڈپو ۳۴ دہلی

ریشمی برقعہ — قیمت پانچ روپے

سلائی کی قیمت نہیں لی جاتی۔ ڈیزائن کی قیمت نہیں لی جاتی۔ کارخانہ کو شہرت دینے کے لئے صرف کپڑے کی قیمت لی جاتی ہے۔ ہزاروں عورتوں نے ہمارے ہاں سے برقعے منگائے اور جس جگہ ایک برقعہ چلا گیا۔ وہاں سے درجنوں کی آرڈر پھر آئے۔ کیونکہ ان داموں یہ برقعہ یقیناً مفت برابر ہے۔ عصمتی بہنوں میں سے جو بہن چاہیں منگا دیکھیں۔ چیز دیکھ کر ان کا جی خوش ہو جائیگا۔ اگر پسند نہ آئے تو خوشی سے واپس کر دیں جس رنگ کا برقعہ درکار ہو جس سائز کی ضرورت ہو منگا لیجئے۔ سائز کے لئے سر سے پیر تک یا تو ڈورا ناپ کر بھیجدیں۔ یا گزوں کے حساب سے برقعہ کی لمبائی بتا دیں۔ اور جو رنگ پسند ہو وہ لکھ بھیجیں۔ بالکل ویسی ہی چیز آپ کو گھر بیٹھے پہونچا دی جائیگی۔ خواہ کوئی سائز ہو۔ کوئی رنگ ہو۔ ایک عدد برقعہ کی قیمت صرف پانچ روپے لی جائیگی۔ محصول پارسل گیارہ آنے لگے گا وہ آپ کے ذمہ ہوگا۔ منیجر کامیاب بکڈپو ۳۴ دہلی کے پتہ پر خط لکھ کر جتنے برقعہ درکار ہوں بذریعہ وی۔پی پارسل منگا لیجئے۔ آپ کو گھر بیٹھے برقعہ مل جائیگا۔ اس سے بہر صورت مطمئن رہیئے۔ جو چیز آپ کو بتائی گئی ہے۔ بالکل وہی آپ کے پاس پہونچے گی۔ برقعہ کا کپڑا ریشمی ہوگا۔ اور رنگ وہ ہوگا۔ جو آپ لکھ کر بھیجیں گی۔ (سائز کے ساتھ ہی سر کی گولائی اور سر کی پیٹی کا ناپ بھی ضرور لکھئے) برقعہ کی ٹوپی اور اس کا بہترین باریک کام دیکھ کر آپ یقیناً خوش ہوں گے۔ کیونکہ برقعہ کی کاریگری میں ٹوپی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ ہمارے اس برقعے کی ٹوپی میں بھی بہت باریک چنت کاری ہے۔ جس کے باعث برقعہ بیس پچیس روپے کا معلوم ہوتا ہے۔

منگانے کا پتہ: **منیجر کامیاب بک ڈپو ۳۴ دہلی**

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیریؒ کی مشہور و مقبول تصانیف

گوہرِ مقصود

مینی خیالستان کی پری اور لال کی تلاش دو بہت مشہور قصے۔ پہلا قصہ ملک خیالستان کی ایک پری کا ہے جو مدت تک ادھر ادھر پھرتی اور بار بار کوشش کرنے کے بعد دنیا کا بہترین تحفہ لانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ دوسرا قصہ ایک دکھیاری ماں کا ہے جو گم شدہ بچے کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں ماری ماری پھری دونوں قصے اس قدر دلچسپ اور درد انگیز ہیں کہ ہر لفظ کلیجے کے پار ہو جاتا ہے۔ قیمت ۶ر

سنجوگ

ایک تعلیم یافتہ سلیقہ شعار مگر کرموں جلی اور نصیبوں پھوٹی لڑکی کی داستان جس کا کلاح والدین نے سوچ سمجھ کر نہ کیا۔ اور فریقین کی طبیعتوں کا اندازہ نہ لگایا۔ بلکہ دولت و ثروت کی قربان گاہ پر اپنے جگر کے ٹکڑے کو بیدردی سے ذبح کر دیا اس لڑکی کو سسرال میں کیا کیا تکلیفیں پہنچیں شوہر کے ہاتھوں کیا کیا اذیتیں برداشت کیں۔ سوسائٹی کی پابندیوں اور زیادتیوں کو کس طرح سہتی رہی اور آخر کس طرح دنیا سے گئی یہ واقعات معلوم ہو کر بے اختیار آنسو نکل پڑتے ہیں۔

قیمت صرف دس آنے ۱۰ر

سوکن کا جلاپا

ناشاد و نامراد محمودہ کا افسانہ غم۔ ایک بے گناہ لڑکی پر ساس نے سوکن لا بٹھائی۔ اور غم نصیب مصیبت زدہ لڑکی نے ماں باپ کی لاج رکھنے کے لئے ساس کی زیادتیوں شوہر کے مظالم غرض سب اذیتیں ہنس کھیل کر صبر و شکر سے برداشت کیں۔ یہاں تک کہ ان غموں میں گھل گھل کر جان دیدی۔ درد و اثر سوز و گداز میں ڈوبا ہوا مصورِ غم کا بہت مشہور و مقبول افسانہ ہے۔

قیمت پانچ آنے ۵ر

لڑکیوں کی انشا

خط و کتابت سکھانے کی اردو زبان میں بہترین کتاب جس میں خطوں کے ذریعہ لڑکیوں کو بتایا گیا ہے کہ میکے کی زندگی انھیں کس طرح بسر کرنی ہے اور سسرال میں جا کر ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ ایک عورت کی حیثیت سے انھیں کیا کیا فرائض انجام دینے ہیں۔ اور زندگی کی دشوار گزار منزلوں اور کٹھن راستوں کو وہ کس طرح کامیابی کے ساتھ طے کر سکتی ہیں۔ اس میں پچاس کے قریب زنانہ خطوط ہیں۔ مگر معمولی خط نہیں حیات انسانی کے وہ راز ہیں جن کو پڑھ کر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ الفاظ کو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیجئے زبان ایسی پیاری کہ اردو لٹریچر کی انشا میں کوئی کتاب اس کا مقابلہ کر سکے۔ ضخامت سو صفحوں کے قریب۔ قیمت بارہ آنے۔ ۱۲ر

ماہِ عجم

فاروق اعظمؓ کے عہد مبارک میں سلطنت ایران پر قابو پانے کے لئے مسلمانوں کے بے مثل جنگی کارنامے فرزندان ایران کا سرفروشانہ مذہبی جوش ایرانیوں کا پروانہ وار شمع وطن پر قربان ہونا۔ اسلام اور نصرانیت کی لڑائیاں کفر و ایمان کے معرکے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی ولولہ خیز جانبازیاں جذبات لطیفہ کی حقیقت طرازیاں مشرق کے تاریخی ناولوں میں بہت ممتاز ہے کنواری لڑکیاں نہ منگائیں۔

قیمت صرف ۸ر

قطراتِ اشک

آنسوؤں کے بادشاہ حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی افسانہ نگاری کے دور اول کے بہترین نمونے۔ وہ مضامین جو مخزن، عصمت، تمدن، کہکشاں وغیرہ میں شائع ہو کر شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں۔ رویائے مقصود۔ بدنصیب کا لال دار الغرور۔ ساس کی تمارک الوطنی عصمت حسن۔ ساون کی چڑیاں۔ مظلوم کی فریاد۔ نند کا خط۔ چاندنی چوک کا جنازہ جھولے کی یاد وغیرہ وغیرہ وہ مضامین اور افسانے ہیں جنہوں نے پڑھنے والوں کو جادو نگار مصنف کی تحریر کے اثر کا قائل کر دیا تھا۔ قیمت صرف ۱ روپیہ

سب کتابیں عصمت بکڈپو دہلی سے منگائیے

شاہین و دُرّاج

حضرت علامہ مرحوم کا وہ معرکۃ الآرا تاریخی ناول جس نے مصنف کی سحر نگاری کا بڑے سے بڑے ادیبوں کو قائل کر دیا تھا اس میں محبت کے جذبات لطیفہ کو نہایت لطف و رنگینی سے بیان کیا ہے بلحاظ زبان و جذبات نگاری اردو ناولوں میں یہ قصہ بہت نمایاں درجہ رکھتا ہے شاہین و دراج مصورِ غم کی مشہور ٹریجڈی ہے قصہ کی درد انگیزی کی یہ کیفیت ہے کہ شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر کتاب ہاتھ سے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ قیمت ۸ر

بچہ ہونے کی دوا



جس عورت کو اولاد نہ ہوتی ہو اُس کے ہاں بھی اولاد ہوسکتی ہے

نئے زمانہ کی سائینس نے جہاں اور بہت سے کرشمے دکھائے ہیں۔ وہاں یہ بات معلوم کرکے بھی ہماری ہندوستانی بہنوں کو بیحد خوشی ہوگی کہ اب نئے زمانہ کی سائینس کی بدولت بے اولادی کے صدمے عورتوں کو برداشت کرنے نہیں پڑیں گے یعنی اگر کسی بہن کی شادی کو عرصہ گذر گیا ہو اور کسی سبب سے اولاد نہ ہوتی ہو تو اب اولاد ہوسکے گی۔

سائینس کے اصولوں پر تیار کی ہوئی دوا "محافظ اولاد" کا گذشتہ بارہ سال سے نہایت کامیاب تجربہ ہورہا ہے۔ بعض عورتوں کی شادیوں کو پچیس اور تیس سال گذر چکے تھے۔ مگر اس عجیب و غریب دوا یعنی "محافظ اولاد" نے ان مایوس عورتوں کو بھی صاحب اولاد بنا دیا۔ اس حیرت انگیز اور قابل فخر دوا کی ایجاد کا سہرا دہلی کے مشہور و معروف زنانہ دواخانہ کے سر ہے۔ اور امید ہے کہ عنقریب کسی بین الاقوامی مقابلہ میں اس دوا کو رکھکر ساری دنیا کو ثابت کیا جائیگا۔ کہ اس مقصد کے واسطے "محافظ اولاد" دوا کتنی حیرت خیز چیز ہے۔

دوا "محافظ اولاد" ہدایات کے مطابق مسلسل سات روز تک استعمال ہوتی ہے۔ (جس کی مفصل ہدایات دوا کے ساتھ ہوتی ہیں) اور اس کے بعد "امید" ہوجاتی ہے۔ اور ٹھیک نو ماہ بعد ایک جیتا جاگتا کھلونا مایوس ماں کی گود میں ہوگا۔

یہ وہ شاندار تجربہ ہے جو سالہا سال سے ہندوستانی اطباء اور ڈاکٹروں کو حیران کر رہا ہے۔ اور ہر شخص "محافظ اولاد" کے اس حیرت انگیز اثر کو دیکھکر حیران رہ جاتا ہے۔ "زنانہ دواخانہ" دہلی کے ریکارڈ میں اس عجیب و غریب دوا کے متعلق لاتعداد سارٹیفکیٹ موجود ہیں لہٰذا اعلان کیا جاتا ہے کہ عصمتی بہنوں میں سے اگر کوئی بہن اولاد سے محروم ہوں تو انہیں چاہیئے کہ وہ

لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ نمبر ۲۴ دہلی کے پتہ پر ایک کارڈ لکھ کر دوا "محافظ اولاد" کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگالیں۔ اور ہدایات کے مطابق دوا کا استعمال کریں۔ اولاد ہونے لگے گی۔ ایک شیشی میں ایک عورت کیلئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے۔ ایک شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے۔ اور پارسل پر سات آنے محصول ڈاک خرچ ہوں گے۔

ٹیلیفون نمبر ۱۲۸۰ تار کا پتہ:۔ "زنانہ دواخانہ" دہلی

ضرورت رشتہ

ایک ۳۲ سالہ کنوارے نوجوان کے لئے جو کہ کافی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کا مالک ہے اور دو سو روپیہ کی مستقل جائداد سے آمدنی رکھتا ہے۔ ایک ایسی نوجوان لڑکی کی ضرورت ہے جس کی عمر ۲۰ تا ۲۵ سال کے درمیان ہو۔ امور خانہ داری سے واقف معمولی پڑھی لکھی اور خوبصورت ہو اور کسی شریف خاندان (خواہ غریب ہو) سے تعلق رکھتی ہو۔ ذات پات اور جہیز وغیرہ کو کوئی اہمیت نہ دی جائیگی۔ خط و کتابت کا پتہ: بکس نمبر ۲۱۰ معرفت مسٹر ظفر انصاری صاحب بی اے دفتر اخبار "نیر اسلام" ڈاکخانہ وطن۔ لاہور

زنانہ دستکاری کی مفید کتابیں

عصمتی کروشیا

[illegible] ہنرمند بیگم صاحبہ نے ترکیبیں [illegible] قیمت [illegible]

[illegible] عصمتی کروشیا

[illegible]

گلدستۂ تارکشی

مخدومات سیدہ اشرف و شہیدہ اشرف نے یہ کتاب تیار کی ہے پہلے دھاگے نکالنے کے طریقے عام فہم پیرایہ میں سمجھائے گئے ہیں پھر تکیے کے غلاف تپائی پوش۔ میز پوش۔ کرسی پوش۔ ٹی کوزی۔ کشتی پوش جھالریں۔ [illegible] بیلیں۔ ہینڈ بیگ وغیرہ کے نمونے ہیں [illegible] کروشیا [illegible] کے [illegible] نمونے [illegible]
قیمت [illegible]

تارکشی کا کام

جس کی مدد سے لڑکیاں کپڑے سے دھاگے نکالنے کا کام بہت آسانی کے ساتھ سیکھ جائیں گی جو پہلے سے جانتی ہیں وہ اس کام میں ماہر ہو جائیں گی بیلیں جھالر اور کنارے گوشے موز [illegible] کرنے میز پوش کے مرکز گریبان [illegible] متفرق چیزیں مثلاً پنکھا بلاؤز دسترخوان ٹی کوزی۔ دستی بیگ بچوں کی جوتی ٹوپی وغیرہ وغیرہ ۲۵ نمونے ہیں اور مع مفصل ترکیب [illegible]
قیمت [illegible]

[illegible] اسٹچ ورک

یعنی [illegible] کام یا ترچھے ٹانکوں کا کام اس میں وضع وضع کی ۱۵ اور بیلیں۔ گوشے ۱۴ خوبصورت گلدستوں امرکزوں۔ پھولوں کی ڈالیوں کے خوبصورت نمونے ہیں پھر دوڑتا ہوا چرند تیتری دوڑتی ہوئی بطخ۔ بلبلوں کی جوڑی چڑیا مع ڈالی۔ اڑتی ہوئی تیتری۔ چڑیا [illegible] مور شاخ۔ بلی چوہا۔ مچھلی بھیڑیا اونٹ۔ ہاتھی گھوڑا وغیرہ کے نمونے ہیں اس کے بعد [illegible] متفرق چیزیں کل ۱۲۲ نمونے قیمت [illegible]

عصمتی کشیدہ

[illegible]
قیمت ایک روپیہ

گلدستۂ کشیدہ

جسے ۲۰ دستکار بیبیوں نے تیار کیا ہے اس میں [illegible] خوبصورت [illegible] مختلف قسم کے پھولوں کے [illegible] مختلف وضع کے بوٹے پھول [illegible] کونے ۱۹ غلاف تکیہ [illegible] مختلف قسم کے گل پھول [illegible] بیلیں [illegible] قمیص [illegible] کرتہ [illegible] گریبان [illegible]
قیمت [illegible]

گلزارِ درخشاں

جس میں محترمہ آرہ کے درخشاں صاحبہ نے نئی نئی وضع کے گل بوٹے [illegible] نفیس [illegible] میز پوش [illegible] وغیرہ کے دیدہ زیب [illegible] نفاست [illegible] نئی نئی طرز کے [illegible] خوبصورت بیلیں [illegible] میز پوش رومال [illegible] کے پھول [illegible] نمونے ہیں اور سب خوشنما۔ قیمت [illegible]

گلشنِ زہرا

مرتبہ محترمہ زہرا بیگم بی۔ اے اس میں ۳۴ وضع کی بیلیں ۲۸ پھول ۳۸ کونے ۱۱ گملے اور ٹوکریاں ۲۵ مرکزی یا وسطی خاکے ہیں جن پر پرند بھی دکھائے گئے ہیں۔ ۷ گریبان کے۔ ۱ ٹی کوزی کے ۲ پنکھوں کے نمونے ہیں۔ پھر نو نو فرم میں نمونے صاف اور دیدہ زیب ہیں۔
قیمت [illegible]

اونی کام سلائیوں سے

[illegible]

موتیوں کا کام

[illegible] دستکاری کی ماہر ۲ عصمتی بیبیوں نے تیار کی ۱۰ [illegible] نمونے ہیں

[illegible]

سلمہ ستارہ کا کام

[illegible]

جالی کا کام

ہندوستان کی قدیم صنعت جو اردو زبان میں قابلِ قدر کتاب دو حصوں میں پہلے جالی کے کام کے مختلف وضع اور مختلف طرز کے جاذبِ نظر اور دلکش نمونے دیئے ہیں [illegible]

چمنستانِ خیالی

[illegible]

گلستانِ خیالی

[illegible]

شمیم سوزن کاری

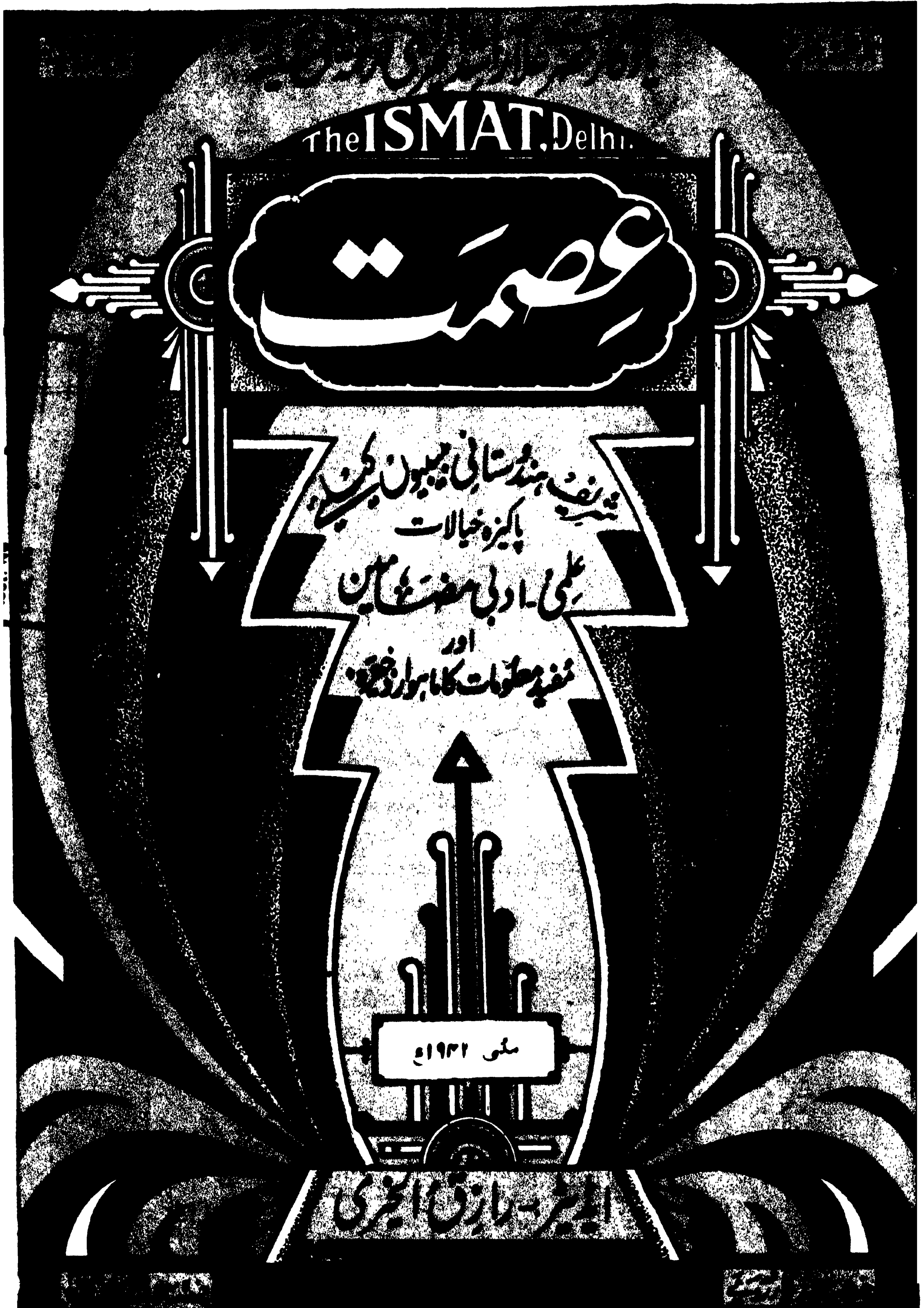
[illegible]

گوٹہ کناری کا کام

ہندوستان کی قدیم و مشہور صنعت کے متعلق [illegible] کتاب ہے ہندوستان کی [illegible]

عصمت بک ڈپو دہلی

Regd. No. L. 1872 May 1942 Established 1908



قسم خاص

تاریخ و سیرت

- [illegible] کامل
- [illegible] کامل
- [illegible]
- وحشی [illegible] وداع ظفر
- وداع خاتون
- [illegible]
- دلی کی آخری [illegible]
- [illegible]
- داستان [illegible]

مذہبی مضامین

- احکام نسواں
- [illegible] حقیقی
- دعا [illegible]
- قرآنی [illegible]
- زیور اسلام

سیاسی صحافی سیاسی مضامین

- شہید مغرب
- یادگار تمدن
- عالم نسواں
- سیاحت ہند

مضامین کے متفرق مجموعے

- برود [illegible] مشرق
- کشتی میں [illegible]
- سلطان [illegible]
- مالا زار
- بلبل [illegible]
- [illegible]
- شادی کا انتخاب
- [illegible]

اسلامی معاشرتی ناول

- حیات صالحہ
- منازل [illegible]
- صبح زندگی
- شام زندگی
- شب زندگی دو حصے
- نوحۂ زندگی
- طوفان حیات
- جوہر قدامت

اسلامی تاریخ لطیف ناول

- ماہ محرم
- عروس کربلا
- یاسمین شام
- محبوبۂ خداوند
- تیغ کمال
- شہنشاہ کا فیصلہ
- منظور [illegible]
- شاہین و دراج
- دُرِ شہوار

ڈرامے افسانے

- نالۂ [illegible]
- [illegible]
- [illegible]

نظموں کے مجموعے

- [illegible]
- گرفت [illegible]

اسلامی معاشرتی افسانے

- [illegible]
- [illegible]
- حیات [illegible] کے احکامات
- [illegible]
- [illegible]
- ستونتی
- سوکن کا جلاپا
- مودودہ
- بنت عصمت
- انگوٹھی کا راز
- منازل ترقی
- بچہ [illegible]
- ویدیا کی سرگذشت
- چہار عالم

مختصر افسانوں کے مجموعے

- جوہر عصمت
- [illegible]
- طوفان اشک
- لطافت اشک
- [illegible]
- [illegible] زندگی
- [illegible]
- [illegible]
- گرداب حیات
- [illegible]

[illegible] آمنہ نازلی

- دو [illegible] قربانیاں
- تاریخی [illegible]
- عقل کی باتیں
- ہنسی کی باتیں

تصانیف منشی پریم چند

- دودھ کی قیمت (افسانے)
- روحانی شادی (ڈرامہ)

تصانیف رازق الخیری

- وداع راشد
- عصمت کی کہانی

تصانیف مولانا سیماب اکبرآبادی

- زمانۂ بستہ (دو حصے)
- آفتاب زندگی
- شباب زندگی

تصانیف خواجہ حسن نظامی

- [illegible]
- [illegible]

کچھ اور زنانہ کتابیں

[illegible]

- موتیوں کا کام
- سلمہ ستارہ کا کام
- اونی کام سلائیوں سے
- گوٹہ کناری کا کام
- جالی کا کام
- تارکشی کا کام
- گلدستۂ تارکشی
- کراس اسٹچ ورک
- جوہر نسواں
- شمیم سوزن کاری
- خواتین کی دستکاریاں
- لکڑی کا بایک کام
- وصلی کا کام

عورتوں کی خاص کتابیں

- زچہ خانہ (دو حصے)
- سنگھار خانہ

موضوع پر افسانے و ناول

- انوری بیگم
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]

تصانیف محترمہ [illegible]

- شہر نسواں یا [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]

تصانیف محترمہ بلقیس بیگم

- خانہ داری کے تجربات
- سفید نسواں

تصانیف محترمہ حجاب امتیاز

- ادب زریں
- نغمات موت

تصانیف محترمہ سردہ جہاں [illegible]

- [illegible]
- شہزادی [illegible]

زنانہ افسانے و گیت

- افسانۂ حرم
- [illegible]
- [illegible] گیت

زنانہ نظمیں

- [illegible]
- [illegible]

بچوں کے لیے کہانیاں

- [illegible]

رسالہ عصمت دہلی

چونتیسواں ۳۴ سال | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۴۲ عیسوی | جلد ۶۸ نمبر ۵

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی:- مع محصولڈاک چار روپیہ — ممالک غیر سے دس شلنگ

قسم خاص:- اعلیٰ کاغذ کا ایڈیشن غیر رؤسا سے مع محصول، والیان ریاست سے نذر، ممالک غیر سے ایک پونڈ - فی پرچہ ایک روپیہ

رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وہیلر کے بک سٹال پر بھی ۵ ر میں ملتا ہے

(باہتمام رازق الخیری ایڈیٹر پرنٹر پبلشر محبوب المطابع دہلی میں چھپ کر دفتر عصمت کوچہ چیلان دریا گنج دہلی سے شائع ہوا)

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کے مضامین کے جدید مجموعے

پہلا سٹ۔ جنوری ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔

		قیمت
قرآنی قصے	ان نبیوں اور پیغمبروں کے حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ علامہ مغفور کے مخصوص پیرایہ میں۔ بار دوم۔	عہ
گدڑی میں لعل	عورتوں کو سگھڑ، سلیقہ مند، کفایت شعار اور منتظم بنانے کے لئے خانہ داری کے متعلق دلنشین پیرایہ میں بے بہا مشورے۔ بار دوم۔	۴ر
نالہ زار	عورتوں کی مظلومیت کا مرقع۔ ان کے مصائب و آلام کی دردانگیز داستانیں۔ یہ وہ مضامین ہیں جو لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں۔	۱۲ر
عروس مشرق	مغربی تہذیب کے زہر آلود اثر سے مشرقی خواتین کو محفوظ رکھنے کے لئے علامہ مغفور کے معرکۃ الآرا مضامین۔ بے حد موثر اور سبق آموز۔ بار دوم۔	۱۰ر
بزم رفتگاں	اردو نثر کے بے مثل مرثئے جو ملک و قوم کی چند مایہ ناز خواتین اور باکمال ادیبوں اور شاعروں کی یاد میں لکھے گئے۔ باتصویر۔	۱۰ر
سیاحت ہند	ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں کی تعلیم یافتہ خواتین وحضرات کا تذکرہ مختلف صوبوں کے معاشرتی حالات خود علامہ مرحوم کے متعلق معلومات بھی ہیں	عہ
گرداب حیات	عورتوں کی اصلاح وحمایت میں ۱۵ چھوٹے چھوٹے سبق آموز موثر افسانوں کا دلآویز مجموعہ جن سے سینکڑوں عورتیں افسانہ نگار بن گئیں۔ بار دوم	عہ
دادا الال ٹھمکتا	اور چار نہایت ہی پرلطف مزاحیہ لیکن نتیجہ خیز قصے۔ نانی عشو اور ملانتی نخی کے ساتھ کی کتاب۔ بار دوم	۸ر
بیفکری کا آخری دن	اور دوسرے مضامین۔ لڑکیوں کے لئے جنہیں پڑھ کر وہ کنوار پتہ کی قدر کریں گی اور اپنے فرائض سمجھنے لگیں گی۔ بار دوم۔	۴ر

دوسرا سٹ۔ جون ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔

		قیمت
احکام نسواں	عورتوں کے متعلق قرآن مجید کے احکام اور ان کی تفسیر۔ عام فہم اور صاف ستھری زبان میں۔ یہ کتاب ہر مسلمان عورت اور مرد کی نظر سے گزرنی چاہئے۔	عہ
دعائیں	حضرت علامہ مغفور کی آخری تصنیف۔ سوز و گداز اور درد و اثر میں ڈوبی ہوئی اردو زبان میں نظم و نثر کی دعائیں۔ دوسری دفعہ چھپی ہے۔	۸ر
دلی کی آخری بہار	نصف صدی پہلے کی تہذیب، تعلقات، وضعداری اور محبت کی پر درد کہانیاں اور بربادی دلی کے جگر خراش افسانے۔	عہ
محسن حقیقی	سرور کائنات صلعم کی مقدس زندگی کے چند متفرق واقعات اور مجالس میلاد کے متعلق اصلاحی مضامین	۶ر
چمنستان مغرب	خانہ داری۔ تاریخ۔ معاشرت۔ ادب وغیرہ پر چند بہترین انگریزی مضامین کے عام فہم ترجمے۔ نہایت دلچسپ مگر بے حد مفید کتاب ہے۔ قریب الختم ہے۔	عہ
مسلی ہوئی پتیاں	دلی کی ٹکسالی زبان میں چند خطوط جن کا ایک ایک لفظ نیر و نشتر کی طرح کلیجہ کے پار ہو جاتا ہے۔	۶ر
داستان پارینہ	چند تاریخی مضامین (باتصویر) جن میں افسانہ سے زیادہ دلچسپی اور دلاویزی ہے۔ دوسری دفعہ چھپی ہے۔	۱۲ر
بلبل بیمار	لڑکیوں کی تربیت، تعلیم اور پردہ پر طبقۂ نسواں کے سب سے بڑے نباض نے تہائی صدی تک غور و فکر کرکے جو نسخے تجویز فرمائے تھے ان کا بیش بہا مجموعہ	۱۰ر
حور اور انسان	عصمت و تمدن میں اب سے ۲۰ سال پہلے جو معرکۃ الآرا افسانے شائع ہوئے تھے۔ ان میں سے آٹھ افسانے۔ نہایت دلآویز، سبق آموز، نتیجہ خیز۔	۱۲ر
لباب حیات	حیات انسانی کے متعلق جانوروں کا مشاہدہ۔ چار سبق آموز نہایت موثر افسانے۔ دوسری دفعہ چھپی ہے۔	۴ر
نشیب و فراز	آٹھ عورتوں نے اپنی اپنی زندگی کا کوئی اہم واقعہ یا مشاہدہ بیان کیا ہے۔ دوسری دفعہ چھپی ہے۔	۴ر
یادگار تمدن	تمدن حقوق نسواں کی حمایت میں پہلا اور آخری پرچہ تھا۔ اس کے متعلق مضامین ہیں۔ طرز بیان بے انتہا دلآویز۔	۶ر

تیسرا سٹ۔ جون ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔

		قیمت
مسلمان عورت کے حقوق	حقوق نسواں کی حمایت میں علامہ مغفور کے معرکۃ الآرا مضامین جن کی دھوم مچ گئی تھی۔ باعتبار ادب بھی یہ کتاب بلند پایہ ہے۔ بار دوم۔	۱۲ر
زیور اسلام	مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کے لئے نہایت موثر اور دلچسپ مذہبی مضامین کا قیمتی مجموعہ۔ جلد منگائیے۔ قریب الختم ہے۔	عہ
خدائی راج	اردو کے سب سے پہلے مختصر افسانہ نگار کے آخری بے مثل افسانوں کا دلآویز مجموعہ جو اردو افسانہ نگاری میں غیر فانی درجہ رکھتا ہے۔	عہ
ساجن موہنی	شوہر کا دل کس طرح مسخر کیا جا سکتا ہے۔ اس موضوع پر بے بہا مشورے۔ شوہر والی بیویوں کے لئے بہترین استانی، سہیلی اور مشیر کا کام دے گی۔	۴ر
شادی کا انتخاب	لڑکی لڑکے کی شادی کے وقت کیا کیا باتیں ضروری دیکھنی چاہئیں۔ بہت ہی دلچسپ مگر بے حد مفید اور نتیجہ خیز کتاب ہے۔	۸ر
عالم نسواں	خواتین سے متعلق ملکی غیر ملکی تحریکوں پر خواتین ہند کے محسن اعظم کا تبصرہ جو ادبی حیثیت رکھتا ہے۔	۸ر
فریب ہستی	مسلمان گھرانے کس طرح اندھی اندھ کو کھلے ہو رہے ہیں اور ان کی درستی کی کیا تدابیر ہیں۔ اس بحث پر مفید مضامین۔	۶ر
بکھری ہوئی پتیاں	مختلف موضوعوں پر علامہ مغفور کے متفرق مضامین۔ جن میں حضرت مصور غم کی مختلف ادبی حیثیتیں نظر آتی ہیں۔	[illegible]

ملنے کا پتہ: عصمت بک ڈپو۔ دہلی

منحوس دُلہن

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

شگون، فال، نیستی، بھاگوانی، دُنیا کی ہر قوم میں خواہ وہ کتنی ہی ترقی پر کیوں نہ پہونچ گئی ہو ایک جزو زندگی رہی ہے یہانتک کہ انگریز بھی جو آج کل عقل کے پتلے اور علم کے کیڑے سمجھے جاتے ہیں اس سے خالی نہیں اب تک ان کے ہاں اس قسم کے عقائد موجود ہیں۔ مگر جس بری طرح مسلمان ان وہموں میں گرفتار ہوئے اس کی نظیر شاید دوسری قوموں میں کم ملے، حالانکہ یہ عزت اسلام اور صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے ان تمام ڈھکوسلوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، اور اس اندیشہ کی وجہ سے کہ کہیں دوسروں کے دیکھا دیکھی مسلمان بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نہ سمجھ لیں صاف صاف کہہ دیا بلکہ خود ان کے منہ سے کہوا دیا کہ "میں تو تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں"۔ مگر افسوس اسلام کا یہ وقت زیادہ عرصہ تک نہ رہا۔ اور مسلمان اس مرض میں ایسے گرفتار ہوئے کہ دُنیا کی تمام قوموں کو پیچھے ہٹا دیا، فال، ٹوٹکے، منحوس بھاگوان پر شاید ہی مسلمانوں میں کسی گھر کا یقین نہ ہو۔

گھوڑے کا قدم اور مکان کا پہرا تو سُنا تھا، مگر آج ایک ایسی بیوی کا حال لکھا جاتا ہے جو مسلمان جاہل عورتوں کے ہاتھوں موت کا شکار ہوئی، یہ واقعہ جس قدر دردانگیز ہے اتنا ہی عبرتناک لیکن نہایت ہی صدمہ کی بات ہے کہ یہ باتیں کچھ ایسی گھٹی میں پڑ گئی ہیں کہ اب ان کا چھوٹنا مشکل ہی نظر آتا ہے۔

ان کے نکاح کے بعد وداع سے کوئی چھ مہینے پہلے ان کی ساس کا انتقال ہوگیا، جو خاصی اچھی بڑھیا تھیں، اور ان کی موت کچھ اچنبھا نہ تھا مگر سارے کنبہ میں یہ مشہور ہوگیا کہ "بہو نیست ہے۔ ابھی سُسرال میں قدم نہیں رکھا اور ساس رخصت ہوئیں" وداع کے دو یا تین روز بعد جیٹھ جو پردیس میں تھے گھوڑے سے ایسے گرے کہ بچ نہ سکے۔ ظاہر ہے کہ ان کی موت کا بھاوج سے کوئی تعلق نہ تھا، مگر جس سے سُنو وہی کہہ رہا تھا کہ "بھاوج نے آتے ہی جیٹھ کو کھایا" دو چار روز کی دلہن جس کا ابھی گھونگھٹ بھی نہ اُٹھا تھا۔ یہ افواہیں سن سُن کر دل ہی دل میں کُڑھتی۔ مگر کچھ کہہ نہ سکتی، اب ایک اتفاق پیش آیا کہ خسر صاحب نے خواہ مخواہ ایک نالش اپنے چچا زاد بھائی صاحب پر کر دی تھی اور یہ کئی ہزار کا مقدمہ دو تین جگہ ہار چکے تھے، اور اب اس کا آخری فیصلہ اپیل کا تھا جو اُن کے برخلاف ہوا اس کی خبر پھیلتے ہی "بہو کی نیستی" پر ایک اور تازیانہ لگا، اور بچہ بچہ کے منہ میں ان کی نیستی کا چرچا ہونے لگا۔ کامل تین سال اس طرح گذرے، اس عرصہ میں دنیا کے دستور کے موافق بہت سے اچھے اور بڑے واقعات پیش آئے مگر ہر بڑے واقعہ کا سبب بہو تھی، میاں جو پانچ برس سے بے کار تھے، مستقل نائب تحصیلدار مقرر ہوگئے۔ خسر کی تنخواہ میں ترقی ہوئی۔ دیور جو دو سال سے فیل ہو رہا تھا امتحان میں پاس ہوا،

دیورانی مر مر کر بچیں۔ مگر ان باتوں کا کسی کو خیال بھی نہ تھا۔ ہاں تھا تو اس کا کہ "نوج ایسی منحوس بانجھ نگوڑی کا کوئی صبح منہ دیکھے۔ سارا دن روتے دھوتے بسر ہو"

پیٹھ پیچھے تو بادشاہ کو بھی برا کہتے ہیں اور دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو اس سے محفوظ ہو، مگر سسرال والے کھلم کھلا منہ پر کہتے۔ کچھ ایسی دو چار مہینے کی بیاہی بھی نہ تھیں کہ شرم کے مارے نہ بول سکتیں، تین ساڑھے تین برس بیاہ کو ہو چکے تھے، لیکن کس کس کا منہ بند کرتیں، بچہ نہ ہونے کی وجہ سے میاں نے بھی طوطے کی طرح دیدے بدل لیئے۔ اور مختصر یہ کہ دوسرا نکاح کر لیا، اب کیا تھا، بھنگن اور بہشتن ماما اور اصیل جو کہتا وہی کہتا کہ "اے ہے! بس نوج کوئی سویرے سویرے ایسی منحوس عورت کا منھ دیکھے" ادھر تو خاوند کے نکاح کا صدمہ ادھر ہر وقت کے یہ چاروں طرف کے کچوکے نتیجہ یہ ہوا کہ بخار کھانسی، دق، غرض چھ سات مہینہ کی مصیبت جھیل کر رخصت ہوئیں،

خیر یہ تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا، مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے ہاں اس قسم کے خیالات کیسے قابل اعتراض اور قابل افسوس ہیں۔ جو واقعات دنیا میں پیش آرہے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہیں نہ کہ انسان کی طرف سے، کسی شخص کو ان واقعات کی بنا پر ایسا نکو بنا دینا جہالت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

(از نالۂ زار)

نادار فنڈ

عصمت مارچ ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۳۲ کے مطابق نادار فنڈ میں ۴۸ عہ ۱۱ ر جمع تھے اپریل میں کنیز فاطمہ صاحبہ ملک جنجیرہ ووصہ اور محمود فاروقی صاحب علی گڈھ نے عہ بھیجا میزان ہوئی للعہ ۹۴ ۱۱ ر

جولائی ۱۹۴۱ء سے نومبر ۱۹۴۱ء تک از کم استطاعت خواتین کے نام ایک ایک روپیہ وصول ہونے پر باقی تین تین روپئے نادار فنڈ سے پورے کر کے رسالہ سال بھر کے لئے جاری کیا گیا ان کے خریداری نمبر یہ ہیں:- ۳۹۶۷، ۴۳۳۲، ۴۲۵۸،

میزان رقم لعہ

جن کے نام دو دو روپیہ نادار فنڈ سے لے کر رسالہ جاری کیا گیا۔ ان کے خریداری نمبر یہ ہیں۔ ۴۸، ۳۵، ۱۰۰۲،
۴۲۹۶، ۳۵۸۳، ۳۷۳۰، ۳۶۵۹، ۴۵۲۱، ۳۴۷۰،
۲۵۷۹، ۳۵۷۴، ۳۵۶۳، ۳۷۶۹، ۳۷۲۷، ۴۷۱۱،
۲۵۰۹، ۳۵۶۴، ۳۵۶۲، ۳۶۱۴، ۳۵۹۹، ۳۶۰۲،
۳۶۶۹، ۳۵۹۷، ۳۶۱۳، ۵۰۵، ۲۷۵، ۴۷۸، ۴۸۸،
۳۷۳۶، ۱۱۵۰،-

تعداد خریدار ۲۸ - رقم جو نادار فنڈ سے لی گئی۔ ۵۶ ر

متفرق نمبر جن کو نادار فنڈ سے روپیہ دیا گیا۔ ۳۷۴۶ - ۸ ر، ۳۶۲۹ عہ ۱۲ ر - ۴۷۴، ۲۴۷۴ ۸ ر - ۳۵۴۴، عہ ۸ ر - ۴۵۹۸، ۱۱ ر، ۶۱۶ ۸ ر - ۹۴۰، عہ ۱۲ ر - ۳۷۳۷، عہ ۱۲ ر - ۳۷۴۰، عہ ۸ ر، ۳۵۸۶ عہ ۱۲ ر - ۳۶۱۵، عہ ۱۲ ر - ۱۰۱۰، ۸ ر -

میزان	۲۳ ر
کل رقم جو نادار فنڈ سے دی گئی	۸۵ ر
نادار فنڈ میں جمع	للعہ ۱۱ ر
فاضل خرچ	۱۳ ر

منیجر

ازدواجی زندگی

ازدواجی زندگی، زندگی کا بڑا نازک دور ہوتا ہے، اور اس میں بڑی بڑی مشکلات اور دقتیں پیش آتی ہیں اور ذرا سی غفلت یا لاپروائی سے زندگی تباہ ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے چاؤ شوق اور ارمانوں سے ہونے والی شادیوں میں سے ۱۰ سے ۱۵ فی صدی تک علیحدگی کی نوبت آجاتی ہے، اب علیحدگی کی دو صورتیں ہیں ایک قانونی یا شرعی طور پر علیحدگی حاصل کرلی جائے اور دوسرے دنیا کے لعن طعن، خاندانی وقار، ماں باپ کی جھوٹی شرم یا بعض دیگر وجوہ کی بنا پر قانونی علیحدگی اختیار نہ کی جائے مگر شوہر سے تعلقات منقطع کرلئے جائیں، اس کے بعد ۲۰ سے ۲۵ فی صدی تک تعلقات چلتے نہیں ہیں بلکہ گھسٹتے ہیں اور مختلف اسباب کی بنا پر فریقین ایک دوسرے کو برداشت کرتے رہتے ہیں اور باضابطہ علیحدگی حاصل نہیں کی جاتی، اب ۶۰ فی صدی باقی تعلقات یہ تو بہت معمولی ہوتے ہیں، یعنی نہ یہاں کوئی غیر معمولی ارتباط ہوتا ہے اور نہ کوئی غیر معمولی انقباض، اور دراصل ان ہی کی بدولت ہمارے معاشرہ کا خاندانی نظام قائم ہے، اس طرح سو فی صدی اعداد پورے ہو گئے یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان میں کوئی ازدواجی زندگی ایسی نہیں جو خوش گوار ہو۔ ہزار میں پانچ یا سات شادیاں ایسی ہوتی ہیں جو حقیقی معنوں میں کامیاب ہوتی ہیں، بعض لوگ ان اعداد کو مبالغہ آمیز خیال کریں گے میں نے تھوڑے سے اعداد جمع کر کے یہ نتائج نکالے ہیں اگر ملک کے اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو ان میں کچھ فرق ہو سکتا ہے، مگر یہ فرق بہت زیادہ نہیں ہو گا۔

سب سے پہلے مضمون کے مطالعہ کے وقت ایک چیز پیش نظر رکھنا چاہئے یعنی میں ہندوستانی معاشرت کے اوسط گھرانوں کی تصویر کھینچ رہا ہوں، نہ میرے سامنے وہ دقیانوسی خاندان ہیں جہاں عورتوں کو باندی اور لونڈی سمجھا جاتا ہے، ان کو مارا پیٹا جاتا ہے، اور نہ میرے پیش نظر وہ خاندان ہیں جہاں کی عورتیں آزاد ہیں، وہ بے باکانہ کلب اور سینما جاتی ہیں، غیر مردوں سے ملتی ہیں، اور ان فرائض اور ذمہ داریوں سے قطعی بے بہرہ ہیں جو عورتوں سے متعلق سمجھی جاتی ہیں۔ دراصل ہندوستان میں عورت کو ابھی وہ آزادی نہیں ملی جس کا کانفرنسوں، انجمنوں اور پلیٹ فارموں پر ذکر کیا جاتا ہے، چنانچہ وہ نوجوان جو شادی سے قبل یا شادی کے بعد آزادی نسواں کے سلسلہ میں تقریریں کرتے اور تحریریں لکھتے رہتے ہیں اور جوش میں جن حدود سے گزر جاتے ہیں، ان کو وہ اپنے گھر والیوں کے لئے برداشت نہیں کرسکتے، لہٰذا اس مضمون میں جن باتوں کا ذکر ہے وہ عام ہندوستانی معاشرت سے متعلق ہیں۔

ازدواجی زندگی جو ابتدا میں بڑی دلچسپ، پُرکیف، اور خمار آور معلوم ہوتی ہے دراصل بہت مشکل اور کٹھن ہے، اور اس کا بار مرد و عورت دونوں پر ہے، مگر اس کو خوش گوار بنانے کی اہم ذمہ داری عورت پر عائد ہوتی ہے یہ میں اس وجہ سے نہیں کہتا ہوں کہ میں خود اس طبقہ سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ عورت میں اپنی فطرت کے اعتبار سے یہ صلاحیت زیادہ ہوتی ہے، مرد عموماً تنک مزاج، غصیلا، خود غرض ہوتا ہے، یہ عادتیں کچھ تو فطری طور پر مرد میں پائی جاتی ہیں اور کچھ زمانہ کے نشیب و فراز اور تلخیاں اس کو ایسا بنا دیتی ہیں، اس کے برخلاف عورت میں ہمدردی، ایثار اور قربانی کے جذبات زیادہ پائے جاتے ہیں، یہ اس وجہ سے بھی کہ اس کو ماں بننا ہوتا ہے اور ماں کو اپنی اولاد کے لئے باپ سے زیادہ ہمدردی، ایثار اور قربانی کرنی پڑتی ہے، دوسرے وہ عام طور پر شیریں زبان، دھیمی طبیعت اور صابرہ ہوتی ہے

چنانچہ ہمیشہ نرس کے پیشہ میں عورت زیادہ کامیاب ہوتی ہے، سلیقہ، صفائی، امور خانہ داری اور بچوں کی عمدہ تربیت کی بدولت وہ گھر کو ارضی جنت میں تبدیل کر سکتی ہے، وہ اپنی نسوانی اداؤں سے مردوں پر حکومت کر سکتی ہے، بعض وقت عورت بُرے سے بُرے مردوں کو دنیا کے بہترین افراد بنا دیتی ہے، اور کبھی عورت اپنی معمولی سی لغزش سے اچھے آدمیوں کو بدترین بنا دیتی ہے۔ مثلاً مسٹر (ل) حماری، شرابی، اور دنیا کی تمام برائیوں کا مجموعہ ہے، شادی کے بعد آہستہ آہستہ اس کی بیوی نے اس میں اصلاح شروع کی اور پانچ سال کے عرصہ میں ایسا تبدیل کر دیا کہ دیکھنے والا یہ گمان ہی نہیں کر سکتا کہ کبھی یہ شخص ایسا بھی رہا ہوگا۔ اس کے برخلاف میں مسٹر (س) کو جانتا ہوں، جو پہلے بہت خوش اخلاق، ملنسار، اور اچھا آدمی تھا، اتفاق سے اس کو ضدی، غصیلی اور تنک مزاج بیوی ملی، ابتدا میں وہ بہت اچھا رہا، مگر پھر اس میں بھی ضد، ہٹ، اور غصہ پیدا ہوتا تھا، ابتدا میں وہ صرف بیوی سے لڑتا تھا، مگر کچھ عرصہ کے بعد گھر، محلے اور دفتر میں اس سے لڑائیاں ہونے لگیں، مجموعی حیثیت سے وہ پریشان رہنے لگا اور سکون کی خاطر اس نے دوسرے ذرائع اختیار کئے، مگر ان سے وہ اور گمراہ ہوگیا اور آج اس کا شمار سوسائٹی کے بدترین آدمیوں میں ہوتا ہے۔ اور یہ سب دو سال کے قلیل عرصہ میں ہوگیا۔ یہاں ایک بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ انسان کی اصلاح میں زیادہ وقت لگتا ہے مگر اس کی تخریب میں بہت کم مدت درکار ہوتی ہے۔

پورا مضمون پڑھنے کے بعد بعض بہنیں اعتراض کریں گی کہ میں نے ہدایات کی تلقین عورتوں ہی کو کی ہے اور مردوں کو صاف بچا گیا ہوں، اس سے میرا یہ مقصد نہیں کہ ان کے کچھ فرائض اور ذمہ داریاں ہیں، یا عورت تو تعمیر کرتی رہے اور یہ تخریب کے درپے رہے، اگرچہ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ازدواجی زندگی کو کامیاب بنانے میں عورت کا بڑا اہم حصہ ہے، نیز اپنی زندگی کو کامیاب بنانے میں خود اس کے ذاتی مفاد بھی پنہاں ہیں، مثلاً ہندوستانی معاشرت ایک بیوہ، مطلقہ یا اپنے شوہر کو چھوڑ کر بیٹھ جانے والی عورت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی، اور ایسی مثالیں بہت شاذ ہیں کہ بیواؤں یا مطلقہ عورتوں کی دوسری شادیاں کسی اچھی جگہ ہوئیں ہوں اور وہ کامیاب بھی ثابت ہوئیں ہوں، اگر اتفاق سے ایسی عورتیں مائیں بن جائیں تب تو ان کی اور ان کی اولاد کی زندگی بھی برباد ہو جاتی ہے۔ گھریلو زندگی میں سہاگن کی جو اہمیت ہے وہ کسی دوسری عورت کو حاصل نہیں، شادی بیاہ اور خوشی کے دوسرے تمام موقعوں پر سہاگنوں کو پیش پیش رکھا جاتا ہے، ایک خاتون کو ایسی رسموں میں حصہ لینے کا بڑا شوق تھا، مگر اتفاق سے ان کی ازدواجی زندگی خود خراب ہوگئی اور وہ اپنے میکہ آگئیں، ان کی چھوٹی بہن کی شادی ہو رہی تھی۔ رخصت کے وقت جوڑا پہنانے کے لئے چھوٹی بڑی بہنیں سہیلیاں اور رشتہ دار سب ہی موجود تھیں، اور اسی جھرمٹ میں یہ بھی شامل تھیں ظاہر ہے کہ گھر کے کسی آدمی کو تو یہ خیال کیوں آسکتا تھا کہ ان کو وہاں سے ہٹا سکے، مگر دلہن کی ساس سے نہ رہا گیا اور وہ بول اٹھیں کہ اس وقت تو بدشگونی نہیں کرنا چاہیے، اور ان لوگوں کو خود ہی الگ ہو جانا چاہئے جو اپنے گھر سال بھر بھی نہ بنا سکیں۔" جملہ بہت ہی معمولی تھا، مگر ایسا گہرا گھاؤ لگا کہ ساری زندگی بھر نہ سکا تیسری بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں اب تک عورت معاشی طور پر آزاد نہیں، اور جو چند عورتیں آزاد نظر آتی ہیں وہ بھی حفاظت، نگرانی اور دوسرے لحاظ سے مردوں کی محتاج ہیں، ہندوستان میں عام طور پر لڑکی کو شادی سے پہلے باپ کا، شادی کے بعد شوہر کا، اور بڑھاپے میں اولاد کا دست نگر بننا پڑتا ہے، اور ان صورتوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا لیکن جب ان کے خلاف واقعات پیش آتے ہیں تو چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں مثلاً شادی کے بعد لڑکی کی میکہ میں کوئی حیثیت نہیں رہتی، اور اگر وہ شوہر کو چھوڑ کر میکہ میں رہنے لگے تو اس کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے، چنانچہ ۹۹٫۵ فی صدی مثالیں ایسی نظر آتی ہیں کہ ابتدا میں ہر شخص ان کی حمایت، طرفداری اور دلدہی کرتا ہے مگر چند سال ہی میں وہ خاندان کی باندی

بن جاتی ہیں، والدین کی حیات تک تو خیر اس کی زندگی گزرتی رہتی ہے مگر اس کے بعد تو بھائی بھاوجیں، بہن یا بہنوئی ان کو ناقابل برداشت بار سمجھتے ہیں، اور اس کے مرجانے یا کہیں چلے جانے کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔ گویا ہندوستانی شریف عورت کی مسرت، خوشی اطمینان اور چین مختصر یہ کہ زندگی کا دارومدار ازدواجی زندگی کو خوش گوار بنانے میں ہے اس لئے میں اس مضمون کو عورتوں کی ذمہ داریوں اور فرائض تک محدود رکھنا چاہتا ہوں۔

ازدواجی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے حسب ذیل چیزوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

(۱) زیادہ اور بے کار باتیں نہیں کرنا چاہیئے اس طرح شوہر کی نظر میں عورت کا بھرم باقی نہیں رہتا۔

(۲) آپس میں غیریت نہ سمجھو، ایک دوسرے پر اعتماد کرو، اور ایک کو دوسرے کا رفیق سمجھو میاں بیوی سے بڑھ کر اس دنیا میں حقیقی معنوں میں کوئی رفیق نہیں ہوتا۔

(۳) کسی قسم کا غرور نہ کرنا چاہیئے، خواہ وہ خاندانی ہو یا جسمانی، مالی ہو یا علمی۔ بہت سی لڑکیاں اپنے خاندانی عظمت و وقار یا دولت یا شرافت کے حقوں سے شوہروں کو مرعوب کرنا چاہتی ہیں، مثلاً ب صاحبہ کا وظیفہ ہے کہ ان کے باپ کے یہاں ہر وقت چار نوکر رہتی ہیں، اور دروازے پر دو آدمی رہتے ہیں۔ بہت سی عورتوں کو اپنے حسن پر ناز ہوتا ہے چنانچہ (ج) صاحبہ چائے بنانے کیلئے چولھے کے پاس اس لئے نہیں جاتیں کہ پسینہ آکر ان کا رنگ میلا ہو جائے گا، اور کپڑوں میں پسینہ کی بو آجائے گی۔ بہت سی لڑکیاں اپنے جہیز یا جہیز کے مکان اور جائداد پر فخر کیا کرتی ہیں، اور ان چیزوں سے شوہروں کو مرعوب کرنا چاہتی ہیں مثلاً د صاحبہ کو کافی جہیز ملا ہے اور ان کا شوہر عارضی ملازمت میں ہے، اب وہ اپنے شوہر، اس کے اعزا اور خود اپنے عزیزوں اور ملنے والوں کے سامنے یہی تذکرہ کرتی رہتی کہ انھوں نے ملازمت کی کیا پرواہ میں اپنی سب چیزان ہی کی نذر کر دوں گی بعض تعلیم یافتہ لڑکیوں کی شادی معمولی لکھے پڑھوں سے ہو جاتی ہے تو ان کو اپنے علم پر ناز ہوتا ہے مثلاً عزیزہ ز اپنے شوہر کا ہر ایک کے سامنے مذاق اڑاتی ہیں کہ "ان کو تار تک پڑھنا نہیں آتا"۔ ان تمام باتوں سے شوہر کے دل میں بیوی کی جانب سے نفرت پیدا ہوتی جاتی ہے، ان سب باتوں کی احتیاط بہت ضروری ہے۔

(۴) عموماً اپنی سسرال کی سب باتیں اور خصوصاً شوہر کی باتیں دوسروں سے اور خاص طور پر میکہ میں نہ کہنی چاہیں۔ محترمہ ب کی عادت ہے کہ وہ اپنے شوہر کی ہر سنجیدہ اور غیر سنجیدہ بات دوسروں سے کہہ دیتی ہیں، مثلاً ایک دن شوہر نے طنزاً اپنے سسر کو علامہ کہہ دیا تو بیٹی نے باپ کو اطلاع دے دی۔ ایک مرتبہ مذاق میں بڑی سالی کو خبطن کہہ دیا تو بہن نے آپا جان سے کہہ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ مذاق سنجیدگی میں تبدیل ہو گیا اور دلوں میں گرہ پڑگئی جو عمر بھر باقی رہی، مگر محترمہ ن نے تو کمال ہی کر دیا یعنی انھوں نے اپنی سسرال اور اپنے شوہر کی ہر چھوٹی بڑی بات میکہ میں کہنا شروع کر دی اور بعض باتوں میں بڑے مبالغہ سے کام لیا اور جب یہ ایک مرتبہ کچھ منھ پھلا کر میکہ آئیں تو والدین نے ان کو سسرال جانے سے روک دیا، اب یہ بڑی کشش و پنج میں پڑگئیں، اور بڑے عرصہ تک ان کو اپنے کیئے کی سزا بھگتنا پڑی، وہ تو اتفاق سے باہر سے ان کی ایک ہم عمر عزیزہ آئیں اور انھوں نے اصل حالات سے واقف ہو کر آپس میں مصالحت کرائی۔

(۵) اپنی سسرال میں اور اپنے شوہر کے سامنے ہر وقت اپنے میکہ، عزیزوں، اور ایام گذشتہ کا تذکرہ نہ کرنا چاہیئے، اور نہ ہر وقت ان کی یاد کو اس طرح محسوس کرنا چاہیئے کہ دیکھنے والے بھی پریشان ہو جائیں، یہ صحیح ہے کہ ہر لڑکی کو شادی کے بعد میکہ، اپنے عزیزوں، سہیلیوں کو چھوڑنے کا افسوس ہوتا ہے، مگر اس میں مبالغہ سے کام نہیں لینا چاہیئے۔

۶۔ ہر وقت اپنی پہلی نسبتوں کا شوہر کے سامنے تذکرہ کرنا بھی بہت مضر ہے، بعض وقت اس سے بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں، بلکہ اگر شادی خلاف مرضی بھی ہو گئی ہو تو زندگی کو خوش گوار بنانے کے لئے ضروری ہے کہ پرانے واقعات کی یاد کو تازہ نہ کیا جائے۔

۷۔ سسرال کا جیسا ماحول ہو اسی رنگ میں رنگ جانا چاہئے خواہ میکہ میں ویسا ماحول نہ دیکھا ہو، ایک دم پورے خاندان پر غالب آنا مشکل ہے مگر آہستہ آہستہ ان پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ فضول خرچی سے پرہیز کرنا چاہئے اور اپنے شوہر کی آمدنی اور وسائل کو دیکھتے ہوئے خرچ کرنا چاہئے۔

۹۔ جب شوہر باہر سے تھکا ہارا، پریشان اور متفکر آئے تو اس کا ہنسی خوشی استقبال کر کے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرنا چاہئے اس وقت مالی پریشانیوں، خاندانی جھگڑوں اور گھریلو معاملات کا ذکر نہ کرنا چاہئے۔

۱۰۔ جب شوہر کا مزاج بگڑا ہوا ہو تو اس وقت جہاں تک گفتگو کم کی جائے اچھا ہے سکون سے آدمی خود ہی سنبھل جاتا ہے۔ اس وقت اس کو چھیڑنا بارود کو دیا سلائی دکھانا ہے۔

۱۱۔ کسی معاملہ میں خواہ وہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو ضد اور ہٹ سے کام نہ لینا چاہئے خواہ اس میں آپ حق بجانب ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ ضد سے ضد پیدا ہوتی ہے، اور صداقت کو بالآخر فتح ہوتی ہے۔

۱۲۔ جو چیزیں شوہر کو عزیز ہیں اور جن کو وہ پسند کرتا ہے ان سے آپ کو بھی دلچسپی پیدا کرنی چاہئے اور جن سے اس کو نفرت ہے ان سے اپنی پسندیدگی کا اظہار نہ کرنا چاہئے، اس طرح خیالات میں یکسانیت پیدا ہو کر دل مل جاتے ہیں۔

۱۳۔ ہر وقت ہشاش بشاش رہنے کی کوشش کرنا چاہئے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو اہمیت دے کر اپنے آپ کو ملول اور غمگین نہ کرنا چاہئے، زندگی خود غمناک اور اس کے جو لمحات بھی خوشی میں گذر جائیں وہ بہت مبارک ہیں۔

اتفاق سے جس وقت میں یہ مضمون لکھ رہا تھا میرے پاس ایک صاحب آئے جو اپنی بیٹی کو "رخصت" کے موقعہ پر آئندہ زندگی کے متعلق کچھ نصیحتیں کرنا چاہتے تھے، میں نے ان کو مختصراً یہی باتیں لکھوا دیں اور انھوں نے ان کو خوش خط لکھوا کر اور فریم میں لگا کر بیٹی کو دے دیں، بہت اچھا ہو گا اگر دوسرے والدین بھی شادی کے موقعہ پر اس کی تقلید کریں اور ان کی بیٹیاں ان پر عمل کر کے اپنی زندگیوں کو خوش گوار بنائیں۔ فقط

محمد احمد سبزواری ایم اے

(بقیہ مضمون صفحہ ۲۶۲)

نہیں اپنے۔ ہاتھ سے دُلہن بناتا۔ مجھے سعید کی ذات پر بھروسہ نہیں۔ لیکن میں نے۔ بھی اس کا بندوبست کر لیا ہے۔ خفیف سی مسکراہٹ چہرہ پر نمودار ہوتی ہے۔ میں نے وصیت نامہ میں۔ تمام جائداد سعید۔ کے نام لکھ دی ہے اس۔ شرط پر۔ کہ وہ تم سے شادی کرلے۔ وہ پیسے کا غلام ہے۔ اب ہرگز۔ انکار۔ نہ۔ کرے گا۔

مریض کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ اور موت کی مردنی چہرے پر چھا جاتی ہے۔ زاہدہ ایک آہ کے ساتھ بے ہوش ہو جاتی ہے

سرور جہاں

(بقیہ اشعار صفحہ ۲۶۵)

روز افزوں رہے اردو سے سعیٔ یا رب
سب زبانوں سے رہے ارفع و اعلیٰ یا رب
بام عزت پہ ہو ہمدوشِ ثریا یا رب
تا کہ حیراں رہے ہر چشم تماشا یا رب
رہے شاداب زمانے میں ریاضِ اردو
رہے محفوظ حیا دل میں بیاضِ اردو

کنیز فاطمہ حیا لکھنوی

وادئ نشاط

دامنِ کہسار میں ہے اک مقامِ دلنشیں
شوخیوں، رنگینیوں، رعنائیوں کی سرزمیں

وہ زمیں جس کی ہوائیں انبساط آمیز ہیں
وہ فضائیں جن کے نظارے نشاط انگیز ہیں

سبزہ و اشجار میں ہیں چہچہوں پر چہچہے
کوچہ و بازار میں ہیں قہقہوں پر قہقہے

ناچتی پھرتی ہیں کرنیں اس میں پریوں کی طرح
ندی نالے گیت گاتے ہیں گڈریوں کی طرح

گلستانوں پر بہار بے خزاں چھائی ہوئی
بوٹے بوٹے پر جوانی جھوم کر آئی ہوئی

نغمہ ہائے خرمی کا مینہ برستا ہے یہاں
مثلِ گل ہر قطرۂ شبنم بھی ہنستا ہے یہاں

ساز و سامانِ طرب کے ساتھ آتی ہے نسیم
کھلکھلاتے پتہ پتہ اور گاتی ہے نسیم

لے کے آتی ہے نویدِ جشنِ نو ہر شام شام
آتشیں نغموں کا لاتی ہے نیا پیغام شام

رنگ و بو کا چار سو برپا ہے طوفاں رات دن
ہوتے ہیں تسکینِ ذوقِ دل کے ساماں رات دن

ہر طرف جلوے ہیں سامانِ نشاط افروز کے
اٹھتے ہیں ہر سو ترانے عشرتِ امروز کے

عشرتِ امروز کو اندیشۂ فردا نہیں
یادِ ماضی کی حکایت بھی کوئی سنتا نہیں

اس نشاط آباد وادی میں نہیں غم کا گزر
یہ تو ناممکن کہ ہو اس میں کبھی میرا گزر

گاہے گاہے دور سے اس کی جھلک پاتا ہوں میں
آسماں کو دیکھتا ہوں اور پلٹ آتا ہوں میں

تلوک چند محروم

اُردو

بارک اللہ ہے کیا لطفِ زبانِ اُردو
روح پرور طرب افزا ہے بیانِ اُردو

اک درخشندہ حقیقت ہے جہانِ اُردو
کیا مٹائے سے مٹے گا یہ نشانِ اُردو

اپنے بیگانے ہوئے محوِ جمالِ اُردو
نہیں اعجاز سے کم سحرِ حلالِ اُردو

اس کے لمعات سے تاباں ہی دنیائے ادب
قابلِ قدر ہے یہ گوہرِ یکتائے ادب

ہے یہی جنسِ گرانمایۂ ابنائے ادب
آج تک جس سے فروزاں ہی سماِئے ادب

دیکھ تاراج نہ ہو جائے یہ باغِ اُردو
گل نہ کر بادِ مخالف یہ چراغِ اُردو

ہے یہ پُر کیف زباں ہر مئے میخانہ بدوش
اس کی رنگینی مخمور ہے خمخانہ بدوش

اس کی سرشاریٔ جاں بخش ہے پیمانہ بدوش
دلکشی اس کی ہے گویا کہ پری خانہ بدوش

یونہی صدیوں سے ہے سرمستِ شبابِ اُردو
یونہی قرنوں سے ہے پُر نغمہ ربابِ اُردو

کشورِ ہند میں اُردو کو فراواں کر دیں
اس پہ مٹ جائیں اسے نازشِ دوراں کر دیں

ہم نئے سر سے اسے رشکِ گلستاں کر دیں
اس کی رفعت کی نئی شان نمایاں کر دیں

تاکہ اغیار پہ چھا جائے بہارِ اُردو
ثبت ہر دل پہ ہو پھر نقش و نگارِ اُردو

باقی اشعار صفحہ ۳۴۴ کالم ۱
پر ملاحظہ فرمائیے

بچہ اور شادی

(بسلسلہ اشاعت گذشتہ)

کیا ہر عورت ماں اور ہر مرد باپ بننے کے قابل ہے

سطحی طور پر تو یہ ایک مہمل سوال نظر آئے گا کیونکہ ہم روزانہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ امریکہ اور یورپ تک میں پندرہ برس کے لڑکے والد بزرگوار اور چودہ برس کی لڑکیاں والدہ ماجدہ بنتی رہتی ہیں اور ایک پیدائشی احمق، ایک تقریباً پاگل، ہر قسم کا عیب دار اور شرمناک بیماریوں میں مبتلا مرد جب چاہے شادی کر کے باپ بن جاتا ہے اور ایک کم عمر لڑکی جو خود بچہ ہوتی ہے اور ایک مدقوق و کمزور عورت جو اپنی ہی زندگی کے قیام کے لئے ہاتھ پیر مار رہی ہو ماں بن جاتی ہے لیکن ایک زندہ قوم اور ترقی یافتہ سوسائٹی کو کسی نہ کسی صورت میں اپنی نسل کی بہتری کی فکر ضرور کرنا پڑتی ہے، یونانی جن کے حکما و عقلا سقراط، بقراط، ارسطو و افلاطون وغیرہ کا آج تک ہم عزت سے نام لیتے ہیں اپنی نسل کی اس قدر حفاظت کرتے تھے کہ "ماتری" یعنے وہ عورت جس کو ماں بننے کی ذمہ داری کے لئے انتخاب کیا جاتا تھا اپنی جسمانی و دماغی صحت کے لئے دوسری تمام یونانی عورتوں سے برتر ہوتی تھی یہاں تک کہ "تعیشری" بھی جو اپنی ذہنی ترقی اور علوم و فنون کی مہارت اور "فائن آرٹسٹ" میں کمال رکھنے کے لئے مشہور ہوتی اور اعلیٰ دماغ مردوں کی کامیاب ہم جلیس شمار کی جاتی تھی مادری فرائض کے قابل نہیں سمجھی جاتی تھی۔

اتنی احتیاط کے ساتھ شادی ہو جانے کے بعد بھی جو بچے کمزور و نحیف یا عیب دار ہوتے تھے اُن کو مار دیا جاتا تھا کہ قومی نسل خراب نہ ہونے پائے، رُوم والوں میں بھی ایسی ہی احتیاطیں رائج تھیں، عربوں میں بھی نسل کی برتری اور بہتری پر حد زور دیا جاتا تھا کہ اس سے مساوات انسانی خطرہ میں پڑ گئی تھی جس کی اصلاح اسلام نے آ کر کی، موجودہ زمانہ میں جرمنوں نے ایسے قوانین بنا لئے ہیں کہ جن کی رُو سے ناموزوں لوگ بچے پیدا کر کے جرمن قوم کو کمزور و ناکارہ بنا دینے سے روک دیئے جاتے ہیں، عیب دار لوگ شادی کر سکتے ہیں لیکن اُن کے بچے نہیں ہونے دیئے جاتے، رُوس نے بھی جہاں انفرادی آزادی ہر شخص کو حاصل ہے بچوں کی پیدائش کو ڈاکٹری معائنہ وغیرہ کے بعد جائز رکھا ہے، وہاں ملکی وسائل کے مطابق آبادی کی تعداد قائم رکھنے کے لئے بچوں کی پیدائش پر قبضہ رکھا گیا ہے نہ ہندوستان کی طرح لاتعداد بچے ہونے اور مرنے دیئے جاتے ہیں اور نہ فرانس کی طرح بچوں کی پیدائش نوا تنا کم ہونے دیا جاتا ہے کہ قوم میں مرد کم ہو جائیں اور نہ امریکہ کی طرح پیدا ہونے کے بعد بچپن ہی سے محنت و مشقت اور کتوں سے بدتر زندگی گذارنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے، اس تحقیق کے بعد یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ موزوں بچوں کی پیدائش کے لئے پہلے تو والدین کی صحت جسمانی و دماغی کا اعلیٰ ہونا ضروری ہے، اس کے بعد پرورش کا سوال آتا ہے اور اگر یہ بھی حل ہو جائے تو تربیت اتنی مشکل بات ہے کہ نہ ہر عورت ماں بننے کے قابل تسلیم کی جا سکتی ہے اور نہ ہر مرد باپ، دنیا کے ماہرین نفسیات مثلاً فرائیڈ (Freud) ایڈلر (Adler) واٹسن (Watson) اور جنگ (Jung) وغیرہ گو اور بہت مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں لیکن اس مسئلہ پر سب متفق ہیں کہ دنیا میں بد اخلاق، جرائم پیشہ، کمزور طبیعت اور مکار و دغا باز لوگوں کا افراط بچپن میں والدین کی نامعقول تربیت کا نتیجہ ہوتی ہے، بچوں کی پرورش و تربیت ہر عورت و مرد کا کام نہیں اس لئے جہاں تک سوسائٹی کی ضرورت اور امن عامہ کا تعلق ہے جو سوسائٹی یا اُس کی حکومت موزوں بچوں کی پیدائش اور اُن کی

پرورش و تربیت کا ماہرین کے ذریعہ اتنا ہی باقاعدہ انتظام نہیں کرتی جتنا کہ حکومت کے دوسرے شعبوں مثلاً مالیات، حفظ امن اور افواج وغیرہ کا تو وہ سوسائٹی یا قوم مہذب و ترقی یافتہ نہیں کی جائے گی۔ موجودہ حالت میں ہمیں نہ تو یونانیوں کی بے رحمانہ مثال کی تقلید کرنا ضروری ہے اور نہ بے لگام ہندوستانی موجودہ حالت کو برداشت کرنا چاہئے۔ فی الحال تو ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ ماں باپ بننے کے لئے "نہ ہر زن زن است، نہ ہر مرد مرد" اور پھر اس ضمن میں دنیا کے مختلف تجربات سے فائدہ اٹھا کر اپنے لئے کوئی ایسا نظام قائم کر لینا چاہئے جو ہماری ضروریات قومی کے لئے مفید ہو۔ اس مسئلہ سے گریز کرنا اور اس کو فطرت پر چھوڑ دینا کسی طرح درست نہیں۔ بہر حال نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب نہ ہر عورت ماں بننے کے قابل ہے اور نہ ہر مرد باپ بننے کا اہل تو ہر سوسائٹی اور اس کی حکومت کے فرائض میں یہ بھی ایک اہم فرض ہونا چاہئے کہ غیر موزوں عورتوں اور مردوں کے بچے پیدا نہ ہوں اور اس مقصد کے حصول کے لئے قانونی پابندیاں عائد کر دے۔

کیا بچوں کی تعداد کو اللہ کی دین پر چھوڑ دینا چاہئے

موزوں بچوں کی پیدائش کا مسئلہ بہت اہم ہے لیکن اس کا حل آسان نہیں اس کے لئے خود مختار حکومت ہونا اور پھر حکومت کی پوری توجہ اور امداد کی ضرورت ہوتی ہے تب کہیں ایک مدت دراز کے بعد اس طرف کچھ کامیابی ہوتی ہے، لیکن اسی ضمن میں ایک اور اہم مسئلہ قابل غور ہے اور وہ یہ کہ موزوں یا غیر موزوں جیسے بھی ہوں کیا ایک شادی شدہ جوڑے کو جتنے بھی بچے اللہ دے ہونے دینا چاہئیں یا کوئی ایسی صورتیں بھی ہیں کہ جن کی وجہ سے اس اللہ کی دین اور فطری بہتات بالکل کو اپنی مرضی اور قبضہ میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ مرد ہو یا عورت جب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو اس کا یہ پیدائشی حق ہے کہ وہ جتنا بھی ممکن ہو حیوانی سطح سے بلند ہو کر انسانیت حاصل کر سکے۔ جسمانی، دماغی، ذہنی اور روحانی ترقی کے اس کو زیادہ سے زیادہ مواقع بہم ہو سکیں اور وہ ایک مناسب درجہ پر عیش و آرام سے انسانیت کی زندگی گذار سکے۔ کیا ہماری ایک نو عمر لڑکی کو جس کی ایک غریب یا متوسط درجہ کے مرد سے شادی ہو جاتی اور اس کے ہر سال یا ہر دوسرے سال بچے پیدا ہونے لگ جاتے ہیں جسمانی صحت، ذہنی ترقی اور روحانی انبساط کے مواقع مل سکتے ہیں۔ کیا وہ آمدنی جو صرف خاوند اور بیوی کا پیٹ بھرنے کو کافی ہو پانچ سات بچوں کے بڑھتے ہوئے خرچ کے لئے کافی ہے اور اگر نہیں تو کیا مرد و عورت کے جائز حقوق کے فقدان کے ساتھ بچوں کی پرورش و تربیت بھی خطرہ میں نہیں پڑ جاتی ہے اور فرض کیجئے کہ آمدنی اتنی ہو کہ اپنے اور بچوں کے لئے کافی ہو پھر بھی جلد جلد بچے ہونے اور ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری کیا عورت کے پاس کوئی بھی وقت ایسا چھوڑ سکتی ہے کہ وہ انسانوں کی سی زندگی گذار سکے، تو کیا ایسی صورتوں میں فطرت کو بے روک ٹوک اپنا کام کرنے دیا جانا چاہئے اور کیا اس کا انتظام کرنا انسانیت کے خلاف، فطرت اور مذہب سے جنگ یا غیر مہذبانہ تسلیم کیا جانا چاہئے، ہرگز نہیں، ضرورت کے مطابق فطرت پر قیود عائد کرنا عین انسانیت ہے اور انسانیت کی طرفداری میں فطرت سے جنگ کسی طرح بھی معیوب نہیں۔ لیکن غضب یہ ہے کہ اس ضرورت کا احساس اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ان لوگوں کو ہوتی ہے کہ جن کی نسل کی افزائش کی قوم کو سخت ضرورت ہے۔ موجودہ حالت میں جن لوگوں کے پاس مال و دولت اور علم و ہنر ہے اور جن کو بچوں کی موزوں پرورش اور تربیت کے ذرائع بہم ہیں وہ تو اپنے بچوں کی تعداد کو جنسی بے پرواہی اور انضباط تولید کے ذریعہ کم کرتے چلے جاتے ہیں اور جو غریب و مفلس ہیں اور جن میں نہ بچوں کی پرورش کی استعداد ہے اور نہ تربیت کی اہلیت ان کے لاتعداد بچے ہو رہے ہیں، یہ صورت حال قوم کے لئے بہت مضر ہے۔ ایک غریب عورت جو اپنا گھر بار کا کام کاج ہی نہیں کرتی بلکہ دو وقت پیٹ بھر کر روٹی کھا لینے کے لئے اپنے خاوند کا ہاتھ بھی بٹاتی ہے اس کے تو پانچ سات بچے ہو جائیں ...

ہم اللہ کی دین کہہ کر خوش رہیں اور ایک متوسط درجہ یا مالدار عورت جو پڑھی لکھی بھی ہو اور جس کے گھر بار کو سنبھالنے کے لئے نوکر چاکر بھی ہوں وہ صرف ایک یا دو بچوں کی ماں ہو اور اُن کے لئے بھی نرسیں آیائیں اور مامائیں ہوں تو کیا یہ درست ہے؟ قومی مفاد کے لئے انضباط تولید کا یہ غلط استعمال ہے اور بالکل غلط اس کی تو غریب و مفلس اور جاہل و کم استعداد عورتوں اور مردوں کو زیادہ ضرورت ہے مالدار تعلیم یافتہ اور قابل لوگوں کو کم تاکہ ضروریات ملکی اور انسانیت کی زندگی مسلوب نہ ہو جائے بچوں کے لاتعداد ہوتے جانے اور اُن کی وجہ سے والدین کی زندگی وبال ہو جانے کی مثالیں تو روزانہ آپ کے سامنے پیش ہوتی رہتی ہیں لیکن یہاں میں تصویر کا دوسرا رُخ پیش کرنے کی غرض سے ایک ایسی مثال پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ایک اعلیٰ خاندان جو علمی، ذہنی، عز و جاہ اور دنیوی مال و دولت سے مالا مال ہو جنسی صحت و ضرورت سے بے پرواہی اور یا انضباط تولید کے غلط استعمال سے اپنے آپ ہی کو نہیں بلکہ ملک و قوم کو بھی کس قدر زبردست نقصان پہنچا سکتا ہے ایک اعلیٰ حسب و اعلیٰ نسب، عالم و فاضل بزرگ کے کئی لڑکے ہوئے، خدا کی دی علم و دولت، جاہ و حشم، عزت و شہرت سب ان بچوں کو حاصل ہوئی، بڑے لڑکے علامۂ دہر اور حکومت میں سربرآوردہ ان سے چھوٹے بھی ملکی حکومت کے حصہ دار، بیچ کے لڑکے اپنے فن کے اُستاد اور ولایت تک میں ملکی سیاست کے ماہر تسلیم کئے گئے لیکن اُن کے مشاغل کی کثرت نے اُن کی صحت کا خاتمہ کر دیا! اور اُن کے آپ ٹو ڈیٹ خیالات سے قوم کا سخت نقصان ہوا بڑے اور چھوٹے بھائی کا اچھی اچھی عمر پا کر بے اولاد انتقال ہو گیا۔ تیسرے بھائی کے ایک لڑکا ہوا لیکن افسوس کہ لڑکا نوجوانی ہی میں داغ مفارقت دے گیا، اب اس پورے خاندان میں ان بھائیوں کی مردانہ نسل کا تقریباً خاتمہ ہو گیا ہے لو! دماغی ترقی، ذہنی امتیاز اور جاہ و حشم کی خاطر صحت و ضرورت سے لاپرواہی کا یہ کیسا سخت اور دکھ دینے والا منظر ہے، ایسے خاندان کے افراد سے قوم و ملک کو کتنا زبردست فائدہ پہنچ سکتا تھا اور اس خاندان کے تقریباً مٹ جانے سے قوم کو کتنا بڑا نقصان ہوا ہے اس کا اندازہ وہی خوب کر سکتے ہیں جو ایسے خاندانوں اور ان کے افراد کے کارناموں سے خوب واقف ہیں اگر ہماری سوسائٹی کا نظام درست ہوتا تو اس قسم کے خاندان کے لوگوں کی جاہ و حشم کی خواہش پر بندشیں لگا کر اُن کی جنسی تندرستی کا اس طرح بندوبست کیا جا سکتا تھا کہ ایسے خاندان مٹ جانے سے بچ سکتے لہذا ضرورت ہے کہ جس طرح غریبوں کو قانوناً انضباط تولید پر مجبور کیا جائے اُسی طرح مالداروں اور اعلیٰ قابلیت کے لوگوں کو اس سے رُوکا جائے، یہ انفرادی سوال نہیں بلکہ سوسائٹی اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ غریب طبقہ کو انضباط تولید کے ذریعہ مصیبت اور بھوک سے بچائے اور مالدار اور تعلیم یافتہ طبقہ کو مجبور کر کے قوم میں قابل و ہونہار بچوں کی تعداد کو بڑھائے یہاں تک تو موجودہ نظام سوسائٹی کی اصلاح کے طریقہ کا بیان تھا لیکن اب اس پر بھی غور فرمائیے کہ کیا کوئی ایسا نظام نہیں ہے جس میں انضباط تولید کے جواز یا غیر جواز کی ضرورت ہی عام طور پر محسوس نہ ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم کوئی ایسا نظام قائم کر سکیں کہ جس میں مال و دولت کی تقسیم ایک حد تک مساویانہ ہو جائے اور ہر مرد و عورت کو مالدار و غریب ہونے کے بجائے اپنی ضروریات زندگی حاصل ہو جایا کریں اور بچوں کی پرورش و تربیت کی حکومت ذمہ دار ہو تو انضباط تولید وغیرہ کی بڑی حد تک ضرورت کم ہو جائے، نظام میں یہ صرف صحت کی برقراری اور نسل کی بہتری کے لئے ضروری رہے گا اس کو سمجھانے کے لئے ایک مالدار مگر قدیم نظام پر عامل ملک امریکہ اور ایک جدید و سائنٹفک نظام پر عامل ملک رُوس کی مثال پیش کرنا کافی ہو گا!

بچوں کی پیدائش اور تعداد کو سوسائٹی کے کسی خاص نظام سے کیا تعلق ہوتا ہے

امریکہ دنیا میں سب سے مالدار ملک ہے وہاں

میٹھے گوند کو چبانے کا شوق ہے اور گویہ گوند کو چباتے رہنا ضروریاتِ زندگی میں شامل نہیں ہے لیکن امریکہ والے اس پر پندرہ کروڑ روپیہ سے زیادہ سالانہ خرچ کر دیتے ہیں، اسی طرح پوڈر کریم اور دوسری سنگھار کی اشیا پر تقریباً دو سو پچیس کروڑ روپیہ سالانہ خرچ کر ڈالتے ہیں (یہ رقمیں اندازاً نہیں بلکہ سنہ ۱۹۱۹ء کے اصل اعداد ہیں) ایک طرف تو مالداری اور فضول خرچی کا یہ مظاہرہ اور دوسری طرف امریکہ کے غریب طبقے کی یہ حالت ہے کہ امریکہ کی آبادی میں جتنے بچے ہیں اُن میں سے اسی او پچاسی فی صدی غریب طبقے کے ہیں اُن میں سے بیس پچیس فی صدی کو پیٹ بھر کر کھانے کو بھی نہیں ملتا، امریکہ میں غربت کی وجہ سے چھ سات برس کے بچوں کو دن اور رات بارہ بارہ گھنٹے متواتر کام کرنا پڑتا ہے، کوئلہ کی کانوں میں دس بارہ برس کے بچوں کی اُنگلیاں کوئلہ کاٹنے کی وجہ سے لہولہان رہتی ہیں، وہاں چقندر سے شکر بناتے ہیں، اِن چقندر کے کھیتوں میں نوعمر لڑکیاں اور بچے کام کرتے ہیں صبح چار بجے سے برف اور پانی میں ان بچوں کو کھیتی میں کام کرنے کی وجہ سے کئی قسم کی بیماریوں کا شکار ہونا پڑتا ہے جس میں جوڑوں کے درد اور قلب کی خرابی عام ہے، تعلیم کے لئے ان کے پاس وقت نہیں اور جو اسکول جاتے ہیں اُن کو اسکول کی فیس اور خرچہ کے لئے باقی وقت میں کام کرنا پڑتا ہے اور اپنی غربت کا احساس اور والدین کی مصیبت کو دیکھتے ہوئے اُن کو جلد ہی اسکول چھوڑ کر کام پر جانے کی خواہش ہو جاتی ہے، سوسائٹی کے ایسے نظام میں جہاں ایک طرف سنگھار اور عطریات پر کڑوروں روپیہ سالانہ خرچ ہو اور دوسری طرف بچوں کو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے موت تک سے کھیلنا پڑے غریب طبقہ کو انضباطِ تولید سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے لیکن یہ دنیا صرف مالداروں ہی کے لئے نہیں بنی ہے اس لئے اگر اس غلط نظام کو بدل کر ایسا انتظام ہو جائے کہ امریکہ کی لاانتہا دولت کی تقسیم مساویانہ ہو سکے تو انضباطِ تولید وغیرہ کی ایسے ملک کو بالکل ضرورت نہ ہو بلکہ وہی غریب بچے جو وبال جان ہو جاتے ہیں حکومت کی مدد سے قوم کی قوت بڑھانے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے جواباً عرض ہے کہ ہاں ایسا ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے، اسلام نے یہ کر کے دکھا دیا تھا اور آج رُوس نے سائینٹفک طریقہ پر اس کو پھر کر کے دکھا دیا ہے، زارِ رُوس کے زمانہ میں اُس ملک میں بھی امیر و غریب دو طبقے موجود تھے، امیر عیش کے لئے مشہور تھے اور غریب بھوک کے لیے، لیکن انقلابِ رُوس نے سنہ ۱۹۱۹ء کے بعد اُس ملک کی کایا پلٹ دی اور آج وہاں ہر شخص اپنی ضروریاتِ زندگی کی بے جا فکر سے بری ہے، وہاں بچہ کی پیدائش اور پرورش کا انتظام مفت ہوتا ہے، اور بچوں کی تعلیم و تربیت کی بھی حکومت ذمہ دار ہے، وہاں انضباطِ تولید کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ وہاں بچے والدین کے لئے بار نہیں ہوتے، ملک کی وسعت ہر فرد کے رہنے اور ملک کی آمدنی ہر ایک کے خرچ کے لئے کافی سے زیادہ ہے، عام لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ چونکہ ہر شخص کی ضروریات کی حکومت ذمہ دار ہے اِس لئے وہاں مقابلہ فقدان کی وجہ سے محنت کرنے کا شوق اور ایجادات وغیرہ کرتے رہنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہوگی، یہ غلط ہے انسانی دماغ ہمیشہ کام کرنا چاہتا ہے اور مطمئن دماغ زیادہ اچھا کام کر سکتا ہے، رُوس میں جو آج کل ایجادات ہو رہی ہیں وہ پہلے زمانہ میں وہاں خواب و خیال تھیں کیونکہ امیر مال کی افراط کی وجہ سے کاہل الوجود تھے اور غریب نومیدیوں اور بھوک کی وجہ سے معطل الدماغ لیکن آج جبکہ یہ مصیبتیں نہیں ہیں تو انسان کا دماغ اپنا صحیح کام کر رہا ہے، اس کا اندازہ صرف ایک مثال سے کیا جا سکتا ہے، امریکہ کی ایک ریل کے انجنوں کی فرم کے وائس پریذیڈنٹ صاحب مسٹر چارلیں ملکنک سنہ ۱۹۲۹ء میں رُوس کا دورہ کر رہے تھے، وہ رُوس کے ایک کارخانہ میں گئے جہاں دو ہزار تین سو آدمی کام کرتے تھے، کارخانہ کے چیف نے اُن کو بتایا کہ گذشتہ سال اُس کے کارخانہ میں کام کرنے والوں نے چودہ سو کے قریب انجنوں کو بہتر بنانے کے متعلق ایجادات اور مختلف طریقے پیش کئے جنھیں ایک کمیٹی جانچ رہی ہے، اُنھوں نے یہ بھی بتایا کہ اس ہی کارخانہ کے

ایک کاریگر نے ایسی ایجاد کی جو روس کے تمام انجنوں میں استعمال ہو رہی ہے اِس ایجاد کا اجارہ لینے کے لئے ایک جرمن فرم نے اس کاریگر کو دو لاکھ روپیہ کے قریب پیش کیئے جس کو لینے سے اُس نے انکار کردیا جب ان امریکن صاحب نے دریافت کیا کہ اتنا روپیہ کیوں نہیں لیا تو جواب ملا کہ روپیہ کا کیا کرتا میری ضروریاتِ زندگی سب مجھے گورنمنٹ کی طرف سے مہیا ہیں' میرے بچوں کی پرورش و تعلیم گورنمنٹ کر رہی ہے اور اُن کے ذریعۂ معاش کی بھی حکومت ذمہ دار ہے تو میں روپیہ لے کر کس کام میں لاؤں' یہ ہے نظام ملکی جہاں انضباط تولید صرف طبی ضرورت وغیرہ ہی کے لئے ضروری ہو سکتا ہے کسی اور غرض کے لئے نہیں اور جہاں بچوں کی پیدائش وبال جان کبھی نہیں ہو سکتی۔

ہمارا ہندوستان بہت بڑا ملک ہے' نہ زمین کی کمی ہے اور نہ پیداوار کی' ملک زرخیز ہے اور اس میں ہر ضرورت زندگی کی اشیا موجود' اس لئے اگر یہاں ایسی حکومت ہو جائے کہ جو اسلامی مساوات سے کچھ سیکھے اور رُوسی تجربات سے کچھ حاصل کرے اور ہمارے نظام ملکی کو ایسا بنا دے کہ دولت کی تقسیم ہر طبقہ کو فائدہ پہنچا سکے اور ہمارے پوشیدہ زمین کے خزانے صحیح طور پر کام میں آنے لگیں تو ہمارے ملک میں انضباط تولید وغیرہ کی صدیوں تک بالکل ضرورت نہیں ہوگی' ہمارا ملک نئی سائنٹیفک ایجادات کے ذریعہ تمام دُنیا کا پیٹ بھرنے کے قابل غلہ اور دیگر اشیا آسانی سے پیدا کر سکتا ہے۔

اس سوال کا جواب کہ شادی کے بعد بچوں کی تعداد کو محدود رکھا جائے یا نہیں فی الحال یوں دیا جا سکتا ہے

کہ ہندوستان میں شادی کے بعد بچوں کی پیدائش پر ایسا قبضہ رکھا جائے کہ وہ جلد جلد پیدا ہو کر ماں کی صحت و فرصت کو غارت نہ کر سکیں اور اُن کی کل تعداد اتنی ہو کہ جس کی ذاتی آمدنی اور سہولت اجازت دے سکے' موجودہ نظام ہوتے ہوئے غریبوں کو انضباط تولید کے طریقے سکھانے اور کھانے پینے لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش لازمی ہے لیکن یہ سب اُس ہی وقت تک ضروری ہے کہ جب تک ہمارا نظام ملکی صحیح طریقہ پر ترتیب نہ پا جائے'

بچوں کی پیدائش کے لئے کونسی عمر موزوں ہے

ہندوستان میں بہت کم عمر میں شادیاں ہو جاتی ہیں اس کے کئی وجوہ ہیں' اول تو یہ کہ ہندو دھرم کی رُو سے کنیا کو بلوغ کے بعد کنواری رکھنا پاپ شمار کیا جاتا ہے' لیکن اب دھرم ماتی کتنے رہ گئے ہیں' اصل وجوہ اقتصادی اور سوشیل ہیں' جوان لڑکی کماؤ تو ہوتی نہیں بلکہ اپنے خرچ کا بار خاندان پر ڈالتی ہے جس سے جلد سے جلد نجات حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' تیسرے جوان لڑکی کی ذراسی لغزش بھی خاندان کو ذلیل و بدنام کرنے کو کافی سمجھی جاتی ہے اِس لئے جس قدر جلد بھی یہ خوف رفع ہو سکے کیا جاتا ہے' چوتھے ہندوستان میں عورتوں کی کمی ہونے کے باوجود موزوں بر مشکل سے ملتا ہے جو ذات پات اور اونچ نیچ طبقوں کی موجودگی کی وجہ سے ہے اس لئے بھی جلد سے جلد جب بھی موقع ہاتھ آئے بیاہ کر دیا جاتا ہے' پانچویں ایک لڑکے کی ماں عموماً مرنے سے پہلے اپنے بچہ کا سہرا بندھا اور گھر بسا دیکھنے اور ایک ننھی منی دلہن گھر میں لانے کے ارمان نکالنے کے لئے بھی کم عمری میں شادی کا باعث ہو جاتی ہے چھٹے بعض بیٹوں کی ماں کو گھر بار کام میں ہاتھ بٹانے والی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے تو وہ جلد اپنے بیٹے کے لئے بہو جو ساس کے لئے خدمتگار کا کام دے سکے لے آتی ہے' اس طرح ہندوستان میں چھ سات برس کی بچی تک کا بیاہ ہو جاتا ہے' اس خاندانوں والے مُلک میں کم عمری کی شادی کی اور کیا کیا وجوہ ہو سکتی ہیں اُس کا اندازہ آپ کو اس ایک مثال سے ہو جائے گا کہ یہاں بعض ایسے خاندان موجود ہیں کہ جن کا تعلق کسی خاص شہر سے ہے لیکن وہ برسوں سے ملک کے

مختلف شہروں میں رہتے ہیں، یہ لوگ آپس میں شادیاں کرتے ہیں اور خواہ کسی شہر میں ہوں دُلہن اور دولہا والے دونوں اپنے اپنے شہروں کو چھوڑ کر اپنے اجدادی شہر میں آکر شادی کی رسم ادا کرتے ہیں خواہ اس شہر میں آکر شادی کرنے کے لئے انہیں کرایہ کے مکانوں ہی میں کیوں نہ رہنا پڑے، چونکہ اُن کو اپنا کام کاج تجارت و ملازمت وغیرہ چھوڑ کر آنا پڑتا ہے اور بہت حرج ہو جاتا اور خرچ بھی کافی ہو جاتا ہے اس لئے یہ لوگ جب دس بارہ لڑکے اور لڑکیاں شادی کے لئے خاندان میں جمع ہو جائیں تو اُن کو لے جا کر شادی کر دیتے ہیں ان میں بڑے دولہا یا دلہن کی عمر بیس بائیس برس تک ہو سکتی ہے اور چھوٹے کی پانچ چھ برس تک، یہ سہولت اور اقتصادی ضرورت کی رسم شادی قدیم زمانہ کے قصہ و کہانیوں میں نہیں بلکہ آج بھی جاری ہے، کم عمری کی شادی کا بچوں کی پیدائش سے کیا تعلق ہے اس کی کہانی بھی سُن لیجئے، ایک بڑے عہدہ کے مدراسی ہندو آفیسر جو بہت پڑھے لکھے اور قابل شخص ہیں ایک دفعہ میرے ہم سفر تھے سوشیل معاملات پر گفتگو کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ ہندوؤں میں جو کم عمری کی شادیاں رائج ہیں ان کی اصلیت سے بہت کم لوگ واقف ہیں ہمارے ہاں "بیاہ" تو چھ سات برس کی عمر میں ہو جاتا ہے لیکن لڑکی بلوغت کے بعد اپنے گھر بار کی ہوتی ہے، میں نے دریافت کیا کہ وہ ماں بننے کے کب قابل سمجھی جاتی ہے تو جواب ملا کہ جب وہ بالغ ہو جائے، میں نے دریافت کیا کہ بالغ کب ہو جاتی ہے تو فرمانے لگے کہ ہمارا ملک گرم ہے یہاں گیارہ بارہ برس کی عمر میں لڑکی عورت ہو جاتی ہے جس کے بعد اُس کو ماں بننے میں کوئی حرج نہیں ہے، میں نے جواب دیا کہ جی نہیں ماہوار اس کی نشانی ہے کہ لڑکی عورت بننے لگی ہے، اٹھارہ سے اکیس برس تک تو اُس کی ہڈیاں تک پختہ نہیں ہوتیں اور جب تک اُس کا جسم مکمل نہ ہو جائے وہ دوسری ہستی کو بنانے یا ماں بننے کے قابل کس طرح ہو سکتی ہے، بچہ کی پرورش اور تربیت کا سوال چھوڑ کر بھی کسی لڑکی کی بلوغت کا شروع ہو جانا اس کی دلیل نہیں کہ وہ ماں بھی بننے کے قابل ہو گئی ہے، انھوں فرمایا کہ تمہارے چند فقروں نے میرے تیس برس کے عقیدہ کو مذبذب کر دیا ہے، میں اور پڑھنے اور غور کرنے کے بعد اس کے متعلق لکھوں گا، اس گفتگو سے آپ کو یہ ظاہر ہو گیا ہو گا کہ ہندوستان میں بچوں کی پیدائش کے لئے اٹھارہ برس سے کم عمر موزوں نہیں ہے اور ہر وہ شادی جس کے ذریعہ اٹھارہ برس سے کم عمر کی لڑکی ماں بن جائے کم عمری کی نقصان دہ شادی شمار کی جانی چاہئے، مرد بھی اٹھارہ کے بعد باپ بننے کے قابل ہو جاتا ہے لیکن خاوند کی عمر بیوی سے دو سے پانچ برس تک زیادہ ہونا بہتر ہے یعنی مرد کو باپ بننے کے لئے تقریباً بیس برس سے کم نہیں ہونا چاہئے، کم عمری کی شادی کی خرابیوں کی طرف ہر خاص و عام کی توجہ ہو چکی ہے لیکن یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ بچوں کی پیدائش کا لحاظ کرتے ہوئے زیادہ عمر کی شادیاں بھی مضر ثابت ہوتی ہیں، بہت سے یورپین اور امریکن ممالک میں جہاں اقتصادی کشمکش مرد کو اس کی ہمت نہیں ہونے دیتی کہ وہ جلد شادی کر لے وہاں مرد اور مجبوراً عورت بھی تیس چالیس برس بلکہ اس سے زیادہ عمر میں شادی کرنے کو مجبور ہوتے ہیں، اس ہی کی تقلید میں ہندوستان کے اعلیٰ اور فیشن ایبل طبقہ میں بھی یہ رسم بنظر استحسان دیکھی جانے لگی ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے، جہاں تک بچوں کی پرورش اور تربیت کا سوال ہے ایک تعلیم یافتہ اور کھاتا کماتا زیادہ عمر کا جوڑا والدین بننے کے لئے کم عمر کے جوڑے سے بہتر حالت میں ہوتا ہے لیکن تیس برس کے بعد جتنی عورت کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اس میں ماں بننے کی فطری اہلیت گھٹتی جاتی ہے اور بچہ کی پیدائش کے وقت کی مشکلات کا خدشہ بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے اسی طرح جذباتی لحاظ سے بھی یہ عمر کم مایہ ہوتی ہے، اس عمر کے والدین اگر صحیح پرورش و تربیت کے اصول سے واقف نہ ہوں یا ان پر عمل کر سکیں تو بچوں کا ستیاناس کر سکتے ہیں، کم عمر کے والدین نا تجربہ کاری اور دوسری وجوہ سے عموماً بچوں کے معاملات میں کم دخل

دیتے ہیں اس طرح اُن کا ہر بچہ اپنی مخصوص فطرت کے مطابق پل کر بڑھنے کا زیادہ موقع پا جاتا ہے۔ اس لئے جہاں تک بچوں کی پیدائش کا تعلق ہے عورت کی عمر اٹھارہ سے سینتیس برس اور مرد کی بیس سے پینتالیس تک نہایت موزوں ہوتی ہے ایک لڑکی کی اگر سولہ یا اٹھارہ برس میں شادی ہو جائے اور اُس کے پہلا بچہ بیس برس کی عمر میں ہو تو ہر چار برس کے وقفہ کے بعد بچے پیدا ہو کر پینتیس برس کی عمر تک چار سے چھ بچے ہو سکتے ہیں اور اس کے بعد بچوں کی پیدائش کے بجائے موجودہ بچوں کی پرورش و تربیت اور خانہ داری کے دوسرے معاملات پر زیادہ دھیان دینے اور وقت صرف کرنے کا موقع مل سکتا ہے اس بحث میں بچوں کی صحیح پرورش و تربیت کا کوئی خاص لحاظ نہیں کیا گیا ہے صحیح پرورش و تربیت کے لئے بڑے ماہرین کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے یہ عام والدین کے بس کی بات نہیں ہے لیکن موجودہ نظام کے لحاظ سے بھی بیس برس کی عمر کی عورتیں اور بائیس سے پچیس برس کے مرد چودہ اور سترہ برس کے والدین سے کہیں بہتر بچوں کی پرورش و تربیت کر سکتے ہیں۔

یہاں اُن لڑکیوں اور عورتوں کا بھی ذکر کرنا موزوں ہوگا کہ جو قوم و ملک کی خاطر اُن خاص خاص پیشوں اور مشاغل کو اختیار کرتی ہیں کہ جو سوسائٹی میں عورتوں کے مفاد و ضرورت اُن کے حقوق حاصل کرنے اور قائم رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ ان کے لئے نہ شادی کی کوئی خاص عمر مقرر کی جا سکتی ہے اور نہ بچوں کی پیدائش کا کوئی وقت۔ یہ قوم و ملک کی خدمت کرنے والیاں اپنی ذاتی قربانی کی وجہ سے قوم میں قابل قدر اور لائق عزت و ستائش گردانی جانا چاہئیں تاکہ ایک خاص طبقہ کو اس طرف رجوع ہوتے رہنے کا شوق قائم رہ سکے۔ (باقی آئندہ)

(کپتان ڈاکٹر) نصیر الدین احمد

زندگی

زندگی کے ایام بہادری سے گزارنے کی کوشش کر۔ مسرت تیرے قدم چومے گی اور کامیابی تیری طرف دوڑے گی۔ لیکن تو اپنا کھیل کھیلے جا۔ مگر کرمت دیکھ سب کچھ تیرے ساتھ ہے بہادری کے ساتھ منزلِ حیات پوری کر۔ اگر تجھ میں رتی برابر بھی ذاتی جوہر ہے تو تھوڑی سی نیکی کو بھی مت چھوڑ اور خفیف سے رنج کو سوا گز مت بنا۔ ہاں پہاڑ سے رنج کو آیا سمجھ اور ہر رنج و مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کر۔ اے خوشیوں کے متوالے انسان! برائی سے ہمیشہ بچتا رہ کیونکہ اس سے خوشی مُرجھا جاتی ہے۔ مگر پریشانی نہیں مُرجھاتی۔ مثلاً نیم مردہ انسان کی خوشیاں بھی نیم مردہ ہو جاتی ہیں۔ بہادری کے ساتھ برائی کا مقابلہ کر اور نیکی کی طرف متوجہ ہو۔ پھر دیکھ خود مسرت تیرے قدم چومے گی

(ترجمہ از انگریزی) محمودہ اسمٰعیل

خانگی ٹوٹکے

سہاگہ کو چار حصہ شہد میں ملا کر چاٹنے سے دمہ کو فائدہ ہوتا ہے۔

گرم پانی سے دن بھر کئی مرتبہ داد کو دھار یں چند یوم میں داد خود بخود جاتا رہے گا یا لہسن کو کوٹ کر شہد میں ملا کر ضماد کریں۔

دو اونس گلیسرین اور ایک لیموں کا عرق چار اونس خالص شہد میں ملا دینے سے کھانسی کی ایک عمدہ دوا تیار ہو جاتی ہے ایک سے دو چمچہ تک استعمال کریں۔

موسم گرما میں مکھیاں ناک میں دم کر دیتی ہیں یہاں تک کہ کھانا پینا تک دشوار ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کمرہ میں کسی جگہ پر پودینہ لٹکا دیا جائے تو مکھیاں کمرے کے نزدیک نہ آئیں گی

ممتاز۔ ضیا

تعلیم کے مخالفوں سے

بیچاری عورتیں روزِ ازل سے مصیبت کا شکار رہی ہیں۔ زندہ گاڑی گئیں تو وہ حقوق مارے گئے تو ان کے دوسروں کی بداعمالیاں بھگتیں تو انھوں نے۔ خیر یہ سب تو بکھیڑا پرانا ہے یہ دکھڑا کہاں تک رویا جائے۔ برائی تو بری ہے ہی لیکن یہ غریب اگر کوئی نیکی بھی کریں تو وہ بھی بُری، اگر کچھ بولیں تو "ناقص العقل"۔ غرضکہ عورتوں کے لیے ان کے کاموں میں قدم قدم پر دشواریاں اور جگہ جگہ رکاوٹیں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ اب تک وہ ایک غیر فطری فضا میں رہیں ان کی تربیت اتنی تنگ نظری کے ساتھ ہوئی کہ بجز خانہ داری کے انہیں دوسرے شعبوں میں ترقی کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ اسی پست معاشرت کے اثر نے ان کی سیرت کو مردوں کی سیرت سے جدا کر دیا۔ ان کے جہاں اور بہت سے کاموں کی مخالفت ہوتی رہی ہے وہاں ان کو تعلیم سے بھی روکا جاتا رہا۔ موجودہ دور میں بھی جو تمدن و ترقی کا دور کہا جاتا ان بزرگ ہستیوں کی کمی نہیں جو تعلیم نسواں کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ ہمیں محترمہ شائستہ اختر صاحبہ کے مضمون "تعلیم میں مجھے کیا کیا مشکلات پیش آئیں" سے معلوم ہو چکا ہے۔ ان مخالفین میں بڑی بوڑھیاں بھی شامل ہیں جن کی شکایت بیکار ہے۔ وہ انگریزی تعلیم کا نام سن کر بگڑ جاتی ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی وجہ نہیں۔ ان کی تربیت ہی ایسے زمانہ اور ایسے ماحول میں ہوئی جس میں نہ تو تعلیم کا ذکر تھا اور نہ اس کی ضرورت ہی سمجھی جاتی تھی۔ حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے لئے مرد اور عورت دونوں مساوی طور پر حقدار ہیں۔ اور رسول مقبول روحی فداہٗ نے صریح الفاظ میں فرمایا ہے کہ جس طرح طلب علم مردوں پر فرض ہے اسی طرح عورتوں پر بھی۔ "طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ"۔

پہلے لوگوں کی تعلیمی مخالفت کا سبب یہ ہے کہ تعلیم ان کے لئے ایک غیر ضروری چیز تھی۔ ہر نئی ایجاد یا طریقہ پرانے لوگوں کے لئے باعث پریشانی ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ زمانے کے ساتھ ساتھ انسان کا معیارِ زندگی بھی بدلتا رہتا ہے۔ اگر نئے خیالات نئی ایجادیں اور رسم رواج نہ پیدا ہوتے رہتے تو آج بھی ہم ہزاروں برس پہلے جیسی وحشیانہ زندگی بسر کرتے ہوئے جس میں رہنے کے لئے مکان کی ضرورت تھی اور نہ پہننے کے لئے کپڑوں کی۔ جب سٹیفنسن نے دنیا پر اتنا بڑا احسان کر کے ریل ایجاد کی تو شروع شروع میں لوگوں نے بہت شور مچایا کیونکہ اس کی آواز سے ان کے آرام میں خلل پڑتا تھا۔ لینگلے Langley نے ہوائی جہاز کی پہلی مشین تیار کی اور وہ پرواز میں ناکام رہی تو لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا اور چونکہ ایک غیر ذی روح چیز کا پرندوں کی طرح سے ہوا میں اڑنا ان کی سمجھ سے باہر تھا اس لئے اس ایجاد کا نام Langley's folly یعنی "لینگلے کی حماقت" رکھ دیا۔ سائنس کی ایجادوں سے خوف زدہ ہو کر لوگوں نے اس کا نام کالا جادو Black magic رکھ دیا۔ غرضکہ جو جس قسم کے ماحول اور زمانہ میں رہتا ہے اسی کو اچھا سمجھتا ہے اور اپنے ماحول کی پابندیوں کو اپنی فطرت ثانی بنا لیتا ہے۔

موجودہ دور ترقی میں جبکہ دوسری قومیں تعلیم کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھنے لگی ہیں ہم اور مسلمانوں میں بھی تعلیم کا چرچا شروع ہو چکا ہے لیکن ایک محدود طبقہ تک۔ میری غرض ان لوگوں سے نہیں جنھوں نے تعلیم کا مقصد ہی کچھ اور سمجھ رکھا ہے۔ یعنی اعلیٰ سوسائٹی میں انگریزی بول لینا کلب کے ممبر بننا، سنیما دیکھنا، فیشن کے لوازمات کو بمنزلہ ایک فرض سمجھنا اور اس طرح اپنے سے کم پڑھی ہوئی بہنوں پر رعب جمانا۔ ہمارا مقصد تو صرف اس تعلیم سے ہے جس کے ذریعہ ہم اپنی موجودہ زندگی کو زیادہ کامیاب اور کارآمد بنا سکتے ہیں۔ فی زمانہ جبکہ تعلیم کی اہمیت کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تعلیم کی مخالفت کتنی لغو اور بیکار سی بات ہے۔

لڑکیوں کے نصاب تعلیم میں ترمیم و تخفیف کی اور بات ہے ہمارے مخاطب صرف وہ حضرات یا خواتین ہیں جن کے خیال میں مسلمان بہنوں کی جدید تعلیم اور خصوصاً انگریزی تعلیم سے عورتوں کے اخلاق پر منفی اثر پڑتا ہے معلوم نہیں کس بنا پر ہے۔ شاید اس لئے کہ ان کا دماغ جسامت اور وزن کے لحاظ سے مردوں کی بہ نسبت کم ہے۔ لیکن اگر جسامت اور وزن ہی اصل معیار فرض کر لیا جائے تو ہاتھی اور وہیل کے دماغ کو انسانی دماغ پر کیوں نہیں ترجیح دی جاتی۔ دراصل عورتوں کو وہ آسانیاں حاصل نہیں جو مردوں کے عام طور پر ہیں۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت سے جو بے توجہی برتی گئی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ اکثر عورتیں بمقابلہ مردوں کے کم ذہین ہیں۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ عورتوں کی ذہنیت یا سرشت مردوں سے پست ہے کیونکہ اکثر عورتیں بمقابلہ مردوں کے زیادہ ذہین ہیں مگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ عورتیں نااہل ہوتی ہیں تو تعلیم ان کے لئے اور بھی زیادہ ضروری ہو جائے گی تاکہ وہ اپنی دماغی قوتوں کو ترقی دے سکیں۔

اکثر یہ شکایت بھی سنی جاتی ہے کہ عورتوں میں قدرتاً ایثار کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اور انگریزی تعلیم سے ان کی سیرت کی یہ خوبی جاتی رہتی ہے اور موجودہ معاشرت ان کو خود سر بنا دے گی۔ عورتوں میں اگر ایثار کا مادہ قدرتی ہے تو اچھی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان میں یہ صفت اور زیادہ شان کے ساتھ نمودار ہوگی کیونکہ یہ ایثار کسی خراب معاشرت یا مجبوری کا نتیجہ نہ ہوگا بلکہ عورت کی ایک فطری خوبی شمار کیا جائے گا۔

تاریخ کے صفحات اس بات کے شاہد ہیں کہ عورتوں کو جب کبھی بھی موقع دیا گیا انھوں نے عملی دنیا میں مردوں کے دوش بدوش کارہائے نمایاں کئے اور ثابت کر دیا کہ وہ کسی طرح مردوں سے پیچھے نہیں رہیں۔ رضیہ سلطانہ چاند بی بی اور جھانسی کی رانی کی شجاعت اور الزبتھ اور وکٹوریہ کی اہلیت حکومت محتاج بیان نہیں۔ اور یہ امر تو روز روشن کی طرح آشکار ہو چکا ہے کہ دنیا کے فرمانرواؤں میں مردوں کی تعداد زیادہ ہے لیکن قابلیت سے حکمرانی کرنے میں عورتیں بھی مردوں سے کم نہیں۔

یہ بات بھی کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ جو چیز لڑکوں کی سیرت کو اچھا بنا سکتی ہے لڑکیوں میں خرابی کیونکر پیدا کرے گی۔ ہماری نظر میں تو یہ محض قیاس مع الفارق False analogy ہے جس کی حقیقت کچھ نہیں۔

چولھے ہانڈی کی مسلسل خدمت کے علاوہ عورتوں کے ذمے دوسرے فرائض بھی ہیں ان میں سب سے بڑا جو فرض ان پر عائد ہوتا ہے وہ بچوں کی صحیح تربیت ہے جو تعلیم کی مدد کے بغیر ناممکن ہے۔ جب ہم اچھی خاصی سمجھدار بہنوں کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ لڑکیاں انگریزی تعلیم سے خودسر اور ناخلف ہوئی جا رہی ہیں، مذہب کا احترام نہیں کرتیں اور مغرب زدہ بن رہی ہیں تو ہمیں ان معاندین تعلیم سے پوچھنے کی جرأت ہوتی ہے کہ اگر لڑکیاں انگریزی نہ پڑھیں تو ان کے لئے آپ نے کوئی دینی درسگاہ کھول رکھی ہے؟ پہلے زمانہ کی بیبیاں اگر مذہب کا احترام کرتی تھیں روزے نماز کی پابند تھیں تو اس لئے نہیں کہ وہ جاہل تھیں بلکہ صرف اس لئے کہ جس ماحول میں انھوں نے ہوش سنبھالا وہ طور و مذہب کا احترام کرنے والا تھا۔ انھوں نے مدرسوں میں تعلیم نہیں پائی لیکن حسن عمل کی جیتی جاگتی مثالیں ان کی نظروں کے سامنے موجود تھیں جنھیں انھوں نے اپنا نصب العین بنایا۔ میں تعلیم کے مخالفوں سے نہایت ادب سے عرض کروں گی کہ ان تمام اعتراضات کی واحد ذمہ دار آپ کی غلط تربیت ہے۔ نہ کہ تعلیم۔ تربیت کی یہ خامیاں سوسائٹی کے حالات پر اتنا گہرا اثر رکھتی ہیں کہ ان کا صحیح اندازہ مشکل ہے آج کل کی لڑکیاں اگر بے ادب ہیں تو اس میں تعلیم کا کیا قصور۔ ذرا مائیں ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ بچے بڑے ہو کر ان سے گستاخی پر تلے ہوئے ہیں انہیں ابتدا سے ایسا کرنے کا موقع ہی کیوں دیا گیا؟ بچپن کے نقوش مٹائے نہیں مٹتے اس لئے یہ فرض تو ماں کا ہوا وہ اپنے بچوں کی تربیت اس طرح کرے کہ وہ ہمیشہ اس کے فرمانبردار رہیں۔ بچوں کی پہلی تربیت گاہ

آغوشِ مادر ہے پھر ان سے یہ توقع رکھنا کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ بچے اچھی عادتیں خود ہی پیدا کرلیں گے کہاں تک جائز ہوسکتا ہے
ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ بچوں میں انگریزی تعلیم کی وجہ سے لامذہبیت آتی جارہی ہے مگر ان اعتراض کرنے والوں سے پوچھے کہ انھوں نے اپنے بچوں کو مذہب کی تعلیم دی ہی کب تھی؟ اور اپنے بچوں کے دلوں میں خدا کا خوف شروع ہی سے کیوں نہیں پیدا کیا یہ خود ان کی غلطی ہے۔ کیا بغیر سمجھائے ہوئے قرآن شریف پڑھا دینے کا ہی نام مذہبی تعلیم ہے۔ بچوں کے دل میں خدا کا خوف پیدا کرنے کے یہ معنی نہیں کہ ان کی ہر غلطی پر یہ کہہ کر خوفزدہ کیا جائے کہ "ایسی حرکت کروگے تو اللہ میاں جلتی ہوئی لوہے کی سلاخوں سے ماریں گے" دوزخ کے دہکتے ہوئے شعلوں میں جلائیں گے" ایسی تنبیہ کا الٹا ہی اثر ہوگا اور رہا سہا خوف بھی دل سے جاتا رہے گا یہ بات بہت اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ درستیٔ اخلاق کے لئے نکیرین کے قبر میں آنے اور جہنم کے شعلوں کے عذاب سے ڈرانے کی بجائے خالص اخلاقی تعلیم کی ضرورت ہے۔ اخلاق کی اہمیت کو صرف اخلاقی نقطۂ نظر سے سمجھنا چاہے۔ بہت ضروری ہے کہ بچوں کے دماغ میں شروع ہی سے مذہب کا صحیح معیار قائم کردیا جائے۔ اگر بچپن ہی سے ان کو مذہب کی صحیح تعلیم دی جائے گی تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مذہب کا احترام نہ کریں۔

تعلیم میں بذاتِ خود کوئی خرابی نہیں۔ اس پر جو اعتراضات ہیں ان کی واحد ذمہ دار خراب تربیت ہے۔ سب سے بڑی غلطی تو یہ ہے کہ والدین اپنے بچوں سے ان خوبیوں کی توقع رکھتے ہیں جو خود والدین میں مفقود ہوتی ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ لڑکیوں کو بداخلاقی کا سبق دیا جائے اور الزام تعلیم کے سر تھوپا جائے۔ مائیں اپنی لڑکیوں کو سادہ اور باحیا دیکھنا چاہتی ہیں لیکن خدارا وہ ہمیں یہ بتائیں کہ وہ خود کیوں نہیں سادگی سچائی اور ایثار کا نمونہ بن جاتیں۔ لڑکیاں مغرب کی تقلید میں نیم عریاں لباس پہننے لگیں بے پردہ ہوگئیں سرخی غازہ اور پاؤڈر بے باکانہ استعمال کرنے لگیں پھر ان کی ماؤں کو کیا ہوگیا ہے کہ پرانے زمانے میں پیدا ہوکر فیشن کی اتنی دلدادہ ہوگئی ہیں انھوں نے پردہ کیوں ترک کردیا فیشن سے مرعوب ہوکر آخر شوخ اور چمکدار ساڑیاں نئے نئے فیشن کے بلاؤز نئے نام پر تھے استعمال کرنے لگیں کیا یہ باتیں ان کی عمر کے شایاں ہیں؟

مائیں اپنی لڑکیوں سے اتنی محبت کرتی ہیں، ان کی تمام فضول خرچیاں برداشت کرتی ہیں پھر بھی انہیں شکایت ہے کہ لڑکیاں ان کی عزت نہیں کرتیں۔ اس کی وجہ شاید انگریزی تعلیم بتائی جائے لیکن میں مودبانہ عرض کروں گی کہ "عزت ان کی کی جاتی ہے جو خود اپنی عزت کرنا جانتے ہیں" ماؤں کو بجائے لڑکیوں کی ناز برداری کرنے کے ان کے سامنے پاکیزگی سچائی اور ایثار کی عملی مثال پیش کرنی چاہئے اور اپنے حسنِ عمل سے انہیں متاثر کرنا چاہیئے پھر وہ دیکھیں گی کہ ان کی لڑکیاں کیا بن جاتی ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے لوگوں کی زندگی پر نظر ڈالئے۔ ان کی ترقی کا راز صرف ان ماؤں کے سچے ایثار اور محبت پر منحصر ہے۔ جنھوں نے اپنے بچوں کے سامنے حسنِ عمل کی جیتی جاگتی مثال پیش کی اور انھیں اپنی خوبیوں کا ایک مثنیٰ بنایا۔ مائیں اگر درحاصل چاہتی ہیں کہ ان کے بچے فرمانبردار رہیں تو انھیں خود میں وقار کی شان پیدا کرنی ہوگی۔ اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اپنے اقتدار کی بنا پر بچوں میں حاکم اور محکوم ملنے کا احساس پیدا کردیں لیکن اس کا بھی خیال رہے کہ حاکمانہ انداز بچوں کے جذبۂ خودداری پر بہت برا اثر ڈالتا ہے اور ان میں خود غرضی پیدا کردیتا ہے۔ تنبیہ اس طرح کرنی چاہیے کہ غلطی کرنے والے کو خود اپنی غلطی کا احساس ہوجائے۔ نصیحتوں کے دفتر ہمیشہ الٹا اثر کرتے ہیں۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ ذلت کبھی نہیں برداشت کرسکتی اس لئے نصیحت میں طنز کا عنصر بہت خطرناک ہوتا ہے۔ ذلت کے احساس کا لازمی نتیجہ انتقام ہے۔ چونکہ بچوں میں جذبۂ خودداری بدرجہ اتم موجود ہے ان کا انتقام اکثر نافرمانی اور گستاخی کی صورت میں ہوتا ہے۔
لڑکیوں کی تعلیم سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ دنیا کو جس قدر ذہنی قوتوں کی امداد حاصل ہے وہ دگنی ہوجائے گی۔ اگر عورتوں کی زندگی کا نصب العین صحیح کردیا جائے تو نہ صرف ان کا اخلاق بہتر ہوجائے گا بلکہ دنیا کا اخلاق بلند تر ہوجائے گا۔

عورتیں بدمزاج کیوں بنتی ہیں

جنوری کے عصمت میں بہن خدیجہ فاطمہ صاحبہ کا مضمون بعنوان مرد بدمزاج کیوں بنتے ہیں نظر سے گذرا موضوع بے حد دلچسپ ہے مگر اس کا دوسرا رُخ اس سے زیادہ دلچسپ۔ جس طرح سے عورتوں کو مردوں کی بدمزاجی کی شکایت ہے۔ اس طرح مردوں کو عورتوں کی بدمزاجی کی شکایت ہے۔ کہ شروع زندگی میں تو ایسی نہ تھیں اب پتہ نہیں کیا ہو گیا کہ زندگی تلخ ہو گئی ہے۔ درحقیقت مرد کی بدمزاجی گھر کے ماحول کو ناخوشگوار ضرور کر دیتی ہے مگر بے آرامی پیدا نہیں کر سکتی مگر عورت کی بدمزاجی سارے کنبے کے لئے عذاب جان بن جاتی ہے۔ اگر مرد کے بدمزاج ہونے کی وجہ صرف عورت کا غلط رویہ ہو سکتا ہے۔ تو ماحول عورت کو بدمزاج بنانے کے لئے کئی رنگوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

سب سے پہلے بچپن کی شادی کو لیجئے۔ اس سے وہ شادی مراد نہیں جو شاردا ایکٹ کی رُو سے ناجائز ہو۔ یا گڈے گڑیا کی شادی کی جا سکے بلکہ موجودہ حالات و وقت نے بیس سال سے کم عمر کی شادیوں کو بھی بہت حالتوں میں ناخوشگوار قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ لڑکوں کو تعلیم پوری کر کے کسی مستقل ملازمت تک پہنچنے میں عمر کا ایک معقول حصہ صرف کرنا پڑتا ہے۔ اور عموماً شادی کے وقت اس کی عمر تیس کے لگ بھگ ہو جاتی ہے۔ فرض کیجئے اگر تیس سالہ نوجوان سے ایک پندرہ سولہ سالہ لڑکی بیاہی جائے تو خاص خاص حالات کو چھوڑ کر وہ شادی کس طرح کامیاب ہو سکتی ہے۔ اور عورت کا اس عمر میں کبھی ٹھیرا ہوا مزاج نہیں ہو سکتا۔ جس طرح کہ مرد کو اس عمر میں حاصل ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات۔ لڑکی کو خواہ مخواہ بدمزاج بنا دیتے ہیں۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ عمر میں زیادہ فرق نہ ہو مگر لڑکا زیر تعلیم ہو ایسی صورت میں لڑکی کو سسرال میں رہنا پڑتا ہے۔ جہاں کافی سمجھ و تجربہ سے کام لینا پڑتا ہے۔ نو عمر لڑکی قدم قدم پر ٹھوکر کھاتی ہے۔ اور دل ہی دل میں کڑھتی رہتی ہے۔ اور چونکہ وہ ہستی جس کے لئے والدین بہن بھائی کی محبت سے منہ موڑا ہو پاس نہیں ہوتی تو وہ کسی سے درد دل کا اظہار نہیں کر سکتی اور نہ کوئی اس کے ساتھ دلی ہمدردی کر سکتا ہے یہ صورت بھی آہستہ آہستہ اسے بدمزاج بننے پر مجبور کر دیتی ہے اور اس کی بڑھتی ہوئی شوخیاں ملیا میٹ ہو کر اسے ہمیشہ کے لئے زودرنج بنا دیتی۔

دوسری وجہ ایک معقول عمر میں شادی ہونا مگر طبیعتوں کا نہ ملنا۔ ہر وقت اور ہر بات کا اختلاف عورت کو اس لئے کہ وہ زیادہ حساس ہے۔ بدمزاج بنا دیتا ہے۔ اور بعض وقت اس کا اثر کمزور دل مرد کو بھی چڑچڑا بنا دیتا ہے۔ مگر چونکہ مرد ذات گھر سے باہر اپنی دلچسپیاں ڈھونڈ لیتا ہے اور اپنا وقت دوستوں میں ہنس کھیل کر گذار لیتا ہے۔ تو اس کی طبیعت پر زیادہ اثر نہیں ہوتا۔ مگر عورت جو چار دیواری میں بند ہے۔ اس سے مطلب سنگین پردہ نہیں بلکہ عورت کی فطرت گھر میں رہنا ہے چاہے وہ پردہ سے آزاد کیوں نہ ہو۔ اسے باہر کی دلچسپی بھی خوش نہیں کر سکتی جب تک اس کا دل صحیح طور پر مسرور نہ ہو ایسا اثر اسے خواہ مخواہ چڑچڑا بنا دیتا۔ شادی کے بعد جلد جلد بچوں کی پیدائش۔ خصوصاً جبکہ ماں کی حالت اچھی نہ ہو اور اولاد کی پرورش کا بار بھی اپنے سر ہو ملو کثرت کار کسی اور دلچسپی و شغل کے لئے وقت نہ ملنا۔ جسمانی کمزوری۔ یا آئے دن کی بیماری بھی عورت کو بدمزاج بنا دیتی ہے۔

اور ایک عام وجہ بدمزاج ہونے کی یہ بھی دیکھی گئی ہے کہ کسی حال میں شاکر نہ رہنا۔ اگر بد قسمتی سے میکہ زیادہ امیر ہے اور سسرال غریب تو ہر وقت کا یہ جلاپا اور اپنے آپ کو بد نصیب خیال کرنا ازدواجی زندگی کو ناخوشگوار بنا کر سب سے پہلے عورت کو تباہ کرتا ہے۔ اس کا اثر آئندہ نسل پر بہت ناخوشگوار ہوتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر مرد بدمزاج ہے تو عورت بڑی طرح اثر پذیر ہوتی ہے اور ہر ایک سے اپنا رونا روتی ہے اور یہاں تک کہ بعض تنگ خیال، جاہل عورتیں گنڈے تعویذوں پر بھی اتر آتی ہیں۔ اور مرد کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔ مگر بصورت دیگر اگر عورت بدمزاج ہو تو مرد اس کا واحد علاج اس سے علیحدگی حاصل کرنے کا سوچے گا اور کبھی ٹھنڈے دل سے غور نہ کرے گا۔ کہ اگر میری بیوی پہلے ایسی نہ تھی تو اب کیوں ہو گئی ایسی حالت میں اگر مرد تھوڑا سا ایثار اختیار کرے تو ممکن ہے کہ شاید عورت درست ہو جائے کیونکہ عورت ذات ایک چھوٹے سے اور نرم دل کی مالک ہوتی ہے جہاں اسے چھوٹی چھوٹی سی باتیں بدمزاج کر دیتی ہیں وہاں وہ دلی ہمدردی اور دلجوئی کرنے سے شگفتہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے جہاں عورتوں کو یہ نصیحت کی جائے کہ وہ مردوں کو بدمزاج نہ بننے دیں۔ وہاں مردوں سے بھی یہ کہا جائے کہ وہ عورتوں کے ساتھ نرمی اور خلوص اختیار کر کے اپنی ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنائیں۔

بیگم صفیہ نذیر

(بقیہ مضمون صفحہ ۲۷۵)

عورتوں کو جاہل رکھ کر دنیا کی نصف آبادی کی دماغی قوتوں کو معطل کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟

شہری بہنوں کی حالت تو پھر بھی غنیمت ہے کہ وہاں ان کی تعلیم کا کچھ نہ کچھ انتظام ہو ہی جاتا ہے۔ لیکن بری حالت ہے دیہاتوں کی وہاں نہ تو کوئی زنانہ اسکول ہی ہوتا ہے نہ کتب خانہ جس سے دیہات کی رہنے والی لڑکیاں مستفید ہو سکیں۔ دیہاتوں میں زنانہ اسکولوں اور کتب خانوں کی سخت ضرورت ہے۔

اب تک عورتوں کی جہالت کی وجہ ان کی خانگی فضا اور معاشرتی پابندیاں تھیں لیکن شکر ہے اب انھوں نے خود بھی تعلیم کی اہمیت کو سمجھنا شروع کر دیا ہے اور بہت سی بہنوں نے صحیح تعلیم حاصل کر کے دکھا دیا ہے کہ وہ تعلیم کی مدد سے قوم اور سوسائٹی کے لئے کتنی کارآمد ہو سکتی ہیں۔

میمونہ قدیر صدیقی

قطعات

درد کی ٹیسیں کبھی بھی رائگاں جاتی نہیں
آہ کا ہوتا اثر ہے قلب پر وہ ہو بہو
جس طرح آذر صفت اک بُت تراشِ مہ شیا
کاٹ کر پتھر بناتا ہے بتانِ خوبرو

ایک طوفانی ہوا ہے نغمۂ راہِ فنا
گوشِ دل میں اس طرح تیزی سے بھر لو میرے سُر
اُم کے باغوں میں آندھی کے اثر سے جس طرح
اپنا دامن گاؤں کے لڑکے کریں دم بھر میں پُر

رات میں مہتاب و انجم دن میں خورشیدِ منیر
دیکھتے حیرت سے ہیں رنگِ دلِ حسرت اثر
دل یہ کہتا ہے ذرا صبر و تحمل ساجدہ!
وہ ترے پیغام کی خاطر ہیں سرگرمِ سفر

حُسنِ اصلی معتبر اہلِ نظر کی رائے میں
پھول سے چہرہ پہ پوڈر صنعتِ قدرت سے جنگ
دیدنی ہے خواہرِ من! اسحرِ زینت کا اثر
رُوح بھی اُف ہو گئی ہے خوگرِ قیدِ فرنگ

جس سکونِ درد سے دُنیائے دل ہے ہم کنار
ڈھونڈھنا اس کا عبث ہے دامنِ تدبیر میں
خامۂ قدرت چلا اور ایک سو ہی چل گیا
یہ مشیت نے لکھی دولت میری تقدیر میں

ظاہری تفریق ہے سطحی نظر کا التزام
میری نظروں میں تو عورت بھی جہاں میں مرد ہے
مادرِ گیتی کی شفقت عام ہے اولاد پر
حلوائے شیریں کھلاتی ہے مگر وہ درد ہے

ساجدہ بنت دانش شاہجہانپوری

چوری

لیونرڈ کنولے لندن کی ایک مالدار فرم میں اُدھیڑ عمر کا ہیڈ کلرک تھا گھر میں صرف دو میاں بیوی تھے جو ایک دوسرے پر پروانہ وار نثار تھے۔ ان کی زندگی میں اب تک صداقت اور پاکیزگی تھی۔ لیکن زندگی نام ہے فریب کا۔ اور ضرورت نام ہے ایجاد کا۔ چنانچہ وہی ہؤا۔ جو اس پر فریب دنیا میں ہمیشہ سے رہا ہے۔ یعنی کنولے اب یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ اسے جو بیس پونڈ تنخواہ ملتی ہے۔ وہ اس کی ضروریات زندگی کے لیے ناکافی ہے۔ حالانکہ وہ چھ گھنٹے مسلسل محنت کرتا تھا۔ مگر پھر بھی اس سے زیادہ نہیں کما سکتا تھا۔ برخلاف اس کے اسے یہ دیکھ کر انتہائی تکلیف ہوتی تھی کہ جولیس ہاکنس جو اس کمپنی کا ڈائرکٹر تھا۔ صرف چند لمحات کے لئے دفتر میں آتا بغیر کچھ کام کئے صرف دستخط کر کے چلا جاتا اور پانچ ہزار پونڈ تنخواہ پاتا تھا اور سنیما گھوڑ دوڑ اور لاٹری اس کی دلچسپیاں تھیں۔

اس جذبہ کے پیدا ہوتے ہی کنولے نے یہ سوچنا شروع کیا کہ وہ کس طرح زیادہ سے زیادہ روپیہ کما سکتا ہے۔ اگر غبن کرے تو یقیناً پکڑا جائے گا۔ اور اس کی نیک نامی پر دھبہ آئے گا۔ امریکہ کے مہذب چوروں کے کارنامے وہ اکثر روزانہ اخبارات میں پڑھتا رہتا تھا نیا طریقہ!۔ جدت!۔ ندرت!۔ وہ آپ ہی آپ مسکرایا اور خاموش ہو گیا۔

شام کا وقت تھا تقریباً چار بجے ہوں گے۔ کنولے دفتر سے اٹھ ہی رہا تھا۔ کہ یکایک غیر متوقع طور پر مسٹر ہاکنس آئے اور کنولے کو بلایا اور کہا کنولے! یہ پانچ ہزار پونڈ لے جاؤ اور رڈراسٹ میں جا کر میرے لڑکے کو آج ہی دے آؤ کیونکہ آج یہ روپیہ وہاں پہنچنا بہت ہی ضروری ہے میں خود چلا جاتا۔ مگر آج فرم کے حصہ داروں کی ایک اہم میٹنگ ہے۔ اور اس میں میری شرکت بہت ضروری ہے جاؤ گیرج سے میری موٹر نکال لو۔ اور یہ پانچ پونڈ راستہ کے خرچ کے لئے ہیں۔

"بہت اچھا جناب میں ابھی جاتا ہوں" یہ کہہ کر کنولے نے نوٹ احتیاط سے اپنے بٹوے میں بند کر کے رکھ لئے۔ اور چلا آیا۔ گیرج تک اس کے دماغ میں ہزاروں خیال آئے۔ پانچ ہزار پونڈ زرین موقع! شک و شبہ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے بڑی بڑی رقمیں بھی میں نے ہی پہنچائی ہیں۔ میری ایمانداری کے بھی سب مداح ہیں۔ بالکل یقین آجائے گا۔ اس سے اچھا موقع مل بھی نہیں سکتا چنانچہ گیرج سے موٹر نکالتے نکالتے اس نے ایک اسکیم بھی تیار کر لی۔

اس نے موٹر اسٹارٹ کی اور گھر کی طرف چلا۔ اور اپنے گھر سے تھوڑے فاصلہ پر ایک سنسان سڑک پر موٹر کھڑا کر دیا اور پیدل چلنے لگا تاکہ اس کی بیوی اس کے پہونچنے سے پہلے گھر سے چلی جائے۔ کیونکہ اس کی بیوی نے اس وقت گھر سے کہیں باہر جانے کو کہا تھا۔ اس لئے کنولے نے سوچا کہ اتنا راستہ پیدل طے کر لوں تاکہ میرے گھر جانے کی کسی کو خبر نہ ہو۔ گھر پہونچا تو مسز فے (اس کی بیوی) اپنے وقت پر چلی گئی تھی اور گھر خالی تھا۔ وہ چاروں طرف دیکھ کر کہ کوئی اس کو دیکھ تو نہیں رہا چپکے سے مکان میں داخل ہو گیا۔ اور اپنے کمرے میں دراز کے اندر رومالوں کی تہ میں نوٹوں کی گڈی رکھ کر دراز بند کر دی اور پھر مکان سے چپکے سے نکل گیا۔ جس طرح کہ داخل ہوا تھا۔

کار میں بیٹھ کر وہ ڈراسٹ جانے والی سڑک پر ہولیا۔ آج وہ بہت خوش ہوائی قلعہ تعمیر کرتا چلا جا رہا تھا۔ کہ اب میں بڑے ٹھاٹ کی چھٹیوں میں جولیس ہاکنس کی طرح خوب سیر کروں گا۔ گھوڑ دوڑ میں شریک ہوں گا اور تھیٹر دیکھوں گا۔

غرض وہ اسی طرح کے خیالی پلاؤ پکاتا ہوا اپنی اسکیم کے مطابق مقررہ جگہ پر پہنچ گیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھ کر [illegible] سڑک جنگل کے بیچ میں سے گزرتی تھی سڑک بھی اس مقام پر گھنے درختوں اور جھاڑیوں سے [illegible] جنگل کی جھاڑیوں میں

گھس گیا۔ اور ایک جگہ ایسی بنا دی۔ گویا وہاں چور بیٹھا اپنے شکار کا انتظار کر رہا تھا۔ اور اس جگہ سے سڑک تک پاؤں کے نشان بنا دیئے گویا چور موٹر کی آواز سن کر دوڑتا ہوا سڑک کے کنارے آگیا۔ ریتلی سڑک پر بہت سے جوتوں کے نشان بنا دیئے مگر اپنے جوتوں سے بڑے۔ پھر اس نے موٹر کی طرف دیکھا۔ اس نے موٹر روکتے وقت بریک ایک جھٹکے کے ساتھ لگایا تھا جس سے موٹر سڑک پر پہیوں کے گھسٹتے ہوئے نشان کرتی ہوئی رکی تھی۔ کنولے نے سوچا۔ کہ ایک چور یا ڈاکو قدرتی طور پر موٹر کار کو روکنے کے لئے اس کے اوپر کود کر چڑھ جاتا ہے۔ اس لئے اس نے موٹر کے بورڈ پر دو نشان چور کے کودنے کے بھی بنا دیئے۔ پھر اس نے اپنی نوٹ بک میں سے کچھ کاغذات اور اپنے نام کے کارڈ زمین پر بکھیر دیئے۔ اور نوٹ بک کو بھی گھما کر ایک طرف ڈال دیا۔ کالر اور ٹائی کو بھی خراب کر لیا بالوں کو بھی پریشان کر لیا۔ اپنا ہیٹ بھی زمین پر ڈال دیا گویا چوروں سے دھینگا مشتی ہوئی ہے۔ یہ یقین کر چکنے کے بعد کہ اس کی سکیم پایہ تکمیل کو پہنچ گئی، وہ مطمئن ہو کر واپس لندن چلا آیا۔ تاکہ پولیس میں رپورٹ کر دے کنولے گرد و غبار سے اٹی ہوئی موٹر میں حیران و پریشان حالت میں پولس آفس پہنچا۔ کہ سارجنٹ کو اپنی مصیبت سنائے سارجنٹ نے اس کے سب حالات بغیر کسی شک و شبہ کے قلمبند کر لئے پھر کنولے نے ہاکنس کے لڑکے کو ڈارسٹ میں فون کیا اور نہ پہنچ سکنے کی وجہ بتائی۔

جب وہ وہاں سے چلا تو چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔ اور اب وہ مسٹر ہاکنس سے نہیں مل سکتا تھا۔ کیونکہ وہ بہت تھک گیا تھا اس لئے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں وہ سوچ رہا تھا۔ کہ اب میں ریسٹورنٹ میں کھانا کھاؤں گا۔ اور پھر بیوی کے ساتھ تھیٹر دیکھنے جاؤں گا۔ کیونکہ برسوں سے دیکھنا نصیب نہیں ہوا ہے اس خیال سے وہ بہت مسرور تھا۔

جب وہ گھر کے قریب پہنچا۔ تو یہ دیکھ کر اسے تعجب ہوا کہ ہر کمرے میں روشنی ہو رہی ہے' اور سامنے کا بڑا دروازہ خلاف معمول کھلا ہوا تھا۔ وہ بہت متعجب تھا، جب وہ بڑے دروازے میں داخل ہوا تو اس کی حیرت اور بھی بڑھ گئی۔ کیونکہ اسے ہال میں ایک پولس مین کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے سوچا کیا ان لوگوں نے میرا راز معلوم کر لیا ہے؟" وہ وہیں کھڑا ہو کر اس کشمکش میں مبتلا ہو گیا کہ اندر جائے یا نہ جائے۔ اب وہ سخت پریشان ہوا۔ اور اس کا دماغ ٹھیک طور پر کام نہیں کر رہا تھا۔ وہ مڑ کر بھاگنے ہی والا تھا۔ کہ اس نے مسز ڈے کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ وہ بولی۔

اے مسٹر کنولے! ہائے! آپ آگئے! یہاں تو ایک خوفناک واقعہ ظہور پذیر ہو گیا" اس کی آواز میں خوف تھا۔

"کیوں کیا بات ہوئی؟" کنولے نے اپنی گھبراہٹ کو دور کرتے ہوئے کہا "چور" وہ چلائی "جب کہ میں باہر گئی ہوئی تھی۔ چور اندر داخل ہو گیا اور۔۔۔ اور" وہ ضبط نہ کر سکی اور رونے لگی۔ کنولے اب ہمت کر کے آگے بڑھا۔ اور ہال میں داخل ہو گیا۔

"جناب کیا آپ کے کمرے میں کچھ قیمتی چیزیں یا روپے تھے؟" پولس انسپکٹر نے اسے دیکھ کر سوال کیا۔

"نہیں۔ نہیں" کنولے بول اٹھا "میرے پاس۔ میرے کمرے میں کوئی نقدی نہ تھی۔ مگر میں جا کر دیکھتا ہوں" کہ کوئی چیز وہاں سے غائب تو نہیں ہے" کنولے نے اپنے چہرے کی گھبراہٹ کو ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

وہ جلدی جلدی سیڑھیوں کو طے کرتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچا اور جلدی سے اپنی دراز کھول کر ان سوالوں کو دیکھا جن میں وہ نوٹ رکھ گیا تھا مگر نوٹ وہاں سے غائب تھے۔ وہ بھونچکا کھڑا ہوا تھا کہ اسے نیچے سے کچھ شور کی آواز سنائی دی۔ اور تھوڑی دیر بعد مسز ڈے کے چلانے کی آواز آئی۔

"مسٹر کنولے مجھے انہوں نے چور پکڑ لیا ہے"

کنولے جلدی سے نیچے اترا اور دیکھا کہ ایک بدشکل سا آدمی ایک کانسٹبل نے گرفتار کر لیا ہے جو بھاگنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔ کنولے نے اسے پہچان لیا کیونکہ وہ اس کے محلہ کا ہی ایک بدمعاش تھا۔

پولیس نے جب اس کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے نوٹوں کی گڈی نکلی۔ مسز ڈے کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"یہ نوٹ تم نے کہاں سے چرائے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

ایک لمحہ تک چور نے کچھ جواب نہیں دیا۔ مگر پھر اس نے کنولے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"حضور ان کی دراز سے!"

کنولے اس وقت تمام نظروں کا مرکز تھا۔

"جھوٹ! قطعی جھوٹ!" وہ چلایا "میں نے اپنے پاس تمام عمر میں بھی اتنی کثیر رقم نہیں رکھی۔"

"اور جناب میں نے تو اتنی رقم کبھی دیکھی نہیں" مسز ڈے نے اس کی تائید میں کہا۔

"اوہ یہ سب باتیں تو عدالت ہی میں کرنے کی ہیں" انسپکٹر نے بے پروائی سے کہا "اور نوٹ اپنی جیب میں رکھ کر اور چور کو اپنے ساتھ لے کر پولس اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔ کنولے حیرت اور رنج میں انہیں جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ اور اس وقت چونکا۔ جب کہ مسز ڈے نے کہا،

"کھانا نہیں کھاؤ گے؟"

کملا چیٹرجی

(ماخوذ از انگریزی)

(بقیہ مضمون کالم دوم کا)

رقم کی بچت نکلے گی۔ پکانے میں عام طور پر دو طرح کی آنچ سے کام لیا جاتا ہے کوئلہ کی آنچ اور لکڑی کی آنچ لیکن ان کے علاوہ کھانا بھاپ پر بھی پکایا جاتا ہے اور گرم پانی میں برتن رکھ کر بھی پکاتے ہیں۔ گرم پانی کی گرمی معتدل ہوتی ہے اور اس طرح اگرچہ کھانا ذرا دیر میں پکتا ہے لیکن بہترین ترکیب ہے۔ آج کل بجلی کی انگیٹھیاں بھی رائج ہو گئی ہیں۔ بہرحال مقصد یہ ہے

کھانا پکانے میں آنچ کا اندازہ

کھانے کی چیزیں پکانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ جن ذرات سے وہ شے بنی ہوئی ہے وہ پھول کر نرم ہو جائیں اور جلد گلنے پکنے اور پچنے کے قابل ہو جائیں یعنی جلد ہضم ہو سکیں اسی کو گلنا کہتے ہیں لیکن گلنے گلنے میں فرق ہے۔ ایک چیز کو تیز آنچ پر اور دوسری کو نرم آنچ پر دیر تک رکھ کر گلایا جائے تو یہ دونوں اگرچہ گل جائیں گی لیکن غذائیت کے اعتبار سے ان میں فرق ہو گا اس نکتہ کو ذہن میں ہمیشہ محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔

کھانے کی ہر چیز میں کثیف اور لطیف کئی طرح کے مواد اور جوہر ہوتے ہیں۔ کثیف مواد تو ہر حالت میں خواہ آنچ تیز ہو یا نرم قائم رہتے ہیں لیکن لطیف جوہر صرف نرم آنچ پر قائم رہتے ہیں اور تیز آنچ پر اڑ جاتے ہیں اور جب لطیف جوہر ضائع ہو جاتے ہیں تو باقی جو کچھ بچتا ہے وہ صرف ایک فضلہ ہے جو نہ تو مطلوبہ غذائیت بخش سکتا ہے اور نہ صحت برقرار رکھنے میں امداد کر سکتا ہے بلکہ گاہ بجائے معاون صحت ہونے کے مضر صحت ثابت ہوتا ہے۔ لطیف جوہروں کا جدید نام حیاتین ہے انگریزی میں ان کو وٹامین کہتے ہیں مختلف کھانے کی چیزوں میں مختلف حیاتین دریافت ہوئی ہیں جن کی مجموعی تعداد ایک درجن کے قریب پہونچ چکی ہے لیکن ان میں پانچ چھ زیادہ اہم ہیں۔

ذائقہ کے اعتبار سے بھی نرم آنچ پر پکی ہوئی چیزیں تیز آنچ والی چیزوں کے مقابلہ میں بے حد لذیذ ہوتی ہیں تیز آنچ پر پکانے سے جوہر جل جانے کے علاوہ ایک طرح کی بدمزگی اور تلخی پیدا ہو جاتی ہے جو لطیف مزاجوں کو محسوس ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ عقل کا بھی تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کے لیے ہم کچھ خرچ کریں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے اس لیے بھی آنچ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ہلکی آنچ میں ایک اور فائدہ یہ ہے کہ ایندھن کم خرچ ہوتا ہے سال بھر کے ایندھن کا حساب لگایا جائے تو ایک اچھی خاصی

باقی مضمون کالم اول پر

وراثت

زاہدہ اپنی خواب گاہ میں قدِ آدم آئینہ کے سامنے کھڑی اپنی خوبصورت ساڑھی درست کر رہی ہے لیکن اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے کسی قدر پریشانی عیاں ہے۔ اس کی رازدار سہیلی شفیقہ آرام کرسی پر دراز کسی گہرے سوچ میں مستغرق ہے۔

زاہدہ: شفیقہ پیاری۔ تم ہی کوئی تجویز بتاؤ جس سے میری مشکل حل ہو۔ تم جانتی ہو۔ کہ مجھے سعید کی صورت سے نفرت ہے۔ بھلا میرا دل یہ کب گوارا کر سکتا ہے۔ کہ عقد کی زنجیروں میں جکڑ کر اپنی زندگی اس کی نظر کر دوں؟ لیکن چچا جان کے سامنے مجھے انکار کی جرأت نہیں۔ اگر دل کڑا کر کے یہ جرأت کروں بھی۔ تو ہمیشہ کے لئے ان کی وراثت سے ہاتھ دھولوں اور یہ میرے لئے ناممکن ہے۔ امی اور ابا جان کے بعد چچا جان نے مجھے اپنی بیٹی بنا لیا تھا۔ اس دن سے آج تک۔ میں عیش و عشرت کے گہوارہ میں پل رہی ہوں۔ افلاس کی زندگی کا خیال کرنے سے ہی میری روح کانپ جاتی ہے۔

شفیقہ:۔ اس کا تو صرف ایک ہی علاج ہے۔

زاہدہ:۔ وہ کیا؟

شفیقہ: یہی کہ تمہارے چچا ابا تمہاری شادی ہونے سے پہلے دوسری دنیا میں جا پہنچیں۔ اس طرح تم بلا شرکت غیر ان کی وسیع جائداد کی مالک قرار پاؤ گی۔ اور پھر جس سے جی چاہے۔ شادی کر سکتی ہو۔

زاہدہ:۔ لیکن میں ملک الموت تو ہوں نہیں۔ کہ چچا ابا کی روح قبض کر لوں۔ ستر برس کے ہو گئے۔ ابھی تک وہی جوانی کی خو بو ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ قیامت کے اور ئیے سمیٹیں گے۔

یک لخت بڑے زور سے دھماکے کی آواز آئی نوکر بھاگتا ہوا سراسیمہ کمرے میں داخل ہوتا ہے۔

حضور! سرکار سیڑھیوں پر سے گر گئے۔ سر میں بڑے زور کی چوٹ آئی ہے۔

زاہدہ:۔ ڈاکٹر! ڈاکٹر! فوراً میجر والٹر کو فون کرو۔

نوکر تیزی کے ساتھ باہر نکل جاتا ہے۔

شفیقہ۔ (آہستہ سے) معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت تمہاری مدد کے لئے ملک الموت آن پہنچا۔

زاہدہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوتی ہے وہ شفیقہ سے کہتی ہے

ہاں یونہی معلوم ہوتا ہے۔ چلو چچا ابا کے کمرہ میں چلیں۔

۲

میجر والٹر اپنا معاینہ ختم کر چکا ہے۔ نرس اس کی ہدایات کے بموجب مرہم پٹی وغیرہ کرنے میں مشغول ہے۔ زاہدہ پلنگ کے قریب دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے خاموش ایک کرسی پر بیٹھی ہے۔ میجر والٹر اس کی طرف آہستہ سے بڑھتا ہے۔ اور اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر کہتا ہے۔

زاہدہ بیٹی! پریشان نہ ہو۔ میں تجھے ایک خوشخبری سناتا ہوں۔ تمہارے چچا کے تمام اعضا بخیریت ہیں۔ صرف خوف کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے ہیں۔ تم گھبراؤ نہیں۔ وہ ابھی دس برس اور زندہ رہیں گے۔

زاہدہ کرسی پر سے اچھل پڑتی ہے۔ اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکل جاتا ہے "دس برس!"

میجر والٹر۔ ہاں! ہاں! بیٹی تم یقین مانو۔ تمہاری ازدواجی زندگی کے کئی خوش گوار برس وہ اپنی نظروں سے دیکھیں گے اچھا اب میں اجازت چاہتا ہوں۔ شام کو پھر حاضر ہوں گا میجر والٹر یہ کہتے ہوئے باہر چلے جاتے ہیں۔ زاہدہ بت کی طرح ساکن بیٹھی ہے۔ اُسے کمرہ کی ہر چیز رقص کرتی نظر آتی ہے۔

شفیقہ اس کو سہارا دے کر اس کے کمرہ میں لے آتی ہے۔ جہاں وہ ایک کرسی پر گر پڑتی ہے۔ شفیقہ نیچے غالیچہ پر گھٹنے ٹیک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیتی ہے۔ اور کہتی ہے۔

زاہدہ حوصلہ سے کام لو۔

زاہدہ :۔ حوصلہ؟ حوصلہ کیسے کروں۔ وہ کم بخت ڈاکٹر کہہ گیا ہے۔ کہ ابھی چچا ابا دس برس اور جئیں گے۔

آہ! میں کیا کروں۔ جب وہ اچھے ہوں گے فوراً میری شادی کر دیں گے۔ مجھے اپنے پاؤں تلے اپنی آرزوؤں کے پھولوں کو روندنا پڑے گا۔ اپنی خوشی کے چمن کو اجڑتے دیکھنا ہو گا۔

شفیقہ :۔ (آہستہ سے) زاہدہ یہ وقت گھبرانے اور پریشان ہونے کا نہیں۔ بلکہ تمہیں چاہیئے۔ کہ اس سنہری موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔ ایک تجویز میرے دماغ میں آتی ہے۔ اگر ٹھنڈے دل سے سنو۔ تو بتاؤں۔

زاہدہ :۔ بس بس شفیقہ! میرا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے اب سوا اس کے اور کوئی علاج نہیں۔ کہ میں زہر کھا کر ہمیشہ کے لئے گہری نیند سو جاؤں۔ اور اپنی زندگی سعید کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچاؤں۔

شفیقہ :۔ لیکن یہی زہر کہیں اور بھی تو کام آ سکتا ہے۔

زاہدہ یعنی؟

شفیقہ :۔ سنو زاہدہ! جس وقت تم پریشانی کے عالم میں چچا جان کے کمرہ میں کرسی پر نیم بے ہوش پڑی تھیں۔ میں ہر بات غور سے دیکھ اور سن رہی تھی۔ میجر والٹر نرس کو دو شیشیاں دے گئے تھے۔ ایک شیشی سفید رنگ کی ہے جس میں دل کی طاقت کی دوا ہے۔ اور دوسری نیلے رنگ کی اُس میں مالش کی دوا ہے یا دوسرے الفاظ میں زہر ہلاہل اگر طاقت کی دوائی کے بجائے مالش کی دوا کے چند قطرے حلق میں ٹپکا دیئے جائیں۔ تو تمہارے چچا ابا دوسری دنیا میں جا پہنچیں۔ اور تمہارا مقصد پورا ہو جائے۔

زاہدہ :۔ (گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے) شفیقہ پیاری شفیقہ۔ تمہیں خدا نے لاجواب دماغ عطا فرمایا ہے۔

۳

رات کے دو بجے ہیں۔ زاہدہ اپنے چچا کے پلنگ کی پٹی کے ساتھ لگی بیٹھی ہے۔ نرس اپنی ڈیوٹی پر موجود ہے۔ لیکن زاہدہ کا یہی اصرار ہے۔ کہ نرس کچھ دیر آرام کر لے۔ وہ خود اپنے جان سے عزیز چچا کی خدمت کو تیار ہے۔ نرس بہ اصرار تمام ساتھ کے کمرہ میں چلی جاتی ہے۔ زاہدہ کو جب اچھی طرح سے اطمینان ہو جاتا ہے۔ کہ ساتھ کے کمرہ میں سے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آ رہی ہے۔ تو اٹھ کر مالش کی نیلی شیشی۔ (تریاقِ آرزو) اپنے ہاتھ میں اٹھا لیتی ہے اور نہایت ہوشیاری اور پھرتی سے چند قطرے چچا کے حلق میں ٹپکا دیتی ہے۔

مریض کا سانس جو اس وقت تک نہایت روانی سے چل رہا تھا ایک لخت اکھڑ جاتا ہے۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوتے ہیں۔ آنکھوں کے پپوٹوں کو حرکت ہوتی ہے۔ اور کئی منٹ کی جد و جہد کے بعد آخر وہ انہیں کھولنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس کی پھٹی پھٹی نگاہیں زاہدہ کے چہرے پر جم جاتی ہیں۔ وہ رک رک کر نہایت آہستہ لہجہ میں کہتا ہے "زاہدہ بیٹی"۔

زاہدہ اپنا چہرہ مریض کے چہرہ کے نزدیک کر دیتی ہے۔ اور کہتی ہے :۔ شکر ہے خدا کا چچا جان! کہ آپ ہوش میں آئے میری پریشانی کا عالم نہ پوچھئے۔ یہ کہتے کہتے ہلکی ہلکی مصنوعی ہچکیاں لینے لگتی ہے۔ گو وہ دل میں خوش ہے۔ کہ اب ملک الموت کے آنے کا وقت قریب آن پہنچا۔

مریض کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے۔ اور وہ آہستہ سے بولتا ہے

زاہدہ بیٹی۔ تم غلطی پر ہو۔ میری۔ میری حالت خراب ہے میری زندگی۔ پوری۔ پوری ہو چکی بیٹی تم۔ غم۔ نہ کرنا۔ ایک دن۔ یہ۔ ہونا ہی تھا۔ مجھے صرف۔ یہ ارمان ہے۔ کہ

دھماکے سے پھٹنے والا گولہ

بم کئی طرح کے ہوتے ہیں لیکن سب سے خطرناک دھماکے سے پھٹنے والا ہے۔ یہ بم (جسے ہائی ایکس پلو سو بم کہتے ہیں۔ بارود سے بھری ہوئی لمبی نلی کی طرح ہوتا ہے یہ ہوائی جہاز سے نیچے گرایا جاتا ہے۔ اس میں نیچے کی طرف ایک کیل نما چیز ہوتی ہے جو بم کے گرنے پر ایک دوسری چیز سے ٹکر کھا جاتی ہے۔ آپ نے کارتوس دیکھا ہوگا اسے بندوق میں بھر دینے کے بعد گھوڑا دبا دیا جاتا ہے۔ جو جاکر کارتوس کی پچھلی پر لگتا ہے۔ کارتوس سے دھماکے کے ساتھ گولی باہر نکل آتی ہے۔ یہی اس گولے کا بھی حال ہے۔ جب گولہ زمین پر گرتا ہے تو یہ کیل اندر گھس کر گولے کی پچھلی سے ٹکر کھاتی ہے۔ گولہ پھٹ جاتا ہے اُس کے ذرّے چاروں طرف پھیل جاتے ہیں۔ اس میں اوپر کی طرف ایک دُم لگی ہوتی ہے۔ جس کی شکل مچھلی کے دو جڑے ہوئے پروں کی طرح ہوتی ہے۔ اس کا کام گولے کو گرتے وقت سیدھا رکھنا ہے۔ تاکہ کیل کا حصہ پہلے زمین پر گرے اور گولہ اپنا کام اچھی طرح انجام دے سکے۔

اس گولے کے پھٹنے کے بعد جن چیزوں کا ظہور ہوتا ہے وہ یہ ہیں:- ۱۔ ہوا کا جھونکا ۲۔ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے۔ ۳۔ آواز۔ ۴۔ زلزلہ۔ ۵۔ آگ۔

۱۔ ہوا کا جھونکا۔ یہ گولہ زمین پر گر کر پھٹ جانے کے بعد دو قسم کے ہوا کے جھونکے پیدا کرتا ہے پہلا تو جہاں گولہ گرتا ہے وہاں سے چاروں طرف ہوا کی تیز اور زوردار لہریں پھیل جاتی ہیں۔ ان میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ یہ مکانات کو گرا دیتی ہیں کھڑکیاں اور دروازے ان کے ساتھ اُڑ جاتے ہیں مضبوط و مستحکم مکانات کی چھتیں نیچے آ جاتی ہیں۔ دیواریں ترچھی ہو جاتی ہیں۔ اس کی رفتار ۱۰۰ سے لے کر ۷۰۰ میل فی گھنٹہ ہے۔ اس سے جو گیس نکلتی ہے وہ بہت گرم ہوتی ہے۔ اور اس سے آس پاس کی جلنے والی چیزوں میں آگ لگ جاتی ہے۔ دوسرا جھونکا بونڈر کی شکل کا ہوتا ہے یہ اصل میں پہلا ہی جھونکا ہے جو واپس آتے وقت چکر کھاتا ہوا آتا ہے۔ اس میں بھی وہی طاقت ہوتی ہے۔ یہ بھی مکانوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اس جھونکے کا اثر پھیپھڑے پر بھی ہوتا ہے۔ اس کے لگ جانے سے پھیپھڑے کا باہری حصہ چھل جاتا ہے، سانس لیتے وقت خون آنے لگتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ آدمی مر جاتا ہے کیونکہ پھیپھڑے میں سوراخ ہو جاتے ہیں۔

چھوٹے چھوٹے لوہے کے ذرّے۔ جب گولہ پھٹتا ہے اس کے اوپر جو چھلکا ہوتا ہے، وہ ذرّات کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان ذرّوں کی لمبائی ایک چھوٹے سے تنکے سے لیکر ایک انچ تک ہوتی ہے۔ ان ذروں کی رفتار رائفل سے چھوٹی ہوئی گولی سے دوگنی ہوتی ہے۔ اس سے ۵۰۰ سے لے کر ۲۰۰۰ گز تک نقصان ہوتا ہے۔ یہ ذرات ۵° سے ۸ تک زاویہ بناکر چلتے ہیں اس لئے اگر کوئی شخص اس سے بچنا چاہے تو اسے چاہئے کہ زمین پر لیٹ جائے۔

آواز۔ یہ بہت خوفناک ہوتی ہے۔ انسان اکثر پاگل ہو جاتا ہے۔ دل کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ مریض آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ اُس کی آواز پھر بند ہو جاتی ہے۔ اگر علاج نہ ہوا تو ختم ہو جاتا ہے۔ بچے سہم جاتے ہیں اُن کی آواز بند ہو جاتی ہے۔ اور اگر اُنہیں بخار آگیا تو مر جاتے ہیں

(باقی مضمون صفحہ ۲۸۵ پر)

دوزخ

(۱)

سلیم ایک وسیع کمرہ میں آرام کرسی پر دراز نیم وا آنکھوں سے بچہ کی طرف دیکھ رہا ہے جو پنگوڑے میں پڑا ہاتھ پاؤں مار مار کر اچھل رہا ہے

صفیہ برابر کی کرسی پر بیٹھی بچہ کے موزے بُن رہی ہے اور سلائیاں چلاتے ہوئے دزدیدہ نگاہیں کبھی بچہ اور کبھی سلیم پر ڈالتی جاتی ہے۔

سلیم: "صفیہ ہم کیسے خوش قسمت ہیں!"

صفیہ۔ (چونک کر) "کیوں کیا بات ہوئی؟"

سلیم۔ "دیکھو! پنگوڑے میں ہماری تقدیر کا ستارہ چمک رہا ہے! کیا ہم خوش نصیب نہیں ہیں؟"

صفیہ: "ستارہ تو آسمان پر ہوتا ہے یہ تو بچہ ہے؟"

سلیم: "تم سمجھیں نہیں صفیہ؟"

صفیہ: "پھر آپ ہی سمجھا دیجئے"۔

سلیم: "صفیہ تم بڑی ناشکری ہو ہماری آٹھ نو سال کی دعاؤں اور التجاؤں کا ثمر ہماری محبت کا بیش بہا موتی اور ہماری آرزوؤں کا شگفتہ پھول ننھا اسلم ہی تو ہے خدا اس کو نظر بد سے بچائے۔ سچ پوچھو تو اس کے بغیر ہماری قسمت پھیکی اور ہماری دولت بے قیمت نظر آتی تھی کیا یہ ہماری خوش نصیبی نہیں ہے؟"

صفیہ ایک فاتحانہ تبسم کے ساتھ سر جھکا لیتی ہے

(۲)

منشی رشید احمد ایک ننھے سے مکان کے سائبان میں جس کی چار دیواری بھی جگہ جگہ سے شکستہ ہے کھری چارپائی پر لیٹے حقے کے کش لگا رہے ہیں۔ پلنگ سے چار پانچ گز کے فاصلہ پر پانچ چھ بچے کچھ کھیل رہے ہیں اور کچھ آپس میں لڑ رہے ہیں۔

جمیلہ ان بچوں کی ماں باورچی خانہ میں چھوٹی بچی کو گود میں لئے آٹے میں جھپا جھپ ٹکیاں لگا رہی ہے۔

منشی جی (کھانستے ہوئے) ارے بی نو تو بج چکے کچہری کا وقت ہوگیا اب کھانا کتنی دیر میں دوگی؟"

(گود کی بچی رونے لگتی ہے)

جمیلہ: "تم نے تو مجھے مشین سمجھ لیا ہے۔ (بچی کو جھٹک کر) ان کمبختوں نے الگ رو رو کر جان آفت میں کر رکھی ہے۔ اللہ پاک کو بھی ساری روحیں ہمارے لئے اُتارنی تھیں"۔

ایک بچہ: "اماں بھوت لد رہی ہے"

جمیلہ: "ہاں بھائی ہاں، بھوک کا ہی علاج کر رہی ہوں ذرا صبر تو کرو"۔

دوسرا بچہ: "اماں بس میں تو جا رہا ہوں۔ دیر ہو جائے گی تو ماسٹر جی ماریں گے"۔

جمیلہ: "ارے بیٹا بھوکا مت جا۔ پہلی روٹی تجھ کو ہی دوں گی۔ لے ذرا بہن کو بہلا لے، ابھی روٹی اتارتی ہوں"۔

وہی بچہ: "نہیں بی یہ ہم سے نہیں بہلے گی۔ ہمارے تو اسکول کا وقت ہے"۔

منشی جی۔ (ذرا بلند آواز سے) ارے بی روٹی ڈال لی ہو تو آجاؤں؟

جمیلہ۔ توبہ ہے، تم نے تو بچوں کو بھی مات کر دیا۔ کہہ تو دیا کہ پکا رہی ہوں۔ پکاتے ہی بلاؤں گی۔ توے پر تو بیٹھنے سے رہی"

ایک دو سالہ بچہ۔ "اماں ہپا! اماں ہپا" کہتا ہوا باورچی خانہ کی طرف آتا ہے۔ انگنائی میں کیچڑ ہو رہی ہے پاؤں پھسلتا ہے تو اوندھے منھ لوٹے پر جا کے پڑتا ہے منھ سے خون کی نلی جاری ہو جاتی ہے

جمیلہ: "اے ہے میرا بچہ" کہتی ہوئی دوڑتی ہے توے پر

روٹی۔ گود میں بچی۔ دوپٹہ جو چولھے پر سے گھسٹا تو آنچل میں آگ لگ جاتی ہے سامنے خون میں تر بہ تر بچہ۔ دوپٹہ بھڑ بھڑ کرکے جلتا ہے۔ خیر یہ ہوتی ہے کہ منشی جی حقہ پھینک پھانک لپک کر آئے۔ اور جلتے ہوئے دوپٹہ کو گھسیٹ کر دور پھینک دیتے ہیں۔ غریب جمیلہ کی ایک کلائی خاصی جل جاتی ہے۔

منشی جی۔ جلی ہوئی کلائی پر تیل اور چونہ لگاتے ہوئے فرماتے ہیں "دیکھو بی۔ ابھی تم چولھے کے پاس مت جاؤ کونڈا تو بھاری ہے، طباق میں آٹا پلٹ کر مجھے دو، میں تندور پر پکوائے لاتا ہوں"۔

آمنہ نازلی

صفحہ ۲۸۳ کا باقی مضمون

زلزلہ۔ جب یہ گولہ زمین کے اندر گھس کر پھٹتا ہے تو زلزلہ پیدا کرتا ہے۔ یہ معمولی نہیں ہوتا۔ یہ نم زمین میں ۴۰ فٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سے مکانات منہدم ہو جاتے ہیں۔ انسان زمین پر اس زور سے گر پڑتا ہے، گویا کسی دیو نے جھنجوڑ کر زمین پر دے مارا۔ اکثر موتیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اس کا اثر اکثر پھیپھڑوں پر بھی بہت برا پڑتا ہے

آگ ۔ میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس سے جو گیس نکلتی ہے، وہ بہت گرم ہوتی ہے۔ جس سے آس پاس آگ لگ جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ لیکن آگ زیادہ تر اگن گولے یعنی آگ لگانے والے گولوں سے لگتی ہے۔

اوپر کی تمام باتیں ہائی ایکس پلوسیو بم میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے بم ہوتے ہیں

خورشید جہاں بیگم۔ دیوریا

صفحہ ۲۸۶ کا باقی مضمون

کا موقع دیا۔ عرصہ زندگی ہی کو بہترین صورت سے گذارنے کا حیلہ دنیا میں سرخروئی اور عاقبت میں بہشت حور اور قصور ہیں۔

اور اسی زندگی کو رات دن ناشکر گذاری اور رو رو کر گذارنے کی سزا یہ ملتی ہے کہ دنیا میں کسی کروٹ چین نہیں ملتا۔ ہر کام سے دل برداشتہ، قناعت پسندی سے بیر۔ خدا سے لڑائی کرنا تو ممکن نہیں اور نہ کسی قسم کی مقاومت کا موقع ہے۔ سوائے اس کے کہ ہر بات میں نان کواپریشن کرکے اعتراض اور قدرت کے نقائص پر اظہار ناراضگی کرکے زندگی کو اور بھی عذاب جان بنالیں اور پھر ناشکروں کی لسٹ میں نام لکھا کر موردِ عتاب خداوندی ہوں

ہمیں اس مسئلہ پر گاندھی جی کی عدم تشدد اور passive resistance والی پالیسی نہایت موزوں نظر آتی ہے۔ بالخصوص جب کہ حیات بعد الموت کے منظر پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ پڑ جاتی ہے تو یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہمیں اس وقت ناگوار ہے، وہ بعد از موت بھی ناگوار ہی محسوس ہوگا۔ پھر کیوں نہ اس مزرعۂ آخرت میں شیریں فصل تیار کرنے کی کوشش کریں۔

مر کر بھی اگر یہی دنیاوی جھنجٹیں گلے کا ہار رہیں، تو پھر جہاں تک ممکن ہو مرنے کے پیشتر ہی زندگی کو سہل بنا لینا چاہئے۔ اور آ ہندہ کے لئے راہ اس قدر بے خطر اور صاف کر لیجئے کہ کوئی دشواری حائل نہ ہو۔

سچ ہے ؎

موت اک زندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

جمیلہ بیگم۔ کلکتہ

کارآمد زندگی بنائیے

انسان اپنی اس چندروزہ زندگی میں کس قدر مگن، کتنا بے پروا، اور کیسا فرعون بے سامان بنا پھرتا ہے۔ اسے گویا بھولے سے بھی یہ دھیان نہیں آتا کہ یہ عالم چندروزہ ہے۔ اور وہ یہاں اپنی دوامی زندگی کے سامان مہیا کرنے اور بہترین توشۂ آخرت تیار کرنے کو بھیجا گیا ہے۔ وہ مختار کل نہیں، بلکہ مجبور محض ہے۔ دنیا میں ہر قسم کی نعمتیں موجود ہیں۔ مگر اس سے لطف اندوز وہی ہوسکتا ہے، جس کو قسام ازل نے اس کا اہل بنایا ہے۔ اب اس کو قدرت کی بے انصافی کہئے یا غیر منصفانہ تقسیم۔ مگر ہمیشہ صورت حال یہی دیکھنے میں آئی ہے کہ کسی کو چھپّر پھاڑ کر لاکھوں کا لال بنایا ہے، تو کوئی نان شبینہ کو محتاج، قدرت کی اس ستم ظریفی کو سمجھنے کی عام لوگوں میں صلاحیت کہاں؟ کبھی ہم دنیا کی بے پایاں وسعت میں دولت و ثروت وجاہ اور حشمت کی فراوانیاں دیکھتے ہیں، تو کبھی اس اتھاہ سمندر میں غربت کی بھیانک اور دردناک زندہ اور جیتی جاگتی تصویریں۔ ان کی جیون نیّا ہولناک طوفانی سمندر میں چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا آخر میں ہمیشہ کے لئے غرقاب ہوجاتی ہیں، آخر اس دورنگی کی وجہ؟ ہماری سمجھ میں تو آتی نہیں۔ البتہ یہ خیال ذرا تسلی بخش ہے کہ زندگی مزرعۂ آخرت ہے۔ جو یہاں بوئیں گے وہ وہاں کاٹیں گے۔ بقول غالب ؎ ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

اگر یہ سہارا نہ ہوتا تو انسان زندگی کی آگ دردسے گھبرا کر نہ جانے کیا کر بیٹھتا۔ اگر یہ مآل اندیشی نہ ہوتی تو دنیا میں لوٹ مار اور ناحق شناسی کی گرم بازاری رہتی۔ آپ فرمائیں گے کہ اس وقت کیا کم ہے؟ مگر میں کہوں گی کہ پھر بھی جنّت کے روپہلی سنہری محلوں اور حور و غلمان کے وعدوں کے خیال سے بہت لوگ۔ ہاں بہت سے سادہ لوح لوگ برائیوں سے احتراز کرتے ہیں او تقسیم دولت اور تقسیم عمل کے نقائص سے چشم پوشی کرتے ہوئے قناعت پذیر ہیں۔

اگر کہئے کہ دنیا میں آنے سے پیشتر وہ کونسا گناہ ہم سے سرزد ہوا تھا، جو سر مُنڈاتے ہی اولے پڑے۔ اور اللہ میاں نے اس قدر معتوب فرمایا کہ باپ ماں، مال اور دولت سب چھین لیا۔ اور ہم دوسروں کے سہارے پلے اور بڑھے یا اگر اس قدر بیکسی بھی حائل نہ ہوئی، تو کم از کم ایسے فلاکت زدہ گھرانے میں پیدا ہوئے کہ دو وقت کھانے کو محتاجی ہمیشہ رہی۔ تعلیم اور تربیت کا کالو نام ہی نہیں۔ ایسا موقعہ مل بھی گیا تو بے روزگاری کے شکار رہے۔ لمبی چوڑی ڈگریاں تحصیل علوم کی سندات موجود ہیں، مگر کمائی اور خوشحالی کی صورت نہیں بن آتی۔ عالم فاضل ہیں مگر محتاج۔

اگر مآل عاقبت اندیشی سے قطع نظر کیجئے تو بھی زندگی کو قابل گذر اور خوش گوار بنانے ہی میں نفع ہے۔ چاہے ماحول کیسا ہی دل شکن اور تکلیف دہ کیوں نہ ہو۔ اگر ہم دنیا میں اس چندروزہ زندگی کو کارآمد اور سودمند بنانے میں کامیاب ہوجائیں تو ہمارا مشن پورا ہوگیا۔ زندگی کو تاریک شبستان کا شمع بنا کر سراج ہدایت ثابت کرنا چاہئے دنیا میں فطرت کی تخلیق کا مقصد رہا ہے اور انسان جو اشرف المخلوقات ہے، اس سے ہی نظام عالم کی تمام اہم ترین کارگذاریاں وابستہ ہیں اور تمام دنیا کی رنگینیاں قائم ہیں۔ وہ مرکر بھی اپنی خدمات کی روشن یادگاریں چھوڑ جاتا ہے۔ اور نیکنامی کی وجہ سے دوامی شہرتوں کا مالک بن کر روحانی حیثیت سے زندہ رہتا ہے اس کا خاکی جسم مٹی میں مل جاتا ہے۔ لیکن اس کے کارنامے تاقیامت زندہ رہتے ہیں۔ اگر زندگی کی بہار وہ نہ دیکھتے تو ایجادات و اختراعات کے مالک کیوں کر بنتے۔ زندگی ہی انہیں شاہراہ کامرانی پہ لے گئی۔ زندگی ہی نے انہیں اپنے جوہر دکھانے

مجھے جن چیزوں سے نفرت ہے

مجھے جن جن چیزوں سے نفرت ہے، ان میں ٹیلیفون کا نمبر سب سے اول ہے۔ کیونکہ اس لئے کہ بیسویں صدی کی تمام ایجادات میں اس کو سب سے زیادہ دشمنِ سکون و اطمینان پاتی ہوں اس کا صبح سے شام تک ٹن ٹن بجنا میرے تمام کاموں میں جس قدر مخل ہوتا ہے، اور میرے وقت کو جس قدر برباد کرتا ہے، وہ بس میں ہی جانتی ہوں۔ مزہ تو یہ ہے کہ اس سے نجات کی بھی کوئی صورت نہیں۔ آپ کسی کے ہاں جانا چاہیں تو آپ کے اختیار میں ہے کہ نہ جائیں۔ یا کسی کو نہ بلانا چاہیں تو نہ بلائیں، لیکن ہن بلائے جان کی بدولت صبح سے شام تک درجنوں آدمیوں سے آپ کو باتیں کرنی پڑتی ہیں۔ حالانکہ اس وقت آپ کا دل مطلق نہیں چاہتا، کیونکہ ٹیلیفون کی گھنٹی سے تو آپ یہ جان نہیں سکیں کہ یہ کوئی ضروری ٹیلیفون ہے یا کوئی شخص صرف آپ کے وقت کا خون کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے آپ کو طوعاً و کرہاً ریسیور اٹھا کر ہیلو کہنا ہی پڑتا ہے۔ اور آپ ایسی گرفتار ہو جاتی ہیں کہ جس سے نجات پانا مشکل ہو جاتا ہے۔

فون کے ہاتھوں انسان بالکل ہی بے دست و پا ہے۔ اگر کوئی رقعہ لکھ کر آپ کو بلائے تو آپ بآسانی کوئی عذر کر کے انکار کر سکتی ہیں۔ لیکن فون پر جب ایک نادر شاہی آواز آپ سے پوچھتی ہے کہ آپ ۷، ۲ کو فارغ ہیں نا، تو بے ساختہ آپ کے منھ سے نکل جاتا ہے "جی" لیکن فون پر جھوٹ بولنا مجھ کو تو کم سے کم بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ میرے ٹیلیفون سے نفرت کی ہے اگر میں فون پر جھوٹ بول سکتی تو مجھ کو اتنی نفرت اس کمبخت چیز سے نہ ہوتی لیکن میں روزانہ جھوٹ بول کر ایسی دعوتوں سے نجات حاصل نہیں کر سکتی جن میں جانا نہیں چاہتی۔ کیونکہ میرے لئے سچائی کے امتحان کا ایک آلہ ہے، اور جھوٹ کی دنیا میں یہ سچائی کا آلہ کس کو پسند آ سکتا ہے۔

لیکن صرف یہی وجہ میرے ٹیلیفون سے نفرت کی نہیں ہے اور بھی بہت سے وجوہ ہیں جن میں ایک تو یہ کہ جس وقت گھر میں بچے چلا رہے ہوں گے اس وقت ٹیلیفون کی گھنٹی کا شور ان کی آوازوں کے ساتھ مل کر ایک تکلیف دہ فضا پیدا کر دیتا ہے یا جس وقت میں کسی مدت کی بچھڑی ہوئی سہیلی کا خیر مقدم کرتی ہوں، تو ہماری دلچسپ گفتگو میں فون بیچ بیچ کر میری جان کھا جاتا ہے۔ اور بالعموم یہ اس وقت فون ہوتا ہے کسی انجمن کے سکریٹری کی طرف سے جسے میری غیر حاضری، سرد مہری عدم تعاون کی شکایت ہوتی ہے۔ یا ان کا فون ہوتا ہے جنہیں اپنی خوش آوازی پر فخر ہوتا ہے۔ اکثر فون کرنے والے نمبر بھی غلط کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے مجھے بہت ڈانٹ کر دریافت کیا جاتا ہے کہ میں نے وہ پونڈ چینی اور دو ڈبے سگریٹ اب تک کیوں نہیں بھیجے۔

ایسے غلط نمبر میرے ہی ہاں کثرت سے آتے ہیں، یا آپ سب بھی اس کی شکار ہیں۔ لیکن میرے یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ ہر چوتھا نمبر غلط ہوتا ہے اور ۱۱ بجے رات کے بعد جو ٹیلیفون ہوتا ہے وہ ہمیشہ غلط نمبر ہی ہوتا ہے اس وقت میں اپنے گرم بستر میں لیٹی ہوئی فون کی جو گھنٹی سنتی ہوں تو یقین کر لیتی ہوں کہ یہ غلط نمبر ہے۔ ایسے وقت میں بھی اس نادر شاہی طلب کو ٹال نہیں سکتی، کیونکہ خواہ مخواہ یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید کوئی ضروری بات ہو۔ اگرچہ پچاسوں دفعہ تجربہ ہو چکا ہے لیکن پھر بھی اٹھنا پڑتا ہے۔

فون میں ایک اور صفت بھی ہے وہ یہ کہ اس کی بدولت دوستوں کے دلوں میں آپ کی طرف سے بدگمانی اور غلط فہمی بھی پیدا

ہو جاتی ہے۔ فون لینے کے بارے میں نوکر نہایت ہی احمق واقع ہوئے ہیں۔ میں گھر پر ہوتی ہوں اور جب تک فون پر پہنچوں چپراسی نہایت دلوق کے ساتھ کہہ دیتا ہے کہ وہ باہر ہیں جب میری سہیلیاں بار بار سنتی ہیں کہ میں باہر ہوں تو ان کو یہ شکایت پیدا ہو جاتی ہے
میں جب کبھی بیمار ہو جاتی ہوں اور اکثر ملنے والیاں پتہ مزاج پرسی کے لئے ٹیلیفون کرتی ہیں تو اُن کو جواب دیا جاتا ہے کہ میں باہر ہوں، حالانکہ اس وقت میں بستر میں پڑی ہوئی کراہ رہی ہوتی ہوں میں ان نوکروں کو ہتیرا کہتی ہوں کہ ارے کمبخت کہہ دے اس وقت طبیعت اچھی نہیں ہے، آپ اپنا نمبر دے دیں۔ بیگم صاحبہ پھر آپ کو فون کریں گی۔ لیکن کوئی سنتا تک نہیں چنانچہ میری ایک علالت کے بعد چاروں طرف سے شکایتوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی، تو میں نے نوکروں سے بہت سر مارا کہ خدا کے لئے یہ نہ کہا کرو کہ میں باہر ہوں، بلکہ جس وجہ سے فون پر نہ آسکتی ہوں وہ بتا دیا کرو۔ اس کے بعد یہ ہو گیا کہ صبح فون آئے چاہے شام، دوپہر کو یا دس بجے دن نوکر جواب دیتے تھے کہ سو رہی ہیں، یا نہا رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ لوگوں نے اس کو سفید جھوٹ سمجھا کیونکہ صبح سے شام تک نہ کوئی سو سکتا ہے اور نہ نہا سکتا ہے

کہتے ہیں کہ فون کی وجہ سے بہت سی آسانیاں بھی ہیں، مثلاً خط لکھنے کی زحمت، کاغذ قلم دوات کے خرچ اور وقت کے ضائع ہونے کی بچت ہو جاتی ہے۔ اور ٹیلی فون پر ایک دو منٹ میں تمام معاملات طے ہو جاتے ہیں۔ میرا اپنا تجربہ تو یہ ہے کہ اس صورت سے جتنا وقت بھی صرف ہو برباد ہوتا ہے۔ اگر فون نہ ہو تو دو گھنٹہ میں رقعہ لکھ کر بھیج دیا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ فون گھر پر ہے اس کے ذریعہ دعوت یا جو کچھ پیام دینا ہو دینے کو دل چاہتا ہے۔ شاید ایسے خوش قسمت انسان بھی ہوں، جن کو پہلی کوشش میں نمبر مل جاتا ہو۔ ہمیں تو یہ کبھی نصیب نہیں ہوا۔ ہمیشہ پہلے تین دفعہ تو انگیج سگنل ملتا ہے۔ اس کے باوجود میرے صحیح ڈائل کرنے کے غلط نمبر۔ اس کے بعد انکوائری کو رنگ کر کے شکایت کرنے میں دس منٹ صرف ہوتے ہیں کیونکہ خود انکوائری انگیج ہوتے یا کسی اور وجہ سے نہیں ملتا۔ اس کے بعد مطلوب نمبر ملتا ہے تو بیگم صاحبہ گھر پر نہیں ہوتی ہیں اور نوکر کو اپنا نام اور نمبر سمجھانے میں کئی اوس بھیجا کھلانا پڑتا ہے۔ اس کے بعد بھی یا تو اس کی سمجھ میں آپ کا نام نمبر نہیں آتا اور ان کے فون کے انتظار کے بعد دوبارہ پھر اپنی کوششوں کے بعد آپ اُن کو فون کرتی ہیں۔ یا نوکر نے بڑا کمال کیا اور آپ کا ٹھیک نمبر اپنی مالکہ کو بتا دیا، تو انہوں نے فون کر لیا لیکن وقت پر آپ باہر ہونگی یا مشغول، آپ کے نوکر اگر نمبر سمجھ گئے تو آپ کو اطلاع ہو گئی۔ ورنہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ انہوں نے فون کیا تھا کتنی دوستیاں اسی بنا پر ختم ہو گئیں کہ ہم نے فون کر کے چھوڑا تھا لیکن تم نے ہوئے سے بھی فون نہ کیا۔ غرض ان وجوہ سے مجھے ٹیلیفون سے نفرت ہے۔ اس کی گھنٹی سن کر لرز جاتی ہوں۔ اس کی ٹن ٹن مجھے بم کے دھماکے سے زیادہ ناگوار گزرتی ہے اسکا موقع بے موقع بجنا زہر لگتا ہے۔ اس لئے میں بیسویں صدی کی اس ایجاد کو زیادہ سے زیادہ نفرت کی نظر سے دیکھتی ہوں میں ٹیلیفون کو سکون اطمینان اور گھر کی زندگی کے تخلیہ کا سب سے بڑا دشمن سمجھتی ہوں جس کی بدولت خانگی زندگی کا کوئی لمحہ بھی آرام سے نہیں گذرتا۔ لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزوں سے مجھ کو نفرت ہے مثلاً بیجا اصرار سے خواہ مخواہ دعوتوں سے۔ ذرا سی ملاقات پر بہت زیادہ بے تکلفی سے۔ اچانک نازل ہونیوالے ملاقاتیوں سے، یہ سب چیزیں انفرادی آزادی اور گھریلو زندگی کے اطمینان کی دشمن ہیں مگر میں کہیں جانا نہیں چاہتی، یا ایک کام کرنا نہیں چاہتی تو کسی کو مجھے مجبور کرنے کا حق نہیں، اصرار یا جبر انفرادی آزادی کا سب سے بڑا دشمن ہے جو لوگ آپ کے وقت یا توجہ یا محبت کے اس بنا پر طالب ہوتے ہیں کہ اُن کے خیال میں آپ پر ان کا کسی طرح کا حق ہے وہ انسانی تعلقات کے راز کو سمجھتے ہی نہیں۔ مختصر یہ کہ مجھے ہر ایسی چیز سے نفرت ہے، جو میری انفرادی آزادی میں کسی طرح سے مخل ہو۔

شائستہ اختر سہروردی

(باجازت آل انڈیا ریڈیو دہلی)

عورتوں کی جنگی خدمات

یورپ کی گذشتہ جنگ میں انگلستان کو جو کامیابی حاصل ہوئی تھی اس کا ایک خاص سبب یہ بھی بتایا گیا تھا کہ وہاں کی عورتوں نے وہ تمام کام اپنے ذمے لے لئے تھے جو اندرون ملک مردوں کے ہاتھوں سے انجام پایا کرتے تھے۔ اس طرح گویا انگلستان کے ہر عمر کے مرد بوڑھے تھے یا نوجوان مصروف جنگ ہو سکے تھے۔ لیکن یہ ہرگز ممکن نہ ہوتا۔ اگر مردوں کی ہر قسم کی محنت و مشقت کا بار عورتوں پر نہ ڈالا جاتا۔ موجودہ لڑائی میں تو یورپ کی عورتیں اس زمانہ سے بھی کچھ زیادہ لڑائی کے کام کاج میں اپنے مردوں کا ہاتھ بٹا رہی ہیں بلا مغرب تو مغرب، مشرق میں چین، جاپان جیسی زبردست طاقت کا چار پانچ سال سے خوب مقابلہ کر رہا ہے۔ تو یہ بھی وہاں کی جری اور دلیر عورتوں کی بدولت ہے۔ لین یوٹانگ ایک چینی مصنف لکھتا ہے کہ ہمارے ملک میں عورتوں کی اصلاحی حالت اس حد تک تکمیل پا چکی ہے کہ جو شخص آج سے دس برس پہلے چین میں رہا ہو، وہ اگر لوٹ کر یہاں آئے تو دیکھیگا کہ چینی عورتوں کی دنیا میں گویا ایک انقلاب سا برپا ہو گیا ہے۔ چنانچہ پردہ اور مردوں سے ناواجب حجاب تو نام کو بھی باقی نہیں رہا۔ عام طور پر یہ معلوم ہے کہ صرف جاپان ہی مغربی ملکوں کی تقلید کر کے بہت کچھ بدل چکا ہے۔ حالانکہ اس آزادی کی رو میں، چین بھی کچھ اس سے کم نہیں رہا۔ مثلاً عورتیں ہر جگہ مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہیں، اور حکومت کا کوئی محکمہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں چینی عورتوں سے کام نہ لیا جاتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں ابتدا سے لے کر آخر تک لڑکے اور لڑکیوں کو ایک ساتھ اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔ ملک ۲۷-۱۹۲۶ء میں جو ایک بہت بڑا انقلاب چین میں واقع ہوا تھا، وہ اس ملک کی ایک ساتھ تعلیم پانے والی لڑکیوں اور اور لڑکوں ہی نے برپا کیا تھا۔ اس انقلاب میں زیادہ تر ان لڑکیوں نے حصہ لیا تھا جو روس کے ایک خاص انقلابی گروہ یعنی کمیونسٹ پارٹی کے زیر اثر تھیں۔ یہ چینی لڑکیاں اور عورتیں اس وقت اپنے ہمراہی مردوں کے لئے فقط نرسیں یا دوسرے معمولی گھریلو کام کرنے ہی پر متعین نہیں کی گئی تھیں، بلکہ سامان جنگ لیکر لڑائی کے میدان میں کود پڑی تھیں۔ اور یہ اس وقت سے لیکر اب تک اپنے ملک کی آزادی اور عصمت کو قائم اور برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اس سے وہ لوگ جو قوم کے بزرگ اور پیشوا کہلاتے تھے اور جن کے ہاتھوں میں مذہب اور ملکی قوانین کی باگ تھی وہ اس قدر متاثر ہوئے اور بالآخر مجبور ہوئے اور مان لیا کہ عورت اور مرد میں آئندہ کوئی فرق یا امتیاز باقی نہ رکھا جائے۔ اور حقوق وراثت میں لڑکیاں اور لڑکے یکساں حقدار ٹھیریں۔ ادھر سرکاری دفتروں میں چینی عورتیں مردوں کے برابر ملازمت میں حصہ پانے لگیں۔ حکومت نے لڑکوں اور لڑکیوں کے سکولوں اور کالجوں کو بھی باہم ملا کر ایک کر دیا۔ اب وہاں جیسے مرد ویسی ہی عورت اور جیسے لڑکا ویسی ہی لڑکی یعنی اپنی رزق آپ کماتی اور بہت آزادی سے رہتی سہتی ہے پھر چین میں اس خیال سے کہ لڑکیاں شادی کے بعد صاحب اولاد ہو کر اور مائیں بنکر سخت کمزور ہونے لگتی ہیں دوران تعلیم میں ان کی جسمانی ورزش کی طرف بھی خاص طور پر توجہ دی جاتی ہے خصوصاً دریا یا سمندر میں تیرنا اور تیراکی کا فن انہیں بہ نسبت لڑکوں کے زیادہ سکھایا جاتا ہے۔ تاکہ وہ بالکل صاف ستھرا رہنے کے علاوہ ایک بڑے مضبوط جسم کی مائیں بن سکیں۔ لیکن ہمارے ملک میں عورتوں اور لڑکیوں کی کیا حالت ہے ہوائے بر حال ما افسوس۔ اب اس پر مجھے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ رسالہ عصمت میں اس کے متعلق مضامین بکثرت شائع ہو چکے ہیں۔ تاہم جس ملک میں لڑکوں اور لڑکیوں کی مشترکہ تعلیم کا نام لیتے ہی بعض لوگ یہ کہہ

دیتے ہیں ؂

لڑکی وہ جو لڑکیوں میں کھیلے
نہ کہ لڑکوں میں ڈنڈ پیلے

اس ملک میں اصلاح نسواں کا ڈھول بجانا گویا بھینس کے سامنے بین بجانے کا مصداق ہے۔ لیکن موجودہ جنگ ہندوستان کے دروازہ پر داخل ہو چکی ہے۔ کیا اب بھی ہماری پردہ دار عورتیں اگر وقت پڑے تو اپنے مردوں کا ساتھ نہ دے سکیں گی۔ یا ان کی وہی نوبت ہوگی کہ جو ایام غدر میں اہل قلعے کی نازپروردہ بیگمات اور شہزادیوں کی ہوئی تھی جس کے خیال سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

شیر علی خاں سرخوش

ہمسایہ کے حقوق

ہمسایہ اگر طالبِ امداد ہو تجھ سے
ہر طرح مناسب ہے تو کر اس کی اعانت
افلاس کے باعث سے اگر قرض وہ مانگے
تو قرض بھی دے اس کو اگر پاس ہو دولت
پڑ جائے کبھی تجھ سے اگر اس کا کوئی کام
پورا اسے کر دینے میں کر حیل نہ حجت
حاصل ہو اسے بہتری کوئی تو اسی وقت
کہہ جا کے مبارک کہ بڑھے باہمی الفت
کر اپنی عمارت نہ بلند اس کے مکاں سے
جب تک کہ تجھے اس بات کی وہ دے نہ اجازت
ہو موجب تسکین و تسلی اسے غم میں
پڑ جائے وہ بیمار تو کر اس کی عیادت
مر جائے تو جا اس کے جنازے کے بھی ہمراہ
رہ جائے کبھی تجھ سے نہ یہ آخری خدمت

ابوالاعجاز آزل لاہور

(صفحہ ۲۹۱ کا بقیہ)

اور میں اب اس دنیا میں تنہا ہوں۔

ہاں تو سنو میں کچھ دیر کی مہمان ہوں اگر میں زندہ رہتی تو ان نوجوانوں سے انتقام لیتی، جن کی وجہ سے ہم لوگ تباہ و برباد ہو گئے جن کے حسیات بالکل مردہ ہو گئے ہیں جن کی رگ رگ میں۔ بزدلی اور پست ہمتی کا گندہ خون بھرا ہوا ہے جن کے دماغ میں طمع اور لالچ کے کیڑے گھس گئے ہیں، جو اپنی غیرت شرافت، شرم و اولوالعزمی اور خودداری کو چند ذلیل سکوں پر فروخت کر رہے ہیں، بیویوں کی دولت پر اپنی زندگی گذار دینا اپنی مسرت کا باعث سمجھتے ہیں۔ آہ ان نوجوانوں کو ذرا خیال نہیں کہ مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں اس مطالبے اور تلک کو بھی بہت دخل ہے، افسوس ان کی آنکھوں پر پردہ چھا گیا ہے۔

ہاں سلمہ! میرا وقت بالکل قریب ہے۔ اور ابھی تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔"

میں نے دیکھا کہ رابعہ کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا ہے، اور آواز بھی دھیمی ہوتی جا رہی ہے۔

"ہاں تو سنو! میں نے تم کو صرف اسی لئے بلایا ہے کہ تم میرے بعد ایسا جتھا ایسا گروہ تیار کرو کہ ان مغرور اور ننگ اسلاف نوجوانوں کی اچھی طرح سرکوبی کرے۔

سلمہ! ذرا سا پانی پلا دو۔" میں نے پانی لا کر دیا اور ابھی حلق کے اندر مشکل سے دو ہی گھونٹ اترے ہوں گے کہ اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کچھ کہا اور آنکھوں سے کچھ قطرے آنسوؤں کے نکلے اور وہ خاموش ہو گئی،

میں نے کئی مرتبہ رابعہ رابعہ پکارا لیکن وہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے رخصت ہو گئی تھی۔ میں بھی اس کی لاش سے لپٹ لپٹ کر روئی اور یہ تہیہ کر لیا کہ اس کا بدلہ خود بھی لوں گی اور غیرتمند انسانوں سے کہوں گی کہ وہ بھی اس کا بدلہ ان ظالم نوجوانوں سے لیں

ام خاتون - پہڑیوی

مطالبہ

رابعہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی حسن صورت و حسن سیرت خدا نے دونوں دیئے تھے تعلیمی حالت بھی بہترین تربیت کے لحاظ سے بھی دوسروں کے لئے رشک بنی ہوئی تھی۔ مگر مالی حالت بالکل ناقابل اطمینان تھی۔

میری اور اُس کی ملاقات بانکی پور میں ہوئی۔ جبکہ ابا جان کی بدلی وہاں ہوئی تھی اور مکان بھی اسی کی کروٹ میں تھا۔ میں اس کے یہاں جاتی وہ میرے یہاں آتی۔ رفتہ رفتہ ہم دونوں میں ایسی دوستی ہوگئی کہ ایک گھنٹہ بھی جدا رہنا ہمارے لئے ناقابل برداشت ہوگیا تھا۔ چار سال کے بعد ابا جان کی بدلی بھاگلپور ہوگئی۔ اور میں بھی دل پر ایک سنگ گراں رکھ کر رخصت ہوئی جدائی کا نظارہ یقیناً رقت انگیز تھا۔

کچھ دنوں تک تو خط و کتابت کا سلسلہ خوب رہا، لیکن رفتہ رفتہ کم ہوتے ہوتے بالکل غائب ہوگیا۔ یہ خاموشی میری طرف سے نہیں، رابعہ کی طرف سے تھی۔ میں نے اس کی خاموشی کے بعد بھی برابر خط بھیجا۔ لیکن ایک کا جواب بھی نہ آیا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ وہی رابعہ جو میرے لئے پریشان رہتی تھی اور اب وہی ہے کہ خط تک نہیں لکھتی۔ ایک مرتبہ کچھ خیال کر کے روپیہ بھی بھیجے۔ لیکن واپس آئے۔ میری حیرانی اور بھی بڑھتی جاتی تھی خیال آیا ممکن ہے مکان بدل لیا ہو لیکن پھر سوچتی تھی کہ مکان کی تبدیلی خط نہ لکھنے کا سبب کیسے ہوسکتی ہے۔ طرح طرح کے خیالات و توہمات پیدا ہوتے تھے عرصہ تک کچھ فیصلہ نہ کرسکی۔ چار سال کا عرصہ گذر گیا۔ لیکن اس طرف خاموشی اور میری حیرانی جاری تھی۔

سردی کا موسم تھا، دن کے بارہ بجے ہوں گے، میں رابعہ ہی کے متعلق کچھ سوچ رہی تھی کہ ابا جان کے اردلی نے مجھے ایک تار کا لفافہ لاکر دیا۔ میں نے فوراً چاک کر کے پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا "رابعہ مر رہی ہے جلد آؤ"

پھر نہ پوچھئے ایک سناٹا آگیا۔ پیر کے نیچے کی زمین نکل گئی۔ اور شام ہی کی گاڑی سے بڑے بھائی کے ساتھ بانکی پور روانہ ہوگئی نو بجے بانکی پور پہنچ گئی۔ اسٹیشن سے اتر اس کے گھر پہنچی۔ اور سیدھی رابعہ کے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں وہ ہوش ربا منظر دیکھا جو زندگی بھر نہ بھولے گا۔ رابعہ واقعی مر رہی تھی۔ مجھے یقین نہیں ہوتا تھا کہ یہ وہی رابعہ ہے جس کو چار سال قبل دیکھا تھا۔ بدن پر گوشت مطلق نہ تھا آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں، رنگ زرد پڑ گیا تھا نزع کا عالم تھا، لیکن اب بھی اس کا حسن ماضی کا پتہ دے رہا تھا۔

سلمہ! تمہارا بہت بہت شکریہ۔ اس نے رک رُک کر موٹی آواز میں کہا

میں بھی اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکی۔ آنکھیں ڈبڈبا آئیں دل چاہا کہ اس سے خوب لپٹ لپٹ کر روؤں، لیکن اس نے منع کیا۔ اور مجھے اطمینان سے بیٹھ جانے کا اشارہ کر کے کہنا شروع کیا۔

سلمہ! تم جانتی ہو کہ میرے والدین بہت غریب تھے۔ اور شاید میری ذاتی قابلیت کی وجہ سے میری زندگی ایسی ہستی سے وابستہ کردینا چاہتے تھے، جو میرے جوہر کی قدر کرے۔ اور میری زندگی خوشی کے ساتھ گذرے۔ لڑکوں کی تلاش شروع ہوئی، لیکن ہر جگہ سے طرح طرح کے مطالبوں نے والدین کے ہوش و حواس غائب کردیئے۔ کوئی ہزار دو ہزار روپیہ مانگتا کوئی روپیہ کے علاوہ سونے کے زیورات کا بھی مطالبہ کرتا۔ کوئی اپنی تعلیم کے لئے روپیہ کی خواہش ظاہر کرتا۔ غرضکہ یہی سلسلہ جاری تھا۔ ابا جان بھی بہت متفکر نظر آنے لگے۔ اور انہی تفکرات و تردوات کی وجہ سے کچھ عرصہ کے بعد ہمیشہ کے لئے مجھ سے رخصت ہوگئے۔ چھ سات دن ہوئے اماں کا بھی انتقال ہوگیا

(باقی دیکھئے صفحہ ۲۹۰ پر۔)

باپ کا خط بیٹی کے نام

پیاری بیٹی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ تمہارا خط پہنچا حالات معلوم ہوئے۔ یہ سن کر کہ ابھی تک تم پوری طرح اچھی نہیں ہوئیں، درد اکثر ہوتا رہتا ہے بہت افسوس ہوا۔ بیٹی ایک دفعہ لگ کر علاج کروالو۔ بیشک اچھی طرح علاج کروانے میں خرچ کافی ہوتا ہے۔ مگر بیٹی جان ہے تو جہان ہے۔ ایمان کے بعد صحت سب سے زیادہ مقدم ہے۔ اور باتوں میں کفایت شعاری کرنی پڑے گی۔ تم کو ہر مہینے کا بجٹ پیشگی بنالینا چاہئے۔ اور پھر جہاں تک ممکن ہو اسی پر چلنا چاہئے۔ تم کو بہت جلد معلوم ہوجائیگا کہ چھوٹی چھوٹی غیر ضروری چیزوں میں ہم لوگوں کا بہت خرچ ہوجاتا ہے۔ اردو کی مثل ہے کہ "اشرفیاں لٹیں اور کوئلوں پر مہر" یعنی اکثر ہم لوگ فضول باتوں میں روپیہ لٹا دیتے ہیں اور ضروری اور لازمی باتوں میں بخیلی کرتے ہیں اگر ہم بجٹ پہلے سے ہر مہینہ کا بنالیا کریں، تو ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ پھر ایسی عادت پڑجائے گی کہ جو بات ہم نے پہلے بجٹ میں پاس نہیں کی، اس پر ہم سے ایک پیسہ خرچ نہ ہوگا۔ تم جانتی ہو کہ جب سے تم نے ہوش سنبھالا ہے میں برابر ہر مہینہ کا بجٹ بناتا رہا ہوں، اور آخر میں مہینے کا بجٹ بناتے وقت تم تینوں بچوں سے بھی مشورہ لے لیتا تھا

خرچ کی بڑی بڑی مدیں عام طور سے یہ ہوا کرتی ہیں (۱) مکان کا کرایہ (۲) کھانا پینا (۳) کپڑے (۴) پڑھائی اور تعلیم (اس میں اخبار رسالے اور کتابیں بھی شامل ہیں۔) (۵) ایندھن (چاہے اسے کھانے پینے میں شامل کرلو) (۶) روشنی (بجلی یا مٹی کا تیل) (۷) تفریح (پارٹیاں، سینما وغیرہ) (۸) سفر خرچ (۹) علاج (۱۰) انشورنس یعنی بیمہ (آج کل یہ لازمی ہوگیا ہے) (۱۱) ٹیکس وغیرہ (۱۲) جمع کرنا (۱۳) متفرقات (۱۴) نوکر چاکر۔ شاید میں اس وقت کچھ بھول گیا ہوں۔ پھر اس کے علاوہ ہر ایک اپنی ضروریات کے متعلق کم و بیش کرسکتا ہے۔ ہر ایک مد میں کسی نسبت سے خرچ کرنا چاہئے۔ یہ تم تجربہ سے خود ہی جان لوگی۔ فی الحال تم کو کرایہ نہیں دینا پڑتا۔ میری صلاح یہ ہے کہ کرایہ کے پندرہ روپیہ ماہوار تم برابر الگ جمع کرتی رہو۔ اور جب کبھی موقع ہو زمین خرید لینا۔ زمین میں اللہ نے بڑی برکت دی ہے۔

اگر ہر مہینہ بجٹ بنالیا کروگی تو کفایت شعاری خمیر میں پڑجائے گی۔ میں چالیس برس سے زیادہ سے بجٹ کے اصول پر عمل کرتا چلا آتا ہوں، اللہ کے فضل سے کبھی دھکا نہیں پڑا۔ تمام عمر میں صرف دو تین ہی دفعہ روپے کی کمی سے سخت تکلیف اٹھانی پڑی ہے، ورنہ مشکل سے مشکل زمانے میں بھی خاصہ گذارہ ہوگیا۔

جب دس برس پہلے میں ہندوستان واپس آیا۔ اس وقت تم بہت چھوٹی سی تھیں۔ مگر تم کو بہت سی باتیں یاد ہونگی فروری ۱۹۳۱ء کے آخر میں ہم لوگ ہندوستان پہنچے۔ لوگوں نے اپنے وعدے پورے نہیں کئے۔ جس کی وجہ سے کچھ عرصہ بڑی مشکل سے گذرا۔ اس سال بہت سخت گرمی پڑی تھی۔ تمہاری چھوٹی بہن صرف ایک سال اور دو مہینے کی تھی۔ وہ بیمار ہوگئی۔ تم سب کے لئے گرمی کا برداشت کرنا بڑا مشکل تھا۔ بمشکل شملہ جانے کا انتظام کیا پہلے کچھ عرصہ تو تمہارے ایک چچا کے ہاں رہے۔ پھر بعد کو اننڈیل میں ایک چھوٹا سا مکان الگ لے لیا۔ اس وقت نہ تم کو نہ تمہارے بھائی کو اور نہ تمہاری اناکو ایک لفظ اردو کا آتا تھا۔ انگریزی بھی تمہاری اماں گذارے کے لائق جانتی تھیں۔ مجھ کو شملہ چھوڑ کر نیچے آنا پڑا مشکل

تم سب کے لئے سو روپیہ ماہوار کا شملہ میں رہنے کے لئے انتظام کیا۔ اب میں حیرت کرتا ہوں کہ تم سب گذارہ کس طرح کرتے تھے۔ نہ تمہارے پاس کوئی نوکر تھا نہ ماما۔ بس تمہاری اماں تھیں اور تم تین بچے۔ زبان سے تم سب ناواقف، شاباش ہے تمہاری اماں پر کہ کس خوبی اور کفایت شعاری سے انتظام کیا۔

پھر کئی صاحبوں کی وعدہ خلافیوں کے بعد علیگڈھ میں بمشکل ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار پر جرمنی پڑھانے کی جگہ ملی گو اس لحاظ سے کہ روزانہ صرف ایک یا دو سبق پڑھانے پڑتے تھے یہ تنخواہ کافی تھی مگر ہم لوگوں کی ضروریات کے لئے بہت کم تھی، اللہ نے ہمیشہ اچھے مکان میں رکھا تھا، خراب مکان میں رہنا دوبھر معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے علیگڈھ میں پچاس روپیہ ماہوار کی کوٹھی لی۔ تنخواہ کٹ کٹا کر ایک سو پینتیس ہی روپیہ ملتی تھی، کرایہ کے پچاس روپیہ نکل کر پچاسی بچتے تھے۔ پھر چونکہ فرنیچر بالکل نہیں تھا بنوانا پڑا۔ اور بیس روپیہ کی قسطوں سے ادا ہوتا تھا باقی رہے پینسٹھ۔ ہندوستان کی آب وہوا کے مناسب کپڑے بنوانے پڑتے تھے۔ دس روپیہ ماہوار اس کی قسط کے بھی جاتے تھے۔ رہ گئے پچپن۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ کس قدر مشکل سے گذارا ہوتا ہوگا۔ مگر تمہاری اماں کی کفایت شعاری اور انتظام کی خوبی سے یہ حال تھا کہ جب ساڑھے بارہ سو روپئے ماہوار کی تنخواہ پانے والے جرمنی یہودی پروفیسر کی بیوی تمہاری اماں سے ملیں تو یہ کہا کہ جب میں نے پہلی دفعہ زینب اور عبدالرحمان کو مدرسے جاتے دیکھا تو کپڑوں کی عمدگی اور ذوق دیکھ کر فوراً یہ خیال ہوا کہ ہو نہ ہو یہ مسز خیری کے بچے ہوں گے۔ اور جب اس کے بعد ہم کو بعض سخت مجبوریوں کی وجہ سے سوئمنگ باتھ (تیراکی کے حوض) کے پچھلے دو کمروں میں کچھ عرصہ رہنا پڑا تو ایک دوسرے جرمنی یہودی پروفیسر کی بیوی نے کہا کہ میں سچ سچ کہتی ہوں کہ مسز خیری کا گھر بعض ہزار روپیہ تنخواہ پانے والے پروفیسروں کے گھروں سے زیادہ سلیقہ کا ہے اور جب ایک آسٹریا کے بیرن (نواب) وہیں آئے تو ہمارے چھوٹے سے کمرے کو دیکھ کر عش عش کرنے لگے۔ کہ واہ واہ کیا ذوق ہے، الف لیلہ اور یورپ کا کیا جوڑ ملایا ہے۔ بیٹی یہ پیسے کا کھیل نہیں تھا محض ترتیب انتظام اور سوچ کر کام کرنے کا نتیجہ تھا۔

پھر بعد کو فرانسیسی پڑھانے کا کام بھی مل گیا۔ اور تنخواہ ڈیڑھ سو سے ڈھائی سو کی ہوگئی خرچ میں ذرا آسانی ہوگئی علی گڈھ میں سب سے پہلے ہم نے نئی وضع کا سادہ فرنیچر بنوایا جس کی نہ صرف علیگڈھ کے یورپین لوگوں نے نقل کی۔ بلکہ دلی کے ایک آدھ یورپین نے بھی نقل کی۔ دو تین سال علیگڈھ میں سخت گرمی میں گذارے تھے۔

آخر ایک دفعہ مسوری میں گذارنے کی صلاح ہوئی۔ تم بچے اور تمہاری اماں مئی سے دسمبر تک مسوری میں رہے علیگڈھ کا مکان چھوڑ دیا۔ اس طرح جو خرچ پہلے علی گڈھ میں ہوتا تھا، اس سے زیادہ خرچ ماہوار مسوری میں کبھی نہیں ہوا۔ اس میں بھی بہت کچھ تمہاری اماں ہی کی کفایت شعاری اور جفاکشی کا حصہ تھا۔ مسوری میں چھ مہینے سے اوپر رہیں۔ مگر سودا خریدنے کھانے پکانے اور دوسرے کام کرنے کے لئے کوئی نوکر بھی نہ تھا، یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری تعریف نہیں کرتا۔ بیشک تم بھی اپنی اماں کا ہاتھ برابر بٹاتی رہیں۔ یہی تو میرا سارا مطلب ہے کہ تم نے اپنی اماں کو دیکھا ہے کہ وہ گھر کا سارا کام کس جفاکشی اور سلیقہ سے کرتی تھیں۔ جو تم نے بھی سیکھا ہے۔

اور پھر جب ہم نے ڈیڑھ ہزار روپیہ کی ایک زمین خریدی اور یونیورسٹی سے روپیہ قرض لے کر ایک مکان بنایا تو پھر خرچ کی تنگی ہونے لگی۔ تم جانتی ہو کہ ہماری نظر بندی سے پہلے تین سال تم سب نے کس قدر جفاکشی سے کاٹے ہیں تنخواہ تو ڈھائی سو تھی مگر ملتے سب کٹ کٹا کر کوئی دو سو تیس ہی روپیہ تھے۔

اس میں سے ۴۰ روپیہ ماہوار زمین کی قسطوں میں ادا ہوتا۔ اور ۶۵ روپیہ ماہوار یونیورسٹی کو قرضے کا اور قریباً بیس روپیہ ماہوار

یونیورسٹی کو قرضہ پر سود کا۔ یہ کل ہوئے ۱۲۵ اور دس پندرہ روپیہ ماہوار اینٹوں کے بھٹے والے یا لوہے اور سیمنٹ والے کو دئیے جاتے تھے۔ کوئی نوّے اور سو روپے کے بیچ میں باقی خرچ کرنے کے لئے رہجاتے تھے۔ مگر آبادی سے دور مکان ہونے کے سبب اور مکان میں باغ کی وجہ سے باورچی مالی اور بھنگی تین نوکر رکھنے پڑتے تھے اُن کی سب کی تنخواہ کوئی پچیس روپیہ ماہوار ہوتی تھی۔ خرچ کرنے کو فقط ۷۰ کے قریب بچتے تھے۔ تم بچے اب بڑے ہو گئے تھے۔ تمہارے لئے اب بڑے بڑے کپڑوں کی ضرورت تھی۔ اور تمہارے بھائی کے لئے بھی، تم تینوں کی فیسیں زیادہ ہو گئی تھیں، کتابوں اور کاپیوں کا خرچ بھی بہت ہوتا تھا۔ تم کو معلوم ہے کہ کس مشکل اور جفاکشی سے تمہاری اماں نے گزارا کیا ہے۔ مگر تم کو یہ ماننا پڑے گا کہ تمہارے اور تمہاری بہن اور تمہارے بھائی کے کپڑے تراش میں اور ذوق میں یونیورسٹی کے کسی ہزاری پروفیسر کے بچوں سے بُرے نہ تھے۔ بلکہ اللہ کے فضل سے کوئی بھی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

بیٹی یہ سب باتیں میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ تم ان کو یاد کرو۔ اور ان سے سبق حاصل کرو۔ انسان کا حافظہ بہت کمزور اور خراب ہوتا ہے۔ وہ یہ سب باتیں بھول جاتا ہے اور فقط موجودہ زمانے اور مستقبل کا خیال کرتا ہے۔ اگر انسان گذرے ہوئے زمانہ کی تفصیل کو یاد رکھے تو آیندہ زندگی بسر کرنے میں اُس کو بہت مدد ملے۔ پُرانے زمانے کی مشکلات کو آدمی بالکل بھول جاتا ہے۔ فقط ایک تصویر سی ذہن میں رہجاتی ہے اور بیٹی تصویر میں نہ تو گرمی ہوتی ہے نہ لو۔ نہ خاک۔ نہ کیچڑ۔ نہ سردی۔ اس لئے تصویر ہمیشہ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور آدمی کیا تمام انسانیت پچھلے زمانہ کو ہمیشہ بہت اچھا سمجھتی ہے۔

بیٹی یاد رکھو کہ تم اسی ماں کی بیٹی ہو جس نے بڑی محنت اور جفاکشی سے اور نہایت کفایت شعاری سے گھر چلایا اور تم بچوں کو ذرا بھی تکلیف نہ ہونے دی اور نہ تمکو دوسروں کے مقابلہ میں کبھی شرمندہ ہونا پڑا۔ اور تم سے میں اپنی کیا تعریف کروں ان سب باتوں میں میرا کیا حصہ ہے۔ اس خط سے میرا مقصد کسی کی تعریف یا بُرائی نہیں ہے۔ صرف تمہارے آگے جیتی جاگتی مثال پیش کرنا ہے۔ تاکہ تم جہاں تک ہو سکے پیروی کرو۔ تمہاری اماں میں اور مجھ میں عیب بھی ہیں خامیاں بھی ہیں کمزوریاں بھی ہیں جن کو تم بھی جانتی ہوگی۔ اُن کی پیروی اور نقل کرنا درست نہ ہوگا۔

اس ہفتہ تمہارے بھائی کا بھی خط آیا جس میں اُس نے تمہاری تعریف لکھی ہے کہ تم نے اس کے لئے لحاف بنوا دیا۔

تمہاری چھوٹی بہن نینی کا بھی آج خط ملا جس میں ذکر ہے کہ سالگرہ پر اُس کو نظر بندی میں بھی کیا کیا تحفے ملے تم نے اور تمہارے میاں نے جو اُس کی سالگرہ پر اُس کو بھیجا ہے اُس پر وہ بہت ہی خوش ہے۔ اپنے میاں کو دعا۔ تمہاری طویل زندگی، تندرستی اور خوشی اور ایمانداری کا اللہ سے طالب

تمہارا چاہنے والا باپ

محمد عبد الستار الخیری

سائے!

لرزتے ہوئے سائے ہوا کی سرسراہٹ کے ساتھ مل کھا رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی غیر مرئی وادی کی روحیں آنکھ مچولی کھیل رہی ہوں یا منظر خواب کی دھندلی تصاویر کائنات کے دھندلے پردے پر کانپ رہی ہوں یا شاید آسمانی بلندیوں کے سیاہ بادل روش ہوا سے نیچے گر پڑے ہوں بے معنی طور پر محو طواف اور سیاہ بالوں کی طرح لہراتے سائے دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ جنات، ہیولان راستہ بھول کر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اپنے آپ سے بھڑکتے سائے دیکھ کر مجھے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ بوڑھی دنیا سے اپنے وجود کا راز پوچھنے کو بیتاب ہیں۔

محمودہ رضویہ۔ کراچی

سہاگ کا نشان

عصمت کے کسی پچھلے پرچہ میں محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ کے مضمون "نتھ اور بالیاں" پڑھنے کے بعد مجھے خیال ہوا کہ عنوان بالا پر کچھ عرض کروں، جیساکہ محترمہ موصوفہ نے بتایا ہے کہ شمالی ہند کی عورتوں میں نتھ کے استعمال کو اس زمانہ میں بھی لازمی حیثیت دیدی گئی ہے۔ اور شادی میں نکاح کے بعد فوراً دلہن کو نتھ چڑھانا لازمی ہوتا ہے" گویا یہ سہاگ کا ایک نشان ہے جس کی موجودگی لازم و ناگزیر ہے۔

اسی طرح جنوبی دکن میں "کالی پوت کا کچھا" اتنا ہی اہم ہے جس قدر کہ شمالی ہند میں "نتھ"۔

نکاح کے بعد ہی کالی پوت کا کچھا پہنایا جاتا ہے اور ہر ایک شوہر والی عورت کو ہمیشہ پہنے رہنا ضروری ہے کانچ کی چوڑیاں بھی حیدرآباد میں تقریباً یہی درجہ رکھتی ہیں۔ لڑکیوں کے علاوہ صرف شوہر والی عورتیں ہی اس کا استعمال کرسکتی ہیں۔ بلکہ ان کے لئے تو کانچ کی چوڑیاں بھی حیدرآباد میں تقریباً یہی درجہ رکھتی ہیں لڑکیوں کے علاوہ صرف شوہر والی عورتیں ہی اس کا استعمال کرسکتی ہیں۔ بلکہ ان کے لئے تو کانچ کی چوڑیوں کی موجودگی لازمی ہے۔ حیدرآباد میں بہت سے خاندان ایسے بھی آباد ہیں جن کے آباء اجداد بیرون ملک اور ہندوستان کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں میں اپنے اپنے یہاں کے رواج کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے کسی کے ہاں کالی پوت اتنی ضروری نہیں سمجھی جاتی، جتنی کہ نتھ۔ لیکن عام طور سے نتھ کا استعمال دکن میں مفقود سا ہے۔

آپ نے دیکھ لیا! صرف ہندوستان میں رسم و رواج میں ہر جگہ کتنا تفاوت ہے۔ کہیں نتھ کا درجہ لازمی اور کہیں سرے سے اس کا استعمال ہی نہیں، کہیں کالی پوت کی لڑیاں لازمی ہیں، اور کہیں اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر۔ اسی طرح ہندوستان میں اکثر مقامات پر کانچ کی چوڑیوں کا استعمال بہت کم ہوتا ہے۔ اکثر جگہ ان چوڑیوں کی کوئی وقعت ہی نہیں۔

حقیقت میں ہر قوم چاہے مسلمان ہو یا کوئی اور اس ماحول اور ان رسوم سے زیادہ متاثر ہوجاتی ہے جو اس کے اطراف اور قرب و جوار میں موجود ہوتی ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا استعمال اس علاقہ کے بسنے والوں کی اکثریت کی وجہ سے پایا جاتا ہے۔ وہاں کے دوسرے لوگ بھی اس سے اس قدر متاثر ہوتے اور ان چیزوں کے استعمال کے اس قدر عادی ہوجاتے ہیں، کہ اُسے اپنے لئے بھی لازمی قرار دے لیتے ہیں۔ بلکہ ان رائج شدہ چیزوں اور رسم و رواج کو احکام اسلام پر ترجیح دینے لگتی ہیں۔ اکثر بزرگ بیبیاں ان چیزوں کے استعمال کرنے اور کرانے میں زیادہ سخت ہیں۔ میں حیران ہوں جب کہ ان کی مذہبی معلومات و عقائد عموماً نوعمر لڑکیوں سے زیادہ وسیع و راسخ ہوتے ہیں تو پھر وہ شگون و توہم پرستی کو کس طرح روا رکھتی ہیں؟ وہ بات جو مذہب اسلام میں نہیں، نہ ہمیں کسی چیز سے نیک و بدشگون اخذ کرنے اور نہ تقلید کرنے کی اجازت ہے۔ تو پھر اس کی اس سختی سے پابندی کہاں تک جائز ہے؟

جس طرح نئی تہذیب کی دلدادہ لڑکیوں کے لئے یورپین معاشرت کی تقلید قابل اعتراض سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح بےجا تقلید چاہے کسی قوم کی ہو ہمارے لئے یکساں قابل اعتراض و لائق اصلاح ہے۔

ان چیزوں کو ہم شوقیہ استعمال کریں تو چنداں قابل اعتراض نہ ہوگا۔ مگر اس پر سختی سے عمل در آمد اور اُسے جزو مذہب سمجھنا

سمجھنا

درست نہیں۔

میرے خاندان میں بھی ان چیزوں کا استعمال لازمی ہے لیکن چند سال قبل ایک خاتون نے (جو فیشن پرست نہیں، بلکہ اسلامی تہذیب و تعلیم کی زیادہ دلدادہ ہیں) ان چیزوں کے ترک استعمال کی ابتداء کی۔ ان کا یہ فعل اکثر بیبیوں کو ناگوار ہوا۔ مگر چونکہ ان کا گھرانہ علمی فضیلت کی بنا پر خاندان میں ممتاز ہے۔ اس لئے سب کو خاموش رہنا پڑا۔ چنانچہ اب ہم دیکھتے ہیں کہ کئی لڑکیاں اُن کی تقلید کرنے لگی ہیں۔ اور کم از کم اب اکثر لڑکیوں میں تو ان چیزوں کی ایسی قدر و منزلت نہیں رہی جیسے پہلے تھی

بہرحال اصلاح رسوم کے لئے تھوڑی سی ہمت چاہیئے اگر ہم ترک رسم نہ کر سکیں تو کم از کم اپنے ذہن سے ان چیزوں کی یہ برتری و بے جا اہمیت اور نیک یا بدشگون کے غلط تصور کو تو ضرور دور کر دینا چاہیئے۔ اور ہمیشہ شارع اسلامؐ کے اُس حکم کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ غیر اقوام جن چیزوں سے نیک شگون لیتی ہیں ہمیں اُن سے احتراز ضروری ہے اور جو چیزیں ان کے لئے بدشگونی کا باعث ہوں مسلمانوں کو اُسے کر رکھانا چاہیئے۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے جو ہمارا طریقہ عمل ہونا چاہیئے۔

قدیم سے رواج ہے کہ دوشنبہ کا دن عیسائیوں اور ہندؤوں کے ہاں منحوس مانا جاتا ہے۔ لیکن جناب رسالت مآبؐ کی ولادت باسعادت نے اس خدا کے پیدا کردہ دن کی نحوست کے غلط تصور کو مسلمانوں کے ہاں کبھی پیدا ہی نہیں ہونے دیا۔ تلاش پر ہمیں ایسی اور بھی باتیں مل سکتی ہیں۔

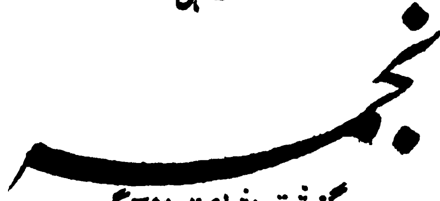
حفیظہ جمال، رائچور دکن

انجیر اور زیتون کا تیل

انجیر بڑا مفید میوہ ہے غذا کی غذا اور دوا کی دوا۔ زود ہضم ہونے کے ساتھ ہی ملین طبع بھی ہے اور جسم کے خراب سے خراب مادوں کو پسینے کے ذریعہ خارج کر دیتا ہے۔ اور اسی وجہ سے باوجود گرم ہونے کے بخار میں مفید ہوتا ہے بلغم کو تحلیل کرتا ہے۔ گردے اور مثانہ کو سنگریزے سے پاک کرتا ہے جگر اور تلی کے لئے بھی بے حد فائدہ مند ہے جسم کو فربہ کرتا ہے اور مسام کھولتا ہے بواسیر کے مادّے کو کو دفع کرتا ہے اور نقرس کے درد کو مفید ہے۔ اس کے کھانے سے منھ کی بدبو کا مرض جاتا رہتا ہے۔ اور بال بڑھتے ہیں فالج سے امن رہتا ہے۔ غرض یہ کہ اس کی خوبیاں شمار سے باہر ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ سورۂ وَالتِّین میں اس کی قسم آئی ہے زیتون بھی ایسا ہی ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ مفید میوہ ہے۔ لیکن چونکہ وہ ہندستان میں ہوتا ہی نہیں، اس کی بابت لکھنا بیکار ہے۔ البتہ اس کا تیل جو سب جگہ مل سکتا ہے وہ بالکل ارنڈی کے تیل کی طرح فائدہ بخش ہے۔ روشنی بھی اس کی نہایت صاف ہوتی ہے۔ اور آنکھوں کی ہر قسم کی شکایت کو مفید ہے۔ یعنی قبض، اسہال، سدہ اور درد قولنج کا دافع ہے۔ جسم پر ملا جائے تو درد نقرس کو فائدہ کرتا ہے سر میں لگائیں تو بال سفید نہیں ہوتے، اگر آنکھوں میں رطوبت نکل کر پلکوں میں جم جاتی ہو تو اس کے استعمال سے یہ شکایت بھی رفع ہو جاتی ہے۔ بچھو کے کاٹے پر لگایا جائے تو اسکی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انجیروں کے بارے میں فرمایا کہ اسے کھاؤ، کیونکہ یہ میوہ گٹھلی نہیں رکھتا اور بہشت کے میوے بھی ایسے ہی ہیں سو اس کو کھاؤ کہ بواسیر کے مادے کو دفع کرتا ہے اور درد نقرس کو مفید ہے اور زیتون کے تیل کی بابت ارشاد ہوا کہ کھاؤ زیتون کا تیل اور بدن پر ملو اسکو کہ وہ برکت والے درخت کا پھل ہے۔

و۔ ا



نجمہ

گذشتہ اشاعت سے آگے

شکیل صاحب کے صاحبزادے کی بسم اللہ کی تقریب پر ان کے سسرال والے تینوں نواب صاحبان کلکتہ آئے اور قصرِ خلیل میں ٹھیرے ہوئے تھے، سیٹھ صاحبان نے ان کو بہت اصرار سے دو تین ہفتہ تک روک لیا تھا اُن کو خوب کلکتہ کی سیر کرائی۔ روز دعوتیں اور جلسے پارٹیاں رہتی تھیں، خصوصاً منجھلے نواب نذیر صاحب کی حسین وجمیل وقابل صاحبزادی کی شہرت کلکتہ بھر میں ایسی ہوگئی تھی کہ بڑے بڑے معزز تعلیم یافتہ آزاد خیال لوگوں کا ان کے ہاں مجمع رہتا تھا۔ شکیلہ بیگم جمیل اس موقعہ پر بھی بہت خوف زدہ تھیں، کیونکہ وہ اپنے منجھلے شوہر کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھیں، وہ کبھی بچے کے تھے، پھر بیوی کو چاہنے لگے، اور اب سمجھداری کی عمر میں آکر ایک ذلیل ٹائپسٹ عورت کے پروانہ ہو رہے ہیں۔ اور یہ نواب زادی تو سب سے بہتر ہے۔ یورپ کی تعلیم وتربیت پھر ان وطنوں سے کہیں زیادہ حسین وکمسن ! خدا ہی خیر رکھے۔ مگر تھوڑے ہی دن کے بعد انہوں نے دیکھ لیا کہ ان کے شوہر نے اس لڑکی کی طرف توجہ نہیں کی۔ لیکن وہ ان کے اس طریق عمل سے پریشان ضرور تھیں کہ باوجود گھر پر اس قدر مہمان داری اور دلچسپیوں کے جمیل صاحب تیسرے چوتھے دن تین چار گھنٹے کے لئے غائب ہو جاتے ہیں، نہ دفتر میں ملتے ہیں نہ کورٹ میں ہوتے ہیں اور نہ کسی دوست کے گھر۔ جب سے مس خان علیحدہ کی گئی ہے وہ کچھ کھوئے کھوئے اور پریشان سے رہتے ہیں۔ اُن کو یہ شبہ ہو رہا تھا کہ مس خان کلکتہ سے باہر نہیں گئی۔ ضرور یہیں کہیں رہتی ہوگی۔ اور اُسی کے پاس یہ جاتے ہوں گے ایک دن دوپہر کو بہت افسردہ سے کمرے میں داخل ہوئے۔ شکیلہ بیگم صوفے پر لیٹی تھیں۔ آتے ہی اُنہوں نے کہنا شروع کر دیا "بیگم ہم شکار کو جا رہے ہیں۔ تین چار دن کے لئے یہاں سے پچاس ساٹھ میل کے فاصلہ پر میرے ایک دوست کا گاؤں ہے اور وہیں ایک بڑی شکارگاہ ہے۔ ممکن ہے جلد ہی واپس آ جائیں، لیکن تین چار دن کا خیال ہے؟" یہ سُن کر بیگم نے جواب دیا "ہم لوگ بھی ساتھ چلتے تو اچھا تھا، اُن دوستوں سے کہئے وہ اپنی بیویوں کو بھی لے چلیں"

"یہ پارٹی ایسی نہیں کہ لیڈیز کو ساتھ رکھا جائے۔ چند پرانے خیال کے پابند پردہ احباب بھی ہیں۔ وہاں سے واپس آ جائیں تو ہم سب اپنے گاؤں میں شکار کو چلنے کا انتظام کریں گے۔ اس نواب فیملی کو بھی لے چلیں گے۔ میں تو ان لوگوں کی موجودگی سے تنگ آ گیا۔ ہر وقت جمگھٹا رہتا ہے۔ کلکتہ سے باہر چلے جائیں گے، تو کچھ سکون ملے گا۔" بیگم بولیں "اس دفعہ نواب صاحبان کے ساتھ چیز ہی ایسی ہے، جس کی کشش لوگوں کو جمع رکھتی ہے۔" "ہوگی بھئی تو کوئی خاص بات نظر نہیں آئی وہ کیا تمام خاندان ہی حسین ہے مگر یورپ کی ملمع کاری مجھکو تو ناپسند ہے۔ نسوانیت اور ہندوستانیت کا تو پتہ نہیں۔ وہ لڑکی ایک تعلیم یافتہ وشائستہ نوعمر لڑکا معلوم ہوتی ہے۔ خیر ان سب کو ہم اپنی شکارگاہ میں لے چلیں گے۔ وہاں یہ بکھیڑا نہ ہوگی ہاں تو ہم لوگ کل صبح چار بجے روانہ ہو رہے ہیں۔"

صبح سویرے ہی، شاید پانچ بجے ہوں گے کہ جمیل صاحب کی کار اُس دیہاتی کچے مکان کے دروازے پر آکر رُکی۔ ایک پریشان صورت خادمہ اندر سے نکل آئی کہا "آج تو مس صاحبہ کی طبیعت بہت ہی خراب ہے۔ تین دن سے آپ تشریف

نہیں لائے۔بخار تو پہلے ہی سے تھا رات سے بہت تکلیف ہے۔" یہ سن کر وہ پریشان ہو گئے۔ قدم جلد جلد اُٹھا کر کمرے تک پہنچے۔ دیکھا کہ وہ خاموش لیٹی تھیں۔ چہرہ زرد ہو رہا تھا مگر آنکھیں کھولے دیکھ رہی تھیں، یہ پلنگ کے قریب پہنچکر کہنے لگے "مس خان آپ تو بہت بیمار معلوم ہوتی ہیں کیا تکلیف ہے ابھی ڈاکٹر آتا ہے۔" ان کی شکل دیکھتے ہی اس بیکس و ناچار و سخت بیمار عورت کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اُس نے آنکھ کے اشارے سے جمیل صاحب کو اپنے پاس بیٹھ جانے کو کہا۔لیکن جمیل صاحب بیٹھے نہیں اور پانچ منٹ کے لئے باہر آئے اور ڈرائیور سے کہا کہ "فوراً شہر جا کر ڈاکٹر صاحب اور ایک نرس کو لے آئے۔" پھر آکر بیمار کے پاس اسی پلنگ پر بیٹھ گئے۔ اور اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر نبض دیکھنے لگے۔ مریضہ بہت کمزور تھی۔ اس وقت ان کے آنے کا کچھ اُلٹا اثر ہوا۔حرکت قلب تیز ہو گئی اور تمام جسم پسینہ سے تر ہو گیا، اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ جمیل صاحب گھبرا گئے۔ اور انار کا عرق قریب رکھا تھا اُس کے دو چمچے پلائے اپنے رومال سے چہرے کا پسینہ خشک کیا۔ اُس کے سرد ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیکر گرم کرتے رہے۔ اور کوئی دس منٹ بعد جُھک کر کہا

"مس خان کچھ تو کہو کیا تکلیف ہے؟ ابھی ڈاکٹر آتا ہے۔ تھوڑی دیر میں طاقت آجائیگی، وہ کوئی دوا یا انجکشن دیدے گا میں آج رات یہیں رہوں گا۔ ایک نرس بھی بلالی گئی ہے۔ جب تک بیمار ہو ہر وقت تمہاری خدمت میں رہیگی۔ مس خان آہستہ دو تین لفظ تو کہو۔ مجھ سے ناراض ہو۔ بیشک میں تین دن نہیں آسکا لیکن مجھ کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ تمہارا اس دن کا تھوڑا سا بخار اس قدر تکلیف دہ ثابت ہوگا۔ میں تو روز ڈاکٹر کو بھیجتا رہا تھا۔ اس کمبخت نے بھی تمہاری اس حالت کی خبر نہ دی۔ میری غلطی کو معاف کردو۔ میں ایسا ہی مجبور تھا کہ نہ آسکا۔ اب خوش ہو جاؤ، خدارا آنکھیں کھولو اور مجھ سے کچھ کہو۔" جمیل صاحب سے یہ سب کچھ سُن کر مریضہ نے کچھ آنکھیں کھولیں، ان کی طرف دیکھا۔ فوراً ہی دونوں آنکھوں سے دو قطرے نکل کر زرد رخساروں پر ڈھلک آئے۔ لبوں کو کچھ جنبش ہوئی مگر الفاظ ادا نہ ہوسکے۔ یہ حالت دیکھ کر جمیل صاحب گھبرا کر کھڑے ہوگئے۔ اُس کی آنکھیں فوراً بند ہو گئیں جمیل نے جھک کر دیکھا نیلگوں لبوں پر اب بھی ہلکی سی کپکپی نظر آئی۔ وہ سمجھ گئے کہ مریضہ کچھ کہنا چاہتی ہیں مگر طاقت گویائی جواب دے چکی تھی۔ آہ اس وقت کیا دیکھ رہے تھے۔ دنیا کی سب سے عزیز چیز ہمیشہ کے لئے اُن سے جدا ہوتی نظر آ رہی تھی ان کو سخت افسوس یہ تھا کہ آخری وقت وہ ایک بات بھی ان سے نہ کرسکی۔ خدا جانے وہ کیا کہنا چاہتی تھی اُس کا جسم بالکل سرد ہو گیا تھا۔ اُنھوں نے ہاتھ ٹھیک کر کے اوپر اچھی طرح کمبل لپیٹ دیا اور بہت گھبرائے اور ڈاکٹر کے منتظر تھے۔ چند منٹ بعد وہ آپہنچا اور نہایت تیزی سے پلنگ کے قریب آیا جُھک کر مریضہ کو دیکھنا شروع کیا جمیل صاحب کی عجیب حالت تھی ڈاکٹر کی مایوسی کو پہچان کر جمیل صاحب کمرے سے باہر چلے گئے۔ پندرہ منٹ اچھی طرح دیکھ کر مریضہ کو سرتا پا چادر اُڑھادی اور خود نہایت افسردہ حالت میں باہر آیا۔ نرس حیران صورت دروازے سے لگی کھڑی تھی۔ جمیل صاحب نے حیرت بھری نگاہ سے ڈاکٹر کے چہرے کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر نے خموشی کے ساتھ آنکھیں نیچی کرلیں۔ وہ فوراً دوڑ کر اندر آئے اور اُس کے پلنگ کے قریب گر گئے۔ نرس اور ڈاکٹر نے دوڑ کر سنبھالا۔ کوئی دو گھنٹے بعد ان کی حالت کچھ درست ہوئی ہوش میں آئے، لیکن حواس بجا نہ تھے ڈاکٹر سے کہا۔ "مجھ کو مریضہ سے باتیں کرلینے دو۔" ڈاکٹر نے جواب دیا " ذرا ٹھہریئے مریضہ کو اچھی طرح ہوش آجائے۔ وہ خود ہی باتیں کریں گی۔ میں آپ کو اور مریضہ کو اپنے ساتھ ہسپتال لے چلتا ہوں، وہاں ٹھیک علاج ہوگا۔" چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے جمیل صاحب کو پکڑ کر کار میں بٹھایا اور یہ کہدیا کہ ابھی ہسپتال کی گاڑی پر نرس مریضہ کو لے کر آتی ہے پہلے آپ چلیں گے۔" جمیل صاحب کو اس وقت تیز بخار تھا کوئی بات اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ گاڑی میں آنکھیں بند کئے ڈاکٹر کے سہارے بیٹھے رہے۔ ہسپتال پہنچکر ڈاکٹر نے ان کو لٹا دیا اب

اُن کو کچھ خبر نہ تھی۔ کہ وہ کہاں ہیں اور مس خان کہاں۔ ایک دوسرے ڈاکٹر اور نرس کو ان کی خبرگیری پر مقرر کرکے ڈاکٹر خود پھر اسی گاؤں گیا۔ آہ وہ بیکس ولاوارث لاش ابھی اُسی طرح پڑی تھی۔ اُس کی خادمہ اسباب سمیٹتی باندھتی پھر رہی تھی۔ اور وہ نرس برآمدہ میں ایک کرسی پر بیٹھی تھی۔ یہ ڈاکٹر چونکہ مسلمان تھے ایک دو مسلمان ہسپتال سے ساتھ لیتے آئے تھے جن کے ذریعہ قریب کی مسجد میں اطلاع کرائی۔ چند آدمی اور دو عورتیں آگئیں۔ غریب پردیسی عورت کا غسل کفن ہوا۔ ڈاکٹر صاحب خود موجود رہے اور جنازہ قریب کے دیہاتی قبرستان روانہ کردیا پھر کمرے کو قفل لگا کر کنجی خود لے لی۔ اور اس خادمہ سے کہہ دیا کہ جب تک بیرسٹر صاحب تندرست ہوکر یہاں آئیں تم اس جگہ موجود رہو۔ خادمہ نے ایک مقفل بکس ڈاکٹر صاحب کے حوالے کیا کہ یہ نواب صاحب کو دے دو۔ اور ایک بند لفافہ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ چٹھی مس صاحبہ نے لیٹ لیٹ کر بڑی مشکل سے تین چار گھنٹے میں لکھی تھی اور کہہ دیا تھا کہ میرے مرنے کے بعد بیرسٹر صاحب کو دے دینا۔ اور اگر میں زندہ رہی اور اچھی ہوگئی تو پھر مجھ کو واپس کردینا۔ تقدیر کا لکھا وہ اچھی نہ ہوسکیں اب یہ چٹھی میں آپ کو دیتی ہوں جب بیرسٹر صاحب اچھے ہوجائیں تو اُن کو دیدیں" ڈاکٹر صاحب نے وہ خط جیب میں رکھ لیا۔ اور وہ چھوٹا بکس گاڑی میں رکھوا دیا۔ ایک چوکیدار تو پہلے سے مقرر تھا ایک اپنا آدمی ڈاکٹر صاحب نے اس مکان کی حفاظت کے لئے یہاں اور چھوڑ دیا۔ اور نرس کو لے کر روانہ ہوگئے۔ تین چار دن جمیل صاحب کی طبیعت بہت خراب رہی اور وہ ہسپتال میں ہی ٹھہرے رہے۔ وہ جلدی اُس کی قبر پر جانا چاہتے تھے۔ مگر ڈاکٹر نے اجازت نہ دی گھر سے وہ فسکار کے لئے چار دن کی اجازت لے کر آئے تھے اور آج پانچواں دن تھا۔ گھر پہنچنا ضروری تھا۔ ڈاکٹر سے رخصت ہونے لگے۔ اس نے مرحومہ کا وہ صندوقچہ اور بند لفافہ ان کے سپرد کیا اور یہ تاکید کردی کہ اس خط کو آپ اپنے گھر جاکر پڑھیں راستہ میں ہرگز نہ کھولیں اُنھوں نے ڈاکٹر کی ایک ہدایت پر تو عمل کیا۔ کہ خط راستہ میں نہ کھولا۔ مگر دوسری بات نہ مانی۔ جواں مرگ ٹائیپسٹ خاتون مس خان مرحومہ کی قبر دیکھے بغیر قصر خلیل نہ جاسکے ہسپتال سے نکل کر سیدھے اُس کچّے خستہ حال دیہاتی قبرستان پہنچے کار سڑک پر کی اور خود شکستہ قبروں میں تازہ قبر تلاش کرنے لگے۔ مگر کسی طرح نہ پہچان سکے۔ کہ اُس غریب الوطن کی قبر کونسی ہے۔ مجبور پھر اس کے مکان پر آئے۔ یہاں دو چوکیدار پیپل کے درخت کے نیچے حقّہ پیتے نظر آئے جوان کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ وہ مکان کے اندر داخل ہوئے۔ آنکھوں سے بے اختیار اشک رواں تھے۔ وہ بوڑھی خادمہ برآمدہ میں بیٹھی چھالیہ کاٹ رہی تھی۔ آگے پاندان کھلا ہوا پڑا تھا۔ اُن کو دیکھتے ہی روتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ اُنھوں نے کنجی خادمہ کو دی۔ اس نے دروازہ کھولا اور وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ سب سامان اسی طرح پڑا تھا۔ دواؤں کی شیشیاں پلنگ، کتابیں وغیرہ وغیرہ بیرسٹر صاحب کو اب تاب نہ رہی اسی پلنگ پر لیٹ گئے اور بہت دیر تک روتے رہے۔ پھر خادمہ سے کچھ باتیں ہوئیں اُس سے پوچھتے رہے کہ آخری رات مس صاحبہ نے کیا کیا باتیں کیں، اُس نے سب حال سُنا دیا۔ اُس نے بتایا کہ مس صاحب کو تو شاید معلوم ہو گیا تھا کہ اب دنیا سے اُٹھ جانا تھا، بار بار دروازے کی طرف دیکھتی تھیں اور کہتی تھیں کہ خدا کرے میری زندگی میں بیرسٹر صاحب آجائیں اور مجھ کو جو خط لکھ کر دے گئی ہیں اور کہہ گئی ہیں کہ میرے مرنے کے بعد اُن کو دینا۔ ڈاکٹر صاحب سے آپ کو ملا ہوگا" اس کے بعد بیرسٹر صاحب اُٹھے۔ مرحومہ کی کتابیں اور اُس کی چھوٹی چھوٹی خاص خاص چیزیں۔ مثلاً کنگھی آئینہ۔ فونٹن پن۔ صابن وغیرہ اس کے اٹیچی کیس میں بند کرکے اپنی گاڑی میں رکھوا دیا اور کپڑوں کا بکس خیرات کرنے کو کہہ دیا۔ باقی چیزیں برتن باورچی خانہ کا سامان سب اس خادمہ کو بخش دیا۔ اور اس چوکیدار کو لے کر قبرستان آئے۔ ایک تازہ قبر جس پر ایک کیکر کے درخت کا سایہ تھا، چوکیدار نے بتائی۔ بہت دیر بیٹھے وہاں بھی روتے رہے۔ دھوپ تیز ہوگئی تھی۔ شوفر

نے آکر یہاں سے اٹھایا اور گھر لے گیا۔ بُری حالت میں گھر پہنچے۔ سب لوگ چشم براہ تھے، پہلے والد اور والدہ کے پاس گئے۔ وہ ان کی حالت دیکھ کر گھبرا گئے تو انہوں نے کہدیا "کچھ گرمی تھی کچھ تکان، شکارگاہ میں مجھ کو دو روز بخار رہا اسی وجہ سے واپسی میں دیر ہوگئی" اس کے بعد بیوی کی طرف آئے وہ ان کے آنے کی خبر سن چکی تھیں، برآمدے میں ہی ٹہل رہی تھیں۔ ان کی ایسی کمزور اور پریشان حالت دیکھ کر گھبرا گئیں۔ ان سے بھی وہ ہی کہا جو والدین سے کہہ آئے تھے کمرے میں آکر لیٹ گئے تھوڑی دیر بیوی سے کچھ باتیں کیں۔ پھر آنکھیں بند کر لیں۔ شاید سو گئے۔ ان کی بیوی کو نواب بیگم سلطان صاحبہ نے بلا بھیجا وہ شوہر کو سوتا سمجھ کر اُدھر چلی گئیں جمیل صاحب وہ صندوقچہ اور اٹیچی کیس تو باہر کے کمرے میں رکھوا آئے تھے۔ لیکن اُس کا آخری خط جیب میں تھا جب بیوی یہاں سے چلی گئیں، تو کمرے میں چاروں طرف نظر ڈال کر کہ کوئی ہے تو نہیں خط کھولا مضمون یہ تھا

(باقی آئندہ)

نذرِ سجّاد حیدر

اتہام بے جا

ہر ایک جانتا ہے بہت عام ہے یہ بات
جب معرضِ بیاں میں ہوں جنسی معاملات
مجرم ہمیشہ مرد ٹھہرتا ہے ہر طرح
تحریر کرنے والی ہو عورت کہ مرد ذات
ناول ہو یا ڈرامہ ہو مضمون ہو کہ نظم
یکساں ہر اک میں پائیں گے بس ایک واردات
ایثار پیشہ ہونے میں یکتا ہیں عورتیں
مہر و وفا پہ مبنی ہیں ان کے تاثرات
ممکن نہیں کہ ان کا قدم ڈگمگا سکے
عورت سے بیوفائی ہے از غیر ممکنات
حُسنِ مزاج ان کا ہے دنیا میں بے مثل
حاصل ہیں کب فرشتوں کو اس طرح کی صفات
اور مرد ان کے آگے ہے ایک دیو تند خو
موجودگی سے جس کی ہراساں ہے کائنات
احسان ناشناس و غرض خواہ و خود پرست
ذہنیت اس کی پست طبیعت ہے بے ثبات
ناستقل مزاج و شر انگیز و بوالہوس
جس کی روش سے ہو گئی تاریک شش جہات

تبلیغ ہوتی رہتی ہے اس طرح رات دن
گویا کہ آدمی بھی ہے از قسم بلیات
اک رسم پڑ گئی ہے غلط اپنے ملک میں
ورنہ خلاف اس کے ہیں اکثر مشاہدات
طرز و روشِ قدیم زمانے سے اُٹھ گئی
باقی نہیں ہے ہند میں پہلی سی اب وہ بات

(بقیہ کالم اول پر)

دوسرے کالم کی بقیہ نظم

جو بہرہ مند علم ہے وہ طبقۂ اناث
ہیں لرزہ خیز اُس کے خیالات و واقعات
اُن کو وفا و مہر و مروت سے کیا غرض
دولت ہو جن کے واسطے معیارِ التفات
میزانِ زر میں تلتی ہیں انساں کی خوبیاں
علم و فضل شرافت طبعی ہے ترّہات

سید محمود حسن۔ کیتھل

جگنو

وہ جگنو نہیں جس کو بعض زیور کی شوقین بہنیں ہر وقت کلیجہ سے لگائے رکھتی ہیں۔ بلکہ وہ جس کی نسبت علامہ اقبال کہہ گئے ہیں

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

جب برسات کی اندھیری رات میں کہیں کہیں آسمان پر ابر ہوتا ہے اور کسی کسی وقت ماہتاب اپنا چہرہ کسی ابر کے ٹکڑے میں سے نکال کر چھا نکتا ہے۔ اُڑتے ہوئے جگنو چمن میں ایسے معلوم ہوتے ہیں، گویا بالفاظ شاعر پھولوں کی محفل میں ایک شمع روشن ہے۔ یا ملکِ شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا ہے۔

جگنو دلدلوں کے قریب اکثر پایا جاتا ہے، اور موسم برسات شروع ہوتے ہی زیادہ نظر آتا ہے۔ مگر یہ غور بہت کم بہنوں نے کیا ہوگا کہ اس ننھی مخلوق کا وجود بھی قدرت کے کرشمہ کا مظہر ہے اور انسان کی فہم و عقل سے بالاتر! لوگ اس کو کیڑا کہتے ہیں لیکن وہ کیڑا نہیں ہے، بلکہ وہ ایک چھوٹا چکیلا پتنگا ہے۔ جو خوب اُڑ سکتا ہے۔ اور اس کے جسم پر متعدد سرخ سرخ ٹبکیاں ہوتی ہیں جگنو کی مادہ دیکھنے میں دلکش نہیں ہوتی، لیکن بہ نسبت دوسرے پتنگوں کے بہت خوبصورت ہوتی ہے مادہ نر جگنو کی طرح نہیں اُڑ سکتی جگنو کا شمار ان پتنگوں میں ہے جو اپنی روشنی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ جگنو کے انڈے بچے بھی پورے جگنو کی طرح روشنی دیتے ہیں جگنو اپنے ساتھ اپنی دُم میں روشنی لے جاتا ہے۔ یہ فاسفورس کے دو نقطوں سے پیدا ہوتی ہے، یہ نقطے چمکدار اور خوب روشن ہوتے ہیں۔ جس وقت وہ چاہتا ہے اس کو روشن کر لیتا ہے۔ اور جس وقت چاہے گل۔ اگر اس کو کوئی پریشان کرتا ہے تو وہ اپنی روشنی گل کر کے چھپ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برسات کی اندھیری رات میں بعض اوقات اُڑتے اُڑتے جگنو بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ خود غائب نہیں ہوتا، بلکہ اس کی روشنی غائب ہو جاتی ہے۔ اسی منظر سے متاثر ہو کر علامہ اقبال مرحوم نے لکھا ہے ؎

چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

مادہ جگنو بھی اپنے قبضہ میں دو لیمپ رکھتی ہے جو خوب روشنی بھی دیتے ہیں۔ یہ اس کے جسم میں نیچے کی طرف ہوتے ہیں، لیکن مادہ غریب بہت ہی بھولی اور ستم ہے اس کو چاہے کوئی کتنا ہی ستائے، خوفزدہ اور پریشان کرے وہ اپنی روشنی گل نہیں کر سکتی، یہاں تک کہ اگر کوئی اسکو زمین کے اندر دفن کر دے تب بھی اسکی روشنی قائم رہتی ہے۔ جگنو چھوٹے کیڑے کھاتا ہے اور وہ ان پر اُس وقت حملہ کرتا ہے جس وقت وہ گھاس کی پتی پر بیٹھے ہوتے ہیں جب جگنو ان پر حملہ کرتا ہے تو بڑے عجیب و غریب پرفن طریقوں سے داؤ گھات کرتا ہوا ان کے قریب پہنچ جاتا ہے پہلے وہ اپنے شکار کو بیہوش کر دیتا ہے اور اس کے بعد اپنا کام شروع کرتا ہے۔ جگنو کے سر پر دو کانٹے بھی ہوتے ہیں یہ کانٹے اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں۔ اور ان میں زہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ سانپ میں۔ جگنو ان کو آرام سے بیٹھ کر کھاتا ہے۔ یہ ہماری طرح نہیں کھاتا کیونکہ اس کے جبڑے بہت کمزور ہوتے ہیں۔ اور دانت بھی نہیں ہوتے۔ وہ پہلے غذا کو منھ کے لعاب میں ملا لیتا ہے اور اس کو رقیق کر کے نگل جاتا ہے بلکہ بہ الفاظ دیگر چوس لیتا ہے۔ اور اس کا اوپری حصہ یعنی ڈھانچہ رہ جاتا ہے۔ پھر وہ اس قالب بے جان کو چھوڑ کر اپنا راستہ لیتا ہے۔ کیسا عجیب و غریب جسم اور عادتیں یہ ننھا سا کیڑا رکھتا ہے۔

شفیق جہاں۔ بدایوں

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

شخصیت کا اندازہ

یہ زمانہ ایسا ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی فن میں خصوصیت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، ہر چھوٹا بڑا اس کا پابند ہے۔ اسے اس سے مفر نہیں۔ اب مالی محض پودوں کے چھانٹنے اور بیجوں کو بونے والا نہیں رہا۔ وہ نظارہ قائم کرنے والا یا نباتات کا ماہر ہوتا ہے، ڈاکٹر اب محض دوا سازی یا جراحی کا حامل نہیں، وہ فن طبابت کے کسی نہ کسی شعبہ میں خصوصیت حاصل کرتا ہے اور اسی کے لئے مشہور ہوجاتا ہے۔ اسی طرح عورتیں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتیں، حسین نازنین یا بھونڈی بدشکل تک ان کی تعریف محدود نہیں رہی، وہ بھی ورزش کرنے والی صف کے ساتھ رہے اور خصوصیت حاصل کرے۔ اسے اپنی شخصیت خدوخال اور رنگ وروپ کے مطابق کوئی نمونہ تجویز کرکے اُس پر قائم ہوجانا چاہئے۔ اسی نمونہ کے مطابق اسے لباس پہننا چاہئے۔ اپنے خدوخال اور رنگ کے مطابق سنگھار کرنا چاہئے۔ اور ایسا پیشہ اُسے اختیار کرنا چاہئے جس میں اس کی شخصیت شان سے ٹپکے اور وہ زندگی کی تگ ودو میں کامیاب ہو جو شخصیت یا نمونہ قدرت نے اُسے عطا کیا ہے اس کے خیالات اس کی آواز اس کی ہنسی اس کی حرکت، اس کے جوش وخروش اس کا بشرہ حتیٰ کہ رنج وغم نادانستہ طور سے اسی کے مطابق ہونے چاہئیں۔

مختلف نمونے یا مزاج ہیں۔ ایک پھول کی طرح کھلی ہوئی لڑکی ہے، جو ہمیشہ زندہ دل اور خوش وخرم رہتی ہے۔ ایک چنچل ہوتی ہے جو ستاتی رہتی ہے۔ وہ دشمنوں کی بجائے دوست زیادہ بناتی ہے شاہی مزاج جو اوروں کو اپنے پیچھے لگائے رکھتی ہے اور وہ اُس کے بیدام غلام ہوتے ہیں، تنہائی پسند جو زیادہ ملنا نہیں چاہتی۔ اسی میں اس کی مقناطیسیت ہوتی ہے۔ لڑکوں کی سی طبیعت والی لڑکی اپنی اچھی رفاقت کی وجہ سے اوروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ارمان بھری طبیعت جس کا یہی انداز سمجھانا ہے کہ وہ ایسی باتوں کے حصول کے فکر میں نظر آتی ہے۔ جو اس کی دسترس سے باہر ہوتی ہیں مغرور جو اپنی غالب طبیعت کی وجہ سے دوسروں کو مغلوب کر لیتی ہے۔ برف کی طرح سرد مزاج جو کسی طرح اپنے مزاج کو قابو سے باہر نہیں جانے دیتی۔ لیکن ہر بات کے ہوتے ہوئے وہ اپنا مطلب حاصل کرنے کی تدبیر کر ہی لیتی ہے۔ ایسی لڑکی ان سب سے کم پسند کی جاتی ہے آپ بھی اپنا مزاج یا طریقہ دریافت کریں۔ اور اس کے مطابق زندگی بسر کریں۔

حسن محض عادت

حسن اصل میں محض عادت کا نام ہے۔ ہر شخص تسلیم کریگا کہ مکمل صحت حسن کی بنیاد ہے۔ ایک مشاطہ جو اپنی موکلوں کو حسن کے حصول وقیام میں مدد دینا اپنا فرض سمجھتی ہے نصیحت کرتی ہے کہ ورزش کثرت سے کرو، جہاں تک جلد ہوسکے سوجاؤ۔ صرف وہی کھاؤ جو تمہارے موافق ہو اور اکثر نہایا کرو۔ اس کے بعد وہ اُنہیں اپنے پاس آنے کی ہدایت کرتی ہے تاکہ باقی کام وہ کردے۔ اگر ہم ذرا اس کی نصیحت پر غور کرنے کے لئے وقت نکالیں۔ باقی کام آسانی سے انجام پاسکتا ہے۔ کیونکہ کون نہیں جانتا کہ دنیا بھر کے سنگھار رخساروں میں قدرتی سرخی، جلد میں تندرستی کا روپ یا آنکھوں میں مستقل چمک نہیں پیدا کر سکتے۔ لیکن ورزش سے اگر رگوں میں خون دوڑنے لگے۔ نیند چہرے کی تھکاوٹ لکیریں دور کردے اور تھکے ہوئے پپوٹے اُٹھادے اگر مناسب غذا نظام عصبی پر اپنے

صحت بخش اثر چھوڑ جائے اور روزمرہ کے غسل جلد کو صاف اور اثر پذیر بنا دیں تو مشاطہ اپنے فن کے سلیقہ اور مہارت سے باقی کام کر سکتی ہے۔ اور ہم اس کے ہنر وفن کی زندہ اور شگفتہ مثالیں نظر آئیں گے۔ یہ بات عقل میں آتی ہے کہ ہمیں اپنا بیشتر کام خود کرنا چاہیئے حسن وصحت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہماری روزمرہ کی عادات بالخصوص نیند اور ہاضمہ باقاعدہ ہوں، میں ذاتی طور سے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ نیند دنیا کی بہترین حسن افزا چیز ہے گہری اور تازگی بخش نیند بشرہ پر جادو کا اثر رکھتی ہے اور جسم کا رنگ و روپ بس اسی پر منحصر ہے۔

بڈھا چہرہ جوان اس میں شک نہیں بڑھاپا زیادہ عمر ہو جانے کا نام ہے اور اس کا اثر ضروری ہے۔ عمر سے مرجھائے ہوئے چہرے، سکڑے ہوئے پٹھے، جھکے ہوئے کندھے، باہر کو کمان کی طرح خمیدہ ٹانگیں، اور بیشمار دیگر علامات، دلی جذبات اور بے قابو جذبات کی درد انگیز حکایت دوہرایا کرتی ہیں۔ اور جسم کے پٹھوں ریشوں اور خانوں پر تباہ کن اثر ڈالا کرتی ہیں۔ جن عورتوں کے چہرہ اور گردن سے انحطاط مترشح ہونے لگے انہیں فوراً ادھر دھیان دینا چاہیئے۔ یہ ہرگز نہ خیال کیجیئے کہ آپ کی عمر زیادہ ہی ہوگئی ہے اور شکنیں اس قدر گہری ہیں کہ مٹ نہیں سکتیں۔ بھلا آپ نے یہ کیسے خیال کر لیا؟ آپ نے حالات سدھارنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ پھر اپنے لئے ایک پتھر کی لکیر کھینچنے کی ضرورت نہیں۔ کوشش کیجیئے! پھر دیکھیئے آپ اپنے لئے کیا کچھ کر سکتی ہیں۔

مجھے یہ امر تسلیم ہے کہ بڈھی جھریاں پڑی گردن اور عمر کا ستایا ہوا چہرہ دوبارہ موزوں بنانا آسان کام نہیں ہے۔ جن چہروں اور گلوں سے عرصہ تک غفلت برتی جائے وہ علاج سے جلد اثر پذیر نہیں ہوتے پٹھے سکڑ چکتے ہیں۔ ریشے ٹوٹ چکتے اور خانے بیٹھ چکتے ہیں اور لٹکی ہوئی کھال موٹی ہو جاتی ہے۔ لیکن ہر صورت میں حالت بہتر بنائی جا سکتی ہے۔ مہینے اور سال بھر لگ جاتا ہے، تب جاکر کہیں نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن صبر و استقلال سے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ جب چہرہ اور گردن کا نچلا حصہ قابو میں نہ آتا ہو اور لٹکتا ہوا معلوم ہوتا ہو تو ایک نرم کپڑا وچ ہیزل Witch hazel سے میں گیلا کیجیئے۔ اور ٹھوڑی کے نیچے لاکر سر پر نرمی سے گرہ لگا دیجیئے۔ جونہی کپڑا سوکھے پھر گیلا کر کے باندھ دیجیئے لٹکی ہوئی ٹھوڑی اور گلے کا اسی طرح روزانہ آدھ گھنٹہ علاج کرنے سے ساحرانہ طریقہ سے پٹھوں میں مضبوطی، جلد میں تناؤ اور خطوط میں ہمواری آجائے گی۔ گلے اور چہرے پر تھپکی لگانے والے آلہ Face Patter سے جس پر شیمو چمڑہ Chamois leather چڑھا ہوا ہو تھوڑی ہی قیمت میں بازار سے مل سکتا ہے۔ جتنا ہاتھ سے کام ہو سکتا ہے، اس سے کہیں اچھا کام ہو جائے گا اور جلد کو راحت حاصل ہوگی۔

سنگھار کے لئے بہترین اشیاء لیجیئے سوائے کولڈ کریم Cold cream کے کسی کو فیاضی سے استعمال نہ کیجیئے زیادہ کولڈ کریم لگانے کا کم ہی موقع ملتا ہے۔ یاد رکھئے کہ دنیا میں ایسی حسن ساز کوئی چیز نہ نکلی نہ بنائی گئی جو مقطر پانی خالص صابن برف درست کرنے والی ورزش اور کولڈ کریم سے زیادہ چہرہ اور گلے کو درست کر سکے۔

ایک بات آنکھوں کے متعلق بھی سن لیجیئے دھندلی روشنی میں پڑھنے سے آنکھوں پر زور نہ ڈالیں، آنکھوں پر دباؤ پڑنے سے نہ صرف بینائی کو نقصان پہنچتا ہے۔ بلکہ ان کے گوشوں پر جھریاں پڑ جاتی ہیں جسم کے دیگر حصوں کی طرح آنکھوں کی بھی احتیاط کی جائے تو ان میں خوب اظہار کی طاقت آجاتی ہے مگر پلکیں یا بھوئیں گھنی نہ ہوں تو ان پر نرمی سے پوروں سے زیتون کا تیل لگائیں اگر ابروئیں بھدے زاویے بناتی ہوئی اگیں تو زائد بال موچنے سے اکھاڑ دیں اور کسی ننھے سے برش سے بالوں کو خوبصورتی

سے خمدار بننے کی عادت ڈالیں اگر کمان ابرو کافی نمایاں نہ ہو تو ابرو کی پنسل ہوشیاری سے استعمال کر کے اسے نمایاں کر دیں بے پروا ہاتھوں سے یہ ابروئیں پوری طور پر بھدی ہو جاتی ہیں۔

چہرہ سنوار ورزشیں

گال پوری طرح پھلائیں نیچے کا جبڑا خوب آگے کو بڑھائیں اور نیچے کا لب اوپر کے لب سے آگے یعنی بڑھائے رکھیں۔ چھوٹی چھوٹی پھونکوں سے ہوا اندر لیں، اور باہر نکالیں، جیسے کسی گیند کو پھونکوں سے اِدھر اُدھر کیا جاتا ہے پہلے آہستہ آہستہ پھونکوں سے شروع کریں، بعد میں ان میں زور پیدا کرتے جائیں۔ یہاں تک کہ تیز تیز اور زور زور سے سانس لیا اور نکالا جائے۔ جب ٹھوڑی نیچے کو جھکنے کی طرف مائل ہو اور اُس کے نیچے کی کھال مرجھا رہی ہو اس کے لئے اس ورزش کی بڑی زور سے سفارش کی جاتی ہے۔ اس ورزش کے شروع کرنے کے چھ ہفتہ بعد نتائج دیکھے جائیں۔

ٹھوڑی اور گلے کو سنوارنے کے لئے یوں کریں کہ سیدھی کھڑی ہو جائیں۔ کندھے کانوں کے برابر اُٹھائیں اور اُنگلیاں ایک دوسری میں پھنسا کے ہتھیلیاں سر پر رکھیں، ٹھوڑی آگے کو اُبھار دیں اور گردن اور چہرے کے پٹھے سخت کریں ہتھیلیوں سے سر مضبوطی کے ساتھ دبائیں، اور ایک طرف سے دوسری طرف اور آگے اور پیچھے اسے پھیریں۔ اس حالت میں چہرے اور گردن کے پٹھوں کو ہلاتے رہیں جسم ڈھیلا چھوڑ دیں دس دفعہ یہ عمل کریں یہ ورزش سخت ہے اور ضرورت سے زیادہ نہ کی جائے۔ یہ گلے کے اندر اور دماغ کی جڑ میں تھکن کی حس اور کانوں میں بھنبھناہٹ پیدا کرتی ہے یہ چہرہ اور گردن کے کل پٹھوں کو صحیح و ہموار کرنے میں فائدہ دیتی ہے اور دماغ سے ذہنی دھند دُور کر کے اُسے صاف کر دیتی ہے۔ اس ورزش کے کرنے میں احتیاط کی دوبارہ تاکید کی جاتی ہے کہ زیادہ نہ کی جائے یا گلے کے غدود پر زیادہ زور نہ پڑنے پائے۔ ورزش کرنے کے دوران میں صاف سوچنے کا موقع نہیں ملتا۔ جسمانی حرکت کے ساتھ دماغ کو بھی کام کرنے دیں۔ اور سوچنے دیں کہ جو کام اس وقت آپ کر رہے ہیں اُس کے معقول نتائج برآمد ہوں گے۔

خانگی ٹوٹکے

لیموں کا عرق چھان لیں بہترین نرم کرنے والی چیز ہے۔ بال بھی چمک اُٹھتے ہیں

لیموں کا عرق اور سپرٹس آف وائن spirits of wine مساوی تعداد میں ملا کر صبح اور شام تھکے ہوئے پاؤں پر ملیں، جادو کی طرح تھکن دُور ہو جائے گی۔

لیموں کی قاش پر نمک چھڑک کر کپڑوں پر پڑے ہوئے میووں کے اور جھلسنے کے نشان دُور ہو جاتے ہیں۔ دائرہ کی صورت میں حرکت کر کے لیموں دبائیں، رگڑیں نہیں، پانی سے دھا کے دھوپ میں لٹکا دیں، سفیدی آ جائے گی۔ لیموں کی قاش پھیر کے ایلومینیم اور سٹیل کے برتن بالکل نئے ہو جاتے ہیں، نمک لگی ہوئی لیموں کی قاش سے سنگ مرمر کے اور سفید کپڑوں کی سیاہی کے نشان دُور ہو جاتے ہیں اگر مونیہ میں ریشمی کپڑے دھل کر ان پر دھبے پڑ جاتے ہیں۔ دھونے کے فوراً بعد اگر لیموں کے عرق میں کپڑے ڈال دیں تو دھبے جاتے رہتے ہیں تھرموس بوتل آدھی گرم پانی سے بھر کے تھوڑا سا لیموں کا عرق اور بائی کاربونیٹ آف سوڈا ایک چمچہ ملائیں، بوتل میں مٹھاس آ جائیگی

محمد ظفر

سیر بین

سنگاپور کا تذکرہ

سنگاپور اور انگلستان میں آٹھ ہزار میل کا فاصلہ ہے۔ اور بحیرہ روم کے مشرقی دہانے سے ۵۱۸۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس میں اور ہندوستان میں ۱۵۰۰ میل کا فاصلہ ہے یہ شنگھائی سے ۱۴۰۰۲ میل سے زیادہ اور آسٹریلیا سے ۲ ہزار میل دور ہے۔

سنگاپور سلطان جوہور کا علاقہ تھا ۱۸۱۹ء میں سر رفلیز گورنر سماٹرا نے تھوڑی سی قیمت پر اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے حاصل کیا۔ اس وقت یہ مچھلیاں پکڑنے کا مچھیروں کا معمولی سا اڈا تھا۔ تیرھویں اور چودھویں صدی میں البتہ سلطنت ملایا کا ایک اہم شہر تھا۔ مگر جاوا نے اسے ۱۳۶۵ء میں تباہ کر دیا۔ چنانچہ جب سے اس وقت تک یہ ویرانی کی حالت میں پڑا رہا۔ خریدنے کے بعد یہ جگہ اہمیت حاصل کرتی رہی، اور فروری ۱۹۳۸ء میں انگریزوں نے اسے بحری اور ہوائی اڈا بنانا شروع کر دیا۔ ملایا سے اسے ایک پل، جو ایک میل کے قریب لمبا ہے ملاتا ہے۔ یہاں پانی ملایا سے ایک حوض سے آتا ہے۔ جو ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ آس پاس سے چار پانچ شاہراہیں جاتی ہیں۔

نیند کا راز

نیند بھی عجیب چیز ہے۔ جن کی راتیں گھنٹوں کروٹیں بدلتے کٹتی ہیں، اُن سے اس کی آرزو پوچھو، کوئی کہتا ہے کہ نیند دماغ کے تھک جانے کا نام ہے کسی کا خیال ہے کہ یہ دن بھر کے کام کاج کا نعم البدل ہے۔ کہ جو کچھ دن میں بدن کا کوئی عضو گھسا یا خراب ہوا ہے رات کو نیند کے ذریعہ درست ہو جائے۔ امریکہ میں چند منتخب لوگوں کو زیر مشاہدہ رکھا گیا تاکہ نیند یا بے خوابی کے نتائج اخذ کئے جا سکیں ۱۲ طالب علموں کو بڑی احتیاط سے سال بھر سے زیادہ دیر تک زیر مطالعہ رکھا گیا۔ زیادہ لحاظ اس تحقیقات میں یہ رکھا گیا کہ مسلسل نیند میں کس قدر خلل پڑتا رہتا ہے۔ اس غرض کے لئے ہر شخص کے بستر کے ساتھ ایک خاص مشین لگا دی گئی۔ یہ ایک چلتے ہوئے کاغذ پر بستر پر لیٹے ہوئے آدمی کی ہر حرکت کو قلمبند کر دیتی ہے۔ چونکہ کاغذ کی حرکت کے وقت مقرر ہیں، اس سے ہر گہری نیند کے وقت اور خلل اندازی کے تواتر کی میعاد معلوم ہوتی رہتی ہے۔ ان تحریروں سے پتہ چلا کہ نیند مسلسل چیز نہیں، جو گھنٹوں قائم رہ سکے۔ بلکہ یہ چھوٹی چھوٹی غنودگیوں کا سلسلہ ہے۔ جن میں سے ہر ایک اوسطاً پندرہ منٹ سے زیادہ قائم نہیں رہتا۔ اور ایک کا دوسری سے کروٹوں اور جسم کی دوسری حرکتوں سے سلسلہ ٹوٹتا رہتا ہے۔ بیماری کی حالت میں بھی نیند پر اثر پڑا۔ ایک کو زکام کھانسی ہوا۔ اس کے حملے سے پہلے نیند کا وقفہ دگنا ہو گیا۔ اور جب تک بیماری رہی بے حس و حرکت نیند کے وقفے قائم رہے۔ تندرستی پر پھر اصلی مدت پر عود کر گئے۔ دماغی فکر و بے چینی کے اثرات کو بھی قلمبند کیا گیا۔ اس تحقیق کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مشین اب شفاخانوں میں بیماری کے انسداد کی تدابیر کے سلسلہ میں استعمال کی جانے لگی ہے۔

ہندو عورت کے حقوق

بڑودہ اور میسور جیسی ہندو ریاستیں ترقی کی طرف گامزن رہتی ہیں۔ گیارہ سال کی بات ہے کہ بڑودہ کے مہاراجہ نے لائق اور عالم ہندوؤں کی ایک کمیٹی بنا کر اس کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ تحقیقات کرے کہ اعلیٰ طبقہ کے ہندوؤں میں متاہلانہ زندگی کیسے گذر رہی

ہے۔ اور اگر میاں بیوی کو ایک دوسرے سے کچھ شکایت ہو تو اس کا ازالہ طلاق سے کیا جائے۔ کمیٹی نے طلاق کے نافذ ہونے کی رائے دی۔ اس پر ملک کی رائے لی گئی۔ چاروں طرف سے کمیٹی کی سفارشوں پر لے دے شروع ہوگئی، مگر متوفی کہنہ سال راجہ نے بڑی ہمت سے کام لے کر طلاق کا قانون بنا دیا جس کی رُو سے قرار دیا گیا کہ شادی شدہ مرد یا عورت بذریعہ طلاق یا تنسیخ نکاح آزادی حاصل کر سکتی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی مفقود الخبر ہو جائے اور سات سال تک اس کا پتہ نہ چلے، یا دوسرا مذہب اختیار کرے یا تارک الدنیا ہو جائے یا تین سال تک متواتر اپنی شریک زندگی سے بیرحمی کا برتاؤ کرے یا اُسے چھوڑ جائے۔ یا ہر وقت مدہوش رہے یا دوسری عورت کے زیر اثر رہے۔ یا بوقت شادی دونوں میں سے کوئی خطرناک بیماری میں مبتلا تھا۔ یا بہرہ گونگا اندھا پاگل یا غیر مذہب کا پابند یا نابالغ تھا۔ یا اُسے دھوکہ دے کر عقد نکاح میں لایا گیا۔ طلاق یا تنسیخ نکاح کے چھ ماہ بعد عورت نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

اتنا ہی زمانہ ہوا کہ ریاست میسور نے بھی ایک کمیٹی مقرر کی۔ چنانچہ اس کی روئداد "دھرم شاستر کے ماتحت عورتوں کے حقوق" کے نام سے سرکاری مطبع سے شائع ہوئی تھی، کمیٹی کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ ہندو عورت کی حالت سدھاری جائے گو سفارشات ریاست کے لئے محدود تھیں، مگر اُن کا اطلاق بمرور ایام ہندوستان کے ہندوؤں پر سب پر ہوتا جائے گا کیونکہ اس کمیٹی نے خوب چھان بین کی تھی اور دھرم شاستر کی دونوں شاخوں متاکشرع اور دیا بھاگ میں ہندو عورت کی پابندیاں کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔ وراثت اور اس کی درجہ بندی اشتراک خاندان گذارہ اور استری دھن کے معاملہ میں متاک شرع کا دامن عورت کے لئے بہت تنگ ہے، اس کمیٹی کی سفارشات ایک مسودہ قانون کی صورت میں تھیں، جس کی رُو سے محض عورت ہونے کی وجہ سے اُسے وراثت سے محروم رہجانے سے بچایا گیا ہے۔ بے وصیت مرجانے والے لاولد ہندو کی کوئی اولاد اناث حصہ لینے سے محروم نہیں رکھی گئی۔ چنانچہ اس قانون نے وارثوں میں عورت کو شامل کر لیا ہے۔ اور تین پُشت لڑکوں کو حق دیا گیا، بیوہ ماں کنواری لڑکی اور بہن کو بوقت تقسیم لڑکے کے مقابلہ میں بیوہ اور ماں کو لڑکے سے آدھا حصہ اور بھائی سے چوتھائی حصہ دیا گیا۔ اور کنواریوں کو شادی کے اخراجات بھی دلائے جائیں گے۔ اگر شوہر کی ممانعت نہ ہو تو کھلی اجازت نہ ہوتے ہوئے بھی بیوہ لڑکا گود لے سکتی ہے۔ اور بعد میں اس لڑکے کے رحم پر رکھنے سے اس طرح بچایا گیا کہ وہ جب چاہے متبنیٰ لڑکے سے لڑکے کے حصہ کا چوتھائی بجائے گذارہ لے سکتی ہے۔ بیوہ کی مصیبتیں اس طرح کم کی گئیں کہ اُسے محدود اختیارات کی وراثت کے بجائے خود مختار وراثت دی گئی وارث بازگشت کو وہ کچھ حصہ پیشگی دے کر آئندہ کی پابندیوں سے مخلصی حاصل کر سکتی ہے، وہ بیع و رہن کر سکتی ہے۔ اگر وہ وارث بازگشت کی رضامندی حاصل کرے، پھر وہ بعد میں کسی وقت بیوہ کے فعل پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

ہندو مرد پر لازم ہوگا کہ وہ اپنی حقیقی ماں اپنی سوتیلی ماں، بیوی، کنواری بیٹی، بہن۔ محتاج شادی شدہ یا بیوہ بہن کو گذارہ دیتا رہے۔ اگر شوہر دوسری بیوی کرے تو شوہر کے پاس رہنے سے انکار کر سکتی ہے۔ اور علیحدہ اپنا نان و نفقہ لے سکتی ہے۔

اسلام سے پہلے عورتوں پر بہت سختی تھی اسلام نے جو حقوق عورتوں کو دیئے اُس کا ہر چہار طرف یہ اثر ہوا کہ وقتاً فوقتاً دوسرے مذہبوں نے عورتوں کے حقوق کی نظر ثانی کی اور اُنہیں کچھ نہ کچھ دینا پڑا۔

آسٹریلیا کی حیثیت

آسٹریلیا پہلے زمانہ کے جغرافیہ کی کتابوں میں جزیروں میں شامل رکھا گیا ہے۔ آج کل اُسے براعظم کا رتبہ دیدیا گیا ہے۔ یہ ہندوستان سے تقریباً دگنا ہے مگر آبادی کم ہے دوسرے ملکوں سے نقل مکان

کی اس نے عرصہ سے ممانعت کر رکھی ہے۔اس لئے آبادی گنجان نہیں ہونے پائی۔جب سے جاپانیوں نے تیمور پر قبضہ کیا ہے اور نیو گنی پر فوجیں اُتار دی ہیں۔آسٹریلیا کو خطرہ اور پریشانی ہو گئی ہے۔کیونکہ جاپان شمالی اور مشرقی ساحل کی بندرگاہیں، بروم، ونڈہیم، ڈاروِن، کیرنس اور ٹاونس ویل قبضہ میں لاکر آسٹریلیا پر سمندری راستے بند کرنا چاہتا ہے۔راس یارک شمال کی سب سے بڑھی ہوئی نوک ہے۔اس کے پاس جزیرہ تھرسڈے واقع ہے، اس پر بھی جاپان قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ کیرنس سے بروم تک تقریباً خالی علاقہ ہے جس کا رقبہ چار لاکھ مربع میل ہے۔اور آبادی ۷۰ لاکھ انگریزوں کی ہے۔اس کا بچانا معمولی کام نہ ہوگا۔کیرنس اور ٹاونس ویل کی ۱۲ ہزار اور ۲۷ ہزار بالترتیب آبادی ہے۔اس میں اطالوی بھی بکثرت ہیں جو دشمن کے لئے زبردست معاون ثابت ہوں گے۔ساحلوں کے بیچ میں چند چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں، جن میں مویشی پالے جاتے ہیں اور کچھ خانہ بدوش وحشی قومیں رہتی ہیں۔دونوں مقامات مفید بندرگاہیں ہیں تھرسڈے کے جزیرے میں جہاز اچھی طرح ٹھہر سکتے ہیں، ڈاروِن بحری اور ہوائی اڈے بنانے کے لئے نہایت عمدہ مقام ہے، ونڈہیم اور بروم کا پانی گہرا ہے اور جہازوں کے لئے بہترین لنگرگاہ کا کام دے سکتے ہیں۔یہ مویشیوں کی بندرگاہ ہے۔بروم کے عین شمال میں آبنائے کنگ ہے جس میں کئی بڑے جہاز جمع ہو سکتے ہیں۔بروم موتیوں کے نکالے جانے کا صدر مقام ہے۔ان سب مقامات پر قبضہ کرکے ایک ملک آس پاس کے سب سمندروں اور رسد رسانی کے جملہ راستوں پر قابو رکھ سکتا ہے۔ڈاروِن، ٹاونس ویل اور کیرنس میں اول درجہ کے ہوائی اڈے ہیں، ونڈہیم اور بروم کے ہوائی اڈے اب تک برابر استعمال میں رہے ہیں۔۲۰ سال سے زیادہ سے جاپانی اپنی ماہی گیر کشتیوں میں کیرنس اور بروم کے تین ہزار لمبے ساحل کی خوب دیکھ بھال رکھتے چلے آئے ہیں اور وہ اس سے خوب واقف ہیں۔پورٹ ڈاروِن پر پیچھے سے حملہ کیا جا سکتا ہے۔اس کی کمزوری عرصہ سے محسوس کی جا رہی ہے۔آسانی سے توڑی جانے والی ریل جس کے پل بھر میں تیس پل آتے ہیں، ڈاروِن کے جنوب سے بروم تک جاتی ہے اور بندرگاہ اوگسٹا جو جنوبی ساحل پر واقع ہے ۷۰۰ میل کے فاصلہ پر ایلس کے چشموں تک ایک اور ریل جاتی ہے۔ان دونوں ریل کے مقاموں کو سال گذشتہ ہر موسم میں کام دے جانے والی پکی سڑک حکومت نے بنوادی ہے ڈاروِن پر حملہ کی صورت میں یہ ریل و سڑک خوب کام دیں گی۔

شوہروں کی بُرائی بھلائی

ایک انگریز عورت نے شوہروں کے بُرے بھلے پہلو بیان کئے ہیں۔اُس کی پہلی شادی ۱۷ سال کی عمر میں ہوئی اور ۵۲ سال کی عمر میں وہ چھٹے شوہر کی بیوی تھی۔ اُس کے پانچ شوہر اتفاقیہ بیماریوں میں مرے۔اور ایک نے جس سے اسے بڑی محبت ہو گئی تھی اُس کے بازوؤں میں دم توڑا۔چھٹا شوہر جنوبی امریکہ میں تلاش معاش کے لئے چلا گیا۔تاکہ دونوں کے بڑھاپے کے لئے کچھ اندوختہ کرلے۔اس عورت نے بتایا کہ میرے شوہروں کو یہی معلوم تھا کہ میں نے ایک دو دفعہ ہی شادی کی ہے۔تمام شوہر ان کی عمر کچھ ہی ہو، کچھ ہی پیشہ ہو اور کیسی ہی خصلت ہو یکساں ہوتے ہیں۔شادی کے بعد ہی سب ایک سی عادات و خصائل دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔اُس نے اُن کی خوبیاں اور بُرائیاں بیان کیں بُرائیاں یہ ہیں کہ وہ پہلے شوہر سے جلتے ہیں مجھے سابقہ شوہر کا تذکرہ کرنے کی اجازت نہیں۔حتیٰ کہ تصویر بھی نہیں رکھ سکتی، وہ اپنی بیوی سے کتنی ہی محبت کیوں نہ کرتے ہوں، مگر اس کی مطلق پرواہ نہیں ہوتی کہ اُن کی اس بات سے کس قدر ذہنی تکلیف ہوتی ہے کہ اُنہیں جلد ہی پتہ چل جاتا ہے کہ شوہروں کو صرف ایک بے تنخواہ کے گھر چلانے والی اور جن محرر ماما اور پالنے والی کی ضرورت ہے۔شادی کے چند ماہ بعد ہی

ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ اُنہیں اپنی بیویوں کی صورت شکل اور لباس سے دلچسپی نہیں رہی، یہ بُرائی بیحد پریشانی کا باعث ہے۔ اور سبھی شوہروں میں پائی جاتی ہے۔ بیویوں کو سنگھار کی ضرورت نہیں، غیر عورت کیسا ہی سنگھار کرے وہ اس کی تعریف کر دیں گے، لیکن بیوی سنگھار کرے تو اُسے کہا جاتا ہے کہ جاؤ اور مُنہ دھوآؤ۔

خوبیاں بھی سنو، وہ دنیا کے سب سے اچھے اور حیرت انگیز رفیق ہیں۔ شوہر ہی بیوی کا حقیقی دوست ہو سکتا ہے جس سے وہ ہر قسم کے مضمون پر بحث کر سکتی ہے۔ اور اسی اس کی ہمدردی کا یقین ہو سکتا ہے، اور اُسے معلوم ہو گا کہ وہ اُسے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر شادی شدہ شخص میں وفاداری کی خصوصیت ہوتی ہے، وہ صبح سے رات تک اپنی بیویوں پر نکتہ چینی کئے جائیں، مگر کسی غیر کی زبان سے اس کی بُرائی سننے کی اس میں تاب نہیں ہوتی، اس کی ساعت میں کوئی اس کی بُرائی کر کے دیکھ لے وہ اس کا گلا دبوچ لے گا۔

مرد عورت کو آزاد اور مردانہ پسند نہیں کرتا اور اس میں نسائیت پسند کرتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اُس میں سہارا لینے کی خواہش ہو اور چوہیا سے بھی ڈرتی ہو۔ اُنہیں عورت کی بُت کی سی خاموشی پسند نہیں، وہ بول چال چاہتا ہے، وہ عورت میں خانہ داری کی خوبی چاہتا ہے مگر یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ گھر کا دھندا چلنے کی داستان اُسے سُناتی رہے۔ اس گفتگو اور ہم ہمی سے وہ گھبرا اُٹھتا ہے نہ بیماری بطور تذکرہ اسے پسند ہے۔ رقابت کا خیال اُسے بیوی کی دائمی محبت پر مجبور رکھ سکتا ہے۔

پھلجھڑیاں

بورنیو میں بالک پاپن اور سماٹرا میں پالم بنگ تیل کی کانیں تھیں، اُنہیں جاپان کے ہاتھ میں جانے سے پہلے برباد کر دیا گیا۔ اب تیل اور پٹرول کا بار عراق اور ایران کے تیل کے چشموں پر زیادہ سے زیادہ پڑ رہا ہے۔ ایران کے چشموں پر ۲۴ ہزار ایرانی اور ایک ہزار ہندی کام کرتے ہیں۔ آبادان کی کان مشرق میں سب سے بڑی ہے جس سے ۲ کروڑ ۸۰ لاکھ من تیل نکلتا ہے۔ اور ایران کو ۴۰ لاکھ پونڈ بطور زر ٹھیکہ دیا جاتا ہے جو ایرانی حکومت کی سالانہ آمدنی کا دس فیصدی حصہ ہے۔

بلیک وال لندن کی سُرنگ سوا میل لمبی ہے۔ دریائے ٹیمز کے ۷۰، ۴۰ گز نیچے ہے۔

چوہوں، خرگوشوں اور دوسرے اپنی خوراک پیس کے کھانے والے جانوروں کے دانت ہمیشہ اُگتے رہتے ہیں۔

چین میں ایک پھول ہے۔ جو رات کے وقت یا سایہ میں سفید اور سورج کی روشنی میں سرخ ہو جاتا ہے۔

گھوڑوں کے ابروئیں اور مچھلیوں کے پپوٹے نہیں ہوتے۔

گھاس کا ٹڈا اپنی لمبائی سے دو سو گنی جست لگا سکتا ہے۔

شہد کے چھتّہ کے ایک مربع فٹ میں نو ہزار خانے ہوتے ہیں۔

چیونٹیاں سبز مکھی وغیرہ کو دودھ دوہنے کی غرض سے رکھتی ہیں جیسے کسان گائے رکھتا ہے۔ وہ اس مکھی کی خبرگیری کرتی ہیں، اس کے دودھ پر ان کا گذارہ ہے۔

کچھوے سبزی پر زندگی بسر کرتے ہیں۔

محمد ظفر

بزمِ عصمت

بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں خریداری نمبر کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔
ایڈیٹر

بہن قمر جہاں کو چاہیے کہ وہ روزانہ صبح ایک دو صفحے ضرور کلام پاک کے تلاوت فرمایا کریں اور پنج وقتہ نماز کی عادی بنیں۔ نیز برے خیالات کے بجائے اچھے خیالات کو دل میں جگہ دینے کی کوشش فرمائیں انشاءاللہ خود بخود برے خیالات دل سے بالکل نکل جائیں گے۔"

خریدار نمبر ۷۰۲۴ - گلبرگہ شریف (دکن)

بہن مسز فضلی صاحبہ سے عرض ہے کہ عصمت مئی ۱۹۴۱ء میں آپ کا ایک مضمون "دبلے ہونے کا مجرب علاج" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ برائے مہربانی جلد از جلد مطلع فرمائیے کہ آیا دوران علاج میں پانی پینے کی بھی ممانعت ہے یا نہیں۔ دوسرے سنترے سیب، انار میں سے کسی قسم کے پھلوں کا عرق پینے کی اجازت ہے۔ یا صرف ایک پھل کے عرق کی۔

جے۔ کے (بلند شہر)

"اگر کسی عصمتی بہن نے محترمہ ایس۔ جے۔ بیگم کھطر کا اکسیر رواں استعمال کیا ہو تو تحریر کریں اس کا فائدہ ہوتا ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ کئی دفعہ مسز حمید صاحبہ نے بالوں کے دور کرنے کے نسخے (جو کہ بے فائدہ منہ پر ٹھوڑی پر پیدا ہو جاتے ہیں اور بہت برے معلوم ہوتے ہیں) بتلائے ہیں جو استعمال کئے گئے مگر ذرا بھی فائدہ نہیں ہوا اگر کوئی عصمتی بہن اپنا تجربہ شدہ نسخہ بذریعہ بزم عصمت بتائیں تو میں بہت شکرگذار ہونگی۔ میری لڑکی کو سخت ضرورت ہے۔

خریداری نمبر ۴۶۸۴

میری ایک عزیز سہیلی کے چہرے پر کچھ عرصہ سے رواں نکل کر روزانہ بڑھ رہا ہے۔ کوئی بہن یا بھائی بذریعہ بزم عصمت کسی فائدہ مند دوا کا نام بتائیں جس سے دھبے اور داغ نہ پڑیں۔ کیا ویسلین کے استعمال سے روئیں تو پیدا نہیں ہوتے؟

ایک ضرورت مند بہن

مس آمنہ قلی صاحبہ نے رس گلہ بنانے کی ترکیب دریافت فرمائی ہے۔ صحیح ترکیب ان کی خدمت میں روانہ کرتی ہوں دودھ کو نیبو سے پھاڑ کر کپڑے سے گار کر اس کا چھینا نکال لیں چھینا کو گول بنا کر چینی پانی ملا کر قوام بنا لیں گاڑھا ہو جانے پر اتار لیں۔ اس میں رس گلہ ڈال دیں ایک گھنٹے کے بعد استعمال کریں جتنا رس گلہ بنانا ہو اندازے سے چینی ڈالیں کہ میٹھا ہو جائے

صغیرا خاتون نمبر ۲۶۱۴

ایک بہن نے سمنک کی ترکیب پوچھی ہے جو لکھتی ہوں۔ حسب ضرورت گیہوں کو دھو کر پانی میں پڑا رہنے دیں۔ مگر پانی روزانہ بدل دیا کریں۔ چوتھے روز سارا پانی نکال دیں، اور برتن میں پڑا رہنے دیں۔ ان میں اب چھوٹی چھوٹی سی جڑیں نکلنی شروع ہو جائینگی۔ تقریباً ہفتہ بھر تک بغیر پانی کے ٹھنڈی جگہ پر رکھ چھوڑیں مگر اس بات کا خیال رہے کہ روزانہ گیہوں کا ایک دفعہ پانی نکال دیا کریں۔ ہفتہ بھر بعد دھوپ میں سکھانے کے لئے رکھ دیں۔ جب ہفتہ بھر تک خوب سوکھ جائیں تو چکی میں پسوا لیں۔ یہ ترکیب میری آزمودہ ہے۔

ایک بہن

دوربین

جرمن ترکتاز مالٹا بحر روم میں ۱۷ میل × ۹ میل کا چھوٹا سا جزیرہ ہے، جس میں تین لاکھ آدمی بستے ہیں اس پر دو سال سے کچھ کم عرصہ میں دو ہزار حملے ہو چکے ہیں، دشمن کے علاقہ سے تقریباً ۶۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ مگر برطانوی علاقہ سے سینکڑوں میل دور ہے۔ جبل الطارق سے ۱۱ سو اور مصر سے ایک ہزار میل کے فاصلہ پر ہے۔ چھوٹے سے ہونے کی وجہ سے ہوائی جہاز جزیرہ سے ہوا میں اٹھ کے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ دشمن کے جہاز آتے ہی گولہ باری شروع کر دیتے ہیں۔ ۴۔ دسمبر ۱۹۴۱ء سے اب تک صرف ایک دن اور دو راتیں ایسی گذری ہیں، جن میں کوئی ہوائی جہاز حملہ آور نہیں ہوا۔ جزیرہ پر برابر جرمنوں کے ہوائی حملے جاری ہیں جن میں سے اکثر بہت شدید ہوتے ہیں۔ طرابلس میں آندھیوں کا زور ہے۔ اس لئے وہاں ابتدائی پیش قدمی کے بعد جرمن کی فوجیں بھی رک گئی ہیں۔ روس میں برف پگھلنی شروع ہو گئی ہے۔ اس سے دلدل جگہ جگہ پیدا ہو گئی ہے مگر اس کے باوجود جنگ کی شدت جاری ہے۔ جنوبی روس میں اب موسم حملہ کے قابل ہو گیا ہے مگر وسط اور شمالی روس میں ابھی کئی ہفتے برف پگھلنے میں لگیں گے کہا جاتا ہے کہ بحیرہ یونان اور اس کے ملحقہ علاقہ میں جرمنی کی زبردست تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ خیال ہے کہ یہ سب کچھ ایشیائی حملے کے لئے کیا جا رہا ہے تاکہ جرمنی بحیرہ عرب میں جاپان سے مل جائے۔ جرمنی نے ناروے کے ساحل پر فوجی استحکامات کا زبردست سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ اسے اندیشہ ہے کہ اتحادی باقاعدہ طور سے اس ملک پر حملہ نہ شروع کر دیں۔ بحر اوقیانوس میں جرمنی کی آبدوزیں بدستور کام کر رہی ہیں۔ اتحادیوں نے جرمنی اور اس کے مقبوضہ علاقوں پر اپنے ہوائی حملوں کا سلسلہ بدستور جاری رکھا۔

جاپان کی پیش قدمی جاپان نے برما میں ٹونگو اور پروم پر قبضہ کر لیا۔ انگریزی فوجوں نے پیچھے ہٹتے ہوئے تھٹ منو کے شمالی تیل کے مقامات کو برباد کر دیا۔ جزائر انڈمان (یعنی کالے پانی) پر جاپانی قبضہ ہو گیا۔ بحر ہند میں جاپانی جہاز گھومنے اور برطانوی تجارتی جہازوں کو تنگ کرنے لگے۔ کولمبو کے دارالسلطنت پر شدت کا ہوائی حملہ ہوا جس میں اسے نقصان پہنچا۔ مگر باشندے وغیرہ سب نے بڑے استقلال سے کام لیا۔ جاپانیوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ وزیگاپٹم اور کوکوناڈا ہندوستانی بندرگاہوں پر بھی ہوائی حملے کئے گئے۔ کوکوناڈا ضلع گوداوری کا صدر مقام ہے۔ اور اس کی آبادی ۷۰ ہزار ہے۔ احاطہ مدراس کا چاول یہاں سے باہر جاتا ہے۔ یہ مقام ۱۸۲۵ء تک ولندیزیوں کے پاس رہا۔ ۱۷۵۹ء میں فرانسیسیوں نے دو مرتبہ یہاں فوج اتاری مگر پسپا کر دی گئی۔ ان دنوں کورنگا زیادہ اہم بندرگاہ تھی۔ اس کے اٹ جانے پر کوکوناڈا کی اہمیت بڑھ گئی۔ کانگرس کا ۳۹ واں اجلاس ۱۹۲۳ء میں یہاں ہوا تھا۔

مانڈلے پر جاپانی ہوائی جہازوں نے بڑے غضب کا حملہ کیا اور تقریباً سارا شہر جل کر تباہ ہو گیا۔ البتہ شاہی محل کو کم نقصان پہنچا۔ برما میں رنگون کے بعد یہ دوسری دردبھری داستان ہے۔ گو یہاں بربادی زیادہ ہے جاپانیوں نے جزیرہ مینس پر قبضہ کر لیا۔ جونیوگنی کے شمال میں واقع ہے۔

تین ماہ کے محاصرہ کی لڑائی کے بعد جزائر فلپائن کا آخری بڑا مورچہ باطن مسخر ہو گیا لڑتے لڑتے فوج تھک کے چور ہو گئی تھی، فوج کی تعداد ۳۶۸۵۳ تھی۔ کوری جیڈور میں جنگ جاری ہے فلپائن کے باقیماندہ جزیروں پر جاپانی دستبرد شروع

ہوگئی ہے۔ ان علاقوں کی مقامی فوجیں جاپانیوں کا جم کر مقابلہ کر رہی ہیں۔

برما میں نیانگ یانگ کا سب سے بڑا تیل کا چشمہ چینیوں نے خالی کرتے وقت بالکل برباد کر دیا۔ چند روز بعد چینی پھر اُس پر قابض ہوگئے۔ یہ مقام میگوئی کے شمال میں ہے برما میں جاپانی پیشقدمی کی رفتار سست پڑ گئی ہے۔ ہندوستانی اور چینی فوجیں بہادری سے دشمن کا مقابلہ کر رہی ہیں۔

آسٹریلیا میں اتحادی قوت مجتمع ہو رہی ہے اور جاپانیوں کو اُس پر اُترنے اور اپنا حملہ جاری رکھنے کی جرأت نہیں ہوئی نیوگنی میں بھی کچھ حصہ پر قابض ہوکے وہ رُک گئے ہیں۔ اتحادیوں کا مقابلہ سخت ہوتا جا رہا ہے۔

بحرِ ہند میں کئی برطانوی تجارتی جہاز جاپانیوں نے ڈبو دیئے اور دو جنگی جہاز اور ایک ہوائی بردار جہاز بھی ڈبو دیا۔ لڑائی جب سے شروع ہوئی ہے، پہلی مرتبہ امریکی ہوائی جہازوں نے جاپان کے دارالسلطنت ٹوکیو اور دیگر اہم شہروں کوبی۔ یوکو ہامہ وغیرہ پر حملہ کر کے سخت نقصان پہنچایا۔ جاپان میں اس سے سخت سراسیمگی پھیل گئی ہے کیونکہ اسے محسوس ہوا ہے کہ اب امریکی بحری اور ہوائی طاقت کیل کانٹے سے درست ہو کر خود اس کے ملک کو چین سے نہ بیٹھنے دیگی۔

فرانس میں مدوجزر

روس کی جانب سے اتحادیوں پر شروع سے زور دیا جا رہا ہے کہ جرمنی کے خلاف دوسرا محاذ جاری کیا جائے۔ چنانچہ اب اتحادی اس قابل ہوگئے ہیں کہ وہ یورپ میں کسی جگہ جرمنی سے ٹڈبھیڑ کر کے روس پر سے دباؤ کم کرا سکیں۔ چنانچہ خبر گرم ہے کہ اتحادی عنقریب فرانس پر شمال یا مغرب سے حملہ کریں گے خیال ہے کہ فرانسیسی آبادی تلی بیٹھی ہے کہ وہ وقت پاتے ہی جرمنی کے خلاف اُٹھ کھڑی ہو۔ لیکن دوسری طرف فرانس میں ایک عجیب انقلاب برپا ہوگیا۔ ایم لاول جس کا رجحان علانیہ برطانیہ کے خلاف رہا ہے برسرِ اقتدار آگیا ہے۔ گو مارشل پیتاں کو سردار حکومت قرار دیا گیا ہے، لیکن مارشل کے اختیارات لاول کو حاصل ہوگئے۔ جو اول الذکر کی نگرانی میں نافذ ہوں گے بحری بیڑے کے متعلق اندیشہ پیدا ہوگیا ہے۔ کہ اُسے جرمنی کے حوالہ نہ کر دیا جائے۔ یا اس کی خدمات میں نہ لگا دیا جائے۔ فرانس کو امریکہ سے حال ہی میں شکایت پیدا ہوگئی تھی۔ اُس نے ڈی گول کی آزاد فرانسیسی حکومت کو تسلیم کر کے وہاں اپنا سفیر مقرر کر دیا ہے اب خیال کیا جاتا ہے کہ لاول کی وجہ سے امریکہ اپنا سفیر وشی سے واپس بلالیگا گو موسم بہار میں روس کے محاذ پر جرمنی کے حملہ کا انتظار کیا جا رہا ہے، مگر فرانس کے اس تغیر و تبدل نے یہ امکان بھی پیدا کر دیا ہے کہ یہ انگلستان پر حملہ کا دیباچہ نہ ہو جائے اگر انگریز بھی دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے خوب تیار ہیں۔

ہندوستان کو درجہ نو آبادی

سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان میں آئے اور کانگریس مسلم لیگ اور دیگر مقتدر جماعتوں کے سربرآوردہ لوگوں سے اُنہوں نے مسلسل ملاقاتیں کر کے ایک مشترک لائحہ عمل تیار کرنے کی کوشش کی۔ انگلستان کی طرف سے ہندوستان کو درجہ نوآبادی دینے کا وعدہ کیا گیا جس کا باقاعدہ نفاذ بعد ختم جنگ تجویز کیا گیا۔ وائسرائے اور سپہ سالار ہند کے عہدے برقرار رکھے گئے، اور ملک کی حفاظت کا انتظام بدستور برطانوی ہاتھوں میں رکھا جانا ضروری بتایا گیا۔ ملک کے رہنماؤں نے فوراً درجہ نو آبادی مانگا۔ اور فوجی نظم و نسق ہندوستانیوں کے قبضہ میں رکھا جانا ضروری بتایا گیا۔ اس امر کو پسند نہیں کیا گیا کہ اگر بعض صوبے اور ریاستیں مرکز سے اتحاد نہ کر سکیں، وہ اپنی علیحدہ نو آبادی بنا سکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے ۶۰ فیصدی کی کثرت رائے اور اس کی عدم موجودگی میں بالغوں کی عام رائے کا حصول ضروری قرار دیا گیا۔ اس سے مسلمان جو پاکستان کے طلبگار ہیں مطمئن نہیں ہوئے انکا قول یہ تھا

کہ پاکستان کا اصول تو تسلیم کر لیا گیا، مگر اس کا حصول محض سراب بنا دیا گیا۔ غرضکہ کوئی جماعت ان تجاویز کو پسند نہ کرسکی اور سر مذکور ہندوستان سے ناکام واپس ہوئے۔ البتہ لیڈروں نے اعلان کر دیا کہ جاپان یا جرمنی نے ہندوستان پر حملہ کیا تو ہندوستانی ان کا شدت سے مقابلہ کریں گے۔

تاروں کا جھرمٹ

سنہ ۱۹۴۱ء کی ڈاک خانہ کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سال ماسبق کی آمدنی ۲۴۸۵۲۰۰۰ ۱۲ روپیہ کے مقابلہ میں ۲۸۲۶۰۰۰ ۱۳ روپیہ کی آمدنی ہوئی گویا ۹۷۴۰۰۰ روپیہ کی بیشی ہوئی۔ عملہ میں ۱۲۱۰۰۰ آدمیوں نے کام کیا۔ اور ملک میں ۲۵۳۴۰ ڈاک خانہ تھے۔ منی آرڈروں کے ذریعہ تقریباً دو ارب ۸۹ کروڑ روپیہ تقسیم ہوا۔ ۳ کروڑ ۹۰ لاکھ رجسٹریاں روانہ ہوئیں جن میں ۲ کروڑ ۱۰ لاکھ بیمے تھے ۴ کروڑ ۳۰ لاکھ منی آرڈر جاری ہوئے جن کی مالیت سوا اسی کروڑ تھی۔ ۹ کروڑ تار بٹے وی پی سے ۱۴ کروڑ روپیہ کی آمدنی ہوئی۔ ڈاک خانہ کے بنک میں ۵۹ کروڑ سے زیادہ روپیہ لوگوں کا موجود ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی لڑکی مس اندرا کی شادی خود ان کی مرضی کے مطابق ایک پارسی مسٹر فیروز گاندھی سے ہو گئی ہے۔ ویدک ریت کے مطابق ایک برہمن نے نکاح کی رسم ادا کی۔ اس شادی سے فریقین کے مذاہب پر اثر نہ پڑیگا۔

آسٹریلیا میں چا کی مقدار ہر شخص کے لئے مقرر کر دی گئی ہے نو برس سے زیادہ کے ہر شخص کے لئے آدھی چھٹانک چا ہفتہ وار مل سکیگی ایسے لوگوں کو اپنا نام چا کے خوردہ فروش کے ہاں درج رجسٹر کرانا ہوگا۔

الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا اس میں ایک تلوار جو دہلی میں کسی رضا کار نے مسٹر جناح کو پیش کی تھی ۲۱ ہزار میں نیلام ہوئی۔ سر عبداللہ ہارون تاجر کراچی نے اس کے لئے ۱۰ ہزار مزید دیئے اس طرح یہ تلوار ۳۱ ہزار میں بکی۔ پاکستان کا نقشہ بلیا کی ایک خاتون نے کاڑھ کے بھیجا تھا، اسے کلکتہ کے نائب میئر نے دس ہزار روپیہ میں خرید کے مسٹر جناح کی نذر کر دیا۔ اس طرح صرف دو چیزوں کے بکنے سے مسلم لیگ کے فنڈ میں ۴۱ ہزار روپیہ جمع ہو گئے۔

روس میں عورتیں بھی ہوائی جنگی جہاز چلا رہی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور میجر گریزوڈوبوا ہے۔ جو ایک بمبار دستہ کی سپہ سالار ہے شادی شدہ ہے اور ۵ سال کے لڑکے کی ماں ہے۔ اسے سوویٹ کی ہیروئن کا خطاب دیا گیا ہے اور ۱۹۳۸ء میں ماسکو سے بحر الکاہل تک متواتر اڑ کے چلے جانے پر تمغہ دیا گیا تھا کیونکہ اس نے عورتوں میں سب سے لمبی مسلسل پرواز کی تھی۔

سر عبدالرؤف سابق جج عدالت عالیہ لاہور نے مسلم یونیورسٹی کو ۵۰ ہزار روپیہ کا عطیہ دیا ہے کہ اس سے ایک ہوسٹل بنایا جائے۔ جس کی آمدنی سے مسلمان طلباء کو وظائف دیئے جائیں۔

فیصلہ کیا گیا ہے کہ گیہوں بیچنے والے اپنے ضلع کے ڈپٹی کمشنر سے لائسنس لیں جو بلا فیس دیا جائیگا۔ دوکاندار کو ہر مہینے کے آخر میں گیہوں کی آمد و فروخت و بقایا کا نقشہ دینا پڑیگا۔ گیہوں کا نرخ لائلپور اور ہاپوڑ کی منڈیوں میں سال بھر کے لئے پانچ روپیہ من قائم کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ آج کل عام طور سے گیہوں ۷ سیر مل رہا ہے۔

آٹھ مارچ سنہ ۱۹۴۲ء کو ختم ہونیوالے گیارہ روز کے عرصہ میں ریلوں کو ۴ کروڑ ۶۳ لاکھ روپیہ کی آمدنی ہوئی، جو سال ماسبق کے اسی عرصہ کی آمدنی سے ایک کروڑ ۵ لاکھ اور سنہ ۳۹ء کے اسی عرصہ کی آمدنی سے ۱۱ لاکھ روپیہ زیادہ ہے۔

دہلی میں سینٹ سٹیفن کالج کے پاس ۱۲ اور سات سال کے دو مسلمان بچے پٹڑی پر کھیلتے ہوئے ایک میم کی موٹر کی جھپٹ میں آکر مر گئے تھے۔ عدالت سے آسے ۴ ماہ قید سخت اور دو سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی

عصمت بک ڈپو دہلی کی چند مشہور و مقبول کتابیں

نام کتاب	مختصر کیفیت	قیمت
زچہ خانہ	ہندوستان کی کسی زبان میں اس موضوع پر اس قدر مکمل و مفصل اور مدلل اور اس قدر کارآمد مفید اور عام فہم کتاب شائع نہیں ہوئی کپتان ڈاکٹر نصیر الدین احمد میڈیکل افسر کا غیر فانی کارنامہ ہے۔ حاملہ اور زچہ دونوں حصوں میں زر کثیر صرف کر کے تصویریں دی گئی ہیں۔	۳ے ۸ر
صنعت و حرفت	سینکڑوں قسم کی چیزیں گھر پر تیار کر کے مالی پریشانیاں دور کرنے کے بیش بہا نسخے مسٹر رحیم حنیف کیمسٹ کی اہلیہ محترمہ نے تجربہ کے بعد لکھے ہیں۔	عہ
خانہ داری کے تجربات	ذاتی تجربوں کی بنا پر خانہ داری کے متعلق بے بہا مضامین جو نامور مضمون نگار محترمہ ابلقیس نجم نے لکھے ہیں بہتر لڑکیاں مطالعہ کر لیں تو گھر کو جنت بنا لیں	۱۲ر
مفید النسواں	خانہ داری کے تجربات کا دوسرا حصہ۔ تندرستی تیمارداری کے متعلق ذاتی تجربوں کی بنا پر نہایت مفید اور کارآمد مضامین۔	۸ر
تندرستی ہزار نعمت	عصمت کی مشہور نامہ نگار محترمہ رضی کے یورپ امریکہ کے تجربات صحت قائم رکھنے کے متعلق قیمتی مشورے تندرستی کے اصول۔	۴ر
بچوں کی تربیت	سائنس اور حفظان صحت کے اصولوں پر بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت کس طرح کی جائے اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔	۱۰ر
خواتین اندلس	سلاطین کے زمانہ کے اسپین میں بڑی بڑی شاعرہ ادیب مصورہ بذلہ سنج لطیفہ گو مدبر خواتین گزری ہیں ان کا تذکرہ ہے تاریخ میں افسانہ کا لطف۔	۶ر
انوری بیگم	اردو کی بہت مشہور افسانہ نگار مسز صغرا ہمایوں مرزا کا مشہور اور مقبول افسانہ جس میں تمدنی خرابیوں اور رسم کی پابندیوں کے نقصانات دکھائے ہیں۔	عہ
دولت پر قربانیاں	دولت کے لالچ میں سکون پر بیٹی بیاہنے اور ناموزوں لڑکے لڑکی کی شادی کر دینے کے دردناک نتائج۔ پانچ عبرتناک سبق آموز افسانے۔	۸ر
غربت کی تلخی	تین مختلف الخیال عورتوں کے حالات اور اولوالعزمی اور ہمت سے کس طرح بگڑا ہوا گھر بن سکتا ہے اس موضوع پر محترمہ فاطمہ بیگم فاضل کی تصنیف۔	۶ر
چار برج	چار عورتوں کی آپ بیتی مغربی تمدن کی اندھا دھند تقلید۔ عیسائی مشنریوں کی صحبت رواج کی پابندیوں کے دردانگیز نتیجے دکھائے گئے ہیں۔	۴ر
تاریخی لطیفے	دنیا کی نامور شہزادیوں، بادشاہوں، شاعروں اور ادیبوں کے لطیفے جن میں تہذیب سے گرا لغویات۔ خرافات سے لتھڑا ہوا کوئی لطیفہ نہیں	۸ر
ہنسی کی باتیں	ماہیانہ بازاری لطیفے نہیں عصمتی بہنوں کے لکھے ہوئے نئے نئے طبع زاد سنجیدہ لطیفے۔ مہذب ظرافت کی دل پسند کتاب	۸ر
عقل کی باتیں	بڑے بڑے پیغمبروں، بادشاہوں، مصنفوں، فلاسفروں کے وہ مقولے جو برسوں کے تجربوں پر مبنی ہیں جن میں زندگی کی مشکلات کا حل ہے۔	۸ر
پردہ و تعلیم	مسلمان عورتوں کا تمام مذاہب کی عورتوں سے مقابلہ مسلمان عورتوں کے حقوق۔ تعلیم کی طرف سے غفلت کے نتائج پر مدلل بحث۔	۱۲ر
آئینہ حجاباں	بلقیس جمال صاحبہ کی چالیس نظموں کا مجموعہ۔ اسلام کے دور اولین کی سبق آموز تاریخی کہانیاں اور مناظر قدرت کی مصوری۔	۱۲ر
شمع خاموش	خواتین کی محبوب شاعرہ نجمہ بیگم لکھنوی کی وہ دردانگیز نظمیں جو ہندوستانی عورتوں کی مظلومیت کا صحیح فوٹو ہیں شروع میں ایڈیٹر عصمت کا دیباچہ ہے	۶ر
نغمات موت	محترمہ حجاب اسمٰعیل کے دردانگیز مضامین جو انہوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھے اور جو اردو رسالوں میں شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں	۶ر
ادب زریں	محترمہ حجاب اسمٰعیل کے دردانگیز مضامین کا مجموعہ مصنفہ کے بلند تخیل کی نمائش۔ جذبات کی ترجمانی اور شاعری کا بہترین نمونہ	۸ر
جاں باز	محترمہ سجاد حیدر کا بہترین افسانہ جس کے پلاٹ کی دلچسپی کتاب کو ختم کرنے پر مجبور کرتی ہے۔	۱۲ر
فیروزہ	ایک دولت مند گھرانے کی لڑکی کا افسانہ۔ شرافت اور انسانیت کی دل ہلا دینے والی قربانیاں استقلال اور ہمت کی ناکامیوں پر فتح۔	۸ر
افسانۂ حرم	لڑکیوں کے لئے ایک فاضل جرنلسٹ نے نہایت آسان زبان میں اخلاق آموز مفید دس کہانیاں لکھی ہیں۔	۷ر
مزیدار کہانیاں	چھوٹے بچوں کے لئے انہیں کی زبان میں نہایت دلچسپ کہانیاں جن کی تصویریں بھی دیکھ کر بچے خوش ہوں گے۔ ادیبہ ام تمیم صاحبہ	۵ر
مختصر دنیا	ایک انگریز سیاح بالشتیوں کی دنیا میں چلا گیا بالشتیے اسے دیو سمجھتے تھے سیاح درجنوں بالشتیوں کو جیب میں ڈال لیتا تھا۔	۵ر
بچوں کی دنیا	ملک روس کے سب سے بڑے مصنف ٹالسٹائی نے بچوں کے لئے جو کہانیاں لکھی تھیں ان کا انتخاب۔ ترجمہ بہت آسان زبان میں ہے۔ دوسری دفعہ چھپا ہے۔	۷ر
جاپانی کہانیاں	جاپانی بچوں کی بہترین کہانیاں۔ نہایت آسان عام فہم اردو میں محترمہ مسز فضلی نے لکھی ہیں۔ ہر کہانی کے ساتھ تصاویر بھی ہیں۔	عہ

ملنے کا پتہ۔ عصمت بک ڈپو دہلی

نام کتاب	کیفیت	قیمت
گوٹے کا باریک کام	زریب ورک کے متعلق اردو میں پہلی کتاب جس پر ہدایت کے ذریعہ ہر بہنا نے بھی شائقات بیل بوٹے ۔ از سید رضا احمد صاحب جعفری	۸ر
دصلی کا کام	غریب عورتیں دصلی کے کیا کیا کام کر کے مالی پریشانیاں دور کر سکتی ہیں۔ از سید رضا احمد صاحب جعفری	۵ر
پھول پھلواری	پھولوں کی کاشت کیاری اور باغیچہ کی نگہداشت اور انگریزی ہندوستانی اور ہر موسم اور قسم کے پھولوں کی کاشت کے متعلق ہدایات	۸ر
خیابان نسواں	(از مولوی بصیر الدین صاحب ہاشمی) خواتین کے لئے معاشرتی اخلاقی اصلاحی مضامین کا دلچسپ مجموعہ۔ جس میں یورپین معاشرت کے متعلق بھی معلومات ہیں۔	۱۲ر
کپڑوں کی چھپائی	سائنٹیفک طریقوں سے کپڑوں کو کس طرح چھاپنا چاہئے۔ ایک ماہر فن نے نہایت عام فہم پیرایہ میں یہ کتاب لکھی ہے۔	۸ر
انشائے سلمیٰ	لڑکیوں کو خط و کتابت سکھانے کی جدید ترین نہایت مفید اور دلچسپ کتاب۔ از صاحبزادہ علی احمد خاں صاحب ایم اے ایم ایف۔	۶ر
دیہاتی گیت	جاہل گنواروں کے مختلف طرز کے گیتوں کا نہایت ہی دلچسپ مجموعہ۔ ڈاکٹر اعظم صاحب کریوی کی محنت اور قابلیت کا بہترین نمونہ۔	۸ر
شہزادی نیلوفر	چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لئے دلچسپ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ۔ جسے بچے اور بچیاں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔	۱۲ر
جال نشیں	ادیبہ جلیلہ محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا حسین مجموعہ جس سے اردو لٹریچر میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے	عہ
گلستان خاتون	اردو کی پہلی ترقی پسند افسانہ نگار خاتون یعنی مرحومہ خاتون اکرم کے دلآویز نتیجہ خیز سبق آموز افسانوں کا خوبصورت مجموعہ۔	[illegible]
پیکر وفا	محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کا لکھا ہوا نہایت دلآویز افسانہ جس پر نہایت شاندار ریویو اخبارات نے کیا ہے۔	۸ر
بچھڑی بیٹی	ایک دلچسپ مختصر افسانہ جسے پڑھنے کے بعد محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کی افسانہ نگاری کی داد دئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔	۶ر
مشیر نسواں	ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس میں عورتوں کی ہر حالت اور ہر عمر کے متعلق معلومات کا دلچسپ ذخیرہ ہے۔ از صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ	[illegible]
سرگزشت ہاجرہ	دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں بہت مفید باتیں بتائی گئی ہیں۔	۱۲ر
تحریر النساء	لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرز پر خط و کتابت کی بے نظیر کتاب جس میں خطوط کے پیرایہ میں بہت سی باتیں بتائی گئی ہیں	۱۲ر
موہنی	اخلاقی معاشرتی افسانہ جس میں ایرانی رسوم وغیرہ کی دلچسپ معلومات بھی ہے۔	۱۰ر
روحانی شادی	اخلاقی اور اصلاحی ڈرامہ۔ جو پلاٹ مکالمہ کیرکٹر ہر اعتبار سے کامیاب ہے سبق آموز عبرتناک اور دلچسپ ڈرامہ بھی ہے از منشی پریم چند	۹ر
دودھ کی قیمت	اور سات اور افسانے جو خاص طور پر خواتین کے لئے منشی پریم چند نے لکھے تھے منشی جی کے افسانوں کا آخری اور سب سے بہتر مجموعہ	[illegible]
مہتاب زندگی	(از مولانا سیماب اکبرآبادی) ایک لڑکی کے کنوار پنے کے دلچسپ حالات ... پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔	۶ر
شباب زندگی	از مولانا سیماب اکبرآبادی آفتاب زندگی کا دوسرا حصہ جس میں شمس النساء کی شادی کے بعد کے حالات لکھے گئے ہیں	۶ر
نزانہ نسبتہ	بچوں اور لڑکیوں کے لئے دس ننھی ننھی کتابوں کا نہایت مفید مجموعہ۔ چوتھا ایڈیشن قریب الختم ہے۔	[illegible]
وداع راشد	حیات راشد کا آخری باب (از مولانا رازق الخیری صاحب ایڈیٹر عصمت، حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی علالت اور وفات کے حالات، ذاتی اوصاف اور مختلف ادبی حیثیتوں کا تذکرہ ۸۰ صفحات ۲ فوٹو۔	۸
عصمت کی کہانی	(از مولانا رازق الخیری ایڈیٹر عصمت) حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ ہندوستان کے مشہور زنانہ ماہنامہ عصمت نے ۴۰ سال ۱۹۰۸ء تا ۱۹۴۵ء کس طرح گذارے۔ تاریخ میں افسانہ کا لطف۔ ۹۰ صفحات ۲ فوٹو	۹
اچھوتا سفر	سابق مہاراجہ صاحب جے پور دربار تاجپوشی میں شرکت کے لئے انگلستان گئے تھے ان کے سفر کے حالات صاحبزادہ علی احمد خاں صاحب ایم اے نے لکھے ہیں۔ اور یہ اس قدر دلچسپ ہیں کہ آپ خراج تحسین دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مہاراجہ صاحب کے لئے ہاتھ دھونے کی مٹی اور پانی اور اناج تک ہندوستان سے جاتا تھا۔	۵ر
مثنوی عائشہ صدیقہ	ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے منظوم حالات زندگی۔	۱۴ر
حلیمہ	ایک سلیقہ شعار سمجھدار اور نیک لڑکی کے حالات زندگی جس نے بگڑے گھر کو بنا ڈالا۔ قصہ دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ (از جناب مولوی عبدالغفار صاحب الخیری) دوسری دفعہ چھپی ہے۔	۱۴ر

ملنے کا پتہ: عصمت بکڈپو دہلی

بگڑی بن جاتی ہے جب فضل خدا ہوتا ہے

یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے۔ خدا کے کلام کی عظمت اور اس کے محیر العقول معجزے کون بشر ہے جو نہیں جانتا اور کون ایسا دیندار ہے جو کلام آلہی کے فیضان سے انکار کرے میں ایسے ہی پکے عقیدتمندوں سے مخاطب ہوں جن کو خدا کے کلام کے ایک ایک حروف ایک ایک سطر میں جمال دین و دنیا نظر آتا ہے۔ آج میں ایسے نادرات آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں جن کیلئے میں نے محنت خوشامد اور روپیہ سے دریغ نہیں کیا۔ اور ان کو حاصل کرنے کے لئے گدائی مول لی مگر آج ان گوہر بے بہا یعنی سینہ کے رازوں کو آشکارا کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہر ضرورتمند بہن اور بھائی ان سے فائدہ حاصل کر کے مجھ کو دعا خیر سے یاد کرے۔ میرے پاس حسب ذیل نقش و تعویذ ہیں جن کو قلیل ہدیہ میں پیش کر رہا ہوں۔ جن کو میری قسم کا اعتبار ہو وہ منگا کر اپنی دلی مرادوں کو پالیں۔ انشاء اللہ ہر کام میں کامیابی ہوگی۔ تمام نقش و تعویذ وی۔ پی کے ذریعہ لفافہ میں بھیجے جاتے ہیں۔

نقش بشارت اس نقش کو رات کو سوتے وقت سرہانے رکھ دینے سے ہر اچھے بُرے کام کی بشارت ہوتی ہے اور خواب میں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کام کو کرنے میں فائدہ ہوگا۔ یا نقصان صحیح بشارت سوتے میں ہوتی ہے۔ بڑا عجیب نقش ہے۔ ہدیہ ایک روپیہ دس آنے

تعویذ دولت مفلسی ایسی بری بلا ہے کہ جس پر گھیرا ڈال دیتی ہے۔ بس ساری تدبیریں ناکام ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بزرگوں کی محنت کا ثمرہ اس تعویذ متبرک میں بند ہے جو شخص بھی اسکو اپنے روپیہ پیسے میں رکھ لیتا ہے اس کی دولت میں ترقی اور مفلس اپنے پاس رکھے تو تونگری مل جاتی ہے۔ غیب سے روزی کے سامان ہوتے ہیں۔ تجارت میں کامیابی بے معلوم طریقے سے ہوتی ہے۔ ہدیہ ایک روپیہ چار آنے۔

محبت کا تعویذ کتنے دل ہیں جو محبت کرنے کیلئے بے تاب ہیں اور کتنے گھر ہیں جو محبت کیلئے ترستے ہیں۔ محبت خواہ کسی ہو مرد، عورت، میاں۔ بیوی۔ بہن بھائی۔ دوست رشتہ دار یا جس کسی سے محبت ہو اس کو اپنا بنالو۔ اس تعویذ معظم کو اپنے بازو پر باندھ لو اور شان کریمی دیکھ لو۔

ہدیہ ڈھائی روپے۔

نواب میاں شاہ صاحب عامل چھتہ حکیم آغا جان۔ ع۔ م۔ دھلی

ایک مہینہ میں انگریزی

ایک ہندوستانی پروفیسر نے کئی سال کی لگاتار محنت کے بعد ایک ایسی کتاب تیار کی ہے جو بہنوں کو بغیر استاد کی مدد کے انگریزی پڑھا دیتی ہے۔ اس کتاب کا نام انگلش ٹیچر ہے۔ کوئی بچہ یا بڑا عورت ہو یا مرد اس کتاب کو توجہ کے ساتھ صرف ایک مہینہ پڑھے تو وہ انگریزی زبان سے ضرورت کے مطابق واقف ہو جائے۔ پھر وہ انگریزی زبان بول بھی سکتا ہے۔ درحقیقت اس کتاب کی ترتیب ہی کچھ اس اصول سے دی گئی ہے۔ کہ خواہ مخواہ انگریزی پر عبور ہوتا چلا جاتا ہے۔ جو لوگ جلد سے جلد انگریزی زبان پڑھنا چاہیں۔ ان کے لئے یہ جادو کی کتاب کہی جا سکتی ہے۔ دو سو صفحات سفید چکنا کاغذ۔ مجلد قیمت صرف ایک روپیہ ہے۔ بذریعہ وی پی منگا لیجئے۔ پانچ آنے محصول ڈاک لگے گا۔ اب آپ اپنے لئے یا اپنے پیارے بچوں کے لئے انگریزی کا بے زبان ماسٹر حاصل کر لیں گے۔ ہماری رائے ہے کہ جو بہنیں انگریزی زبان سیکھنا چاہیں ان کے واسطے کتاب انگلش ٹیچر بہترین چیز ہے انہیں ضرور منگانی چاہئے۔ ایک مہینہ کی محنت سے انگریزی بولنی آ جائے گی اور آزادی سے معمولی خط و کتابت بھی کر سکیں گی۔ منگانے کا پتہ

منیجر عورتوں کا کتب خانہ کلاں محل۔ احمد منزل دہلی

سونے کی چوڑیاں مفت انعام

کونسا گھر ہے جہاں سونے کی چوڑیاں نہ پہنی جا رہی ہوں۔ ہر گھر میں دھوم ہے کہ گولڈن گولڈ کی چوڑیاں اصلی سونے میں ملتی ہیں سنار بھی حیران رہ جاتا ہے اور اس کو اصلی اور نقلی کی تمیز کرنی مشکل ہو جاتی ہے۔ گولڈن گولڈ کی چوڑیوں کی چمک دمک سورج کی کرنوں کے مانند نگاہ کو چوندھیا دینے والی ہے۔ اس کا پختہ رنگ ہے اور مدتوں برتنے کے بعد اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ کلائیوں پر ان چوڑیوں کی بہار دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ہم اپنی بہنوں کو جن کو سونے کی چوڑیاں پہننے کا شوق ہو مطلع کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم نے اس سونے کی صرف چوڑیاں ہی تیار کرائی ہیں۔ ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ ہمارے گولڈن گولڈ کی بنی ہوئی چوڑیوں کا آپ صرف ایک ہی سیٹ منگا کر دل کو خوش کریں اور ہماری صداقت کا امتحان کریں۔ ایک سیٹ کی قیمت یعنی دو تولہ گولڈن گولڈ کی بنی ہوئی آٹھ چوڑیوں کا سیٹ تین روپے کا ہے۔ تین سیٹ منگانے والے کو ایک سیٹ مفت بطور یادگار اور محصول ڈاک کی رعایت۔ محصول ڈاک ایک سیٹ پر آٹھ آنے خرچ ہوتا ہے۔ آرڈر کے ساتھ کلائی کا ناپ ضرور بھیجئے

منیجر عورتوں کا اسٹور۔ کلاں محل۔ احمد منزل دہلی

خوشنما ریشمی برقعے اور نائٹ سوٹ

ہم نے عصمتی بہنوں کے لئے نئی قسم کے خوشنما اور خوبصورت فیشن ایبل ترکی اور مصری برقعے اچھے مضبوط اور ریشمی کپڑے کے تیار کرائے ہیں ان برقعوں کی سر کی ٹوپی بہت مضبوط اور عمدہ ہے۔ آنکھوں کی جالی اور نقاب بہترین قسم کا بنایا گیا ہے۔ پرانے زمانے کے بھاری بھاری برقعے اب ختم ہو رہے ہیں اور ترکی برقعے مسلمان خواتین خرید رہی ہیں آپ بھی ایک نازک اور خوشنما برقعہ منگا لیجئے۔ برقعوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ریشمی کریپ کا برقعہ، اور کوٹ ڈیزائن قیمت دس روپے۔ مٹی کوٹ والا: آٹھ روپے۔ رومال والا اسٹائلش ٹوپی والا۔ ساموس یعنی چھول دار ساٹن۔ کپڑا نہایت مضبوط اور کوٹ والا دس روپے کا اور مٹی کوٹ والا سات روپے کا۔ سفید سوتی کا برقعہ اور کوٹ والا سات روپے کا پچھی کوٹ والا ساڑھے پانچ روپے (چھ) کا نائٹ سوٹ تین روپے کا۔ ہاٹ باڈی یعنی ولایتی چولی ہر خاتون کے لئے ضروری ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔ جس قسم کے برقعہ کی ضرورت ہو اس کا نام اور کپڑے کا رنگ اور گردن سے لے کر پاؤں تک کی ناپ اور کمر کی پیمائش آنی چاہئے۔

چار سال تک کی لڑکی کا برقعہ تین روپے میں چھ سال تک کی لڑکی کا برقعہ چار روپے میں دس سال تک کی لڑکی کا برقعہ پانچ روپے میں۔ منگانے کا پتہ

منیجر عورتوں کا اسٹور۔ کلاں محل۔ احمد منزل دہلی

Regd No. L. 1872 August 1942 Established 1908

یادگار حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

قائم شدہ ۱۹۰۸ء

The ISMAT, Delhi.

عصمت

شریف ہندوستانی بیبیوں کیلئے

پاکیزہ خیالات

علمی۔ ادبی مضامین

اور

مفید معلومات کا ماہوار ذخیرہ

اگست ۱۹۴۲ء

ایڈیٹر:- رازق الخیری

عصمت بُک ڈپو دھلی

تصانیف علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

مردوں اور عورتوں کیلئے اصلاحی معاشرتی ناول

صبح زندگی لڑکی کی پیدائش سے شادی تک کیونکر تعلیم و تربیت کرنی چاہیئے۔ اس موضوع پر اُردو زبان کی بہترین کتاب لڑکیوں کی اتالیق، بیویوں کی مشیر اور مردوں کے لئے لٹریچر کا بیش بہا خزانہ۔ بے انتہا دلآویز نتیجہ خیز مؤثر ناول یہ کتاب اکیس دفعہ چھپی ہے۔ قیمت عہ ر

شام زندگی صبح زندگی کا دوسرا حصہ شادی سے موت تک نسیمہ بیگم کے حالات۔ عورتیں اس کی مدد سے اپنے خاوندوں کا دل موہ لیتی ہیں۔ موثر اتنی کہ قوم نے اسی کی وجہ سے مصنف کو مصور غم کا خطاب دیا تھا ہر سطر آنکھوں کو پُرنم کر دیتی ہے۔ انیسواں (۱۹) اڈیشن۔ قیمت ایک روپیہ (عہ ر)

شب زندگی صبح زندگی میں نسیمہ کے بچپن اور جوانی کو دکھایا گیا ہے۔ شام زندگی میں اسے آخر منزل تک پہنچایا تھا شب زندگی میں موت کے بعد کے حالات پڑھو۔ اپنے رنگ میں بے مثل اصلاحی ناول ہے پلاٹ بے حد دلآویز۔ دو حصے ہیں۔ قیمت دو روپیہ

حیات صالحہ یا صالحات ایک نیک لڑکی کی زندگی کے وہ واقعات نہایت موثر پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں جو اکثر ہندوستانی گھروں میں پیش آتے ہیں۔ سوتیلے رشتوں پر معرکۃ الآرا ناول ہے واقعات اس قدر موثر کہ کلیجے کے پار ہو جاتے ہیں قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ ر)

منازل السائرہ اس میں ایک شریر لڑکی کی پیدائش سے موت تک کے تمام واقعات نہایت دلچسپ پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔ طرز تحریر اس قدر پیارا کہ سر دھنئے قیمت دونوں حصے عہ ر

نوحۂ زندگی بیوہ کے نکاح ثانی کے متعلق نہایت درد انگیز اور عبرت ناک ناول۔ اس کے مطالعہ کے بعد ان خاندانوں میں جہاں بیوہ کا نکاح ثانی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ شرع اسلام کے بموجب کتنے ہی بیواؤں کے نکاح ہوئے اور کتنے ہی کنوارے نوجوانوں نے بیواؤں سے نکاح کئے۔ نو دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ۱۲ ار

طوفان حیات قبیح رسوم اور شرک و بدعت۔ پیر پرستی قبر پرستی وغیرہ پر وہ بے مثل ناول جس کے بعد شرک کوسوں دُور بھاگ جاتا ہے۔ اور رسوم مروجہ خوف ناک اژدہے کی صورت میں نظر آنے لگتی ہیں۔ اور انسان خدائے واحد کی عظمت کے آگے سر جھکا دیتا ہے نہایت دلچسپ اور درد انگیز ہے قیمت صرف ایک روپیہ (عہ ر)

جوہر قدامت دو بہنوں کی پُر لطف کہانی دو لڑکیوں کی مفصل زندگی دو عورتوں کی جگر خراش داستان۔ جن میں ایک دور قدیم کی درخشندہ تصویر اور دوسری طرز جدید کی دلدادہ ہے۔ اس ناول سے معلوم ہوگا کہ نصف صدی قبل ہمارے گھرانوں میں کیسے کیسے لعل گدڑیوں میں چمکتے تھے۔ قیمت عہ ر

اصلاحی و معاشرتی فسانے

تمغۂ شیطانی اس تصنیف میں اُمت شیطانی کے آٹھ کیرکٹر دکھائے گئے ہیں۔ اُن لوگوں کے جو نیک انسان سمجھے جاتے تھے۔ مگر ان کے صرف ایک فعل سے جو بظاہر بہت معمولی بات تھی حلقۂ شیطانی میں داخل ہوئے۔ واقعات اس قدر درد انگیز کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں بے حد موثر سبق آموز اور عبرت انگیز افسانے۔ قیمت ۱۲ ار

سات روحوں کے اعمال نامے دنیا کی سات عجیب و غریب روحیں ایک شیطان کی مغفرت کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے کہیں ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں کہیں آنسو نکل آئیں۔ آخری روح کے کارنامے اس قدر درد انگیز ہیں کہ ہچکی بندھ جائے۔ سات آٹھ دفعہ چھپی ہے قیمت آٹھ آنے (۸ ر)

غدر کی ماری شہزادیاں یا بیلہ میں میلہ ۱۸۵۷ء کے غدر کی لٹی ہوئی دلی کی شہزادیوں اور بیگموں کی دل ہلا دینے والی کہانیاں نہایت درد انگیز اور عبرت ناک تین چار کئی کئی رنگ کی بلاک کی تصویریں بھی ہیں۔ قیمت بارہ آنے۔

ستونتی ایک دلچسپ سبق آموز قصہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرد کے لئے بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ اور شریف عورت ایثار کے جوہر دکھا کر دنیا کو محوِ حیرت کر دیتی ہے قیمت ۸ ر

موؤدہ ہندوستان کے بعض صوبوں میں شرع اسلام کے خلاف مسلمان لڑکیوں کو ترکہ پدری نہیں دیتے۔ علامہ محترم نے یہ افسانہ اسی خرابی کے انسداد پر لکھا اور ایسے درد و سوز و گداز سے کہ پتھر سے پتھر دل بھی اس کو پڑھ کر پسیجے بغیر نہیں رہ سکتے موم ہو جاتے ہیں۔ قیمت ۷ ر۔

تفسیرِ عصمت خلع اور ارتداد پر اس سے بڑھ کر موثر افسانہ آج تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوا۔ ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کی نظر سے گذرنا چاہئے واقعات کہیں نہایت دردانگیز اور کہیں مزاحیہ قیمت پانچ آنے (۵ر)

انگوٹھی کا راز تین مختلف الخیال لڑکیوں کا سبق آموز افسانہ رابعہ کا عبرت انگیز انجام۔ اسلامی کی جگرخراش داستان اور صفیہ کی مشکلات۔ انگوٹھی کا راز نہایت خوبی سے حل کرتا ہے ۶ر

ولائتی ننھی ایک نہایت پرلطف باتصویر افسانہ جس کے ہر ہر صفحہ کو ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ بی ننھی نے ڈرامہ میں وہ وہ سوانگ بھرے ہیں کہ بس پڑھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیمت ۸ر

منازلِ ترقی اس عبرت انگیز افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ انسان ترقی کی دُھن۔ لیڈری کے شوق۔ اور دولت کے نشہ میں۔ اخلاق۔ انسانیت۔ اور مذہب کو بیچ کر غریب رشتہ داروں پر کیسے کیسے مظالم ڈھاتا ہے۔ قیمت چار آنے۔ ۴ر

بچہ کا کرتہ ایک عاشق زار بدنصیب ماں اپنے جوان بچہ کی بدولت وہ وہ مصیبتیں اُٹھاتی ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے دنیا اس کی محبت اور ایثار کا ایسا عبرتناک انگیز جواب دیتی ہے کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں بہت موثر افسانہ ہے اور کئی بار چھپ چکا ہے۔ قیمت ۴ر

ویڈیا کی سرگذشت فیشن و جدت کی دلدادہ ایک انگریز عورت کی کہانی اسی کی زبانی مغربی معاشرت کا ایک نہایت کامیاب مرقع۔ میاں بیوی کے تعلقات کا ہو بہو فوٹو۔ قیمت ۴ر

چہار عالم حیات انسانی پر پرندوں کی بحث۔ چند نسوانی کمزوریوں کا بیان ہندوستان کی معاشرت کا مرقع۔ قصہ کا پلاٹ بے حد دلکش ہے۔ کئی قلمی تصویریں ہیں۔ قیمت ۴ر

بنتُ الوقت ہماری مستورات کی تعلیم و تربیت کا بے مثل مرقع وقت کا اندھا دھند ساتھ دینے والی ایک ناعاقبت اندیش لڑکی کا حیرت انگیز انجام۔ سات دفعہ چھپ چکی ہے۔ قیمت آٹھ آنے ۸

سرابِ مغرب غیرمسلم مدارس میں لڑکیوں کا تعلیم پانا کہاں تک جائز ہے اس بحث پر مشہور کتاب۔ تقلید مغربی کے دردناک نتائج۔ پارٹیز کا حشر۔ ماں باپ کی ناعاقبت اندیشی، ورلڑکی کی تباہی قیمت ۸ر یہ کتاب آگرہ یونیورسٹی کے بی اے کورس میں شامل ہے۔

فسانۂ سعید بیوہ کا نکاح ثانی اسلام کا حکم ہے مگر اس افسانہ میں حضرت مصور غم نے سعید کا نکاح بے سود ثابت کیا ہے۔ سعید کی جگرخراش داستان دل ہلا دے گی۔ ۸ر

سنجوگ ایک تعلیم یافتہ سلیقہ شعار سمجھدار مگر کرموں جلی اور نصیبوں پھوٹی مصیبت زدہ اور مظلوم لڑکی کی دردانگیز داستان جس کا نکاح والدین نے سوچ سمجھ کر نہ کیا اور فریقین کی طبیعتوں کا اندازہ نہ لگایا۔ بلکہ دولت و ثروت کی قربان گاہ پر اپنے جگر کے ٹکڑے کو بیدردی سے ذبح کر دیا اس کتاب کا فقرہ فقرہ تیر ہے اور سطر سطر نشتر۔ قیمت صرف دس آنے

سوکن کا جلاپا ایک بے گناہ لڑکی پر ساس سے سوکن لا بٹھائی اور غم نصیب مصیبت زدہ لڑکی نے ماں باپ کی لاج رکھنے کے لئے ساس کی زیادتیاں شوہر کے مظالم غرض سب اذیتیں ہنس کھیل کر صبر و شکر سے برداشت کیں یہاں تک کہ ان غموں میں گھل گھل کر جان دیدی قیمت ۵ر۔

مختصر افسانوں کے مجموعے

جوہرِ عصمت حضرت علامہ مغفور کے بہت مشہور ۱۳ سبق آموز مختصر افسانے (۱) مظلوم بیوی کا پاک جذبہ (۲) بھنور کی دلہن (۳) گلی محبتیں (۴) فسانہ تنویر (۵) بیگناہ کا قتل۔ (۶) معاوج کا کینہ۔ (۷) مامون رشید کا دربار اور ایک سچی عورت۔ (۸) عدل جہانگیری۔ (۹) بلبل کی شہادت۔ (۱۰) ملکہ شہزاد۔ (۱۱) برقع کی مستحق۔ (۱۲) غلط فہمی۔ (۱۳) خاتمہ بالخیر۔ ان ۱۳۔ افسانوں کا مجموعہ جوہر عصمت ہر شریف مرد اور شریف عورت کی نظر سے گذرنا چاہیے بہت مشہور و مقبول ہے۔ قیمت ۱۲ر

سیلاب اشک باتصویر حضرت مصور غم کے سات دردانگیز افسانے (۱) پرستار محبت (۲) بلوچن کے تین رنگ۔ (۳) طلاقن کا سفید بال (۴) جج اکبر (۵) عدل گلبدن (۶) بے قصور بچی (۷) ثریا کا تخیل۔ ہر افسانے کے ساتھ زر کثیر صرف کر کے فوٹو بلاک کی تصاویر لگائی گئی ہیں۔ قیمت عہ ر

طوفانِ اشک یعنی رواج کی چوکھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیاں وہ موثر اور سبق آموز کتاب جس میں ۱۲ دل ہلا دینے والی کہانیاں ہیں اور سب درد و اثر اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)

قطراتِ اشک آنسوؤں کے بادشاہ حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی افسانہ نگاری اور مضمون نگاری کے دور اول کے بہترین نمونے جو مخزن۔ عصمت، تمدن کہکشاں وغیرہ میں شائع ہو کر قبولیت عام اور شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں جنھوں نے پڑھنے والوں کو جادو نگار مصنف کی تحریر کے اثر و تاثیر کا قائل کر دیا تھا اور جو ادبی رنگینیوں اور طرز تحریر کی دلاویزی کے باعث بار بار پڑھے جاتے ہیں۔ قیمت صرف ۱۲ر

شہیدِ مغرب طرابلس اور مراکش میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقابلے۔ اسلام اور نصرانیت کے معرکے مسلمان عورت کی ناموس اسلام پر قربانیاں مسلمانوں کی ترقی کا راز اور تنزل کے اسباب شدھی اور تبلیغ کا انجام۔ ۹ سبق آموز افسانے۔ قیمت عہ۔

نسوانی زندگی ان افسانوں میں خصوصیت کے ساتھ بیوی۔

بیٹی بہن کی ہر حیثیت علیحدہ دکھائی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ مشرقی عورت ایسا ایثار اور قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ مرد حیرت میں رہ جاتا ہے۔ قیمت آٹھ آنے (عہ/)

گوہرِ مقصود یعنی خیالستان کی پری اور لال کی تلاش۔ دو بہت مشہور قصے۔ پہلا قصہ ملک خیالستان کی پری کا ہے جو مدت تک ادھر اُدھر پھرتی اور بار بار کوشش کرنے کے بعد دُنیا کا بہترین تحفہ لانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ دوسرا قصہ ایک دکھیاری ماں کا ہے۔ جو گم شدہ بچہ کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں ماری ماری پھری۔ قیمت چھ آنے (۶/)

نانی عشو آپ کتنے ہی سنجیدہ کیوں نہ ہوں ناممکن ہے کہ نانی عشو پڑھتے یا سُنتے وقت آپ کے پیٹ میں بل نہ پڑ جائیں۔ تمام ہندوستان میں اس کتاب کا ڈنکا بج چکا ہے۔ مصورِ غم مرحوم نے ظرافت کے مضامین بھی لکھے تو کمال کر دیا۔ چھٹا ایڈیشن۔ قیمت ۱۰/-

روداد قفس حضرت علامہ مرحوم کی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی نظموں کا مجموعہ۔ یہ معمولی نظمیں نہیں۔ بے کس عورتوں کے جگر خراش نالے اور مسلمان گھرانوں کے حیرت انگیز مرقعے ہیں۔ علامہ مرحوم کو جذبات نگاری میں جو کمال حاصل تھا وہ پورے طور پر ان نظموں میں نمایاں ہے۔ قیمت ۱۰/

گرفتارِ قفس حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی درد انگیز نظموں کے مشہور مجموعے روداد قفس کا دوسرا حصہ یہ نظمیں اس قدر درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ سنگ دل سے سنگ دل انسان کی آنکھ سے بھی آنسو نکل پڑیں۔ قیمت ۴/-

گلدستۂ عید سچی خوشی کس طرح میسر ہوتی ہے رمضان شریف میں کیا کرنا چاہیئے۔ عید کس طرح منانی چاہیئے۔ ان موضوعات پر نتیجہ خیز مضامین اور افسانے۔ کتاب ایک طرف بہترین علمی عیدی ہے تو دوسری طرف ہر وقت پڑھنے اور روزانہ زندگی میں بہت سے مفید نتائج اخذ کرنے کی چیز ہے۔ قیمت صرف ۸/-

تاریخ وسیرت - ادب وانشاء

آمنہ کا لال اُردو زبان کا سب سے بہترین مولود شریف حضرت علامہ مرحوم کی وہ تصنیف جو اپنے رنگ میں جواب نہیں رکھتی۔ اب تعلیم یافتہ گھرانوں میں مجلس میلاد میں یہی کتاب پڑھی جاتی ہے کیونکہ اس میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو خلافِ عقل کہا جا سکے نثر کے ساتھ ساتھ نظم بھی علامہ مغفور کی ہے۔ قیمت عہ/-

سیدہ کا لال شہادت کی مکمل و مفصل تاریخ حصہ اول مکمل تاریخ شہادت ہے۔ جس سے واقعہ کربلا کے صحیح اسباب ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ دوسرا حصہ مراثی ہے۔ یوں تو تمام کتاب اس قدر درد انگیز ہے کہ بغیر آنسو بہائے نہیں پڑھی جا سکتی مگر نثر میں جو مرثیے علامہ مغفور نے لکھے ہیں ان کی ایک ایک سطر کلیجہ کے پار ہو جاتی ہے۔ ادب لطیف کے علاوہ جو کتاب کی جان ہے شہادت کا اس قدر مفصل اور مکمل درد انگیز اور موثر بیان کسی کتاب میں نہیں۔ قیمت عہ/

الزھرا اردو زبان میں جگر گوشۂ رسولؐ سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہؓ کی بہترین سوانح عمری جو بتاتی ہے کہ میاں بیوی کو کس طرح رہنا چاہیئے۔ بچوں کی پرورش کس طرح کرنی چاہیئے دنیا کے ساتھ دین کس طرح میسر آتا ہے۔ آخر میں واقعہ کربلا کا مختصر بیان اور مصورِ غم کا قلم۔ قیمت ایک روپیہ (عہ/)

نوبت پنج روزہ شاہ جہان آباد اُجڑ چکا مگر اس کے کھنڈر اب تک مٹنے والوں کے کارنامے سنا رہے ہیں اور شہر کے در و دیوار اس وقت بھی اپنے مہمانوں کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں آج سے ستر سال پہلے دلی کیا تھی بادشاہ کا جلوس قلعہ معلّٰی کی بہاریں۔ شاہی جھمگٹے میلے تماشوں کے رنگ دربار کی کیفیت۔ شہر آبادی کی چہل پہل۔ ہندو و مسلمانوں کی معاشرت رمضان۔ عید۔ سالگرہ کے تزک و احتشام شادی بیاہ کی رسوم غرض دورِ گذشتہ کی بہار اگر دیکھنی ہو تو نوبت پنج روزہ یعنی وداعِ ظفر ملاحظہ فرمائیے جس میں آخری تاجدار مغلیہ کی پانچ نوبتیں اس قدر درد انگیز پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ خون کے آنسو رلوا دیں گی۔ قیمت عہ/

قلبِ حزیں چھوٹے چھوٹے نہایت لطیف ادبی مضامین کا دلاویز مجموعہ جذباتِ نسوانی کی درد انگیز ترجمانی ان مضامین میں علامہ مغفور نے شاعری کی ہے۔ اور نظم نما نثر کا یہ کتاب بہترین نمونہ ہے۔ قیمت ۱۰/

وداعِ خاتون وہ درد انگیز مضامین جو مشہور ادیبہ محترمہ خاتون اکرم کی جوانمرگی پر لکھے گئے تھے۔ جو بتائیں گے کہ بہو کیسے کہتے ہیں۔ اور لڑکی شادی کے بعد کس طرح سسرال والوں کے دل فتح کر سکتی ہے۔ قیمت ۵/

امین کا دمِ واپسین شہنشاہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ خاتون کے لختِ جگر شہزادہ امین الرشید کا دردناک قتل اسلامی تاریخ کا یوں ہی ایک درد انگیز واقعہ ہے اس پر مصورِ غم نے قصہ کے دلکش پیرایہ میں عبرت انگیز واقعات اپنے خاص رنگ میں لکھے ہیں۔ قیمت ۴/-

لڑکیوں کی انشاء خط و کتابت سکھانے کی اُردو زبان میں بہترین کتاب جس میں خطوں کے ذریعہ لڑکیوں کو بتایا گیا ہے کہ میکہ کی زندگی انہیں کس طرح بسر کرنی چاہیئے اور سسرال میں جا کر ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ ایک عورت کی حیثیت سے انہیں کیا کیا فرائض انجام دینے ہیں، اور زندگی کی دشوار گذار منزلوں اور کٹھن راستوں کو وہ کس طرح کامیابی کے ساتھ طے کر سکتی ہیں۔ ضخامت سو صفحوں کے قریب۔ قیمت ۱۲/-

اسلامی تاریخی افسانہ کے طرز پر

ماہ عجم مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ کا

یہ لطیف تاریخی ناول فاروق اعظمؓ کے عہد مبارک میں سلطنت ایران پر قابو پانے کے لئے مسلمانوں کے بے مثل جنگی کارنامے۔ فرزندان ایران کا سرفروشانہ مذہبی جوش۔ ایرانیوں کا پروانہ وار وطن پر قربان ہونا اسلام اور نصرانیت کی لڑائیاں۔ کفر و ایمان کے معرکے قرون اولےٰ کے مسلمانوں کی ولولہ خیز جانبازیاں اور محبت کے جذبات لطیفہ کی حقیقت طرازیاں دیکھنی ہوں تو یہ تاریخی ناول پڑھئے۔ کنواری لڑکیاں نہ منگائیں قیمت عہ

عروس کربلا علامہ مغفور کے تمام تاریخی ناولوں میں بہ لحاظ درد و اثر کے ممتاز ہے کربلا کے تاریخی واقعات پہلے ہی کچھ کم دردانگیز نہیں اس پر مولانا کے قلم گوہر ریز نے قیامت ڈھا دی ہے کئی جگہ ہچکی بندھ جاتی ہے۔ اس پر لطف یہ ہے کہ محبت کا دلآویز افسانہ ہے بہت مشہور کتاب ہے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔ قیمت عہ

یاسمین شام حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی کے عہد کی اسلامی جنگ ہلال و صلیب کے معرکے اسلام کی فتح اور تسخیر شام کے حالات۔ اس کے ہمراہ حسن و محبت کی داستان نہایت متانت اور تہذیب سے لکھی گئی ہے۔ قیمت عہ

محبوبۂ خداوند طرابلس کے مقدس خداوند کا رقیب شمالی افریقہ کی حسینہ سفیریہ کو قابو میں کرنے کے لئے اپنے فرضی دعوؤں میں کیا کیا کرتب دکھاتا ہے۔ یہ ایک راز ہے جو محبوبۂ خداوند کے مطالعہ سے حل ہوگا۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث کے زمانہ میں اسلام اور عیسائیت کے معرکے اور لڑائیوں کے حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۱۲؍

شہنشاہ کا فیصلہ عہد عباسی کے بغداد کا دلچسپ افسانہ ایک شخص اپنی بیوی کی شادی کن اسباب کے تحت ایک دوسرے شخص سے کرتا ہے۔ ایک مصیبت زدہ ماں کا بے گناہ بچہ کس وجہ سے واجب القتل ٹھیرایا جاتا ہے۔ ملکہ اپنے حصول مقصد کے لئے کیا کیا کوششیں کرتی ہے اور آخر میں کس خوبی سے شہنشاہ کا دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیتا ہے۔ قیمت ۸؍

شاہین و دراج مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کا وہ معرکۃ الآرا تاریخی ناول جس نے مصنف کی جادو نگاری کا بڑے بڑے ادیبوں کو قائل کر دیا تھا۔ علامہ مغفور کا سب سے پہلا تاریخی ناول ہے جس میں محبت کے جذبات لطیفہ کو نہایت لطف اور رنگینی سے بیان کیا گیا ہے بہ لحاظ زور قلم اور جذبات نگاری اردو ناولوں میں یہ قصہ نہایت نمایاں درجہ رکھتا ہے۔ پانچواں ایڈیشن قیمت

منظر طرابلس تسخیر طرابلس کے لئے مسلمانوں کا جوش ایمانی حضرت زبیر بن عوامؓ کی بے مثل بہادری ایک شعلۂ محبت کے آتش کدہ میں بے گناہ لڑکی کی قربانی۔ حقیقی بہن کے ہاتھوں بھائی کا قتل۔ مذہبی پیشوا کی سیاہ کاریاں۔ قیمت ۵؍

درِ شہوار ایران۔ مازندران سیستان کی ہولناک لڑائیوں کا مرقع بہرام کے شجاعانہ کارنامے اور ملکہ ساسانا شہزادی اسطورہ کی فراست اور بہادری۔ اور [illegible]

فریب۔ قیمت صرف ۸؍

سودائے نقد جس سے معلوم ہوگا کہ مرد کا نکاح ثانی اور اسلام میں عورت کی حیثیت کیا ہے۔ یہ افسانہ بتائیگا کہ جوان بیٹی کی شادی نہ کرنا سوسائٹی کا کیسا زبردست گناہ ہے دو سگی بہنوں کی کوششیں اور حقیقی ماں کے ہاتھوں جوان بیٹے کا قتل ۸؍

تیغِ کمال اگر آپ کو غازی اعظم مصطفےٰ کمال کے مفصل حالات یونان کے برخلاف مسلمانوں کی کوشش اور فتح کے منظر دیکھنے ہیں تو اس کتاب میں دیکھئے۔ جس میں یورپ کی سازشوں کے راز افشا کئے گئے ہیں۔ شکست یونان کے دردانگیز مناظر جانبازی کو شجاعت اور کمال پاشا کا کمال۔ قیمت عہ

مضامین اور افسانوں کے جدید مجموعے

قرآنی قصے ان نبیوں اور رسولوں کے مقدس حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ حضرت علامہ راشد الخیریؒ نے یہ قصے مسلمان بچیوں کے لئے ان کی سمجھ کے مطابق انہیں کی زبان میں مگر اپنے خاص رنگ میں لکھے تھے۔ قیمت صرف عہ

عروسِ مشرق وہ مضامین جو یورپ کی اندھا دھند نقالی اور مغربی تہذیب کے زہرآلود اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے مرحوم مصور غم نے تحریر فرمائے تھے ان میں ان مشرقی خوبیوں کو جو روز بروز مٹ رہی ہیں اور جن پر ہندوستان کے بسنے والے ناز کرتے تھے موثر پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۰؍

گردابِ حیات حضرات مصور غم نے عورتوں کی اصلاح و حمایت میں چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز اور مؤثر افسانے عام فہم پیرایہ میں عصمت میں لکھے تھے ان کا مجموعہ ان افسانوں نے بیسیوں عورتوں کو افسانہ نگار بنا دیا۔ اور سینکڑوں عورتوں کی زندگی سنور گئی۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)

بزمِ رفتگاں اردو ادب کے غیر فانی نثر کے مرثیے جو ملک کی مایۂ ناز خواتین اور باکمال شعرا ادبا کی یاد میں لکھے گئے تھے اور جو معدن ادب کے بیش بہا جواہر ریزے ہیں ایک ایک فقرہ اور ایک ایک جملہ درد و اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔ قیمت ۱۰؍

گدڑی میں لعل لڑکیوں اور عورتوں کو سگھڑ بننا اور کفایت شعار بننے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے خانہ داری کے متعلق نہایت ہی مفید مشورے دلنشین پیرایہ میں یہی ہیں وہ مضامین جنھوں نے ہزاروں عورتوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا اور وہ کامیاب گھر والی بن کر خوشگوار زندگی گذارنے لگیں۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے (عہ)

سیاحتِ ہند جو ہندوستان کے مختلف مقامات کی تعلیم یافتہ دردمند خواتین و حضرات کا تذکرہ جس سے مختلف صوبوں کی معاشرت۔ تمدن سے واقفیت ہوتی ہے۔ اور علامہ

طبیعت و عادات و خصائل کا بھی پتہ چلتا ہے۔ قیمت عہ

دادا لال بجھکڑ پانچ نہایت ہی پرلطف مزاحیہ قصے جنھیں پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں۔ ولائتی بھٹی اور نانی عشو کے سلسلہ کی تفریحی لیکن نتیجہ خیز کتاب۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصور غم علیہ الرحمۃ ظرافت نگاری میں بھی کس درجہ کمال رکھتے تھے۔ قیمت ۸ر

بے فکری کا آخری دن اور دوسرے مضامین کنواری بچیوں کے لئے۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ ان میں اچھے عادات و خصائل پیدا ہوں۔ وہ اپنے فرائض کو سمجھنے لگیں قیمت چار آنے ۴ر

نالۂ زار خواتین ہند کے محسنِ اعظم کے دردانگیز مضامین جن میں عورت کی مختلف حیثیت پر بحث کی گئی ہے۔ عورتوں کی مظلومیت کا مرقع اور ان کے مصائب و آلام کی دردانگیز داستانیں ہیں جنھیں پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اور سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھیں نم ناک ہو جاتی ہیں ۱۲ر

احکامِ نسواں قرآن مجید کے احکام وہ جو عورتوں سے متعلق ہیں مع ترجمہ و تفسیر جس نے مسلمان عورتوں کی ایک اشد ضرورت کو پورا کر دیا۔ کتاب زنانہ لٹریچر میں نہایت اہمیت رکھتی ہے اور ہر مسلمان خاتون کے پاس رہنی چاہیئے۔ اس کی پوری قدر و قیمت مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ قیمت ۱۲ر

دعائیں حضرت علامہ مغفور کی سب سے آخری تصنیف مصورِ غمؒ نے اپنے مخصوص رنگ میں اردو زبان میں نثر و نظم کی دعائیں لکھی تھیں۔ جو اس قدر سوز و گداز اور درد و اثر میں ڈوبی ہوئیں کہ ایک ایک جملہ اور ایک ایک مصرعہ کلیجہ کے پار ہو جاتا ہے۔ قیمت آٹھ آنے (۸ر)

دلی کی آخری بہار ساٹھ برس پہلے دلی کیا تھی۔ مرد۔ عورتیں بوڑھے بچے کس طرح بے فکری اور سادگی کا لطف اٹھاتے تھے۔ میلے ٹھیلے کس طرح کی جاتی تھی۔ اس کتاب میں قدیم معاشرت۔ محبت۔ تعلقات اور وضعداری کی دردانگیز کہانیاں اور بربادی دلی کے جگرخراش افسانے ہیں۔ قلعہ معلی کی کوثر سے دھلی ہوئی زبان میں مصنف نے فسانہ شب شنا کر دردمند دلوں کو تڑپا دیا ہے۔ قیمت عہ

محسنِ حقیقی مسلمانوں کے آقا و مولا سردار دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے چند متفرق واقعات مصنف آمنہ کے لال کے قلم سے اور اس قدر مؤثر پیرایہ میں کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑیں۔ مجالس میلاد کے متعلق چند اصلاحی مضامین بھی اس کتاب میں ہیں۔ قیمت چھ آنے ۶ر

داستانِ پارینہ تاریخی مضامین کا مجموعہ جن میں متعصب غیرمسلم مورخوں کے ان حملوں کا دندان شکن جواب بھی دیا گیا ہے جو مسلمان بیگمات اور حکمرانوں پر کئے جاتے ہیں۔ افسانوں سے زیادہ دلآویزی ہے۔ قیمت با تصویر ۱۲ر

بلبلِ بیمار لڑکیوں کی تعلیم اور تربیت اور پردہ کے مختلف پہلوؤں پر طبقہ نسواں کے سب سے بڑے نباض نے تنہائی

صدی تک غور و فکر کے بعد جو بیش بہا مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا بے انتہا قیمتی مجموعہ۔ قیمت ۱۰ر

مسلی ہوئی پتیاں دلی کی بیگماتی زبان میں زنانہ خطوط حیات انسانی کے وہ راز جن کو پڑھ کر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ الفاظ کو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیجئے۔ ۶ر

چمنستانِ مغرب خانہ داری۔ تاریخ۔ معاشرت۔ ادب غرض ہر موضوع پر جو خواتین کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ انگریزی زبان کے چند بہترین مضامین کے عام فہم ترجمے جن میں حضرت علامہ مغفور کا خاص رنگ بھی جھلک رہا ہے۔ قیمت عہ

حور اور انسان اب سے تقریباً تیس سال قبل رسالہ تمدن میں علامہ مغفور نے حقوق نسواں کی حمایت میں چند نہایت موثر دردانگیز افسانے تحریر فرمائے تھے جنھوں نے تعلیم یافتہ مردوں میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ ان کا مجموعہ۔ ۱۲ر

بساطِ حیات چار مختصر افسانوں کا مجموعہ۔ حیات انسانی کے متعلق جانوروں کا مشاہدہ اور مطالعہ چاروں افسانے دلآویز اور نتیجہ خیز ہیں۔ قیمت ۶ر

نشیب و فراز آٹھ عورتوں نے اپنی اپنی زندگی کا کوئی اہم واقعہ بامشاہدہ بیان کیا ہے۔ ہر افسانہ نہ صرف حد درجہ دلچسپ ہے بلکہ نسوانی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ قیمت ۴ر

مسلمان عورت کے حقوق جو مرد خانگی زندگی خوشگوار بنانے کے آرزومند ہیں۔ جو عورتیں معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ اسلام میں ان کی کیا قیمت اور کیا درجہ ہے وہ اس مجموعہ کا مطالعہ کریں۔ جس دل میں مسلمانوں کی ترقی اور بہتری کا درد ہے ممکن نہیں وہ ان مضامین کو پڑھے اور تڑپ نہ اٹھے۔ قیمت بارہ آنہ ۱۲ر

ساجن موہنی بہت سی بیبیاں باوجود کوشش کے شوہر کو خوش نہیں رکھ سکتیں کیونکہ انھیں تسخیر شوہر کے گر ہی نہیں معلوم۔ اس مجموعہ کا مطالعہ نہ صرف شادی شدہ خواتین ہی کے لئے بے انتہا مفید ہے بلکہ ان لڑکیوں کے لئے بھی جن کی عنقریب شادی ہونے والی ہے۔ قیمت ۴ر

زیورِ اسلام لڑکیوں اور عورتوں کے لئے نہایت مؤثر مذہبی مضامین جن کے مطالعہ سے انھیں معلوم ہوگا کہ ان کی ہستی کیا معنی رکھتی ہے اور آئندہ زندگی کو خطرات سے بچا کر ایک مسلمان کی حیثیت سے پرلطف اور باطمینان زندگی کس طرح بسر کی جاتی ہے۔ قیمت ایک روپیہ عہ

شادی کا انتخاب اس وقت اولاد کی شادی کا انتخاب مسلمانوں کے لئے نہایت نازک مسئلہ ہے اس کتاب میں اولاد کی شادی کے بارے میں بیش بہا مشورے دیے گئے ہیں ۸ر

عالم نسواں ان ملکی اور غیر ملکی واقعات پر جو خواتین بالخصوص مسلمان عورتوں سے متعلق تھے حضرت علامہ مغفور کا اپنے مخصوص پیرہ میں تبصرہ - تحریک نسواں - بیداری نسواں آزادی نسواں حریت نسواں پر گراں بہا خیالات - قیمت ۸/ر -

قریب ہستی وہ بیش بہا مضامین جو اصلاح معاشرت اور اصلاح اخلاق کے متعلق ہیں اور جن کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ کس طرح مسلمان گھرانے اندر ہی اندر گھن کی طرح کھوکھلے ہو رہے ہیں - اور ان کی حالت درست ہونے کی کیا تدبیر ہے - ۶/ر

بکھری ہوئی پتیاں مختلف موضوعات کے متفرق مضامین انشائے لطیف اور کئی دردانگیز نظمیں بھی ہیں - گویا اس مجموعہ میں حضرت علامہ مغفور کی کئی حیثیتیں نظر آتی ہیں - قیمت ایک روپیہ چھ آنے - عہ/ر

خدائی راج اور دوسرے افسانے اردو کے سب سے پہلے مختصر افسانہ نگار کے آخری افسانوں کا بے مثل مجموعہ جس میں حیات انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے اور جذبات انسانی کی بے مثل ترجمانی کی گئی ہے - پلاٹ - مکالمہ کردار نگاری - مناظر نویسی - جذبات نگاری ہر اعتبار سے یہ افسانہ مشرق کے بہترین افسانوں میں سے ہیں - جن پر اردو ادب ہمیشہ فخر کرے گا قیمت ایک روپیہ - عہ

یادگار تمدن تمدن حقوق نسواں کی حمایت میں پہلا اور آخری مردانہ رسالہ تھا - اس کے ایڈیٹر کی حیثیت سے علامہ مغفور نے جو مضامین تحریر فرمائے تھے اُن کا مجموعہ طرز بیان اس قدر دلآویز ہے کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے - قیمت ۱۲/ر

تصانیف محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

گلستان خاتون محترمہ خاتون اکرم ہندوستان کے بہترین افسانہ نگاروں میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں - گلستان خاتون متفقہ طور پر اردو کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے اور اس میں وہ سبق آموز موثر اور دردانگیز افسانے ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں - اس سے پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا - ملک کے تمام مشہور اخبارات اور رسائل اور نامور اہل قلم مردوں اور عورتوں نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں - دیباچہ مولانا رازق الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے تمام کتاب آرٹ کاغذ پر چھپی ہے - بار سوم - قیمت عہ/ر

پیکر وفا دلآویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور شریف بیوی اپنے شوہر کے لئے ایسی ایسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہ جائے - قیمت ۸/ر -

بچھڑی بیٹی ایک دلچسپ اور سبق آموز افسانہ - ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے - اس کی جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے - صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے - برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ جنت مکانی کی بے مثل افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے - قیمت چھ آنے ۶/ر تیسری بار چھپی ہے -

جمال ہمنشین جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا نہایت حسین شاندار مجموعہ - رسالہ حرم کی رائے - "یہ مضامین بہ لحاظ زبان و خیال نہایت ہی بلند ہیں اور ان کی اشاعت اردو زبان پر بڑا احسان ہے" - قیمت ایک روپیہ (عہ/ر)
تیسرا ایڈیشن قریب الختم ہے -

تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ ایم آر اے ایس لنڈن

مشیر نسواں یا زہرہ ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس میں لڑکیوں کو بہت سی بیش بہا اخلاقی باتیں بتائی گئی ہیں - قصہ دلچسپ اور نتیجہ خیز ہے طرز بیان نہایت آسان اکابرین قوم نے جسے پڑھ کر شاندار ریویو کئے تھے - قیمت ایک روپیہ چار آنے -

سرگذشت ہاجرہ دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اخلاقی اور اسلامی جواہرات کا بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے عورت انھیں کس طرح دور کر سکتی ہے - قیمت ۱۰/ر

موہنی ایک اخلاقی معاشرتی افسانہ - ایک شہزادی شوہر کے انتقال پر گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں ماری ماری پھرتی تھی یہاں تک کہ ایران پہونچتی ہے اور وہاں عجیب طریقہ سے شوہر سے ملاقات ہوتی ہے ایران کی معاشرت اور مہمانداری زچہ خانہ شادی بیاہ رسم و رواج پر دلچسپ معلومات بھی ہیں - قیمت ۱۲/ر -

تحریر النساء لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرز پر خط و کتابت کی مفید کتاب ! اخلاقی - معاشرتی - مذہبی - سبقوں کا لاجواب دلچسپ مجموعہ - یہ کتاب انشا کی انشا ہے اور نتیجہ خیز سبق آموز مضامین کا مجموعہ بھی - قیمت ۱۲/ر

عصمت بک ڈپو کی کچھ اور مقبول کتابیں

شہید وفا سلمہ کی محبت کی سچی داستان دنیا فراموش نہیں کر سکتی اس نے سعید کی محبت میں فنا ہو کر وہ مصیبتیں اٹھائیں جن کی تاب شاید ہی کوئی انسان لا سکے مشہور افسانہ نگار محترمہ امۃ الوحی صاحبہ کے اس کامیاب افسانہ کے ساتھ ۹ نہایت سبق آموز افسانے اور بھی ہیں - قیمت عہ/ر

انوری بیگم اردو کی نامور افسانہ نگار محترمہ طیبہ بیگم مسز نواب خدیو جنگ بہادر کا نہایت دلآویز ناول ہے جس میں حیدرآباد کے ایک شریف معزز و اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کی بلند معاشرت دکھائی گئی ہے پلاٹ میں نہایت [illegible]

دولت پر قربانیاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال لڑکی کا اس وجہ سے غیر کفو میں شادی کرنے سے ترکہ پدری دنیا ہوگا۔ برادری کے نااہل لڑکے سے شادی کرنے کے دردناک نتائج اور دولت کے لالچ میں سوکن پر بیٹی بیاہنے کا عبرتناک انجام قیمت ۸ر

چار رخ عصمت کی مشہور انشاء پرداز محترمہ انیس فاطمہ کا لکھا ہوا ایک نتیجہ خیز افسانہ جس میں چار عورتوں کی عبرت انگیز اور سبق آموز آپ بیتی ہے۔ مغربی تمدن کی اندھا دھند تقلید عیسائی مشنریوں کی صحبت۔ رواج کی پابندی کے دردناک نتائج قیمت ۴ر

جاں باز جس میں ایک معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کے حالات نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ زبیدہ اپنے منگیتر کے لئے کیا کیا قربانیاں کرتی ہے۔ مسٹر قمر ایک کم حیثیت مغربی لڑکی کے ہاتھوں کس طرح اپنی پُرمسرت زندگی کو تباہ کرتے ہیں۔ خاندان حسن کا ایک سجادہ نشین تمام مشکلات کو حل کرتا اور اپنے دوستوں کی خاطر کیسی کیسی قربانیاں کرتا ہے یہ ایسے باب ہیں کہ آپ عش عش کریں گے۔ از محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ قیمت ۱۲ر

فیروزہ ایک دولت مند گھر کی یتیم و لسیر لڑکی کا افسانہ غم۔ شرافت اور انسانیت کی دل ہلا دینے والی قربانیاں جن سے معلوم ہوگا کہ کس وجہ سے ایک شریف عورت اپنے شوہر کو ایک دوسری عورت کے حوالہ کر دیتی ہے۔ لالچ۔ بے ایمانی۔ ہنگامی جذبات کے قابل نفریں مرقعے۔ احسان فراموشی محسن کشی کے کمینے حملے اور استقامت استقلال اور دور اندیشی کی فتح۔ از جمیلہ بیگم صاحبہ کلکتہ۔ قیمت ۸ر

نغماتِ موت محترمہ حجاب اسمٰعیل کے دلآویز مضامین کا مجموعہ جو انہوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھے تھے۔ یہ مضامین مصنفہ کے دلی جذبات کا آئینہ اور نظم نما نثر کا بہترین نمونہ ہیں۔ مصنفہ کے اندازِ بیان کی دلکشی اور ان کے شاعرانہ خیالات کی نزاکت و رفعت پورے طور پر نغمات موت میں نمایاں ہیں۔ قیمت ۶ر

ادبِ زریں محترمہ حجاب اسمٰعیل کا طرزِ تحریر ملک کی دوسری مشہور انشاء پرداز خواتین سے بالکل جدا نہایت دلچسپ ہے۔ وہ نثر میں خوب شاعری کرتی ہیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے لطیف مضامین۔ بلند تخیل۔ عبارت کی رنگینی اور جذبات کی ترجمانی کا بہترین نمونہ ہوتے ہیں۔ اس مجموعہ میں پچاس مضامین ہیں۔ جن میں سے اکثر مختلف رسائل میں شائع ہو کر خراجِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ قیمت ۸ر

غیرت کی پتلی محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ منشی فاضل کا لکھا ہوا ایک سبق آموز اور دلچسپ قصہ جس میں تین مختلف الخیال عورتوں کے حالات ہیں۔ جن سے معلوم ہوگا کہ اولوالعزمی اور ہمت سے قسمت کس طرح بگڑا ہوا گھر بنا سکتی ہے۔ قیمت ۶ر

دودھ کی قیمت افسانے [illegible] عصمت کے لئے لکھے تھے [illegible]

روحانی شادی یہ اصلاحی ڈرامہ منشی پریم چند نے عصمت کے لئے لکھا تھا۔ پلاٹ۔ مکالمہ۔ کیرکٹر ہر اعتبار سے کامیاب ہے۔ نتیجہ خیز سبق آموز ہے۔ دلچسپ اور دلآویز ہے۔ عبرت ناک بھی اور کافی تفریحی مزاحیہ بھی۔ اصلاح معاشرت نہایت مؤثر اور بلند پایہ ڈرامہ ہے۔ قیمت ۶ر

دامنِ باغباں مشہور افسانہ نگار ڈاکٹر سعید احمد بریلوی کے افسانے جذبات نگاری میں ڈاکٹر صاحب کو کمال حاصل ہے اور زبان روزمرہ عام فہم لکھتے ہیں۔ دامن باغباں ڈاکٹر صاحب کے سبق آموز افسانوں کا مجموعہ ہے جو اردو کے بہترین افسانوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ قیمت صرف ۸ر

افسانۂ حرم لڑکیوں کے لئے ایک فاضل جرنلسٹ نے دس کہانیاں لکھی ہیں اور ہر کہانی سے کوئی نہ کوئی مفید نتیجہ نکلتا ہے۔ لڑکیاں کتاب کو نہایت دلچسپی سے پڑھیں گی طرزِ بیان میں دلآویزی ہے عبارت بہت ہی آسان عام ہندوستانی گھرانوں کی کیفیت نہایت خوبی سے دکھائی گئی ہے قیمت ۷ر

آئینۂ جمال یعنی دورِ حاضرہ کی نامور شاعرہ محترمہ بلقیس جمال صاحبہ کی ۸۴ نظمیں اسلام کے دورِ اولین کی سبق آموز منظوم کہانیاں دردِ قومی کی تڑپ۔ مناظرِ قدرت کی مصوری۔ جذباتِ نسوانی کی صحیح ترجمانی موسیقی لطافت۔ وہ کیا خوبی ہے جو آئینۂ جمال میں نہیں۔ خوفِ خدا پاس مذہب حب الوطنی۔ ایثار ہمت۔ بہادری کے جذبات اس کے مطالعہ سے پیدا ہوتے ہیں قیمت ۱۲ر

شمعِ خاموش اردو کی مشہور شاعرہ منجو بیگم لکھنوی کی درد انگیز اور مؤثر نظموں کا مجموعہ مع دیباچہ مولانا راشد الخیری۔ یہ نظمیں ہندوستانی مسلمان عورتوں کی مظلومیت کے صحیح ترین فوٹو ہیں۔ اردو رسائل میں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ ہر ہر شعر درد سے لبریز ہے پڑھ کر آنسو نکل آتے ہیں کسی خاتون کے کلام کا ایسا درد انگیز مجموعہ اب تک نہیں چھپا۔ زبان آسان اور عام فہم قیمت ۶ر

تاریخی لطیفے دنیا بھر کے نامور مصنفوں۔ شاعروں۔ بادشاہوں اور شہزادیوں وغیرہ کے لطیفے جو نہ دائرہ تہذیب سے باہر ہیں۔ نہ فرضی من گھڑت۔ ان سے ہنسی بھی آئے گی معلومات بھی بڑھیں گی قیمت ۸ر

ہنسی کی باتیں یہ کتاب ہندوستان کے معزز گھرانوں کی محترم خواتین کے نئے نئے طبع زاد مہذب لطیفے ہیں جنہیں پڑھ کر سنجیدہ انسان بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے لطف یہ ہے کہ وقار تہذیب سے گرا ہوا کوئی لطیفہ نہیں۔ مہذب ظرافت کی بہترین کتاب ہے۔ قیمت ۸ر

عقل کی باتیں دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں پیغمبروں بادشاہوں مصنفوں شاعروں۔ ادیبوں اور فلاسفروں کے وہ سات سو اقوال جو برسوں کے تجربوں پر مبنی ہیں۔ جن میں ہنسی خوشی کامیابی سے زندگی گزارنے کا راز۔ اور جن میں حیات انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیاں سلجھانے کا حل ہے بھولوں بھٹکوں اور غم غلط کرنے کا ذریعہ ہیں۔ قیمت ۸ر

تندرستی ہزار نعمت عصمت کی مایۂ ناز مضمون نگار محترمہ زہرہ بیگم صاحبہ فیضی مبتی کے نہایت مفید مضامین جن میں صحت قائم رکھنے کے چند اصول بڑی خوبی سے بیان فرمائے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنی سیاحت امریکہ اور یورپ کے تجربات بھی تحریر فرمائے ہیں قیمت ۱۲ر

بچوں کی تربیت بچوں کی پرورش اور تربیت پر بہترین کتاب پہلے شریف گھرانوں میں بچوں کی پرورش میں جن باتوں کا خیال رکھا جاتا تھا۔ آج جن بیماریوں پر اشرفیاں خرچ کی جاتی ہیں اس وقت پیسوں میں کام ہو جاتا تھا۔ وہ سب اس میں جمع کی گئی ہیں قیمت ۱ر

خواتین اندلس اندلس یعنی اسپین میں مسلمانوں نے ۸۰۰ سال تک حکومت کی ہے۔ مسلمانوں کے زمانہ میں سرزمین اندلس (اسپین) نے بڑی بڑی باکمال خواتین پیدا کی تھیں کتاب سے معلوم ہوگا۔ کہ اس زمانہ میں طبقۂ نسواں میں کیسی کیسی اعلیٰ پایہ کی شاعر۔ ادیب مصوّرہ بذلہ سنج۔ لطیفہ گو۔ حاضر جواب موجود تھیں۔ قیمت صرف ۶ر

زنانہ بستہ دس چھوٹی چھوٹی کتابوں کا مجموعہ:۔ (۱) اسم اللہ کی کتاب (۲) کہانیوں کی کتاب (۳) کھیل کی کتاب (۴) لکھنے کی کتاب (۵) نماز کی کتاب (۶) کھانے پکانے کی کتاب (۷) تندرستی کی کتاب (۸) تہذیب ادب اور اخلاق کی کتاب (۹) پردہ کی کتاب (۱۰) خانہ داری کی کتاب یا دولہن کا اصلی جہیز۔ جو کتاب جس مضمون پر ہے مکمل ہے۔ بچیوں اور لڑکیوں کے لئے زنانہ بستہ نہایت ہی مفید اور بڑے کام کی کتاب ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

بچوں کے لئے بچوں ہی کی زبان میں چند کتابیں

مختصر دنیا انگریز سیاح گلیور صاحب بالشتیوں کی دنیا میں چلے گئے تھے۔ جنہیں بالشتیے لوگ کہتے تھے۔ سیاح کبھی درجنوں بالشتیوں کو ہتھیلی پر اٹھا لیتا تھا۔ اور سینکڑوں بالشتیوں کا جو کھانا اہتمام سے تیار ہوتا تھا۔ ایک لقمہ میں ختم کر دیتا تھا۔ بڑی مزے دار کہانی ہے۔ قیمت ۵ر

بچوں کی دنیا روس کے مشہور مصنف ٹالسٹائی کی ان کہانیوں میں سے۔ جو بچوں کے لئے مصنف نے لکھی تھیں پانچ بہترین کہانیوں کا ترجمہ جو بچوں ہی کی زبان میں کیا گیا ہے۔ علاوہ دلچسپ ہونے کے بچوں کے اخلاق درست ہوتے ہیں۔ ان میں نیکی۔ بہادری۔ حب الوطنی ہمدردی ایثار کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ قیمت ۷ر

مزے دار کہانیاں چھوٹے بچوں کے مطلب کی انہیں کی زبان میں لکھی ہوئی کہانیاں اس قدر دلچسپ کہ بغیر ختم کئے بچے چھوڑ نہ سکیں۔ باتصویر۔ از سید ابو تمیم فریدآبادی۔ قیمت ۵ر

انشائے سلمیٰ جناب صاحبزادہ ولی احمد خاں صاحب ام۔ اے ایم الیف نے لڑکیوں کو خط وکتابت سکھانے کے لئے یہ کتاب لکھ کر زنانہ لٹریچر میں مفید اضافہ کیا ہے۔ اس کے شروع میں اردو کتابت کی تاریخ بہت عالمانہ اور مفید معلومات سے پُر ہے پھر خطوط کے نمونے ایسے لکھے گئے ہیں۔ جو دلچسپ بھی ہیں۔ اور مفید بھی۔ نہ صرف لڑکیوں کے لئے بلکہ لڑکوں کے واسطے بھی۔ خط وکتابت سیکھنے۔ معلومات میں اضافہ کرنے اور دلچسپی سے مطالعہ کرنے کے لئے اس میں بہترین دلچسپیاں ہیں قیمت ۱۲ر

خیابانِ نسواں حیدرآباد کے مشہور ادیب مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی کے وہ مختلف مضامین جو مختلف زنانہ رسائل میں شائع ہوکر مقبول ہوئے۔ دلچسپ پیرایہ میں خواتین کے مفید مطلب ضروری امور پر بحث کی گئی۔ چند معاشرتی۔ اخلاقی مسائل پر قابل قدر خیالات ہیں۔ خواتین ہند کی ترقی کے سلسلہ میں قابل مصنف نے سیاحت یورپ کے بعد جو نتائج اخذ کئے وہ اس قابل ہیں۔ کہ ان پر غور و فکر کیا جائے۔ ان مضامین سے معلومات میں نہایت دلچسپ اضافہ ہوتا ہے۔ قیمت ۱۲ر

کپڑوں کی چھپائی سائنٹفک طریقوں سے کپڑوں کی رنگائی کس طرح کی جاتی ہے۔ نہایت کفایت کے ساتھ خوشنما پائدار کپڑا خواتین کس رنگ میں رنگ سکتی ہیں۔ اس مضمون پر ماہر فن مولوی اقبال احمد بھوپالی کی مستند تالیف مختلف رنگوں اور رنگائی کے فن کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات ہیں۔ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے قیمت ۸ر

شباب زندگی جس میں شمس النساء کی شادی کے حالات ہیں جس ضمن میں جو مصائب اور تکلیفیں اور جو آرام اور جو راحتیں اس نے اٹھائیں۔ اور جو تجربے اس نے حاصل کئے وہ سننے اور پڑھنے اور گرہ میں باندھ لینے کے قابل ہیں قیمت ۶ر

پھول پھلواری پھولوں کی کاشت، کیاری اور باغیچہ کی نگہداشت اور انگریزی ہندوستانی اور ہر موسم اور ہر قسم کے پھولوں کے متعلق نہایت مفید اور کارآمد معلومات اور عورتوں کے لئے قابل قدر تحفہ۔ از محترمہ سرور جہاں رعنا بی۔ اے۔ قیمت ۸ر

وداعِ راشد حیات راشد کا آخری باب

از رازق الخیری حضرت علامہ راشد الخیریؒ کی علالت اور وفات کے حالات ذاتی اوصاف۔ اور انسانی حیثیتوں کا تذکرہ رسالہ شاہکار لکھتا ہے:۔ "رازق صاحب نے دلی کی صاف ستھری زبان میں سچے پاکیزہ جذبات کی دردناک تصویر کھینچ کر رکھدی ہے۔ واقعات کو اس قدر موثر انداز میں بیان کیا ہے کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں"

اخبار وکیل لکھتا ہے "ہندوستان کے سب سے بڑے حزن نگار کی موت کے تاثرات کو اس قدر دردناک انداز میں بیان کیا ہے۔ گویا خود مولانا مرحوم کتاب کے مصنف ہیں"۔ ۸۰ صفحات دو فوٹو۔ قیمت ۸ر

رسالہ عصمت دہلی

پینتیسواں ۳۵ سال | بابت ماہ اگست ۱۹۴۲ء | جلد ۶۹ نمبر ۲

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی:- مع محصول ڈاک چار روپے — ممالک غیر سے دس شلنگ

قسم خاص اعلیٰ کاغذ کا ایڈیشن دس روپے۔ رؤسا سے پچیس ۲۵ روپے۔ والیانِ ریاست سے سو ۱۰۰ روپے
ممالک غیر سے ایک پونڈ۔ فی پرچہ ایک روپیہ۔

رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر ملیسرز اے ایچ وہیلر کے بک اسٹال پر بھی ملتا ہے

(باہتمام رازق الخیری ایڈیٹر پرنٹر پبلشر محبوب المطابع دہلی میں چھپ کر دفتر عصمت کوچہ چیلان دریاگنج دہلی سے شائع ہوا)

عورت کا سلیقہ

از حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

"ڈھاک تلے کی پھوہڑ اور پھوہڑ اور پھوسے تلے کی سگھڑ" ہے تو مثل پرانی مگر ایسی جانچ تول کر کہی ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ کتنی سچی بات ہے۔ جو ہنڈیا میں ہوگا وہی ڈوئی میں نکلے گا جب ہنڈیا ہی میں گنا چنا نپا تلا ہوگا، تو پکانے والا کیا کارستانی کرے گا اور نکالنے والا کیا کرامات دکھائے گا۔ وہ بیوی جس کو نہ گھر کے انتظام میں دخل اور خرچ سے واسطہ، آٹا۔ گھی۔ گوشت۔ تیل۔ ایندھن جو میاں نے ہاتھ اٹھا کر دے دیا لے لیا۔ اور تعمیل کر دی۔ بچائے گی کیا خاک اور رکھے گی کیا دھول؟ بننے کی جھٹی میں سے کپڑے یا قصائی کے پرچے میں سے پھاڑے؟ وہ تو آپ ہی سو پھوہڑوں کی پھوہڑ ہوگی۔ جب دیکھو ڈھاک کے تین پات۔ غنیمت ہے کہ یہ طرز معاشرت روز بروز بدلتا جاتا ہے۔ اور اب وہ وقت ہے کہ بیویاں پھوسے تلے کی سگھڑ بن کر دکھائیں۔ ساس نندوں کی دست نگر نہ میاں کی محتاج پوری تنخواہ کی مالک اور سیاہ و سفید کی ذمہ دار۔ اگر اس پر بھی سلیقہ اور سگھڑاپا نہ دکھایا تو وہ مٹی کا تھوا آٹے کی آپا تھم کی طرح گھر میں ہوئیں تو، اور نہ ہوئیں تو، دونوں یکساں۔

چند خاص خاص گھرانوں کو چھوڑ کر عام طور سے بیویوں کی قدر و منزلت زیادہ اور ان کے اختیار روز بروز وسیع ہو رہے ہیں۔ وہ چار دیواری کے اندر اپنے گھر کی ملکہ ہیں۔ ان کو اختیار ہے۔ وہ ایک وقت کھانے پر دس روپیہ اٹھادیں یا ایک روپیہ صرف کریں۔ ان کی خوشی پر منحصر ہے کہ وہ آپ اور بچے چکن اور تن زیب پہنیں یا ململ اور نین سکھ، ان کو کوئی روکنے ٹوکنے والا کہنے سننے والا نہیں۔ ان تمام اختیارات پر وہ شخص جو اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی دن رات تج تج کر کے پھر پھرا کے تکلیف و مصیبت اٹھا کے لاکر ان کے ہاتھ میں دے رہا ہے اگر اس بات کا متوقع ہو کہ وقت بے وقت کے واسطے بیوی کچھ پس انداز بھی کرتی جائے تو کیا بے جا ہے؟

اس کو پھوسے تلے کی سگھڑ کہو یا عورت کا سلیقہ کہ وہ خدا کا فرض ادا کر لینے کے بعد سب سے پہلے اس فرض کو ادا کرے کہ گھر کی ظاہری حالت خاوند کی حیثیت کے موافق ہو جائے۔ جھاڑو بہارو۔ صاف ستھرے بچھونے۔ اجلا اور ثابت فرش ایسا نہ ہو کہ اگر کوئی ملنے والا یا رشتہ دار مرد یا عورت آ نکلا تو گھر کی خاک اڑ رہی ہے۔ اس کے بعد اپنے اور بچوں کے لباس کی درستی ہے۔ یہ نہ ہو کہ ڈیڑھ سو روپیہ کے تنخواہ دار کی بیوی پھٹا ہوا دوپٹہ اور بچے کھلے جوتیاں پہنے پھر رہے ہیں۔ پھر کھانے پکانے کے برتن پانی کے مٹکے صاف اجلے غرض گھر کی تمام چیزیں ڈھنگ سے قرینے سے دھری۔ مختصر یہ کہ کوئی کسر ایسی نہ رہ جائے جس سے گھر کی حیثیت اور خاوند کی عزت پر حرف آتا ہو۔ اس کے ساتھ ہی سب سے بڑی چیز جو لازمی اور ضروری ہے وہ کچھ نہ کچھ بچانا اور جمع کرنا ہے۔

یہ ماں باپوں کا کام ہے کہ وہ لڑکیوں کو ابتدا ہی میں اس قسم کی تعلیم دیں اور اس سے پہلے کہ ان پر خانہ داری کا بوجھ آ کر پڑے اس قابل بنا دیں کہ وہ خاوند کی کمائی ہاتھ میں لے کر اس کی حیثیت اور عزت کے موافق گھر بھی چلائیں اور پس انداز بھی کریں "چڑا لایا دال کا دانہ چڑیا لائی چاول کا دانہ دونوں نے مل کر کھچڑی پکائی" اس کا مطلب یہی ہے کہ خاوند کی آمدنی بیوی کا سلیقہ دونوں کی محنت سے گھر چلا۔ (گدڑی میں لعل)

آج کل کا معیارِ شرافت

آج کل کی نوجوان تعلیم یافتہ لڑکیاں۔ معاشرت کا معیار جداگانہ بنانا چاہتی ہیں۔ سنجیدگی۔ مستقل مزاجی۔ بردباری تحمل رخصت ہوتا جا رہا ہے اس کے بجائے چھچھورپن بے ادبی بدمزاجی آج کل کی لڑکیوں میں پیدا ہو رہی ہے۔ وہ اپنے کو معاشرت کی جکڑبندیوں سے قطعی آزاد کرنا چاہتی ہیں اسی کا نام فیشن رکھ لیا ہے۔ ان کی یہ آزادروی دیکھ کر بن پڑھی بیوقوف لڑکیاں بھی یہی راہ اختیار کر رہی ہیں جس سے گھر کی فضا مکدر رہتی ہے۔ ان کی یہ ناپسندیدہ حرکتیں کسی کو ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ وہ اپنے دل میں خوش ہولیں لیکن سوسائٹی میں ان کی وقعت نہیں۔ ضرورت تو یہ تھی کہ پڑھی لکھی لڑکیاں۔ اپنے اخلاق اور عادات کے عمدہ نمونے دوسروں کے لئے پیش کرتیں مگر ان میں تو کسی کام کی اہلیت باقی نہیں۔ خدا جانے وہ کونسی دنیا میں رہنا چاہتی ہیں۔ ماں سے اس لئے نفرت ہوتی ہے کہ وہ ہر بات میں روک ٹوک کیوں کرتی ہے۔ بہن بھائی اس لئے برے لگتے ہیں کہ آرام میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ دنیا کے ہر کام سے بے نیاز ہو کر سہیلیوں کی غپ شپ ہو یا باہر کی سیر تفریح ہو۔ سینما، یا کسی جلسہ میں جائیں گی تو آہ! واہ واہ کے نعروں اور تالیوں کی گونج سے مردوں کو مات کر دیں گی ان کو مشترکہ جلسے کی بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ ہم سے چند قدم پر ہر قسم اور ہر مذاق کے مرد موجود ہیں وہ دل میں کیا کہہ رہے ہوں گے کسی میلہ یا نمائش پر دیکھو تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے۔ گنڈے والے کی دکان۔ چوڑی والے کی دکان تنبولی کی دکان پر بھیڑ ہوتی ہے ایک دوسرے کو آوازیں دے رہی۔ چوڑیاں پہن رہی۔ پان کھا رہی ہیں۔ چاہتی یہ ہیں کہ صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ساتھ رہیں۔ مذاق چہلیں کرتی پھریں۔ بڑی بوڑھی ساتھ نہ ہو۔ اگر ہو بھی تو منع کرنیکی جرات نہ ہو۔ اور منع بھی کرو تو سنتا کون ہے۔ منہ ڈھکنا تو قسم ہے۔ کسی نے جھوٹ موٹ برقعہ ڈالا بھی تو نہ ڈالنے کے برابر ہے۔ آنکھ میں ذرا حیا باقی نہیں رہی۔ وہ بی بیاں جو انگلی دکھاتے شرماتی تھیں اب سر بازار ساڑی پہن کر بن سنور کر کھلے منہ فخر یہ نکلتی اور برقع والیوں کا مذاق اڑاتی ہیں۔ نماز روزہ سے بے بہرہ۔ آئین شریعت سے ناآشنا۔ موقع محل دیکھنے کی ان کو پرواہ نہیں۔ مہمانوں کی خاطرداری صرف ماں کا کام ہے اُن سے کوئی واسطہ نہیں ان کا کام تو یہ ہے کہ مہمان بن کر بیٹھ جائیں۔ بڑی مہربانی کی تو کسی سے بات چیت کر لی ورنہ خیر۔ پڑھ کر اپنی ہستی کو اتنا بڑا سمجھنا کہ ہر کام ہر بات سے بے نیاز ہو جانا یقیناً یہ ایک ناگزیر عمل ہے۔ وہ چاہتی ہیں علیحدہ کمرہ مع سازو سامان کے ہو۔ ان کا جی چاہے تو کسی سے بات کر لیں ورنہ نہیں ان کی تنہائی اور مطالعہ میں کوئی مخل نہ ہو۔ بہترین غذا۔ بہترین لباس۔ اس پر صبح شام تفریح بھی ہو۔ چاہے ڈھنگ سے ہو یا بے ڈھنگے پن سے۔ ڈھنگ تو یہ ہے سواری میں بیٹھے کسی بڑی بوڑھی کو ساتھ لیا اور ٹہل آئے۔ بے ڈھنگا پن یہ ہے کہ وہ بڑی بوڑھی تو کہیں بیٹھی رہیں یہ صاحبزادی جنگل جنگل سیر کرتی پھریں اور جب خوشی ہوئی واپس لوٹیں یہ بھی نہ ہو تو سر پر برائے نام چادر ڈال کسی نوکر کے ساتھ نکل کھڑی ہوئیں کہ تفریح کو جا رہے ہیں۔ خاندان کے نام اور باپ کی عزت کی پرواہ نہیں۔ آزادی کے پیچھے اس بری طرح پڑی ہیں کہ اگر خدانخواستہ کچھ ایسی ویسی ہو جائے تو گویا کچھ بھی نہیں ہوا۔ آزادی کا جنون دیکھئے کیا کر کے رہتا ہے۔

معاشی زندگی اس قدر دردناک ہوتی جا رہی ہے کہ بیان نہیں کی جا سکتی عورتیں ہی گھر کو بنایا بگاڑا کرتی ہیں۔

کم حیثیت کا زیادہ نظر آتا ان کی ہی محنت اور کفایت شعاری کا خوب ہوتا ہے پرانے زمانہ میں بچوں کے کپڑے سینا اور درزی کا بھول کر بھی نام نہ لینا۔ لحاف گدّوں کو ہر سال اُلٹ پلٹ کر اچھی حالت میں رکھنا۔ بچوں کو کپڑے دھو دھلا کر صاف ستھرا رکھنا۔ کہ غیروں کو بھی اچھے معلوم ہوں۔ چھوٹی موٹی بیماریوں کا خود علاج کرنا اور حکیم ڈاکٹر کا محتاج نہ ہونا۔ لڑکیوں کا جہیز بنانا۔ غرض موقع محل کی مناسبت سے آخر سب کام کس طرح عورتیں خود کرتی تھیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آج کل کی دنیا کا کیا حشر ہوگا۔ کہاں سے قارون کا خزانہ آئیگا۔ جو یہ لٹایا کریں گی کسی کو تکلیف کا احساس نہیں کسی کو بیماری کا درد نہیں۔ اپنے کام سے کام نوکروں پر سختی بڑوں سے بے ادبی اور چھوٹوں کی تو کوئی ہستی نہیں۔ لعنت ہے ایسی تعلیم یا ایسی جہالت پر جس سے انسان، انسان ہی نہ رہے اور حیوان بن کر دنیا کو تہ و بالا کرنے کی ناکام کوشش کرتا رہے اور اپنے غیض و غضب سے سب کو زیر کرنیکی ٹھان لے۔

اے آزادی کی دیوانی لڑکیوں۔ جب تک تمہارا اخلاق اچھا نہ ہوگا تم محنت اور سمجھ سے کام نہ لوگی۔ اور تمہاری تعلیم سے دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہونچے گا۔ اس وقت تک دنیا کی نظروں میں تمہاری حقیقی عزت کبھی نہیں ہو سکتی۔ اچھا کہلوانے کے لئے نفس کو مارنے کی ضرورت ہے۔ اگر تعلیم تم نے ناچنے تھرکنے کے لئے۔ ادائیں دکھانے کے لئے بناؤ سنگھار اور نمائش حسن کے لئے حاصل کی ہے۔ تو یہ ظاہری ٹیپ ٹاپ چند روز میں ختم ہو جائے گی۔ وہ دائمی شہرت وہ حسن باطنی کہاں میسر آئیگا جو تمہاری اعلیٰ نسبی کو چار چاند لگا دے۔ یہ عارضی شہرت جو اسلام کو بدنام کرنے والی دو ایک شریف خاندان کی لڑکیوں نے سینما کے پردۂ فلم پر آکر حاصل کی ہے وہ بھی اپنے ماحول میں چند ساعت کی مہمان ہے۔ چند سال بعد ان کا کوئی نام بھی نہ جانے گا۔ فلم بھی پرانے ہو کر کٹ جائیں گے۔ ہاں یہ بات دنیا عرصہ تک یاد رکھے گی کہ شریف خاندان کی لڑکی نے اپنے باپ اور شوہر کی عزت اپنے خاندان کی حرمت کو اس طرح بٹہ لگایا۔

یہ سب بے دینی اور آزاد تعلیم کا نتیجہ ہے۔ افسوس ہے اسلامی اسکولوں میں بھی دینیات کا برائے نام انتظام ہے۔ جب ہی تو لڑکیوں کی نظر میں اپنے پاک مذہب کی وقعت نہیں رہی اگر اب بھی رہبران قوم نے مذہبی تعلیم لڑکیوں کے لئے ضروری نہ سمجھی اور اس کا انتظام نہ کیا تو خدا جانے کیسی کیسی خود سر اور خود غرض اور باعث ننگ و شرم لڑکیاں پیدا ہوں گی۔

بیگم ضیاء الحسن

(بقایا مضمون صفحہ ۱۲۴ کا) مخالفت کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ ہر شخص کو اپنا دشمن خیال کرنے لگتا ہے۔

جب وہ اپنے والدین کے دوست سے باتیں نہیں کرتا یا اپنے ہم عمروں کے ساتھ کھیلنے سے انکار کرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ نہایت شرمیلا ہے۔ لیکن دراصل یہ شرم نہیں بلکہ ایک قسم کا احساس مخالفت و کشیدگی ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے اس احساس پر غالب آجاتا ہے اور اس سے دوسرے بچوں سے ملنے جلنے کو کہا جاتا ہے تو وہ لڑائی جھگڑے اور چڑچڑے پن پر اتر آتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں یہ بڑا لڑاکا لڑکا ہے حالانکہ اس کی یہ مخالفت خوف اور جھجک کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کسی قسم کی جسمانی کمزوری بھی ایک اچھے خاصے بچے کو دوسرے بچوں کے سامنے شرمندہ اور ان سے الگ تھلگ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ بچوں کو اپنی کمزوری کا بہت زیادہ ہوتا ہے اور ان کے شریر ساتھی ان کو چڑا کر اور بھی نادم و مجبور کر دیتے ہیں۔

اس قسم کے بچوں کا واحد علاج محبت و شفقت ہے۔ اور ان میں دوبارہ اعتماد ذاتی اور احساس خودی پیدا کرنا چاہیئے۔ ان کے دماغ میں یہ بات اچھی طرح جما دینی چاہیئے کہ قوم میں ان کے لئے بھی ایک کام ہے جسے صرف وہی پورا کر سکتے ہیں۔

ان میں اعتماد ذاتی نہایت آسانی سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ انھیں اسکول میں کوئی ذمہ داری کا کام سپرد کر دیا جائے۔ یا انھیں کسی کلب یا مجلس کا سکریٹری وغیرہ مقرر کر دیا جائے۔ یا ان کی توجہ کسی اور تفریحی کام کی طرف مبذول کرادی جائے مختصر یہ کہ انھیں ہر ایسا کام کرنے

ماں

اُس نے خط کے کاغذ کو موڑ توڑ کر ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ چند لمحے وہ غور سے ردّی کی ٹوکری کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اُٹھ کر مضطربانہ انداز میں کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اُس کے چہرے پر غم و غصہ کے آثار تھے۔

"میرے لئے جلدی سے چینی کی ایک پیالی لے آؤ" اُس نے کسی قدر ترش روئی کے ساتھ ملازمہ سے کہا۔

دریچے کے قریب کھڑے ہو کر وہ بڑبڑانے لگی "اف صباح نے میری تمام اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اُسے یہ جرأت کرتے ہوئے اپنے مرحوم باپ اور خاندان کی عزت اور مرتبے کا خیال کیوں نہ آیا۔ وہ تو میرے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ اشارے پر سر جھکا دینے کا عادی تھا۔ لیکن شادی کرتے ہوئے وہ اپنی ماں کو کیوں بھول گیا.......... اور پھر شادی بھی کس سے۔ ایک گمنام لڑکی سے جس کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں۔ صباح نے اپنے اتنے بڑے خاندان کے وقار کو خاک میں ملا دیا۔ اُف میرے خدا اُس نے مجھے کہیں مُنہ دکھانے کے قابل نہ رکھا"۔ وہ جھپٹ کر ردی کی ٹوکری کی طرف بڑھی اور وہ کاغذ نکال کر پڑھنے لگی۔

"امّی پیاری! میں کل رات چھ بجے کی گاڑی سے آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ میرے ہمراہ نجمی بھی ہوگی۔ دو مہینے ہوئے میں نے اُس سے شادی کر لی ہے۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں آپ کو اپنی شادی کی اطلاع نہ دے سکا اور نہ آپ کی اجازت طلب کی۔ میں جانتا تھا کہ ہمارے اور نجمی کے خاندان کی دیرینہ دشمنی اور ناخوشگوار تعلقات کی بنا پر آپ مجھے ہرگز اس شادی کی اجازت نہ دیں گی لیکن امّی پیاری میں مجبور تھا۔ مجھے نجمی بے حد پسند تھی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ جیسی بلند خیال خاتون اس شادی پر کوئی اعتراض نہ کریں گی۔ نجمی کس قدر نیک طبیعت۔ خوش مزاج اور خدمت گزار لڑکی ہے یہ آپ کو اُس سے مل کر معلوم ہوگا۔ کل تک کے لئے خدا حافظ۔ آپ کا صباح"

"وہ اب ہرگز اس گھر میں نہیں رہ سکتا" وہ بے تابی سے اپنا رومال اپنی پیشانی پر پھیرتے ہوئے زیر لب بولی۔ "اف میری کتنی اُمیدیں اُس سے وابستہ تھیں۔ اُس کے متعلق کتنے حسین خواب دیکھا کرتی تھی۔ اور اُس کے آج کے خط نے ان سب خوابوں کو تعبیر سے پہلے ہی ملیا میٹ کر دیا۔ میں جب اُس کے لئے اپنی پسند کی ایک لڑکی منتخب کر چکی تھی تو اس نے میری اجازت کے بغیر کیوں کسی اور لڑکی سے شادی کر لی۔ اُسے یہ جرأت کیسے ہوئی۔ خیر کچھ بھی ہو۔ میں آیندہ کے لئے اُس سے کسی قسم کے تعلقات نہیں رکھنا چاہتی۔ وہ نجمی کو ساتھ لے کر اس گھر میں نہیں رہ سکتا۔ اُن دونوں کو اب الگ رہنا ہوگا۔ میرے گھر میں سرکش اور نالائق اولاد کے لئے کوئی جگہ نہیں"۔

"کوفی لیجئے بیگم صاحبہ!" خادمہ کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ وہ ایک آرام کرسی پر سہارا لگا کر بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ کوفی پینے لگی۔ اُس کے خیالات ایک دم ماضی کی طرف گئے۔

آج سے اٹھارہ سال قبل اُس کے شوہر ہمایوں کی موت کے بعد اس کے لئے اس دنیا میں کیا رہ گیا تھا۔ اُسے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آنے لگا۔ وہ حیران ہوتی تھی کہ اتنا بڑا صدمہ اُس کے قلب نے حرکت کرنا بند کیوں نہ کر دیا۔ اُس کی آنکھوں نے رو رو کر اپنی بینائی کیوں نہ کھو دی۔ ہمایوں کے بعد وہ زندہ رہنا نہ چاہتی تھی۔ وہ آسانی سے موت کو بلا سکتی تھی لیکن صباح ——— اُس کا اپنا ننھا صباح ——— ایک ستارہ اُمید کس طرح اُس کی بے کیف زندگی

میں چمکا۔ اُس کے سینے میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی۔ اُس نے ارادہ کرلیا کہ وہ زندہ رہے گی۔ صباح کے لئے۔ آیندہ مسرتوں کے تصور نے جو اُس کے صباح سے وابستہ تھیں اُس کے دل کے زخم پر مرہم رکھ دیا۔ اب اُس کی تمناؤں اور اُمیدوں کا واحد مرکز صرف صباح ہی تھا جب اُس کے سیاہ گھنگریالے بالوں پر اپنے لب رکھ دیتی تو وہ اپنی زندگی کے تمام غم بھول جاتی اُسے ہمایوں کی موت کا صدمہ بھی دھندلا سا نظر آنے لگتا۔ شاید ہی کسی ماں نے اپنے بچے کو اتنا دیوانہ وار چاہا ہوگا۔

پھر جب وہ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے دو سال کے لئے اُس سے جُدا ہوا تو اُسے اپنے دماغ میں خلل سا محسوس ہونے لگا۔ اُس نے اپنی زندگی میں ایک دن کے لئے بھی صباح کو اپنے سے جدا نہیں کیا تھا۔ اب وہ یہ دو سال اُس کے بغیر کیسے کاٹے گی لیکن دو سال بعد اُسے پھر اپنے بازوؤں میں لینے کے خیال نے اُسے یہ جُدائی کا غم بُھلا دیا ——— اسے اب تک وہ دن یاد تھا جب صباح اُس سے رخصت ہوا۔ رات کو جب اُس نے اُس کے کمرے میں اُس کا برف سا سفید بستر خالی دیکھا تو وہ اُس پر گر کر کس قدر روئی تھی۔

صباح کو کیا معلوم کہ اُس کی بدقسمت امی نے یہ دو سال کیسے کاٹے ——— دنیا والوں سے الگ تھلگ ہر وقت اُس کے مستقبل کی بہتری کی دعائیں کرتے ہوئے۔ وہ اِن دو سال کے عرصہ میں کبھی ڈنر یا پارٹی میں شامل نہ ہوئی۔ صباح کے بغیر کہیں جاتے ہوئے اُسے تکلیف سی ہوتی۔ وہ سوچتی تھی کہ جب صباح آجائے گا۔ تو وہ اُس کے ساتھ ساتھ پھر اِس دنیا کی دلچسپیوں میں شامل ہوجائے گی۔ اور آج وہ واپس آرہا تھا اپنی امی کی اجازت کے بغیر شادی کرکے ——— اور پھر شادی بھی کس سے عجمی سے! آج سے بیس سال قبل ہمایوں نے عجمی کے باپ کی بدعنوانیوں سے تنگ آکر اُس سے قطع تعلق کرلیا تھا۔ اور اب ہمایوں ہی کا بیٹا عجمی کو دُلھن بنا کر اُس گھر میں لا رہا تھا۔ وہ یہ کسی طرح برداشت کرنے کو تیار نہ تھی ——— وہ صباح پر جان دیتی تھی۔ اُسی کے لئے تو وہ زندہ تھی۔ اور پھر صباح نے اُس کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ اُس کے جذبات اور آرزوئیں اتنی بے دردی سے مل دیں!

اُس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے اور اُس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا یکایک وہ چونک اُٹھی زینے پر کسی کے تیز قدموں سے چڑھنے کی آواز آرہی تھی۔ انتہائی غم اور غصّے کی وجہ سے نہ وہ خود صباح کو لینے گئی اور نہ ملازموں کو بھیجا۔

گہرے سمندری رنگ کے ریشم کا پردہ ایک تیز جھٹکے سے سرک گیا۔ "امّی!" صباح بازو پھیلائے دروازے میں کھڑا تھا۔

"میرے قریب مت آؤ" اُس نے درشتی سے کہا۔ غم اور غصّہ کی شدّت اور محبّتِ مادری پر غالب آگئی۔

"امی میری پیاری!" صباح حیرانگی سے اُس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

وہ صدمے سے نڈھال اور مُرتعش آواز میں کہنے لگی "آج سے میں تمھاری امّی نہیں ہوں۔ اگر میں تمھاری امی ہوتی تو تم یہ شادی مجھ سے پوچھ کر کرتے۔ اب تم اپنے خاندان کی عزت پر ایک بدنما داغ ہو آج میرے بازو تمھیں بھینچ لینے کے لئے بے تاب تھے۔ مگر تم نے خود ہی اپنے آپ کو اِن بازوؤں میں آنے کے قابل نہ رکھا۔ میرا آغوش ہی نہیں بلکہ اِس گھر کے دروازے بھی تمہارے اور عجمی کے لئے بند ہیں۔ جب تک تم اپنے اور عجمی کے کہیں الگ رہنے کا انتظام نہیں کرسکتے تم نیچے کے کمروں میں ٹھہر سکتے ہو۔"

صباح کا سر سینے پر جھک گیا وہ ایک بُت کی طرح خاموش تھا۔

"اب جاؤ۔ میں بہت زیادہ دُکھی ہوں۔ مجھے اور دکھی نہ بناؤ" اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" جاؤ اپنے کمرے میں نیچے چلے جاؤ"

صباح خاموش کھڑا رہا۔

"جاؤ۔ صباح۔ میرے حکم کی فوراً تعمیل کرو" وہ غصہ سے تھرتھراتے ہوئے بولی "آج سے میرے اور تمہارے تعلقات کا خاتمہ ہے" صباح خاموشی سے نیچے چلا گیا۔

"وہ چلا گیا۔ وہ چلا گیا کبھی نہ واپس آنے کے لئے" اس نے خالی خالی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میرا صباح۔ میرا اپنا صباح! صباح میں تیرے بغیر کیسے جیوں گی" وہ سسکیاں لیتی ہوئی صوفے پر گر پڑی۔

شام اپنی تمام اداسیوں کو ساتھ لئے آ گئی۔ بام کے درختوں کے پیچھے سے زرد چاند آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہا تھا۔ وہ دریچے کے پاس مضطرب کھڑی تھی۔ اپنے دل کو اپنے ہاتھ سے دبائے ہوئے۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ایک بہت بڑے بوجھ کے نیچے اس کا دل ملا جا رہا ہو۔ ہر لحظہ اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ اور اپنا سر دریچے کے پٹ سے لگا دیا۔ کمرے کے ایک کونے میں خادمہ حیران و ششدر کھڑی تھی۔

ایک دم وہ چونک اٹھی اور پاگلوں کی طرح سیڑھیوں کی طرف لپکی۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی صباح کے کمرے کی طرف گئی اور بغیر دروازہ کھٹکھٹائے اندر داخل ہو گئی۔

نجمی اور صباح دونوں سر جھکائے دریچے کے پاس کھڑے تھے۔ دونوں کے چہروں پر افسردگی برس رہی تھی

"صباح!" وہ دیوانوں کی طرح پکاری۔

صباح نے آہستہ سے اپنا سر اٹھایا اور ماں کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے جیسے آنسوؤں کا سوتا کھل گیا۔

"میرے بچے!" اس نے روتے ہوئے کہا اور اپنے بازو پھیلا دئے اور پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر رونے لگے۔ نجمی کی دلفریب آنکھیں حیرت سے پوری

خود پسند عورت

مہر و الفت کی ہو شوہر سے طلبگار مدام　　چاہتی اپنی محبت کا ہے اقرار مدام
خود پسندی کی بدولت ہے یہ حسرت اس کی　　ہمہ ساعت لب شوہر پہ ہو مدحت اس کی
ناز اٹھوانے کی عادت سے ہے مجبور بہت　　یہی عادت ہے حقیقت سے ہے جو دور بہت
زیست کے تلخ حقائق سے گریزاں ہے یہ　　بندۂ لطف و عنایت ہے تن آساں ہے یہ!!
جبکہ دنیا میں کٹھن قائمی ہستی ہے　　یہ مداوا اس کا ہے کہ خود کردہ مجبوری ہے!
عزت نفس لٹی آبروئے ذات گئی　　اس کے سر میں جو سمائی تھی نہ وہ بات گئی
کیا عجب ہے جو وہ غیروں کا اگر ہو محکوم　　اپنے جذبات کا جو فرد بشر ہے محکوم!

زیب عثمانیہ لودیانوی۔

ایک نحوی اور ملاح

ایک نحوی ناؤ میں جا بیٹھ کر　　ناؤ والے سے یہ بولا اینٹھ کر
"نحو تم نے ہے پڑھی؟" بولا "نہیں"　　"بہرہ ور اس فن سے میں اصلا نہیں"
سن کے نحوی نے کہا "جب تو بھی　　عمر آدھی بس تری ضائع گئی"
ناخدا سن کر یہ چپکا ہو رہا　　کچھ جواب اس کا نہ اس سے بن پڑا
جب پھنسی کشتی بھنور میں آن کر　　تب کہا مانجھی نے سینہ تان کر
"پیرنا بھی آپ نے سیکھا ہے کیا؟"　　"لا" کہا نحوی نے اپنا سر ہلا
سن کے "لا" ملاح نے اس دم کہا　　"حضرت نحوی بھی اب لیں ذرا
عمر ساری اس جہاں میں آپ کی　　نحو پڑھنے میں اکارت ہی گئی
کیونکہ کشتی ہے بھنور میں ڈوبتی　　غرق ہوں گے ساتھ اسکے آپ بھی
پیرنا گر سیکھتے حضرت بھی آج　　جان بچتی آپ کی رہتی بھی لاج"
کہکے یہ نحوی سے وہ مرد دلیر　　بے دھڑک کشتی سے کود اشل شیر
تھا بہت پیراک وہ مرد غیور　　کر گیا پل بھر میں دریا کو عبور
مل گیا نخوت کا پھل سنسار میں　　غرق نحوی ہو گیا منجدھار میں
دہر میں زینت جو ہیں اہل تمیز　　رکھتے ہیں ہر فن کو وہ دل سے عزیز

زینت بانو۔ ڈھاکہ

اکلوتا بچّہ

"عظمت و برتری کے لئے علیحدہ رہنا نہایت ضروری ہے" نپولین نے اس وقت کہا تھا جب اس کے جنرلوں نے اسے آسٹریلیا سے متحد ہو جانے کا مشورہ دیا تھا لیکن جو بات نپولین کے لئے عروج و ترقی کا باعث تھی وہی ایک عام انسان کے لئے تنزل کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

انسان فطرتاً مل جل کر رہنے کا عادی ہے۔ اپنے گروہ سے الگ ہو جانا اور تن تنہا رہنا تقریباً ہر شخص کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ ایک ماں کے لئے سب سے زیادہ باعثِ تکلیف یہ امر ہوتا ہے کہ اس کا بچّہ فطرتاً غریب اور حجاب محسوس کرتا ہو اور اس سے مزاج میں روکھا پن اور کشیدگی ہو۔ اور جو اپنے ہم عمر اور ہم سبق بچّوں کے ساتھ نہ ملتا اور کھیلتا ہو۔

اکثر ایک مایوس ماں کی زبان سے یہ الفاظ سنے جاتے ہیں "کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا میں اپنے بچّہ کا کیا علاج کروں۔ اس کے پاس بہترین کھلونے ہیں لیکن وہ کبھی ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا جب کبھی میرے گھر مہمان آتے ہیں وہ شرمیلا اور خاموش رہتا ہے۔ اور اکثر ان سے ترشی سے بھی پیش آتا ہے۔"

لیکن دیکھا گیا ہے کہ ایسا بیشتر اس موقع پر ہوتا ہے جب بچّہ اکلوتا ہو۔ اور درحقیقت بچّہ کی اس فطرت کا یہی سبب بھی ہوتا ہے بچّے کے فکرمند والدین شفقت و محبّت کی وجہ سے اس کی بے انتہا خبرگیری کرتے ہیں۔ اور رشک اور حسد کی وجہ سے اسے غیر بچّوں سے نہیں ملنے دیتے۔ چنانچہ ایسی حالت میں بچّہ وہ ربط وضبط اور تعلقات پیدا نہیں کر سکتا جو عام طور سے وہ بچّہ پیدا کر لیتا ہے جس کے کہ ہم عمر لڑکے ہوں

تھوڑی بہت شرم اور جھجک تو ہر بچّہ میں فطری ہوتی ہے۔ جو خلقی میلان ہوتا ہے اپنی خودداری کے لئے۔ اور یہ خوف وہراس اپنی حفاظت کے لئے تمام مخلوق میں قدرتاً موجود ہوتا ہے۔ لیکن جوں جوں بچّہ بڑھتا جائے یہ جھجک اور خوف کم ہو جانا چاہئے۔ ورنہ ہر تحفظ کا احساس، احساس گریز و فرار میں تبدیل ہو جاتا ہے یہانتک کہ وہ اپنی زندگی سے بھی عاجز ہو جاتا ہے۔

اکلوتے بچّے سے اپنے آپ کام کرنے کی صلاحیت سلب کر لی جاتی ہے۔ اسے دوسرے بچّوں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے تاکہ اسے چیچک یا اور کوئی متعدی بیماری نہ لگ جائے۔ فی الحقیقت اس کے لئے ہر کام پہلے سے سوچ کر اور صلاح مشورے سے انجام پاتا ہے۔ مختصر یہ کہ اس کی اخلاقی قوت مفقود ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے وہ ہر اس چیز سے جس کا وہ پہلے سے عادی نہیں اور جو اس کے لئے بے خبر ہوتی ہے جھجکتا اور ڈرتا ہے۔

اس جھجک اور شرم کی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ گو بہت کم۔ مثلاً بہت سے بچّے اس وجہ سے الگ تھلگ رہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ انھیں بلند تخیل اور اعلیٰ خیالات ودیعت کر دیتا ہے۔ وہ اپنے ہی خیالات میں اس قدر محو رہتے ہیں کہ انھیں دوسرے بچّوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ وہ اکثر اپنے خیالات کے اظہار کی کوشش کرتے ہیں لیکن چھوٹی سی عمر میں یہ کام ان کے لئے ناممکن ہوتا ہے۔ لیکن ایسے بچّے نہایت ذہین اور طباع ہوتے ہیں۔ ایسے بچّوں کو اگر ہم عمروں کے ساتھ کھیلنے پر مجبور کیا جائے تو وہ افسردہ خاطر رہتے ہیں لیکن جوں جوں وہ بڑھتے جاتے ہیں اور اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں وہ اپنے ساتھیوں میں مقبول ہو جاتے ہیں۔

وہ بچّہ بھی اکثر برا ثابت ہوتا ہے جو نہایت سخت (مروجہ) ادب و تہذیب کے ماحول میں تربیت پائے۔ وہ بظاہر تہذیب و ادب کے اصولوں کا پابند ہو جاتا ہے (پابند بھی کیا ڈنڈے کے زور سے مجبوراً عادی ہو جاتا ہے) لیکن پوشیدہ طور سے اس کے اندر ایک مدافعت و

(باقی صفحہ ۱۴۳ پر)

بچہ اور شادی

(سلسلہ کے لئے جون کا پرچہ دیکھئے)

بچہ کا ملکی صنعت و حرفت سے تعلق جو ممالک زرخیز ہیں اور اپنی اندرونی ضروریات کو خود پورا نہیں کرسکتے وہاں لوگ عموماً سفر کرتے رہنے پر مجبور ہیں، مثلاً انگلستان ایک جزیرہ ہے، وہاں کھانے پینے کی چیزیں کم ہوتی ہیں اس لئے وہاں کے لوگ عموماً بحری تجارت کرتے اور گھروں سے باہر برسوں تک رہا کرتے ہیں، اس لئے وہاں خاندان بالکل وہی معنی نہیں رکھتا کہ جو ہندوستان کے خاندان کے معنی ہیں، وہاں بچہ کو باپ کے سایہ میں رہنے کا کم موقع ملتا ہے، اسی طرح جس ملک میں کاشتکاری سے زیادہ صنعت و حرفت ہونے لگتی ہے وہاں بڑے بڑے کارخانے اور شہر پیدا ہو جاتے ہیں، گاؤں کے لوگ ان شہروں میں کھنچ کھنچ کر چلے جاتے ہیں اور خاندان منتشر ہو جاتا ہے۔ اس طرح اگر بچہ اور بیوی گھر میں رہے تو باپ اور بھائی باہر ہوتے ہیں اور اگر ماں باپ گھر پر ہوں تو اُن کے بیٹے بہو باہر کہیں کھاتے کماتے ملتے ہیں، اس طرح جہاں کسی زمانہ میں دادا دادی، بیٹا بہو، پوتا پوتی سب ایک مقام پر ایک گھر میں رہتے اور کھاتے کماتے تھے آج کوئی کہیں اور کوئی کہیں ملتا ہے، لہٰذا یہ ظاہر ہے کہ ملکی ذرائع، اقتصادی ضرورت اور کمانے کھانے کے طریقے اور آمد و رفت کے ذرائع خاندان کو بنا اور بگاڑ سکتے ہیں اور بچہ پر خاندان کے اثر کو کم اور زیادہ کرتے رہتے ہیں۔

بچہ کا مذہب سے تعلق سوائے اسلام کے اور تمام بڑے بڑے مذاہب خاندان کے خلاف رہے ہیں، انجیل مقدس میں حضرت عیسٰی کا قول بیان کیا گیا ہے کہ "جو مجھ سے زیادہ اپنے ماں باپ سے محبت کرتا ہے وہ میرے لائق نہیں ہے" گویا نصرانی خدا کو باپ تسلیم کرکے اصلی ماں باپ کا درجہ ضمنی شمار کرتے ہیں، اس تعلیم کا مقصد مذہب کی اہمیت کو بڑھانا تھا لیکن جب اس کے ساتھ ہی عیسائیوں نے رہبانیت کی زندگی کو بھی اعلیٰ اور قابل ترجیح تسلیم کرلیا تو اس مذہبی تعلیم نے خاندان کی بنیادیں ہلا دیں۔ اسی طرح ہندوؤں نے بھی سادھوانہ "زندگی کو خاندانی زندگی پر ترجیح دی، گھر کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں رہنے والوں کو دنیا داروں سے بہتر اللہ والے کو تسلیم کیا ہے ہر اچھے ہندو کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ ابتدا ہی سے اور اگر نہ ہو سکے تو دنیا کے کچھ کام کرنے کے بعد سنیاسی یا سادھو ہو جائے یا کم از کم دنیا سے ناتا توڑ کر اللہ کی یاد میں لگ جائے۔ گو ہندوستان میں کاشتکاری اور گاؤں کی زندگی کی افراط نے خاندان کو اس مذہبی تعلیم کی زد سے بچائے رکھا لیکن اس تعلیم نے بذاتِ خود ہمیشہ خاندان کی زنجیروں کو توڑنے کی کوشش جاری رکھی ہے۔ دوسرے اور بڑے مذاہب نے بھی دنیا سے بیزاری سکھائی اور خاندان کو نقصان پہنچایا ہے، ان مذاہب کے پیرو حسب عادت و ضرورت دنیا داری میں خوب مشغول ہو جاتے ہیں تو اپنے آپ کو پاپی اور مذہبی احکام کے خلاف زندگی گذارنے والے شمار کرتے ہیں، بڑے مذاہب میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ جس نے مذہب کی اہمیت کو برقرار رکھتے ہوئے، ایمانداری کے ساتھ دنیا داری میں لگے رہنے کو عبادت کا درجہ دیا ہے، باپ کا ایمانداری کے ساتھ محنت کرکے اپنے بچوں کی خاطر روزی کمانا زبردست عبادت بتایا ہے، ایک دنیا دار کی ادنیٰ سی عبادت کا درجہ

ایک سادھو نش مسلم متقی کی دن رات کی عبادت سے زیادہ تسلیم کیا ہے' اسلام نے ماں کے پاؤں کے نیچے جنت بتائی ہے حالانکہ بدھ مذہب کے رہبر بدھا جی تک نے یہ تعلیم دے کر خاندان کی مٹی پلید کر دی ہے کہ "اگر کوئی زخمی و لاچار عورت گڑھے میں گر کر پڑی بلک رہی ہو اور تجھے رحم آ جائے اور تو اسے نکالنا چاہے اور اسے دیکھنے پر وہ تیری ماں ہو تو بھی اسے مت چھو' اسے لکڑی کے ذریعہ نکال تاکہ عورت چھو لینے سے تو ناپاک نہ ہو جائے"! بہرحال عام لوگوں کو یہ بہت کم معلوم ہے کہ سوائے اسلام اور ایک حد تک چین کے مذہبی نظام کے جسے کنفوشش نے مرتب کیا تھا۔ دنیا کے تمام مذاہب نے خاندان پر بڑی کاری ضربیں لگائی ہیں گو خاندان ان سب کی زدوں سے اب تک بچتا چلا آیا ہے اور اس طرح بچوں کے حقوق قائم رہ سکے ہیں'

بچہ کا حکومت سے تعلق

بچہ کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمہ داری باپ کے سپرد تھی اور بچے باپ کے کام میں مدد دیتے تھے' لیکن اب زمانہ وہ آ گیا ہے کہ کارخانوں اور فیکٹریوں میں بچوں سے مزدوری کرانا "فیکٹری ایکٹ" کے ذریعہ قانوناً بند کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح کھیتی باڑی کے علاوہ ہر جگہ والدین کے لئے بچے سوائے خرچ کرانے کے کسی آمدنی یا مدد کا ذریعہ نہیں رہے ہیں' اس مالی مشکلات نے لوگوں کو انضباط تولید کی طرف متوجہ کر دیا ہے تاکہ ان کا بار نہ بڑھ سکے اور یہ خاندان کے لئے مضر ہے' ساتھ ہی اب بچے اسکولوں میں جانے کا وقت پا سکتے ہیں اور تعلیم مفت ہوتی جا رہی ہے' اس طرح گویا پڑھانے کا کام ایک حد تک گورنمنٹ اپنے ہاتھ میں لے رہی ہے اور اس ضمن میں باپ کی ضرورت کم ہو رہی ہے' والدین کا یہ اختیار بھی کہ وہ اپنے بچوں کو کیا تعلیم دیں کم ہو رہا ہے کیونکہ اب بچے اسکولوں میں گورنمنٹ کے مقررہ کورس کے علاوہ کچھ اور نہیں پڑھ سکتے اور اس ہی طرز تعلیم کے زیر اثر بڑھ کر جوان ہوتے ہیں' امیروں کے بچے بورڈنگ میں رہ کر خاندان کے اثر سے علیحدہ ہوتے جا رہے ہیں اور بڑے ہو کر دوسرے مقامات پر ملازمت یا تجارت کے سلسلہ میں جا کر رہنے کی مجبوری ان کو آزاد کر دیتی ہے اور وہ اپنے ذاتی معاملات اور شادی تک کے معاملہ میں خاندان کے قبضہ کے نہیں رہتے جہاں حکومت ترقی یافتہ ہوتی جا رہی ہے وہاں قوم کے بچوں کی تعلیم ہی نہیں بلکہ پرورش اور صحت تک کی ضامن ہوتی جاتی ہے اور باپ کے فرائض کم ہو رہے ہیں لہذا "باپ" جس کے سہارے خاندان کی تعمیر قائم رہتی ہے اگر ضروری نہ رہے تو یہ عمارت کب تک قائم رہ سکتی ہے' حکومت نے تو اب بچہ پر اس قدر قبضہ کر لیا ہے کہ اگر باپ بچہ پر سختی کرے یا اس کو درست ہی کرنے کے لئے سہی زدوکوب کرے تو حکومت ایسے باپ کو ظالم گردان کر قانوناً سزا دے سکتی ہے' یا یہ حالت تھی کہ باپ کے ظلم سے بچے کو کوئی بچانے والا نہ تھا اور یا یہ ہو رہا ہے کہ باپ کو بچہ کے مارنے پر سزا ہو جاتی ہے' گویا حکومت تدریجاً بچہ کو باپ کی ملکیت سے نکال رہی ہے اور کم از کم اقتصادی معاملات میں بچہ کے لئے باپ کی ضرورت کو کم کرتی جا رہی ہے۔

بچہ کا سوسائٹی سے تعلق

بچہ جس طرح بھی ہو بچہ ہی ہوتا ہے اور معصوم بھی لیکن سوسائٹی ناجائز بچہ کو وہ سزائیں دیتی ہے کہ جو معصوم پر ظلم تسلیم کیا جا سکتا ہے' اگر سوسائٹی کے قوانین کی کوئی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ عورت ہوتی ہے اور مرد۔ سزا ان ہی کو ملنا چاہئے' بچہ معصوم ہوتا ہے' اس پر ظلم اور بے رحمی بے پرواہی درست نہیں معلوم ہوتی مگر سوسائٹی نے معصوم کو سزا دینا بھی عورت اور مرد کو سزا دینے کا ایک حصہ شمار کیا ہے اس لئے ہم اس پر زیادہ لکھنا نہیں چاہتے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ سوسائٹی ان جائز بچوں کیلئے

بھی کیا کررہی ہے کہ جن کے باپ یا ماں اور باپ مرجاتے ہیں، یتیم خانوں کا قیام ایسے بچّوں کے لئے آج کل جو درجہ رکھتا ہے وہ ذلت انگیز ہے۔ ایک غریب عورت دو تین بن باپ کے بچّے لے کر مصیبت میں مبتلا نظر آتی ہے۔ سوسائٹی ایسے بچّوں کو اپنے اچھے اور قابل ممبر بنانے کے لئے اُن بچّوں کا کیا انتظام کرتی ہے اس کا جواب صرف یہ ہی ہے کہ کچھ نہیں اور اگر کچھ کرتی ہے تو وہ خیرات کے طور پر، بن باپ کا بچّہ فقیر کیوں سمجھا جائے یہ اب تک سمجھ میں نہیں آتا اسی طرح جو والدین بچّوں کی صحیح پرورش اور تربیت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے یا اُن کو اُس کے ذرائع بہم نہیں ہیں تو سائٹی اُن کے لئے کیا کرتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مفت تعلیم وغیرہ کی ابتدا ہو چکی ہے لیکن یہ کافی نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ پورا نظام ہی ناقص ہے اس میں ترمیم و تنسیخ سے کام نہیں چلے گا اُس کو تو بالکل ہی بدل دینے کی ضرورت ہے۔

اس بحث کو چھوڑ کر آئیے یہ دیکھیں کہ قدیم نظام میں جہاں خاندان اہمیت رکھتا تھا جدید نقطۂ نظر سے بچّہ اور سوسائٹی کے تعلقات کو مفید بنایا ہے یا مضر، موجودہ سوسائٹی میں جہاں شادی اب بھی شخصی و اجتماعی اہمیت رکھتی ہے اور جہاں ذاتی مال و جائداد کا حصول سوسائٹی میں شخصی اہمیت پیدا کرتا ہے، بچّوں کی پیدائش عموماً شادی کو کامیاب بنانے اور خاندان کے قیام کی ضمانت ہوجاتی ہے، خاوند اور بیوی بچّوں کی خاطر اپنے بہت سے جھگڑوں اور خود غرضیوں کو بھول جاتے ہیں اور شادی کی کڑیاں استوار ہوجاتی ہیں، بچّوں کی پرورش و تعلیم اور آیندہ زندگی کے آرام کی خاطر والدین محنت و مشقت کرکے کماتے، جمع کرتے اور بچّوں کی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں یہ خیال کہ یہ ہمارے ہیں اور ہم ہی ان کی آیندہ زندگی کو کامیاب بنانے کے ذمہ دار ہیں والدین سے بڑی بڑی قربانیاں کرالیتا ہے اور اُن سے محبت اور لگاؤ بھی پیدا کردیتا ہے، یہ قربانی اور محبت بچّوں پر بھی اثر کرتی ہے اور وہ بھی ایک لگاؤ اور خدمت کا جذبہ محسوس کرتے ہیں۔ اس دوطرفہ لگاؤ کا اثر بہت گہرا پڑتا ہے لیکن یہ دودھاری تلوار ہے لہٰذا جن خاندانوں کی زندگی کامیاب اور عمدہ ہوتی ہے وہاں بچّوں پر بہت اچھا اخلاقی اثر پڑتا ہے اور جہاں والدین لڑتے جھگڑتے رہتے اور خاندانی زندگی ناقابل اعتماد ہوتی ہے وہاں بچّوں کے سامنے خراب مثال پیش ہوتی ہے اور بچّوں کی اخلاقی حالت بہت گرجاتی ہے، اس طرح خاندان بچّہ کے لئے جنت اور دوزخ دونوں ہوسکتا ہے، ایسی صورت میں اگر کسی سوسائٹی کے نظام میں بچّوں کو بُرے خاندان کے اثر سے بچاکر اچھی تربیت کا انتظام نہ ہو تو وہ سوسائٹی بچّوں کے حقوق میں کوتاہی کرتی ہے، طلاق کا جواز اور اس کی سوسائٹی کے لئے اہمیت بھی اس ہی ضمن میں آجاتی ہے، ہندوستان کے نظام میں یہ نقائص موجود ہیں اور اس کی اصلاح ضروری ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسی سوسائٹی میں خاندان کے مٹ جانے سے بچّوں کو فائدہ ہوسکتا ہے یا نقصان۔

موجودہ سوسائٹی میں خاندان مٹ جانیکا بچّوں پر اثر موجودہ نظام میں جہاں مالدار اور غریب کا امتیاز موجود ہے اور جہاں بچّوں کی پرورش تربیت والدین کو ذمہ داری تسلیم کی جاتی ہے لیکن فضا ایسی ہوتی جارہی ہے کہ خاندان کی مضبوط بنیادیں کمزور ہوکر خاندان مٹتا جارہا ہے تو کیا یہ خاندان کا زوال بچّوں کے لئے مفید ہوگا یا مضر۔ ؟ جواب صاف ہے کہ ایسی سوسائٹی میں خاندان کا مٹ جانا یا کمزور ہوجانا بچّوں کے لئے زہر قاتل ہے، پہلی بات یہ ہے کہ ایسی سوسائٹی کی گورنمنٹ اس قابل نہیں ہوتی ہے کہ وہ "باپ" کی ضرورت کو مٹا دینے کے بعد خاندان کے مقابلہ کی

دوسری پرورش اور درسگاہیں بناسکے، نہ اس کے لئے روپیہ ہوتا ہے نہ وقت اور مرضی، چند مالدار لوگ جو حکومت پرکسی نہ کسی طرح قبضہ رکھتے ہیں غریبوں کو اپنی دولت سے فائدہ اٹھانے دینا کب گوارہ کرسکتے ہیں، ایسی سوسائٹی کے بچوں کو جب والدین کی حقیقی محبت بھی نہ ملے، اُن کا نفسیاتی تعلق بھی نہ رہے اور حکومت کی طرف سے اُس کا حق بدل بھی نہ مہیا ہو تو نتیجہ ظاہر ہے، یہاں ایک اور اہم مسئلہ بھی قابل غور ہے اور وہ یہ کہ عورت کی عصمت شعاری کی کہانیاں اس کی قدر وعزت وغیرہ سب خاوند کی خواہش، اس کے رشک اور غرض اور خاندان کے قیام اور بچوں کے اصل باپ کے بیٹے ہونے کی ضرورت کی وجہ سے ہیں۔ اگر باپ کی ضرورت نہ رہے، خاندان مٹ جائے اور بچوں کو بے تعلق ہوجانا پڑے تو عصمت کی دنیاوی قیمت کچھ بھی نہ رہے اور سوائے عورت کے ذاتی رجحان کے عصمت شعاری کا کوئی معاون نہ ہو، اور اس کا نتیجہ جو کچھ ہوسکتا ہے اُس کے بیان کی ضرورت نہیں، ہماری موجودہ سوسائٹی سے یہ توقع کرنا کہ اُس کی حکومت ہر خاندان کی مدد کرے اُس کے بچوں کو اچھے شہری بنادے عبث ہے۔ اس لئے ہمیں سوسائٹی کے ایسے نظام کی ضرورت ہے کہ جہاں حکومت خاندان کو قایم رکھتے ہوئے والدین کی ذمہ داریوں کو ہلکا کردے اور ایسی سہولتیں پہنچادے کہ ہرکس وناکس اُن سے فائدہ اٹھاسکے اور موجودہ مشینوں اور شہروں کے ہوتے ہوئے بھی لوگ نہ شادی کرنے سے گھبرائیں اور نہ بچوں کو وبال جان سمجھیں، اگر ایسا ہوجائے تو خاندان قائم رہ کر اُس کے فوائد بھی حاصل رہیں اور اس کے نقائص کا تدارک گورنمنٹ کی طرف سے ہوجائے، روس میں خاندان کی ذمہ داریوں کو حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اُس کا سطحی نتیجہ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاندان مٹ گیا ہوگا اور والدین کو بچوں سے کوئی تعلق نہیں رہا ہوگا اور عورت، اقتصادی آزادی کی وجہ سے خاوند کی پرواہ نہیں کرتی ہوگی لیکن ہزارہا برس کی تاریخ، تجربہ اور مطالعہ بتاتا ہے کہ عورت ومرد فطرتاً ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ نظام سوسائٹی کچھ بھی ہو، اس کے نتائج کچھ ہی نکلیں مگر وہ ہمیشہ جوڑا بناکر ہمراہ رہنا چاہتے ہیں، عورت مرد کے پاس یا مرد عورت کے ہمراہ اس لئے نہیں رہتا کہ سوسائٹی اس کو ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے یا عورت کو روٹی کپڑا ملتا ہے یا مرد کو عورت سے آرام ومدد ملتی ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ خاندان لازوال ہے اُس کو کوئی قوت نہیں مٹاسکتی، وہ کسی نہ کسی صورت میں مکرر بھی پھر نمودار ہوجاتا ہے اس لئے روسی نظام سوسائٹی سے یہ خطرہ کہ وہ خاندان کو مٹادیگا درست نہیں ہے۔ روسی قسم کے نظام پر اپنی قومی وملکی ضروریات کے مطابق عمل کرنے سے موجودہ سوسائٹی کی خرابیاں مٹ جائیں گی، بچوں کی پیدائش بجائے مصیبت کے برکت ہوجائے گی اور خاندان میں رہنا بجائے لعنت کے رحمت ہوجائے گا مسلمانوں کے لئے یہ نظام بالکل جدید نہیں ہوگا کیونکہ اُن کے اسلاف اس قسم کے نظام پر عامل رہ چکے ہیں موجودہ نظام اسلامی تعلیم ومساوات کو چھوڑ دینے کے بعد پیدا ہوا ہے اس لئے مذہباً مسلمانوں کو اس انقلاب سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ نظام پر عامل ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم لامذہب بھی ضرور ہوجائیں ہمیں خاندان میں حکومت کی دخل درانداز ی اگر مساواتِ انسانی پر مبنی ہو تو ہمیشہ فائدہ پہنچائے گی کیونکہ خاندانوں ہی سے ملکر سوسائٹی بنتی ہے اور خاندان نہ کبھی مٹا ہے اور مٹے گا، ہاں اس کی موجودہ صورت خراب ہے جو حکومت کی مدد سے اچھی ہوسکتی ہے، ہندوستان کے دوسرے مذاہب اور قوموں کو بھی ہمت سے کام لیکر اس پر غور کرنا چاہئے کہ اُن کے بچوں کے لئے کونسا نظام سودمند ہوگا، اور اُن کا موجودہ نظام اُن کی قدیم ترقی کے زمانہ کی روایات کا

حامی ہے یا نہیں، ہندو ذات پات نے مساوات انسانی کو مٹا دیا ہے۔ اس لئے ہندو قوم بجا طور پر ذات پات کے خلاف آواز بلند کر رہی ہے، ضرورت یہ ہے کہ ہندو بھائی اقتصادی مساوات کے لئے بھی جدوجہد شروع ہو گئی ہے اس میں دل و جان سے حصہ لیکر اس کو کامیاب بنا دیں یہ کام نہ کانگریس کے بس کا ہے نہ ہندو سبھا یا مسلم لیگ کے قبضہ کا کیونکہ ان جماعتوں کی مشنری سرمایہ داروں کے روپیہ اور اثر سے چلتی ہے، یہ تو عام لوگوں اور ہندوستان کے کروڑوں غریبوں کا کام ہے جو انھیں اپنے بچوں کی بہلائی کے لئے جلد سے جلد خود کرنا چاہیئے۔ جس کا پہلا زینہ غریبوں کا اپنی حکومت میں حصہ لینا ہے۔

نتیجہ شادی کا اصل مقصد خاندان کا قیام ہے اور خاندان کے دوام کے لئے بچے ضروری ہیں، موجودہ نظام سوسائٹی میں ہر خاندان میں اِن بچوں کی تعداد اقتصادی ہی نہیں صحت و فرحت کی ضروریات کے تحت رکھنا ضروری ہونا چاہیئے، غریبوں میں انضباطِ تولید سے کام لیا جائے اور مالدار قابل لوگوں کو جنسی صحت و ضرورت کی طرف متوجہ کیا جائے تاکہ غریب آرام کی زندگی بسر کر سکیں اور مالدار اور قابل لوگ کچھ شخصی قربانی کر کے قوم میں قابل لوگوں کی تعداد بڑھا سکیں لیکن یہ آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے حکومت کی امداد کی ضرورت ہے ساتھ ہی یہ قابلِ ستائش انتظام بھی نہیں ہے بلکہ سوسائٹی کے کے ناقص نظام میں عارضی اصلاحات کا درجہ رکھتا ہے، اصل ضرورت یہ ہے کہ ہم موجودہ نظام کو بدل کر ایک ایسا نظام قایم کرلیں کہ جو مساوات اسلامی اور روسی نمونہ سے مل جل کر اپنی قومی و ملکی ضروریات کے مطابق ہو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ اس انقلاب کے لئے عمر نوح کی ضرورت ہے جبکہ روس جیسے وسیع اور غیر متمدن ملک کی صرف دس پندرہ سال میں کایا پلٹ چکی ہو تو ہمیں صدیاں کیوں لگیں گی، سب سے پہلے ہمیں یہ چاہیئے کہ ہم ایسے مسائل پر غور کرنے، ان کو سمجھنے اور ان کی اہمیت کا اندازہ کرنے لگجائیں اور تحریر و تقریر کے ذریعہ ایسے مسائل پر بغیر کسی ہٹ دھرمی کے تبادلۂ خیالات کرنے کی جرات و ضرورت کو اچھی طرح محسوس کرنے لگ جائیں۔ آج کے بچے کل کی قوم ہیں ان کے لئے ہم جو بھی قربانیاں کریں کم ہیں۔

(ڈاکٹر) نصیر الدین احمد

نعت

تم پہ ہو جاؤں میں قربان رسولِ عربی　　دل میں ہے بس یہی ارمان رسولِ عربی
شک نہیں اس میں تو محبوبِ خدا ہے بخدا　　میرا تو ہے یہی ایمان رسولِ عربی
قبر میں لائیں فرشتے جو شبیہ والا　　دیکھکر لوں تمھیں پہچان رسولِ عربی
ظلمت کفر مٹی نور سے ہوا جلوہ فگن　　لائے جب آپ پہ ایمان رسولِ عربی
انبیا اور بھی تھے جن پہ صحیفے اوترے　　تم پہ نازل ہوا قرآن رسولِ عربی
حشر میں جبکہ شفاعت کے لئے آئیں آپ　　میری مشکل بھی ہو آسان رسولِ عربی
جلوہ دکھلا دے کبھی عالم رویا میں مجھے　　ہو رقیہ پہ یہ احسان رسولِ عربی

رقیہ بیگم محمد عمر کانپور

ہمارا بہرا

کانگریسیوں کو انگریزوں سے شکایت ہے کہ ہندوستان کو آزادی سے محروم کر دیا۔ مسلم لیگ شاکی ہے کہ ہماری حکومت چھین لی۔ گاندھی جی کا کہنا ہے کہ ہندوستان کی صنعت کو برباد کر دیا۔ کمیونسٹ کہتے ہیں کہ مزدور کو لوٹ لیا۔ لیکن انگریزی حکومت کے سب سے بڑے ظلم کا کوئی بھی شاکی نہیں! یعنی اس نے ہندوستان میں دو ایسی مکروہ چیزیں پیدا کیں جو دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں۔ یعنی آیا اور بہرا۔ مشرق کی تہذیب کو مغرب کے تصادم سے جو نقصان پہنچا یہ ان کی زندہ مثال ہیں۔ ان کی ذہنیت ان کی زبان ان کی طرز معاشرت۔ ان کا نقطہ نگاہ پکار پکار کر اس بات کی فریاد کر رہا ہے کہ دیکھو مغرب نے مشرق کے ساتھ کیا کیا۔ آپ کہیں گی میں مبالغہ کر رہی ہوں نہیں جناب آپ نے شاید کبھی اس مضحکہ خیز ہستی یعنی "بہرا" کی ذہنیت گفتگو کے نقطہ نگاہ پر غور نہیں فرمایا میں آپ کی خدمت میں اس طبقہ کے ایک فرد کی تصویر پیش کرتی ہوں اس کو پڑھیے اور پھر فیصلہ کیجیے کہ میرا یہ کہنا صحیح ہے یا غلط کہ سب سے بڑا ظلم ہندوستان پر ان ہستیوں کی تخلیق ہے۔

کچھ روز ہوئے مجھکو ایک اصل نسل بہرا دیکھنے کا شرف حاصل ہوا میں نے اس سے قبل بھی اس قسم کی مخلوق کو دیکھا ہے لیکن چند روز بعد ہی مغرب کی تہذیب کی یہ پیداوار میرے گھر کے مشرقی ماحول میں نہ پنپ سکنے کی وجہ سے رخصت کر دی جاتی تھی لیکن آج کل دہلی میں نوکروں کی قلت کی وجہ سے مجھے اس دفعہ سے پورے دو مہینے رکھنا پڑا۔

ہمارا بہرا "بہریت" کی مکمل تصویر تھا مغربیت اس کی رگ رگ میں پیوست ہو چکی تھی۔ اس نے بڑی کوششوں سے صاحبوں کے رہنے کے طور طریقے سیکھے تھے اور مجھے یقین ہے کہ میرے یہاں کے نیٹوپن سے بے چارے کے جذبات سخت مجروح ہوئے ہوں گے۔ اور دنیا کی نیرنگی پر اپنے دل میں حیران ہوگا کہ نئی دہلی میں رہنے والے۔ آئی۔ سی۔ ایس۔ کہلانے والے لوگ اور ایسے نیٹو! ع محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی۔

پہلا دھچکا جو اس بے چارے کی مغرب پسند طبیعت کو میرے یہاں لگا وہ یہ تھا کہ جب اس نے رات کے کھانے کے بعد نہایت ادب سے جھک کر اپنے سر کو میرے صاحب کے کانوں کے قریب لا کر پوچھا "پلنگ چائے کے بجے مانگتا؟" اور اس کا جواب اسے یہ ملا کہ ہم لوگ "پلنگ چا" سرے سے پیتے ہی نہیں۔ تو اس کو یقین نہ آتا تھا کہ اس نے صحیح سنا، "کچھ فروٹ لیکٹ مانگتا" اس نے پھر لڑکھڑائی ہوئی زبان میں پوچھا "نہیں کچھ بھی نہیں" جواب سن کر اس نے ذرا دیر بعد اپنے دل کو قابو میں لا کر پھر پوچھا "چھوٹا حاضری کے بجے مانگتا؟" ہم نے جواب دیا "ہم لوگ ناشتہ صبح ۸ بجے کیا کرتے ہیں" اس نیٹو جواب کو سن کر اس بیچارے نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ہمیں سلام کیا اور یہ سوچتا ہوا کہ میں کیسے جنگلیوں میں آپھنسا کمرے سے چلا گیا۔

لیکن یہ اس کی ناکامیوں کی ابتدا تھی۔ دو مہینہ میں اس نے ہمارے گھر میں وہ وہ رنج اٹھائے کہ اس کا دل چھلنی ہو ہو گیا ہوگا۔ دوسرے ہی دن صبح کو اس نے چائے دان میز پر رکھتے ہوئے ان سے پھر کانا پھوسی کی "انڈا کیسا مانگتا ساب؟" انھوں نے، اخبار پڑھتے ہوئے سرسری طور سے کہا "خاگینہ" بے چارا بھوچکا ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے کہا "خاگینہ نہیں جانتے؟ انڈے کو توڑ کر پیاز کتر کتر......" ابھی میں جملہ ختم بھی نہ کرنے پائی تھی کہ اس نے کہا "ہم

ہندوستانی برتن نہیں جانتا، انگریزی برتن بنا سکتا ہیں نے کہا "اچھا انڈے تل لاؤ"۔ وہ ہنوز کھڑا تھا میں نے دوبارہ کہا "انڈے تل لاؤ" میں نے دیکھا وہ اپنے دماغ پر بہت زور دے رہا ہے کہ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ میں نے چڑھکر کہا "جاؤ انڈا فرائی کرلاؤ" انگریزی لفظ سنتے ہی اُس کے جان میں جان آگئی وہ سرعت کے ساتھ کھانے کے کمرے سے باہر چلا گیا۔

روزانہ یہی تماشہ ہوتا تھا اور ہمارے نیٹو پن سے بچارے کو رنج پر رنج پہنچتا رہتا تھا ادہر ہم اس کی انگریزیت سے جل جل کر کوئلہ ہو جاتے تھے۔ جتنے دن وہ رہا گھر کی فضا ویسی ہی تھی۔ جیسے یورپ کی فضا کہکر اکس کے زمانے میں۔

میری کمزوریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں اُردو کو قتل ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ میں کبھی دہلی کی کوثر سے دُھلی بامحاورہ چٹخارہ دار زبان بولتے سنتی ہوں۔ تو دل چاہتا ہے کہ گھنٹوں سنتی ہی رہوں چاہے گفتگو کا مقصد کچھ ہو یا نہ ہو اسی طرح کسی کو اُردو کو توڑ مروڑ کر بولتے سنتی ہوں تو دل چاہتا ہے کہ اس کا گلا گھونٹ دوں۔ دو تین دن تک تو میں ایسے جملے سنتی رہی اور برداشت کرتی رہی مگر "آپ کو ٹیلیفون پر منگتا" "چائے آپ کے بجے دے گا" "بابا لوگ کا سپر میز پر ہے" "فلاں نے آپ کو سلام دیا ہے" لیکن تیسرے دن تو میں نے ٹوک ہی دیا "بھرانم مراد آباد کے رہنے والے ہو کر ایسی زبان بولتے ہو۔ تمہاری بیوی تو بہت صاف اردو بولتی ہے تم کیوں نہیں ویسی باتیں کرتے؟" "ہم چھوٹا وقت سے صاب لوگ کے ہاں کام کیا۔ اس لئے ایسا بولتا" میں نے کہا "انگریز کے ہاں کام کرنے کی وجہ سے زبان خراب ہونے کی تو کوئی وجہ نہیں بہرحال اب تو ہندوستانی کے یہاں ہو اس لئے ہم سے تو ایسی بولی مت بولا کرو" بے چارے نے خون کے گھونٹ کی طرح اس حکم کو پی لیا اور ایک آدھ دفعہ کوشش کی بھی کہ سیدھی طرح بولے لیکن اس کی گھٹی میں انگریزیت پڑی ہوئی تھی وہ کہاں سیدھی جاتی۔ "چائے دے گا" کے بدلے اس نے دو ایک دفعہ ہمت کرکے "آپ چائے کس وقت پئیں گی" تو کہہ لیا اس کے علاوہ اس کی مغرب زدہ طبیعت اور کوئی ترمیم اپنے طرزِ گفتگو میں برداشت نہ کر سکی۔

کھانا کھلاتے وقت بے چارے کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ اگر انگریزی کھانا ہوتا تو وہ بڑی خوشی سے کھلاتا تھا لیکن ہندوستانی کھانا ہوتا تو اس کو سخت تکلیف ہوتی تھی اوّل تو اسے یہ طریقہ ہی معلوم نہ تھا یا کم از کم اس بات کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ جانتا ہے کہ ہندوستانی کھانا کس طرح کھایا جاتا ہے۔ اس لئے۔ وہ روٹی۔ دال۔ سالن ہر چیز کے بعد لایا کرتا۔ اور جہاں ہم نے دو نوالے کھائے کہ پلیٹ غائب! اور نوالہ ہاتھ کا ہاتھ میں!! بھلا آپ غور فرمایئے وہ بغیر پلیٹ بدلے کھانا کھلانا کس طرح گوارا کر سکتا تھا۔ اس کو سب سے زیادہ رنج ہمارے فنگر بول میں ہاتھ نہ ڈالنے سے ہوتا تھا۔ وہ روزانہ ڈیوٹی لگا لگا کر فنگر بول میز پر لاتا اور ہم کہتے نہیں آفتابہ چلمچی اٹھا لاؤ۔ آفتابہ چلمچی جیسی چیزوں کا چھونا بھی اس کے لئے کسرِ شان تھا اور آفتابہ سے پانی ڈالنا تو اس کو دو مہینے میں آیا ہی نہیں۔

لیکن اس کی زندگی کا شاید سب سے تاریک دن وہ تھا جب کے میں نے اس کی توجہ پاندان کی صفائی کی طرف کروائی اور جس وقت لوگ ملنے آتے اور وہ نہایت مودبانہ طریقہ سے پوچھتا "پینے کے واسطے کیا لائے گا حضور" اور میں اس سے پاندان منگواتی تو اس کا دل بیٹھ جاتا۔ اُف نئی دہلی کے ڈرائینگ روم میں بیٹھ کر پان کھایا جائے "بوم نوبت می زند در گنبد افراسیاب" کا معد نہیں تو کیا ہے۔

اور جس دن اُس نے ایک کرنل کی وردی میں ملبوس دوست کو اپنے ہاتھوں سے پان لگا کر کھاتے دیکھا۔ شاید اس روز اس کو قربِ قیامت کا یقین آگیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کو یقین نہیں آتا تھا کہ وہ جاگ رہا ہے یا خواب

دیکھ رہا ہے ہمیں تو اس نے شاید عجیب الخلقت سمجھکر صبر کرلیا تھا لیکن ہمارے ہاں کے مہمان بھی ایسے ہی نکلے اور نہ صرف یہ بلکہ جو بھی ہمارے یہاں ملنے آتا تھا وہ اسی رنگ میں رنگا ہوتا تھا اور ہمارے یہاں ڈنر، پارٹیز بھی اس کے لئے رنج دہ ہوتی تھیں آنے والوں میں ایک بھی ڈنر جیکٹ میں نہ ہوتا تھا۔ ایک یہی نہیں! انگریز تک بغیر ڈنر جیکٹ کے ہوتے تھے اور ہندوستانی کھانا شوق سے مانگ مانگ کر کھاتے تھے اور ہائے غضب ان انگریزوں کے آگے بھی ہم اپنی نیٹو پن سے شرمایا نہیں کرتے تھے اور جیسے ہی ہندوستانی کھانا پیش ہوتا۔ ہاتھ سے کھانا شروع کردیتے تھے اور کھانے کے بعد پان کھاتے ہمارے نیٹو پن سے اُسے ندامت سے عرق عرق ہونا پڑتا تھا۔ اور ہمارے یہاں کیسے نیٹوؤں کی اس کو خاطر کرنی پڑتی! برقعے پوش عورتیں۔ مولوی، مفتی، بزرگ۔ کھدر پوش حضرات! اور مزہ تو یہ ہے کہ نئے فیشن کے لوگوں کی نسبت ان کی دوگنی خاطر تواضع ہوتی تھی۔ دروازے تک جا کر ان کا خیر مقدم کیا جاتا تھا اور گاڑی تک جا کر ان کو سوار کرایا جاتا تھا اس بے خبر کو کیا معلوم کہ سیدھے سادھے لباس میں ہندوستان کی کیسی کیسی مقتدر ہستیاں ہوتی تھیں۔

غرض اس کی انگریزیت سے ہم بیزار اور ہمارے نیٹو پن سے وہ نالاں جتنی دفعہ وہ "آپ کو ٹیلی فون پر مانگتا" کہتا میرا خون کھول جاتا اور جتنی دفعہ اُسے پاندان اٹھا کر لانا پڑتا اس کے دل پر سانپ لوٹ جاتا۔ بھلا دیکھئے تو سہی جن ہاتھوں نے کاک ٹیلرز کے ٹرے اٹھائے ہوں، شیری کے گلاس دھوئے ہوں وہ پاندان اٹھائیں!! آفتابہ چلمچی چھوئیں!!

بالآخر ایک روز میرے صبر کا پیمانہ چھلک ہی گیا۔ اور یہ اس طرح کہ ان بہرا صاحب نے ایک دھوبی کی سفارش ہم سے ان لفظوں میں کی: "حضور بہت اچھا کپڑا دھوتا ہے۔ برابر ساب لوگ کے کام کیا۔ کبھی کالے آدمی کے کام نہیں کیا"۔ میں نے کہا "بہت اچھا اس کو اب بھی اس شرف کے کھونے کی ضرورت نہیں تم بھی یہ ذلت کیوں اٹھاؤ۔ اس سے آج ہی کے دن نجات حاصل کرلو"

لیکن سچ پوچھئے تو ان بیچاروں پر ہماری خفگی فضول ہے ان کا مضحکہ اڑانا بے جا۔ ان کا کیا قصور۔ قصور اس ماحول کا ہے جو غلام قوم کے ملک میں پیدا ہوجاتا ہے اور یہ ماحول لازمی طور پر ایسی ذہنیت کی تخلیق کرتا ہے

شائستہ اختر سہروردی

بقایا مضمون صفحہ ۱۴۰ کا

کھڑکی میں بیٹھ کر عجیب و غریب آوازیں نکال رہی تھی۔ اور ایک موٹا ڈنڈا جو کہ بندروں کو ڈرانے کے لئے رکھا تھا ہمیں دکھا رہی تھی"۔ ہم نے نہایت منت سے کہا "ہمیں صرف معاف کردو۔ اپنی بہن سے آپ نے کہا ہمیں ناشپاتی ہرگز نہ دے۔ لیکن مالن ہماری واقف تھی چپکے سے کہنے لگی کہ "میں تمہیں علیحدہ پھل توڑ دیتی ہوں، مگر ہم سب نے انکار کردیا کہ جب اس کی بہن ہم سے ناراض ہے ہم کوئی چیز نہ لیں گے۔ پھر ہم نے زور سے چلا کر اس سے کہا "لو ہم بغیر پھل لئے جاتے ہیں اب تو معاف کردو"۔ مگر اُس نے ڈنڈا زور سے کھڑکی پر مارا اور نہایت خوشی سے جواب دیا "ابھی ہرگز نہ دوں گی" اس کے بعد ہم اپنی باقی سہیلیوں کو جو قریب ہی کوٹھی میں گئی تھیں۔ بلانے چلیں۔ مگر بجائے اوپر والی سڑک پر جانے کے غلطی سے نیچے کی طرف چل پڑے۔ اتنے میں سورج چھپ چکا تھا اور دھواں دھار بادل ہمارے چاروں طرف زور سے آرہے تھے۔ آن کی آن میں اس زور سے بارش ہوئی کہ سوائے پانی اور بادلوں کے ہمیں کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ہمارے پاس چھتری بھی نہ تھی کیونکہ سب چھتریاں ملازم کو دے کر پہلے ہی بھجوا دیا تھا۔ بدقسمتی سے راستے میں کوئی ہوا گھر بھی نہ تھا۔ نوکروں کو کوستے اور ہمجولیوں کو برا بھلا کہتے ہم گھر پہنچے اور خدا کا شکر کیا۔ جاکو کی سیر تو ایک طرف رہی بھوک اور ٹھنڈ کی وجہ سے ہمارا جو حال تھا۔ اس کا اندازہ اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب کچھ ایسی ہی آپ پر بھی بیت جائے۔

[illegible]

سوتیلی ماں

کیدار ناتھ فرزند علی سب جج کا قابل پیشکار تھا۔ اس کی تنخواہ تو اسی روپیہ تھی لیکن چار پانچ روپیہ روز اس کو اوپر سے مل جاتے تھے۔ کدار ناتھ کی شادی رام بہروسے وکیل کی لڑکی پریما کے ساتھ دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ پریما صرف شکیل ہی نہ تھی۔ وہ پڑھی لکھی۔ گانے کی ماہر اور گھر کے سب کاموں میں ہوشیار تھی۔ کدار ناتھ اور پریما میں انتہا درجہ کا پریم تھا۔ کچہری جانے کے علاوہ کدار ناتھ زیادہ گھر ہی میں رہا کرتا تھا اور اگر کبھی باہر جاتا تو پریما بھی ساتھ ہوتی۔ شادی ہونے کے ڈیڑھ دو مہینے بعد پریما کے میکے سے اس کے بلانے کے کئی خطوط آئے۔ پریما کو کدار ناتھ کی جدائی ایک دن کے لئے بھی گوارا نہ تھی لیکن دنیا کی رسم اور ماں باپ بھائی بہن کے محبت بھرے اصرار نے کدار ناتھ کو مجبور کر دیا کہ پریما کو اس کے میکے پہنچا آئیں۔ پریما کو میکے پہنچا کر کدار ناتھ جب واپس آرہے تھے انھوں نے پریما سے کہا۔ تم یہاں دو تین دن رہ چکیں سب سے ملنا جلنا بھی ہو گیا اب میرے ساتھ واپس چلی چلو تمہارے بغیر دن تو کسی نہ کسی طرح کٹ جائیں گے لیکن راتیں پہاڑ ہو جائیں گی۔ مکان کاٹنے کو دوڑے گا۔ پریما نے کہا انسان کو دکھ سے اتنا نہ گھبرانا چاہئے علیحدگی سے محبت کی زنجیر مضبوط ہو جاتی ہے۔ سوگ کی اگنی محبت کے سونے کو کندن بنا دیتی ہے کدار ناتھ نے کہا ٹھیک کہتی ہو لیکن یہ تو بتلاؤ کہ کب تک یہاں رہنے کا ارادہ ہے؟ پریما نے مسکراتے ہوئے جواب دیا یہی کوئی پانچ چھ مہینے۔ کدار ناتھ نے گھبرا کر کہا یہ نہیں ہو سکتا میں اپنی روانگی کے قبل یہ سب باتیں طے کر لوں گا۔ پریما نے کہا تم اپنے دل سے مرے دل کی بات پوچھو دیکھو اور اس بات کو میرے اوپر چھوڑ دو میں کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر کے جس قدر جلد ممکن ہوگا تم کو لکھ بھیجوں گی۔ اس وقت اس بات کا اٹھانا ٹھیک نہیں ہے اس پر کدار ناتھ خاموش ہو گیا اور رات کی گاڑی سے گھر واپس آگیا وہ یار دوستوں میں جا بیٹھتا اور نو دس بجے رات کو واپس آکر جو کچھ مل جاتا کھا۔ پی کر سو رہتا تھا پہلے ہی خط میں جو اس نے پریما کو بھیجا اس میں ایک پرچہ اپنی ساس کے نام بھی روانہ کیا تھا جس میں پریما کو بلانے کا اشارہ تھا لیکن پریما نے وہ خط اپنی ماں کو نہیں دیا۔ دو مہینے بڑی مشکل سے کٹے۔ آخر ش پریما کی رائے سے اس نے ایک تحریر اپنے خسر صاحب کے نام روانہ کی جس میں لکھا تھا کہ میری طبیعت کچھ عرصہ سے علیل رہنے لگی ہے۔ گھر میں کوئی دوا دینے والا اور کھانے پینے کو دیکھنے کے لئے نہیں ہے۔ کرپا کر کے آپ انھیں جلد روانہ کر دیں۔ الغرض پریما گھر آگئی۔ سوکھے ہوئے کھیت میں برشا ہوئی اور گھر ہرا ہرا نظر آنے لگا۔ پریما کی عمر زیادہ ہو جانے کے کارن اس کے چار برس بعد لڑکا پیدا ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کے لالے پڑ گئے۔ کدار ناتھ نے سب پاپڑ بیلے اپنی حیثیت سے زیادہ روپیہ علاج میں اٹھایا لیکن وہ نہ بچی۔ کدار ناتھ کی مسرت کا چراغ گل ہو گیا دنیا اس کی نگاہ میں تاریک ہو گئی لیکن بچہ اس کے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھا وہ مرحومہ کی اسے نشانی سمجھتا اور اس کی دیکھ بھال میں لگا رہتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد کدار ناتھ کی شادی کے پیغام ادھر ادھر سے آنے لگے جس سے اس کے دل پر ایک چوٹ سی

لگتی تھی اُس کا خیال تھا کہ بچے کی ماں اس روز مرتی ہے جس روز اس کا پتا دوسری شادی کر لیتا ہے۔ اس طرح سے اُس نے نو برس نکالے اب وہ تحصیلدار ہو گیا تھا۔ اُس کے احباب شادی کے لئے بہت زور دے رہے تھے ادھر پریما کے مرنے کا غم بھی اتنا عرصہ گذر جانے پر کم سا ہو گیا تھا۔ گھر اُجڑا معلوم پڑتا تھا کھانے پینے کا سکھ جاتا رہا تھا۔ الغرض اس نے شادی کر لی۔ سومترا دیکھنے میں پریما سے کسی طرح بھی کم نہ تھی لیکن وہ فرشتہ خصلت شوہر پرست تھی یہ تنک مزاج خاوند کی طرف سے لاپرواہ۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ مَسن ہو جانے پر عام طور سے لوگ اپنی نئی بیوی کی خاطر مدارات میں، دن رات لگے رہتے ہیں پھر بھی بیوی صاحبہ کے ماتھے کی شکن کسی طرح بھی نہیں مٹتی۔ یہی حال کدار اور سومترا کا تھا۔ ان دونوں کی گزر تو کسی نہ کسی طرح ہو جاتی لیکن غریب بیکس بشناتھ کی جوگت سومترا بناتی وہ کسی سے بھی دیکھی نہیں جا سکتی تھی۔ رات کو اسے الگ کمرے میں سونے کا حکم تھا۔ سومترا قریب قریب روز اس کے پاس جا کر کچھ دیر کے لئے لیٹا کرتی تھی اور بجائے پیار کرنے کے اُس کو ڈراونی اور وحشت دلانے والی کہانیاں سنایا کرتی تھی جس سے اُس معصوم کے دل پر ڈر بیٹھ گیا تھا کہ بھوت پریت بچوں کو جنگل میں لیجا کر اُن کو مار ڈالتے اور ان کا کلیجہ کھا لیا کرتے ہیں وہ روز بروز دبلا اور کمزور ہوتا جاتا تھا۔ اُس کے آنکھوں کی چاروں طرف گہرے حلقے پڑ گئے تھے۔ اسکول جانے کے وقت اس کو شاید ہی کسی روز کھانا میسر ہوتا ہو۔ دو پیسے اسکول جاتے وقت سومترا اس کے ہاتھ پر دھر دیتی تھی جس طرح گائے قصائی سے کانپتی ہے وہ اپنی سوتیلی ماں سے ڈرتا تھا۔ کدار ناتھ عاجز آکر کبھی کچھ کہتا تو سومترا گھر کو سر پر اٹھا لیتی تھی اور کہتی تمہارے لاڈ نے لڑکے کی مٹی خراب کر دی اگر میں اس گھر میں نہ آجاتی تو نہ معلوم اُس کا کیا حشر ہوتا۔ مجھے تمہارے لڑکے سے کوئی واسطہ نہیں اسپر بھی میں اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس کی بھلائی کی فکر میں لگی رہتی ہوں تم میری طرف سے بدظن ہو گئے ہو میری اچھی باتیں بھی تمکو بری معلوم پڑتی ہیں۔ مجھ سے یہ باتیں برداشت نہیں ہوتیں تم مجھکو میرے میکے بھیجدو واپس آنا تو درکنار رہا تمہارے مکان کی طرف پیر کر کے بھی نہ سوؤں گی۔ کدار ناتھ دل میں سوچتا تھا کہ یہ سب اپنا ہی کیا دھرا ہے جس طرح بھی ہو اس کو نبھانا چاہئے۔ نوکروں کے سامنے گھر کو بھٹیار خانہ بنانے سے میری سبکی ہوگی اگر یہ خبر کہیں باہر پہونچی تو میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔ اسی اثنا میں سومترا کے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس سے اُس کی حسد کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی وہ سوچتی تھی کہ بشناتھ کے ہوتے میری لڑکی کا کوئی حق باپ کی جائیداد پر نہیں ہوگا اگر وہ دنیا سے اُٹھ جائے تو میری سب چیزوں کی مالک بن جائے گی۔ بشناتھ ایسا مسکین اور گمبھیر مزاج کا تھا۔ کہ اُس نے باپ سے ماں کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں کہی جو کچھ بھی اُس پر گزرتا تھا وہ خندہ پیشانی سے اس کو برداشت کر لیتا تھا۔ وہ ذہین تھا لیکن گھر کی پریشانیوں اور پڑھنے لکھنے کا کوئی معقول انتظام نہ ہوتے ہوئے وہ امتحانوں میں اکثر ناکامیاب رہا کرتا تھا۔ وہ بددل ہو گیا تھا اُس کا کسی کام کرنے میں جی نہ لگتا تھا۔ اسکول میں لڑکے اُس کے پھٹے حال رہنے پر اُس کو چڑھایا کرتے تھے ان سب باتوں کے جواب میں وہ مسکرا دیا کرتا تھا۔ کھیل کود سے وہ کوسوں دور رہا کرتا تھا ایک دن دوستوں کے اصرار سے وہ کرکٹ میچ میں شریک ہوا اس کی تکان سے اُسے بخار ہو گیا۔ سومترا بہت خوش تھی کہ شاید اس کی مراد پوری ہو جائے وہ سر میں لگانے کی دوا اُس کو پلاتی اور پلانے والی دوا اس کے سر پر تھوپا کرتی تھی۔ لیکن پرماتما کی مہربانی سے بشناتھ لوٹ پوٹ ہو کر اچھا ہو گیا اور سومترا کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا بشناتھ کا صبح کا کھانا تو عرصہ سے بند تھا اب سومترا رات کو بھی جب وہ کھانے بیٹھتا اسے طرح طرح سے پریشان

کیا کرتی تھی، روٹیاں باسی یا جلی ہوئی دیتی۔ ترکاریوں میں نمک زیادہ کردیتی تھی۔ یہیں تک نہیں بلکہ اسے مار ڈالنے کے لئے طرح طرح کی ترکیبیں سوچا کرتی تھی۔ بشناتھ کو بھی اس بات کا پتہ چل گیا تھا وہ ہر وقت اس فکر میں ڈوبا رہتا تھا کہ کس طرح سے اپنی جان بچائے۔ ایک روز اسکول کی فیس کا روپیہ لیکر وہ گھر سے ہمیشہ کے لئے چلا گیا۔ اسٹیشن پر پہونچکر اُس نے لکھنؤ کا ٹکٹ خریدا وہاں پہنچکر اُسے یہ فکر پیدا ہوئی کہ زندگی کا نربھاؤ کس طرح سے کیا جائے۔ ایک دن وہ سبزی منڈی کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ وہاں اس کو کچھ لڑکے ٹوکری ڈھوتے دکھائی پڑے۔ چنانچہ اُس نے بھی ایک ٹوکرا خرید کیا اور وہ بھی انہی لڑکوں کے ساتھ ٹوکری ڈھونے لگا چونکہ بشناتھ دیکھنے میں شکیل بھولا بھالا اور پڑھا لکھا تھا۔ زیادہ تر لوگ اُسی سے کام لیتے تھے اس طرح سے اُسے شام تک تین چار آنے مل جاتے تھے وہ رات کو کسی دوکان سے روٹی بھاجی لیکر کھاتا اور سڑک پر پڑ رہتا تھا۔ بشناتھ سلائی کا کام کچھ پہلے ہی سے جانتا تھا۔ اُس کے دل میں خیال آیا کہ اگر میں درزی کا کام سیکھ لوں تو ٹوکری ڈھونے سے اچھا رہوں گا کچھ سن کر اس نے ایک دوکاندار کو اُسے سلائی کا کام سکھلانے کے لئے راضی کرلیا۔ وہ صبح کو ٹوکری ڈھوتا اور دو بجے سے رات کے ۹ بجے تک اُس کی دوکان پر کام نہایت محنت اور توجہ سے کرتا، سال بھر کے اندر اندر وہ معمولی کپڑے خاصے اچھے سینے لگا اُس نے ٹوکری ڈھونا چھوڑ دیا اور عظیم بیگ کی دوکان پر آٹھ روپیہ ماہوار پر نوکری کرلی۔ یہاں اس کو ایک سال نہ گزرا ہوگا کہ ایک روز وہ بابو سیتلا سہائے کے کپڑے دینے کے لئے ان کے مکان پر گیا سیتلا سہائے کی بیوی پورنما دیوی بہت اچھے مزاج کی عورت تھی اُس نے کپڑے لیتے ہوئے بشناتھ سے پوچھا یہ کپڑے کس نے سئے ہیں۔ بشناتھ نے جواب دیا بہوجی یہ میں نے ہی سئے ہیں اُس نے پھر یہ سوال کیا کہ کیا تمہارے یہاں یہی کام ہوتا ہے؟ بشناتھ کو فوراً اپنے گھر کا خیال آگیا۔ اُس نے رُکتے ہوئے جواب دیا کہ میں اُس درزی کے یہاں آٹھ روپیہ مہینے پر ملازم ہوں۔ اس پر پورنما نے پوچھا تیرے ماں باپ کیا کام کرتے ہیں؟

بشناتھ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ یہ کہتا ہوا کہ بہوجی پھر کسی روز بتلاؤں گا وہاں سے چلدیا۔ سیتلا سہائے جب گھر پر آئے پورنما نے ان سے کہا کہ یہ کپڑے تم نے جس دوکان سے سلوائے تھے وہاں کوئی لڑکا سلائی کا کام کرتا ہے اور آٹھ روپیہ ماہوار پر نوکر ہے وہی یہ کپڑے سی کر لایا تھا مجھکو وہ لڑکا کسی شریف گھرانے کا معلوم ہوا! اُس کی عمر بارہ تیرہ برس سے زاید نہ ہوگی میں نے اُس سے بہت سی باتیں پوچھیں لیکن میں نے جب یہ سوال کیا کہ تیرے ماں باپ کیا کام کرتے ہیں۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ یہ کہتا ہوا کہ بہوجی پھر کبھی بتلائیں گے یہاں سے چل دیا تم ذرا پتہ لگانا کہ کیا معاملہ ہے۔ سیتلا سہائے نے کہا مجھکو بہت کام رہتا ہے تم کو اس کی اگر ایسی ہی پڑی ہے تو نوکر بھیجکر اس کو بلا بھیجو یہ کہتے ہوئے انھوں نے اپنے نوکر کو اُس دوکان کا پتہ بتلا دیا۔ تین چار روز کے بعد پورنما نے بشناتھ کو بلایا اور پھر اس سے وہی سوال اٹھایا کہ تیرے پتاجی کیا کام کرتے ہیں؟ بشناتھ نے ہاتھ جوڑ کر کہا آپ میری ماتا کے سمان ہیں یہ بات نہ پوچھئے۔ بہت کہنے سے اُس نے صرف اتنا بتلایا کہ میرے پتاجی تحصیلدار ہیں اور میری ماتا مجھکو کچھ دن کا چھوڑ کر سرگ لوک کو چلی گئیں۔ گھر پر میرا گزر نہیں ہوسکتا تھا میں وہاں سے چلا آیا۔ پہلے کچھ دن ٹوکری ڈھوئی اب ایشور نے چار پیسے سے لگا دیا ہے۔ پورنما نے پھر سوال کیا کیا تیرے پتاجی نے دوسری شادی کی ہے؟ بشناتھ نے جواب دیا کہ یہ سب باتیں بوجھ کر کیا کیجئے گا۔ میرا حال آپ

کے سُننے کے قابل نہیں ہے۔ پورنما کو اُس پر رحم آیا اُس نے اس کو صلاح دی کہ تو نوکری چھوڑ دے میں تیرے کچھ گھر لگادونگی تو وہاں جاکر سلائی کا کام کیا کرنا چھ سات آنے روز مل جایا کریں گے۔ بالفعل کل تو میرے یہاں آکر بچوں کے کپڑے سی میں دیکھوں تو سہی تو کیسا سیتا ہے؟ بشناتھ دوسرے روز سینلا سہائے کے یہاں گیا۔ پورنما نے اسے بچوں کے کپڑے سینے کے لئے دئے وہ بشناتھ کا کام دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اور اس طرح سے اُس کا کام چلتا رہا کچھ عرصہ کے بعد سینلا سہائے نے اس کو ایک ٹکنیکل اسکول میں جہاں دستکاری کا کام سکھلایا جاتا تھا۔ بھرتی کردیا وہاں وہ درزی کا کام بہت توجہ سے سیکھنے لگا ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اس کو وہاں سے کچھ ملنے بھی لگا اور تین چار برس کے اندر اندر وہ اسی اسکول میں سلائی کا کام سکھلانے پر ملازم ہوگیا یہاں اُس نے تین برس نوکری کی اور کام میں پوری پوری مہارت حاصل کرلی اور اُس کو پچاس روپیہ ماہوار ملنے لگے۔ بشناتھ چھٹی لیکر لکھنؤ آیا اُس کو لوگ آسانی سے نہ پہچان سکے تھے۔ پہلے وہ دبلا پتلا بہت کمزور تھا اور اُس کے آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے اب اس کا بدن بھرا ہوا سڈول اور چہرہ روشن تھا وہ سینلا سہائے کے یہاں ایک بڑھیا سوٹ پہن کر گیا اور پورنما دیوی کے چرنوں کو چھوکر ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا ماتا جی جو کچھ آپ دیکھ رہی ہیں یہ سب آپ ہی کا دیا ہوا ہے آپ نے میرا جیون سدھار دیا پرماتما آپ کو ہر طرح کا سکھ دے اپنے سینچے ہوئے پودے میں پھل لگے دیکھکر پورنما کا دل باغ باغ ہوگیا اُس نے بشناتھ کو موڈھے پر بیٹھ جانے کو کہا اور اُس کا سب حال سُنا۔ بشناتھ نے سب حال کہنے کے بعد پورنما دیوی سے پوچھا اب اگر آپ کی آگیان ہو تو میں نوکری چھوڑ کر لکھنؤ میں سلائی کی دوکان کھول لوں میں نے پانچ سو روپیہ سے کچھ زاید جمع کرلیا ہے اس سے دوکان کا ضروری فرنیچر و سلائی کی لیکر کچھ درزی نوکر رکھ لوں گا آپ کے اشرباد سے کام چل نکلے گا۔ پورنما نے کہا میں خود تجھ سے یہی بات کہنے کو تھی۔ ہر طرح وہاں سے اچھے رہوگے۔ بشناتھ نے ایسا ہی کیا نوکری سے استعفےٰ دے کر لکھنؤ میں لٹوس روڈ پر ایک دوکان کھولدی اُس کی دوکان کا اصول تھا کہ کپڑا وقت پر ضرور دیا جائے اور بچا ہوا کپڑا حتیٰ کہ کترن تک واپس کردی جاتی تھی اور دوکاندار جو کپڑا کم سمجھکر واپس کردیتے تھے یہ اس کو اس خوبی سے کاٹتا کہ عدو بغیر کسی نقص کے نکل آتا تھا اس کی دوکان پر گاہکوں کی بھیڑ لگی رہنے لگی۔ تین چار برس کے بعد کدارناتھ اُس کی دوکان پر آئے اُن کے چہرہ پر وہ اگلی سی رونق نہ تھی بال سفید ہوگئے تھے اور دکھلائی بھی کم پڑنے لگا تھا وہ بشناتھ کو نہ پہچان سکے ہاں بشناتھ نے انھیں پہچانا اس کے دل میں ایک طوفان برپا تھا جس میں رنج خوشی اور امیدوں کی لہریں موجزن تھیں۔ ایک طرف وہ گھر کے حالات دریافت کرنے کو بیچین تھا لیکن دوسرے خیالات اس کو ایسا کرنے سے روکتے تھے۔ اُس نے ہیڈ ٹیلر کو بلاکر کدارناتھ سے مخاطب کردیا اور کرسی پر بیٹھکر نہ معلوم کن خیالات میں ڈوب گیا۔ کپڑے طیار ہوجانے پر وہ خود انھیں لیکر کدارناتھ کی کوٹھی پر گیا۔ کپڑوں کو پسند کرنیکے بعد اُس نے پوچھا کیا آپ کے یہاں کوئی کاج ہونے والا ہے بابوجی؟ کدارناتھ نے جواب دیا ہاں میری ایک ہی لڑکی ہے اور اگلے مہینے میں اُس کی شادی ہونے والی ہے بشناتھ نے حیرت سے پوچھا کیا آپ کا نام کدارناتھ نہیں ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا میں نے اپنا نام تمہاری دوکان پر نوٹ کرادیا تھا پھر تم نے یہ سوال کیوں کیا؟ بشناتھ نے کہا ہاں مجھ سے غلطی ہوئی اور کلام کو جاری رکھتے ہوئے دبی زبان سے رُک رُک کر کہا لیکن شاید کبھی آپ کے ایک لڑکا بھی تھا۔ اس پر کدارناتھ نے اُسے غور سے دیکھا اور جھپٹ کر اُسے گلے سے لگا لیا۔ اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں

اُردو زبان

شیرازہ بہم اپنا ہے اُردو ہی کے دم سے
گہوارۂ الفت میں پلی ہے یہ نغم سے
وصف اس کے جو معلوم نہوں تو سنو ہم سے
یہ گونجی ہے کلیسا میں جو اٹھی ہے حرم سے
زنار کو تسبیح کے دانوں میں پرو دیا
اور زمزمی سے گردلب گنگ کو دھویا
خوں سینچا ہے لاکھوں نے تو یہ نخل اُگا ہے
مٹی میں ہزاروں ملے جب پھولا پھلا ہے
ہر پھول کی خوشبو الگ اور رنگ جدا ہے
اور کیوں نہ ہو ہر شاخ میں پیوند لگا ہے
جس نخل کے ہر گل کا ورق رشک چمن ہو
انصاف سے کہئے وہ نہ کیوں فخر وطن ہو؟
یہ دعویٰ غلط ہے کہ یہ مسلم کی زباں ہے
سب بولتے ہیں اس کو مروج یہ جہاں ہے
اس ملک میں سکہ اسی بولی کا رواں ہے
سچ کہئے تو صدیوں سے چلن اس کا یہاں ہے
جو اس کو سمجھتا نہ ہو ایسا نہیں کوئی
ممکن ہے کہ ہو ہند سے باہر کہیں کوئی
ہر قوم کو مسند پہ بٹھایا ہے اسی نے
اور تفرقۂ مذہب کا مٹایا ہے اسی نے
احساسِ وطن ہم کو دلایا ہے اسی نے
اس خاک کو اکسیر بنایا ہے اسی نے
اب شوکتِ دیرینہ نہ وہ شانِ شہی ہے
بس ترکۂ اجداد سے اُردو ہی رہی ہے
دنیا میں ہیں چوٹی کی زبانیں کوئی دو چار
گو وسعتِ لفظی میں کوئی کم نہیں زنہار
ہر رمز کا کرسکتے ہیں ہم ان میں بھی اظہار
لیکن نہ یہ شوخی ہے نہ یہ لذتِ گفتار
اُردو کی فصاحت کا تو عالم ہی نیا ہے
اس کے لب و لہجہ پہ ترنم بھی فدا ہے
جو حرف ہے اُردو کا وہ مصری کی ڈلی ہے
جو لفظ ہے گلزارِ فصاحت کی کلی ہے
جو بات ہے اخلاق کے سانچے میں ڈھلی ہے
اور کیوں نہ ہو یہ شاہوں کے محلوں میں پلی ہے
شائستگی الفاظ میں آئی ہے وہیں سے
اس سحر بیانی کو یہ لائی ہے وہیں سے

محمود اسرائیلی

جب تم نہیں!

بحرِ ناپیدا کنار کو ابر نیساں کی آنکھوں سے بہتا ہوا آنسو دیکھکر بے ثباتیٔ دنیا کا تصور مجھ کو پژمردہ کر دیتا تھا۔ ......

آہ یہ معلوم نہ تھا۔ کہ تمہارے مزارِ محبت پر میری چشمِ گریاں بھی شفق گوں موتی لیا یا کرے گی۔ ......

اور وہ دل۔ ہاں وہ دل! جو کبھی ایک پتھریلی چٹان کی طرح مضبوط اور خوددار تھا۔ اس ریتیلے ساحل کی طرح حساس اور از خود رفتہ ہو جائے گا۔ جسے سمندر کی بیقرار لہر پہلی جنبش میں مسمار کر دے ...

کیٹس کی محبوب عندلیب اب بھی اپنے شگفتہ راگ چھیڑتی رہتی ہے۔ لیکن مجھے تو یہی محسوس ہوتا ہے۔ کہ غم کی دیوی اپنے بربط پر کوئی غمناک گیت گا رہی ہے .... جب سے فرشتۂ اجل تمہارے لطیف سائے کو لیکر کائنات کی وسعتوں سے پرواز کر گیا۔ مجھے تو بوڑھی دنیا کے چہرے کی جھریاں اور گہرائی اختیار کرتی دکھائی دیتی ہیں

جب قضا و قدر کے حیات کش جھونکے تمہارے بعید پر نفوذ کرکے مجھے تمہارے قریب سے قریب تر کر دیں گے۔

اسوقت! ہاں اس وقت ..... تمہارے قدموں کے نیچے اپنی جنت تلاش کرتے ہوئے۔ کوئی طاقت مجھے یہ کہنے سے نہ روک سکے گی

من تو شدم تو من شدی :: من جاں شدم تو تن شدی
تا کس نگوید بعد ازیں :: من دیگرم تو دیگری۔ آنسہ محمودہ رضویہ

ایک تقریب میں

ایک دیہات میں میرے ایک قریبی رشتہ دار کے یہاں بارات آنے والی تھی۔ ہمارے نام بھی دعوتی کارڈ آیا چنانچہ میں اور بھابی جان دوسرے دن صبح کی گاڑی سے روانہ ہو کر دوپہر کو منزل پر پہونچ گئے جیسے ہی ہماری سواری دروازہ پر لگی ایک ہجوم عورتوں کا گیت گاتا ہوا مجھے اور بھابی جان کو اپنے حلقے میں لے کر اندر پہنچا، جون کی گرمی سفر کی تکان اور پھر ان عورتوں کا ہجوم سخت پریشان کن تھا گیت کا جو تانتا بندھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بغیر جان لئے ٹوٹنے والا نہیں۔ میں تو خاموش تھی آخر بھابی جان کی پریشانی بھی جب حد سے تجاوز کر گئی تو بولیں" آپ لوگ ذرا مہلت دیجئے گرمی نے سخت پریشان کر رکھا ہے۔ اس پر ایک بڑی بی بولیں "بوا ہمارے یہاں کی رسم ہی یہی ہے کہ کچھ دیر تک نیوتا ہر (مہمان) کے نزدیک گیت ہوتا ہے۔ دوسری نے کہا بوا موم کی نہیں ہو جو پگھل جاؤ گی تیسری نے کہا کہ چاہے گرمی لگے یا جو ہو رسم تو پوری ہوگی، کرتا کیا تھا قہر درویش بجان درویش کا مصداق بنے ہوئے ہم لوگ بیٹھے رہے خدا خدا کر کے نجات ملی تو نہا دھو کر ہم سو گئے پانچ بجے جب اٹھے تو ایک ہنگامہ تھا کہ لڑکی آج مانجھے بیٹھے گی، مانجھ کے رسوم کو تو میں قبل سے جانتی تھی اور اس کی برابر مخالفت بھی کرتی آئی اور کئی جگہ اس مہلک رسم کو اٹھایا بھی چنانچہ یہاں بھی سب کو سمجھایا کہ اس گرمی کے زمانہ جب کہ ہر شخص پریشان نظر آتا ہے ایسی رسم کا ہونا اچھا نہیں لیکن کسی نے نہ مانا بھابی جان نے بھی ہائی جین اور شریعت سے سمجھایا لیکن ان کو بقراطی اور لسانی بھی دھری کی دھری رہ گئی اور نتیجہ برعکس نکلا رات کو لڑکی سنوار بنا کر ایک تنگ و تاریک کمرے میں قید کر دی گئی۔ جہاں ہوا تک کا گذر نہیں تھا۔ مانجھ اتنا تکلیف دہ نہیں جتنا ان کا قانون مثلاً لڑکی کو بارات آنے سے چھ سات دن قبل مانجھے بٹھانا چاہئے کیسی ہی شدید گرمی ہو کیسا ہی کڑاکے کا جاڑا ہو لیکن لڑکی کوٹھری میں رہے حاجت ضروری کے لئے دائی کی گود میں نکل سکتی ہے ورنہ چوبیس گھنٹہ اسی کوٹھری میں رہنا پڑے گا حتیٰ کہ اس درمیان میں علیل بھی ہو جائے تو نہیں نکل سکتی۔ آخر بارات کا بھی دن آگیا لڑکی سنوارنے کے لئے باہر نکالی گئی لڑکی اتنے دنوں میں دبلی ہو کر آدھی رہ گئی تھی رنگ زرد پڑ گیا تھا اور اس تبدیلی کو عورتیں اس کی خوبصورتی پر محمول کر کے خوش ہو رہی تھیں۔ اور یہاں مجھے اور بھابی جان کو اپنے سماج پر غصہ آ رہا تھا رسم رسومات ہوتے ہوئے نصف گھنٹہ رات باقی تھی کہ بارات دروازہ لگی ساری رات پھر اسی ہنگامے میں کسی کی پلک تک نہ جھپکی سب سے قابلِ رحم حالت دلہن کی تھی جو گرمی اور تکان سے سخت پریشان نظر آ رہی تھی، دوسرے دن شام تک لڑکی کو دیکھنے کے لئے عورتوں کا تانتا بندھا رہا اور لڑکی آنکھ بند کر کے سر جھکا کر مورت کی طرح دست بدستے دیگرے اور پا بدستے دیگرے کا مصداق بنی بیٹھی رہی، کسی نے سر اٹھا دیا تو سر اٹھا دیا کسی نے نشست بدل دی تو بدل دی نہیں تو ویسے ہی بیٹھی رہی کان ہے کہ بالیوں کے بوجھ سے زخمی، ناک ہے کہ نتھ کے وزن سے گھائل لیکن کسی کو اس کا خیال تک نہیں! لوگ بھی ہیں تو خاموش اگر کبھی کچھ بول دیا تو پھر مت پوچھئے عورتوں میں کانا پھوسی ہو رہی ہے اور آوازے کسے جا رہے ہیں کوئی ہونٹ بچکا رہی ہے کوئی منہ بنا رہی ہیں غرضکہ ہم لوگوں کے سمجھانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا پھر یہ معلوم کر کے سخت پریشانی ہوئی کہ آج رات بھر پھر جاگنا پڑے گا اور اصل رسوم آج ہی ہیں۔ بھابی جان نے عورتوں سے کہا کہ دولہن کو کچھ دیر کے لئے سلا دیا جائے ورنہ صحت خراب ہو جائے گی لیکن بستی کی عورتوں نے اس کو بھی نہ مانا اس کے بعد ہم لوگ لڑکی کی کوٹھری میں گئے، بھابی جان نے لڑکی کا گھونگھٹ بالکل ہٹا دیا اور پنکھے سے ہوا دینے اور پسینہ پونچھنے جیسے چہرہ پر ہاتھ پھیرا تو کچھ گرم معلوم ہوا چونکہ جو نبض پر ہاتھ رکھا تو کافی بخار موجود تھا۔ بھابی جان نے عورتوں کو علالت کی جو اطلاع دی اور ساتھ ساتھ علاج اور احتیاط کے لئے بھی زور دیا لیکن ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور ان کی گفتگو سے معلوم ہوا

کہ رسوم کو علالت سے زیادہ اہم سمجھتی ہیں اب رات ہوئی دولہا کے بلانے کیلئے دائیاں دلہن کی بتی لیکر گئیں ٹھیک ایک بجے دولہا صاحب زنان خانے تشریف لائے ایک طرف بخار سے جلتی ہوئی دلہن کو بٹھایا گیا اور اس کے سامنے دولہا صاحب بیٹھے رونمائی ہوتے وقت مہتابی جلائی جانے لگی دھوئیں اور گیس سے دولہن کی حالت خراب ہو رہی تھی اور ہماری عورتیں ہیں کہ چھوڑنے کا نام نہیں ہم لوگوں نے ہزار منع کیا لیکن بے سود آخرش ایک مہتابی پھٹی اور شعلے نے دولہن کے دوپٹے کو پکڑ لیا رسم و رواج کی پابند دولہن ہلنے کا نام نہ لے سکتی تھی اور عزیزیں تھیں کہ حواس باختہ ہو کر شور وغل کر رہی تھیں اور نزدیک جانے کا نام تک نہ لیتی تھیں آخر بھائی جان نے دوپٹہ اتار کر علیحدہ پھینکا اور میں نے دولہن کو اٹھا کر الگ کیا۔ اللہ نے بڑا فضل کیا ورنہ دولہن کے ساتھ کئی جانیں تلف ہو جاتیں دوسرے دن رخصتی ہوئی اور ہم لوگ بھی اپنے گھر لوٹ آئے بعد کو معلوم ہوا کہ دلہن کی حالت بہت خطرناک ہو گئی تھی اور علاج معالجہ میں ہزاروں روپیہ صرف ہوا تب کہیں جا کر جان بچی۔

[۱] ایک رسم ہے کہ دولہا کو جب دائیاں لانے کے لئے جاتی ہیں تو ایک تھالی میں تیل میں کپڑے کی بتی ڈال کر جلاتی اور دولہا کی طرف پان سے بتی پر تیل چھڑکتی ہیں اور دولہا کو آہستہ آہستہ لاتی ہیں۔

ایک غمزدہ بیوی کا پیام

(پردیسی پریتم کے نام)

"ماہ" بیتا گذر گئی گرمی — تم کو اب بھی نہ میری سدھ آئی
دیکھو دیکھو وہ آگئی برکھا — سارے عالم پہ چھا گئی برکھا
ہر طرف ہے نشاط کا چرچا — "تم کو اب بھی نہ میرا دھیان آیا"
کالی کالی گھٹائیں آتی ہیں — سکھیاں مل مل کے گیت گاتی ہیں
سر پہ منڈلا رہے ہیں پھر بادل — بج رہی ہے نشاط کی چھاگل
گا رہی ہیں سہیلیاں "ساون" — "بیلا" پھولا ہوا ہے بیچ آنگن
مینھ برستے ہیں ابر آتے ہیں — میرے اوسان کھوئے جاتے ہیں
رین کٹتی ہے جاگتے ساری — دن سب دوبھر تو رات ہی بھاری
کوئی دم جی کو کل نہیں آتا — تیرے بن جگ مجھے نہیں بھاتا
سکھ کے جھولوں میں ہے بسا سنسار — جس طرف دیکھئے ہے جوش بہار

بقایا مضمون صفحہ ۱۴۰

اپنی حکومت میں شامل کر دیا ہے۔

اس وقت فارس اور شام۔ تاتاریوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے لہذا منگو خاں کے بھائی ہلاکو خاں نے فارس اور شام پر چڑھائی کر دی۔ فارس تو جلد ہاتھ آگیا لیکن شامیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اس پر ہلاکو کو کچھ سختی سے پیش آنا پڑا۔ اس نے بغداد کے بند کو بارود سے اڑا دیا جس سے ان ریگستانی باشندوں کو زبردست نقصان پہنچا۔ اس پر مصر کے سلطان نے ہلاکو کی فوج پر حملہ کیا اور اسے پسپا ہونے پر مجبور کیا۔ اس روز سے تاتاریوں کا زوال شروع ہوا۔

مشرقی تاتاریوں نے بدھ مذہب اختیار کیا اور سمت جنوبی میں بسنے والوں نے مذہب اسلام کی پیروی کی۔ غرضکہ اتفاق کی لگام چھوٹنے سے وہ کمزور ہو گئے۔

سنہ ۱۴۹۲ء میں Grande کی شکست اور سنہ ۱۵۷۱ء میں بحیرہ روم کی ٹکر میں تاتاریوں کو شکست ہوئی اور ہمیشہ کے لئے انھیں سرزمین یورپ کو خیرباد کہنا پڑا۔ آخری نسل ۵۵۷ سال تک ملک ہند پر قابض رہی۔

غرض ان جنگی دیوتاؤں کا سلسلہ صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہے پھر بھی ان کے کارنامے ہمارے دلوں پر نقش ہیں۔ بے نظیر تاج۔ باغ بابل۔ تخت طاؤس۔ بہشت غزنی اور نہر مصر کو کون بھول سکتا ہے کہ ایک بار آنکھوں نے دیکھا اور فریفتہ ہو گئیں۔

عبدالرحمن تبسم

اہل تاتار

سنہ ۱۲۰۰ء میں جبکہ یورپی اقوام مذہبی اشاعت میں غرق تھیں اس وقت وسط ایشیا میں ایک قوم تاتاریوں نے زور پکڑا اور اتنی پیش قدمی کی کہ سارے عالم میں سُرخ رو ہو کر ہی بیٹھے۔

اہل عرب انہیں منگول یا مغل کہتے تھے۔ آج بھی فرنگی ادب میں تاتاریوں کے کارناموں کی جھلک نمایاں ہے۔ یورپ کی مشہور شاعرہ "والٹر دی لامیر" اپنی نظم "کنگ آف تاتار" میں اللہ تعالےٰ سے عرض کرتی ہے "میری ایک ہی آرزو ہے کہ تو مجھے تاتار کا بادشاہ بنا دے۔ اس بستی کا جہاں سکون کے چشمے بہتے ہیں اور مور آزادی سے پر پھیلائے ناچتے ہیں۔

غرضکہ H. G. Wells کا عہد جدید کا مشہور مصنف بھی یہی لکھتا ہے کہ تاتاری تہذیب بلا مبالغہ دنیا کے بہترین کلچروں کا نچوڑ تھی جس کی ساری مٹی اور اس کے سبز پودے ظرافت سے سینچے گئے تھے۔

تاتاریوں کی غذا بالکل معمولی تھی لیکن دسترخوان پر رغنی لوازمات کا ہونا اشد ضروری تھا۔ ان کی من بھاتی غذا پنیر۔ گوشت اور شہد تھی۔ یہ بڑے توانا و جفاکش تھے۔ اور جب کبھی غنیم پر ٹوٹ پڑتے تو کیا مجال کہ وہ اُن کی آہنی گرفت سے چھوٹے۔

اوائل میں تاتاریوں نے اپنا دار الخلافہ Onon ندی کے کنارے بنایا جو سائبریا کے برفانی علاقوں میں بہتی ہے اس وقت چین کا ملک مختلف ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان میں سب سے بڑا Kin کا صوبہ تھا جس کا پائے تخت پیکن تھا۔ اس پر سنہ ۱۲۱۲ء میں تاتاریوں نے حملہ کیا اور ایک خونخوار جنگ کے بعد اسے فتح کر لیا۔ ان کا جرنل مشہور جنگجو چنگیز خاں تھا۔ اس کے بعد اس نے یکے بعد دیگرے ترکستان۔ ایران۔ آرمینا اور شمالی روس کو فتح کیا۔

اس کی موت کے بعد اوگادی خاں مسند نشین ہوا جس نے اپنے آباؤ اجداد کے جنگی پیشے کو جاری رکھا۔ اس نے چین کے بچے کھچے صوبوں کو فتح کر لیا۔ بعد میں وہ وسطی روس کے ذرخیز علاقوں کی طرف بڑھا اور غنیم کو روندتا ہوا Kiev کے پھاٹک تک آدھمکا۔ پھر جرمنوں کی باری آئی سنہ ۱۲۴۱ء میں جرمن شہنشاہ فریڈریک دوم کے زبردست لشکر کو Legnid کی ٹکر میں بھون ڈالا۔

روس کا مشہور مورخ لکھتا ہے کہ تاتاریوں کی شجاعت اور فوجی چال ان کی کامیابی کا راز تھی۔ وہ اپنے تیز رفتار گھوڑوں کو آن کی آن میں گھنی اور اونچی جھاڑیوں پر سے کداتے تھے۔ دریاؤں پر کشتیوں کا پل باندھنا ان کے نزدیک دائیں ہاتھ کا کھیل تھا جس طرح آج کل یورپی طاقتیں پانچویں کالم کو اپنا اہم ہتھیار بناتی ہیں دراصل یہ تاتاریوں کی ایجاد ہے گو کہ تاتاری تاریک جنگلوں اور پہاڑوں کی کھو میں پلے تھے لیکن تہذیب سے ناآشنا نہ تھے۔ انھوں نے ہر مذہب کو آزادی دی اور غنیم سے نرمی سے سلوک کیا۔

بعض مورخین تاتاریوں پر سفّاکی کا دھبّہ لگاتے ہیں لیکن Gibbson کی تاریخ کو پڑھنے سے آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے اور ان کی اعلیٰ قابلیت کا نقشہ آنکھوں میں پھرتا ہے۔

سنہ ۱۲۴۳ء میں اوگادی کی موت ہوئی اور اس کا جانشین منگو خاں تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے بھائی کبلی خاں کو چین کا صوبیدار مقرر کیا لیکن بعد میں وہ اپنی قابلیت کی وجہ سے وہاں کا شہنشاہ بن گیا اور اس نے چین کے اطراف کے سارے ممالک کو

سوتیلے رشتے

باپ اگر بے ایمان نہ ہو تو اس کی نگاہ میں پہلی اور دوسری دونوں بیویوں کے بچے برابر اور یکساں ہوتے ہیں سوتیلی مائیں اگر نوّے (۹۰) فی صدی سنگدل جابر ہوتی ہیں تو سوتیلے باپ پچانوے (۹۵) فی صدی ظالم کٹر شیطان نکلتے ہیں۔ سوتیلے باپ جس چیز کو محسوس کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان کا پیسہ دوسرے شخص کی اولاد پر اٹھ رہا ہے اور یہی چیز ان کی جلن یا کھولن کا باعث ہوتی ہے لیکن سوتیلی مائیں ہر اعتبار سے اپنے بچوں کو بہتر دیکھنا اور اپنا ہی طور طریقہ بالا و برتر رکھنا چاہتی ہیں۔ بہرحال اس مسئلہ پر کافی سے زیادہ خامہ فرسائی ہو چکی ہے جواب تک قطعی بے سود اور لاحاصل ثابت ہوئی ہے۔ سوتیلی ماؤں اور سوتیلے بچوں کا رونا تو ایک دنیا روتی ہے لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سوتیلے بہن بھائیوں کے ناخوشگوار تعلقات پر شاید ہی توجہ کی گئی ہو۔

جاہل اور ناعاقبت اندیش مائیں اپنی طرف سے تو سوتیلے بچوں کے دل میں برائی پیدا کر ہی دیتی ہیں۔

لیکن کیسے ظلم کی بات ہے کہ یہ کمبختیں اپنے ننھے ننھے بچوں کے دل میں بھی سوتیلے بہن بھائیوں کی طرف سے ایسے زہریلے بیج بو دیتی ہیں جو آئندہ ان کی زندگیاں تلخ و برباد کر دیتے ہیں۔ یہ مائیں خود تو سوتیلے بچوں کی برائی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتیں اور چاہتی یہ ہیں کہ مرنے کے بعد ہمارے بچے بھی ان بھائیوں سے انتقام لیں۔ وہ اپنے بچوں کو شروع ہی سے پٹی پڑھاتی اور ان کے ذہن نشین کراتی ہیں کہ یہ بہن بھائی تمہارے دوست نہیں دشمن ہیں۔ باپ کی محبت اور باپ کے پیسہ کے یہ نہیں۔ صرف تم ہی حقدار ہو۔ المختصر دل کھول کر زہر اگلا جاتا ہے جو خوب کارگر ہوتا ہے۔ چند سال یوں ہی گذر جاتے ہیں اور یہی بچے بڑے ہو کر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو ذلیل و خوار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ باپ اگر ایک ہو، تو وہ بہن بھائی سوتیلے نہیں سگے ہی ہوتے ہیں۔ سوتیلے بہن بھائی وہ ہیں جن کے باپ الگ الگ ہوں۔ برخلاف اس کے ننانوے فیصدی اُن بہن بھائیوں کے تعلقات خراب ہوتے ہیں جو ایک ہی باپ کی اولاد ہیں اور وہ سوتیلے بہن بھائی جن کے باپ الگ الگ ماں ایک ہے۔ بالکل اس طرح رہتے سہتے ہیں کہ کسی کو گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ سوتیلے ہوں گے۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ ماں جس پر بچہ کی تربیت، عادات و خصلت کا انحصار ہے اپنے ننھے ننھے بچوں کو شوہر کے پہلے بچوں کی طرف سے متنفر اور برگشتہ کر دیتی اور ایک درخت کی دو ڈالیوں کو بے دردی کے ساتھ مروڑ کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا کر جاتی ہے۔

ایسی مائیں قابلِ احترام نہیں، لائقِ ملامت ہیں۔

آمنہ نازلی

بقایا مضمون صفحہ ۱۴۴ کا

قضا و قدر میں کسی کا اختیار نہیں۔ انسان مجبورِ محض ہے۔ لہذا اپنے مالک کے حکم سے سرتابی کرنا۔ یا اس کے خلاف غم و اندوہ کا انتہائی مظاہرہ کرنا ناشکرگزاری اور احکام کی خلاف ورزی کے برابر ہے ماسوا اس کے کہ جب خالق نے خود یہ فرمایا ہے کہ "ہم صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہیں"۔ تو پھر بے صبری کر کے ایک کثیر گروہ کو پریشان کرنا اور اپنی مظلومیت پر ہائے واویلا کرنا گناہ نہیں تو اور کیا ہے۔ کوئی آپ کی مصیبت کو گھٹا نہیں سکتا۔ آپ ہنسیں گی تو سارا زمانہ آپ کے ساتھ قہقہہ لگائیگا۔ مگر جب آپ روئیں گی تو تنہا روئیں گی۔ بہتر یہ احساس کا بڑھا چڑھا کر مظاہرہ سرے سے کیا ہی نہ جائے۔ صبر و رضا کی تلقین ہر مسلمان کو ہے اور اسی پر کاربند ہو کر ہمیں عمل پیرا ہونا چاہئے۔

جمیلہ بیگم کلکتہ

تعزیت

محترمہ صغرا ہمایوں مرزا کا مضمون عنوان بالا سے دیکھکر مجھے خیال ہوا کہ اس موضوع پر میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کروں جس طرح شادی، ولادت۔ سالگرہ اور دیگر خوشی کی تقاریب پر ہمیں سوسائٹی کی رسم ورواج کی پابندیوں کے ساتھ شرکت کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اسی طرح غمی کے موقعہ پر اپنے اعزا اقربا، اور دوستوں سے اظہار ہمدردی کے لئے جانا بھی لازمی ہے۔ خوشی کے موقعہ پر دعوت اور بلاوے کا انتظار رہتا ہے۔ لیکن کسی کے فوت ہو جانے کی خبر ملتے ہی خود جاکر حق تعزیت ادا کرنا اور شریک غم ہوکر سوگوار خاندان سے اظہار ہمدردی ایک اخلاقی فرض ہے۔

صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ بالکل درست فرماتی ہیں کہ "جو لوگ تعزیت کو آتے ہیں وہ اپنی مہربانی اور عنایت سے آتے ہیں۔ اُن کی مہربانی اور محبت غمگین دلوں پر مرہم کا کام کرتی ہے"۔ غم کے وقت اپنی خوشی اور راحت کو چھوڑ کر دوسروں کے دکھ میں شریک ہونا اور اپنے دل کو مکدر کرنا ایک زبردست ایثار ہے۔ اور یقیناً اس کا اجر ہمیں خدائے تعالےٰ کی جناب سے ملتا ہے۔ مگر ہماری ہندوستانی سوسائٹی میں جس طرح اور رسموں میں اصلاح کی ضرورت ہے اس طرح اِس اہم موقعہ پر بھی بہت کچھ اصلاح ہونی چاہیئے۔

بعض عورتیں ایسے موقعوں پر بھی وہی آرائش اور بناؤ سنگھار کرتی ہیں جس طرح کہ جلسوں پارٹیوں یا بازدید کے موقعوں پر۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سوگوار انھیں اپنا ہمدرد سمجھنے کے بجائے رسم ادا کرنے کی مشین سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ظاہر دکھاوے کے لئے سفید ساڑھی۔ یا سفید دوپٹہ میں ہوں گی۔ مگر زیورات بالوں کی آرائش، کاجل، اور لپ اسٹک میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتیں۔ اگر کسی نوجوان خاتون کی بیوگی کے موقعہ پر اس طرح جانا ہوا تو خیال فرمائیے کہ اس کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ اُس وقت اگر آپ غور فرمائیے تو دل میں خود احساسِ ندامت پیدا ہوگا۔ آپ کا ضمیر اس امر کو غیر منصفانہ قرار دے کر نفریں کرے گا۔ لوگوں کی نگاہیں آپ پر مستفسرانہ پڑیں گی آپ اس جگہ بالکل غیر موزوں ہونا out of place محسوس کریں گی۔ کیا اس وقت آپ بھی دل میں یہ تصور نہیں کرسکتیں کہ ایک بہن کا غم دوسری کے لئے بھی وہی اہمیت رکھتا ہے۔ آج اُن کی تو کل ہماری باری ہے

لباس اور زیورات جہاں تک ممکن ہوں سادہ اور ہلکے ہوں کہ غمی کے موقع پر شرکت کرنی چاہیئے۔ فوق البھڑک لباس سے غم رسیدہ افراد کے صدمات میں اضافہ ہوتا ہے اور دل ہی دل میں آپ کی بےحسی پر نفریں بھیجتی ہیں۔

تعزیت کے موقع پر بچوں کو ہرگز نہ لیجانا چاہیئے۔ ایک تو غمزدہ دلوں کے لئے اپنی ہی مصیبت کیا کم ہوتی ہے کہ پھر بچوں کی چیخ پکار سے اس میں اضافہ کیا جائے۔ گھر کے بچوں کو بھی جہاں تک ممکن ہو جائے وقوع سے دور کسی دوسرے کمرے میں رکھنا چاہیئے اس کے علاوہ کون جانتا ہے کہ متوفی کو کیا مہلک مرض تھا۔ اس کی چھوت بھی بچوں کے لئے اچھی نہیں۔ دوسرے خواہ مخواہ بھی اس دردناک سین کا ان کے نازک دلوں پر برا اثر ہو جاتا ہے۔ بعض ۴-۵ سال کے ذکی الحس کم سمجھ بچے تو ایسے غمناک حادثات سے اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ کئی کئی دن کھانا نہیں کھاتے اور اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے اپنے بزرگوں سے پوچھتے پھرتے اور سوچتے رہتے ہیں یہ ان کے صحت کے لئے سخت مضر ہے۔

تعزیت کے لئے جاکر مرنے والے کی موت کی وجہ پر رائے زنی کرنا عموماً عورتوں کا دلچسپ مشغلہ ہے وہ سمجھتی ہیں کہ اس

طریقے سے وہ متوفی کے عزیزوں سے زیادہ سے زیادہ اظہار ہمدردی کر سکتی ہیں۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اور اس رائے زنی پر اکثر ایسی دل شکنی کی باتیں نکل آتی ہیں جن سے ہمدردی کا حق ادا کرنے کے بجائے خواہ مخواہ غم و غصہ پیدا ہو جاتا ہے۔

"کوئی کہتی ہے اوئی وہ ڈاکٹر تو مجب اُلو تھا۔ اس کے علاج سے تو ہم نے کسی کو آج تک صحتیاب ہوتے نہ سُنا"

"دوسری کہتی ہیں:" نہیں بی علاج سے کیا ہوتا ہے۔ مریض کی نگہداشت ٹھیک سے ہوئی نہیں"۔

اگر متوفی شادی شدہ ہوا تو اس کی بدنصیب بیوہ پر ایسی ایسی بوچھاریں پڑتی ہیں کہ الامان گویا اس غریب نے اپنی خرابی اور تباہی کے شوق میں خود اپنے چاہنے والے شوہر کو مار ڈالا۔ اس کی لاپروائی پر اپنے عزیز اور پُرسے میں آنیوالے بھی افسوس کرتے ہیں۔ اور اس کے غم کو بڑھانے کی ہر طرح کوشش کی جاتی ہے۔ اگر سسرال میں ہوئے تو شوہر مرحوم کے عزیز۔ اس غریب پر ایسی تیکھی نگاہ ڈالتے ہیں۔ گویا یہ اسی کا قصور تھا آپ بتائیے ایسی ماتم پرسیوں سے فائدہ؟ جلے ہوئے دل کو جلانا کونسا انصاف اور نیکی ہے۔

بعض بیوں کا قاعدہ یہ ہے کہ غمی کے موقعوں پر دس۔ پانچ اکٹھی ہوئیں۔ تو کہاں کی ہمدردی کس کا بات پوچھنا وہ ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور خیریت دریافت کرنے میں گزاتی ہیں۔ اگر زیادہ دیر ٹھہرنا پڑا تو گلے شکوے اور قصے کہانیاں اور گھریلو جھگڑے۔ گویا جلسوں یا پارٹیوں کی طرح یہ بھی کوئی ملنے ملانے کی تقریب ٹھہری۔ حالانکہ فرض تو یہ ہونا چاہیے کہ جن پر کوہِ الم ٹوٹا ہے ان سے ہمدردی کی جائے۔

بعض لوگوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جہاں جنازہ قبرستان چلا کر سب بکھر کرکے نکل پڑیں اور سوگوار افراد کو تنہا ان کی حالت اور مصیبت پر چھوڑ کر اپنے اپنے گھر چلدیں۔ لازم تو یہ ہے کہ دیر تک رہ کر ان کی تسلّی و تشفی کریں۔ ان کے نہلائے دھلوائے کا بندوبست کریں یا کم از کم ان کا ہاتھ بٹائیں۔ بعض گھروں میں چیخ پکار کر رونے اور بین کرنے کا دستور رہے۔ اس میں بھی غور سے دیکھیے تو آنیوالی ہر بیوی کی یہی کوشش رہتی ہے۔ کہ وہ اس مقابلہ میں سب سے زیادہ نمایاں حصّہ لیں اور دکھلادیں کہ اُن کے رونے پر عرش و فرش تھر تھرا رہا ہے اور خاص سوگواروں سے بڑھ کر اسے صدمہ محسوس ہوا ہے۔

اگر کہیں اتفاق سے ننھے بچّے کی موت ہوئی اور وہ بدقسمتی سے اکلوتا یا بہت لاڈلا تھا تو اس کا بھی ماتم بہت سخت ہوتا ہے۔ اور رونے دھونے کے علاوہ بدقسمت ماں کو بھی ہدفِ ملامت بنایا جاتا ہے سچ پوچھیے تو نقصان صدمہ اور مصیبت جو اس غریب پر ٹوٹتی ہے۔ کوئی اس میں حصّہ نہیں لے سکتا۔ مگر دکھاوے اور رائے زنی کرنے کے لئے خاندان کا ہر ایک فرد اسی بیچاری کی لاپروائی۔ ناتجربہ کاری الہڑپن اور کم نصیبی کو موردِ الزام ٹہرانے میں کوئی دل شکن جملہ فروگزاشت نہیں کرتا۔ ایک تو بلائے ناگہانی وہ مصیبت آسمانی کے نزول سے خود ہی اس کا جگر پارہ پارہ ہوتا ہے۔ اس پر یہ جملے اس قدر منظم اور بے پناہ ہونے لگتے ہیں کہ وہ غریب اور بھی زیادہ غم اور ماندہ محسوس کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس میں قوتِ مدافعت بالکل نہیں رہتی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اسی کی کوئی عزیزان اعتراضات یا بوچھاڑ اور الزاموں پر اکتا کر کچھ انصاف کی کہدیتی ہیں۔ بس پھر کیا ہے مجلس غم۔ بساطِ جنگ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور دونوں طرف سے طعنے تشنے اور ایک دوسرے کی فردگذاشت کے وہ وہ حربے کئے جاتے ہیں کہ دَورِ جدید کے ہلاکت خیز اسلحوں۔ ٹینک اور طیارہ شکن توپوں سے کسی طرح ہلاکت آفرینیوں میں کم درجہ نہیں رکھتے۔ پھر تو جس کی لاٹھی اس کی بھینس کمزور پر تشدد غالب آجاتا ہے۔ اور اس غمناک اور حوصلہ شکن موقع کی اہمیت بھی جاتی رہتی ہے۔

غریبوں اور یتیموں کو اس موقع پر کچھ ملنے ملانے کی توقع ہوتی ہے۔ اور مذہب میں بھی متوفی کی چیزوں کو غریبوں اور حاجتمندوں

کو دینا مستحسن قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس غرض سے تھالوں کپڑے اور کھلوں چاول قبرستان میں لٹانے کے لئے لیجاتے ہیں۔ جو قبرستان کے پیشہ ور مسٹنڈے نکیہ دار لوٹ لیتے ہیں۔ اور ننگوں اور بھوکوں کو کچھ نہیں ملتا۔ اِس وقت سوگوار افراد اپنے غم و ناقابلِ تلافی نقصان کے صدمہ میں ہوتے ہیں۔ لہذا کسی عزیز کو یہ خدمت اپنے ذمہ لیکر اِس خیرات کو صرف مستحقوں محاجتمندوں کو دینی چاہیے۔

ہماری ہندوستانی رسوم بہت ہی مہمل ہیں۔ مرنے میں شرکت اور اس وقت کاموں میں ہاتھ بٹانا بعض لوگوں میں وہم خیال کیا جاتا ہے۔ یوں دیکھیے تو بیویوں کا ہجوم ماتمی مجلس کو پُرشور بنانے میں موجود ہوگا۔ مگر کسی کام کو کہئے تو وہ رسوم کے ڈر سے ہرگز ہاتھ نہ دینگی کہ کہیں خدانخواستہ اُن پر مصیبت نہ آجائے حالانکہ یہ سوچنا چاہیئے کہ غم اور خوشی توام ہیں۔ اس وقت کسی طرح بھی سوگوار کو یہ محسوس کرنے نہ دینا چاہیئے۔ کہ غم صرف ان کا اکیلا ہے۔ اور کوئی اُن کا شریک نہیں اس موقع پر سوگوار کے دل میں تشکر اور احسان مندی کی انتہا نہیں ہوتی۔ وہ دل سے اپنے بہی خواہوں کو دعا دیتے ہیں جو اسی طرح اگر کسی فعل سے ان کے مصیبت زدہ دل کو ٹھیس لگتی ہے۔ تو وہ دو چند تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ جو دل دکھانے کے مترادف ہو جاتا ہے۔

غمی کے موقعوں پر پان زردہ کھانا۔ یا ادھر اُدھر کی باتیں کرکے اپنی سنگدلی کا ثبوت دینے کے بجائے اگر عورتیں۔ مردے کے نام سے اس وقت ایک ایک پارہ یا نصف یا چوتھائی ہی سہی پڑھکر بخشدیں تو یہ کار خیر میں شمار ہو سکتا ہے۔ دنیا میں ترقی اور تمدن کا دور دورہ ہے۔ پرانی اور فرسودہ چیزوں کو تبدیل کرکے ہم نئی اور ترقی یافتہ اسباب مہیا کرتے ہیں۔ اسی طرح تعزیت داری کے موقعہ پر بھی ہمیں اصلاح کرنی ضروری ہے۔

سوگوار افراد کا بھی فرض ہے۔ کہ حتی الامکان خدا اور رسول کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے صبر و رضا کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ کیونکہ دنیا میں تمام کام خدا کے حکم سے انجام پاتے ہیں۔

سونے کی اینٹ

ایک روز جا رہے تھے کہیں حضرت مسیح — اور ساتھ ساتھ تین حواری تھے آپ کے
رستہ میں ایک خشت طلائی نظر پڑی — فرمایا جس کو دیکھ کے تینوں سے آپ نے
یہ چیز وہ ہے کرتے ہیں سب جس کی آرزو — فتنے اسی سے اُٹھتے ہیں لیکن بڑے بڑے
تشویش و فکر سے نہیں ملتی کبھی نجات — اچھا ہے اِس سے آدمی جتنا بچا رہے
کرنا کبھی نہ اِس کی طرف التفات تم — دُنیا خرید نا نہ کہیں دین بیچ کے

لیکن حضور کے یہ سخنہائے دلپذیر — ان کے دلوں پہ کچھ بھی موثر نہ ہو سکے
رہ رہ کے آرہا تھا زر سرخ کا خیال — آگے قدم بڑھانے سے تھے ہچکچا رہے
دنیا کی حرص نے جو کیا دل کو مضطر — لوٹ آئے جلد لیکے اجازت جناب سے
پہنچے وہاں تو باہمی یہ فیصلہ ہوا — آپس میں تینوں بانٹ لیں سونے کو توڑ کے
ایک کھانا مول لینے گیا شہر کی طرف — دو اس کے ٹکڑے کرنے میں مصروف ہو گئے
راستہ میں شہر والے کی نیت بدل گئی — سوچا کہ سارا مال وہ کیوں آپ ہی نہ لے

دونوں کی جان لینے کی خاطر ملا دیا
کھانے میں زہر اس نے کہیں سے خرید کر

دونوں نے اس کے بعد مگر مشورہ کیا — آئے جونہی وہ شہر سے کھانا لئے ہوئے
کر ڈالیں مل کے قتل اُسے اور بانٹ لیں — دو حصے کر کے آپ ہی سونے کی اینٹ کے

القصہ لگ گئی یہ اُس کی واپسی — یعنی وہ اُسکے خون سے جب ہاتھ رنگ چکے
کھانا وہی کہ جس میں ملایا تھا اُس نے زہر — بے فکر ہو کے لیا اور کھانے لگ گئے
کچھ دیر بعد زہر نے لیکن اثر کیا — دونوں کے دونوں جب سے وہیں مر رہ گئے

گذرے جب آپ پھر اسی رستے بعد میں — پائے زمیں پہ تینوں کے لاشے پڑے ہوئے
اور درمیاں میں خشتِ طلائی اسی طرح — بھر آئے اشک آنکھوں میں حالت یہ دیکھ کے
افسوس اُن کے حالِ زبوں پر کیا بہت — فرمایا کر کے اُن کو مخاطب یہ آپ نے

"کرتے اگر ہماری نصیحت پہ تم عمل
یہ روز بد یقین ہے ہرگز نہ دیکھتے"

اندھی

وہ غریب بھی اور اندھی بھی۔ صبح ہی صبح وہ اٹھی۔ اوڑھنی سنبھالی اور گھر سے نکل گئی۔ باہر کی ٹھنڈی ہوا سے اس کا دُبلا پتلا کمزور جسم کانپ رہا تھا۔ وہ کانپتی لرزتی۔ گرتی پڑتی بہ مشکل چھ بجے قمر لاج پہنچ گئی۔ اس وقت تک وہاں کے ملازمین بیدار نہ ہوئے تھے۔ اُس نے آواز دی۔ دروازہ کھٹکھٹایا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ رمیا تھک کر دروازہ سے لگ کر بیٹھ گئی۔ مینہ برسنے لگا اور لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہی گیا۔ ہوا اس قدر سرد تھی کہ محلات کے اندر نرم بستروں اور مخملی لحافوں میں دبکے ہوئے امیر بھی سردی محسوس کر رہے تھے۔

رمیا بھیگ کر کانپ رہی تھی۔ مجبور و بے بس رمیا کو اس وسیع دنیا میں سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ ایسی بھی خدا کی مخلوق ہے۔ جن کے کئی کئی کمرے ضرورت سے زاید بند اور بیکار پڑے ہیں۔ اور ایک یہ خدا کی بندی ہے جس کا کوئی اور کہیں جگہ ٹھکانا نہیں۔

بارش ذرا کم ہوئی بادل پھٹے سورج نے گوشۂ مشرق سے جھانکا اور پھر چہرہ چھپا لیا۔ قمر لاج کے ملازم جاگے اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے۔ رمیا نے پھر پکارا اُس کی آواز سردی کی شدّت سے کانپ رہی تھی۔ کسی نے اس مرتبہ بھی نہ سُنا۔ آخر آٹھ بجے جب گو والا دودھ لیکر آیا تب دروازہ کھلا۔ رمیا بھی اندر داخل ہوئی پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بیگم صاحبہ بیدار تو ہو چکی ہیں لیکن باتھ روم میں تشریف رکھتی ہیں۔ رمیا ڈیوڑھی کے اندر آکر بیٹھ گئی یہاں وہ بھیگ تو نہیں رہی تھی لیکن اُس کا بوسیدہ جمپر اور میلی کچیلی ساڑھی جو بالکل پُرانی اور بوسیدہ تھی اس کی بے چارگی۔ بے کسی اور مظلومیت کی کہانی زبان حال سے کہہ رہی تھی۔ اب بھیگ کر اس کے جسم پر چپک گئی تھی۔ اس وقت ہوا کے تیز و سرد جھونکے رمیا کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے تھے۔ یہ کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن پر کبھی ایسا وقت پڑ چکا ہو۔ ورنہ پختہ عمارتوں میں آرام سے رہنے والے اور اونی کپڑوں میں ملبوس لوگ اس کا کیا اندازہ کر سکتے ہیں۔

کسی کے پیروں کی آہٹ سنکر رمیا گڑگڑاتی ہوئی بولی۔ "بھیا میں ٹھنڈ سے مری جات ہوں۔ تنک موکو چولھے کے پاس لے چلو۔" نہیں! بیگم صاحبہ کا حکم نہیں ہے کہ کچن میں کسی کو آنے دیں۔ یہ کہتا ہوا نتھو چلدیا اور رمیا غریب اسی جگہ ٹھہرتی رہی۔ چائے کے کئی دور ہوئے لیکن کسی نے غریب رمیا کو نہ پوچھا۔

کچھ خدا ہی کو اس کی حالت پر رحم آیا۔ بارش ختم ہوئی۔ سورج نکل آیا۔ رمیا نے بھی کچھ روشنی محسوس کی اور آہستہ آہستہ وہاں سے اُٹھ کر سڑک کے کنارے ایک بھیگے ہوئے پتھر پر بیٹھ گئی جہاں ہوا اور دھوپ سے آدھے گھنٹہ میں اس کے کپڑے سوکھ گئے اور سورج کی گرمی سے اس کی جان میں جان آئی۔ وہ اٹھی اور پھر اندر گئی۔ نوکروں سے معلوم ہوا کہ بیگم صاحبہ اس وقت ڈرائنگ ہال میں ہیں اور ان کے پاس کچھ خواتین آئی ہوئی ہیں۔ رمیا نے کہا "بیگم صاحبہ سے کہدو کہ رمیا دھنیا پینے آئی ہوئی ہے" بہ مشکل گیارہ بجے کہیں بیگم صاحبہ اس طرف تشریف لائیں، رمیا کو دیکھکر فرمانے لگیں۔ اری رمیا تو تو بڑی دیر میں آئی محنت مزدوری کوئی اس طرح کرتا ہے" حضور میں تو بڑی پچھل فجر سے آئی ہوئی ہوں' رمیا نے کہا۔

بیگم صاحبہ۔ ہاں ایسی ہی تو ہے۔ اری تجھ سے ہزار بار کہا کہ ذرا صاف کپڑے پہن کر آیا کر۔

رمیا۔ مجبور (حضور) اور ہیں ہی نہیں۔

بیگم صاحبہ۔ اور اتنا کماتی ہے تو کیا کرتی ہے۔ اچھا خیر

تھو اس کو دھنیاں دیدے اور کوٹھری بتا دے۔ اتنا پیس لیگی تو شام کو دو آنے دونگی۔" ہو حضور" کہکر رمیا دھنیا پیسنے چلی گئی۔ مگر اس کا بھوک سے برا حال تھا۔ رات سے اُس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ تیسرے دو وقت کے فاقے سے ایسے بے جان سے ہوگئے تھے کہ چکی پیسنی مشکل ہو رہی تھی۔

لاج قمر لاج میں چند بیگمات کی دعوت تھی۔ باورچی خانے سے لذیذ کھانوں کی خوشبوئیں آرہی تھیں۔ جن سے رمیا کی بھوک اور تیز ہو رہی تھی لیکن جو بدقسمت ہستی اس دنیا میں اناج کے چند دانوں کی بھی محتاج ہو وہ ایسی خوش ذائقہ چیزیں کہاں پاسکتی ہے۔ میسر لگی۔ کھانا ہوا۔ اس کے بعد نوکروں نے بھی خوب سیر ہو کر کھایا۔ کتے کو بھی کھانا ملا جھوٹن کوڑے پر پھینک دی گئی اور غریب بے کس رمیا بھوک سے بے تاب ہو ہو کر چکی پیستی رہی۔ مہمان خواتین اِدھر بھی تشریف لائیں۔ رمیا کو چکی پیستے دیکھا۔ اس کے متعلق پوچھا اور جب اس کی درد بھری کہانی صاحبہ خانہ نے مختصر الفاظ میں سُنائی تو ہمدردی کے وہ الفاظ جو اس غریب کے زخموں پر نیزہ بن کر لگتے تھے استعمال کئے گئے۔

ایک۔ بہن ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔

دوسری۔ ہاں بہن خدا کسی کو آنکھ کی نعمت سے محروم نہ کرے۔

تیسری۔ اے میں کہتی ہوں اس غریب سے کوئی شادی بھی نہ کریگا

چوتھی۔ ہاں بھلا اس محتاج سے شادی کون کریگا وغیرہ وغیرہ

رات کی سردی۔ دو وقت کا فاقہ۔ اس پر یہ کڑی محنت اور زہر میں بجھے ہوئے یہ الفاظ ایسے نہ تھے جو رمیا کا صبر و قرار کھو نہ دیتے لیکن وہ غریب تھی اس کے پاس اِن تین چیزوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ دل میں طوفان۔ آنکھ میں آنسو اور لب پر آہ۔ وہ رونے لگی عام طور پر چکی گا گا کر پیسی جاتی ہے وہ غریب رُو۔ رُو کر پیس رہی تھی۔ اس کو سردی لگنے لگی اور اب وہ کسی طرح بھی پورا دھنیا نہ پیس سکی۔ چار بج چکے تھے کوئی قریب نہ تھا جس سے کہکر رمیا گھر چلی جاتی ہے۔ آخر کانپتی ہوئی کوٹھری سے باہر نکلی ابھی دو قدم بھی نہ چلنے پائی تھی کہ صحن میں گر پڑی۔ اری گری کیوں پڑتی ہے" ننھو نے گرج دار آواز میں کہا۔ بھیا میں جاتی ہوں یہ دھنیا بیگم صاحب کو دیدو اور پیسے لادو۔" بیگم صاحبہ کہیں جا رہی ہیں" پر بھیا مجھے پیسے تو مانگ کر لادو۔" رمیا نے کہا۔ ننھو کو رمیا کی حالت پر کچھ رحم آیا۔ وہ بیگم صاحبہ کے پاس گیا اور وہاں سے آکر کہا رمیا بیگم صاحبہ کہتی ہیں کہ دھنیا تو پورا پیسا نہیں اور پیسوں کا تقاضا ہے۔ دھنیاں بھی موٹا موٹا پیسا ہے۔ ایک آدھ پیسہ ہوگا تو کل آکر لے لینا۔ رمیا یہ کہتی ہوئی گھر سے نکل آئی اس کے پیر بالکل جواب دے چکے تھے اور اب آگے چلنا اس کے لئے ناممکن تھا۔ گرتی پڑتی۔ گھسک گھسک کر سڑک کے کنارے ایک پیپل کے درخت کے نیچے جاکر پڑ گئی اس وقت اُس کو بخار تیز ہوگیا تھا بھوک اور پیاس کی شدت اب ناقابلِ برداشت ہوتی جارہی تھی کبھی کبھی سانس کے ساتھ ایک ہلکی سی آواز پانی پانی کی نکل جاتی تھی لیکن آہ اس غریب کو کوئی بوند بھر پانی دینے والا بھی نہ تھا۔ اسی طرح شام ہوئی۔ اور شام سے رات۔ رمیا بدستور درخت کے نیچے پڑی تھی کوئی راہگیر سڑک سے گذرتا اور رمیا کی طرف نظر اُٹھ جاتی تو نفرت سے منہ پھیر کر چلا جاتا کتے وغیرہ بھی اس کو سونگھ کر چلے جاتے۔ لیکن رمیا کو ان باتوں کا اب کوئی احساس نہ تھا۔ کیونکہ وہ بے ہوش تھی۔ آہ اس لمبی چوڑی دنیا میں غریبوں کا کوئی سہارا نہیں۔ امیروں کے لئے یہ دنیا بہت وسیع کشادہ اور روشن ہے۔ لیکن غریبوں کے لئے بالکل تنگ و تاریک!

بادل گھِر آئے ہوا چلنا شروع ہوئی کڑک چمک بھی ہوتی رہی اور بارش خوب موسلادھار ہونے لگی۔ سارا پانی رمیا ہی پر برسا۔ نہ جانے اس طوفانی رات میں کس وقت غریب بے کس رمیا کی جان نکل گئی۔ صبح دیکھنے والوں نے دیکھا اور کہا۔ رمیا مر گئی۔ دنیا والوں کیلئے اس قصہ میں کچھ بھی درد نہ تھا اِن کے لئے رمیا کی موت کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی۔

طاہرہ اختر انصاری ناگپور

بہو

لختِ دل لختِ جگر راحتِ جاں نورِ نظر — نیک خو نیک منش نیک ادا نیک سیر

بھولی بھولی تری صورت پہ فدا ہے گھر بھر — جس پہ قربان ہوں سو لعل تو وہ ہے گوہر

خانۂ دل میں کسی سے نہیں ہیٹی ہے تو

مری بیٹی نہیں لیکن مری بیٹی ہے تو

یاد ہے وقت ہے جب گھر مرے روتی آئی — چھُٹ کے اپنوں سے تو منہ سکوڑے دھوتی آئی

خوف تھا دل میں بہت جان کو کھوتی آئی — کیا کرے کوئی کہ یہ رسم ہے ہوتی آئی

ماں بھی مجبور رہو ئی باپ بھی مجبور رہا

تو بھی مجبور تو میں آپ بھی مجبور رہا

لیکن اے جانِ پدر تو نے وہ ایثار کیا — پیار بھی جس پہ نہ آتا ہو اُسے پیار کیا

دل پہ جو غم تھا زباں سے نہیں اظہار کیا — غیر کے واسطے اپنے کو گرانبار کیا

صنفِ نازک ترا احسان ہی کیا کم ہے

سنگدل مرد کی دمساز ہے تو ہمدم ہے

اپنے ماں باپ کی پیاری مری پیاری آئی — کیا غریبوں کے یہاں راج دلاری آئی

زہے قسمت مرے گھر تیری سواری آئی — غُل ہوا بن کے دلہن بادِ بہاری آئی

وہ مہک ہے کہ مہک اٹھا ہے گلشن سارا

مست دل ہو گیا خوش ہو گیا تن من سارا

گھر یہ وہ گھر تھا کہ جس میں تھا ساماں کوئی — ہو بھی سامان نہ تھا اس کا نگہباں کوئی

پاسباں کوئی محافظ نہ تو نگراں کوئی — پوچھنے والا ہی تھا کوئی نہ پرساں کوئی

دیکھنے والا نہ تھا دیکھنے والا آیا

روشنی آئی مرے گھر میں اجالا آیا

تجھ سے وابستہ ہیں سب کام بھلے دنیا میں — میں دعا دیتا ہوں تو پھولے پھلے دنیا میں

تیرا اقبال نہ تا عمر ڈھلے دنیا میں — حشر تک یونہی ترا نام چلے دنیا میں

بھرے اُمید کے پھولوں سے یہ دامن تیرا

شاد آباد رہے دہر میں گلشن تیرا

مائل انصاری خیرآبادی

بقایا مضمون صفحہ ۲۵ اکا

یہ سلسلہ تین سے چل کر بلد امین (یعنی مکہ) پر ختم ہوتا ہے چاروں نام مقامات ہی کے ہیں، اور یہی فیصلہ صحیح معلوم ہوتا اور ہونا چاہیے۔

حق یہ ہے کہ تین اور زیتون دونوں پہاڑیوں کے نام ہیں، اور وہ یروشلم (بیت المقدس) کے قریب ہیں۔ ان سے مراد ہے حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کا مقام وعظ و تلقین پھر طور سینین کے ذریعے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے مقام تجلی و کلام باری کا یاد دلانا مقصود ہے، اور سب سے آخر میں "ہذا البلد الامین" میں خود حضرت سرور کائنات نبی اُمی (مکی) کے مقام ولادت شریفہ اور مقام وعظ و تلقین و دعوت بہ توحید یعنی مکۂ مشرفہ کا ذکر ہے۔ ان چاروں مقامات کے ذکر سے قسم بیان کر کے جواب قسم یہ دیا ہے کہ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۔۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ ان چاروں مقامات سے دنیا کی جن تین بہترین اور بزرگ ترین اور برگزیدہ ترین ہستیوں (جلیل القدر پیغمبروں) کو تعلق ہے ان کی پاک اور بلند زندگیاں ثابت کرتی ہیں کہ ہم (اللہ) نے انسان کو بہترین تقویم میں بنایا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس سے بہ آسانی اور بخوبی اندازہ ہوگا کہ اس آیت شریفہ میں تین اور زیتون، انجیر اور زیتون کے پھل نہیں ہیں۔ زیادہ بحث نہ ضروری ہے نہ سودمند، اس پر غور کر لینا کافی ہے کہ پھل اور ان کے بعد طور اور مکہ کا مذکور عجب اَن مِل بے جوڑ سی بات ہو جائے گی! ضد کی بات دوسری ہے مگر عقل سلیم کا تقاضا یہی ہے کہ چاروں نام مقامات ہی کے ہوں۔

مجھے صرف یہی عرض کرنا تھا، اور بس۔ ظاہر ہے کہ اس معروضے میں نہ مجھے انجیر اور زیتون کے پھلوں کے مفید ہونے میں شک شبہ یا اعتراض ہے، اور نہ فاضلہ بہن و۔ اصاجبہ کے مضمون کے نفس کو اس سے کوئی صدمہ پہنچتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ میری اور جملہ خواتین کی محترمہ میرے ان مختصر الفاظ سے برا نہ مانیں گی۔ میں نے محض "واجب جان کر عرض کیا" ہے۔ محمد نعیم الرحمٰن، الہ آباد۔

جاکو کی سیر

ستمبر کا نہایت خوشگوار موسم تھا ہم دس لڑکیوں نے جو شملہ میں ایک دوسرے کے قریب رہتی تھیں، صلاح کی سب ملکر جاکو چلیں۔ ٹھیک گیارہ بجے ہم سب سنجولی کے راستے جا رہی تھیں۔ کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد چلتے چلتے ہمیں خیال آیا کہ بندروں کے لئے کچھ ناشپاتی اور آڑو بھی خرید لیں۔ اور نیچے کے راستے سے چلیں جہاں ایک مالن رہتی تھی اور اکثر ہماری کوٹھی میں چیزیں بیچنے آتی تھی۔ چنانچہ ہم سب نیچے کی طرف چل پڑے اور مالن کے گھر کے قریب جاکر اُسے آواز دی۔ وہاں صرف ایک چھوٹا سا لڑکا تھا۔ اُس نے ہمیں بتایا کہ مالن اس وقت باہر گئی ہوئی ہے۔ ایک گھنٹہ تک آئیگی۔ ہم نے اس سے کہا مالن سے ہمیں کوئی خاص کام نہیں تم ہمیں آڑو اور ناشپاتی توڑ دو اور ہم سے پیسے لو لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اب ہم سوچنے لگے کہ کیا کریں۔ اتنے میں مکان سے ایک عورت نکلی اس کے سر کے بال بہت چھوٹے تھے۔ وہ ہمیں دیکھکر ہنستی ہوئی ہمارے قریب آئی۔ رفیقہ نے اسے سلام کر کے کہا۔ "اچھی بہن ہمکو آڑو دو۔ تم بھی تو یہیں رہتی ہو"۔ مگر اس عورت نے ایک قہقہہ لگایا اور رفیقہ کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ اور چھوٹا لڑکا جو اس کا بھائی تھا کہنے لگا "یہ کچھ پاگل سی ہے تمہاری بات نہ سمجھیگی"۔ مگر رفیقہ نے کہا "ہم اس سے باتیں کریں گے وقت گزر جائیگا۔ پھر مالن بھی آجائیگی اور ہم آڑو وغیرہ خرید کر آگے چلیں گے موسم بہت اچھا ہے کچھ دیر اس سے باتیں کرینگے"۔ ہمارے ساتھ دو نوکر تھے ان کے پاس سب کی چھتریاں تھیں۔ انھیں ہمنے آگے بھیجدیا کہ آڑو کہیں اور سے اگر ملیں تو خرید لائیں۔ کچھ لڑکیاں ایک قریبی کوٹھی میں اپنی ملنے والیوں کے ہاں چلی گئیں۔ اب ہم کل پانچ لڑکیاں رہ گئی تھیں۔ اس نیم پاگل عورت نے انھیں جاتا دیکھ کر عجیب قسم کی آواز سے بلایا۔ رفیقہ اس کے قریب کھڑی تھی اُس سے کہنے لگی "اچھی بی تم ہماری سہیلی بن جاؤ۔ ہم تمھیں لاہور لے چلیں گے"۔ اس نے ہنسکر سر ہلا دیا۔ رفیقہ نے کہا "یہ تو اچھی خاصی ہے پاگل کہاں سے آئی" پھر پوچھا "مالن تمہاری بہن ہے" اُس نے سر ہلایا اور ایک اونچے سے پتھر پر جا کھڑی ہوئی۔ رفیقہ نے کہا اچھی بی نیچے اتر آؤ اور ہمیں ناشپاتی دو۔ یہ کہکر اس کا ہاتھ جو پکڑنے لگی تو وہ بیچاری گر پڑی۔ اور ہم سب حیران چُپ کھڑی رہیں۔ بجائے اس کے کہ اسے اٹھاتیں سب خاموش اسے دیکھتی رہیں۔ وہ بیچاری دو منٹ کے بعد روتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہم سب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ خوفزدہ ہو کر بھاگے۔ وہ ہمیں بھاگتا دیکھکر عجیب و غریب آوازیں نکالتی ہوئی ہمارے پیچھے بھاگی۔ چونکہ چڑھائی تھی اور سانس پھول گئی تھی اس لئے ہمیں رُکنا پڑا وہ بیچاری دور کھڑی ہو کر روتے ہوئے ہمیں بد دعائیں دے رہی تھی۔ یکایک ہمیں خیال آیا کہ ہم کس قدر بیوقوف ہیں۔ بجائے اس کے کہ اس سے معافی مانگیں۔ پاگلوں کی طرح بھاگ رہی ہیں۔ پھر اس کا رونا دیکھ کے ہمیں بہت ترس آیا اور واپس لوٹے کہ اس سے معافی مانگیں اور سمجھائیں کہ ہمارا قصور نہیں ہے بلکہ جہاں وہ کھڑی تھی وہ جگہ تھی ہی خطرناک ہمنے اسے آواز دی اور اس کی طرف چلیں ہمیں اپنی طرف آتا ہوا دیکھکر وہ نہایت تیزی سے گھر کی طرف بھاگی اور ہم بھی اس کے پیچھے پیچھے، تاکہ وہ ہم سے پہلے گھر میں نہ چلی جائے۔ اتنے میں ہمنے دیکھا کہ مالن سامنے سے اپنے گھر آرہی ہے۔ اس نیم پاگل عورت نے روتے ہوئے مالن کو یہ سمجھایا کہ ہمنے اُسے ایک بہت بڑے پتھر سے گرا دیا اور سب مارنے کے لئے اس کے پیچھے بھاگ رہی ہیں مالن نے ہمیں وہاں پہنچتے ہی کہا "واہ بی بی یہ کیا مذاق ہے ایک بیچاری غریب لڑکی کو اس طرح مارتے ہیں"۔ ہم نے اُسے سارا حال سنایا اور کہا ہم تو اس سے معافی مانگنے آئے ہیں ہمارا کچھ قصور نہیں" مگر مالن نے کہا "بی بی اس سے معافی کیا مانگنی یہ تو پاگل سی ہے ہاں آگے کو اس سے بات نہ کرنا اس کی سمجھ کچھ کم ہے"۔ ہم نے اسے آواز دی "اچھی بی ہمکو معاف کر دو اور اگر چوٹ ہی لگی ہے تو آؤ ہم دبا دیں" مگر وہ ہم سے اس قدر ناراض تھی کہ مکان کے اندر

کتھّا

ہم صبح سے شام تک پان کھاتے رہتے ہیں۔ اور اس میں کتھّا استعمال کرتے ہیں۔ یہ تو بتائیے یہ کتھّا کیا چیز ہے۔ کیونکر بنتا ہے کس طرح حاصل ہوتا اور کہاں سے آتا ہے۔ ایک سال پہلے مجھ سے یہ سوال کیا جاتا تو میں کہتی کہ بہن ہمیں آم کھانے سے مطلب ہے پیڑ کیوں گنیں۔ اور پھر کتھّا ایسی کیا نایاب چیز ہے۔ ہر جگہ ملتا ہے۔ اور زیادہ سوچتی تو شاید کانپور کا پتہ بتا دیتی لیکن ان دنوں جنگلوں میں رہنے کی وجہ سے کتھے کی صنعت کے متعلق مجھے تفصیلی حالات معلوم ہوئے۔ اور میں نے خود جاکر کارخانہ دیکھا اسلئے ارادہ ہوا کہ بہنوں کیلئے یہ حالات قلمبند کرکے پیش کروں شاید بہنیں پسند فرمائیں۔ اس مضمون میں جہاں قیمتوں اور مزدوریوں کا ذکر ہے اس کو امن کے زمانے کا سمجھنا چاہئے۔ آج کل تو جنگ کی وجہ سے ہر چیز کی قیمت اور لاگت بڑھ چڑھ گئی ہے۔

کتھّا کیا چیز ہے کتھّا اصل میں ایک درخت بنام کھیر کی لکڑی کا کیسلا ست ہے جو پانی میں جوش کرکے نکالا جاتا ہے۔ اس میں بہت سی کیمیاوی چیزیں ہوتی ہیں۔ مثلاً کیٹیچو، ٹینک ایسڈ وغیرہ زیادہ تر میں طبی نقطۂ نظر سے کتھے کی خاصیت دو درجہ سرد خشک ہے۔ قابض ہے اور خشکی لاتا ہے۔ دستوں کو بند کرتا ہے۔ ورم کے مواد کو پکاتا ہے۔ دانت اور مسوڑھوں کو قوی کرتا ہے۔ اس کی چسکی منہ آنے کو مفید ہے۔ آنتوں کی خراش۔ تپ اور مروڑ آنتوں کے زخم کو مفید ہے۔ پیٹ کے کیڑے مارتا ہے۔ یرقان۔ جذام اور فساد خون کو نافع ہے کتھّا ببول (کیکر) کا بھی بنتا ہے لیکن وہ ناقص ہوتا ہے۔ کھیر کا درخت ببول سے بہت مشابہ ہوتا ہے ببول کے کانٹے دوہرے بڑے بڑے اور سفید ہوتے ہیں۔ کھیر کے چھوٹے۔ مڑے ہوئے ڈالی سے چپکے ہوئے سیاہی مائل ہوتے ہیں۔ یہ درخت ہندوستان میں بہت پایا جاتا ہے۔ زیادہ تر یہ دریا کے کنارے یا ان جزیروں میں ملتا ہے جو دریا کے بیچ میں بن جاتے ہیں۔ پنجاب میں کم ہوتا ہے۔

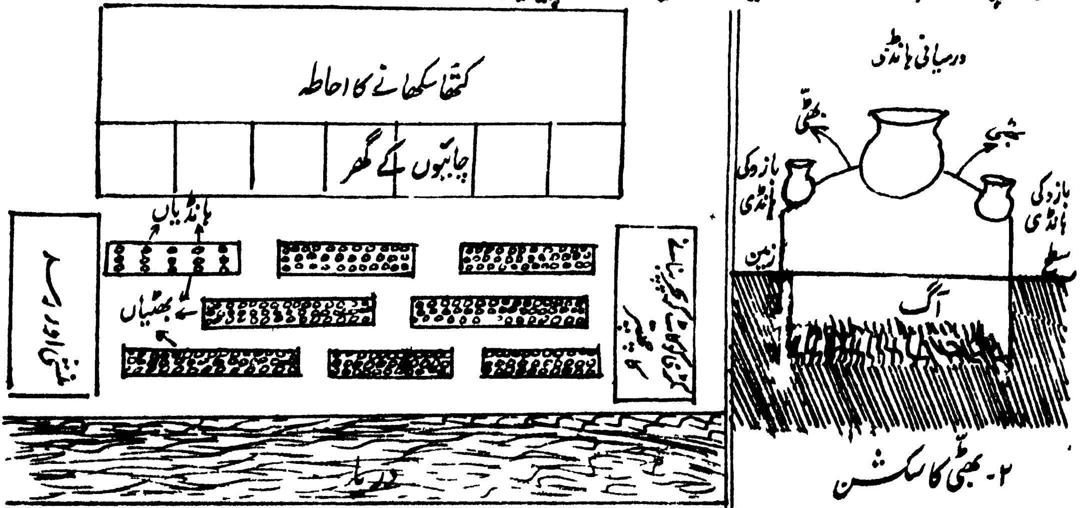
کتھّا کیسے بنتا ہے اصل کام لکڑی کا ست کشید کرنا ہے۔ اور یہ پانی میں جوش کرنے سے حاصل ہوتا ہے پھر اس محلول کو اُبال کر خشک کر لیتے ہیں۔ لیکن عملاً یہ سادی سی بات بہت محنت اور وقت چاہتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ ہر ایک شخص اگر کتھّا بنانا چاہے تو نہیں بنا سکتا۔ گونڈہ ضلع میں ایک قوم پائی جاتی ہے جس کے عورت مرد سب کتھّا بنانے کا کام کرتے ہیں۔ جو سیٹھ ساہوکار کتھے کا بیوپار کرنا چاہتے ہیں۔ وہ پہلے تو کھیر کے درخت محکمہ جنگلات سے خرید لیتے ہیں۔ اور پھر گونڈہ کے ضلع جاکر "چائیوں" کے کسی مکھیا (چودھری) سے کتھّا بنانے کا معاملہ طے کرتے ہیں۔ ان کی مزدوری یومیہ یا ماہوار کسی خاص مدت کے لئے نہیں ہوتی بلکہ کتھے کی قیمت طے ہو جاتی ہے یعنی جو گھرانا جتنا کتھّا آخر میں تیار دے گا اس کے حساب سے قیمت دی جائیگی۔ درخت تو سیٹھ نے خرید دیے۔ اب اس کے بعد ہر کام چائی لوگ کریں گے سیٹھ کسی چیز کی اجرت نہ دے گا۔ جب تمام کام ختم ہو گا تو بنے ہوئے کتھے پر فی بورا ایک مقرر رقم دی جائیگی۔ اس رقم کی مقدار بہت سی وجوہ پر منحصر ہوتی ہے۔ مثلاً بازار کا بھاؤ۔ آب و ہوا۔ درختوں کی اچھائی برائی وغیرہ عموماً ۳۰ روپیہ سے ۹۰ روپیہ بورا تک قیمت دی جاتی ہے۔ ایک بورا ان لوگوں کے حساب سے ڈیڑھ من کا کہلاتا ہے۔ لیکن ان کا من ساٹھ سیر کا ہوتا ہے۔ گویا ایک بورے کا اصل وزن ہمارے حساب سے دو من دس سیر ہوا۔ چائیوں سے اس طرح معاملہ کرنے میں ایک مشکل یہ رہتی ہے کہ چونکہ مزدوری کام کے ختم پر واجب ہوتی ہے جس میں کافی عرصہ لگتا ہے۔ اس وقت تک چائیوں کے گذارے اور ضروریات کے لئے کہاں سے روپیہ آئے۔ اس کا انتظام یہ ہوتا

ہے کہ جب سیٹھ چائیوں کے گھرانوں کو گونڈہ سے جنگل میں لاتے ہیں آخر وقت تک ہر گھرانے کو اس کے حساب میں پیشگی رسد اور نقد دیتے رہتے ہیں۔ اور آخری حساب کے وقت یہ سب معہ سود کے مجرا کر لیتے ہیں۔ اس کام کے لئے سیٹھ ایک منشی بھی مقرر کر دیتا ہے جو من مانی قیمت پر رسد ادھار دیتا ہے۔ منشی پر زیادہ سے زیادہ ۵۰ روپیہ ماہوار خرچ ہوتا ہے۔ یہ سیٹھ کے ذمہ ہوتا ہے۔

۲۔ تین فٹ گولائی کے یا اس سے زاید موٹے کھیر کے درخت کتھا بنانے کے لئے مناسب سمجھے جاتے ہیں یہ تقریباً ۵ سے دس روپیہ فی درخت تک بکتے ہیں۔ بندھیل کھنڈ کی طرف سنا ہے کہ بہت چھوٹے درخت بھی کتھا بنانے کے کام آتے ہیں۔ درخت میں لکڑی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک ہلکے رنگ کی سفیدی مائل کچی لکڑی جو باہر کے رُخ ہوتی ہے اور ایک سیاہی مائل سُرخ بیچ کی پکی لکڑی کتھے کے لئے یہی پکی لکڑی کارآمد ہوتی ہے۔ ایک درخت سے اوسطاً تقریباً ۲۰ سیر کتھا نکلتا ہے۔

۳۔ ا۔ ابتدائی تیاری چائی لوگ جنوری میں جنگلوں میں پہنچ جاتے ہیں اور یہاں پہنچ کر سب سے پہلے وہ اپنے کارخانہ کی بھٹیاں ہمیشہ دریا کے کنارے بناتے ہیں۔ کیونکہ اس کام میں پانی بہت صرف ہوتا ہے بھٹیاں خاص طور سے بھُس گوندا اور مٹی ملا کر بنائی جاتی ہیں۔ بھٹی پر ایک ایک قطار قوسی میں تین تین ہانڈیاں آجاتی ہیں۔ ایک ایک دائیں بائیں پہلو میں اور ایک بھٹی کی چوٹی پر درمیان میں۔ بھٹی کی طوالت گھرانے کی وسعت پر منحصر ہے۔ ایک بھٹی پر بیس سے پچاس ہانڈیاں تک بیک وقت چڑھائی جاسکتی ہیں۔ یہ ہانڈیاں بھی خاص طرح کی بہت ہلکی ہلکی چھٹکے منہ کی اور مٹی کی ہوتی ہیں۔ چائی لوگ ان کو اپنے ساتھ اپنے گھروں سے لاتے ہیں۔ ان کی قیمت پانچ روپیہ سینکڑہ ہوتی ہے۔ کارخانے اور بھٹی کا نقشہ حسب ذیل ہے۔



۱۔ کتھے کا کارخانہ

ب۔ قوام بنانا بھٹیوں کی تیاری کے بعد سب سے پہلے کھیر کے درخت کو پہلے جڑ سے کھود کر گراتے ہیں اور اندر کی پختہ لکڑی کے مناسب ٹکڑے کرکے اس کو کارخانے لیجاتے ہیں۔ جہاں ایک سایہ کی جگہ میں ان کی چھوٹی چھوٹی پچھریں بنا لیتے ہیں۔ ان پچھروں کو پانی کے ساتھ ہانڈیوں میں بھر کر بھٹی پر چڑھاتے ہیں بعد بھٹی میں آگ دہکا دی جاتی ہے۔ جب لکڑی کا پورا ست نکل آتا ہے۔ تو پہلے درمیانی ہانڈی کو چھانا جاتا ہے۔ بیکار بھوک لکڑی کی پچھریں الگ پھینک دی جاتی ہیں اور ست پھر ہانڈی میں ڈالدیا جاتا ہے پہلی بار کے بعد پھر کبھی درمیانی ہانڈی میں پچھریں نہیں ڈالی جاتیں۔ بازو کی ہانڈیوں میں جب ست پانی میں کھنچ آتا ہے تو وہ بھی درمیانی ہانڈی میں چھان کر بے کار پچھریں پھینک دی جاتی ہیں جو بعد میں بھٹی میں جلائی جاتی ہیں۔ بازو کی ہانڈی میں جب ست تیار ہو رہا ہو ایک ناریل کی ڈونگیا سے دیکھتے ہیں۔ جب ایک تار کا قوام ہو جاتا ہے تو کشید کو مکمل سمجھا جاتا ہے اس کو بھی درمیانی ہانڈی میں ڈالدیتے ہیں۔ چھاننے کی چیز کو "چھاپا" کہتے ہیں۔ جو مہین شاخوں کو تانا بانا کرکے بنایا جاتا ہے ہانڈی کو اٹھانے کے لئے چٹائی کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس کو "چھاؤنٹا" کہتے ہیں۔ خالی ہونے کے بعد بازو کی ہانڈیوں میں پھر نیا پانی اور لکڑی بھر کر جوش کرنے رکھدیا جاتا ہے۔ درمیانی ہانڈی

ہیں جو عرق ہوتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ گاڑھا ہوتا رہتا ہے۔ بھٹی رات دن مسلسل دہکتی رہتی ہے جب تک کہ کام ختم نہ ہو جائے۔ ہانڈیوں میں اُبال کو روکنے کے لئے ایک دلچسپ چیز استعمال کرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بانس کی ایک پور اس طرح کاٹ لیتے ہیں کہ ایک طرف گانٹھ کی وجہ سے منہ بند رہے اور دوسری طرف کھلا ہوا۔ اس نلکے میں ارنڈی کے کچھ بیج ڈالتے ہیں اور ایک لکڑی کی ڈنڈی سے ان کو کچل لیتے ہیں۔ جب ہانڈی میں اُبال آتا ہے اس ڈنڈی کو نکال کر اس میں ہلا دیتے ہیں اُبال رک جاتا ہے۔ درمیان کی ہانڈی کا قوام جب تین تار کا ہو جاتا ہے تو اس کو ہانڈی سے ایک لکڑی کی لمبوتری ناند میں جس کو وہ کٹھڑا کہتے ہیں نکال لیتے ہیں۔ یہ کٹھڑا سینبھل کی لکڑی کا ہوتا ہے جسکے ۸ یا دس فٹ لمبے موٹے تنے کا حصہ لیکر اس کو بیچ میں سے خالی کر کے کشتی نما بنا لیتے ہیں۔ سینبھل غالباً اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ اس کی لکڑی بہت مسام دار ہوتی ہے اور پانی کو جذب کر کے الگ کر دیتی ہے۔ اس کا درخت دس روپیہ کا ملتا ہے۔ اور یہ قیمت بھی سیٹھ ہی کے ذمے ہوتی ہے۔ قوام درمیانی ہانڈی سے روزانہ اس کٹھڑے میں ڈالتے رہتے ہیں۔ یہ کٹھڑا ہر بھٹی اور ہر گھرانے کا الگ ہوتا ہے اور رہنے کی چھپر میں ایک طرف رکھا رہتا ہے۔ دو دن بعد کٹھڑے میں سے قوام کو کھتے میں منتقل کرتے ہیں۔ یہ کھتہ ایک گڑھا ہوتا ہے تقریباً ایک فٹ گہرا اور حسب ضرورت چوڑا چکلا۔ یہ بھی رہنے کی جھونپڑی میں ایک طرف ہوتا ہے۔ اس گڑھے کی چاروں طرف دیواروں پر ٹاٹ لگا دیتے ہیں تاکہ مٹی جمع شدہ کھتے پر نہ گرے۔ تہہ یونہی خالی رہتی ہے تاکہ پانی سب جذب ہو جائے۔ جب تک بھٹی چلتی رہتی ہے (تقریباً دو مہینے) کتھا اس کھتے میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ اور بھٹی کے کام کے ختم پر صرف سکھانا رہ جاتا ہے۔

ج۔ سکھانا پہلے جھونپڑی میں ہی بالو ریت بچھاتے ہیں پھر کھتے سے سارا کتھا نکال کر اس پر موٹا موٹا پھیلا دیتے ہیں اس کا دَل تقریباً ۹ انچ کا ہوتا ہے۔ آٹھ دن تک اسی حالت میں سوکھتا رہتا ہے آٹھ روز بعد اس کو نو انچ لمبے اور نو انچ چوڑے ٹکڑوں میں کاٹ لیتے ہیں۔ اور اب ان نو انچ مکعب ٹکڑوں کو پہلی بار دھوپ میں سکھانے کے احاطے میں بالو ریت پر ڈال دیتے ہیں۔ تین دن بعد تقریباً ایک ایک انچ موٹے توس جیسے ٹکڑے کاٹ لئے جاتے ہیں اور یہ پھر دو روز تک سکھائے جاتے ہیں۔ دو روز بعد پھر ان توسوں کو ایک ایک انچ چکلے اور نو نو انچ لمبے قلمی بڑوں جیسے ٹکڑوں میں کاٹ لیا جاتا ہے۔ یہ قلمی بڑے بھی چار روز تک سوکھتے ہیں۔ اب آخر مرتبہ ان قلمی بڑوں کو کاٹ کاٹ کر ایک انچ مکعب ٹکڑے کر لئے جاتے ہیں جو آٹھ روز تک سکھائے جاتے ہیں۔ اس طرح گویا کل سکھانے کا عمل ۲۵ دن میں پورا ہوتا ہے۔ کاٹنے کا سارا کام ایک اوزار سے کیا جاتا ہے جو "ہنسیا" کہلاتا ہے۔ میدان کے اندر سکھانے کے دوران میں یہ بھی ممکن ہے کہ بارش ہو جائے۔ اس کے لئے یہ احتیاط ضروری ہے کہ سینتل پانی مہیا رہے تاکہ بروقت ضرورت کتھا فوراً ڈھانک دیا جائے۔ بعض دفعہ باوجود احتیاط کے کتھا کماحقہ نہیں سوکھتا اور کچھ سیل رہ جاتی ہے۔ اس کے لئے کتھے کو "دمسا" دینا پڑتا ہے۔ دمسا اس طرح دیا جاتا ہے کہ کتھے کے کٹے ہوئے ٹکڑوں کو جمع کر کے ان کو تن۔ بڑ اور دیگر درختوں کے پتوں سے خوب ڈھک دیا جاتا ہے۔ اور تین دن تک یونہی رہنے دیتے ہیں۔ اس کے بعد کھولتے ہیں۔ تو کتھا بالکل خشک نکلتا ہے اور بوروں میں بھرنے سے چپکتا نہیں۔ دمسا دینے سے کتھے کا رنگ بھی اچھا اور یکساں ہو جاتا ہے۔ اب بوروں میں بھر بھر کر کانپور بھیجا جاتا ہے۔

پوجا کتھا بنانے کے دوران میں چائی کتھے کی تین بار پوجا بھی کرتے ہیں۔ ایک تو بالکل اوّل اوّل جب کام شروع ہی کرتے ہیں۔ دوسری بار اس وقت جبکہ پہلی دفعہ کتھا کھتے سے نکال کر جھونپڑی میں بالو ریت پر پھیلایا جاتا ہے۔ تیسری اور آخری دفعہ اس وقت جب کام ختم ہو جانے پر بورے بھرے جاتے ہیں۔ آخری پوجا جب تک نہ ہو جائے چائی کسی بھاؤ بھی کتھا باہر نہیں لیجانے دیتے۔

جمع خرچ۔ اگر ایک من کتھے کا حساب جوڑا جائے تو قریب قریب اس طرح ہو۔

خرچ:۔ قیمت درخت ۱۴ روپیہ۔ بنوائی کتھا ۲۵ روپیہ۔ منشیانہ۔ سینبھل اور دیگر متفرقات ۸ آنہ۔
کانپور تک لے جانا (چار سو میل کے فاصلے تک سے) مع چنگی آڑت وغیرہ ۲ روپیہ ۸ آنہ۔
کانپور کی دکان پر پہنچکر کل خرچ ایک من پر ۴۲ روپیہ۔

آمد:۔ کانپور میں اسی زمانے کا تھوک کا بھاؤ جب مندرجہ بالا خرچ لگایا۔ فی من ۵۵ روپیہ۔ **نفع:۔** ۱۳ روپیہ فی من۔

بیگم اسد انوری نگینہ پور

انجیر اور زیتون

عصمت کے مئی گزشتہ (سنہ ۱۹۴۲ء) کی اشاعت میں بہن و۔ا نے ایک مختصر و مفید مضمون (صفحہ ۲۹۶) "انجیر اور زیتون" کے عنوان سے سپردِ قلم کیا ہے۔ مضمون میں صرف دو پارے ہیں، جن میں موصوفہ نے اپنے خاص (اور سہل ممتنع) اندازِ تحریر میں گویا انجیر اور زیتون کا عطر کھینچ کر رکھ دیا ہے۔

مجھے اس وقت ان سطروں میں محترمہ موصوفہ کے صرف اس فقرے کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے، جہاں فرمایا ہے کہ "اس (انجیر) کی خوبیاں شمار سے باہر ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ سورہ والتین میں اس کی قسم آئی ہے۔ زیتون بھی ایسا ہی ہے۔۔۔۔"

بہن صاحبہ کے قول میں انجیر کی خوبیوں کا شمار سے باہر ہونا تو خیر ایک محبانہ مبالغہ ہے، مگر فاضلہ کا یہ خیال ضرور قابل نظر ہے کہ "یہی وجہ ہے کہ سورۂ والتین میں اس کی قسم آئی ہے۔" بہن کی نگاہ سے ضرور ایسی تفسیریں گزری ہوں گی جن میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہوگا لیکن اس میں شبہ کرنا ناجائز نہ ہوگا کہ انجیر کے فوائد اللہ میاں کی اس قسم کے باعث ہوئے ہیں۔ ایک امر تو یہ ہے، اور دوسرا یہ کہ بہن نے اس پر بھی غور نہیں فرمایا کہ قرآن کریم کی آیت والتین والزیتون میں انجیر اور زیتون کے پھل مراد نہیں ہیں۔ اس باب میں مختصر طور پر کچھ عرض کرتا ہوں۔

قرآن کریم کے یہ الفاظ ایک چھوٹی سی صورت کے شروع کے الفاظ ہیں۔ سورت کا نام بھی ان پہلے الفاظ والتین کی مناسبت سے والتین ہی رکھ دیا گیا ہے۔ سورت چار چیزوں (؟) کے ناموں کے ذکر سے شروع ہوتی ہے۔ الفاظ یوں ہیں کہ والتین والزیتون وطور سینین وھٰذا البلد الامین۔ تین، زیتون، طور سینین، البلد الامین ہر ایک سے پہلے جو واؤ ہے وہ قسم کے معنی دیتی ہے یوں اللہ میاں نے ان چار کی قسم کھائی ہے۔ ان میں سے دوسرے دو (یعنی طور سینین اور بلد امین) کے بارے میں اہل علم بھی متفق ہیں، اور معمولی علم کا انسان بھی بہت جلد سمجھ سکتا ہے کہ ان سے بالترتیب طور سیناء کا پہاڑ اور مقام، اور مکہ مشرفہ مراد ہیں۔ بالکل اسی طرح تین اور زیتون سے بھی مقامات ہی مراد ہیں نہ کہ پھل!

آپ اور تفسیروں کو چھوڑ دیجئے، کہاں تک دیکھیے گا، صرف ایک طبری کی تفسیر کا ملاحظہ کافی ہوگا، جو ایک بسیط اور جامع تفسیر ہے۔ طبری ہر آیت کی تفسیر کرتے وقت وہ تمام قول (حتیٰ الوسع) بیان کر دیتے ہیں، اور اس تفسیر کے بیان کرنے والوں کے نام بھی بتا دیتے، جو انھیں معلوم ہوئے ہوں۔ جناب طبری نے اس آیت کے ان شروع کے دو لفظوں (والتین والزیتون) کے متعلق چار قول نقل کئے ہیں۔

(۱) تین سے انجیر کا پھل مراد ہے جو کھایا جاتا ہے، اور زیتون سے وہ پھل مراد ہے جس کا تیل نکالا جاتا ہے (۲) تین سے دمشق کی مسجد، اور زیتون سے بیت المقدس مراد ہے (۳) تین سے مسجد نوح مراد ہے اور زیتون سے بیت المقدس یا ایلیا کی مسجد (۴) تین اور زیتون دونوں پہاڑوں کے نام ہیں۔

اب چاروں اقوال پر غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ کثرت رائے تین اور زیتون کے مقامات ہونے ہی کی طرف ہے۔ اسی طرح طبری کا بیان ہے کہ طور سینین جبل موسیٰ ہے۔ ایک اور قول انھوں نے نقل کیا ہے کہ تین، زیتون اور طور سینین سب مسجدوں کے نام ہیں اور سب پہاڑ ہیں۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ تین اور زیتون پہاڑوں کے (جگہوں کے) نام ہیں۔

([illegible])

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

چند سنگھاری ہدایات

جن کی آنکھوں میں زردی زیادہ پائی جاتی ہو انھیں سرخ لباس نہیں پہننا چاہیئے۔
نیلگوں آنکھوں والی بیبیوں کو ہلکا نیلا لباس پہننا چاہیئے ورنہ اُن کی آنکھیں گہرے نیلے رنگ کے لباس کیوجہ سے ماند پڑ جائیں گی حالانکہ دلکشی حاصل کرنے کے لئے آنکھوں کی چمک دمک غالب ہونی چاہیئے۔

کولھے زیادہ بھاری ہو جائیں جن کی وجہ سے جسم بھدا معلوم دے انھیں گھٹانے کے طریقہ یہ ہے۔ کولھوں پر ہاتھ رکھ لیں۔ ایک ٹانگ اٹھا کے چھ دفعہ آگے جہاں تک اوپر کو لے جائی جائے۔ لے جائیں چھ دفعہ پہلو میں پھیلائیں اور چھ دفعہ پیچھے لے جائیں۔ اسی طرح دوسری ٹانگ سے کریں۔ ابتدا میں تکلیف ہوگی۔ سانس اکھڑ اکھڑ جائیگا مگر بعد میں مشق ہو جائیگی۔ اگر ورزش تھکن کی وجہ سے روکنی پڑے تو اس کا بدلہ یہ ہو سکتا ہے چت لیٹ جائیں اور ٹانگیں اوپر کھڑی کر کے اس طرح چلائیں گویا الٹی حالت میں بائیسکل چلائی جا رہی ہے۔

عمر کا اثر گردن پر معلوم ہوتا ہے۔ لکیریں اور جھریاں پڑنی شروع ہو جاتی ہیں۔ دوسرے سے مالش اس کرائی جا سکتی ہے کہ بالوں میں کنگھی کر کے انھیں بالکل پیچھے لے جائیں کہ وہ مالش میں رکاوٹ نہ ڈال سکیں خود دماغ سے ہر قسم کا خیال نکال دیں۔ دوسری سر کے پیچھے کھڑی ہو کے پوروں سے مالش کنپٹیوں سے شروع کرے۔ پورے پیشانی کے بیچ میں رکھ کے ہلکی مالش کی حرکت سے سر کے بالکل پیچھے دونوں ہاتھوں کو لا کے گدی تک لے جا کے باہم ملا دے۔ پھر وہاں سے انھیں علیحدہ کر کے گلے کے آگے تک لے جا کر پھر پیچھے تک لے جائے۔ اس عمل کو وہ کچھ دیر کرتی رہے۔ رات کو روغن زیتون سے خود مالش کر کے سو جائیں۔ اس کا عمل یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں زیتون کے تیل میں ڈبوئیں گردن کا بایاں حصہ بدور شکل میں ملیں۔ دوسرے ہاتھ سے یہی عمل گردن کے دائیں حصہ میں کریں۔ اس حرکت سے پٹھے اور نسیں بنتی ہیں کیونکہ اس سے گردش خون کو تیز کر دیتی ہے اور فاقہ زدہ جلدی خانوں کو غذا پہنچاتی ہے۔ یہ عمل باقاعدہ کرتے رہنے سے گردن میں مضبوط صفائی آجائے گی۔

نیند نہ آنے کی وجہ سے آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ جائیں تو لینولائن Lanoline کی ایک ٹکی لے لیں اور اس میں سے تھوڑی سی لے کے آنکھوں کے نیچے رات تھپکیں۔ یہ عمل کولڈ کریم کی مالش کے بعد ہونا چاہیئے۔

بالوں کی صفائی

مغرب میں تو مشاطاؤں کی دکانیں قائم ہیں۔ عورتیں وہاں باقاعدہ جا کے آرائش کا سامان کرتی ہیں۔ یہاں یہ چیز میسر نہیں۔ ہماری بیبیاں خود اپنے بال سنوار سکتی ہیں۔ بال چکنے ہوں یا خشک ان کے لئے علیحدہ علیحدہ لوشن دستیاب ہو سکتے تھے مگر آج کل کمیاب ہیں گھر میں بھی ایسے لوشن طیار کئے جا سکتے ہیں مگر انھیں جلد استعمال کر لینا چاہیئے۔ کارخانوں کے خاص ترکیبوں سے طیار شدہ لوشنوں کی طرح دیر تک اپنی اصلی حالت پر نہیں رہ سکتے۔
چکنے بالوں کے لئے چار اونس جراحی سپرٹ Surgical Spirit کو نین چند گرین اور تھوڑی سی سپرٹ پرفیوم Spirit perfume لے لیں۔ کونین بہت تھوڑے سے پانی میں الگ گھول لیں اور پھر سب کو ملا لیں۔

اگر سپرٹ کی خوشبو نہ ملے تو اس کے بغیر ہی لوشن طیار کیا جاسکتا ہے۔

خشک بالوں کے لئے ایک اونس خالص سپرٹ Rectified spirit. نصف اونس ارنڈی کا تیل نصف اونس روزواٹر (گلاب کا پانی) اور چوتھائی چمچہ سہاگہ لیں۔ سہاگہ گلاب کے پانی میں حل کرلیں اور اسے گرم کئے ہوئے تیل میں ملائیں اور خوب ہلائیں اور آخر میں خالص سپرٹ ملادیں۔ ایک وقت میں بہت تھوڑی سی استعمال کریں۔ یہ اجزا اب تک انگریزی دوافروشوں سے مل سکتے ہیں گو کم تعداد میں ملیں گے۔ دوافروش خود ان اجزا کو ملاکے لوشن بنا سکتا ہے۔ پہلے اپنے کنگھے اور برش دونوں کو دھو کے خوب صاف کرلیں۔ بالوں میں احتیاط سے کنگھی کریں۔ پھر جلدی جلدی سارے بالوں میں جڑوں تک پوٹ لگا لگا کے برش کرلیں۔ اس سے خشکی بالغہ سب جھڑ جائیگی اور گرد و غبار بھی نکل جائیگا۔ اب بالوں میں مانگ نکالیں اور صاف ملایم روئی کے گالے سے ساری مانگ کی لمبائی میں لوشن لگائیں۔ دونوں ہاتھوں سے اسے جلد میں جذب کریں۔ ہاتھوں کو مخالف سمتوں میں گول صورت میں چلائیں۔ ہتھیلی پوری طرح پھیلا پھیلا کے رکھیں اور چاروں انگلیوں کے پوروے استعمال کریں۔ بیچ کی انگلی مانگ پر رہے اور ہاتھ گھومتے رہیں۔ ایک آگے کی طرف دوسرا پیچھے کی طرف اور حرکت گوندھنے کی سی ہو۔ لوشن اس طریقہ سے خوب جذب ہو جائیگا اور چندیا تمتما اٹھیگی اسی طرح مختلف مقامات پر مانگ نکال نکال کے لوشن جذب کریں۔

پھر لوشن سے بال صاف کریں۔ ایک صاف تولیہ لے کے ایک ہاتھ کی انگلیوں پر لپیٹیں اور مانگ کے دونوں طرف بالوں پر رگڑیں تاکہ میل کچیل دور ہو جائے۔ اسی طرح جگہ جگہ مانگ نکال نکال کے بال صاف کرتے رہیں۔ مانگ پہلی سی نصف نصف انچ کے فاصلہ پر نکالتے چلے جائیں حتیٰ کہ سارا سر صاف ہو جائے آخر میں سارے سر میں خوب برش کریں۔ شروع میں جو برش استعمال کیا تھا اُسے نہ استعمال کریں کیونکہ اُس میں میل ہوگا۔ اس دفعہ برش کرتے وقت ہر دفعہ تولیہ پر رگڑتے رہیں تاکہ صاف ہوتا رہے ورنہ بالوں کی ایک تہ کا میل دوسری تہ پر آجائیگا میل سارا نکل جائیگا۔ بالوں پر پھر اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے برش کریں اس دفعہ ہاتھ لمبا چلائیں۔ بال کے آخر میں برش کو مدور حرکت کے ساتھ لائیں تاکہ چھلے قایم رہیں۔ اب کنگھی کرکے اپنی حسب مرضی بال بنالیں۔

بالوں کی خشک صفائی

بیماری کی حالت میں بال چکٹ جاتے ہیں اور پانی سے سر دھونے کی طبیب اجازت نہیں دیتا۔ ایسی حالت میں بال خشک طریقہ سے صاف کئے جاسکتے ہیں۔ بیماری میں بال بھی بیمار ہو جاتے ہیں کیونکہ ان تک غذا نہیں پہنچتی۔ اس لئے ان کو تحریک پہنچانے کی ضرورت ہوتی۔ انگریزی طریقہ یہ ہے بھوسی بالوں کو صاف کردینے کے علاوہ انھیں تحریک پہنچاتی ہے اور انھیں تر و تازہ کرتی ہے۔ بالوں کی مانگ نکال نکال کے پوروں سے ساری چندیا پر تھوڑی تھوڑی بھوسی رگڑیں۔ یہ عمل گول حرکت سے کریں اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ روشنی میں کریں۔ پھر احتیاط سے بھوسی بالوں سے برش یا کنگھی کے ذریعہ نکالدیں۔ اس طرح کہ نہ بالوں میں رہے اور نہ چندیا پر۔ ہاتھ لمبا چلائیں بھوسی جب سب کی سب نکل جائے گی تو بال چمکدار اور ملایم ہو جائیں گے۔ چندیا صاف ہو کے نکھر آئیگی اور خون کی تمتماہٹ اس میں معلوم ہونے لگیں گی اور سر سے خشکی کے ذرے گرد و غبار اور چکٹ سب دور ہو جائینگے اور بال تر و تازہ ہو جائیں گے اور بو جاتی رہے گی۔ ہندوستانی طریقہ یہ ہے کہ بڑی ہڑ کی گٹھلی نکال کے باقی کو باریک پیس لیں اور چھان کے سرسوں کے تیل میں بُرکی بُرک کے پھانٹ دیں اور بالوں میں منگیا منگیا کے لگائیں، اور چٹیا باندھ دیں

اور دو ایک روز کے بعد بال کھول کے کنگھی سے نکال دیں۔ بال بالکل صاف اور ملایم ہو جائیں گے۔

حسن سیرت حسن کی سب تعریف کرتے ہیں اور اس سے خوش ہوتے ہیں مگر ان سے اس کی ماہیت دریافت کی جاتی تو بہت کم معقول جواب دینگے۔ حسن کے کیا اجزا ہیں بہت کم لوگوں کو معلوم ہیں۔ عورت کی خوبصورتی کا اندازہ تین باتوں سے ہوا کرتا ہے۔ وہ اس کی شخصیت چہرہ کی خوشنمائی اور جسمانی رعنائی ہیں۔ ہم جدھر نظر ڈالیں گے ہمیں اچھے چہرے مہرے کی بہترین لڑکیاں نظر آئیں گی لیکن تھوڑی ہی ایسی ہونگی جن میں شخصیت ہوگی تھوڑی سی ایسی بھی ہونگی جن کے جسم خوشنما ہوں گے۔ کسی لڑکی کی کمر تنگ ہوگی تو کسی کی چوڑی۔ کسی کے کندھے زیادہ چوڑے ہونگے کسی کا دھڑ بے ڈول ہوگا کسی کی باہیں یا ٹانگیں لمبی یا موٹی ہوں گی۔ ایسی بہت سی لڑکیوں کے یہ نقائص غذا ورزش اور مالش سے اگر وہ کوشش کریں تو دور ہو سکتے ہیں۔ عورت کو اپنے جسم پر اتنی محنت کرنی چاہیئے جتنی وہ اپنے چہرہ اور ہاتھوں کے ساتھ کرتی رہتی ہے۔ لباس جسمانی نقائص دبانے میں مدد دیتا ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی دیکھ بھال اور غور و خوض کی ضرورت ہے شخصیت بھی بڑھائی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے احتیاط سے اپنے ذاتی مطالعہ اور غور و خوض کی ضرورت ہے اور یہ ممکن ہے کیونکہ شخصیت چہرہ اور جسم کی خوبصورتی سے زیادہ ضروری ہے۔ اس کے لئے ہفتوں مہینوں اور برسوں کی توجہ اور مطالعہ رائیگاں نہیں، محض خوبصورت چہرہ اپنا اثر تھوڑے عرصہ کے لئے قایم رکھتا ہے مگر شخصیت یعنی سیرت آخر وقت تک ہمیں وابستہ اور مداح رکھتی ہے۔ یہ مسئلہ ہے کہ مکمل خدوخال سے حسن نہیں پیدا ہوتا۔ اوّل تو یہی کہنا مشکل ہے کہ مکمل خدوخال موجود بھی ہیں یا نہیں۔ اگر موجود ہیں تو دنیا میں شاید ایک دو ایسے شخص ہوں گے کیونکہ کوئی دو شخص ایسے نظر نہ آسکے جو یکساں نظر آئیں اس لئے مکمل خدوخال کا شخص ایک ہی ہوگا۔ اصل میں خوبصورتی تو وقت اور انداز کا نام ہے۔ ایک لڑکی بعض اوقات بے حد خوبصورت معلوم ہو سکتی ہے اس لئے نہیں کہ اس کے خدوخال مکمل ہیں بلکہ اس لئے خدوخال باہم بالکل موزوں ہیں۔ اور خوبصورت ہے محض اس لئے کہ اس کی آنکھوں پر نہایت موزوں معلوم ہوتی ہے اس کی آنکھیں یا ان کا رنگ ناک کے مطابق بیٹھتا ہے۔ گویا اس کا ہر خدوخال باہم مل کے ایک خوب مجموعہ پیش کرتا ہے

اب رہا سنگھار۔ یہ وقت وقت کی بات ہے۔ ہمارے دیسی طریقہ کا سنگھار کچھ عجیب کیفیت رکھتا تھا۔ وہ بانٹ ہی اور تھی۔ اب پوڈر ہیں اور کریم۔ ان میں دیسی سنگھار سے زیادہ خرچ اور بناوٹ کی کیفیت ہے۔ پوڈر اور کریم بھی اپنے حسب حال منتخب کرنے چاہیئے۔ اور ان میں بھی شخصیت نمایاں رہتی ہے۔

خانگی ٹوٹکے تھوڑی سی مسور کی دال پانی میں بھگوئیں۔ جب وہ نرم ہو جائے تو اسے دودھ میں پیس کے لئی بنالیں۔ نہانے سے پہلے روزانہ بدن پر ملیں۔ چند روز ایسا کرنے سے جلد صاف اور ملایم ہو جائے گی۔ صابن مطلق نہ لگائیں۔

سنگترہ کا چھلکا تھوڑے سے دودھ یا ملائی میں پیس کے لئی کی طرح کر لیں۔ چہرہ ہاتھوں اور بدن پر خوب ملیں۔ پھر گرم پانی اور صابن سے دھو ڈالیں۔ جلد میں تازگی اور نکھار آجائیگا۔

نمکین مکھن آٹے میں ملا کے لئی بنالیں اور بدن پر خوب ملیں۔ بال جھڑ جائیں گے۔ اگر بالکل نہ جائینگے تو کمزور اور ہلکے پڑ جائیں گے۔ باقاعدہ عمل جاری رکھنے سے دیرپا نتائج ظاہر ہوں گے۔

شیر گرم پانی میں ایک چمچہ سرکہ ملا کے اس سے لکڑی کا سامان دھوئیں۔

محمد ظفر

سیر بین

جلد کی آنکھیں

کچھ عرصہ ہوا ایک ڈاکٹر نے اپنے اس دعوے کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے کہ مرد و عورت کی جلد میں لاکھوں آنکھیں ہیں مگر ہمیں دو آنکھوں سے دیکھنے کی اس قدر عادت ہوگئی ہے کہ ہم ان لاکھوں آنکھوں کو بھول گئے اور وہ بیکار ہوگئیں۔ قدیم زمانہ کے ہمارے اجداد ان جلدی آنکھوں سے کام لینا جانتے تھے۔ ڈاکٹروں کو چیر پھاڑ کے وقت جلد پر ننھی ننھی سی چیزیں معلوم ہوتی ہیں یہ دھبے کی شکل میں نظر آتی ہیں۔ ممکن ہے یہی آنکھیں ہوں اس ڈاکٹر نے تجربہ کرکے دکھایا کہ ایک آدمی آنکھوں پر کئی کئی کپڑوں کی پٹیاں باندھی گئیں۔ کمرہ میں دن کی روشنی بخوبی دی گئی۔ اس شخص نے آئینٹ، پان، حکم کے دہلے جب اس کے سامنے کئے گئے فوراً بتا دیئے۔ اس کے سامنے مختلف رنگ کے پھول پیش کئے گئے اس نے سب کے نام اور رنگ بتا دیئے تماشائی حیران تھے۔ ان میں بڑے بڑے محقق اور عالم تھے۔ اسے ذہنی انتقال خیالات (ٹیلی وژن) نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ اندھیرے میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس تجربہ میں سینہ اور بانہیں کھلی رکھی جاتی ہیں اور اگر ان پر کپڑا ڈال دیا جائے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ ٹیلی وژن میں سینکڑوں میل کے فاصلہ سے تبادلۂ خیالات ہو سکتا ہے جلد کے دیکھنے کا تجربہ بڑی مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔ آدمی کی آنکھوں پر خوب پٹی باندھ کے آرام کرسی میں لیٹ جانا پڑتا ہے۔ آستین خوب اوپر تک چڑھا لینی پڑتی ہیں۔ سینہ اور گردن جس قدر ہو سکے کھلا رکھا جاتا ہے۔ پھر اسے دیکھنے کی کوشش میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ دعویٰ کرنے والے کو پہلے گھنٹوں تک اس طرح بیٹھ کے کچھ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ آخر اسے کمرہ میں اسباب کا کچھ حصہ نظر آیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی جلدی بینائی بڑھنے لگی۔ آخر اسے اس قدر مہارت ہوگئی کہ وہ بے آنکھوں کے اخبارات پڑھنے لگا اور دور کی چیزیں دیکھ لیتا۔ اگر یہ طریقہ عام ہوگیا اور مغالطہ ثابت نہ ہوا تو اندھوں کو بڑا فائدہ پہنچے گا۔ وہ محض اپنی کھال سے ہر چیز دیکھ لیا کریں گے۔

جزیرۂ ماریشس

رضا شاہ پہلوی سابق شاہ ایران کو یہاں ہی شروع میں رکھا گیا۔ جاپان کے سیلاب فتوحات کو دیکھتے ہوئے انھیں وہاں سے نما لبا گناڈا پہنچا دیا گیا۔ یہ جزیرہ کیپ ٹاؤن اور کولمبو کے بیچ میں واقع ہے۔ یہ فاصلہ ۱۰،۴ میل کے قریب ہے۔ جزیرہ ۳۹ میل لمبا اور ۲۹ میل چوڑا ہے۔ اونچی نیچی پہاڑیاں زیادہ ہیں جن کی وجہ اس علاقہ کا آتش فشانی زیادہ ہے۔ جزیرہ چاروں طرف سے مونگے کی چٹانوں سے گھرا ہوا ہے۔ جزیرہ بے حد خوبصورت ہے اور لوگ بہت پہلے سے یہاں سیر و تفریح کے لئے آیا کرتے تھے۔

سب سے پہلے پرتگالی یہاں ۱۵۰۵ء میں آباد ہوئے۔ انھوں نے اس وقت اسے بالکل غیر آباد پایا۔ ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد جزیرہ پھر بالکل خالی پڑا رہا۔ ۱۵۹۸ء میں ولندیزی یہاں آئے اور انھوں نے اس کا نام اپنے شہزادہ مورس کے اعزاز میں ماریشس رکھا۔ وہ بھی ۱۷۱۰ء میں یہاں سے چلے گئے۔ پانچ سال بعد فرانسیسی یہاں آباد ہونے شروع ہوئے۔ انھوں نے اس کا نام اِل ڈی فرانس رکھا۔ ان کے ماتحت یہاں خوب آسودگی کا دور دورہ ہوا حتیٰ کہ نپولین کی لڑائیوں کے زمانہ میں یہاں انگریزوں نے حملہ کیا اور ۱۸۱۰ء میں اسے فتح کر لیا۔ ۱۸۱۴ء کے معاہدہ کی رو سے فرانس اس جزیرہ سے بالکل دست بردار ہوگیا۔ انگریزوں نے اس کا نام

پھر ماریشس رکھدیا۔ یہاں کی زبان فرانسیسی ہے اور اب تک فرانسیسی رواج اور قانون جاری ہے۔ عدالت کی زبان انگریزی ہے۔ آبادی چار لاکھ ہے جس میں زیادہ تر وہ مزدور ہیں جو وہاں نیشکر کی کاشت کے سلسلہ میں کام کرتے ہیں۔ طوفان آتے ہیں تو نیشکر کی نسلوں کو برباد کر جاتے ہیں اور رعایا تباہ ہو جاتی ہے کیونکہ یہاں کی پیداوار ہی گُورا اور شکر ہے۔ ٹریم اور ریل بہت چلتی ہے۔ ریل ۱۲۰ میل لمبی ہے۔ جزیرہ کی آب و ہوا مرطوب اور گرم زیادہ ہے اور بدن کو زیادہ ڈھیلا بنا دیتی ہے مگر اتنی خراب نہیں جتنی بتائی جاتی ہے۔ یہ جزیرہ چونکہ ہندوستان اور افریقہ کے بحری راستہ پر واقع ہے اس لئے جاپان کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکے گا مگر یہاں انتظام کافی کر دیا گیا ہے اور ایسے اہم مقام کو اُس کے قبضہ میں نہ جانے دیا جائیگا۔

کوہ قاف

ہمارے قصہ کہانیوں کے مطابق کوہ قاف میں پریاں رہتی ہیں۔ یہ شاعرانہ خیال ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہاں کا حسن و جمال سارے جہان میں مشہور ہے۔ اس کے علاوہ قدرت نے اس حصہ میں دولت کوٹ کوٹ کے بھر دی ہے۔ اس ۱۷۰ ہزار مربع میل میں ہر قسم کی دھات موجود ہے۔ لوہا، کوئلہ، تانبا، سیسہ، جست، منگانیز، سونا کے علاوہ رائی، اُون، شہتیر اور کثرت سے اشیائے خوردنی وہاں پائی جاتی ہیں۔ اس میں دنیا کا سب سے اونچا سفید چمکیلا کوہ البرز واقع ہے اور یہاں کے بعض غار دنیا میں سب سے زیادہ گہرے ہیں۔ بعض وادیوں میں پانی کے ساتھ بہہ آنے والا سونا پہاڑی چشموں کے ذریعہ تمام زمین پر پھیل جاتا ہے اور زمین سونے کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تیل بھی بکثرت پایا جاتا ہے

ابتدائے عالم سے دنیا کی مختلف قوموں نے اس خطہ پر قابض ہونا چاہا۔ یورپ والے ایشیا پر اور ایشیا والے یورپ پر اسی دروازہ سے یورش کرتے رہے۔ دنیا کے مختلف حصوں سے لوگ بھاگ بھاگ کر یہاں کے پہاڑوں اور غاروں میں پناہ لیتے رہے کوئی چنگیز خاں سے بھاگا تو کوئی زاروں کے استبداد سے یہاں پناہ گزیں ہوا۔ جرمن سترھویں صدی کی جنگ سی سالہ کے مارے ہوئے یہاں آئے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ایرانی، ترک، عرب، مراکشی، حبشی، منگول، کاسک و جرمن وغیرہ آباد ہیں۔ ایک وقت میں یہاں دو مختلف سلطنتیں قایم تھیں جن کے نام جارجیہ اور آرمینیہ تھے۔ ان کے علاوہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی تھیں لیکن تاریخی مدوجزر نے انھیں مٹا دیا۔ وہ آپس میں مسلسل لڑتی رہیں۔ بعد میں ترک اور ایرانی آپس میں لڑتے رہے اور ان کے جدال و قتال میں اس خطہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ترکی سلطان یہیں سے جاں نثار بھرتی کر کے لے جاتے تھے جو غیر ممالک کے مقابلہ میں بڑی داد شجاعت دیتے تھے مگر آخر میں خود ترک سلاطین کے لئے وبال جان ہو گئے۔ اور آخر محمود ثانی کے زمانہ میں ان کی طاقت نیست و نابود کر دی گئی۔ ایرانی اس جگہ کی دولت سمیٹنے کے علاوہ یہاں کی خوبصورت کنواری لڑکیوں سے گھروں کی زینت بنانے کے لئے لے جاتے تھے آخر زاروں کے زمانہ میں روس اس ملک پر ٹوٹ کے گرا اور ایک صدی کی لڑائی کے بعد اس پر قابض ہو گیا۔ اُس نے اپنا تسلط بڑی بے رحمی سے جمایا۔

سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے دوران میں زار کی حکومت کا خاتمہ ہو جانے سے کوہ قاف والوں کو اُمید ہوئی کہ انھیں آزادی نصیب ہو جائے گی ۱۸ء میں انھوں نے ایک جمہوریت بھی قایم کی مگر ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کی طرح آپس میں اس قدر جھگڑے ہوئے کہ پانچ ہفتوں میں یہ مٹ کے رہ گئی۔ پھر سوویٹ نے انھیں اپنی جمہوریت میں شامل کر لیا اور اس خطہ کا نام جارجیہ، آرمینیہ اور آذربائیجان کی جمہوریت رکھ دیا۔ سٹالین جارجیہ کا باشندہ ہے۔ اسی لئے کوہ قاف جرمنوں کا سخت مقابلہ کرے گا۔ کوہ قاف والے آزادی کے حصول کے خواہاں ہیں مگر وہ کسی حملہ آور کی آمد پسند کرنے کے لئے طیار نہیں۔ ہٹلر نے اپنی مشہور کتاب مین کیف میں لکھا ہے کہ اگر کوہ یورال اور کوہ قاف اپنی خام پیداوار کی

بیش قیمت دولت سمیت کسی وقت میں جرمنی کے قبضہ میں آجائے تو جرمنی کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہیں۔

میکسیکو کی پرانی تاریخ

اس زمانہ کی سب سے بڑی جنگی ضرورت کی چیز تیل میکسیکو میں بکثرت ملتا ہے جہاں ٹین سونا، چاندی اور ربڑ بھی بکثرت ہیں۔ جاپانیوں نے ربڑ پیدا کرنے والے سب سے بڑے علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ میکسیکو اس کی تلافی کرتا ہے۔ یہاں دوائیں بھی بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔ اب میکسیکو نے محوری طاقتوں کے خلاف جو اعلان جنگ کیا ہے اس سے اتحادیوں کو نہایت قوت حاصل ہوگئی۔ جرمنی کی للچائی ہوئی نظریں اس پر گذشتہ جنگ میں پڑتی رہیں۔ اس میں میکسیکو ظاہری طور سے غیر جانبدار رہا مگر اس سے جرمنوں کو بہت امداد ملتی رہی۔ خاتمہ جنگ پر یہ اپنی غیر جانبداری کی وجہ سے بچ گیا۔ اس دفعہ کی جنگ میں بھی ہٹلر کی نظریں تھیں نازی ایجنٹ اس میں چپکے چپکے داخل ہو رہے تھے مگر وہاں کی حکومت نے اتحادیوں کا ساتھ دے کے ان سازشوں کو یکقلم بیکار کر دیا۔

میکسیکو ۴۵۰ برس تک مغربی قوموں کا مطمح نظر رہا۔ سب سے پہلے ہسپانیہ نے اس پر قبضہ جمایا۔ نہایت سختی سے اس کے گورنروں نے اس پر حکومت کی۔ سونے چاندی سے لدے ہوئے جہاز ہسپانیہ کو جاتے تھے۔ انگریزی قوم کے مشہور بحری جہا[زراں] ہاکنس اور ڈریک ان جہازوں کو اکثر لوٹ لیا کرتے۔ ہسپانیہ کے ذریعہ فرانس کو بھی اس لوٹ کا حصہ ملا کیونکہ فرانسیسی نسل کا ایک شہزادہ جوزف بوناپارٹ ہسپانیہ کے تخت پر بیٹھا۔ آسٹریا نے بھی اپنے آرچ ڈیوک میکس ملن کے زمانہ میں اس مال غنیمت میں حصہ دار ہونے کی ٹھہرائی مگر اس کے زمانہ میں انقلاب ہوگیا اور وہ قتل کر دیا گیا

ہسپانیہ اپنا مذہب رومن کیتھلک بطور یادگار چھوڑ گیا ہے پہلے اس ملک میں ازطق لوگوں کی حکومت تھی ان کا مذہب ہندو دھرم سے بعض باتوں میں ملتا تھا۔ ان کا دیوتا شیولی کی طرح ہیبت ناک مورت تھا جس کی کمر میں سانپ لپٹے ہوئے تھے۔ انسانی قربانی ہوتی تھی۔ مردم خوری کا بھی پتہ ملتا تھا۔ رسم الخط مصریوں کا سا تھا جس میں چڑیاں اور نقش و نگار بنائے جاتے ہیں۔ بھوج پتر پر کتابت ہوتی تھی۔ ان کے پڑھنے سے اس تہذیب کا پتہ چلتا ہے۔ وہ لوگ مہذب تھے۔ بڑے بڑے بازار ہر شہر میں لگتے تھے اور سونے چاندی کے زیورات کے علاوہ ضرورت کی ہر چیز بکتی تھی۔ قرب و جوار کے لوگ آ کے خوب خرید و فروخت کرتے تھے۔ آخری بادشاہ مونتے زوما ہسپانیوں کے ہاتھوں قید میں قتل ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے اس قوم کے بڑے بڑے سردار کسی تہوار کے روز جب کہ وہ کسی مذہبی رسم کے لئے جمع تھے اچانک بے خبری میں ان پر حملہ کر کے تہ تیغ کر دیئے۔ اس طرح میدان صاف ہوگیا۔ ہسپانویوں کے محکمہ احتساب نے یہاں بھی طرح طرح کے لوگوں پر ظلم کئے۔

میکسیکو کی خصوصیت بازار کا لگنا اب بھی جاری ہے البتہ سونے چاندی کے زیورات کی دکانیں اب مفقود ہو چکی ہیں۔ ہسپانویوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کے گیارہ برس وہاں والوں نے جنگی جدوجہد کر کے ۱۸۲۱ء میں آزادی حاصل کر لی تحریک آزادی اور پادریوں کے ذریعہ عمل میں آئی۔ اس کے بعد وہاں آپس میں منافقتیں اور خونریزیاں جاری رہیں، اسی زمانہ میں آرچ ڈیوک میکس ملن نے اپنا عمل دخل حاصل کیا۔ اس کے قتل کے بعد میکسیکو بیرونی غلامی سے بالکل آزاد ہوگیا۔

بموں کی ستم ظریفی

بم اچانک آپڑتا ہے۔ آدمی کو سوچنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ ہول سے آدمی گھبرا جاتا ہے مگر آگ لگا دینے والے بم بعض دفعہ پاس والوں کا بال بھی بیکا نہیں کرتے۔ الٹی بات یہ کرتے ہیں کہ پچاس گز یا اس سے زیادہ دور کھڑے ہوئے لوگوں کو مار ڈالتے ہیں یا یہ جب گر کے ادھر ادھر ناچتا ہے۔

لوگ گھبرا جاتے ہیں ہوش و حواس کو صدمہ پہنچتا ہے۔ مگر اچانک بچ جاتا ہے اور کسی کو گزند نہیں پہنچتا۔ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ یہ کیا بات ہوئی ایک شخص پرانے سونے چاندی کے سکے تھیلیہ میں لئے جاتا تھا کہ ایک دھماکے سے پھٹنے والا بم اس کے پاس گرا اور وہ اس کے دھکے کی چوٹ میں آگیا مگر اُسے کچھ نقصان نہیں پہنچا البتہ ایک دفعہ تو دماغ میں اندھیرا آگیا اور حواس باختہ ہوگیا۔ اس کے کپڑوں کو بھی آنچ نہ آئی لیکن جب اُس نے اپنی تھیلیہ کھولی تو سونے کے سکوں کی جگہ چاندی کے سکے موجود ہوئے تھے۔ اصل میں ہوا یہ تھا کہ دھماکہ تھیلہ میں پہنچا اور چاندی کے سکوں سے ذرا سی تہہ اُڑا کے اُس نے سونے کے سکوں پر جما دی تھی۔

ایک میاں بیوی کچھ فاصلہ پر بموں کے گرنے کی آواز سے خبردار ہو کے پناہ لینے ایک غلّہ کے گودام کی طرف بھاگے۔ اس وقت ایک بم ان سے ۲۰ گز سے بھی کم فاصلہ پر گرا۔ اس کے دھماکے نے گودام کا کیواڑ وہاں پر سے اُکھاڑ کے گھر کے دوسری طرف پھینکدیا۔ مرد کو صرف صدمہ پہنچا مگر بیوی کے کپڑے جسم سے اُڑ گئے تھے اور وہ ننگی کھڑی تھی حتیٰ کہ اس کی جوتیاں بھی پاؤں سے غائب تھیں۔ ویسے ہر طرح ٹھیک تھی۔ البتہ وفورِ حیرت میں کچھ دیر زبان سے کچھ نہ بول سکی۔

ایک مدرسہ کے لڑکے کو بموں کے پھٹنے کے مقام پر سے گزرنے کا اتفاق ہوا جھونکے کا یہ اثر ہوا کہ وہ بجائے سیدھے ہاتھ کے اُلٹے ہاتھ سے لکھنے اور کام کرنے لگا حالانکہ وہ پہلے اُلٹے ہاتھ سے متعلق کام نہ کر سکتا تھا۔ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جھونکے کے صدمہ نے اس کے دماغ کے دائیں حصّہ کو کام پر لگا دیا اس کی وجہ سے وہ کھبّو ہوگیا۔ درختوں پر عجب تماشا دیکھا گیا کبھی ساری ٹہنیوں کی چھال اُتر گئی اور تنا صحیح و سالم رہا کبھی تنے کی چھال اُتر گئی اور ٹہنیاں سلامت رہیں۔ ایک درخت سے کچھ فاصلہ پر دھماکے سے پھٹنے والا بم گرا۔ پھٹنے کے دھکے سے درخت اوپر سے چار فٹ زمیں سے اوپر تک اس صفائی سے چِر گیا کہ ایک آدمی اس میں بخوبی بیٹھ سکتا تھا۔ ٹہنیوں پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔

پھلجھڑیاں چیونٹیاں مہمان نوازی کرتی ہیں اور کسی نہ کسی چیز کو عزیز بھی رکھتیں ہیں۔ وہ سنتی ہیں اور تعبیر بھی کرتی ہیں۔ وہ کام کاج اور لڑائی بھڑائی میں اشتراکِ عمل کرتی ہیں۔ وہ دوسرے کیڑوں کو گائے کے طور پر رکھتی ہیں اُن کی خبرگیری اور حفاظت کرتی ہیں اور ان کے لئے گاؤخانہ بناتی ہیں۔ وہ اناج کاٹنا اور اس کا ذخیرہ کرنا جانتی ہیں۔ وہ کائی جیسی سبزیوں کی کاشت بھی کرتی ہیں جسکے کے لئے وہ خاص قسم کی کیاریاں طیار کرتی ہیں۔"

قیدخانہ میں بھی مغربی عورتیں اپنے ہتھکنڈوں سے باز نہیں آتیں۔ دیواروں کو کھرچ کھرچ کے اس سے لپ ڈ(اسٹک) کا کام لیتی ہیں گو وہاں مرد کون نظر آتے ہیں۔ داروغہ جیل پادری وغیرہ ایک داروغہ ایک ملزمہ کے حسن سے اس قدر متاثر ہوا کہ اُس نے اُسے قتل کے جرم سے بچانے کے لئے اپنی جیب سے خرچ کیا جب وہ بری ہوگئی تو اُس سے اُس نے شادی کرلی۔ ایک عورت نے جیل کے ایک معاینہ کرنے والے پر دس ہزار پونڈ جرمانہ کا دعویٰ کیا کہ اس نے قیدخانہ میں اُس پر خبط جتائی اور اس سے شادی کا وعدہ کیا۔ عدالت نے اس بنا پر اُسے جھوٹا قرار دیا کہ وہ ادھیڑ عمر کی عورت ہے۔ صورت شکل اچھی نہیں اور عادات و اطوار نفرت انگیز ہیں۔ آخراسے دروغ حلفی کے جرم کی پاداش میں پانچ سال کے لئے پھر جیلخانہ بھیجدیا گیا۔

محمد ظفر

نئی کتابیں

شیخ و برہمن: دورِ حاضرہ کے مشہور افسانہ نگاروں میں جناب ڈاکٹر اعظم کریوی بہت ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ انکی افسانہ نگاری کا مقصد آج کل کے نوجوان افسانہ نگاروں کی طرح جذبات کا بھڑکانا اور اخلاق کا ستیاناس کرنا نہیں ہے۔ ان لغویات اور خرافات سے انکا مقصد بہت بلند یعنی معاشرت و اخلاق کی اصلاح ہے۔ اپنے افسانوں میں وہ انسانیت کے اچھے اور برے ایسے نمونے پیش کرتے ہیں جو حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں شیخ و برہمن ڈاکٹر صاحب کے ۱۶ موثر افسانوں کا دلآویز مجموعہ ہے جس کے مطالعہ کے بعد اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ دیہاتی زندگی کا ہو بہو نقشہ کھینچنے میں ڈاکٹر اعظم کو کمال حاصل ہے۔ ان افسانوں کے مکالمے پڑھتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان افسانوں کے افراد ہمارے سامنے باتیں کر رہے ہیں۔ جذبات نگاری کے اعتبار سے بھی یہ افسانے نہایت کامیاب ہیں۔ طرز بیان بے حد سادہ مگر موثر اور دلنشین چھوٹے سائز کے ۱۸۰ صفحوں پر یہ مجموعہ چھپا ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت دو روپیہ۔ ملنے کا پتہ:۔ کتاب خانہ دانش محل۔ امین آباد پارک لکھنو۔

گلِ خنداں: مجموعہ ہے محترمہ آصف جہاں بیگم بلگرامی کے ہلکے پھلکے مزاحیہ مضامین کا جن میں پھکڑ پن، سوقیانہ پن، بھونڈا پن اور رکیک اور عامیانہ مذاق نام کو نہیں۔ ان مضامین میں بے تکلفی ہے۔ برجستگی ہے طنز ہے لیکن شائستگی تہذیب اور متانت کے ساتھ گلِ خنداں سنجیدہ ظرافت اور لطیف مزاح کا بہترین نمونہ ہے کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۱۲؍ ملنے کا پتہ دفتر شہاب ناہید۔ بیرون دبیر پورہ حیدر آباد دکن۔

برجیس طلعت: محترمہ ملقبیس ضیاء کی دلآویز تصنیف ہے۔ یہ آپ بیتی ہے ایک شریف خاتون کی اور شروع ہوتی ہے اس کی شادی کے دوسرے دن سے۔ افسانہ دلچسپ اور نتیجہ خیز ہے اور لکھا گیا ہے لکھنو کی بیگماتی شیریں زبان میں۔ واقعات میں تنوع اور انداز بیان میں دلکشی ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات اور بعض اسلامی اور معاشرتی مسائل پر جنھیں عوام ہی نہیں بہت سے پڑھے لکھے بھی نہیں سمجھتے۔ افسانہ کی دلچسپی قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ نہایت مدلل اور موثر بحث بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ کی گئی ہے۔ واقعہ نگاری اور مکالمہ نویسی کے اعتبار سے بھی برجیس طلعت ایک کامیاب تصنیف ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی اچھی قیمت ایک روپیہ مصنفہ سے ۲۰ کیننگ روڈ الہ آباد کے پتہ سے منگائیے۔

تذکرہ شمیم: یہ پروفیسر انوار فاطمہ شمیم لکھنوی ایک قادرالکلام شاعرہ اور مایہ ناز ادیبہ تھیں انکے مضامین نظم و نثر اخبارات و رسائل میں بہت کم چھپتے تھے مگر وہ تھیں اس قابلیت کی خاتون کہ فرقہ نسواں ان پر فخر کر سکتا ہے۔ دو سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بھائی جناب سعید رضوی بی اے ایل ٹی نے مرحومہ کی زندگی کے مختصر واقعات قلمبند کئے ہیں جن میں مرحومہ کی تصانیف پر تبصرہ بھی ہے۔ بھائی کی زبانی بہن کی کہانی کم و بیش ۸۰ صفحوں کی ہے مگر کوئی صفحہ ایسا نہیں جو درد و اثر میں ڈوبا ہوا نہ ہو۔ قریباً ۴۰ صفحوں میں مرحومہ کے انتقال پر اکثر مشاہیر شعرا کی نظمیں اور مراثی وغیرہ بھی ہیں۔ کتاب پر قیمت درج نہیں غالباً مفت تقسیم کی جاتی ہے سعید رضوی صاحب سے صحت باغ لکھنو کے پتہ سے منگائی جائے۔

کیا خوب آدمی تھا: آل انڈیا ریڈیو دہلی نے چند مشاہیر ادب و سیاست مثلاً علامہ راشد الخیری، مولانا حالی، مولوی نذیر احمد، منشی پریم چند، علامہ اقبال، مولانا محمد علی پر ان حضرات سے تقریریں کرائی تھیں۔ جنھیں ذاتی طور پر ان بزرگوں سے واقفیت تھی۔ یہ مضامین

دلچسپ ضرور ہیں اور ہیں بعض ایسے واقعات معلوم ہوتے ہیں جو پہلے معلوم نہ تھے مگر بعض لکھنے والوں نے لکھا نہیں ٹالا ہے۔ جو کچھ پہلے لکھ چکے تھے وہی باتیں دہرائی ہیں اور بعض نے تو اپنے ممدوح کا ذکر کرنے سے زیادہ اپنا پروپگنڈا کیا ہے۔ گیارہ مشاہیر کے حالات کا عنوان "گیا ہوا آدمی تھا" بھی برا معلوم ہوتا ہے۔ بایں ہمہ کتاب دلچسپ ہے قیمت آٹھ آنے ۸/
ملنے کا پتہ:- حالی کتاب گھر جامع مسجد دہلی۔

رنگین لباس: محترمہ منیر الزماں (حیدرآباد دکن) کی تصنیف ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ ہماری زندگی پر رنگوں کا کیسا زبردست اثر پڑتا ہے۔ کتاب کے چند عنوانات یہ ہیں۔ رنگوں کی خاصیت۔ صورت اور لباس مختلف صورتیں مثلاً گوری۔ شہابی۔ سانولی۔ گندمی۔ کالی اور ان صورتوں پر کون کون سے رنگ مناسب اور غیر موزوں ہیں موسم اور مزاج کے اعتبار سے کون سے رنگ منتخب کرنے چاہیں اس میں شک نہیں عورتوں کیلئے یہ کتاب بیحد کارآمد ہے اور انھیں اس کی قدر کرنی چاہئے۔ ضخامت ۸۰ صفحے قیمت عہ
ملنے کا پتہ۔ کتاب خانہ عابد روڈ حیدرآباد دکن۔

اتحادی افسانے: ہندوستان میں اتحاد اتحاد کے نعرے مختلف سیاسی پلیٹ فارموں سے آئے دن بلند ہوتے رہتے ہیں مگر اتحاد کے لئے عملی کوشش خاک بھی نہیں کی جاتیں۔ ہندوستان میں بسنے والی مختلف قوموں میں اتحاد ہمارے سیاسی رہنماؤں کے غل غپاڑے سے تو کیا ہوگا ہاں کچھ امید ہو سکتی ہے تو اہل قلم کی خاموش کوششوں سے "اتحادی افسانے" مشہور جرنلسٹ جناب اطہر دہلوی کے نتیجہ خیز تاریخی افسانوں کا مجموعہ ہے جن میں دکھایا گیا ہے کہ ہندو مسلمانوں سکھوں میں کبھی اسقدر دوستی اور محبت اور اتحاد و اتفاق تھا کہ ایک دوسرے کے لئے جان تک قربان کر دیتے تھے اس کتاب میں ہندوستان میں بسنے والی مختلف قوموں اور مختلف عمر کے لوگوں کے لئے نہ صرف دلچسپی ہے بلکہ بہت کچھ

بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں (۱) نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ (ایڈیٹر)

اگر کوئی عصمتی بہن یا بھائی مندرجہ ذیل شکایتوں کا علاج تجویز فرمائیں گی تو میں بے حد ممنون ہوں گی۔

(۱) میری ایک عزیز بہن کے منہ پر چھوٹے چھوٹے بال ہو گئے ہیں۔ کیا یہ کسی دوائی سے اتر سکتے ہیں؟

(۲) اگر پیٹ بڑھ جائے تو کونسی ورزش مفید ہو گی۔ نیز کیا کوئی دوائی اس کا علاج ہے؟ اگر کولھے بھاری ہو جائیں تو کونسی ورزش مفید ہے؟

(۳) آنکھوں میں اگر گڑھے پڑ جائیں تو کونسا لوشن استعمال کرنا چاہئے۔ نیز شیشے کے برتن کیسے جوڑے جا سکتے ہیں۔

ایم۔ ایم۔ خریداری نمبر ۵۶۰۹

معلوم ہوا ہے کہ حیدرآبادی چوڑی اور ساڑیوں کا بورڈر بہت ہی عمدہ ہوتا ہے۔ کیا کوئی حیدرآبادی بہن ان دوکانوں کے پتہ سے مہربانی فرما کر بذریعہ بزم عصمت مطلع کریں گی۔

مسز احسن خریدار نمبر ۳۴۶۳

رسالہ نیرنگ دہلی کے فروری ۳۳ء کے پرچہ میں حاجی غلام حسن خانصاحب پشاوری کا ایک افسانہ مصری مغنیہ شائع ہوا تھا۔ مجھے اس پرچہ کی سخت ضرورت ہے اگر کسی بہن کے پاس ہو تو قیمتاً مجھے بھیجدیں ممنون ہوں گی۔

ش۔ معرفت دفتر عصمت دہلی

دوربین

معرکہ روس:- آخر کئی ماہ کی جنگ کے بعد جرمنوں نے سباسٹوپول کی بندرگاہ فتح کر لی۔ اس میں طرفین کا بہت نقصان ہوا۔ مگر جرمنی نے اس کی گراں قیمت ادا کرنے کی پروا نہیں کی کیونکہ اس کو لے لینے سے اس نے روس کو بحیرہ اسود سے بڑی حد تک بے دخل کر دیا ہے۔

خارقاف پر مورچہ قائم ہی تھا اور پچھلے سارے مہینہ میں اس پر سخت جنگ جاری رہی۔ اب اس کے شمال میں ترسک سے جرمنوں نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے بڑھنا شروع کیا ہے۔ ترسک اور خارقاف کے بیچ میں بلغورد سے بھی انھوں نے پیشقدمی شروع کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ روسی لشکر کو جو تیموشنکو کے زیر کمان ہے شمالی روس سے بالکل منقطع کر دینا چاہتے ہیں۔ لشکروں کی نقل و حرکت سے معلوم ہوتا ہے کہ روسی سپہ سالار کا لشکر گھیرے میں آگیا ہے مگر روسی ابتدائے جنگ سے ہر دفعہ اس قسم کے گھیرے سے لڑ بھڑ کے نکل جاتے ہیں۔ جرمنوں نے ترسک سے بڑھ کے دریائے ڈان کو کئی جگہ سے پار کر لیا ہے اور اہم مقام ورونیز سے ۱۰ میل نیچے ادسوش فتح کر لیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے جرمنی جرنیل لوک کا عندیہ یا تو کوہ قاف کی فتح ہے یا روسٹو کا قبضہ یا دریائے والگا تک بڑھ جانا بہرحال یہ پیشقدمی خطرناک ہے۔

جرمنوں نے ماسکو کی طرف بھی توجہ کی ہے۔ اس مقام پر ان کے لشکر نے روسی فوج پر بے طرح دباؤ ڈالنا شروع کر دیا ہے اور اندیشہ ہے کہ اس مقام کی جنگ نازک صورت نہ اختیار کر لے۔ جرمن ڈان کے علاقہ میں ایک نئی قسم کا بیضوی ٹینک استعمال کر رہے ہیں جو فوجیں لے جانے کے کام میں بھی آ رہا ہے۔ وہ حملہ کرتے ہی فوجوں کو ان علاقوں میں اتار دیتا ہے تاکہ دشمن کے سنبھلنے سے پہلے ہی جرمن فوجیں اس علاقہ کو اپنے حق میں مستحکم کر لیں۔ یہ ٹینک کیچڑ اور اسی قسم کی دیگر رکاوٹوں پر سے آسانی سے گزر جاتا ہے۔

مصر کی لڑائی:- انگریزوں نے بیر الحکم پر مقابلہ خوب جم کے کیا تھا۔ مگر نقصان اٹھا کے وہاں سے انھیں لوٹنا پڑا۔ گو طبروق میں تین ماہ کے لائق سامان اور فوج تھی مگر صورت ایسی پیش آگئی کہ ایک ہی ہلہ میں جرمنوں نے اسے سر کر لیا۔ یہاں برطانوی فوجی ساز و سامان جرمنوں کے ہاتھ پڑا۔ اس کے فتح ہونے کی وجہ سے انگریزوں کو ملغا یہ قلعہ کپازد اور سولم سے ہٹنا پڑا۔ ورنہ ان کا ارادہ ان مقامات پر بیر الحکم کے بعد مقابلہ کرنے کا تھا۔ عجلت سے وہ ہٹ کے مرسے مطروح پر آگئے۔ جرنیل رومیل نے بڑی تیزی سے انگریزوں کا تعاقب کیا اور پانچویں دن انھیں مرسے مطروح پر جا لیا حالانکہ انگریزی اور جرمن فوجوں میں ۱۲۵ میل کا فاصلہ حائل ہو گیا تھا۔ یہاں سخت لڑائی ہوئی یہ مقام بھی جرمنوں کے ہاتھ آگیا اور کافی جانی اور مالی نقصان کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ جرمنوں نے بڑی تیزی سے انگریزی فوجوں کا تعاقب جاری رکھا۔ انگریزوں کو شام سے کمک پہونچ گئی چنانچہ انھوں نے سکندریہ کے قریب العالمین کے مورچہ پر جم کے مقابلہ شروع کر دیا۔ جرمن فوجیں رک گئیں۔ انگریزی فوجوں کی حالت بہت اچھی ہے اور سکندریہ اور سوئیز کا خطرہ اب کم ہو گیا ہے۔ مصری ساحل کا قریباً نصف حصہ دشمن کے قبضہ میں ہے۔ طرابلس کا علاقہ دشمن نے واپس لے لیا ہے۔ کریٹ پچھلے سال اس کے قبضہ میں چلا گیا۔ ان باتوں سے مالٹا الگ تھلگ ہو گیا ہے اور اس پر تابڑ توڑ حملے ہوتے

رہنے کی وجہ سے اسے بہت کچھ نقصان پہونچ چکا ہے۔ دشمن کے اس طرح بحیرۂ روم کے بیشتر حصہ پر چھا جانے سے اس امر کی سخت ضرورت محسوس ہونے لگی ہے کہ مصری ساحل مالٹا قبرص وغیرہ کو ہر ممکن کوشش سے دشمن کی دست برد سے بچا یا جائے۔ جن دنوں میں طبروق فتح ہونے والا تھا جبل الطارق کیطرف سے انگریزی جہازوں کا قافلہ جنگی جہازوں کی حفاظت میں جنگی سامان سے لدا ہوا مالٹا سخت نقصان اٹھانے کے بعد پہونچا۔ ایک ماہ بعد ایک اور قافلہ اسی طرح لڑتا بھڑتا دشمن کو نقصان پہونچاتا اور خود نقصان اٹھاتا ہوا مالٹا پہونچ گیا اور عین وقت پر اس جزیرہ کو بیش قدر امداد حاصل ہو گئی جرمنوں نے مالٹا پر پھر زبردست حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ جزیرہ بڑی ہمت سے مقابلہ کر رہا ہے۔

جہازی نقصانات:-

برطانوی دار الشوریٰ کا اجلاس خفیہ طور سے جہازی نقصانات کے متعلق غور کرنے کے لئے ہو رہا ہے۔ جب سے امریکہ پر ۱۴ جنوری سے آبدوزی حملے شروع ہوئے ہیں مانچسٹر گارڈین کہتا ہے کہ ۳½ سو جہازات ڈوب چکے ہیں۔ یہ رفتار اس کے نزدیک اندیشہ ناک ہے کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جتنے جہاز ڈوبتے ہیں اتنے بنتے نہیں۔ حالانکہ جہازوں کی تعمیر زیادہ ہونی چاہیے اور جہازی نقصانات کی تعداد روز بروز کم کی جائے۔ موجودہ جنگ کا گذشتہ جنگ سے مقابلہ کرنے سے جہازی مسئلہ کی اہمیت اور موجودہ مشکلات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ٹائمز کہتا ہے کہ ۱۹۱۴ء کے مقابلہ میں ہماری شرکت جنگ موجودہ کے وقت ہمارے پاس کم جہاز تھے اور ان پر کام کا بار پہلے سے کہیں زیادہ تھا۔ تمام نزدیک تر ملک جن سے ہمیں اس زمانہ میں خوراک اور خام مصالحہ ملتا تھا اب دشمن کے قبضہ میں ہیں اور اب ہمارے جہاز بڑے بڑے لمبے لمبے ہفتوں کے سفر ان چیزوں کو لئے لئے پھرتے ہوئے کرتے ہیں جو پہلے ہمارے دروازہ پر ہی ہمیں مل جایا کرتی تھیں۔ اٹلی جاپان فرانس اس وقت ہمارے ساتھی تھے اس لئے بحیرۂ روم۔ بحر ہند اور بحر الکاہل کے راستے صاف اور محفوظ تھے۔ اکا دکا کوئی حملہ آور جہاز حائل ہو جاتا تو ہو جاتا۔ اب تینوں علاقے خطرناک ہیں۔ اس وقت صرف آبدوزوں اور صرف چند سطحی سمندری مخالف جہازوں کا ڈر تھا اب ان کی امداد میں ہوائی جہاز نمودار ہو گئے ہیں۔ وہ سمندری جہازوں کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں اور جہاں جہاز ملتا ہے ڈبو دیتے ہیں۔ ان حالات میں تعجب نہیں کہ ہمارے نقصانات بھاری ہیں اور تین سال کے آخر میں ہماری جہازی حالت اندیشہ ناک ہو گئی ہے۔ مانچسٹر گارڈین اور ٹائمز کا اتفاق ہے کہ آبدوزوں کا تدارک کامیاب ثابت ہو رہا ہے۔ گو یہ ضرور ہے کہ ریاست ہائے متحدہ کے ساحلوں کے پاس جہازی نقصانات بہت بھاری ہوئے ہیں اور یہ نہ صرف امریکہ بلکہ اتحادیوں کے لئے زبردست حادثہ ہے۔ امریکہ کے جہاز اس قسم کی ساحلی مشکلات کی روک تھام کے لئے نہیں بنے تھے ان کا کام لمبے فاصلہ کی لڑائیاں تھا۔ مگر اب امریکہ اس کا انتظام کر رہا ہے۔ گو ابھی نقصانات میں کمی نظر آنی شروع نہیں ہوئی ہے مگر دنیا جلد دیکھ لے گی کہ اتحادیوں نے ان نقصانات کا کیسا عمدہ تدارک کر لیا ہے اور اسی کے عملی غور و خوض کے لئے برطانیہ میں خفیہ اجلاس ہو رہا ہے۔

جاپان کی جنگ:-

جاپانی محاذ کچھ خاموشی طاری ہے۔ وہ چین سے مصروف پیکار رہے۔ کبھی کبھی کسی بڑے شہر لینے کی خبر آجاتی ہے۔ کبھی چینی دو چار مقام واپس لے لیتے ہیں۔ وین چو ایک اہم بندرگاہ جاپانیوں نے صوبہ چیکیانگ کے ساحل پر فتح کر لی ہے۔ چاروں طرف سے گھر جانے کے باوجود چین بڑی بہادری سے لڑ رہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ سامان بھی ہوائی جہازوں کے راستہ اس کے پاس پہونچا ہی دیا جاتا ہے۔

جاپان منچوکو سائبیریا کی سرحدوں پر اپنی اچھی اچھی فوجیں بھیج رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی اور جاپان میں کچھ ایسا معاہدہ ہے کہ جب خاص خاص روسی مقامات جو ممکن ہے اسٹاف اور سٹالن گراڈ ہوں جرمنی فتح کرلے تو جاپان روس پر حملہ کردے۔ شائد وہ اچانک ولاڈی واسٹک کی بندرگاہ پر حملہ کردے۔ چونکہ ان کا اسوقت جزائر الیوشی ان میں سے کسی کا سالم۔ الٹو پر قبضہ ہو چکا ہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ جاپانی سائبیریا یا کیمس کٹکا پر حملہ کردیں۔

اتحادی جنوبی بحرالکاہل کی مقبوضہ جاپانی بندرگاہوں پر ہوائی جہازوں سے برابر حملے کرتے رہے اور جاپانیوں کو نقصانات پہونچاتے رہے۔ برما کے بعض علاقوں پر برطانوی جہاز گولے برسا برسا کے تباہی پھیلاتے رہے۔

تاروں کا جھرمٹ:۔ ریلوں کی کمی کی وجہ سے اس سال حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتیؒ کے موقع پر اجمیر کے لئے ٹکٹ جاری کرنے کی روک تھام رہی۔ اجمیر کے اصل مسافروں کو اطمینان دلانے پر بآسانی ٹکٹ مل سکتے تھے۔

چینی کی قیمت مقرر کردینے سے گیہوں کی طرح اب یہ بھی نایاب ہوگئی ہے۔ خفیہ طور سے دکاندار سرکاری شرح سے کہیں زیادہ داموں پر چینی بیچ رہے ہیں۔

وائسرائے کی کونسل کی توسیع کردی گئی ہے۔ مسلمانوں میں سر محمد عثمان اور سر فیروز خاں نون لئے گئے ہیں۔ ایک سکھ ممبر بھی بنایا گیا ہے اور اچھوتوں کی طرف سے ڈاکٹر امبیدکار کو لیا گیا ہے۔

ترکی وزیر اعظم ڈاکٹر رفیق سیدام کا اچانک ایک ضیافت خانہ میں کھانا کھانے کے فوراً بعد بیمار ہو کے تھوڑی دیر میں انتقال کرجانے کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔ ان کی جگہ وزیر خارجہ سراج اوغلو مستقل وزیر اعظم بنائے گئے۔ وہ وزیر جنگ بھی رہینگے

برطانیہ میں ۴۵ سال کی عمر کی عورتوں کو جنگی خدمات کے لئے کام کرنے کا حکم ۱۱ جولائی سے نافذ ہوگیا ہے۔

ہندوستان میں عورتوں کو ملک کے بچاؤ کے کاموں میں مصروف ہونے کا کافی موقع دیا جارہا ہے۔ انکی ایک امدادی فوج (اوگزیلری کور) دہلی میں بنائی گئی ہے۔ بارکوں میں رہیں گی اور ان عورتوں کے افسر علیحدہ ہوں گے۔ قابلیت صرف یہ درکار ہے کہ ٹائپ آتا ہوا اور محرری کے کام سے واقفیت ہو۔ ۸۰ روپیہ تنخواہ اور کھانا ملے گا۔ درخواستیں کمانڈنگ افسر دی وائرلیس کنٹجنٹ ڈبلیو اے سی (۱) ۱۲ اورنگ زیب روڈ نئی دہلی دی جائیں۔ تین ماہ میں گیارہ سو عورتوں نے مردوں کو کلرکی وغیرہ سے فارغ کرکے ان کو میدان جنگ میں جانے کے قابل کردیا ہے۔

مجلس عاملہ کانگریس نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ہندوستان کو عملی آزادی دی جائے۔ کاغذی نہیں۔ برطانوی فوج ہٹائی جائے۔ البتہ حفاظت کے لئے رکھی جاسکتی ہے۔ اگر یہ مطالبہ نہ مانا گیا تو اعلیٰ پیمانہ پر مقاومت مجہول اختیار کی جائے گی۔ ہندوستان کے بیشتر حصے میں اس سے اختلاف کیا جارہا ہے اور ملک کے لئے اس دھمکی کو مفید نہیں سمجھا جارہا۔ ڈیوک آف گلوسسٹر اپنی سیاحت ختم کرکے واپس وطن گئے۔

۳۰ جون ۴۲ء تک وائسرائے کے جنگی فنڈ میں سات کروڑ تین لاکھ چودہ ہزار تین سو دس روپیہ پندرہ آنے ایک پائی جمع ہو چکا ہے اور اس پر ۸ ہزار ۷ اٹھ روپیہ نو پائی سود وصول ہو چکا ہے۔ ہندوستان کے راجاؤں اور نوابوں کی طرف سے اس تاریخ تک ۳۱۶۶۹۰۰۰ روپیہ ہو چکا ہے اور ۴۰۰۰ ۲۶۳ روپیہ کی مستقل امداد جاری ہے۔

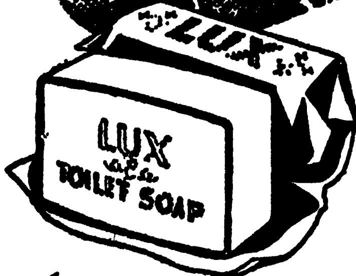
مہاراجہ بیکانیر نے تین لاکھ روپیہ مزید ریاست میں جاری کردہ لاٹری اور نمائش کی آمدنی کے سلسلہ میں نذر کئے ہیں۔

"جلد کی باقاعدہ حفاظت کرنا بہت آسان ہے"

حسن بانو کہتی ہیں کہ



"فلم اسٹار کے لئے ضروری ہے
کہ وہ اپنی جلد کو صاف ستھری رکھے بس اس لئے
میں اپنی جلد کی باقاعدہ حفاظت کرتی ہوں میں اس
کی حفاظت لکس ٹائیلٹ صابن سے کرتی ہوں"



لکس ٹائیلٹ صابن سے آپ اپنی جلد کو خوبصورت تروتازہ آسانی کے ساتھ رکھ سکتی ہیں۔ یہ بےحد خوبصورت فلم اسٹار مزید فرماتی ہیں کہ میں نے اس صابن کو اپنی جلد کے لئے بہترین پایا۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ ہر ایک لڑکی کو استعمال کرنا چاہئے۔ یہ درحقیقت جلد کو ملائم و نرم شفاف رکھتا ہے اور آپ اس کی بھینی خوشبو کو پسند بھی کریں گے

لکس ٹائیلٹ صابن

فلم اسٹاروں کے لئے خوبصورتی کا صابن

LTS. 86-172 UD — LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED



بچہ ہونے کی دوا

جس عورت کو اولاد نہ ہوتی ہو

اس دوا کے استعمال کے ٹھیک نو ماہ بعد اس کی گود میں بچہ ہوگا

یہ ہے سائنس کا جدید کمال۔ جس عورت کو اولاد نہ ہوتی ہو اور شادی کو عرصہ گذر گیا ہو اس دوا سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ کامیابی ہوگی اور نو ماہ بعد اُس کی گود میں جیتا جاگتا بچہ ہوگا۔ لاتعداد عورتوں کو اس دوا سے کامیابی ہو چکی ہے۔ اور آج ان کی گود میں بچے موجود ہیں۔ دوا کی ترکیب استعمال اسکے ساتھ ہوتی ہے۔ روزانہ مسلسل سات رات تک عورت کو کھلائی جاتی ہے...... بقیہ ترکیب استعمال دوا کے ساتھ۔ لہٰذا اگر عصمتی بہنوں میں سے کوئی بہن اولاد سے محروم ہو تو انہیں اس بیمثال ایجاد سے ضرور فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ اس دوا کا نام "محافظ اولاد" ہے۔ اور اسکی ایک شیشی ایک عورت کیلئے کافی ہوتی ہے۔ اسکی قیمت دو روپئے آٹھ آنے ہے۔

لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ ۲۴ دہلی کے پتہ پر ایک خط لکھکر یہ دوا بذریعہ وی۔پی پارسل منگا لیجئے۔ پارسل پر صرف سات آنے محصول لگتا ہے۔ اس طرح گھر بیٹھے دوا پہونچ جائے گی۔

ٹیلیفون نمبر ۶۲۶

شادی کی ضرورت

مجھے شادی کے لئے ایک شریف خاندان - دوشیزہ نیک سیرت وصورت لڑکی کی ضرورت ہے۔ میری ذاتی حیثیت (علاوہ آبائی ملکیت) گورنمنٹ مستقل ملازمت ایک سو پچیس روپیہ ماہوار ہے۔

خلاصہ حالات مندرجہ ذیل میرے پتہ سے دریافت کریں

محمد یونس خاں - پریزنرز وار کیمپ نمبر ۱۱

بیراگڑھ - بھوپال

Md. Yunus Khan,
Prisoners of War Camp No. 11
Bairagarh, Bhopal C.I.

زنانہ طبیہ کالج دہلی

سنہ ۱۹۰۸ء سے مسیح الملک حکیم اجمل خانصاحب مرحوم کا جاری کیا ہوا تمام ہندوستان میں طب یونانی اور ویدک تعلیم دینے کی ایک ہی درسگاہ ہے۔ یہاں سے ہر سال اچھی تعداد میں لڑکیاں فن طب اور فن دایہ گری سیکھ کر مدراس بمبئی۔ سندھ۔ پنجاب۔ بہار۔ سی پی اور رجواڑوں میں کامیاب مطب کررہی ہیں یا ملازم ہیں۔ یہاں کی سندیافتہ طبیبہ کو ہر جگہ کی میونسپلٹی ترجیح دیتی ہے۔ تمام تعلیم لیڈی ڈاکٹر اور پرانی پروفیسروں کے سپرد ہے صرف قانون کلیات و معالجات پس پردہ وائس پرنسپل صاحب جو بیالیس سالہ علمی و عملی تجربہ رکھتے ہیں تعلیم دیتے ہیں۔ بورڈنگ اور پردہ کا مکمل انتظام ہے۔ کالج کا سشن اگست سے شروع ہوگا۔ داخلہ ۲۰ اگست تک رہے گا۔ فوراً پراسپکٹس منگائیے اور اپنی لڑکیوں کو طب کی تعلیم کی طرف توجہ دیجئے۔

تمام خط و کتابت وائس پرنسپل صاحب شعبہ زنانہ طبیہ کالج دہلی کے نام ہونا چاہئے۔

نئی روشنی کی لڑکیاں کیوں پسند کی جاتی ہیں؟

محض اردو پڑھی لکھی لڑکیوں کی زندگی اجیرن بن گئی ہے۔ اول تو سرکاری ملازم اور انگریزی تعلیمیافتہ ایسی لڑکیوں سے شادیاں نہیں کرتے اور اگر انکی شادی ہو بھی گئی تو لڑکی انگریزی بالکل نہیں جانتی اور خاوند ایسی لڑکی کو ناپسند کرتے ہیں جس کا انجام ناچاقی ہوتا ہے۔ ضرورت ہے اس کی کہ اردو دان لڑکیاں انگریزی اتنی ضرور پڑھ لیں کہ وہ ضرورت کو پوری کر سکیں۔

ایک مہینے میں انگریزی آجائیگی

ایک ہندوستانی پروفیسر نے کئی سال کی لگاتار محنت کے بعد ایک ایسی کتاب تیار کی ہے جو بہنوں کو بغیر استاد کی مدد کے انگریزی پڑھا دیتی ہے اس کتاب کا نام انگلش ٹیچر ہے کوئی بچہ یا بڑا عورت ہو یا مرد اس کتاب کو توجہ کیساتھ صرف ایک مہینے پڑھ لے تو وہ انگریزی زبان کو ضرورت کے مطابق واقف ہو جائے پھر وہ انگریزی زبان بول بھی سکتا ہے درحقیقت اس کتاب کی ترتیب ہی اس اصول سے دی گئی ہے کہ خواہ مخواہ انگریزی پر عبور ہوتا چلا جاتا ہے جو لوگ جلد سے جلد انگریزی زبان پڑھنا چاہیں ان کیلئے یہ جادو کی کتاب لکھی گئی ہے دو سو صفحات سفید چکنا کاغذ مجلد قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ بذریعہ وی۔پی منگا لیجئے۔ چھ آنے محصول ڈاک لگے گا۔ اور آپ اپنے لئے یا اپنے پیارے بچوں کیلئے انگریزی سکھانے والی زبان استر حاصل کر لیجئے ہمارا [illegible] ہے کہ جو بہنیں انگریزی زبان سیکھنا چاہیں [illegible]

خوشنما ریشمی برقعے اور نائٹ سوٹ

ہم نے بہنوں کے لئے [illegible] خوشنما اور خوبصورت فیشن ایبل ترکی اور مصری برقعے پیش [illegible] ریشمی کپڑے سے تیار کرائے ہیں ان برقعوں کی [illegible] بھاری برقعے بہترین قسم کا بنایا گیا ہے [illegible] برقعوں کی تفصیل حسب ذیل ہے [illegible] کوٹ والا دس روپے [illegible] آٹھ روپے [illegible] سترہ روپے [illegible] قیمت [illegible]

سونے کی چوڑیاں مفت انعام

کونسا گھر ہے جہاں سونے کی چوڑیاں نہ پہنی جاتی ہوں۔ ہر گھر میں دھوم ہے کہ گولڈن گولڈ کی چوڑیاں اصلی سونے میں ملتی ہیں سنار بھی حیران رہ جاتا ہے اور اسکو اصلی اور نقلی کی تمیز کرنی مشکل ہو جاتی ہے۔ گولڈن گولڈ کی چوڑیوں کی چمک دمک سورج کی کرنوں کے مانند نگاہ کو چوندھیا دینے والی ہے۔ اس کا پختہ رنگ ہے اور مدتوں برتنے کے بعد اپنی جگہ قائم رہتا ہے، کلائیوں پر ان چوڑیوں کی بہار دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ہم اپنی بہنوں کو جن کو سونے کی چوڑیاں پہننے کا شوق ہو مطلع کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم نے اس سونے کی صرف چوڑیاں ہی تیار کرائی ہیں۔ ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ ہمارے گولڈن گولڈ کی بنی ہوئی چوڑیوں کا آپ صرف ایک ہی سیٹ منگا کر دل خوش کریں اور ہماری صداقت کا امتحان کر لیں۔ ایک سیٹ کی قیمت یعنی دو تولہ گولڈن گولڈ کی بنی ہوئی آٹھ چوڑیوں کا سیٹ تین روپے کا ہے تین سیٹ منگانے والے کو ایک سیٹ مفت بطور یادگار اور محصول ڈاک کی رعایت محصول ڈاک ایک سیٹ پر آٹھ آنے خرچ ہوتا ہے۔ آرڈر کے ساتھ کلائی کا ناپ ضرور بھیجئے

ملنے کا پتہ

منیجر عورتوں کا اسٹور اردو بازار جامع مسجد دہلی

دہلی میں سونا مفت

ہمارے کارخانہ میں گولڈن گولڈ کے زیورات تیار ہوگئے۔ یہ وہ سونا ہے جس کی شہرت چار طرف پھیلی ہوئی ہے۔ اس سونے کا رنگ روپ پرکھنے میں بالکل اصلی سونے کے مانند ہے۔ سناروں کو تمیز نہیں ہوتی ہم نے اس سونے کو بالکل مفت تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تاکہ ہمارے کارخانے کی شہرت ہو۔ لیکن صرف ان لوگوں کو مفت ملیگا۔ جو اس سونے کے زیورات خریدیں گے۔ زیورات کے سونے کی کوئی قیمت نہیں لی جائے گی۔ صرف گھڑائی لی جائے گی۔ یہ زیورات کیا ہیں ایک عجوبہ ہیں۔ زیورات نہایت حسین و جمیل۔ جنازک بیگمات اگر پہن لیں تو چار چاند لگ جائیں۔ کیونکہ مشرقی عورت کا سنگھار زیورات ہی ہے اکثر عورتیں اصلی سونے کے زیور اور ایک وہ زیور اس سونے کے مالک بنتی ہیں۔ اکثر عورتیں محض اسی سونے کے زیور پہنتی ہیں۔ آپ بھی ایک دفعہ منگا کر آزمائش کیجئے۔ اگر نا پسند ہو تو اسی روز واپس کر دیجئے۔ قیمت واپس کر دی جائے گی۔

گولڈن گولڈ جڑاؤ جھومر

نہایت خوبصورت حسن میں چار چاند لگانے والا قیمت پانچ روپے (صہ) اس کے ساتھ ایک جوڑا گولڈن گولڈ چوڑیاں مفت

گولڈن گولڈ دست بند

نہایت خوشنما ڈائمنڈ کٹ کام کے بنے ہوئے وزنی پانچ تولہ قیمت دس روپے۔ اس کے ساتھ ایک جوڑا کانوں کے بندے مفت۔

گولڈن گولڈ ہاتھوں کی پہنچیاں۔

بہترین کاریگری سے بنائی ہوئی چمک دمک میں یکتا ٹھپے کی بنی ہوئی قیمت فی جوڑ پانچ روپے (صہ) ایک جوڑا گولڈن گولڈ چوڑیاں مفت۔

گولڈن گولڈ گلے کا نکلس

اتنا خوبصورت کہ دیکھ کر دل باغ باغ ہو جائے اور گلے میں پڑا ہو تو طبیعت مچل جائے کاریگر نے اس کے بنانے میں کمال دکھایا ہے۔ قیمت ایک عدد دس روپے اس کے ساتھ ایک انگوٹھی ڈائمنڈ کٹ یا بیبی نگین مفت۔

گولڈن گولڈ ہاتھوں کے کڑے

پھول دار قیمت فی جوڑ چار روپے آٹھ آنے سادے فی جوڑ چار روپے۔ (للعہ) ایک انگوٹھی مفت۔

گولڈن گولڈ کانوں کے بندے

ڈائمنڈ کٹ فی جوڑ تین روپے۔ جڑاؤ فی جوڑ چار روپے۔ بمبئی فیشن فی جوڑ ساڑھے تین روپے (سے)

گولڈن گولڈ ہاتھوں کی چوڑیاں

اس پر بہترین پھول ڈالے گئے ہیں جو دور اور قریب سے بیحد خوبصورت معلوم ہوتے ہیں قیمت فی جوڑ دو روپے۔ (عہ)

گولڈن گولڈ کرنپھول جھمکے

کانوں کی بہار اور حسن کا سنگھار قیمت فی جوڑ تین روپے آٹھ آنے (سہ) ایک انگوٹھی مفت۔

گولڈن گولڈ کلائی کی گھڑی

ٹھپے کے کام کی فی جوڑ چار روپے (للعہ) ڈائمنڈ کٹ کام کی فی جوڑ چار روپے آٹھ آنے (للعہ)

محصول ڈاک ہر چیز پر آٹھ آنے لگتا ہے۔ پچاس روپے کے زیورات منگانے پر ایک عدد بالکل اصلی سوئس میڈ سچا وقت دینے والی سنہری گھڑی بطور انعام دی جائے گی۔ اور ان زیورات کے علاوہ ہر قسم کے زیور تیار رہتے ہیں۔

منگانے کا پتہ:- مینیجر عوز تول کا اسٹور اردو بازار جامع مسجد دہلی

Regd No. L. 1872 | October 1942 | Established 1908

قائم شدہ ۱۹۰۸ء

یادگار حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

The ISMAT. Delhi.

عصمت

شریف ہندوستانی بیبیوں کیلئے
پاکیزہ خیالات
علمی۔ ادبی مضامین
اور
مفید معلومات کا ماہوار ذخیرہ

اکتوبر ۱۹۴۲ء

ایڈیٹر:- رازق الخیری

چندہ سالانہ [illegible]

چندہ سالانہ چار روپے

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری کی تصانیف

تاریخ و سیرت

- آمنہ کا لال — عہ
- سیدہ کا لال — ۱۲ر
- الزہرا — عہ
- نوبتِ پنج روزہ یا وداعِ ظفر — ۱۲ر
- وداعِ خاتون — ۵ر
- ایامِ کامرانی و کمپین — ۳ر
- دلی کی آخری بہار — عہ
- بزمِ رفتگاں، بانصیبوں — ۱۰ر
- داستانِ پارینہ — ۱۲ر

مذہبی مضامین

- احکامِ نسواں — عہ
- محسنِ حقیقی — ۶ر
- دعائیں — ۸ر
- قرآنی قصے — ۱۲ر
- زیورِ اسلام — عہ

سیاسی صحافی سیاحتی مضامین

- شہیدِ مغرب — عہ
- یادگارِ تمدن — ۶ر
- عالمِ نسواں — ۸ر
- سیاحتِ ہند — عہ

مضامین کے متفرق مجموعے

- عروسِ مشرق — ۱۰ر
- گدڑی میں لعل — ۱۲ر
- مسلمان عورت کے حقوق — ۱۲ر
- نالۂ زار — ۳ر
- بلبلِ جہان — ۱۰ر
- ساجن موہنی — ۳ر
- شادی کا انتخاب — ۸ر
- فریبِ ہستی — ۶ر
- بے فکری کا آخری دن — ۴ر
- جنستانِ مغرب — عہ
- بہری چہلی بیاں — ۱۲ر

اصلاحی معاشرتی ناول

- حیاتِ صالحہ — ۱۲ر
- منازل السائرہ مکمل — ۱۲ر
- صبحِ زندگی — ۱۲ر
- شامِ زندگی — عہ
- شبِ زندگی دو حصے — ۱۲ر
- نوحۂ زندگی — ۱۲ر
- طوفانِ حیات — عہ
- جوہرِ قدامت — ۱۲ر

اسلامی تاریخ بطرز ناول

- ماہِ عجم — ۱۲ر
- عروسِ کربلا — ۱۲ر
- یاسمینِ شام — ۱۲ر
- محبوبۂ خداوند — ۱۲ر
- تیغِ کمال — عہ
- شہنشاہ کا فیصلہ — ۴ر
- منظرِ طرابلس — ۵ر
- شاہین و دُرّاج — ۸ر
- دُرِّ شہوار — ۸ر

مذہبی افسانے

- نانی عشو — ۱۰ر
- ولایتی نخی — ۶ر
- داداکا الحجہ — ۸ر

نظموں کے مجموعے

- رودادِ قفس — ۱۰ر
- گرفتارِ قفس — ۴ر

ادبِ لطیف و انشا

- قلبِ حزیں — ۸ر
- لڑکیوں کی انشا — ۱۲ر
- سلی و تی پتیاں — ۶ر

لڑکیوں کا نصاب زیرِ طبع

اصلاحی معاشرتی افسانے

- بنتُ الوقت — ۸ر
- سرابِ مغرب — ۸ر
- فسانۂ سعید — ۸ر
- سودائے نقد — ۵ر
- نغمۂ شیطانی — ۱۲ر
- سات روحوں کے اعمال نامے — ۸ر
- غدر کی ماری شہزادیاں — ۱۲ر
- سبز کرگ — ۱۰ر
- ستونتی — ۶ر
- سوکن کا جلاپا — ۵ر
- مودہ — ۶ر
- تفسیرِ عصمت — ۵ر
- انگوٹھی کا راز — ۶ر
- منازلِ ترقی — ۴ر
- بچہ کا کرتہ — ۳ر
- ونیا کی سرگذشت — ۳ر
- چہار عالم — ۳ر

مختصر افسانوں کے مجموعے

- جوہرِ عصمت — ۱۲ر
- سیلابِ اشک بیتیم — ۱۲ر
- طوفانِ اشک — عہ
- قطراتِ اشک — ۱۲ر
- فدائی راج — عہ
- نسوانی زندگی — ۸ر
- گلدستۂ عید — ۸ر
- گوہرِ مقصود — ۶ر
- گردابِ حیات — عہ
- بساطِ حیات — ۶ر
- حور اور انسان — ۱۲ر
- نشیب و فراز — ۴ر

کھانا پکانے کی مستند کتابیں

- عصمتی دسترخوان — ۱۲ر
- مشرقی مغربی کھانے — ۱۲ر
- عصمتی ہنڈکلیا — ۸ر
- ناشتہ — ۱۰ر
- بچوں کے کھانے — ۸ر
- بیماروں کے کھانے — ۱۰ر
- مذاقیہ کھانے — ۶ر

دیگر تصانیف محترمہ آمنہ نازلی

- دولت پر قربانیاں (افسانے) — ۸ر
- تاریخی لطیفے — ۸ر
- عقل کی باتیں — ۸ر
- ہنسی کی باتیں — ۸ر

تصانیف منشی پریم چند

- دودھ کی قیمت (افسانے) — ۱۲ر
- رومانی شادی (ڈراما) — ۶ر

تصانیف رازق الخیری

- وداعِ راشد — ۸ر
- عصمت کی کہانی — ۸ر

تصانیف مولانا سیماب اکبرآبادی

- زنانہ بستہ (۲ حصے) — عہ
- آفتابِ زندگی — ۶ر
- شبابِ زندگی — ۶ر

تصانیف صاحبزادہ ولی احمد صاحب ایم اے

- مخصوص عورتوں باشیتوں کی دنیا کا ... — ۱۲ر
- انشائے سلمی (زنانہ خطوط) — ۶ر

کچھ اور زنانہ کتابیں

- پردہ و تعلیم مذہبی و سیاسی نظر سے — ۱۲ر
- خواتین (ادب سے دلچسپ تذکرے) — ۶ر
- خیابانِ نسواں (منتخب مضامین) — ۱۲ر

زنانہ دستکاری کی نہایت مفید کتب

- عصمتی کروشیا — ۱۲ر
- عصمتی کشیدہ — عہ
- گلزارِ دوختاں — عہ
- گلدستۂ کشیدہ — ۱۲ر
- گلشنِ زہرہ — ۱۲ر
- چمنستانِ خیاطی، سوئی کا کام — ۱۲ر
- گلستانِ خیاطی — ۱۲ر
- موتیوں کا کام — ۱۲ر
- سلمہ ستارہ کا کام — ۱۲ر
- اونی کام سلائیوں سے — ۱۲ر
- گوٹہ کناری کا کام — ۱۲ر
- جالی کا کام — ۱۲ر
- تارکشی کا کام — عہ
- گلدستۂ تارکشی — ۱۲ر
- کراس اسٹچ ورک — ۱۲ر
- جوہرِ نسواں راشد الخیری نمبر — ۱۲ر
- شمیم سوزن کاری — ۱۲ر
- خواتین کی دستکاریاں — ۸ر
- لکڑی کا باریک کام — ۸ر
- وصلی کا کام — ۸ر

عورتوں کی خاص کتابیں

- زچہ خانہ (۲ حصے) — ۱۲ر
- سنگھار خانہ — ۱۲ر

نامور خواتین کے افسانے و ناول

- انوری بیگم — ۱۲ر
- جان بازی — ۱۲ر
- غیرت کی پتلی — ۶ر
- شہیدِ وفا — عہ
- چار رخ — ۳ر
- فیروزہ — ۸ر

کچھ اور نہایت مفید کتابیں

- صنعت و حرفت — ۱۲ر
- تندرستی ہزار نعمت — ۴ر
- بچوں کی تربیت — ۱۰ر
- آئینۂ موثر — ۱۲ر
- کنبہ کی چھپائی — ۸ر

تصانیف محترمہ خاتون اکرم مرحومہ

- جمالِ ہمنشیں — عہ
- گلستانِ خاتون (افسانے) — ۱۲ر
- پیکرِ وفا — ۸ر
- بچھڑی بہنیں — ۶ر

تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا

- مشیرِ نسواں یا زہرہ — ۱۲ر
- سرگذشتِ ہاجرہ — ۱۰ر
- تحریر النسا
- موہنی

تصانیف محترمہ بلقیس بیگم (دوسرا حصہ)

- خانہ داری کے تجربات — ۱۲ر
- مفیدِ نسواں — ۸ر

تصانیف محترمہ حجاب امتیاز علی

- ادبِ زریں — ۱۲ر
- نغماتِ موت — ۶ر

تصانیف محترمہ سعیدہ جہاں آرا بیگم

- پھول بھلواری یا باغبانی کا متعلق — ۸ر
- شہزادی نیلو فر (بچوں کے لیے کہانی) — ۸ر

زنانہ افسانے و گیت

- افسانۂ حرم — ۸ر
- دامنِ باغبان — عہ
- دیہاتی گیت — ۸ر

زنانہ نظمیں

- شمعِ خاموش — ۶ر
- آئینۂ جمال — ۱۲ر

بچوں کے لیے کہانیاں

- جاپانی کہانیاں — عہ
- مزیدار کہانیاں — ۵ر
- بچوں کی دنیا — ۷ر

خواتین کے لئے دوسرے مصنفوں کی کتابیں بھی عصمت سے طلب فرمائیں کہ یہ طلب کر سکتی ہیں

عصمت بک ڈپو دہلی

عصمت بک ڈپو دہلی

وداعِ راشد

حیاتِ راشد کا آخری باب۔ حضرت علامہ راشد الخیری کی علالت اور وفات کے حالات ذاتی اوصاف اور مختلف انسانی حیثیتوں کا تذکرہ مولانا عبدالماجد کی رائے۔ درد صفحہ صفحہ بلکہ سطر سطر میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ آخر وقت کی ساری تفصیلات کا نقشہ نظر کے سامنے آجانے کے بعد کون ایسا سنگدل ہے جس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نہ جاری ہو جائیں گے؟ اردو ٹریجڈی کے بادشاہ کی کتاب زندگی کا خاتمہ یوں ہی ہونا بھی چاہیئے تھا کہ وہ خود ایک ٹریجڈی کا تحفہ دُنیا کو دے جائیں۔

"مولانا رازق الخیری نے اپنے عظیم المرتبت والد کا اچھوتا طرز تحریر گویا ورثہ میں پایا ہے۔ جملہ حالات اس قدر مفصل مؤثر لکھے ہیں کہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے آگے سینما فلم کی طرح نظر آنے لگتے ہیں۔ حزن نگاری کے بادشاہ کے آخری وقت کا بیان نہایت ہی رقت انگیز ہے"۔ ساقی دہلی

"رازق الخیری صاحب نے دلی کی صاف ستھری اور آسان زبان میں سچے پاکیزہ جذبات کی دردناک تصویر کھینچ کر رکھدی ہے واقعات کو اس قدر دل دوز اور مؤثر انداز میں بیان کیا ہے کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں" شاہکار لاہور۔

"ہندوستان کے سب سے بڑے حزن نگار کی موت کے تأثرات کو اس قدر دردناک انداز میں بیان کیا گیا ہے گویا خود مولانا مرحوم اس کتاب کے مصنف ہیں" اخبار وکیل امرتسر

۸۰ صفحات　　۲ فوٹو　　قیمت ۸ ر

عصمت کی کہانی

دین و دنیا کی رائے۔ مولانا رازق الخیری ہندوستان کے پہلے مدیر اور اہلِ قلم ہیں جنھوں نے اس چیز کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان کو اپنے مشہور نسوانی رسالہ عصمت کی تاریخ سے باخبر کر دیں۔

ہندوستان میں کسی اخبار یا رسالہ کا جاری کرنا اور پھر اسے قائم رکھنا اور چلانا اتنا دشوار کام ہے جس کا عام لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مولانا رازق الخیری نے رسالہ عصمت کی اٹھائیس رسالہ زندگی پر روشنی ڈال کر یہ بتا دیا ہے کہ علمی اداروں کے لئے ہندوستان کی سرزمین کس قدر غیر موزوں ہے۔ عصمت کی کہانی پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس مشہور رسالہ کو زندہ رکھنے کے لئے مولانا راشد الخیری مرحوم نے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں اور اس کے باوجود آپ اردو لٹریچر اور عورتوں کے عظیم طبقہ کی خدمت کرتے رہے۔ کاغذ طباعت اور کتابت نہایت اعلیٰ ہے۔

صفحات [illegible] فوٹو [illegible] قیمت ۸ ر

دیہاتی گیت

ہندوستان کے مشہور افسانہ نگار ڈاکٹر اعظم صاحب کریوی نے ہندوستانی گاؤں کی سیدھی سادھی زندگی کا لطف اٹھانے والیوں کے شادی بیاہ کے گیت ساون کے گیت چکی کے گیت کولہو کے گیت المختصر دیہاتی گیت بڑی محنت سے جمع کئے ہیں جاہل گنواروں نے انسانی جذبات اور قدرتی مناظر کے ایسے ایسے نقشے کھینچے ہیں کہ بہت سے پڑھے لکھے شہریوں کی شاعری کو مات کر دیا ہے پھر ڈاکٹر صاحب نے ہر شعر کا مطلب نہایت ہی عام فہم زبان میں بیان کیا ہے۔

رسالہ نگار لکھتا ہے "اس میں جناب اعظم کریوی نے بہت سے وہ گیت اکٹھے کر دیئے ہیں جو گاؤں میں مختلف موسموں اور تقریبوں میں گائے جاتے ہیں ساتھ ہی ساتھ ان کا مفہوم بھی دیدیا گیا ہے جس سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ اس وقت تک کوئی مجموعہ اس موضوع پر ہماری زبان میں شائع نہ ہوا تھا"۔ بل الہ آباد لکھتا ہے "بلا شبہ ڈاکٹر اعظم کو ان گیتوں کے جمع کرنے میں بڑی کاوش سے کام لینا پڑا ہوگا"

جامعہ لکھتا ہے "کچھ مختلف عنوانات کے ماتحت دیہاتی گیت جمع کئے گئے ہیں یہ گیت دیہاتی زندگی کی کیفیات نمایاں کرتے ہیں"۔ قیمت آٹھ آنے (۸ر)

خیابانِ نسواں

حیدرآباد دکن کے مشہور ادیب مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی کے وہ مضامین جو مختلف زنانہ رسائل میں شائع ہو کر مقبول ہوئے دلچسپ پیرایہ میں خواتین کے مفید مطلب ضروری امور پر بحث کی گئی ہے چند معاشرتی اخلاقی مسائل پر قابل قدر خیالات ہیں خواتین ہند کی ترقی کے سلسلے میں قابل مصنف نے سیاحت یورپ کے بعد جو نتائج اخذ کئے وہ اس قابل ہیں کہ ان پر غور و فکر کیا جائے ان مضامین سے معلومات میں نہایت دلچسپ اضافہ ہوتا ہے۔ قیمت بارہ آنے (۸ر)

پردہ و تعلیم

از حضرت امام اکبر آبادی۔ و کپتان ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب

اس کتاب سے معلوم ہوگا کہ تعلیم نسواں کی طرف سے غفلت کرنے سے مسلمانوں کو کیسا شدید نقصان پہنچ چکا ہے اور اب ان کی ترقی و بہتری کی کیا صورت ہے اس کتاب میں ہر مذہب کی عورتوں کا مقابلہ کر کے پردہ پر مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ اور قرآن و حدیث سے ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوستان کا مروجہ پردہ نہ صرف اسلامی بلکہ سیاسی و معاشرتی نقطۂ نظر سے بھی سخت ہے مشہور افسانہ نگار محترمہ ایس آر کرمانیہ مصنفہ نیرنگ لکھتی ہیں "اس موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گذری"

قیمت بارہ آنے (۱۲ر)

تصانیف محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

گلستان خاتون محترمہ خاتون اکرم ہندوستان کے بہترین افسانہ نگاروں میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں گلستان خاتون متفقہ طور پر اردو کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے اور اس میں وہ سبق آموز موثر اور دردانگیز افسانے ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا۔ ملک کے تمام مشہور اخبارات اور رسائل اور نامور اہل قلم مردوں اور عورتوں نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں۔ دیباچہ مولانا راشد الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے تمام کتاب آرٹ کاغذ پر چھپی ہے۔ بار سوم۔ قیمت عہ

پیکر وفا دلآویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور شریف بیوی اپنے شوہر کے لئے ایسی ایسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہ جائے۔ تیسرا اڈیشن۔ قیمت آٹھ آنے۔ (۸/)

بچھڑی بیٹی ایک دلچسپ اور سبق آموز افسانہ۔ ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے۔ اس کی جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے۔ صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ جنت مکانی کی بےمثل افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے۔ قیمت چھ آنے (۶/) تیسری بار چھپی ہے۔

جمال ہمنشیں جنت مکانی کے بےمثل ادبی مضامین کا نہایت حسین شاندار مجموعہ۔ رسالہ حرم کی رائے یہ مضامین بہ لحاظ زبان وخیال نہایت ہی بلند ہیں اور ان کی اشاعت اردو زبان پر بڑا احسان ہے۔ قیمت عہ دوسرا اڈیشن قریب الختم ہے۔

تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ ایم آر اے ایس لنڈن

مشیر نسواں یا زہرہ ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس میں لڑکیوں کو بہت سی بیش بہا اخلاقی باتیں بتائی گئی ہیں قصہ دلچسپ اور نتیجہ خیز ہے۔ طرز بیان نہایت آسان اکابرین قوم نے بھی پڑھ کر شاندار ریویو کئے تھے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے۔

سرگزشت ہاجرہ دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اخلاق اور اسلام جواہرات کا بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے، عورت انھیں کس طرح دور کر سکتی ہے۔ قیمت ۱۰/

موہنی ایک اخلاقی معاشرتی افسانہ۔ ایک شہزادی شوہر کے انتقال پر گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں ماری ماری پھرتی تھی یہاں تک کہ [illegible] پہونچتی ہے اور وہاں عجیب طریقہ سے شوہر سے ملاقات ہوتی ہے [illegible] کی معاشرت اور مہمانداری زچہ خانہ شادی بیاہ رسم ورواج پر دلچسپ معلومات بھی ہیں۔ قیمت۔ بارہ آنے۔

تحریر النساء لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرز پر خط وکتابت کی مفید کتاب اخلاقی۔ معاشرتی۔ مذہبی سبقوں کا لاجواب دلچسپ مجموعہ۔ یہ کتاب اعلیٰ انشا کی انشا ہے اور نتیجہ خیز سبق آموز مضامین کا مجموعہ بھی۔ قیمت ۱۲/

خواتین اندلس اندلس یعنی اسپین نے جہاں مسلمانوں نے ۸۰۰ سال تک حکومت کی تھی ایسی ایسی باکمال خواتین پیدا کیں جنھوں نے علوم وفنون کے دریا بہا دیئے تھے محترمہ مہر النساء صاحبہ نے ان خواتین کے حالات لکھے ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ کیسی کیسی اعلیٰ پایہ شاعرہ ادیب مصورہ بذلہ سنج لطیفہ گو حاضر جواب [illegible]

صنعت وحرفت

خواتین اور کم استطاعت لوگوں کو بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے پیمانے پر تجارت کرنے اور روزمرہ کی ضروریات سے ہر ماہ ایک معقول رقم پس انداز کر لینے کے بے بہا مشورے۔

کئی سال کی محنت کے بعد محترمہ امۃ الحفیظ صاحبہ اہلیہ مولوی عبدالرحیم صاحب چیف کیمسٹ نے ایک ایک چیز کا تجربہ کر کے یہ ضخیم کتاب تیار فرمائی ہے جس میں ایک ایک چیز کی کئی کئی قسم کے تیار کرنے کے نہایت صحیح اور آزمودہ نسخے نہایت احتیاط سے درج کئے گئے ہیں۔ صابن سازی۔ لکڑی کے سامان، رنگ وروغن، دانتوں کے لئے منجن۔ کریم اور چہرے کے پاؤڈر، ویسلین، غازہ حسن، پامیڈ۔ تیل، اور روغن خضاب، مختلف اشیاء کو جوڑنے کے مصالحے، سیمنٹ وغیرہ۔ بوٹ، شو کریم اور پالش، شربت سازی، سریش۔ لاکھ کی تجارت، ربڑ اور مکھن کی تجارت، اچار مربے۔ چٹنیاں وغیرہ خوشبودار تمباکو خوردنی تیزاب عطریات۔ اسنس۔ تیل اور کتھہ۔ چاک اور بتیاں کافور اور رانڈی کا تیل۔ نشاستہ۔ آئس کریم شیشے بنانا وغیرہ کے ۴۳ باب ہیں اور ہر باب میں ایک ایک چیز کے مختلف قسم کے آٹھ آٹھ دس دس بلکہ پندرہ پندرہ آزمودہ صحیح نسخے ہیں۔ بازاری کتابوں کی طرح کوئی نسخہ نہ سنا سنایا درج ہے نہ محض اندازہ سے لکھا گیا ہے۔ نہ کسی کتاب سے ترجمہ کیا گیا ہے بلکہ تجربہ کیا ہوا ہے۔ ہندوستان کی کسی زبان میں اس موضوع پر اس قدر صحیح اور مستند اور اتنی مفید اور کارآمد کتاب آج تک نہیں چھپی کتاب صنعت وحرفت نادار اور کم استطاعت لوگوں کی مالی پریشانیاں ختم کر دے گی اور وہ گھر بیٹھے عزت وخودداری کے ساتھ زر کثیر کما سکیں گے۔ خوشحال بیبیاں کتاب صنعت وحرفت کی موجودگی میں ہر ماہ ایک رقم بچا سکیں گی۔ قیمت دو روپیہ عہ مجلد سوا دو روپے

منیجر عصمت بک ڈپو دہلی

تصانیف محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ

نجمہ

ہندوستان کی بہترین ناول نگار خاتون کا بہترین ناول جس کی رسالہ عصمت میں شائع ہو کر دھوم مچ چکی ہے۔ اب کتابی صورت میں چھپ کر تیار ہے۔ یہ ایک خود سر۔ آزاد خیال۔ ناعاقبت اندیش اعلیٰ تعلیم یافتہ مغرب زدہ لڑکی کی ناکام محبت کا عبرت انگیز قصہ اور ایک نیک خصلت۔ شریف الطبع مگر منچلے دولت مند بیرسٹر کی شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کی نہایت ہی دلاویز داستان ہے۔ اس ناول میں مختلف طبیعتوں اور مختلف عادات و خصائل "بڑے آدمیوں" کے حالات بیان کئے گئے اور اونچے طبقہ کے ایک دو نہیں کئی خاندانوں کی معاشرت دکھائی گئی ہے۔ واقعات کی دلچسپی طرز بیان کی دلکشی کتاب شروع کر کے ختم کرنے پر ہی مجبور کرتی ہے ناول میں ۳۳ باب ہیں لیکن ایک باب بھی تمام کو ایسا نہیں کہ طبیعت کہیں اکتا جائے۔ واقعات محض دلچسپ ہی نہیں ہیں درد انگیز بھی ہیں اور سبق آموز بھی۔ مصنفہ نے اس ناول کا بیشتر حصہ اپنی طویل علالت کے زمانہ میں لکھا مگر حق یہ ہے کہ خوب لکھا اور بہت خوب لکھا سفید چکنا کاغذ کچھ کم دو سو صفحے۔ قیمت عہ؎

جاں باز

محترمہ نذر سجاد حیدر کا اصلاحی معاشرتی ناول جس میں ایک معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کے حالات نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں زبیدہ اپنے منگیتر کے لئے کیا کیا قربانیاں کرتی ہے مسٹر قمر ایک کم حیثیت مغربی لڑکی کے ہاتھوں کس طرح اپنی پُرمسرت زندگی تباہ کرتا اور ایک سچا دوست تمام مشکلات کس طرح حل کرتا ہے۔ یہ ایسے ایسے باب ہیں کہ آپ عش عش

تصانیف منشی پریم چند آنجہانی

دودھ کی قیمت

منشی پریم چند ہندوستان کے بہترین افسانہ نگاروں میں سے تھے اور دودھ کی قیمت منشی جی کے بہترین افسانوں کا مجموعہ ہے۔ دودھ کی قیمت میں ایک ڈراما ہے اور ۸ افسانے اور یہ سب کے سب خاص طور پر رسالہ عصمت کے لئے منشی جی آنجہانی نے لکھے تھے۔ عنوانات یہ ہیں۔

(۱) دودھ کی قیمت (۲) کسم (۳) اکسیر (۴) عیدگاہ (۵) سکون قلب (۶) ریاست کا دیوان (۷) وفا کا دیو (۸) دو بھنیں (۹) زاویہ نگاہ۔ ان عنوانوں میں بظاہر جاذبیت اور کشش نہیں لیکن کوئی سا افسانہ اس مجموعہ کا پڑھ لیجئے ممکن ہی نہیں کہ منشی جی آنجہانی کی سحر نگاری کے آپ قائل نہ ہو جائیں۔ اصلاح اخلاق اصلاح معاشرت اور جذبات نگاری کے لحاظ سے یہ افسانے اُردو کے بہترین افسانوں میں سے ہیں۔ جن میں دیہاتیوں اور شہریوں کی پُرمسرت اور دردناک زندگی کا ہو بہو نقشہ کھینچا ہے ہر افسانہ میں ایک پیام ہے قوم کا اور انسانیت کا۔ اور ہر افسانہ لبریز ہے درد و اثر سے۔

پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا۔ اب دوسری دفعہ شائع ہوا ہے کاغذ چکنا سفید لکھائی چھپائی عمدہ۔ ضخامت ڈیڑھ سو صفحوں سے اوپر قیمت علاوہ محصول ایک روپیہ چار آنے۔ (عہ؎)

روحانی شادی

یہ اصلاحی ڈرامہ پلاٹ مکالمہ کیرکٹر ہر اعتبار سے کامیاب اور نتیجہ خیز سبق آموز ہے دلچسپ دلاویز عبرتناک اور کافی تفریحی مذاحیہ بھی اصلاح معاشرت پر اتنے موثر اور بلند پایہ

دامنِ باغبان

ہندوستان کے مشہور افسانہ نگاروں میں یہ خصوصیت ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی ہی کی تحریروں میں ہے کہ وہ خشک سے خشک مضمون کو نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان فرماتے ہیں جذبات نگاری اور واقعات نویسی میں ڈاکٹر صاحب کو کمال حاصل ہے اور زبان روزمرہ نہایت ہی عام فہم لکھتے ہیں تاکہ معمولی استعداد رکھنے والے بھی ان کی تحریروں سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

ڈاکٹر صاحب کے متعدد مختصر افسانے مختلف رسائل میں شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں ان افسانوں میں سے سات بہترین افسانے منتخب کر کے یہ مجموعہ شائع کیا گیا ہے۔ (۱) نصیبن کا بیان ایک غریب آرہ کش لڑکی کی شادی ایک دولت مند سے کس وجہ سے کی جاتی ہے۔ (۲) اخلا کا باغی ایک مفلس دھریہ کس طرح راہ راست پر آ جاتا ہے۔ (۳) بخار کا تعویذ۔ ایک بڑے آدمی کی خود غرضی نفس پروری اور ایک چھوٹے آدمی کا حیرت انگیز ایثار اور انسانی ہمدردی (۴) بڑا آدمی۔ ایک فقیر کس طرح ایک دولت مند اور کامیاب انسان بن جاتا ہے (۵) سکون نا آشنا دل۔ یہ حقیقی مسرت کس طرح حاصل ہوئی (۶) حسرت نصیب مزدور۔ ایک دولت مند وکیل کی اپنی قوم کی خاطر بے مثل قربانیاں ایک خوددار انسان کی دردبھری کہانی (۷) حفاظت کا فرشتہ شاہ جی کے کرتوت اور عفت مآب خاتون کی جرات کا افسانہ۔

یہ افسانے دلچسپ ہیں اور بے حد دلچسپ مگر بڑی خوبی یہ ہے کہ ان افسانوں سے جرات ہمت۔ بہادری۔ ایثار۔ محنت۔ صداقت، اولوالعزمی استقامت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اور کامیاب زندگی گذارنے کا راز انسان کو معلوم ہو جاتا ہے۔ ایک ہی افسانہ پڑھنے سے کتاب کی قیمت وصول ہو جاتی ہے۔ دوسرا ایڈیشن قیمت ایک روپیہ (عہ؎)

عصمت بک ڈپو دہلی

ج

نامور خواتین کے لکھے ہوئے ناول اور افسانے

شہیدِ وفا

سلمہ نے دنیا کے سامنے محبت اور وفا کا جو درد کا نمونہ پیش کیا ہے "شہیدِ وفا" میں پڑھئے دل لرز جائیگا آنکھیں پُرنم ہوجائیں گی اور ایک بہادر لڑکی کی تصویر آپ کی نگاہوں کے سامنے آجائے گی۔ ہندوستان کی مشہور فسانہ نگار محترمہ امۃ الوحی صاحبہ کا یہ مشہور افسانہ ہے جس کے ساتھ موصوفہ کے ۸ اور دلچسپ افسانے بھی آپ کی دلچسپی کے لئے حاضر کئے گئے ہیں۔ عنوانات یہ ہیں۔ (۱) بیٹے کی تمنا (۲) نکاح کا افسوس (۳) مجذوب کی سرگذشت (۴) سیاہ نقاب پوش (۵) تصویر عبرت (۶) پگلی کا راز (۷) جوہری کی دوکان (۸) تلین خون۔ یہ معمولی افسانے نہیں حیات انسانی کی تفسیریں درد اور جذبات کی سچی تصویریں ہیں سب افسانے دلکش اور نتیجہ خیز ہیں عصمت۔ تہذیب الخلیل۔ انقلاب جیسے بلند پایہ رسالوں اخباروں نے شاندار ریویو کئے ہیں دوسری دفعہ شائع ہوئی ہے۔ ضخامت دوسو صفحوں کے قریب ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

انوری بیگم

اردو کی نامور افسانہ نگار محترمہ طیبہ بیگم مسز نواب خدیو جنگ بہادر کا مشہور و مقبول ناول "بیماری کی تیمارداری" کے عنوان سے عصمت میں جس کی چند قسطیں شائع ہوکر دھوم مچگئی تھی۔ اس دلاویز اصلاحی ناول میں حیدرآباد کے ایک شریف معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کی بلند معاشرت دکھائی گئی ہے "انوری بیگم" کی جو قصہ کی ہیروین ہے "بیمار اور تیمارداری اور تندرستی" منگنی اور شادی کے حالات نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔ تمدنی خرابیوں اور بعض پرانے رسم و رواج کی پابندیوں کے نقصانات خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں پلاٹ میں دلکشی اور طرز بیان میں بے تکلفی اور سادگی ہے "حیدرآبادی ماماؤں کی زبان بھی خوب لکھی گئی ہے "کہیں کہیں ظرافت کی چاشنی ہے" اردو میں خواتین کے لکھے ہوئے ایسے بلند معاشرتی ناول کم نکلیں گے۔ کاغذ لکھائی۔ چھپائی عمدہ قیمت صرف۔ ایک روپیہ چھ آنے (عہ۶)

دولت پر قربانیاں

تعلیم یافتہ اور روشن خیال لڑکی کے اس وجہ سے کہ غیر کفو میں شادی کرنے سے ترکہ پدری دنیا ہوگا، برادری کے لڑکے سے جو لڑکی کے لئے عمر و قابلیت وغیرہ کے لحاظ سے موزوں نہیں اور مذاق و خیالات جداگانہ رکھتا ہے، شادی کرنے کے دردناک نتائج اور دولت کے لالچ میں سوتیلی بیٹی بیاہنے کا عبرت ناک انجام۔ ہندوستان میں لاکھوں بے زبان لڑکیاں رواج اور دولت کی چوکھٹ پر قربان کی جارہی ہیں۔ افسانی سلسلے کے یہ ۵ بہترین افسانے ہیں۔ قیمت آٹھ آنے (۸ر) بار دوم

فیروزہ

ایک دولت مند مگر یتیم و بیسہارا لڑکی کا افسانہ غم۔ شرافت اور انسانیت کی دل ہلادینے والی قربانیاں جن سے معلوم ہوگا کہ کس وجہ سے ایک شریف عورت اپنے شوہر کو ایک دوسری عورت کے حوالہ کر دیتی ہے۔ لالچ۔ بے ایمانی اور ہنگامی جذبات کے قابل تقریر رقیے۔ احسان فراموشی محسن کشی کے کمینے حملے و استقلال دوراندیشی کی فتح سبق آموز افسانہ، جو بتائے گا کہ بڑی بڑی مشکلات کا مقابلہ کرنے پر بھی عورت اعلیٰ تعلیم۔ سلیقہ شعاری اور معاملہ فہمی کی بدولت زندگی خوشگوار بناتی اور قومی خدمات انجام دے سکتی ہے۔ عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ جمیلہ بیگم صاحبہ کلکتہ کی تصنیف ہے۔ قیمت آٹھ آنے (۸ر)

غیرت کی پتلی

محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ منشی فاضل سابق ایڈیٹر شریف بی بی کا لکھا ہوا ایک سبق آموز دلچسپ قصہ جس میں مختلف الخیال عورتوں کے حالات ہیں۔ جن سے معلوم ہوگا کہ اولوالعزمی اور ہمت سے عورت کس طرح بگڑا ہوا گھر بنا سکتی ہے۔ دولت کے لالچ میں اور چھوٹی حیثیت کے لوگوں میں شادی کرنے کے کیا کیا نتائج ہوتے ہیں۔ قیمت چھ آنے (۶ر)

چار رُخ

عصمت کی مشہور انشاپرداز محترمہ انیس فاطمہ بنت بھوتی مرحوم کا لکھا ہوا ایک نتیجہ خیز افسانہ ہے جس میں چار عورتوں کی عبرت انگیز اور سبق آموز آپ بیتی ہے چاروں کہانیاں اچھی ہیں اور ان میں مغربی تمدن کی اندھا دھند تقلید عیسائی مشنریوں کی صحبت رواج کی پابندیوں کے نہایت دردناک نتائج دکھلائے گئے ہیں۔ کتاب مختصر ہے لیکن جو نتیجہ اس سے نکلتے ہیں وہ نہایت اہم ہیں۔ قیمت چار آنے (۴ر)

حلیمہ

ایک سگھڑ سلیقہ شعار سمجھدار نیک کردار لڑکی کے حالات زندگی جس نے بگڑے گھر کو بنا ڈالا اور دنیا کو دکھادیا کہ نیک عقلمند عورت زندگی کا نقشہ بدل کر دکھا سکتی ہے۔ مختصر قصہ ہے مگر بہت دلچسپ از مولوی عبدالغفار صاحب الخیری۔ بار دوم۔ قیمت چار آنے (۴ر)

افسانۂ حرم

ایک فاضل جرنلسٹ کی لکھی ہوئی مندرجہ ذیل ۱۶۔ کہانیوں کا مجموعہ (۱) دھوم دھام کی شادی (۲) خودکشی (۳) وفادار بیوی۔ (۴) بہو پر حکومت (۵) چہیتی بیٹی۔ (۶) زیور کی بھینٹ۔ (۷) جاں نثار بہن (۸) علم دوست کی صحبت (۹) سلیقہ مند بیوی (۱۰) عصمت کی قیمت (۱۱) عقد ثانی۔ (۱۲) میٹھی نیند۔ (۱۳) نیک بخت بہو۔ (۱۴) بے کس خاتون (۱۵) خواب کی تعبیر (۱۶) مجسمہ قربانی۔ یہ ۱۶ کہانیاں سلیس اور عام فہم زبان میں لڑکیوں اور عورتوں کے لئے لکھی گئی ہیں طرز بیان میں حد درجہ سادگی اور دلاویزی ہے۔ ان کتابوں میں عام ہندوستانی گھرانوں کی حالت بڑی دلچسپی سے دکھائی گئی ہے قیمت ۸ر

عورت کی سب سے بڑی خوبی

یہ ہے کہ وہ اُمورِ خانہ داری میں ماہر ہو۔ عورت کتنی ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ کتنی ہی خوبصورت اور کتنی ہی دولت مند کیوں نہ ہو اگر خانہ داری کے کام کاج اچھی طرح نہیں کر سکتی تو اس کی زندگی ہرگز کامیاب نہیں عصمت کی نامور مضمون نگار بلقیس بیگم (و-ا) صاحبہ کی کتاب **خانہ داری کے تجربات** چھوٹی بڑی ہر عمر کی لڑکیاں بھی اگر مطالعہ کریں تو سلیقہ شعار اور سگھڑ بن جائیں گی کیونکہ اس بیش بہا کتاب میں وہ مضامین ہیں جو ذاتی تجربوں کی بنا پر نہایت محنت اور بڑی قابلیت سے لکھے گئے ہیں۔ فصل اوّل میں ان ۲۴ کھانوں کے تیار کرنے کی نہایت مکمل اور نہایت صحیح ترکیبیں ہیں۔ جو طاقت بخش یا کسی تکلیف کے رفع کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یا بیماری سے اُٹھ کر کمزوری کی حالت میں جن کا کھانا نہایت مفید ہے **فصل دوم** میں مفید صحت توانا و تندرست رہنے کے بیش بہا مضامین ہیں مثلاً:-

پانی کی احتیاط	دودھ کی احتیاط	باسی روٹی	مینہ	دو نسل کا تجربہ	رات کو سوتے وقت
اصول تربیت	اچھی غذا	آرام کی ضرورت	جسم کی صفائی	ہمارا مکان	

فصل سوم میں وہ کارآمد باتیں ہیں جن کا جاننا ہر گھر والی عورت کے لئے اشد ضروری ہے

نوکروں سے برتاؤ	بچوں کی تربیت	شادی بیاہ	مہمان جانا	صنعت و حرفت	کام کی باتیں

خانہ داری کے تجربات کا ہر مضمون ذاتی تجربوں کی بنا پر نہایت سلیقہ اور خوبی سے لکھا گیا ہے ہر شریف عورت اور لڑکی کو ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ عورتوں کی زندگی میں اس کتاب سے ایک انقلاب پیدا ہو سکتا ہے قیمت ۱۲/

مفید نسواں

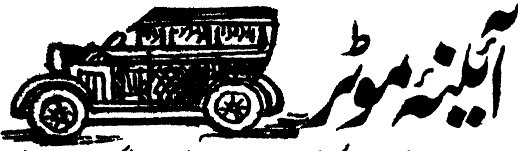
خانہ داری کے تجربوں کا دوسرا حصہ جس میں تندرستی اور بیماری کے متعلق نہایت کارآمد مضامین ہیں مثلاً آنکھوں کی قدر و قیمت، نظر کی کمزوری کے اسباب اختلاج قلب۔ چیچک۔ مختلف قسم کے درد۔ قبض۔ لولگنا۔ کھانسی۔ نزلہ زکام وغیرہ کے اسباب علاج ہدایات احتیاطیں تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہیں اس کتاب میں ایک مضمون بھی ایسا نہیں جس میں سُنی سُنائی باتیں لکھی ہوں۔ یا کسی کتاب سے نقل کیا گیا ہو بلکہ ہر چیز ذاتی تجربہ کی بنا پر لکھی گئی ہے۔ قیمت ۸/

کپڑے کی چھپائی

سائنٹیفک طریقوں سے کپڑے کی چھپائی کس طرح کرنی چاہئے نہایت کفایت سے خوش نما کپڑا کس طرح رنگا جائے کہ اس کی پائیداری میں فرق نہ آئے اس موضوع پر ماہر فن جناب اقبال احمد صاحب کی مستند تالیف۔ اخبار ملزم لاہور لکھتا ہے "یہ کتاب اپنے موضوع پر مکمل اور جامع ہے"۔ رسالہ جامعہ لکھتا ہے "اس میں کپڑا چھاپنے کی صنعت کا حال اور مختلف ترکیبیں ہیں۔ چھاپنے کے طریقے اور رنگوں کی اقسام کا تفصیل سے ذکر ہے۔ رسالہ ساقی کی رائے "یہ کتاب بے حد کارآمد اور مالی اعتبار سے بھی مفید ہے"۔

قیمت دس آنے (۱۰/)

آئینہ موٹر



موٹر کے متعلق اُردو میں کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مگر وہ سب مل کر آئینہ موٹر کا پاسنگ بھی نہیں ہیں۔ اس کتاب میں سب سے پہلے موٹر انجن کے ہر حصہ کے اصول سلیس اور عام فہم عبارت میں سمجھائے گئے ہیں اور ہر مضمون کے علیحدہ علیحدہ باب مقرر کئے گئے ہیں اس کتاب میں موٹر کے ہر پرزے کے متعلق تمام ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ جن سے ہر پرزے کو کھول کر با آسانی ہر شخص فٹ کر سکتا ہے۔ ڈرائیور عموماً گاڑی چلانی جانتے ہیں چلتے چلتے اگر گاڑی بگڑ جائے تو صحیح اصول مرمت نہیں کرتے اور بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کتاب کی مدد سے ہر پرزے کے متعلق مالک موٹر کو کافی واقفیت ہو جاتی ہے اور انجن کی آواز سے معلوم کر لیتا ہے کہ اس کی موٹر کس حالت میں ہے ڈرائیور اور ورکشاپ کی پریشانیوں کی نوبت نہیں آتی اور بہت سا روپیہ ضائع ہونے سے محفوظ ہوتا ہے۔ ہر باب کے بعد اس کتاب میں سوال و جواب کی صورت میں نفس مضمون ذہن نشین کر دیا گیا ہے۔ ہر خرابی کے اسباب تحریر کئے گئے ہیں جن سے ہر نقص با آسانی دور کیا جا سکتا ہے۔ پھر موٹر چلانے کے اصول بھی درج کئے گئے ہیں۔ آخر میں تمام مروجہ اصطلاحیں اور ان کی مفصل تشریح۔ موٹر کے ہر پرزوں کی بے شمار تصاویر دی گئی ہیں۔ یہ کتاب درجنوں جرمنی۔ انگریزی کتابوں کا نچوڑ ہے۔

دوسرا ایڈیشن۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔ عہ

تالیفات سید رضا احمد صاحب جعفری

لکڑی کا باریک کام

سب رس حیدرآباد لکھتا ہے "لکڑی کے نفیس کٹاؤ کے کام سے بے شمار وضع وقطع کے زیبائشی اور کارآمد اشیا بنائی جاتی ہیں اس کتاب سے بہت سے ایسے گُر معلوم ہوتے ہیں کہ لکڑی کے باریک کام میں سہولتیں ہو جاتی ہیں۔"

ندیم کی رائے "اس کی مدد سے محض کم قیمت اوزاروں کی مدد سے لکڑی پر بہترین نقش و نگار بنائے جا سکتے ہیں نہایت آسانی سے آ جاتا ہے۔"

قیمت آٹھ آنے (۸/)

علاوہ محصول ڈاک۔

وصلی کی دستکاری

رسالہ ہمایوں لکھتا ہے "اس کتاب میں وصلی یعنی گتے کے مختلف کھلونے ڈبے اور ضرورت کی چیزیں بنانے کی ترکیبیں درج ہیں۔ یہ محض دلچسپ مشغلہ ہی نہیں ذہنی ریاضت کا بھی بہترین ذریعہ ہے۔ جگہ جگہ تصویریں دے کر اچھی طرح سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے"۔ اخبار حمایت اسلام کی رائے "اس میں کارڈ بورڈ کی صنعتوں کے متعلق مفید معلومات ہیں۔ مختلف اشیا کے بنانے کے طریقے عام فہم زبان میں با تصویر ہیں۔"

قیمت ۸/

بچوں کی دلچسپ کتابیں

مزیدار کہانیاں

چھوٹے بچوں کے مطلب کی انہیں کی زبان میں لکھی ہوئی نہایت دلچسپ کہانیاں ہیں جو جناب سید ابو تمیم صاحب نے لکھی ہیں دلّی کی زبان اور پھر سید صاحب کا طرز بیان - ایک کہانی ایسی نہیں کہ بغیر ختم کئے چھوڑ سکیں - اوّل تو کہانیوں کی دلچسپی اس پر عمدہ عمدہ تصویریں بچے خوش ہو جائیں گے - قیمت ۵ ر

شہزادی نیلوفر اور دوسری کہانیاں

ننھے بچوں اور بچیوں کے لئے دفتر عصمت کی یہ نئی کتاب ہے جس کی کہانیاں رسالہ بنات میں چھپ چکی ہیں اور بچوں اور بچیوں نے بے حد پسند کی ہیں - بہت ہی مزیدار اور دلچسپ ہیں - از محترمہ سرور جہاں رعنا - بی اے مؤلفہ پھول پھلواری - قیمت ۸ ر باتصویر ہے

جاپانی کہانیاں باتصویر

مسز فضلی صاحبہ اپنے شوہر کے ساتھ جاپان میں کئی سال رہیں انھوں نے بچوں کے مطلب کی نہایت عمدہ سبق آموز کہانیاں جمع کیں اور بڑی قابلیت سے اردو میں لکھیں - چند کہانیوں کے عنوان یہ ہیں چڑیا کی کہانی - پھول کھلانے والا بڈھا - انگلی کے برابر بچہ - عجیب شفتالو - کیکڑا اور بندر - بچوں کا باغ - شنتو کو مارو وغیرہ جاپانی بچوں کی یہ کہانیاں عمدہ باتصویر ہیں - قیمت ایک روپیہ - ۱۲ر

زنانہ بستہ

جس میں دس کتابیں ہیں

(۱) بسم اللہ کی کتاب (۲) کہانیوں کی کتاب - (۳) کھیل کی کتاب (۴) لکھنے کی کتاب (۵) نماز کی کتاب (۶) کھانے پکانے کی کتاب (۷) تندرستی کی کتاب (۸) تہذیب - ادب اور اخلاق کی کتاب (۹) پردہ کی کتاب (۱۰) خانہ داری کی کتاب یا دلہن کا اصلی جہیز - یہ دس کتابیں یکجا ہیں - چوتھی دفعہ زنانہ بستہ چھپا ہے - زنانہ بستہ کی قیمت صرف ایک روپیہ ۱۲ر

بالشتیوں کی دنیا

یعنی مختصر دنیا - ایک سیاح بالشتیوں کی دنیا میں چلا گیا - بالشتئے اسے دیو سمجھنے لگے - سیاح کبھی درجنوں درجنوں بالشتیوں کو جیب میں ڈال لیتا کبھی سینکڑوں بالشتیوں کا کھانا ایک لقمہ میں ختم کر دیتا - نہایت آسان زبان میں اس کہانی کا ترجمہ کیا گیا ہے - بچے اور بچیاں مزے لے لے کر پڑھتی ہیں - قیمت ۵ ر - دوسرا اڈیشن

بچوں کی دنیا

روس کے مشہور مصنف ٹالسٹائی کی کتابیں مرد - عورت - بچے سب پسند کرتے ہیں - ٹالسٹائی نے بچوں کے لئے جو کہانیاں لکھی تھیں ان میں سے ۵ بہترین کہانیوں کا ترجمہ بچوں ہی کی زبان میں کیا گیا ہے دلچسپ ہونے کے علاوہ بچوں میں ان کہانیوں سے نیکی محبت بہادری حب الوطنی ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں قیمت ۸ ر

زنانہ دستکاری کی دلپسند کتابیں

مجموعہ کشیدہ کاری

حصہ اول میں انوری بیگم صاحبہ کے ۴۴ نمونے مختلف چیزوں کے نئی نئی طرز کے ہیں - حصہ دوم میں مسز مہربان جبین صاحبہ کی اعلیٰ درجہ کی دستکاری کے ۴۷ نمونے وضع وضع کی کڑھت کے ہیں - حصہ سوم میں مختلف خواتین کے ۹۳ نمونے ہیں اپنے رنگ میں کشیدہ کاری کی یہ بہترین کتاب ہے اور بہت پسند کی گئی ہے - قیمت علاوہ محصول ڈاک ایک روپیہ آٹھ آنے

روح کشیدہ

اس میں چھوٹے پھول - درمیانی پھول اور ڈالیاں - بڑے پھول - پرندے - اور بے نظیر بیلیں ٹوکریاں - گلدستے - کڑھیاں - کونے - مرکز اور فریم کے نقشے غرضیکہ کشیدہ کاری کی بہترین نئی نئی وضع کے متعدد نمونے ہیں - اور کئی درجن دستکار خواتین نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا ہے - قیمت علاوہ محصول ڈاک ایک روپیہ

کڑھت کی قسمیں

مختلف کڑھت کی قسم کی بے نظیر کتاب جس میں کشمیری زنجیرے کی - دوہری - ابھری ہوئی ممبرہ - چین اسٹچ - مچھلی کا نقا بتی - فرنچ ناٹ - پھندے دار - کاج نما - جال دار لہردار - بخیہ - بٹن ہول اسٹچ ڈبل حلقہ دار ریشم اسٹچ خمدار - تلیچی - کڑہت وغیرہ وغیرہ کے علاوہ کٹائی اور ربن کے کام - سلمہ ستارے کے کام کے متعدد نمونے معہ ہدایات ہیں -

یہ وہ کتاب ہے جس کا دستکار خواتین کو پانچ سے شدید انتظار تھا اب تیار ہے - قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے -

جو عورتیں مالی دقتوں سے پریشان ہیں جنھیں آمدنی کی کمی اور اخراجات کی زیادتی نے پریشان کر رکھا ہے اگر وہ ایک جلد

خواتین کی دستکاریاں

منگا لیں تو گھر پر خود داری اور عزت کے ساتھ زندگی گذار سکتی ہیں کیونکہ اس کتاب میں غریب اور نادار عورتوں کو نہایت ہی کارآمد اور مفید مشورے دئیے گئے ہیں اور بہت سے کاموں کی اس قدر تفصیل بیان کر دی ہے کہ پردہ نشین عورتیں بغیر کسی کا احسان اُٹھائے ہوئے صرف اس کتاب کی بدولت مالی پریشانیوں کو بآسانی دور کر سکتی ہیں جہاں غریب عورتوں کو بہترین مشورے دئیے گئے ہیں وہاں متمول عورتوں کو بھی ہنرمند بنا دے گی - بار دوم قیمت آٹھ آنے -

بچوں کی تربیت :-

بچوں کی پرورش و تربیت پر اس قدر آسان پیرایہ میں ایسی مفید کتاب اُردو میں آج تک شائع نہیں ہوئی دہلی کے پرانے گھرانوں میں بچوں کی پرورش میں جن باتوں کا خیال رکھا جاتا تھا آج جن بیماریوں پر اشرفیاں خرچ کی جاتی ہیں اور اس وقت پیسوں میں کام ہو جاتا تھا - وہ نسخے اس میں جمع کئے گئے ہیں پھر سائنس اور صحت کے اصولوں پر کتاب لکھی گئی ہے اور ذاتی تجربے بیان کئے گئے ہیں - از مولوی عبد الغفار الخیری سابق پروفیسر امریکن یونیورسٹی بیروت - قیمت ۱۲ر

عصمت بک ڈپو دہلی

محترمہ حجاب اسمٰعیل کی تصانیف

ادب زریں

محترمہ حجاب اسمٰعیل کا طرز تحریر ملک کی دوسری انشا پرداز خواتین سے بالکل جدا نہایت دلچسپ ہے وہ نثر میں خوب شاعری کرتی ہیں ان کے چھوٹے چھوٹے لطیف مضامین ان کے بلند تخیل عبارت کی رنگینی اور جذبات کی ترجمانی کا بہترین آئینہ ہوتے ہیں اس مجموعہ میں وہ مضامین ہیں جن میں سے اکثر مختلف رسائل میں شائع ہو کر خراج تحسین وصول کر چکے ہیں ۸ر

نغماتِ موت

محترمہ حجاب اسمٰعیل کے ان دلآویز مضامین کا مجموعہ جو انھوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھے تھے اور جو اردو کے مشہور رسائل میں شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ مصنفہ کے دلی جذبات کا آئینہ اور نظم نما نثر کا بہترین نمونہ ہیں محترمہ حجاب کے انداز بیان کی دلکشی اور ان کے شاعرانہ خیالات کی نزاکت و رفعت پورے طور پر نغماتِ موت میں نمایاں ہیں۔ قیمت ۶ر

سبق آموز موثر نظموں کے ۲ مجموعے

آئینہ جمال

یعنی دور حاضرہ کی نامور شاعرہ محترمہ بلقیس جمال کی ۸۰ نظمیں نہایت دلآویز اخلاق آموز اسلام کے دور اولیں کی سبق آموز منظوم کہانیاں اور قومی گیت مناظر قدرت کی مصوری جذبات نسوانی کی صحیح ترجمانی موسیقی کی لطافت کیا خوبی ہے جو آئینہ جمال میں نہیں خوف خدا پاس مذہب حب وطنی، ایثار ہمت بہادری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں قومی ملی اخلاقی تاریخی نیچرل نظموں کا دلآویز مجموعہ قیمت صرف ۱۲ر

شمع خاموش

اردو کی مشہور شاعرہ منجھو بیگم لکھنوی کی دردانگیز اور موثر نظموں کا مجموعہ ہے جسے مولانا راشد الخیری اڈیٹر عصمت و بنات نے دیکھ کر مرتب کیا ہے یہ نظمیں ہندوستانی مسلمان عورتوں کی مظلومیت کا صحیح ترین فوٹو ہیں اور رسائل میں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ ہر ہر شعر درد سے لبریز ہے پڑھ کر آنسو نکل آتے ہیں کسی خاتون کے کلام کا ایسا دردانگیز مجموعہ نہیں چھپا ۱۲ر

شباب زندگی

شمس النساء کی شادی سے اس وقت تک کے حالات درج ہیں جب وہ بال بچوں والی ہو گئی۔ اس ضمن میں جو تکلیفیں اور جو آرام اور جو راحتیں اس نے اٹھائیں اور جو تجربے اس نے حاصل کئے وہ سننے اور پڑھنے اور گرہ میں باندھنے کے قابل ہیں۔ اس میں مندرجہ ذیل باتوں پر بحث کی گئی ہے (۱) انتخاب شوہر (۲) حقوق شوہر۔ (۳) ازدواجی زندگی (۴) سسرال والوں کا برتاؤ (۵) خوشنودی شوہر (۶) عیالداری (۷) بچوں کی تربیت (۸) نند بھاوجوں کے تعلقات وغیرہ وغیرہ زبان سلیس۔ عبارت عام فہم لکھائی چھپائی صاف کاغذ چکنا قیمت ۶ر

مثنوی عائشہ صدیقہؓ

سرور کائنات سرکار دو عالم کی بیوی اور مسلمانوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے منظوم حالات زندگی۔ حیاتِ پاک کا کوئی مشہور واقعہ نہیں چھوڑا گیا۔ از جناب وقار وانتی۔ ہر مسلمان مرد و عورت کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ قیمت ۴ر

تصانیف صاحبزادہ ولی احمد خاں ام اے

انشائے سلمیٰ

مصنف نے لڑکیوں کو خط و کتابت سکھانے کے لئے یہ کتاب لکھ کر زنانہ لٹریچر میں مفید اضافہ کیا ہے اس کے شروع میں اردو کتابت کی تاریخ بہت عالمانہ اور مفید معلومات سے پر ہے پھر خطوط کے نمونے ایسے دئے گئے جو دلچسپ بھی ہیں اور مفید بھی نہ صرف لڑکیوں کے لئے بلکہ لڑکوں کے واسطے بھی خط و کتابت سیکھنے معلومات میں اضافہ کرنے اور دلچسپی سے مطالعہ کرنے کے لئے اس میں بہترین خطوط ہیں۔ قیمت ۶ر

اچھوتا سفر

سابق مہاراجہ صاحب جے پور دربار تاجپوشی میں شرکت کے لئے انگلستان گئے تھے۔ ان کے سفر کے حالات صاحبزادہ ولی احمد خاں ام۔ اے نے لکھے ہیں۔ اور یہ اس قدر دلچسپ ہیں کہ آپ خراج تحسین دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مہاراجہ صاحب کے لئے ہاتھ دھونے کی مٹی اور پانی اور اناج تک ہندوستان ہی سے جاتا تھا ایسا اچھوتا دلچسپ سفرنامہ آپ نے کبھی پڑھا سنا نہ ہوگا۔ قیمت ۵ر

محترمہ آمنہ نازلی کی کچھ اور کتابیں

ہنسی کی باتیں

عامیانہ اور بازاری لطیفے نہیں جو پھکڑپن سے بھرے ہوتے ہیں یہ کتاب ہندوستانی گھرانوں کی محترم خواتین کے لئے طبعزاد لطیفے ہیں جنہیں پڑھ کر سنجیدہ انسان بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔ لطف یہ کہ وقار تہذیب سے گرا ہوا کوئی لطیفہ نہیں۔ مہذب ظرافت کی بہترین کتاب قیمت ۸ر

عقل کی باتیں

بڑے بڑے پیغمبروں بادشاہوں مصنفوں شاعروں، ادیبوں، فلاسفروں کے وہ ۷۰۰ اقوال جو برسوں کے تجربہ پر مبنی ہیں جن میں ہنسی خوشی کامیابی سے زندگی گذارنے کا راز ہے جن میں حیاتِ انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیاں سلجھانے کا حل ہے جو دل بہلانے غم غلط کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں جن سے زندگی میں انقلاب پیدا ہو سکتا ہے ۸ر

تاریخی لطیفے

دنیا کے نامور مصنفوں شاعروں، بادشاہوں شہزادوں وغیرہ کے لطیفے جن میں نام کو بھی کوئی ایسا لطیفہ نہیں جو دائرہ تہذیب سے باہر ہو یا فرضی یا منگھڑت ہو۔ ہر لطیفہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے جو بذلہ سنجی، حاضر جوابی کا عمدہ نمونہ ہے۔ ان لطیفوں سے جہاں دل بہلے گا ہنسی آئے گی دل میں امنگ و جوش پیدا ہوگا اور طبیعت میں جولانی وہاں معلومات میں بھی اضافہ ہوگا۔ قیمت ۸ر

رسالہ عصمت دہلی

پینتیسواں ۳۵ سال | بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء | جلد ۶۹ نمبر ۴

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی:- مع محصول ڈاک چار روپیہ — ممالک غیر سے دس شلنگ

قسم خاص:- اعلیٰ کاغذ کا ایڈیشن ۶ روساء سے ۲۵ والیانِ ریاست سے ۱۰۰

ممالک غیر سے ایک پونڈ۔ فی پرچہ ایک روپیہ۔

(باہتمام رازق الخیری ایڈیٹر پرنٹر پبلشر - محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپ کر دفتر عصمت کوچہ چیلان سے شائع ہوا)

خرید اکر ملیں جتنی دُعائیں ناتوانوں کی

از علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

آج سے پچاس سال قبل جب دنیائے اسلام ترقی کی کشش تنظیم کی ضرورت اور اصلاح کی دھن سے قطعاً محروم تھی تو رمضان المبارک کی مقدس راتوں میں سحری کے بعد جب مساجد نماز فجر کی دعوت دے چکتیں اور آسمان کروٹ بدل چکتا تھا۔ چاند کی روشنی پھیکی اور تارے مدہم پڑ جاتے تھے تو ٹھیک اُس وقت جب صبا یاسمین کا پہلا بوسہ لیتی تھی شاہجہان آباد کے محلوں میں یہ صدا گونجتی تھی۔

"بچوں کی خیر۔ بچوں والی کی خیر۔ گھر کے مالک کی خیر"

موت ان مکینوں کو ابدی نیند سُلا چکی، مگر وہ مکان جنہوں نے یہ منظر دیکھا اور صدا سنی ابھی موجود ہیں۔ فقیر تھا تو بڈھا مگر آواز میں اس بلا کا کڑاکا تھا کہ پہلی ہی صدا محلہ بھر کو چونکا دیتی تھی۔ نور ظہور کا وقت رمضان کے پاک دن۔ بچوں کا نام سنتے ہی، بچوں والیاں، بچوں والی کا نام سنتے ہی گھر والے اور مالکوں کا سُن کر گھر والیاں اس لئے تڑپ اُٹھتی تھیں کہ اس وقت دنیا کچھ اور ہی تھی۔ اور اس کا لطف اگر کوئی بچا کھچا بڈھا ٹھڈا موجود ہے۔ تو اس کا دل جان سکتا ہے۔ یہ وہ دنیا تھی جس کا ہر ذرہ روحانیت کی شمیم انگیزیوں سے معطر تھا۔ مرد اور عورتیں ہی نہیں بچے بھی بازار حیات کی جنس گراں قدر یعنی دستگیری ناتواں پر پروانہ وار گرتے تھے۔ آیہ مقدس کی تعمیل اور حدیث قدسی کی تکمیل میں ان کی گرمجوشیاں ختم تھیں۔ ان کا ایمان تھا کہ دسترخوان کی وسعت۔ برکت کا سبب اور ان کا یقین تھا کہ صدقہ رد بلا" "فلا تنھر" کے معنی میں تفسیر و تاویل کے متلاشی نہ تھے۔ اور نہ سائل سوال پر جائز و ناجائز کے جویا۔ ان کا دل بہتر مفتی اور ان کی آنکھیں بہترین شاہد یہ تھے وہ اسباب کہ محلہ کا ہر دل بھورے میاں کی صدا کا استقبال کرتا۔ اور بھورے میاں کیا، ناممکن تھا کہ کوئی سائل کسی دروازے سے خالی جائے یہ وقت کی برکت اور دینے والوں کی نیت تھی کہ ان دنوں میں فقیروں کا یہ زور بھی نہ تھا۔ اور ایسے ہٹے کٹے موٹے تازے، جو آج مسلمانوں کی احتیاط نے پیدا کر دئے ہیں۔ اس وقت موجود نہ تھے۔ دل کے ٹکڑے اُڑ جاتے ہیں جب خیال کرتا ہوں کہ ترقی کے نعروں میں قوم کیا سے کیا ہوگئی اور ایک پچاس سال کے عرصہ میں آسمان و زمین سب بدل گئے۔ آج گولے اور دھونسے افطار کا مژدہ روزہ داروں کو سُناتے ہیں، اور یہ ابتدا بتارہی ہے کہ جب مسلمان ترقی کی منزل اعلیٰ پر پہنچیں گے، تو اُن کا روزہ ترہی اور گھنٹوں کی آواز پر کھلے گا۔ جب یہ مُبارک وقت آئے تو مسلمان خدا کی شان دیکھیں کہ لائف آف محمدؐ کا مصنف ولیم میور جیسا عیسائی تو یہ کہے کہ "جب صبح کی اذان ہوا میں گونجتی ہے تو خواہ مخواہ دل پر چوٹ لگتی ہے اور نماز پڑھنے کو جی چاہتا ہے مسلمانوں نے یہ وہ طریقہ اختیار کیا کہ جس کے سامنے ہمارے ناقوس وغیرہ سب ہیچ ہیں" اور مسلمان روزہ جیسی افضل عبادت کو اذان پر مشروط نہ کریں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ دور حاضرہ کا ہر روز میرے اس خبط کا مضحکہ اُڑائے گا میں بھی سمجھتا ہوں کہ اس لئے کہ مسلمان ترقی کر رہے ہیں، وہ حق رکھتے ہیں کہ ان باتوں کو لغو سمجھیں اور لچر خیال کریں۔ مگر میں بھی اپنے دل سے مجبور اور طبیعت سے لاچار ہوں۔ اس واسطے اتنا کہہ کر۔ حالی کی اور سُن لو صدائے جگر خراش ؛ دلکش صدا نہ آئیگی اب اس صدا کے بعد

آج سے نصف صدی پیشتر کے رمضان کا ایک منظر دکھا دوں اور بتا دوں کہ تنزل کیا تھا اور ترقی کیا ہے۔

لیجئے یہی رمضان شریف کے دن ہیں اور کیسے دن کہ صبح ہوتے ہی ادھر آفتاب آگ برساتا ہوا نکلا، ادھر زمین سے شعلے بلند ہوئے۔ اب آپ اس سرے سے اس سرے تک مسلمان گھروں پر نظر ڈالی جائے آپ کو ایک مسلمان گھر کسی محلہ میں ایسا نہ ملے گا، جہاں قبل از ظہر دھواں اٹھتا ہوا

دکھائی دے۔ یہ بے بچوں کے گھر نہیں ہیں۔ ان میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں موجود ہیں۔ مگر ماؤں نے سحری کے ساتھ ہی ان بچوں کا انتظام کرلیا۔ اور وقت پر کھانا کھلادیا۔ لیکن کسی طرح یہ یقین دلا کر کہ آسمان کے نیچے نہ کھانا فرشتے لعنت بھیجیں گے۔ بچے کھا پی باہر نکلے تو اس طرح کہ کلی کی اور منہ دھویا اور روزہ داروں کی صورت بنائی، یہ سات سات آٹھ آٹھ برس کے بچے ہیں۔ مگر ابھی سے رمضان کا احترام ان کے دلوں میں اچھی سے بٹھا دیا گیا ہے سیانی لڑکیوں نے دس گیارہ بجے دالیں بھگو دیں۔ دوپہر کے بعد پکانا ریندھنا شروع کیا۔ کڑاہیاں چڑھ گئیں ایک دال بنا رہی ہے، دوسری ٹکیاں تل رہی ہے تیسری دہی بڑے تیار کر رہی ہے۔ آج احتیاط کے دنوں میں تو سننے میں آجاتا ہے کہ الغم غلغم کھا گئے تخمہ ہوا نہ ہیضہ ہوا۔ مگر اس وقت کچھ نہ تھا۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مصالحہ کا وزن اتنا ہوتا تھا کہ پتھر بھی ہضم کر دے۔

تکلیف تو ہوگی مگر مسلمانوں کی خاموش تعلیم ملاحظہ فرمائیے۔ اور اس کے بعد خواہ روئیے یا ہنسئے۔

افطاری تیار ہوئی کھانا پک گیا۔ تو گھر سے علی قدر حیثیت مساجد میں پہنچ گیا۔ افطار سے آدھ گھنٹہ قبل محلہ کی رانڈ عورتیں یتیم بچے مسجدوں میں آجمع ہوئے۔ ایک طرف برقع والیوں کی قطار ہے۔ دوسری طرف بچوں کی۔ مسجد کے متولی ہر عورت اور ہر بچہ سے اچھی طرح باخبر ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ پردہ نشین عورتیں در در ہاتھ پھیلانے والی نہیں۔ افطاری اور کھانا سب کو تقسیم کر دیا۔ صرف بچوں کے واسطے ایک چیز روک لی۔ ادھر افطار کا وقت ہوا ادھر وہ بھی حوالہ کی بچے اذان کی آواز سے بھاگے اور یہ کہتے ہوئے دوڑے: "روزے والیوں روزہ کھولو!" محلہ بھر میں افطاری بھی پہنچ گئی اور کھانا بھی دینے والے کا احسان نہ لینے والے کو عار۔ آج افطار کے واسطے گولہ چھٹتا ہے اور وہ نظام فنا ہوگیا لیکن جس وقت میری آنکھیں افطار کے وقت کسی برقع والی کو سبیل کے پانی سے روزہ کھولتی دیکھتی ہوں گی تو مجھ پر کیا گزرتی ہوگی۔ خدا بہتر جانتا ہے یہ مسلمانوں کا دور ترقی ہے تو آگے آگے ہوتا ہے کیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم میں کیا کہہ رہا تھا اور کہنے لگا کیا

ہاں صاحب وہی پچاس برس پہلے کی دنیا ہے جس میں پرانے زمانہ کی بڑھیاں چاروں طرف آباد ہیں کہ دفعتہً حسینۂ مغرب کے نازک قدم پہنچے اور اس کی کافر اداؤں نے اپنا تسلط جمانا شروع کیا جس محلہ کی تنظیم آج بھی خون کے آنسو رلاتی ہے، اس میں ایک صاحب مولانا نصیر تھے۔ جوانی ڈھل چکی تھی مگر محبوبہ دلنواز کی صورت دیکھتے ہی لٹو ہوگئے اور ایک دو سال میں ہی وہ کایا پلٹی کہ وہ گھر رہا نہ گھر والے۔ وہ جس کے باپ دادا نے مسجد کے پھٹے ہوئے ٹاٹ اور ٹوٹے ہوئے بوریوں پر درس لیا اور دیا۔ چنے کی دال کے قتلے اور تندور کی روٹیوں سے پیٹ بھرا۔ جمنا کی ریت اور سجّی ہی سے کپڑے دھوئے اور جمعہ پڑھا اب خدا کی شان ایسا پلٹا کہ آرام کرسی کے بغیر بیٹھنا حرام۔ میز نہ ہو تو کھانا اور کالر نہ ہو تو نکلنا ناممکن، یہ بھائی نصیر کا دور ابلیس تھا۔ مگر ابھی تھوڑی بہت بزرگوں کی آن باقی تھی شمس العلماء کی نظریں ایسی کلیجہ کے پار ہوئیں کہ سینہ اور چھپر اتی۔ اور ادھر جگری چھلنی کر دی۔ بڈھے ملازم مرزا کی جگہ بوا نے لی گنیش رتھ بان کے بدلے کو چمن آیا اور داروغہ کا نام منیجر ٹھیرا۔

نصیر کے باپ دادا کہنے کو تو ملا تھے۔ مگر پنجابی کٹرہ کی مسجد جس کا اب وجود بھی نہیں زندہ ہوتی تو شہادت دیتی کہ متواتر چالیس اور پچاس سال ایسے گزرے ہیں کہ کوئی شام ایسی نہ آئی کہ بیسیوں بندگانِ خدا نے اس میں بیٹھ کر اپنا پیٹ نہ بھرا ہو۔ یہ ان ہی مرنے والیوں کا طفیل تھا کہ دو من روزانہ کا لنگر تقسیم ہوتا اور بھوکے آنے والے پیٹ بھر کر سوتے۔

ا۔ عید الفطر کی صبح کو بچے دو گھڑی رات رہے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ لڑکے اپنے اُجلے کپڑے دیکھ کر اور اپنی جوتیاں دکھا دکھا کر خوش ہو رہے ہیں۔ لڑکیاں اپنے لال لال ہاتھ دیکھتی اور دکھاتی پھر رہی ہیں۔ گھر والیوں نے پانی گرم کر کے چولھوں پر سوئیاں چڑھا دیں۔ اور نمازوں میں مصروف ہوئیں۔ مرد نماز فجر سے فراغت ہو کر آئے غسل کیا ماؤں نے بچوں کو نہلایا۔ مردوں کے کپڑے ٹھیک ٹھاک کر پہلے ہی الگنی پر ڈال دیئے۔ پہلے انھوں نے کپڑے بدلے۔ بچوں کو ماؤں نے پہنائے۔ دسترخوان بچھا۔ اس دسترخوان پر کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جو پڑوس کے یتیموں اور رانڈوں تک نہ پہنچی ہو اور وہ اس طرح کہ گھر والی نے پہلا لقمہ ہتیلی میں بسم اللہ کہہ کر اللہ کے واسطے ڈالا ہے۔ اور جب وہاں پہنچ چکی ہے تو شوہر اور بچوں کو دیا ہے۔ مرد

بچے کھا پی عید گاہ گئے۔ تو آپ غسل کیا کپڑے بدلے کھانا کھایا۔ اور حصے بھیجنے شروع کئے۔ دن بھر غریب معصوم اور یتیم اور رانڈوں کا تانتا لگا ہوا ہے۔ یہ وہ محلہ ہے جس میں کوئی بیوہ بھوکی اور کوئی یتیم ننگا نظر نہ آئیگا۔ بچوں والیوں نے اپنے بچوں کی سلامتی کے واسطے ان کے ساتھ یتیموں کے کپڑے سیے ہیں اور شوہروں کی درازئ عمر کی دعائیں رانڈوں کے زخمی دلوں سے لی ہیں۔ مرد عید گاہ سے لدے پھندے لوٹے۔ گھستے ہی سلام علیک کی سلڑ کے عاجزی کے کندھے ماؤں کے سامنے جھکا کر گلے سے لگ گئے۔ اب مٹھائی اور کچوریوں کے حصے بٹنے شروع ہوئے غریب رشتہ داروں میں بچہ بچہ کا الگ کے کھا کہ کچھ خیال آیا اور بیوی شوہر کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

"اے ہے خبر نہیں کیسا جی ہے کہ خالہ وحیدن نہیں آئیں۔ بڑھاپا اور تیسوں روزے۔ اچھی تم ذرا ان کا حصہ بھی دے آؤ اور خیر صلاح بھی پوچھ لو"۔

۲۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد وہ پہلا مسلمان جس نے وادئ تنزل کو ٹھکرا کر میدان ترقی کی طرف قدم رکھا نصیر تھا۔ یہ کہنا مشکل بھی ہے اور شاید نامناسب بھی کہ ترقی کے اس ساعی انسان نے روزے رکھے یا نہ رکھے اور رکھے تو کتنے رکھے۔ مگر ہاں وہ آثار جو اس کے گھر سے نمایاں ہوتے ان میں ایک یہ تھا کہ ۲۹ رمضان المبارک کی شام کو جب وہ ساعت آئی کہ آسمان شاہجہان آباد مسلمانوں کو ہلال عید کا مژدہ سنائے تو کسی گھر کی چھت ایسی نہ تھی جہاں کچھ مسلمان آنکھیں بلند کئے نہ ہوں البتہ اس بد تہذیبی سے نصیر کا گھر محروم تھا۔ چاند نمودار ہوا اور سلام و علیک کی صداؤں سے محلہ گونج اٹھا۔ افسوس یہ ہے کہ باوجود اس کوشش کے یہ پتہ بھی نہ چل سکا کہ میاں نصیر عید گاہ گئے یا نہ گئے۔ سوئیاں پکیں یا نہ پکیں، مگر گھر کی درستگی یا ظاہری ٹیپ ٹاپ بہت کچھ تھی۔ نوکروں کی وردیاں میز کرسیوں کے رنگ و روغن۔ پھولوں کے گلدستے۔ سگار، سگریٹ وغیرہ ضرور استقبال عید کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سی چیزیں تھیں جو روز عید کا پتہ دے رہی تھیں۔ آدمیوں کی آمد و رفت جاری تھی اور ان کی خاطر و مدارات بھی اچھی طرح ہوتی تھی مگر یہ سب آنے والے اسی رنگ اور ڈھنگ کے لوگ تھے اور سب کھانے پینے میں خوش حال تھے چار اسی آرجا میں بج گئے اب صاحب ڈپٹی کمشنر کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا۔ نصیر اور اس کے احباب نے سڑک تک استقبال کیا اور ہاتھوں ہاتھ لائے۔ میزیں انواع و اقسام کے میووں سے پٹی پڑی تھیں۔ چائے پانی کے بعد صاحب رخصت ہونے لگے۔ تو نصیر نے ایک بیش قیمت سنہری ہار ان کے گلے میں ڈالا۔ اور چپراسیوں کو نقد انعام اور جوڑے دیکر رخصت کیا۔

اس کامیابی پر ہشاش بشاش نصیر زنانہ میں جا کر بیٹھا۔ خوش تھا مطمئن تھا۔ ممکن تھا کہ خالہ وحیداً نصیر کے باپ کی قریبی عزیز داخل ہوئیں مگر بن کر بگڑی تھیں۔ اس لئے وہ نمونہ تھیں انقلاب کا۔ درس تھیں عبرت کا اور مثال تھیں قہرباری کی جس نے بیسیوں کا پیٹ بھرا وہ آج دو دو دانوں کو محتاج تھی۔ اور جس کے دسترخوان پر غیروں نے کھایا، وہ در در کی ٹھوکریں کھا رہی تھی۔ وہ اس فانی دنیا میں کئی بچوں کی ماں بنی۔ مگر ماں رہ نہ سکی اور برابر کے لڑکے لڑکیاں آنکھوں کے سامنے اٹھے اور اب زندگی کی آخری گھڑیاں بیٹے اور بیٹی کی دو نشانیوں کی خدمت میں بسر ہو رہی تھیں۔

بد نصیب وحیداً نے روز عید کا بڑا حصہ دونوں بچوں، پوتے اور نواسی کو کلیجے سے لگائے بسر کر دیا۔ ہر چند چاہا کہ باہر نکلے۔ مگر غیرت نے اجازت نہ دی کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ تینوں دموں کا گذارا خیرات پر تھا اور صبح کے واسطے مسجد اور محلہ سے کھانا آچکا تھا۔ لیکن شام کے وقت جب نو برس کے پوتے نے دادی کے گلے میں ہاتھ ڈال کر روتے ہوئے کہا "اماں ہم کو تو روز مار پٹتی ہے۔ تم نے کہا تھا عید کو سلیٹ منگا دوں گی" تو وحیداً بے چین ہو گئی بچہ کو چمٹا لیا۔ اور اچھا کہہ کر پوتے کا ہاتھ پکڑا۔ باہر نکلی تو خیال آیا نصیر سے کہوں گی وہ سلیٹ منگوا دے گا۔ یہ سوچ کر آگے بڑھی۔ اور گھر پہنچی۔ اندر داخل ہوئی تو نصیر سامنے تھا۔ وحیداً کی صورت دیکھتے ہی نصیر کی تیوری پر بل آگیا۔ اور اس سے پہلے کہ خالہ کچھ کہتی کہنے لگا: "تم لوگوں نے بہت پریشان کر رکھا ہے بھیک مانگنے پر کمر باندھ لی"۔ ایک بجلی تھی جو غیرت مند بڑھیا پر گری وہم ہو گئی۔ بس نہ چلتا تھا کہ زمین شق ہو اور سما جائے۔ جا جنم نہ آنکھیں اوپر اٹھیں اور ٹھیک اس وقت جب وحیداً کی آنکھ سے آنسو کا پہلا قطرہ گرا، اس کے کانوں نے نصیر کے قہقہہ کی آواز سنی۔ بچہ کا ہاتھ ہاتھ میں لیا۔ الٹے پاؤں واپس ہوئی۔ دل امنڈ رہا تھا اور آنسو کسی طرح نہ رکتے تھے ہر چند چاہا کہ ضبط کرے۔ مگر نہ کر سکی۔ سڑک کے ایک کونہ میں بیٹھ کر بچہ کو کلیجے سے لگائے رو رہی تھی کہ برابر سے آواز آئی "خالہ خیر صلاح" یہ اس شوہر کی آواز تھی جس کی بیوی نے حصہ دیکر بھیجا تھا۔ آنسو پونچھے اور کہنے لگی "ہاں میاں اللہ کا شکر ہے"۔

افطاری

افطاری کا طریقہ روزہ رکھنے والوں کی سہولیت اور آسانی کو مدِّنظر رکھکر رائج کیا گیا ہے تاکہ روزہ دار تھوڑی سی ہلکی پھلکی چیز کھا کر پانی پی لیں اور نماز مغرب ادا کرکے اطمینان سے کھانا کھانے بیٹھ جائیں لیکن عام طور پر کمسن بچے ہی نہیں بلکہ بعض بڑی عمر کے آدمی بھی افطاری کی چٹنی اور مزیدار چیزیں کھانے کی خاطر روزہ رکھتے ہیں اور انجام سے بے خبر ہو کر اناڑی کی بندوق کی طرح شکم بے زبان کو بھرنا شروع کر دیتے ہیں۔

بہت لوگ کھجور سے روزہ افطارنا ثواب سمجھتے ہیں۔ انھوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ کھجور عرب کا ایک ایسا سستا میوہ تھا جو بیچارے غریب آسانی سے مہیا کر لیتے تھے۔ اگر ان کو روٹی نہ بھی ملتی تھی تو وہ صرف کھجوریں کھا کر پیٹ بھر لیتے تھے۔ ان لوگوں کے معدہ اور انتڑیاں اس میوہ کو بآسانی ہضم کر لیتی تھیں لیکن عرب اور ہندوستان کے باشندوں میں ہر لحاظ سے کافی فرق ہے۔ کھجور سے روزہ کھولنا اس لئے ثواب سمجھا جاتا ہے کہ وہ عرب میں کثرت سے استعمال ہوتی ہے بظاہر کھجور سے روزہ کھولنا ثواب ہے لیکن اگر زیادہ کھالی جائیں تو نقصان دہ ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ نمک سے روزہ کھولنا ثواب جانتے ہیں۔ اس کی حقیقت بھی صرف اتنی ہے کہ بہت سے بندگانِ خدا جن کو روزہ کھول کر روٹی ملنی بھی مشکل تھی چار چھ پیسہ کی افطاری کہاں سے لاتے، اگر ان غریبوں نے نمک سے روزہ کھولنے کو ثواب کہہ کر اپنی تنگدستی اور مفلسی پر ایک خوشنما پردہ ڈالدیا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ سب اُس بھیڑ چال پر چلنا شروع کردیں ہماری افطاری میں عام طور پر جو چیزیں زیادہ استعمال ہوتی ہیں وہ نقصان دہ ہیں۔ مثلاً تیل۔ کھٹائی۔ تیل کی پھلکیاں۔ چنے کی دال جس میں حلاحل مرچیں ہوتی ہیں۔ دہی۔ بڑے۔ قلمی بڑے۔ لونگ چڑے وغیرہ وغیرہ۔ افطاری میں تیل و بیسن اور مرچوں کا استعمال اور سحری میں گھی کے تر بتر پراٹھے۔ پیاس کو جس قدر بھی بڑھائیں کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر روزہ دار بھوک کی شکایت تو نہیں کرتے لیکن پیاس کی وجہ سے اُن کی حالت بُری ہوتی ہے۔

افطاری گھر میں ہی تیار کرانی چاہیئے تاکہ بازاری الابلا سے بھی محفوظ رہیں اور وقت کا خاصا حصّہ اس مشغولیت میں اچھی طرح گذر جائے۔ افطاری میں وہی چیزیں تیار کرنی چاہئیں جو گرم اور خشک نہ ہوں اور جلد ہضم ہو جائیں۔ بعض لوگ تو یہ اندھیر کرتے ہیں کہ صرف افطاری سے پیٹ بھر لیتے ہیں اور کھانا قطعی چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسا کرنے میں پیسہ کا بھی خرچ ہے اور نقصان کا بھی اندیشہ کیونکہ اپنی معمولی کی غذا چھوڑ کر ایسی چیزیں استعمال کرنی جو کبھی کبھار کھانے میں آتی تھیں۔ اب کثرتِ استعمال سے ضرر رساں ہو جائیں گی۔

میری ایک عزیز رمضان کے مبارک مہینہ میں میرے یہاں آئیں۔ مجھے یہ دیکھکر تعجب ہوا کہ اکتوبر نومبر کے رمضان میں اُن کے ہونٹوں پر تشنگی سے پپڑیاں جم رہی تھیں اور حلق تک خشک تھا۔ بیچاری بات بھی اچھی طرح نہ کر سکتی تھیں۔ برخلاف اس کے میرا چہرہ دیکھ کر انھیں یقین ہی نہ آیا کہ میرا بھی روزہ ہے۔ کچھ دیر تو وہ خاموش بیٹھی مُنہ تکتی رہیں پھر ایک حسرت و رشک سے بھرا سانس کھینچ کر بولیں "کیوں بہن یہ کیا بات ہے کہ آپ کا منہ روزہ داروں کا سا نہیں معلوم ہوتا" میں نے بھی ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا "ہاں بہن اللہ جس پر چاہئے بارانِ رحمت کردے، جو اللہ کے نیک اور پیارے بندے ہیں اُن پر تو بغیر روزہ کے ہی نور برستا رہتا ہے۔ کہاں ہم بیچارے گناہگار بھلا ہم دوزخ کے کندوں کو نور اور رحمت سے کیا واسطہ" میرے اس جواب پر وہ بہن بہت ہنسیں

اور اصرار کرنے لگیں کہ نہیں آپ کو بتانا پڑے گا آپ کیا ترکیب کرتی ہیں، خدا کی قسم پیاس کی وجہ سے ہمارے تو ہوش بگڑے جاتے ہیں، آخر آپ کو اتنی پیاس کیوں نہیں لگتی" میں نے زیادہ تفصیل میں پڑنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنی مختصر سی ہلکی پھلکی افطاری اور سحری اُن کو بھی بتادی تیسرے دن وہ پھر آدھمکیں اور بغیر کچھ کہے سُنے میری طبابت اور ڈاکٹری کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دئے میں نے کہا کہئے کل افطار میں کیا کیا بنایا۔ کہنے لگیں بوا اللہ کی مار اِس فطاری پر میرے تو اوسان خطا ہوئے جاتے تھے۔ شام کو تو میں نے ہلکی سی افطاری کے بعد پیٹ بھر کے کھانا کھایا اللہ کا شکر ہے آج وہ ترطمن نہیں ہے"

آمنہ نازلی

روزہ

ان لوگوں کو تو چھوڑ دیجئے جو نام خدا اس قابل نہیں یعنی ان کی صحت اجازت نہیں دیتی کہ بیچارے روزہ رکھیں۔ ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ مجھے تو بچپن سے روزے کی عادت نہیں۔ کسی کو بیماری آگھیرتی ہے۔ کوئی پیاس کی بیماری سے مجبور۔ کوئی اپنی نوکری کی وجہ سے معذور۔ کسی کا امتحان سر پر۔ کسی کا چھوٹا بچہ بیمار۔ غرض کہ ان کا تو ذکر ہی نہیں نہ اس وقت اس کی ضرورت۔
ہاں ہمارے جیسے ان روزے داروں کو دیکھئے جو رمضان آنے سے پہلے ہی اپنی مستعدی دکھانے لگتے ہیں کہ ہے کوئی ہم جیسا جو ہنستے کھیلتے پورے روزے رکھے؟ یہ دوسری بات ہے کہ روزہ رکھ کر کبھی کبھار غصّہ آگیا۔ ورنہ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ واقعی ایک روزہ قضا نہیں ہوتا۔ مگر نماز کو پوچھئے تو بمشکل دو وقت کی ادا ہوگی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم گھر میں رہنے والیاں دن بھر اُن کا رونا، اُس کا گانا۔ فلاں کی بُرائی۔ فلاں کی بھلائی کر کر کے تھک جاتی ہیں اور باہر کا کام انجام دینے والے تھک تھک کر گھر میں آتے ہیں اس لئے عموماً ظہر کا وقت تو سونے میں گذر جاتا ہے۔ اور اس کے بعد کبھی عصر کی نماز ادا ہوجاتی ہے یا نہیں، بھوک کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے تو تیاریٔ طعام میں لگ جاتے ہیں۔ جو تا وقتیکہ افطار کی توپ نہ چل جائے اختتام کو نہیں پہنچتی۔ اب بھلا کھانے پر بیٹھنے کے بعد کسی کام کو بھول جانا کون سی بڑی بات ہے؟ اس کے بعد پان تمباکو اور چائے کا دور چلتا ہے۔ پھر ذرا کمر سیدھی کرنے کی غرض سے دراز ہوتے ہیں تو بعض وقت سحری کے وقت ہی آنکھ کھلتی ہے۔ سحری کے بعد خیال ہوتا ہے کہ ذرا اور تھوڑی دیر آرام کرلیں تو صبح کی نماز ادا کریں گے لیکن بُرا ہو کمبخت نیند کا جو تھپک تھپک کر ایسا سلاتی ہے کہ دھوپ کی ناگوار تیزی ہی اس کو بھگا سکے تو بھگا سکے ورنہ کس کی مجال ہے۔ کاش کہ ہم روزے کے معنی سمجھ کر روزہ رکھیں۔ ایسے روزے تو بچے بھی شوق سے رکھتے ہیں۔ روزے کی اہمیت روزے کی شان دراصل اِن شرائط کی پابندی ہے جو اس مبارک مہینے میں اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر عاید کرتا ہے۔ کم ازکم اس مبارک مہینے میں تو ہم کو جھوٹ، غیبت، مکر و فریب اور لگائی بجھائی سے اپنا دامن بچانا اور نماز کی پابندی، قرآن مجید کی تلاوت اور خیر و خیرات کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

صغرا عبدالسبحان

بقایا صفحہ ۲۳۲ کا

نیک بی بی کا مسلمان شوہر مضطرب ہوگیا۔ اور کہا چلئے۔ تھوڑی دیر کے واسطے میرے ہاں چلئے" انکار کیا مگر جب زیادہ اصرار ہوا تو ساتھ چلی گھر میں گھسی تو گھر والی کی صورت دیکھتے ہی دل بھر آیا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور ساری رام کہانی سنائی تو سننے والی بھی ساتھ روئی اور چپکے سے میاں کو بھیجکر سلیٹ منگوائی۔
جس وقت بچے کے ہاتھ میں سلیٹ آئی اور اس نے خوش ہو کر سلام کیا اس کی قیمت تو دینے والی ہی سے پوچھئے۔ مگر اتنا ہم نے بھی دیکھا کہ بڑھیا وحیدا کی حاجتمند آنکھیں جس طرح نصیر کے چہرے پر پڑ رہی تھیں اسی طرح اس کے چہرہ پر بھی پڑیں۔ اور زبان سے یہ لفظ نکلے: "الٰہی بچی خوش رہے"

نظام اسلامی

آج دنیا میں سینکڑوں قسم کے نظام قومیت ہیں مثلاً وطنی قومیت۔ بالشوزم۔ فسیزم، نازی ازم وغیرہ۔ لیکن اس تعمیر قومیت کا ایک اور بھی نظام ہے جس کو اب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے، دنیا کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور جس کو اسلام کہتے ہیں اور زبان حال میں اسلام ازم کہا جا سکتا ہے۔ اس نظام میں مکے کے ابوبکر، مدینہ کے سعدؓ، فارس کے سلمانؓ، روم کے صہیبؓ، حبشہ کے بلالؓ وغیرہم ایسے شامل ہوئے کہ اپنی وطنی رسوم، طرز معاشرت، تہذیب، وضع قطع لباس سب سے کنارہ کش ہو کر ایک ہو گئے۔ تا کس نگوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری۔ ان کی چال بولی، ڈھنگ، طرز رہائش، لباس، شکل صورت کی وضع غرض ہر چیز اسلامی تھی۔ یہی بنیاد ہے قومیت کی کہ سب ایک ہی (اسلامی) عینک سے دیکھیں ایک سے عقاید، عبادت اور اعمال ہوں ایک تمدن، تہذیب اور کلچر ہو۔ ایک ہی دل اور دماغ ہو۔ اگر اختلاف ہو تو اس کو مٹانے کے لئے نہ کہ تفرقہ پھیلانے اور فرقہ بنانے کے لئے۔

یہ نظام مکمل صورت میں عالمگیر قومیت کی تعمیر کے لئے پیش کیا گیا تھا۔ اغیار کی شکایت کیا۔ خود حاملان اور رکار کنان نظام ہی اس سے غافل ہو گئے۔ مولوی حسین احمد صاحب وطنی نظام قومیت کی تعمیر کا روڑا مسلمانوں کو بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ مولوی عبید اللہ صاحب سندھی نوجوان مسلمانوں کو یورپ کی تقلید پر ابھار رہے ہیں۔ ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب فرماتے ہیں کہ "روسی قسم کے نظام پر اپنی قومی وملکی ضروریات کے مطابق عمل کرنے سے موجودہ سوسائٹی کی خرابیاں مٹ جائیں گی"۔ جمعیۃ علماء اور احرار وطنی قومیت کی حمایت میں سرگرم ہیں۔ مسلم لیگ نے اپنا نصب العین پاکستان قرار دیا ہے۔ ایران، ترکی، افغانستان اور نجد وطنیت کے دلدادہ ہیں۔ مگر "اسلامی نظام" اس کو کوئی درخور اعتنا نہیں گردانتا۔ کوئی بالشوزم کو اور کوئی جمہوریت کو اسلامی نظام قرار دے رہا ہے۔ تو کوئی ایشیا ایشیائیوں کے لئے کی رٹ لگا رہا ہے۔ یہ صرف اسلامی نظام ہے جو ساری اولاد آدم کو ایک قومیت کی لڑی میں پرونے آیا جو ہر براعظم، ہر ملک، اور ہر طبقے کے لوگوں کے لئے یکساں قبول ہے۔ اور جو یکساں مفید ہے نہ افراط ہے نہ تفریط ہے۔ لیکن آج کل اسلام دیگر مذاہب کی طرح اللہ اور بندے کے اندر محدود سمجھا جاتا ہے اور بطور ایک عالمگیر قوم کے نظام کے طور پر کوئی اس کو نہیں سمجھتا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانانِ حاضرہ کو کسی کام میں بھی کامیابی نہیں ہوتی کیونکہ روح قومیت نکل چکی ہے۔ احساس جماعتی مردہ ہو چکا ہے۔ کوئی مرکز اجتماعی نہیں مسلمان فرقوں اور پارٹیوں میں منقسم ہو کر اپنی قوت، زور، رعب، استقلال اور ہمت سب کو خیرباد کہہ چکے زبانی جمع خرچ رہ گیا ہے جس کا اثر خود اپنے دل پر بھی نہیں۔ کہنے کو سب تیار ہیں کہ اسلام ہماری زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن جب کوئی کہہ بیٹھے کہ حضرت تو پھر اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالئے تو بغلیں جھانکتے اور اسلام میں لچک ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر کے اپنی موجودہ حالت کو اسلامی زندگی منوانے کی سعی کرتے ہیں۔ گویا نعوذ باللہ اس موجودہ پستی، ادبار، تنزل، ذلت، بے حسی، بے حمیتی کا ذمہ دار اسلام ہے۔

انسان کوئی جماعت بنائے۔ قوم کی تعمیر کرے خواہ اور کوئی جماعتی کام کرے۔ اس کو ایک مرکز اجتماع بنا کر مرکز سے وابستگی اور شیفتگی پیدا کرنی ہوگی۔ کانگریس نے وطن کو مرکز قرار دیا۔ اس سے وابستگی اور شیفتگی پیدا کرنے کے لئے وطنی چیزوں کو استعمال کی تحریک کی تاکہ وطنی ماحول پیدا ہو۔ وطن کی محبت اس درجہ پر پہنچ جائے کہ اس کے لئے ہر ایثار اور قربانی آسان ہو جائے۔ مگر انسانی

دماغ کے مراکز نادی اور جامد ہوا کرتے ہیں۔ ان سے انسان خود اپنی کوشش سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ مراکز خود کبھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اسلام نے اللہ تعالیٰ عزوجل قادر مطلق سے وابستگی اور شیفتگی کے طریق بتائے اور کہا عالمگیر قومیت کا اجتماع اللہ تعالیٰ ہی ہو سکتا ہے وہ مادی نہیں نہ جامد ہے۔ انسان کی ہدایت کی صحیح قوت رکھتا ہے۔ مدد۔ نصرت اور فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس کی قوتیں اور قدرتیں لامتناہی ہیں۔ اس کی ہستی کو سب ہی مانتے ہیں۔ وہی دنیا کے لئے قابل تسلیم و قبول ہے اور ہو سکتا ہے۔ نماز۔ روزہ۔ وظائف اور ہر وقت اور کام کی دعائیں اللہ تعالیٰ سے محبت، وابستگی اور شیفتگی پیدا کرنے اور بڑھانے کے لئے ہی ہیں تاکہ ایک منٹ بھی اس کے دھیان سے غفلت نہ ہو۔ اگر ضرورت دلیل اسلامی کی ہو تو قرآن مجید بھی پڑھ لو اور تدبیر سے کام لو۔ سنو۔

(۱) تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ ....؟ (سورہ آلعمران ع ۷، پ ۳)

آؤ اس بات پر مستعد ہو جائیں جو ہمارے تمہارے درمیان متفق علیہ ہے کہ سوائے اللہ کے کسی کی غلامی نہ کریں۔

(۲) وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰىکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ" (سورہ حج ع ۱۰ پ ۱۷)

وابستہ ہو جاؤ اللہ سے وہ تمہارا پروردگار ہے پس کیسا اچھا مددگار تم کو مل گیا۔

یہ دو آیتیں کیا بتا رہی ہیں۔ تدبیر کرو۔ مطلب یہ ہے کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کے گرد جمع ہو جاؤ اور اس سے وابستگی پیدا کرو۔ اس کی ہدایات و احکام پر چلو تاکہ دنیا ایک قوم ہو جائے۔ یہی وہ امن و سلامتی کا پیغام ہے جو اسلام لے کر آیا ہے متعدد اقوام میں مفاد جداگانہ رقابت لازمی امن ناممکن۔

قومیت کے لئے، جو باتیں ضروری اور لازمی ہیں اسلام نے ان کی ہدایات پیش کر دیں تاکہ ان میں سب ایک رنگ ہوں مگر ہمارے اختیار اور مرضی پر چھوڑی جاتیں تو مقصد اسلام وہیں ختم ہو جاتا جیسا کہ اب دیکھنے میں آ رہا ہے۔ قوم کے لئے عقاید۔ ارکان اور اعمال جماعتی میں یک رنگی ضروری ہے اور قرآن مجید میں یہی تین امور ہیں جن پر زور دیا گیا ہے۔ یعنی تہذیب تمدن معاشرت اور کلچر ایک ہونا چاہئے جس قدر ان میں یک رنگی ہوگی اسی قدر قوم مضبوط و مستحکم ہوگی۔

جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کو نہ بالشوزم نکال سکتا ہے نہ نازی ازم نہ ان کی اصلاح فاسزم کر سکتا ہے نہ جمہوریت اور انسانی دماغ کا کوئی اور ازم۔ ان کی اصلاح صرف اسلام ازم سے ہی ہو سکتی ہے جس میں ہر ایک کے اور ہر طبقے کے لوگوں کے حقوق کا خیال رکھ کر مساوات قومیت کی تدابیر بتائی گئی ہیں۔ روٹی کے مسئلہ کا حل کر دیا گیا ہے اور ایک ایسے بھائی چارے کے اصول بیان کئے گئے ہیں جن سے اولاد آدم سگے بھائیوں سے کہیں زیادہ ایک رنگ۔ ہمدرد بہی خواہ مدد و معاون ہو جاتی ہے نئے نئے آرڈر نکالے جاتے ہیں مگر اس آرڈر کی طرف خود مسلمانوں کو بھی توجہ نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ فتنہ اور فساد روز افزوں ہوتے جا رہے ہیں۔ مگر عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اصلاح ہو رہی ہے۔ انسان کی ماحول سے متاثر اور خاطی عقل سے اور ہونا ہی کیا ہے

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

محمد عبد الغفار الخیری

حقدار کون تھا

ساجدہ سولہویں سال کی بیاہی اُنیسویں سال میں بیوہ ہوگئی تھی۔ زندگی کا سہارا امیدوں کا مرجع ایک ڈیڑھ سال کا بچہ تھا۔ ماں باپ نے دلجوئی میں کوئی کسر نہ کی۔ لیکن بیوگی کا زخم ایسا کاری ہوتا ہے کہ ہمدردیوں کے پھائے انھیں مند مل نہیں کرسکتے۔ اختر کی موت نے ساجدہ کی دنیا تاریک کر دی تھی۔ اس کی اُمیدیں ارمان سب اختر کے ساتھ دفن ہوچکے تھے۔ تین برس پلک جھپکاتے نکل گئے۔ ساجدہ کو معلوم تھا کہ وہ خواب کے دن تھے۔ اختر بی۔ اے پاس کرچکے تھے کہ شادی ہوئی۔ شادی کے بعد انھوں نے ایم۔ اے پاس کیا۔ وکالت کی ڈگری لی اور پریکٹس شروع کی ہی تھی کہ موت کے ایک جھپٹے نے ہمیشہ کے لئے زندگی کی مشکلوں سے نجات دلوادی۔ ساجدہ کو اپنا الگ گھر کرنا بھی نصیب نہ ہوا جہیز کا سامان برتن سب کے سب ویسے ہی رکھے تھے۔ شادی کے تین سال ماں باپ کے گھر گذارے تھے۔ کیونکہ اختر کا کوئی قریبی رشتہ دار نہ تھا جو ساجدہ سُسرال جاتی۔

اور اب عمر بھر کے لئے ساری اُمیدیں ختم ہوچکی تھیں لیکن ساجدہ کی تاریک دنیا میں ایک ستارہ تھا۔ وہ انور کی ذات تھی۔ اس کی ہنسی اس کا ہمکنا اس کا تھرتھراتے ہوئے " تاؤں ماؤں" کہکر چلنا اس کی غمناک زندگی میں لطف پیدا کر دیتا تھا۔ وہ گھنٹوں اس کی صورت تکا کرتی تھی۔ سوتا ہوتا تو اس کے جھولے کے پاس بیٹھی اُسے دیکھتی رہتی۔ اس کے گول گول گالوں پر ہاتھ پھیرتی اس کے بالوں کو چھوتی۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں کو چومتی۔ کھیلتا ہوتا تو اس کے ساتھ کھیلتی۔ ہنستا تو ہنستی۔ اور اس کے رونے پر رونے لگتی۔ ماں بعض وقت ڈانٹتی بھی "کہ اے بوی خدا کے لئے لڑکے کو اتنا تو مت لگاڑو" لیکن ساجدہ پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔

دن گذرتے گئے انور گود کے بچے سے اسکول کا بچہ ہوگیا اور اسکول کے بچے سے کالج کا لڑکا اور پھر خیر سے وہ دن بھی آگیا جب وہ ایم۔ اے پاس کر کے انڈین آڈٹ اینڈ اکاؤنٹ سروس میں داخل ہوگیا۔

اِس کا نوکری پانا تھا کہ ساجدہ نے شادی کی تیاریاں شروع کردیں۔ بلکہ یہ کہنا غلط ہے۔ شادی کی تیاریاں تو اس وقت سے ہورہی تھیں جب انور نے پاؤں پاؤں چلنا شروع کیا۔ پانچ برس کے تھے۔ جو ساجدہ نے کمخواب کا تھان ماں سے یہ کہکر لیا تھا انور کی دلہن کے پائجاموں کو ضرورت ہوگی۔

ماں ہنس پڑی "ارے بیٹی خدا وہ دن لائے ابھی سے رکھوگی تو ماند ہو جائے گا" لیکن ساجدہ کو آزردہ دیکھنا ماں باپ گوارا نہ کرسکتے تھے۔ یہ کہا تو لیکن وہ تھان خرید کر ڈالدیا۔ آج ۲۲ برس کے بعد بھی اس کی آب تاب میں کمی نہیں آئی تھی اور جس وقت لوگوں نے چوتھی کا جوڑا دیکھا ہے تو کمخواب کی ملائمیت اور چمک کی تعریف سب کی زبان پر تھی۔ چوتھی کا جوڑا تھا یا سونے کا ڈلا۔ اک دوپٹہ ہی پانچ سیر سے کم کا نہ ہوگا۔ اور دوپٹہ کا ایک ایک ٹانکہ ساجدہ کے ہاتھوں کا تھا۔ ایک ایک پھول ایک ایک پتی اس کے ہاتھ کی تھی۔ ہاں بھلا جس ماں نے پانچ برس کی عمر سے شادی کی تیاری کی ہو وہ کب ٹھہر سکتی تھی ساجدہ تو چاہتی تھی کہ طالب علمی میں ہی انور کی شادی کردے لیکن بھائیوں کے کہنے سُننے سے نوکر ہونے تک کا انتظار کر لیا۔ ادھر نوکری ہوئی اور اُدھر اس نے شادی کردی۔

دلہن خوبصورت تعلیم یافتہ اور اچھے خاندان کی تھی۔ جس روز سے وہ بیاہ کر آئی تھی ساجدہ سمجھ رہی تھی کہ کونین کی دولت مل گئی ہے۔ دن میں ہزار ہزار مرتبہ سنگار ہوتا۔ پچاسوں دفعہ چوڑیاں بدلی جاتیں۔ کنگھی ہوتی۔ اور کچھ نہیں تو یونہی کھڑے

میں جاکر ایک نظر دیکھ آتی۔

لیکن اس محبّت کی ماری کو کیا معلوم تھا کہ دنیا بدل چکی ہے جس کو وہ چاہ و چوچلا سمجھتی ہے اُسے دولھن اپنے دل میں "ڈیم نان سینس" (Dam nonsence.) کہا کرتی ہے۔ اور اس دن کے انتظار میں ہے کہ میاں کی چھٹی ختم ہو اور میں اس کے ساتھ نوکری پر چلی جاؤں کہ اس آفت سے نجات ہو۔

ساجدہ جانتی تھی کہ یہ تعلیم یافتہ ہے اس نے جان بوجھ کر اور شوق سے تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی کرائی تھی۔ اس کا لڑکا پڑھا لکھا تھا۔ دنیا آج کل پڑھی ہوئی لڑکیوں کو پسند کرتی تھی وہ کیوں نہ چاہتی کہ اس کی بہو بھی تعلیم یافتہ ہو۔ آج کل تعلیم یافتہ لڑکیوں کی ذہنیت کا بھی اس کو اچھّی طرح علم تھا لیکن اس کا خیال تھا کہ اس نے اس بارے میں اپنا اطمینان کر لیا ہے۔ لڑکی کی ماں کے آگے اس نے ایک نہیں دس دفعہ کہہ دیا تھا کہ بہو کو وہ اپنے اجڑے دل کی آبادی بنا کرلے جا رہی ہے۔ دلہن کی والدہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ انور کی بیوی کو نہ صرف میاں کی بلکہ ساس کی بھی دلجوئی کرنے پڑے گی۔ لیکن انھوں نے یا تو جان بوجھ کر یا یہ سمجھ کر کہ ساس کے آگے رفیعہ کو دم مارنے کی ہمّت نہیں پڑے گی ساجدہ کو یہ نہیں بتایا کہ باوجود ماں کی قدامت پسندی کے رفیعہ انگریزیت کا نمونہ ہے۔ اس کا دل و دماغ۔ خیالات اور جذبات مغربی ہیں یعنی وہ خود غرض ہے۔ خود پرست ہے اپنی خوشی اور اپنی زندگی میں کسی کا دخل پسند نہیں کرتی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں اپنے شوہر اپنے گھر اور زندگی میں کسی کا دخل پسند نہیں کرے گی۔ رفیعہ نے شادی سے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ ساس کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکے گی۔ اس نے اپنی سہیلیوں میں مختلف پیامات پر تبصرہ کرتے ہوئے انور کے متعلق یہ اظہار خیال کیا تھا کہ" — The only snag is that he is tied to his mother's apron but I suppose that won't last.

یعنی بس اس میں ایک ہی عیب ہے ماں کے دامن سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اونھ! دیکھا جائے گا! اس کا علاج بہت جلد ہو جائے گا۔ سہیلیوں نے اتفاق رائے کیا کہ ہاں بہت جلد! کیوں نہیں حسین! کم سِن! تعلیم یافتہ بیوی کے آگے بوڑھی سیدھی سادھی ماں کی کیا چل سکتی ہے۔ لیکن رفیعہ نے اپنے لئے ایسے شوہر کا انتخاب کیوں پسند کیا جس کو سولہ آنے اپنا بنانے کے لئے اس کو اس کی ماں سے چھیننا پڑے۔ اگر اس کی طبیعت اس بات کو گوارا نہیں کرتی تھی کہ ان کی زندگی اور اس کے شوہر میں کسی اور کا بھی دخل ہو تو اس کو ایسا شوہر پسند کرنا تھا جس پر کسی اور کا کسی قسم کا حق نہ ہوتا۔ ایسے لڑکے آج کل بہت ہیں کیونکہ اب مائیں اپنی جوانی قربان کر کے اپنا خونِ جگر پلا کر، راتوں کی نیند دن کا آرام حرام کر کے، بچّے نہیں پالتیں بلکہ پیسے دے کر پلوانی ہیں۔ ایسی مائیں لڑکے کی زندگی میں دخل نہیں دیا کرتیں۔ انھوں نے لڑکے کو اپنی آزادی میں مخل نہیں ہونے دیا تھا۔ اس لئے وہ لڑکے کی آزادی میں مخل نہیں ہوتیں۔

لیکن ساجدہ۔ ساجدہ نے اپنی تمنائیں۔ اپنی امیدیں۔ اپنی زندگی سب کچھ انور پر نثار کر دیا تھا ماں باپ کے مرنے کے بعد بھائیوں نے کئی دفعہ چاہا کہ ساجدہ کو دوسرے نکاح پر آمادہ کریں لیکن اس نے ہمیشہ یہ جواب دیا بھیّا اگر تم لوگوں پر میں بار ہوں تو میں نوکری کر کے اپنا اور اپنے بچّے کا پیٹ پال لوں گی لیکن اپنے بچّے کے لئے دشمن تو نہیں پیدا کروں گی" بھائیوں کو ساجدہ سے بیحد محبّت تھی اس کے اس جواب پر ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور وہ کہتے "آپا جان تم کیسی باتیں کرتی ہو۔ تمہارا خرچ ہمیں بار ہو سکتا ہے" اور سچ پوچھئے تو بھائیوں نے ماں باپ کے مرنے کے بعد ساجدہ کو اسی طرح رکھا جس طرح ماں باپ نے رکھا تھا۔ ساجدہ کو جو کچھ وہ خرچ کے لئے دیتے اس میں سے وہ آدھا بھی خرچ نہ کرتی یہی وجہ تھی کہ جس وقت انور کی شادی ہونے لگی انھوں نے

اس فراخ حوصلگی سے کام لیا کہ دونوں بھاوجیں دنگ رہ گئیں۔ ایسی ساچق اور برات سے کر گئی کہ رفیعہ کی والدہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ لیکن رفیعہ کی آنکھوں میں اس کی قدر نہ تھی وہ صرف اس فکر میں تھی کہ کب اور کس طرح اس بلا سے نجات ہو۔

ساجدہ کے دل میں ارمانوں کی ایک دنیا تھی اور آج پہلی دفعہ اسے اپنے ارمان نکالنے کا موقع ملا تھا۔ اس نے سب ہی رسمیں ادا کیں مگر رفیعہ نے خون کے گھونٹ پی پی کر ان کو برداشت کیا۔ لیکن شادی کی صبح سے ہی اس نے شوہر کے کان بھرنے شروع کئے۔ کار چوب کا دوپٹہ دور پھینکتے ہوئے اس نے سب سے پہلے تو جوڑوں کے حد سے زیادہ بھاری ہونے کی شکایت کی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی جتا دیا کہ اس کی سہیلیوں میں ان کا مذاق اڑ رہا تھا کہ وہ ایسے بے ہنگم بھاری کپڑوں میں ملبوس ہے۔ کپڑوں کے بعد تخلیہ نہ ہونے کی شکایت کی "میں آدمی کیا ہوں تماشہ ہوں۔ ہر وقت لوگ گھیرے رہتے ہیں اور آپ کی اماں تو پانچ منٹ کو بھی تنہا نہیں چھوڑتیں آخر انسان کو کچھ (Privacy) بھی تو چاہئیے۔ پھر مہندی کی باری آئی۔ سر گوندھنے اور کپڑے پہنانے کی شکایت ہوئی "میں بچہ تو ہوں نہیں کہ مجھکو کپڑے پہنائے جائیں اور میرا سر گوندھا جائے۔ میں تو ہیر ڈریسر کے یہاں بھی "بال سٹ" کرنے کے بعد خود ہی جوڑا باندھا کرتی ہوں مجھے کسی کے ہاتھ کی چوٹی میں آرام نہیں ملتا"

رفیعہ کی شکایت آج کل کے خیالات کے مطابق بالکل بجا تھی لیکن ناقدردان۔ بے تمیز رفیعہ۔ اس نے یہ نہیں سمجھا کہ جن باتوں میں اس کی آزادی میں ذرا سا فرق یا اس کے آرام میں تھوڑا سا خلل پڑتا ہے وہ ایک والہانہ محبت کا اظہار ہیں "میں کیا ایک گڑیا ہوں" اس نے ایک دفعہ چڑ کر کہا۔ وہ سمجھی نہیں ہاں وہ ایک گڑیا ہی تھی۔ اس عورت کی زندگی میں جسے قسمت نے دنیا کا کوئی کھیل کھیلنے کا موقع نہیں دیا تھا جس نے ۲۵ سال کی قربانی اور ایثار کے بعد خدا خدا کر کے آج کا دن دیکھا تھا۔

فرویڈ کی پڑھنے والی نفسیات کی ماہر لڑکیاں نفسیات کی ذرا سی بات کیوں نہیں سمجھ سکتیں۔ رفیعہ نے میاں کو یہ کہکر قائل تو کر لیا کہ آپ کی ماں کا تو بالکل فرائڈس کیس ہے۔ مدر فیکشن کی بالکل صاف مثال۔ لیکن فرائڈ کی اس ہونہار شاگرد نے اتنا نہیں سمجھا کہ کن وجوہ کے بنا پر ساجدہ ایک "فرائڈیس کیس" بن گئی تھی اور فرائڈ کے ہی اصول کے مطابق اس سے سختی سے نہیں بلکہ نرمی سے برتاؤ کرنا چاہئیے تھا۔ نہیں رفیعہ نے ساجدہ کے رویہ کو تو نفسیات کے اصول کے مطابق دیکھا لیکن اپنے رویہ کو نہیں۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جلد سے جلد یہ زنجیر توڑنی چاہئیے انور کی عمر کا کوئی اور شوہر بھی اپنی ماں کے دامن سے اس طرح وابستہ تھا جیسے وہ اور کیا اس کے دوست اس کا مضحکہ نہیں اڑاتے تھے۔ اس نے انور سے ایک دفعہ کہا "آخر زندگی تھوڑے دن کی ہے اور ہر شخص کو خوش رہنے اور اپنی زندگی کو خوش بنانے کا حق ہے"

انور کو رفیعہ کی رائے بالکل صحیح معلوم ہوئی اور سچ ہے کہ وہ بالکل صحیح تھی بھی۔ یہی اصول ہیں جو کالجوں اور اسکولوں میں سکھائے جاتے ہیں۔ آزادی۔ خوشی۔ (Self realisation — self expression) اور اپنی آزادی اور خوشی کے پیچھے دوڑتے ہوئے اگر تمہارے پیروں تلے کسی اور کے ارمانوں کا باغ روند جائے تو اس میں تمہارا قصور نہیں۔

انور کی چھٹی ختم ہونے پر تھی ساجدہ سوچے ہوئے تھی کہ انور کے نوکری پر چلے جانے کے کوئی پندرہ بیس دن بعد دلہن کو لیکر وہ اس کی جائے ملازمت پر پہنچے گی۔ ادھر بیٹے بہو نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ سرے سے اس کے جانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

"خدا کے لئے انور میں تو اگر اور دو دن اس ماحول میں رہی تو مر جاؤں گی" رفیعہ نے انور کو یقین دلایا تھا۔ اس لئے انور کے جانے میں ایک دن رہ گیا تو اس نے نہایت سادگی سے ماں سے کہا "اماں اتنی ساری چیزیں تو میں نہ لے جا سکونگا۔

اور نہ ان کی ضرورت ہی نہیں ہوگی صرف ہلکے ہلکے کپڑوں کے بکس اور کارآمد ہینڈ بگ پر پرنٹس بکسوں میں پیک کروا دیجئے اور نوکروں میں بھی صرف میرا اپنا نوکر اور ان کے ساتھ ایک آیا کافی ہوگی۔"

ساجدہ اس پر بھی نہیں سمجھی کہ کیا ہو رہا ہے کہنے لگی "بیٹا سامان تو سارا میں لیکر آؤں گی۔ تم کو تو سوائے اپنی چیزوں کے اور کچھ لیجانے کی ضرورت نہیں تم کتنے ہو تو دلہن کے ساتھ بھی میں بہت کم چیزیں لاؤں گی بھاری بھاری جوڑے تو میں خود جانتی ہوں وہاں پہننے میں نہیں آئیں گے ان کے بکس یہیں چھوڑ جاؤں گی۔"

انور کسی قدر شرمندگی کی آواز میں بولے۔" اماں تم کاہے کو تکلیف کرتی ہو تمھیں یہاں بہت سا کام ہوگا۔ ان سے پندرہ دن میں کہاں فارغ ہو سکو گی بس انھیں لے جاؤں گا" دل چاہا کہہ دیں کہ تم پیچھے آ جانا لیکن خیال آیا کہ اگر کہیں ماں سچ مچ ہی بعد میں پہنچ گئیں تو بیوی کو سخت ناپسند ہوگا۔ اس لئے صرف اتنا ہی کہکر خاموش ہو گئے۔

ساجدہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا۔ بجلی کی طرح اس کے دل میں یہ بات اتر گئی کہ بیٹا اور بہو یہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ نہ رہوں۔ مجھے یہ نوٹس مل۔ ہا ہے کہ اب آپ کی ضرورت نہیں۔ وہ امیدیں وہ ارمان جو ان کے دم سے وابستہ تھے وہ پورے نہ ہوں گے۔ ابھی بڑی بھاوج ہنس ہنس کر کہہ رہی تھیں کہ "آپا انور کے لڑکے کا نام میں نے سوچ رکھا ہے منور رکھوں گی کیونکہ خدا چاہے اس سے تمھارا گھر منور ہو جائے گا" ساجدہ کا دل خوشی سے پھول گیا تھا۔ اب اس نے سوچا نہیں انور کے بچے میرا گھر منور نہیں کریں گے۔ دلہن لاکر گھر آباد نہیں کیا۔ گھر برباد کیا۔ اب یہ گھر ہمیشہ کو سونا رہے گا۔ میں نے سوچا تھا کہ انور کے ننھے ننھے بچے اس کے صحن میں دوڑیں گے۔ یہ نہیں ہوگا انور کی صورت بھی اب دکھائی نہیں دے گی۔ بہو نے، چودہ دن کی بیاہی بہو نے، ۲۰ سال کی کمائی چھین لی" اس خیال سے اس کا دل بے قابو ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے انور ماں کو روتا دیکھ کر حسب معمول ماں سے لپٹ گئے تسلی تشفی دی لیکن ان کے منہ سے تب بھی نہ نکلا کہ اچھا اماں تم بھی ساتھ آنا میں نے تو تمھارے آرام کے خیال سے کہا تھا۔

دوسرے دن رفیعہ اور انور کا نپور سدھارے۔ ساجدہ ان کو سوار کرا چکی۔ تو آکر صدر دالان کے تخت پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اس نے زندگی میں کیا پایا۔ یہ وہی گھر تھا جس میں وہ بیوہ ہوئی تھی۔ یہ وہی دالان تھا جس میں انور گھٹنیوں چلتا تھا۔ مٹی سے گھٹنوں گھر بنایا کرتا تھا۔ اسی تخت پر پیٹ کے بل لیٹ کر پڑا رہتا تھا۔ اس گھر میں اس نے ۲۰ تاریک وطویل سال بیوگی کے کاٹے تھے، اس امید پر کہ ایک دن انور سب کسر نکال دے گا۔

اور آج اس گھر میں ڈنکے کی چوٹ رفیعہ انور کو ساجدہ سے چھین کرلے گئی۔ اور ساجدہ کچھ نہ کر سکی۔ کیونکہ سوسائٹی نے اپنے قانون بدل ڈالے تھے اور اس کا کہنا تھا کہ انور رفیعہ کا ہے۔ رفیعہ کا جس نے ایک فکرمند گھڑی بھی ابتک انور کے لئے صرف نہیں کی تھی۔ ساجدہ کا نہیں، جس نے ۲۰ سال کے فکروں سے اس نے پالا تھا۔

شائستہ اختر سہروردی

آج کل کی تعلیم کے بُرے اثرات کی وجوہ

مئی کے عصمت میں "تعلیم کے مخالفوں سے"۔ اور جون کے پرچہ میں "مغربی تعلیم کے زہر آلود اثرات" دونوں مضمون میری نظر سے گذرے۔

اس بارے میں میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں۔ بے شک ایک وہ زمانہ تھا کہ تعلیم کی بے حد مخالفت ہوتی تھی لیکن پیہم تگ و دو کے بعد آج یہ حال ہے کہ بہت کم ایسے گھرانے ہوں گے جہاں اب بھی تعلیم نسواں کی مخالفت ہوتی ہو۔ جابجا اسکول اور کالج کھل گئے ہیں جہاں اچھی سے اچھی پڑھائی ہوتی ہے۔ جناب زاہدی صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے ممکن ہے صحیح ہو۔ لیکن میرا نظریہ اس سے مختلف ہے۔ میں یہ کہنے کی جرات کرتی ہوں کہ آج کل اگر کہیں مغربی تعلیم کے بُرے اثرات نظر آتے ہیں تو اُن کی وجہ حد سے زیادہ آزادی ہے اگر اس تعلیم کے ساتھ ساتھ والدین اپنی لڑکی کو اچھی تربیت بھی دیں تو ہرگز ممکن نہیں کہ لڑکیاں بے ادب اور مذہب سے متنفر ہو جائیں لیکن اس بات کے لئے مغربی تعلیم کو ذمہ دار قرار دینا صحیح نہیں یہ تعلیم کا نہیں تربیت کا نقص ہے۔ آج کل ہوتا یہ ہے کہ لڑکیاں اسکولوں اور کالجوں میں پڑھتی ہیں اور ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ بس اسکول میں جو کچھ پڑھ لیا یہی ان کے لئے کافی ہے۔ گھر میں نہ ان کی تربیت پر زیادہ غور و پرداخت کی جاتی ہے۔ نا اُن کو مذہبی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور آج کل کے اکثر گھرانوں میں ان کو خانہ داری کے جملہ امور سے بھی بے بہرہ رکھا جاتا ہے۔ تو آپ ہی بتائیے کہ لڑکیاں خود سر اور مذہبی تعلیم سے ناواقف ہوں یا نہ ہوں؟ اگر گھر میں والدین لڑکیوں کی تربیت پر پوری توجہ کریں تو آج لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ لڑکیاں مغربی تعلیم حاصل کر کے بے ادب بنتی جا رہی ہیں" ایک بات اور بھی ہے۔ آج کل اکثر والدین لڑکی پر قابو نہیں رکھتے۔ سنیما وہ دیکھیں۔ ہر طرح کے ناول وہ پڑھیں اور ان کو ذرا بھی روک ٹوک نہیں کی جاتی تو اس کا اثر بُرا نہیں تو اچھا کہاں سے ہوگا۔

آج کل بھی بہت سے لوگ ہیں جو اپنی لڑکیوں کو سنیما نہیں دیکھنے دیتے اور بالکل بجا کرتے ہیں اگر لڑکی کو والدین اور بزرگوں کا ڈر خوف ہوگا تو وہ ہرگز کوئی کام بغیر اُن کی مرضی کے نہ کرے گی۔

لیکن میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج کل مغربی تعلیم کے بُرے اثرات نظر نہیں آرہے۔ بہت سے لوگوں نے اپنی لڑکیوں کو حد سے زیادہ آزادی دے رکھی ہے اور وہ بُرا نتیجہ ہمارے سامنے ہے لیکن ان لوگوں کی بھی کمی نہیں جنہوں نے لڑکیوں کو مغربی تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم اور خانہ داری سکھائی ہے اور ان کو اپنے قابو میں رکھ کے حد سے زیادہ آزادی نہیں دی گئی۔ لہٰذا یہ نظریہ غلط ہے کہ یہ سب برے اثرات مغربی تعلیم کے ہی ہیں۔ محترمہ بہن میمونہ نذیر صاحبہ نے جو بڑوں کی عزت نہ کرنے کا جواب یہ دیا ہے کہ "عزت ان کی کی جاتی ہے جو اپنی عزت آپ کرنا جانتے ہیں" تو بہن صاحبہ معاف کیجئے گا اگر میں یہ کہوں کہ اس میں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ پیغمبر اسلام نے تو یہ فرمایا ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے اس کے علاوہ اگر سطحی نظروں سے دیکھا جائے تب بھی اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ ہر آدمی شخص کی جو اپنے سے بڑا ہے خواہ وہ تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ۔ عزت کرنی چاہئے کیونکہ وہ ہم سے زیادہ جہاندیدہ اور تجربہ کار ہے جس بات میں بڑے بہتری سمجھیں اس کو کریں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس نے بڑے کی بات نہیں مانی اس کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

اگر لڑکیوں کو گھر پر خانہ داری سے واقفیت دلائی جائے تو لڑکیاں بچوں کی پرورش کرنا عیب نہ سمجھیں اور نہ گھر کا کام کاج کرنے میں اپنی ذلت خیال کریں۔ جب شروع سے لڑکیوں کو خانہ داری نہیں سکھائی جائے گی اور یک لخت اُن پر خانہ داری کا سارا بار ڈال دیا جائے گا تو لازمی بات ہے کہ وہ کرنے میں ہچکچائیں گی اور ان کو دقت محسوس ہوگی۔

جناب زاہدی صاحب نے فرمایا کہ "لڑکیوں میں آزادی آجاتی ہے کہ ماں باپ کو اپنے کاموں میں دخل تک دینے نہیں دیتیں موقع

ملے تو خود ہی شادی کرلیں خود ہی طلاق دیدیں" یہ نوبیّن ثبوت ہے اس بات کا کہ جب لڑکیوں کو اتنی زیادہ آزادی دی گئی تب ہی تو خود شادی کرنے اور خود ہی طلاق دینے کی ہمت کرتی ہیں۔ آخر اتنی آزادی دی کیوں گئی؟ اگر شروع ہی سے اس کی روک تھام کی جائے اور ان کو اپنے قابو میں کھا جائے تو بھلا کسی لڑکی کی مجال ہے کہ وہ اپنے کاموں میں ماں باپ کو دخل نہ دینے دے یا خود شادی کرے۔ یہ نتیجہ ہے حد سے زیادہ آزادی کا۔ لیکن بالفرض اگر انھوں نے خود شادی کر بھی لی تو گویا سوسائٹی کا گناہ ہے۔ لیکن شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ شرع کی رو سے ہر ایک بالغ لڑکی اپنی پسند سے شادی کرسکتی ہے۔ اور اگر خود سے طلاق دے دی تب بھی شرع کے خلاف نہیں کیا۔

انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ ماحول کا اثر بہت جلد قبول کرلیتی ہے والدین کو چاہیے کہ اپنی اولاد کے سامنے خود ہی اپنی مثال پیش کریں خدا کا خوف۔ رسول کا احترام۔ مذہب کی پابندی۔ غریبوں کی مدد۔ ناداروں سے ہمدردی ہر ایک کے دکھ درد میں شرکت۔ اپنے گھر سے دلچسپی۔ یہ باتیں ایسی ہیں کہ اگر والدین خود الیسـ کرکے اپنی اولاد کے سامنے اپنا نمونہ پیش کریں تو اس ماحول کا اثر ہوگا اور ضرور ہوگا اور وہ والدین کے نقش قدم پر چلیں گے۔

زبیدہ خانم۔ پٹنہ

تو ہی تو

گلشنِ دنیا کے عبرت خیز نظاروں میں تو
ماتموں میں عیش کے پُر لطف نقاروں میں تو

تو عروسِ شام کے ماتھے پہ اِک رنگیں پھبن
چاندنی۔ قوسِ قزح۔ مہتاب اور تاروں میں تو

ابرِ تیرہ صرصرِ طوفاں۔ زہے تیری ادا
ناخدائے کشتیٔ مغموم منجدھاروں میں تو

روزِ روشن یا شبِ دیجور سب میں تو ہی تو
زاہدوں میں تیرا چرچا اور میخواروں میں تو

تو سلیماں کی انگوٹھی کا نگین بے نظیر
بارہا پایا گیا شاہانہ کرداروں میں تو

ڈھونڈھتی پھرتی ہے دنیا کعبہ و بتخانہ میں
بے نیازِ ہر دو عالم مست بے زاروں میں تو

دیدۂ یعقوب کے بے نور پردہ میں نہاں
بن کے یوسفِ مصر کے پُر جوش بازاروں میں تو

ہر تعین سے نظر آزاد ہونی چاہیے
تو نہ تسبیحوں میں پیوستہ نہ زناروں میں تو

شکلِ ابراہیم میں آکر دیا اک درسِ حق
آتشِ نمرود کے گلریز انگاروں میں تو

سوچتا ہے منکرِ حق کیا بوقتِ ابتلا؟
دہریت کے کھوکھلے بے مغز انکاروں میں تو

بے سبب ہرگز نہیں ہے قلبِ مضطر کی تڑپ
چشمۂ سیّال کی آہستہ رفتاروں میں تو

سرمدی نغموں میں ہے کھویا ہوا دلِ اندنوں
موسم برسات کی ہاں موسلا دھاروں میں تو

چشم حیراں۔ روح پراں مضطرب قلب و جگر
مجھکو آتا ہے نظر ہر وقت ان چاروں میں تو

جارہی تھی ڈھونڈھنے گلہائے رنگا رنگ میں
یک بیک اُف مل گیا چبھتے ہوئے خاروں میں تو

تیر ہائے غم کو ہے لبیک کہتی ساجدہ
کچھ عجب انداز سے پنہاں ہے سوفاروں میں تو

شاعر؟

ساجدہ بنت دانش شاہجہانپوری

شاعر کو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہونا چاہیے نہ کہ غلام ——— اسٹوارٹ میرل

جب تک کوئی شخص گہرا فلسفی نہ ہو کبھی بڑا شاعر نہیں ہو سکتا ——— کولرج

ایک سچا شاعر کبھی نظم اور نثر دونوں کی حرص نہیں کرتا۔ اس لئے کہ یہ ہمیشہ سے معمولی نثر نگاروں کی خصوصیت رہی ہے کہ وہ خواہ مخواہ وزن کی طرف پھسل پڑتے ہیں۔ ——— نامعلوم

ہر چیز ایک عنوان ہے اور کسی صاحب کمال شاعر کی منتظر ——— ہیوگو

خلوص، بے غرضی اور وسعتِ خیال کے بغیر کوئی شاعر ہو ہی نہیں سکتا ——— کارلائل

شاعر کا سب سے بڑا جرم تنگیٔ خیال، تقلید اور قواعد و ضوابط کی پابندی ہے ——— آردی گارماں

کوئی مضمون اچھا یا بُرا نہیں ہوتا بلکہ اچھے اور بُرے شاعر ہوتے ہیں ——— وکٹر ہیوگو

قرآن مجید اور ہم

یوں تو آئے دن قرآن مجید کی اہمیت اور فضیلت پر علماء اور مولویوں کے خطبے اور تحریریں سنتے اور دیکھتے ہیں اور اسی لئے بار بار اس موضوع پر قلم اٹھانا بظاہر بے نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے جبکہ ہماری قوم میں بڑے بڑے قائدین، رہنما اور صاحب علم و فضل موجود ہیں اور پھر بھی ہم اپنے آپ سے بے خبر ہیں۔ ایسی حالت میں جی نہیں مانتا اور قلم اٹھانا ضروری ہو جاتا ہے گمان ہوتا ہے کہ شاید یہی پیرایہ بیان ہمارے لئے شمع راہ ثابت ہو اور ہم پھر سے راہ مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔

نئی روشنی کے نوے فیصدی مسلم گھرانوں میں قرآن کی عزت و حرمت کا عام طور پر یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ وہ مذہبی کتاب ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہمارے پیغمبر صاحب پر نازل ہوئی تھی اور اسی لئے اُسے ایک خوشنما غلاف میں ملفوف کر کے کسی ایسی محفوظ جگہ پر رکھ دیا جاتا ہے کہ وہاں نہ کبھی بچوں کا ہاتھ پہنچ سکے اور نہ آنے جانیوالوں کی گندی ہوا اُسے چھو سکے۔ بھلا بتائیے تو سہی کہ جس کتاب کو اللہ نے اس مقصد کے تحت نازل فرمایا تھا کہ وہ بنی نوع انسان کو مختلف قسم کی تاریکیوں سے نکال کر ایسی روشنی میں لے آئے کہ جس میں وہ نہ صرف مذہبی حیثیت سے ارفع و اعلیٰ ہو جائیں بلکہ اخلاقی، معاشرتی، تمدنی اور سیاسی حالات کے اعتبار سے بھی وہ ایک مکمل انسان کہلانے کے مستحق ہوں، اس کتاب کے ساتھ ہمارا یہ سلوک کیا ظلم کی حد تک نہیں پہنچتا؟ اور کیا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ہم نے اس کی صحیح رہنمائی سے اپنے آپ کو محروم کر کے اس کے تقدس کو اس قدر اہمیت دیدی ہے کہ کم و بیش پرستش کی حد تک پہنچ چکے ہیں؟

دراصل ہمارے دل و دماغ مغرب پرست اور مادیت پسند ہو چکے ہیں۔ اسی لئے ہماری زندگی قرآن اور اسلام سے بیگانہ نظر آتی ہے۔ حالانکہ عہد ماضی کی تاریخ اور اسلام کا زمانۂ عروج سچی زندگی کا صحیح نقشہ پیش کرتا ہے اور اس بات کا کافی ثبوت مہیا کرتا ہے کہ مذہب اسلام اور انسانی زندگی کوئی دو مختلف چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ مذہب اسلام کی پیروی ہی کا نام ایک کامیاب اور سچی زندگی ہے۔ اگر آج بھی ہم عہد ماضی کے "قرآن والوں" کی اتباع اپنا شیوۂ زندگی بنالیں اور ان ہی کے نقش قدم پر چلنا اپنا سرمایۂ حیات سمجھ لیں تو یقیناً آج بھی ہم اپنی اذانوں کو مغرب کی وادیوں میں گونجتا سنیں گے اور آج بھی ہمارا شمار دنیا کی کامیاب ترین اقوام میں ہونے لگے گا۔

لیکن ہماری آنکھوں پر غفلت اور اندھی تقلید کا کچھ ایسا پردہ پڑ چکا ہے کہ ایسے رہنمائے حیات اور گنجینۂ علم و فضل کو رکھتے ہوئے بھی ہم ایسی راہ گمشدہ پر گامزن ہیں جو قدم قدم پر قعر ہائے ذلت اور گمنامی کی پرخار جھاڑیوں سے پٹی پڑی ہے۔ ہندوستانی عورت نے مرد کو "خدائے مجازی" سمجھا اور من وعن اس کی پیروی کر کے آج وہ بھی اسی بام ترقی پر نظر آرہی ہے جس پر پہنچ کر ہندوستانی مرد اپنے آپ کو دنیا کا کامیاب ترین انسان سمجھ بیٹھا ہے اور یہ سمجھنے سے معذور ہے کہ ذرا سی دیر میں وہ اطراف کی تاریک اور بھیانک فضا میں اس طرح غائب ہو جائے گا کہ رہتی دنیا تک اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ لیکن جن عورتوں نے اس کے حکم سے سرتابی کی انھیں آج ہم گمنامی اور جہالت کی تاریک کوٹھریوں میں نظر بند دیکھ رہے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے جہاں مردوں کو عقل کی سی دولت سے سرفراز فرمایا ہے وہاں عورتوں کو اس سے محروم نہیں کیا ہے۔ اس کی منصف مزاجی ہر دو کو ہر طرح ہم وزن دیکھنا پسند کرتی ہے۔ اسی لئے عورت، مرد کی شریک زندگی غلط کاریوں اور گمراہیوں سے بھری پڑی ہے تو اس کی ذمہ داری کا بوجھ بالکل مساوی طور پر عورت کے کندھوں پر بھی ہے اور جو اسی وقت دور ہو سکتا ہے جبکہ وہ اپنی زندگی کو مرد کی اصلاح اور صحیح رہنمائی کے لئے وقف کر دے اور اس کوشش میں کامیاب ہو جائے یا پھر اسی جد و جہد میں اپنی زندگی کے دن

ختم کردے۔ زمانہ کی شورش کا اندازہ کرتے ہوئے ہندوستانی عورت کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات کو اپنی روز مرہ زندگی میں اس طرح شریک کرے کہ اس کی زندگی کا ہر شعبہ صحیح معنوں میں اس تعلیم کا آئینہ دار ہوجائے۔ تعلیم یافتہ خواتین کو چاہئے کہ بیکار بحثوں سے گریز کرکے قرآن پاک کو پڑھنا، پڑھانا اور عمل کے ذریعہ اس کی پابندی کروانا اپنا فرض منصبی سمجھیں۔ انھیں چاہئے کہ وہ قرآن کی روشنی میں اپنے وہ حقوق دیکھیں جو خدا نے انھیں دے رکھے ہیں۔ ان ہزاروں بہنوں کے تن مردہ میں جو غیر مذہبی رسوم اور تخیلات کے بھینٹ چڑھائی جا چکی ہیں۔ ایک نئی جان ڈالدیں اور لاکھوں ان پڑھ اور ناواقف بہنوں کو بتائیں کہ دراصل تمہارے یہ مضرت رساں رسم و رواج اور ہلاکت آفریں طریقہ زندگی ہی نے قومی بنیاد کی چولیں ڈھیلی کردی ہیں۔

کسی قوم کی ترقی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ اس قوم کا ہر فرد اپنے گھر کو اصلاح یافتہ اور منظم نہ دیکھے۔ ایک اسلامی اصلاح یافتہ گھر یا خاندان وہی ہے جو سر تا پا اسلامی تعلیم کا مرقع ہو اور اس کا ہر گوشہ اسلامی رنگ میں رنگا ہوا ہو۔

عورتوں کا دوسرا اور سب سے زیادہ اہم فرض بچوں کی تعلیم و تربیت ہے۔ فی زمانہ والدین دو مختلف مکاتب خیال کے حامی نظر آتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو شروع ہی سے بچوں کو کانونٹ (Convent.) یا انگریزی اسکول میں شریک کروانا پسند کرتے ہیں۔

والدین کے اس گروہ کے متعلق کچھ کہنا بے سود معلوم ہوتا ہے، صرف اس قدر کہدینا مناسب ہے کہ اس طرح یہ لوگ لامذہبوں اور گمراہوں کی ایک نئی جماعت کی تشکیل میں مدد دے رہے ہیں۔ دوسری طرف والدین کا وہ طبقہ ہے جو اسلامی تعلیم کو روا رکھتا ہے۔ لیکن اس کا طریقہ تعلیم ادھورا اور غیر مفید معلوم ہوتا ہے۔ عموماً انھیں کسی مولوی صاحب کے حوالے کردیا جاتا ہے جوں توں کرکے دو تین مہینے میں قرآن مجید ختم کروا دیتے ہیں، مٹھائی فاتحہ ہوتی ہے اور بچہ اپنا منہ میٹھا کرکے اور مولوی صاحب اپنی جیب گرم کرکے خوش ہوجاتے ہیں۔

غور فرمائیے کہ جب تک بچوں کو سلیس اور آسان ترجموں کے ذریعہ ان ہی کی زبان میں قرآن پاک کا مفہوم اور مطلب ذہن نشین نہ کرایا جائے انھیں کس طرح اپنے مذہب اور اپنی قوم سے انس پیدا ہوسکتا ہے؟ بچوں کی ابتدائی تعلیم میں ایسی اسلامی تعلیم بھی ضروری ہے جو ان کے کردار کو مضبوط بنانے میں ممد و معاون ہو۔ مثلاً سیرت نبوی کا مطالعہ، مذہبی قصے اور کہانیاں، خدا اور رسول کی اہمیت اور ان کی پہچان وغیرہ۔ تعلیم کے ابتدائی مدارج میں اگر ان چیزوں کو نصاب کا لازمی جزو قرار دیا جائے اور پھر درجہ بدرجہ جس نہج اور طریقہ پر والدین پسند کریں تعلیم دلائیں تو بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ پھر ہمیشہ کے لئے ان کے ننھے دل اور نوعمر دماغ زمانہ کے زہریلے اثرات سے محفوظ ہوجائیں گے۔ اور ان کے کردار کی پختگی انھیں کبھی راہ مستقیم سے ہٹنے نہ دے گی۔

بہرحال اب بھی اگر ہم اپنی تباہ حالی اور تنزل کو محسوس کریں تو کم از کم اپنی اولاد کی ترقی اور فلاح کے لئے راہ عمل کھولدینا اپنے ہی ہاتھوں میں ہے بشرطیکہ شفیق والدین ٹھنڈے دل سے ان کی زندگی کی اہمیت اور زمانہ کی نزاکت پر غور کرنا پسند فرمائیں۔

عبدالباری خاں سبحانی۔ حیدرآباد دکن

بچّوں کی تربیت

اس میں کوئی شک نہیں کہ بچّوں کی صحت کی طرف پہلے زمانہ کی نسبت اب زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ بچّے پہلے بیمار ہوتے تھے تو اکثر والدین کی لاپرواہی و غفلت کی وجہ سے چند دن کسی نہ کسی مرض میں مبتلا رہ کر مرجاتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ تعلیم کی وجہ سے اکثر لوگوں کے توہمات مفقود ہوچکے ہیں اور مرض کو لاعلاج تصوّر نہیں کیا جاتا۔ لوگ یہ بھی سمجھنے لگے ہیں کہ بیماری بغیر کسی سبب کے نہیں آتی۔ اگر تعلیمی ترقی کا یہی حال رہا تو حالات اور بھی بہتر ہوکر بچّوں کی اموات میں کافی کمی ہوجائے گی۔

بچّوں کی جسمانی نشو و نما کے متعلق والدین کو نصیحت کرنے کے لئے ڈاکٹر و حکیم موجود ہیں۔ سکولوں و کالجوں میں اب ہائی جین وغیرہ کی تعلیم بھی لڑکیوں کو دی جاتی ہے مگر افسوس ہے کہ اب تک بچّوں کی دماغی صحت (جو جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ لازمی ہے) کے لئے نہ کوئی ڈاکٹر موجود ہے نہ حکیم ہر ماں اپنے بچّہ کو اپنی مرضی کے مطابق تربیت دیتی ہے۔ ہندوستانی عورتیں زیادہ تر جاہل ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باوجود بچّوں کو اعلیٰ تعلیم دینے کے اور سینکڑوں روپیہ صرف کرنے کے ہمارے نوجوان جاہل رہتے ہیں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ بچّہ کی تعلیم پانچویں چھٹے سال سے شروع کی جائے یہ خیال بالکل غلط ہے بچّہ کی تعلیم سکول سے نہیں بلکہ ماں کی گود سے شروع ہوتی ہے۔ جو عادتیں بچّہ کو پانچ چھ سال کی عمر میں پڑجائیں وہ تمام عمر کی تعلیم کی بنیاد ہوتی ہیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض تعلیم یافتہ نوجوانوں کے اخلاق جاہلوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔ یہ سب بُری تربیت کا نتیجہ ہے۔ بچّہ کا ضمیر ایک آئینہ کی مانند ہے بُری تربیت سے اس کو زنگ لگ جاتا ہے۔ بچّہ چاہے کتنے ہی اچھے اسکول میں تعلیم پائے اگر اُس کے والدین کی تربیت اچھی نہ ہوگی تو اس کے اخلاق کبھی ٹھیک نہیں ہوسکتے یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بہت سے بچّے اسکولوں میں بہت نیک و شریف کہلاتے ہیں لیکن گھر میں آکر ہر قسم کی ناجائز حرکتیں کرتے ہیں۔ دراصل وہ گھر اور اسکول کو دو مختلف دنیا سمجھتے ہیں چونکہ دونوں کے اصولوں میں اختلاف پاتے ہیں اور چونکہ گھر کی تربیت میں بمقابل سکول کے دن کا زیادہ حصہ ہوتا ہے اس لئے وہ سکول کی تربیت پر حاوی ہوجاتی ہے۔

سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ والدین اکثر سب بچّوں سے ایک جیسا سلوک کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن بچّوں کے لئے یہ تربیت موزوں ہوئی وہ سدھر جاتے ہیں جن کے لئے ناموزوں وہ بگڑ جاتے ہیں ہر سمجھدار ماں کا فرض ہے کہ وہ بچّہ کی فطرت کو سمجھے اُس کی ہر بات پر غور کرے اور اُس کے مطابق اس کو تربیت دے۔ مثلاً بعض بچّے پیار سے قابو میں آتے ہیں بعض بچّے شروع سے ہی شور مچانا چاہتے ہیں۔ تاکہ دوسروں کی توجہ اُن کی طرف مبذول ہو ان کو کبھی روکنا نہیں چاہئے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ہمیشہ ان کو اپنی شخصیت دکھلانے کا موقع دیا جائے بہت ممکن ہے کہ آئندہ زمانہ میں یہ لیڈر رہیں۔ ماں کا یہ بھی فرض ہے کہ بچّہ کی دلچسپیاں اور اس کی رجحانِ طبع کے متعلق غور کرے ایسا کرنے سے ماں اور بچّہ دونوں کو تعلیم و تربیت میں مدد مل سکتی ہے۔

بعض بچّوں کو فطرتاً سوال کرنے کی عادت ہوتی ہے اگر ماں سمجھدار ہو تو اس عادت سے بہت فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ اگر ماں بچّہ کے سوالات کا محبّت اور نرمی سے جواب دے کر اس کی حوصلہ افزائی کرتی رہے تو اس میں تحقیقات کا مادہ بڑھتا ہے اور بڑا ہوکر وہ ایک بہت بڑا محقق ہوسکتا ہے۔ برعکس اس کے جاہل مائیں یا تو بچّے کے سوالوں کے جواب نہیں جانتیں

یا ان کے متواتر سوالوں سے بیزار ہو کر بچّہ کو ڈانٹنا شروع کر دیتی ہیں کہ ہمیں تنگ نہ کرو یا ہمارے پاس وقت نہیں وغیرہ لہٰذا بچّہ اس عادت کو بُری سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے بعض بچّے حساس ہوتے ہیں سمجھدار ماں اُن کے احساس کو کام میں لا کر اچھے اخلاق کا معیار اس عادت پر رکھ سکتی ہیں جس بات پر اور بچّوں کو مارنا پڑتا ہے ان کے لئے صرف معمولی سی دھمکی کافی ہے۔ مگر والدین سب بچّوں سے ایک جیسا سلوک کرتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچّے بھی ڈھیٹ و بے شرم ہو جاتے ہیں اور دوسرے بچّوں کی طرح کچھ محسوس نہیں کرتے۔

ہر بچّہ میں دو قسم کی عادتیں ہوتی ہیں ایک تو وہ پیدائش سے اپنے ساتھ لاتا ہے دوسری پیدائش کے بعد سیکھتا ہے پیدائش کے بعد کی عادتیں ہمیشہ محنت و تربیت پر منحصر ہوتی ہیں۔ بچّہ کا دماغ دنیا میں آنے پر تقریباً خالی ہوتا ہے۔ اس کے ارد گرد کی ہر بات اس کے دماغ پر اپنا نقش کرتی ہے اور یہ نقوش مل کر اس کی عادات بنتی ہیں گھر میں معمولی سے واقعات بھی بچّے کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں اور تمام زندگی ان کا اثر بچّہ پر رہتا ہے۔ زیادہ تر والدین کے تعلقات کا اثر بچّہ پر بہت زیادہ ہوتا ہے جس گھر میں ماں اور باپ میں نا اتفاقی ہو تو بچّے بھی اکثر بدمزاج اور چڑچڑے ہو جاتے ہیں اور آپس میں بات بات پر جھگڑتے ہیں بجائے اس کے کہ بچّہ کو ڈانٹا جائے کہ لڑو مت اتفاق سے رہو یہ بہتر ہو کہ والدین خود نمونہ بن کر دکھائیں اور آپس میں محبّت سے رہیں۔ ایسی نصیحتیں کہ جھوٹ مت بولو گالی مت دو بچّہ کے لئے ایک قسم کا بوجھ ہوتی ہیں اور ان پر عمل کرنا بچّہ ایک مصیبت خیال کرتا ہے یہ انسانی فطرت ہے کہ جس چیز کے کرنے کو حکم دیا جائے طبیعت چاہتی ہے کہ اس کے خلاف کیا جائے اسی طرح اگر بچّوں کو ان بری عادتوں سے روکا جائے تو اُن کو ان کے کرنے سے ایک خاص لطف آتا ہے۔ یہ بہت بہتر ہو اگر بچّہ کو شروع سے نہ بتایا جائے کہ جھوٹ بھی کوئی چیز ہے اور اسکو ایسی سوسائٹی میں رکھا جائے کہ وہ جھوٹ بولتے ہوئے بھی کسی کو نہ سُنے بچّہ میں فطرت سے ہی بری عادتیں نہیں ہوتیں بلکہ وہ اپنے گرد و نواح سے سیکھتا ہے۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ جو والدین بچّہ کو جھوٹ نہ بولنے کی نصیحت کرتے ہیں خود ان کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں یعنی کوئی چیز دینی نہ چاہیں تو اس کو چھپا کر کہتے ہیں کہ "کوا لے گیا" ہے۔ بچّہ چیز کو دیکھ لیتا ہے اور اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ غلط بات کا کہہ دینا کوئی بری بات نہیں۔ اس طرح کرنے سے دو بڑے نقصانات ہیں ایک تو بچّہ کو جھوٹ بولنے کی عادت ہو جاتی ہے دوسرے اس کے دل میں ماں کی عزت بالکل نہیں رہتی۔

والدین کو ہمیشہ بچّوں کے سامنے ایسی عادات پیش کرنی چاہئیں کہ بچّے والدین کو دیوتا سمجھیں اور ان کی پرستش کریں جب بچّوں کے دل میں والدین کی اتنی وقعت ہو جائے گی تو بچّے ان کی ہر بات پر توجہ دیں گے اور والدین بچّوں کو اپنے نقش قدم پر چلا سکیں گے بچّوں کی عادات ٹھیک کرنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ والدین اپنی عادات اور جن دوستوں کی صحبت میں بچّے رہتے ہیں ان کی عادات پر غور کریں۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ ان کے دوست اور ساتھی اچھی عادتیں رکھتے ہوں۔ بچّوں کو زیادہ وقت نوکروں کی صحبت میں چھوڑنا بھی ٹھیک نہیں یہ لوگ اکثر فضول اور بیہودہ باتیں کرتے ہیں جن کا اثر بچّوں پر پڑتا ہے۔ یہ غلطی تو تعلیم یافتہ ماں سے بھی سرزد ہوتی ہے کہ بچّوں کے ساتھ باتیں کرنے اور کھیلنے کو تضیع اوقات سمجھتی ہیں ہر سمجھدار ماں کو دن کا کچھ حصہ بچّوں کے ساتھ باتیں کرنے اور کہانیاں سُنانے میں گذارنا چاہئیے تاکہ ان کی عادتوں پر ماں کے اخلاق کا رنگ چڑھے یہ وقت کا بہترین استعمال ہے یہ بچّے آئندہ زمانہ کے جوان ہوں گے کیوں نہ کوشش کی جائے کہ ہمارے آئندہ ہونے والے جوان سب افلاطون و سقراط جیسے قابل و نپولین جیسے بہادر ہوں۔

بچّوں کو پوری آزادی ہونی چاہیئے۔ اُن کو ڈرانا۔ دھمکانا یا مارنا پیٹنا بہت نامناسب ہے اکثر گھروں میں بچّوں کے ساتھ اس قدر ظلم

وسختی سے برتاؤ کیا جاتا ہے کہ زندگی کا بہترین زمانہ ان کے لئے بدترین بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بچپن سے ہی ایسے بچوں کے دلوں میں والدین کی جانب سے جذبہ منافرت پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے بچے بہت جلد خود مختار ہو جاتے ہیں اور جب موقع پاتے ہیں والدین سے انتقام لیتے ہیں اکثر والدین بڑھاپے میں روتے ہیں کہ ہماری اولاد ہم سے ایسا سلوک کرتی ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کانٹے ہم نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کئے ہیں۔

ماں کو ہر وقت یہ خیال رہے کہ جو عادات بچے کو شروع سے ہوں گی روز بروز ان میں پختگی واقع ہوگی غرض شروع سے بچہ کو اپنا کام خود کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے چھوٹے بچہ کو اکثر اپنا کام خود کرنے کا شوق ہوتا ہے اگر اس کی تعریف کرکے اس کی حوصلہ افزائی کی جائے تو یہ عادت بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے یہ میرا آنکھوں کا دیکھا واقعہ ہے ہمارے عزیزوں میں ایک بہن ہیں ایک دن انھوں نے اپنے بچے کو بہت پیٹا۔ سبب پوچھا گیا تو بولیں کہ یہ ہمیشہ کپڑے خود پہننے کا اصرار کرتا ہے اور الٹے سیدھے کرنے میں آدھ گھنٹہ لگا دیتا ہے منہ ہاتھ خود دھونے کی کوشش کرتا ہے اور آدھے سے زیادہ پانی گراتا ہے۔ میں نے سمجھانے کی کوشش کی کہ آپ اس کو کرنے دیا کیجئے خود بخود اصلاح ہو جائے گی اور پھر آپ کو بالکل دقت نہ ہوگی اس کے علاوہ ہمیشہ کے لئے بچہ کو اپنا کام خود کرنے کی عادت ہو جائے گی۔ مگر وہ ایک نہ مانیں اور کہنے لگیں مجھ سے یہ چوچلے نہیں ہوتے اور نہ میں اتنا وقت ضائع کرنا چاہتی ہوں۔

بچوں کے ساتھ والدین واستادوں نے جو جو ظلم کئے ہیں وہ بیان سے باہر ہیں نا قابل استاد و انجان والدین نے اپنے غلط طریق پر تعلیم دینی چاہی مگر چونکہ بچہ کا دماغ دوسرے بچوں سے مختلف تھا وہ ناکامیاب ہوئے اور بچہ کو کند ذہن کہہ کر خوب سزا دی خدا کا شکر ہے کہ اب سکولوں میں سزا پہلے سے کچھ کم ہوگئی ہے اور اس کے خلاف قانون بن گئے ہیں۔ سینکڑوں بچوں کا شروع سے تعلیم سے دل اچاٹ ہو جاتا ہے چونکہ نا قابل استاد ان کی فطرت کو سمجھ نہیں سکتے اور اس کے خلاف کرتے ہیں۔ زیادہ تر بچہ بندش سے گھبراتا ہے بچہ کو آزادی سے روکنا اس پر ظلم کرنا ہے میرے خیال میں بچہ کو مکمل آزادی ہونی چاہئے اگر سوسائٹی وگرد ونواح اور والدین کی تربیت موزوں ہو تو پوری آزادی میں بھی اس کے بگڑنے کا کوئی امکان نہیں۔ ہر وقت نگرانی رہنے سے بچہ خوش نہیں رہتا اس کو دن میں دو گھنٹے ایسے ملنے چاہئیں جس میں وہ اپنے دوست و احباب سے مل کر دل کھول کر آزادی سے شور مچائے اور شرارتیں کرے اور اس وقت اس کو دنیا کی کسی ہستی کا خوف نہ ہو مگر یہ یاد رہے کہ اس کے دوستوں میں کوئی بیہودہ اور بداخلاق نہ ہو۔ ماہران تعلیم جنھوں نے اس بات پر بہت غور کیا ہے سینکڑوں تجربوں ومطالعہ کے بعد لکھتے ہیں کہ بچپن میں بچہ کو قدرت پر چھوڑ دو ان کی کسی بات میں دخل نہ دو یہ نہ سمجھو کہ بچہ اپنا وقت ضائع کرتا ہے یہ تم سے زیادہ مصروف ہے" اور اگر اس مصروفیت کے وقت میں خلل اندازی کی جائے تو بہت بگڑتا ہے۔ افلاطون کہتا ہے "خود غرض والدین اس کو سکول میں داخل نہ کرو اس کو اپنی زندگی خود بنانے دو جنگلوں و پہاڑوں پر پھر کر یہ وہ تجربات حاصل کرے گا اور وہ سبق سیکھے گا جو تمام عمر کی تعلیم نہیں سکھلا سکتی۔ اس کا دماغ زیادہ بہتر اس کے خیالات زیادہ وسیع ہوں گے" سقراط اور ارسطو جیسی قابل ہستیوں نے بھی اسی چیز پر زور دیا ہے۔ مجھے ان کی رائے سے بالکل اتفاق ہے مگر یہ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے چونکہ دنیا میں دماغ و قابلیت کا اندازہ محض ڈگریوں سے ہی لگ سکتا ہے اس لئے دنیا میں نام پیدا کرنے یا روزگار تلاش کرنے کے لئے کالج کی تعلیم ضروری ہے اس لئے بچوں کو سکولوں میں تو داخل کرنا ہی پڑے گا مگر حال میں اس صورت کو مد نظر رکھا جائے کہ بچہ کی آزادی میں فرق نہ آئے اور تعلیم دیتے وقت اس کی دلچسپی اور رجحان طبع کا خاص خیال رکھا جائے

مسز مریم احمد ایم اے۔ بی۔ ٹی۔

ریل کا سفر

ریل کی بدولت لوگ شوق سے سفر کرتے ہیں۔ اور اُن کے مزاج اور اخلاق پر بھی اس کا بہت اثر ہوتا ہے۔ آپس میں میل جول سے تعصب اور تنگ خیالات دُور ہوتے ہیں۔ ریل کے سفر میں عجیب وغریب ہستیاں ملتی ہیں بعض ایسے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے کہ دوبارہ عمر بھر بھی ان سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوتا کبھی کسی غیر ملک کے باشندوں سے ملاقات ہوتی ہے اور ان کا حال اور طور طریقہ دیکھکر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ یہ ہم ہی جیسے انسان ہیں مگر عادات۔ زبان اور لباس میں کس قدر ہم سے مختلف ہیں۔ سفر میں اگر ساتھی اچھے ہوں تو وقت نہایت آسانی اور خوشی سے کٹ جاتا لیکن اگر گاڑی میں کوئی تیز طبیعت والی سوار ہوجائے تو ڈبہ کے تمام مسافروں پر ایک آفت سی آجاتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض خواتین گاڑی میں ذرا سی بات پر بگڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑ پڑتی ہیں۔ حالانکہ ان کو معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ شاید پھر کبھی ایک دوسرے سے نہ مل سکیں گی۔ بعض عورتیں تو نہایت شان سے اپنا اسباب بھی سیٹ پر رکھوا لیتی ہیں۔ کہ کوئی اور پاس نہ بیٹھے۔ یا خود پاؤں پھیلا کر بہانے سے سوتی رہتی یا بچہ کو لٹا دیتی ہیں۔ اگر ان سے کہا جائے کہ سخت گرمی ہے کھڑکی کے قریب کسی اور کو بھی جگہ دو تو لڑنے کے لئے تیار ہوجاتی ہیں۔

گذشتہ موسم سرما میں ایک کنبہ پنجاب آرہا تھا۔ مرد کوئی ہمراہ نہ تھا۔ یہ کل چھ عورتیں تھیں۔ ایک نانی اماں۔ ایک ماں۔ ایک بہو۔ دو لڑکیاں اور ایک ملازمہ لطیفن جو چھپرہ کی رہنے والی تھی۔ مگر خود وہ سب پنجاب کی تھیں لیکن پانچ سال سے رہایش چھپرہ کی تھی۔ اور اب واپس پنجاب آرہی تھیں۔ ان کے ساتھ بہت سا اسباب تھا۔ اسٹیشن پر ان کا کلرک ان سب کو ایک تھرڈ کلاس کے ڈبے میں بٹھا کر اور تمام اسباب رکھوا کر واپس چلا گیا۔ یہ سب گاڑی میں بیٹھیں اور مسافروں کا انتظار کرتی رہیں۔ مگر تعجب اس بات کا تھا کہ ان کے ڈبے میں کوئی اور عورت نہ آئی۔ چند مرد ڈبے کے قریب آئے مگر مستورات کو دیکھکر واپس چلے گئے۔ آخر گاڑی چل پڑی۔ نانی اماں جو زیادہ دوراندیش تھیں۔ بولیں "بیٹی اس گاڑی میں کوئی اور عورت نہیں آئی یہ کیسی بری بات ہے"۔ مگر ماں بولی۔ "اماں یہ تو بہت اچھی بات ہے ہمارے لئے تو یہ فسٹ کلاس ہے ہمارا سفر کافی لمبا ہے ہم سب خوب آرام سے بیٹھیں گے کھائیں پئیں گے۔ کوئی دخل نہ دے گا ورنہ اوروں کے ساتھ کسی نہ کسی بات پر جھگڑا ضرور ہوجاتا۔ کوئی کہتی ادھر بیٹھو۔ کوئی اسباب پر نکتہ چینی کرتی۔ کوئی ہماری لڑکی کو کھڑکی میں جھانکنے نہ دیتی۔ اب ہم ایسے آرام سے ہیں جیسے گھر میں" پھر کیا تھا۔ انھوں نے گاڑی کی تمام کھڑکیاں بند کرلیں۔ انگیٹھی سلگائی خوب چائے پکائی اور سب نے پی پھر آگ بجھادی اور والدہ نے کونڈی ڈنڈا بھی نکال کر ایک دوائی گھوٹ کر پی کہ سردی کی وجہ سے زکام ہے اور اسی طرح تمام چیزیں بکھری ہوئی چھوڑ کر اپنا اپنا بستر بچھا کر لحاف سے منہ ڈھانک کر سب سوگئیں۔ خدا جانے ان کو سوئے ہوئے کتنی دیر ہوئی تھی اور کتنے اسٹیشن گزرے تھے کہ اچانک نانی اماں کی آنکھ کھلی وہ دروازے کے قریب سوئی تھیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ جس سیٹ پر یہ سو رہی تھیں وہاں سے جو آدھا حصہ خالی تھا۔ اُس پر تین آدمی چپ چاپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ بیچارے ان مسافروں کی گہری نیند پر تعجب کر رہے تھے۔ مگر جیسے ہی نانی اماں نے لحاف اُتارا وہ حیران رہ گئے۔ کہ بجائے کسی مرد کے وہاں ایک عورت سوئی ہوئی تھی۔ نانی اماں نے جونہی انھیں دیکھا للکار کر بولیں "ارے بیوقوف نظر نہیں آتا زنانی گاڑی ہے۔ آنکھ بند کرکے چڑھ آئے جلدی نیچے اترو ورنہ ابھی پولیس کے حوالے کرتی ہوں۔ اری لطیفن تجھے کیا ہوا۔ دیکھتی نہیں یہاں مرد بیٹھے ہیں۔ یہ ضرور پنجاب ہوگا وہاں کے لوگ ایسے بدتمیز ہوتے ہیں" (اگرچہ وہ خود پنجابی تھیں مگر رعب ڈالنے کی خاطر ایسے الفاظ استعمال کئے اور ذرا نہ جھجکیں

ان تینوں آدمیوں نے گھبرا کر اپنا بستر فوراً جلدی سے نیچے پھینکا اور جلدی سے نیچے اترے ایک مرد ٹرنک اتار رہا تھا۔ کہ نانی اماں اور لطیفن نے بھی پیچھے سے زور سے دھکیلا وہ، تو خدا کا فضل ہوا کہ آدمی بچ گیا۔ کیونکہ ٹرنک اس زور سے اسٹیشن پر دونٹ کے فاصلہ پر پڑا جیسے کوئی بم پھٹتا ہے اگر کوئی آدمی اس کے نیچے آتا تو شاید ہی بچتا۔ اور ایک آدمی بیچارہ تو چلاّتا ہوا کانوں پر ہاتھ رکھکر یہ کہتا ہوا بھاگا "کہ اس گاڑی میں آدمی نہیں بلکہ جنات بھوت پریت ہیں"۔ نانی اماں اپنی اس بہادری پر بہت خوش ہوئیں اور ہمیشہ فخریہ بیان کرتی رہی ہیں کہ تین اچکّوں کو جو چوری کے خیال سے آن بیٹھے تھے انھوں نے کس طرح بھگایا۔ اس کے بعد نانی اماں نے مصالحہ کوٹنے والا ڈنڈا ہاتھ میں رکھا کہ کوئی اور چور اندر آنے نہ پائے اور سب کو تاکید کی کہ خبردار ہو کر سوؤ۔ خدا نے فضل کیا کہ میں جاگ اٹھی ورنہ شاید ایک چیز بھی نہ بچتی۔ کسی اور اسٹیشن پر اگر کوئی مرد قریب آتا تو نانی اماں۔ یسفن بوا شیرن ڈانٹ دیتیں "خبردار یہاں قدم نہ رکھنا یہ زنانی گاڑی ہے تم لوگوں کو کوئی تمیز نہیں منہ اٹھا کر چلے آتے ہو۔ آخر ان کی گاڑی ایک اسٹیشن پر پہنچی وہاں بیشمار مسافر تھے۔ ان سب کو بہت تعجب ہوا کہ بہت سے آدمی ان کے ڈبے میں آرہے ہیں۔ یہ سب چیخ پڑیں "ابھی تمہاری رپورٹ کر کے تم کو فلاں تھانے میں پہنچاتے ہیں۔ تمھیں نہیں معلوم یہ زنانی گاڑی ہے اور یہاں معزز شریف بیبیاں بیٹھی ہیں"۔ مگر وہ مسافر کچھ سیدھے سادھے نہ تھے۔ اسٹیشن ماسٹر تک یہ خبر پہنچی کہ چند عورتیں مردانہ ڈبہ روک کر بیٹھی ہیں اور کسی کو اندر نہیں آنے دیتیں۔ اسٹیشن ماسٹر آیا نہایت ادب سے نانی اماں سے مخاطب ہوا "اماں جی معاف کیجئے گا۔ یہ مردانہ ڈبہ ہے اگر آپ یہاں بیٹھنا چاہتی ہیں تو ایک سیٹ روک لیجئے گا۔ ورنہ مہربانی سے زنانہ ڈبہ میں تشریف لے جائیے یہاں بھیڑ بہت ہے تمام مردانے ڈبے رک چکے ہیں اور انھیں یہیں بیٹھنا ہے"۔

نانی اماں غصہ سے "یہ مردانہ ڈبہ کیسے ہو سکتا ہے ہمارا بیٹا ہمیں زنانہ گاڑی میں بٹھا گیا ہے اگر پنجاب میں زنانہ گاڑی کو مردانہ بنا دیں تو ہم کیا کریں۔ میری بہو بیٹیاں میرے ساتھ ہیں ہم ہرگز دوسری گاڑی میں نہ جائیں گے"۔

اسٹیشن ماسٹر "اماں جی آپ کے لڑکے سے غلطی ہوئی شاید جلدی میں اُس نے خیال نہ کیا ہو۔ میں ان سے ملاقات کرتا ہوں وہ کون سے ڈبہ میں ہوں گے؟"

نانی اماں بگڑ کر "بس چپ رہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور ہمارے لڑکے کو کہتا ہے اُس نے غلطی کی ہے۔ تجھے کیا معلوم بارہ جماعتیں پاس ہے ٹٹ بٹ بھی ایسی کرتا ہے کہ انگریز بھی سلام کرتے ہیں۔ وہ بھلا یہ غلطی کر سکتا ہے؟"

اسٹیشن ماسٹر نے دیکھا کہ مسافر جلدی کر رہے ہیں اور وقت تنگ ہو رہا ہے اور یہ ہلنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ آخر اس نے نہایت نرمی سے کہا "اماں جی مہربانی سے زنانہ گاڑی میں تشریف لیجائیے"۔

نانی اماں "اگر ہم اب زنانہ گاڑی میں گئے تو اتنا آرام نہ ہوگا۔ یہاں تو بچیاں خوب آرام سے ہیں۔ دوسرے ہمارا تمام اسباب بکھرا پڑا ہے اُسے کون اٹھوائے گا۔ ہم قلیوں کو دوبارہ ایک پیسہ نہ دیں گے۔ اس ڈبہ کو زنانہ بنا دو۔ اور عورتوں کو یہاں بھیج دو"۔

اسٹیشن ماسٹر نہایت ادب سے "اماں جی اسباب کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ اور آپ کو وہاں بھی اسی طرح آرام ہوگا۔ اور آپ کو ایک پیسہ بھی نہ دینا ہوگا۔ آپ کی ایک ایک چیز میں قلیوں سے اٹھوا دونگا"۔

نانی اماں نے اپنی بیٹی نواسیوں اور بہو کو ایک زنانہ ڈبہ میں بٹھا دیا اور خود نوکر سمیت مردانہ ڈبہ میں بیٹھی رہیں کہ تمام اسباب حفاظت سے اٹھ جائے۔ اسٹیشن ماسٹر نے وعدہ کے مطابق تمام اسباب زنانہ گاڑی میں رکھوا دیا۔ اور دو ایک بستر بھی بچھوا دئے جب سب اسباب آگیا تو نانی اماں بھی تشریف لائیں۔ "کہ اُف سفر میں کیسی مصیبت ہے"۔ اب اسٹیشن ماسٹر نے پوچھا "اماں جی آپ کی سب چیزیں آگئیں"۔

نانی اماں "بیٹا خدا تیرا بھلا کرے تو خوب بھولے پھلے سب ٹھیک ہے" اب نانی اماں سونا بھول گئیں تھیں۔ وہ ایک بستر جو کہ بھیگ چکا ہو رہا تھا کبھی سیدھا کبھی الٹا کرتی تھیں۔ اس میں ایک گھی کا ٹین تھا جس کا ڈھکنا غالباً کھل گیا ہوگا۔ اور ہلنے کی وجہ سے گھی بہہ بہہ کر نکل رہا تھا۔ وہ بستر کھولتی نہ تھیں کہ کسی کو معلوم نہ ہو جائے کبھی بستر کو سیدھا اور کبھی لطیفن کو کہہ کر الٹا کرتی تھیں۔ کہ شاید ٹین سیدھا ہو جائے مگر یقین ہے کہ گھر پہنچنے تک ٹین خالی ہو گیا ہوگا۔

نوشابہ حسن سہروردی۔ ایم۔ اے

اطالیہ کی فسطائی حکومت

سیاسی طبقوں میں عموماً یہ خیال پایا جاتا ہے کہ مسولینی فسطائیت کا بانی ہے اور اطالیہ میں سب سے پہلی مرتبہ فسطائی آمریت کا قائم ہوئی۔ جہانتک عملی طور پر فسطائی حکومت چلانے کا تعلق ہے مسولینی یقیناً بانی کہا جا سکتا ہے مگر فسطائی حکومت کا سیاسی تصوّر مسولینی سے پہلے صفحۂ قرطاس پر آچکا تھا۔ گیوُوانی جینٹائل (Giovanni Gentile) کی کتابیں "فسطائیت کیا ہے" اور "فسطائیت کی ابتدا اور اس کے اصول" مسولینی کے فسطائیت پر مضمون لکھنے سے پہلے شائع ہو چکی تھیں۔ اسی طرح سے الفریڈو راکو (Alfredo Rocco) کی کتاب "فسطائیت کا سیاسی نظریہ" بھی مسولینی کے مضمون سے پہلے شائع ہوئی۔ مسولینی نے فسطائیت کے اصول مرتب کرنے میں جینٹائل سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ نہ صرف خیالات بلکہ الفاظ کے استعمال پر بھی جینٹائل کا اثر نمایاں ہے اسی طرح سے اطالیہ کی مادی اور روحانی زندگی میں راکو کے بے پناہ اثرات پائے جاتے ہیں۔ جینٹائل اور راکو کے خیالات میں بہت فرق ہے۔ جینٹائل کا نظریہ قومیت کے مقابلہ میں انفرادی تنظیم اور ارتقاء پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اس کے برعکس راکو کا فلسفہ قوم پرستی سکھاتا ہے وہ انفرادی اور بین الاقوامی تعلقات کو قومی جذبات کے مقابلہ میں حقیر اور بے معنی سمجھتا ہے۔ جینٹائل کے فلسفہ کی بنیاد ہمدردی اور سخاوت پر ہے مگر راکو کے فلسفہ میں انسان سے نفرت اور بربریت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بدقسمتی سے اطالیہ میں جینٹائل کو شکست ہوئی اور راکو کے خیالات نے ترویج حاصل کی۔

فسطائی حکومت کو حکومتِ تمامی (Totalitarian State) بھی کہتے ہیں کیونکہ آمرانہ قوانین کے ماتحت ریاست کے باشندوں کی تمام زندگی حکومت کے مفاد کے زیر اثر رہتی ہے۔ اگر ایک طرف حکومت قوم کے تمام افراد کے سامنے قومیت کا بلند نصب العین رکھکر اِن کو ایک رشتۂ اتحاد میں منسلک کر دیتی ہے تو دوسری طرف اسی بلند نصب العین کے زیر سایہ تنگ نظری کا سنگِ بنیاد رکھا جاتا ہے۔ یہ تنگ نظری دو قوانین کے ماتحت پیدا ہوتی ہے۔ پہلا قانون Economic Nationalism یعنی اقتصادی قوم پرستی ہے۔ اس کا مطلب ایک خود کفالتی ریاست ریاست قایم کرنا ہوتا ہے۔ فسطائی حکومت قایم ہوتے ہی یہ جدوجہد شروع ہو جاتی ہے کہ تمام ضروریات زندگی ریاست کی حدود کے اندر پیدا کی جائیں تاکہ ریاست کو کسی بین الاقوامی کشمکش کے موقع پر کسی دوسرے ملک کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ رفتہ رفتہ بیرونی ممالک سے تجارتی تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں۔ انگلستان میں بھی ایک زمانے میں تجارتی خود غرضی پیدا ہو چلی تھی۔ کابڈن (Cobden.) نے اس کے خلاف جہاد کیا اور اپنے ملک پر دباؤ ڈالا کہ وہ بین الاقوامی تجارت کے میدان میں قدم بڑھائے مگر اس کی سیاست کامیاب نہ ہو سکی کیونکہ دنیا اس وقت تک اتنی آزاد خیال نہیں ہوئی تھی کہ بین الاقوامی اتحاد کی خوبیوں کو سمجھ سکتی۔ چنانچہ ابتک اقوام یورپ کی سیاست قومیت کے محدود دائرے کے اندر نشو و نما پا رہی ہے آج تک یورپ کے ترقی یافتہ ممالک بیرونی ممالک سے صرف اشیائے خام خریدتے ہیں اور اشیائے پختہ خریدنے سے گریز کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیرونی ممالک کی قدرتی پیدوار کی قیمت تو ادا کر سکتے ہیں مگر انسانی محنت کی قیمت ادا کرنے سے انکار ہے جب جمہوریت پسند اقوام کا یہ حال ہے تو آمرانہ ریاستوں کا ذکر ہی کیا۔

فسطائیت کا دوسرا قانون (Political Nationalism) یعنی سیاسی قوم پرستی ہے۔ موجودہ

جنگ عظیم کا ابتدائی سبب یہی قانون ہوا ہے۔ اس کا مطلب نسل اور قوم کے لحاظ سے ریاستوں کی حدود قایم کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی ریاست میں جرمن قوم کے افراد اقلیت کی حیثیت سے موجود ہیں تو ان کو ریاست کا ایک حصہ علٰحدہ بود و باش کرنے کے لئے ملنا چاہئیے کیونکہ انھیں بھی اکثریت کی طرح خود اختیاری حکومت قایم کرنے کا حق حاصل ہے صلح وارسلیز کی ناکامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے مصنفوں نے سیاسی قوم پرستی کے اصول کو نظر انداز کر دیا اور نئی ریاستوں کی حدود قایم کرتے وقت ان خطرات کا خیال نہ کیا جو آنے والے دور میں اس اصول کے ماتحت پیدا ہو سکتے تھے۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں یہی خطرات ایک خونخوار جنگ کی صورت میں ظاہر ہوئے صلح وارسیلز کی شرائط مرتب کرنے والوں نے بہت سی خود مختار ریاستوں میں مختلف قوم اور نسل رکھنے والے لوگوں کو یکجا کر دیا۔ مثلاً پولینڈ کی ریاست بناتے وقت پولوں کی ایک زبردست اکثریت میں کچھ جرمن لوگوں کو بھی شامل کر دیا ہے۔ یہ مختلف قوموں کا ایک ریاست میں جمع کر دینا ہی جنگ عالمگیر کا سبب بن گیا۔ اور ہٹلر جرمن اقلیت کے سیاسی اور معاشرتی حقوق کے تحفظ کا بہانہ لیکر پولینڈ پر حملہ آور ہوا۔ اس کے علاوہ حملہ ہو جانے کے بعد جرمن اقلیت نے پانچویں کالم کی حیثیت سے ہٹلر کی خاطر خواہ امداد کی۔ آج ہندوستان کے ایک سیاسی گوشے سے پاکستان کی صدا بلند ہو رہی ہے۔ اقلیت کا تقاضہ ہے کہ وہ مختلف نسل اور قومیت سے تعلق رکھتی ہے لہذا اسے بود و باش کے لئے علیحدہ جگہ ملنا چاہئیے۔ یہ ایک تنگ نظری ضرور ہے مگر سیاسی قوم پرستی کے اصول کو کسی صورت رد نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اقلیت کی خواہش کا احترام نہیں کیا گیا تب ممکن ہے کسی زمانہ میں دنیا میں پان اسلامزم کے شعلے بھڑک اٹھیں اور سارا ہندوستان خطرے میں پڑ جائے۔

مندرجہ بالا اصولوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فسطائیت اطالیہ کو ایک عالمگیر جنگ کے لئے تیار کر رہی ہے۔ اطالیہ کے نوجوانوں کی تمام زندگی جنگ کے لئے تیار کی گئی ہے۔ مسولینی بھی اکثر اور بیشتر اپنی تقریروں میں جنگ کی ضرورت پر روشنی ڈالتا رہا ہے۔ وہ اپنے مضمون بعنوان "فسطائیت" کے دوسرے حصہ میں لکھتا ہے۔

"اس کے علاوہ فسطائیت جتنا سیاست کی وقتی ضرورتوں سے قطع نظر کر کے نسل انسانی کی نشو و نما پر غور کرتی ہے اتنا ہی اسے دائمی امن و امان کی ضرورت اور امکان سے انحراف ہوتا جاتا ہے ...."

اس کے علاوہ مسولینی نے ۲۶ مئی ۱۹۳۴ء کو مجلس نائبین Chamber of Deputies میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جنگ انسان کی نشو و نما کی دلیل ہے۔ شاید ایک المناک قسمت ہی انسان کی زندگی کا ماحصل ہے۔ جنگ اور انسان میں اتنا ہی مستحکم رشتہ ہے جتنا کہ زچگی اور عورت میں ہے۔ میں دائمی امن و امان پر بالکل اعتماد نہیں رکھتا بلکہ میرا خیال ہے کہ ایسا امن انسان کی اُن بنیادی خوبیوں کو دباتا اور کمزور کرتا ہے جو صرف خونخوار کوششوں کے بعد پوری روشنی میں ظاہر ہوتی ہیں ...."

مسولینی اپنے اس تشدد آمیز فلسفہ کو ترویج دینے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اختلاف رائے کو طاقت کے زور سے دبانے میں اس کی آمریت کا راز مضمر ہے ۱۹۲۶ء میں مسولینی پہ چند خونخوار حملے کئے گئے۔ مئی ۱۹۲۷ء میں پولیس نے ان تمام لوگوں کے خلاف نہایت بہیمانہ کاروائیاں کیں جو فسطائیت کے ذرا بھی خلاف تھے۔ مسولینی نے ظلم اور تشدد کی اس گرم بازاری کو مندرجہ ذیل الفاظ میں جائز قرار دینے کی کوشش کی۔

"نہیں یہ ہرگز تشدد نہیں ہے بلکہ اس کو تو سختی بھی نہیں کہہ سکتے۔ قوم کی معاشرتی حفظانِ صحت کا شاید یہی ایک طریقہ ہے اور قوم کو بیماری سے بچانے کی بھی ایک دوا ہے جس طرح ایک ڈاکٹر ایک مہلک مریض کو

تندرست لوگوں سے علیحدہ رکھتا ہے اسی طرح ہم
فسطائیت کے مخالفین کو قوم سے دور رکھتے ہیں"۔

سنہ ۱۹۲۳ء کے قانونِ انتخاب ممبران نے فسطائیت جماعت کو ہمیشہ کے لئے اطالیہ کی سب سے بڑی جماعت بنا دیا۔ اس قانون کے ماتحت جو جماعت دیگر جماعتوں سے زیادہ ووٹ پاتی ہے وہ اس کو مجلس نائبین میں دو تہائی (۲/۳) نشستیں دی جاتیں اس طرح وہ دوسری جماعتوں کے ساتھ بغیر اشتراکِ عمل کئے حکومت چلانے کے قابل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ مجلسِ نائبین میں اس کی ہمیشہ اکثریت رہتی ہے اور دوسری جماعتوں سے اشتراک کرکے اکثریت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء کو جو ممبران کا انتخاب ہوا وہ خالص فسطائی نظریہ کے مطابق عمل میں لایا گیا۔ فسطائی جماعت نے فتح حاصل کرنے کے لئے ہر جائز اور ناجائز کارروائی۔ تشدد۔ دھمکیاں۔ پولیس کا ناجائز استعمال غرض ہر تدبیر عمل میں آئی۔ اس انتخاب میں ۳،۵ امیدواروں سے حصہ لیا فسطائیوں نے پچاس لاکھ ووٹ پائے اور ۲۶۰ نشستیں حاصل کیں۔ آزاد خیال اور جمہوریت پسندوں نے ۱۰ نشستیں پائیں۔ اشتراکیوں کو دس لاکھ ووٹ ۴۲ نشستیں ملیں۔ پوپولاری (Popolari) نے چھ لاکھ پچاس ہزار ووٹ اور ۴۰ نشستیں پائیں۔ مخالف آزاد خیال چھ لاکھ ووٹ اور ۸۰ نشستیں حاصل کر سکے۔ غرضکہ فسطائی جماعت نے آدھے سے زیادہ ووٹ پائے اور بہت زبردست اکثریت سے برسر اقتدار آئی۔

اطالیہ کی فسطائی حکومت میں کیا کیا توانین رائج ہیں اور کون کون سے سیاسی ادارے قایم ہیں ان مسئلوں سے ہمیں اس وقت بحث نہیں یہاں صرف اتنا بتا دینا اور ضروری ہے کہ آزادی جسے کہتے ہیں وہ قطعی اطالیہ میں حاصل نہیں۔ حکومت کے ہر شعبہ کا کام طاقت کے زور سے چلایا جاتا ہے اور اگر لوگوں کو ذرا سی بھی آزادی حاصل ہوگئی تو فسطائیت کے خلاف زبردست بغاوت ہوگی اور اس طرزِ حکومت کا یقیناً خاتمہ ہوجائیگا

اطالیہ ماتحت جسقدر ملک ہیں سب میں بے چینی ہے اس طرزِ حکومت بربریت اور تشدد سے کوئی خوش نہیں ہے۔ محمد مرغوب صدیقی بی اے۔

لوری

سو جا میرے نور کے پارے — سو جا میرے راج دلارے
نیند کی پریاں گھوم رہی ہیں — گہوارہ میں جھوم رہی ہیں
عیش و مسرت کی یہ بہاریں — بڑھ بڑھ کر منہ چوم رہی ہیں
سو جا میرے نور کے پارے — سو جا میرے راج دلارے
صورت تیری بھولی بھالی — مست نگاہیں، لب پہ لالی
حُسن کو تیرے دیکھ چمن میں — جھوم رہی ہے ڈالی ڈالی
سو جا میرے نور کے پارے — سو جا میرے راج دلارے
نور شکِ نسرین و سمن ہے — زیبِ چمن ہے، شانِ چمن ہے
گل کی لطافت تجھ سے ظاہر — غنچہ صفت کیا تیرا دہن ہے؟
سو جا میرے نور کے پارے — سو جا میرے راج دلارے
کوئل حق کا راگ سنائے — بلبل بھی "اللہ ہو" گائے
گل کی ٹہنی جھوم جھوم کر کے — عارفؔ! تجھ کو جھولا جھلائے
سو جا میرے راج دلارے — سو جا میرے نور کے پارے
گھر کی رونق، آنکھ کا تارا — چین جگر کا، دل کا سہارا
سب کا دلبر سب کا پیارا — تجھ پہ نچھاور گھر ہے سارا
سو جا میرے نور کے پارے — سو جا میرے راج دلارے
کس کا دل، اور کس کا جگر ہے؟ — سب کے دل میں جلوہ گر ہے
تجھ پہ نچھاور بحر و بر ہے — شمس و قمر ہے، لعل و گہر ہے
سو جا میرے نور کے پارے — سو جا میرے راج دلارے
بحر جہاں میں مثلِ گہر تو — چھم چھم چمکے، ہر دم، ہر سو
ملک و وطن کا رکھوالا ہے — ساری دنیا کا رہبر تو
سو جا میرے راج دلارے — سو جا میرے نور کے پارے
عارفؔ! تو گلچینِ ادب ہو — عارفؔ نازشِ اہلِ نظر ہو
ساتھ ترے نصرت ہو ظفر ہو — میری دعا یہ تازہ و تر ہو
سو جا میرے نور کے پارے — سو جا میرے راج دلارے

جہاں آرا بیگم قدسیہ

حسینہ

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

نوجوان چودھری احسان احمد کی جس شادی کا حال اوپر لکھا گیا ہے اس کو آج تین سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ چودھری احسان احمد صاحب بی۔ اے۔ پاس کر کے خوش قسمتی سے امتحانِ مقابلہ میں کامیاب ہو کر سیتاپور میں ڈپٹی کلکٹر ہو گئے۔ خدا کے فضل سے دو بچوں کے باپ ہیں بڑی لڑکی ڈیڑھ سال کی ہے جو بالکل اپنی ماں کی تصویر ہے۔ اور چھوٹا بچّہ ابھی چالیس ہی دن کا ہے اور بالکل باپ کی شکل۔ یہ بچّہ پیدا تو اپنی ننہال راجہ اکبر علی خاں کے یہاں ہوا تھا مگر اب چلّہ نہا کر بیگم احسان احمد اس کو لیکر سیتاپور آگئیں۔ بڑی لڑکی پر تو انّا مقرر ہے۔ لیکن اس بچّے کو بیگم صاحبہ خود ہی دودھ پلا رہی ہیں۔ ایک انّا اور ایک ماما گھر ساتھ لائی ہیں مگر چھوٹے بچّے کی نگرانی کے لئے ان کو ایک اچھی سمجھدار عورت کی ضرورت ہے ڈپٹی صاحب کی یہ خواہش ہے کہ کوئی قابل نرس رکھی جائے ان کو سیتاپور آئے چار ماہ گذر چکے ہیں۔ یوں تو وہ ہمیشہ ہی افسردہ رہتے ہیں۔ مگر چند دن سے بہت زیادہ خموش اور رنجیدہ ہیں کیونکہ اِن کی بہن سلیمہ نے ایک خط میں یہ افسوسناک خبر دی ہے۔ کہ ان کی سہیلی حسینہ ہندوستان سے ہجرت کر کے ہمیشہ کے لئے مکّے شریف چلی گئی یہاں سے تو حج کے لئے گئیں تھیں لیکن مجھے بتا گئیں ہیں کہ اب واپس نہ آویں گی اس خبر نے ان کے دل پر ایک بجلی گرادی کیونکہ گذشتہ تین سال میں دو بار وہ حسینہ سے مل سکے تھے۔ لیکن اب ہمیشہ کے لئے ناامیدی ہو گئی ہے۔ اِن کی بیوی بھی سمجھتی تھیں کہ اِن کے دل میں حسینہ کا خیال ہر وقت موجود رہتا ہے۔ ایک دفعہ شوہر سے کہدیا کہ حسینہ کو بلا کر یہاں رکھا جائے انھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ جانتے تھے کہ نہ وہ آئے گی اور نہ اس کے والدین یہاں آنے کی اجازت دیں گے۔ ایک دن شام کے وقت جب کہ دونوں میاں بیوی باغیچہ میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے لڑکی سامنے کھیل رہی تھی بچہ قریب ہی گاڑی میں پڑا تھا بیگم صاحب نے شوہر سے کہا "پرسوں آپ کہہ رہے تھے کہ ڈپٹی عظیم صاحب ایک پڑھی لکھی عورت بچے کی نگرانی کے لئے بھیجنے والے ہیں ابھی تک تو آئی نہیں۔ ڈپٹی صاحب نے جواب دیا "شاید آج ہی آجائے صبح کچہری میں وہ کہہ رہے تھے کہ ان کی لڑکی کو جو استانی پڑھانے آتی ہے وہ اپنی ایک لکھی پڑھی شریف عورت کو آج لیکر آئے گی" اتنے میں ان کی ماما نرگس دو برقعہ پوش عورتوں کو ساتھ لئے ہوئے آئی یہ دیکھکر ڈپٹی صاحب یہاں سے اُٹھ کر چلے گئے۔ وہ دونوں وہیں گھاس پر بیٹھ گئیں۔ دونوں کی عمریں کچھ زیادہ نہ تھیں۔ اسکول کی اُستانی تیس سال کی ہوگی اور وہ دوسری عورت جس کو ملازمت کے لیے لائی تھیں اُن سے بھی کم معلوم ہوتی تھیں۔ اُستانی صاحبہ تو سفید ساڑی وہ ایک زیور ہاتھ میں چوڑی۔ کان میں بندے۔ وغیرہ پہنے تھیں اور وہ ملازمہ سیاہ تنگ پاجامہ اور سفید کرتے دوپٹہ میں تھی۔ ہاتھ میں چار چار کانچ کی چوڑیاں اور ناک میں چھوٹی سی سونے کی کیل صورت شکل میں اوستانی سے اچھی بیگم صاحبہ سے باتیں ہوئیں اوستانی نے تعریف کی یہ ایک مصیبت زدہ خاتون ہیں۔ گھر کے مردوں اور نوکروں سے پردہ کریں گی۔ ان کے ساتھ عزت کا برتاؤ کیا جائے وہ تو دس روپیہ ماہوار اور کھانے پر مقرر کرا کر اپنے گھر واپس گئیں اور نئی ملازمہ اسی وقت سے کام پر لگا دی گئیں بیگم صاحبہ نے اپنا بچّہ ان کے سپرد کر دیا وہ صرف دودھ پلانے کو اِن کے پاس لایا جاتا تھا اور تمام وقت اُس عورت عارفہ کے پاس رہتا جو نہایت محنت و جاں نثاری کے ساتھ اس کی نگرانی اور خدمت کر رہی تھیں اگو ڈپٹی صاحب نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی کیونکہ وہ پردہ کرتی تھیں لیکن اس کی سمجھ صفائی ستھرائی اور تمیزداری سے وہ بہت خوش تھے اگر کسی وقت بچّے کے دیکھنے کو وہ اچانک اس کے کمرے میں چلے جاتے تو وہ گھبرا کر منہ چھپا لیتی بعض وقت رات کو وہ بچّے کو دودھ پلوانے کے لئے ان کے کمرے میں آتی اور دیکھ لیتی کہ ڈپٹی صاحب سو رہے ہیں۔ تب تو اندر

چلی جاتی اگر وہ جاگتے ہوئے تو دروازے کے اندر قدم نہ رکھتی سات آٹھ مہینے اسی طرح گذر گئے بچہ اب خوب موٹا منڈا اور ہوشیار ہو گیا تھا۔ ویسے تو ڈپٹی صاحب نیک دل انسان تھے مگر نہ معلوم کیوں صادقہ کے ایک عرصہ تک گھر میں رہنے کی وجہ سے یا اس وقت کی وجہ سے کہ پردے کی رکاوٹ سے بار بار اپنے بچے کو نہیں دیکھ سکتے وہ چاہتے تھے کہ جس طرح نرگس اور انا گھر میں بے پردہ رہتی ہیں اسی طرح صادقہ کو بھی رہنا چاہیئے۔ لیکن اُس سے یہ کہنے کی ہمت نہ پڑتی تھی کیونکہ وہ انتہائی نیک اور شریف عورت تھی اُن کے دل میں صادقہ کی قدر و عزت یوں بھی کچھ زیادہ ہو گئی تھی کہ وہ دیکھتے تھے کہ بچے کے کاموں سے فراغت پاتے ہی وہ کتابیں اور اخبارات پڑھا کرتی تھی اور ان کی بیگم صاحبہ کو لکھنے پڑھنے سے خاص نفرت تھی ایک بار صادقہ کو بخار آگیا اور کئی ہفتے مسلسل آتا رہا وہ بہت کمزور ہو گئیں تو میاں بیوی کو اس کے دیکھنے کے لئے آنا پڑتا تھا مشکل یہ تھی کہ بیماری کی وجہ سے بچہ اس سے علیحدہ کیا جاتا تھا مگر وہ کسی طرح نہ مانتا تھا مجبوراً اس کو اسی کمرے میں رکھا گیا بچی کی انا اور بیگم صاحبہ اس کا نہلانا دھلانا کپڑے بدلوانا۔ خود کر لیتی تھیں مگر وہ صادقہ کو چھوڑ کر اُس کمرے سے نہیں نکلتا تھا۔ اِنہی دنوں بیگم صاحبہ کے گھر سے خط آیا کہ ان کی چھوٹی بہن کا عقد ہے دو دن کے لئے وہ ضرور ہو جائیں۔

اب مشکل یہ تھی کہ بچہ صادقہ کو چھوڑ کر ماں کے ساتھ کسی طرح چلنے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ آخر ڈپٹی صاحب نے یہی فیصلہ کیا کہ دو دن ہی کی تو بات ہی ہے بیگم صاحب ہو آئیں اور وہ پیچھے بچے کو دیکھیں گے صادقہ کی علالت کو دو ماہ گذر چکے تھے مگر ابھی تک وہ بیمار تھی۔ ایسی نیک خدمت گذار خادمہ کی بیماری کا ڈپٹی صاحب کو بہت رنج تھا جس دن صبح کو بیگم صاحب گھر گئیں اس دن صادقہ کی طبیعت زیادہ خراب تھی ڈپٹی صاحب نے کئی بار ڈاکٹر کو بلوایا جس نے ملیریا کے اثر سے دل بہت کمزور بتایا اس دن وہ بہت پریشان رہے انا اور لڑکی تو بیگم صاحبہ کے ساتھ چلی گئیں تھیں اوپر کے کام والی نرگس موجود تھی جو بچے کا کام کر رہی تھی۔ اب وہ سال بھر کا ہو چکا تھا اور گائے کا دودھ بوتل سے پیتا تھا آج ڈپٹی صاحب صرف چار گھنٹے کو کچہری گئے اور واپس آتے ہی صادقہ کے کمرے میں پہنچے وہ پلنگ پر پڑی تھی، چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ لیکن چہرہ کھلا ہوا تھا۔ نرگس بچے کو گاڑی میں بیٹھا کر سیر کو لے گئی تھی۔ ڈپٹی صاحب کے قدموں کی آہٹ پاتے ہی صادقہ نے حسب معمول اپنا چہرا اُڑھانکنے کی کوشش کی۔ مگر آدھا چہرا کھلا رہ گیا وہ گھبراہٹ میں پلنگ کے قریب آ گئے جھکے اور نبض پر ہاتھ رکھ کر کہا "صادقہ خدا کے لئے اپنی اس حالت میں اب اس قدر پردے کی فکر نہ رکھو مریضہ کے لئے پردہ ضروری نہیں ہے اور پھر حکیم ڈاکٹر سے تو بالکل نہیں۔ تم غضب کرتی ہو کہ ڈاکٹر سے بھی پردہ کرتی ہو۔ آج وہ تمہاری آنکھ اور زبان کی رنگت دیکھنا چاہتا تھا۔ جب تک بیمار ہو تم کو مجھ سے اور اپنے ڈاکٹر سے پردا نہیں کرنا چاہئے معاف کرنا صادقہ بی بی میں اپنے ہاتھ سے تمہارے چہرے سے دوپٹہ ہٹانے کی اجازت چاہتا ہوں ایک سال ہو جائے گا تمکو میرے گھر میں رہتے کیا اب تک بھی میری طبیعت کا اندازہ نہیں لگا سکیں؟ میں ایک شریف اور نیک دل شخص ہوں یہ سُنکر صادقہ نے آنکھیں کھول کر ڈپٹی صاحب کی طرف دیکھا اور فوراً ہی بند کر لیں اُنھوں نے جھک کر دیکھا کہ دونوں رخساروں پر آنسو بہہ رہے ہیں اور دل اس تیزی سے دھڑک رہا ہے کہ جس کی آواز وہ دور سے سن رہے ہیں اُنھوں نے پلنگ کی قریب والی کرسی ہٹادی جس پر کہ وہ آکر بیٹھا کرتے تھے اور فرش پر بیٹھ گئے۔ اس وقت چہرا بالکل ان کے سامنے کھلا ہوا تھا جس کو سال بھر سے نہایت کوششوں سے چھپایا جا رہا تھا۔ صورت پر نظر پڑتے ہی ڈپٹی صاحب حیران رہ گئے صادقہ بالکل ان کی حسینہ کی ہم شکل نکلی۔ فرق اتنا ہی تھا کہ حسینہ کا سرخ و سفید رنگ تھا اور یہ زرد۔ وہ آنکھیں بند کئے خموش پڑی تھی اور ڈپٹی صاحب حیرانی اور پریشانی میں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کیا یہ بیگم صاحبہ کی خادمہ بچہ کی کھلائی غیور اور خود دار حسینہ ہے۔ یہ کس طرح یہاں تک پہنچی کس جان نثاری سے ہماری خدمت کی اور آج اس حالت میں پڑی ہے کہ زندگی سے مایوسی ہے۔ حسن گذرا سلیمہ نے خبر دی تھی کہ حسینہ ہندوستان سے ہمیشہ کے لئے چلی گئی ہے پھر وہ

یہاں کیسے آگئی پھر پلنگ کے قریب آئے اور اس کو ہلا کر کہا "صادقہ بی بی دوا پی لو۔ ذرا آنکھیں کھول کر بات کرو۔ بتاؤ تم کون ہو اور کہاں سے یہاں آئیں تھیں۔ اللہ دنیا میں اس قدر ہمشکل انسان بھی ہو سکتے ہیں صادقہ جلدی جواب دو میرا دم گھٹا جاتا ہے۔ کاش تمہارا چہرا میرے سامنے آج بھی نہ کھلا ہوتا" بیمار صادقہ نے آنکھیں کھولیں اور اُن کی طرف دیکھ کر کہا" میرے آقا میں اسی لئے اس منحوس چہرے کو ایک سال سے چھپائے ہوئے تھی مگر آہ! آج نقاب اٹھ گیا اور ایسا اس کا وقت بھی آپہنچا تھا ڈپٹی صاحب میں نے آپ کی جدائی میں تین سال بڑی مصیبت سے بسر کئے اور جب سنا کہ آپ برسرکار ہو گئے ہیں تو والدین سے حج کی اجازت لیکر بمبئی پہنچی اپنے رشتے داروں کے ساتھ اور بمبئی سے ناسازیٔ طبیعت کا بہانہ کر کے واپس چلی آئی یہاں اسکول کی استانی کے پاس ٹھیری انھوں نے اپنے مدرسہ میں ایک استانی کی معزز جگہ دی۔ مگر میں نے وہ منظور نہ کی کیونکہ میں تو حج کے نام سے اس حج اکبر کے لئے گھر سے نکلی تھی جس طرح بن تھا آپ کے قدموں میں پہنچ گئی اور اپنے جان سے زیادہ پیارے بچے عرفان احمد کی کھلائی بن کر زندگی کے آخری دن بسر کرلئے۔ آپ مجھکو نہ پہچان تے تھے نہ دیکھ سکتے تھے مگر میں آپ کو چوبیس گھنٹے میں کئی بار دیکھ لیتی تھی بس اسی پر میری زندگی کا انحصار تھا خدا نے میری دلی آرزو پوری کی کہ مجھکو آپ کی اور آپ کے بچے کی خدمت کا موقع مل گیا۔

مگر افسوس ہے کہ زندگی نے وفا نہ کی اور میں دل بھر کر آپ سب کی خدمت نہ کر سکی۔ آپ مجھے ذرا اُٹھا کر بٹھا دیں کہ میں قدموں پر سر رکھکر اس گناہ کی معافی مانگ لوں کہ جو آپ کو دھوکا دینے میں مجھ سے سرزد ہوا ہے۔ میں اب آپ کی چند گھنٹوں کی مہمان ہوں میرے گناہوں کو معاف کریں خدا آپ کو شاد و آباد رکھے۔" یہ المناک تقریر اُس نے بمشکل ختم کی سانس پھول گیا ہونٹھ کانپنے لگے آنکھیں بند کرلیں۔ ڈپٹی صاحب مرد تھے باحوصلہ تھے لیکن حسینہ سے جس کو وہ صادقہ سمجھے ہوئے تھے یہ حالات سنکر ضبط نہ کر سکے اور فوراً اپنے کمرے میں جا کر پلنگ پر گر گئے اور بہت دیر تک ان کو اپنی حالت کی بھی خبر نہ رہی ایک گھنٹہ سے زیادہ ہو گیا شام کے قریب نرگس بچے کو گود میں لیکر ان کے کمرے میں آئی تو ان کو عجیب حالت میں پڑے پایا۔ اس نے آواز دی تو بھی نہ بولے۔ باپ کی اپنی طرف توجہ نہ دیکھکر بچہ رونے لگا تو اس کی آواز سے چونک کر اُٹھے اور پہلا سوال نرگس سے یہ کیا "صادقہ کی کیا حالت ہے" یہ ہی تو کہنے آئی ہوں۔ اُن کا اس وقت عجب حال ہے۔ میں نے آدمی کو ڈاکٹر کے ہاں بھیج دیا ہے آپ چل کر جلدی دیکھ لیجئے، میں اب صاحبزادے کو اس کمرے میں نہیں لے جاؤں گی" ڈپٹی صاحب نے کہا "تم ان کو باہر باغ میں لے جاؤ" خود صادقہ کے کمرے میں آئے دیکھا چہرا بالکل زرد ہاتھ پیر سرد گھبرائے ہوئے تو پہلے ہی تھے۔ یہ حالت دیکھکر پاگل سے ہو گئے۔ دیوانہ وار آوازیں دیتے تھے "حسینہ۔ حسینہ یہ تمہیں کیا ہو گیا کاش میں یہاں سے نہ جاتا میں تو اسی خیال سے چلا گیا تھا کہ میری حالت کا تم پر بُرا اثر پڑے گا آہ! تم نے میری اس وقت کی جدائی برداشت نہ کی حسینہ تم صادق الاقرار نکلیں مجھ پر قربان ہو گئیں۔ آہ۔ میں گنہگار جفا کار خدا مجھے کبھی معاف نہ کرے گا۔ صادقہ آنکھیں کھولو پہلے کی طرح ایک بار اور آنکھیں کھولو وہ کبھی اُس کی طرف جھکتے اور اپنے ہاتھ سے اُس کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتے کبھی دل کی حرکت دیکھتے اسی اثنا میں ڈاکٹر آگیا اور اس نے ڈپٹی صاحب کو یقین دلا دیا کہ یہ آنکھیں اب ہمیشہ کے لئے بند ہو چکیں ہیں۔ آپ دوسرے کمرے میں تشریف لے جایئے اور بچے کو دیکھئے۔ ڈپٹی صاحب نے بڑے ہی صبر و ہمت سے کام لیکر ڈاکٹر کو جلدی رخصت کر دیا کمرے کے دونوں دروازے اندر سے بند کر لئے پھر اپنی جان نثار حسینہ کے بے جان جسم پر گر کر دوبارہ بیہوش ہو گئے بہت دیر بعد نرگس نے دروازے کھٹ کھٹائے تو وہ ہشیار ہو کر وہاں سے اٹھے۔ دروازہ کھولا اور نرگس سے کہا" عرفان کے خیال سے بند کر لیا تھا کہ ضد نہ کرے" اس حادثہ کے ایک ہفتہ بعد جب کہ ڈپٹی صاحب خود بیمار پڑ گئے تھے اور بیگم صاحبہ بھی وطن سے آچکیں تھیں ان کو ایک خط ملا جس کا مضمون یہ تھا۔

جناب ڈپٹی صاحب

تمہارے والدین کی زیادتیوں بے رحمیوں اور آپ کی کمزوریوں کی وجہ سے ہم لوگ ایک مدت سے جس مصیبت میں مبتلا ہیں وہ خدا ہی جانتا ہے انہی مصائب سے گھبرا کر ایک سال ہو گیا میری لڑکی حج کو گئی تھی پھر واپس نہیں آئی مگر والدین اب بھی چین نہیں لینے دیتے اب پھر تقاضہ ہے کہ طلاق لے لو حالانکہ میری لڑکی مرتے دم تک اس کے لئے تیار نہیں ہے۔ وہ لوگوں سے کہلوا کر بار بار بڑھاپے میں ذلیل کرواتے ہیں مجھ کمبخت کو موت نہیں آتی کہ نجات پاؤں۔ اب چودھری صاحب کو یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ بیٹا ڈپٹی کلکٹر ہو گیا ہے کہیں ہم مہر کا دعویٰ نہ کر دیں۔ افسوس سال ہا سال کی ہماری خاموشی سے بھی ان کو اطمینان نہیں کس قدر جابر اور ظالم ہیں۔ تمہارے باپ کو اوّل ہم غریبوں سے رشتہ کر کے چھوڑا پھر آج چھ سال گذرے تمہارے نکاح کو اپنی شرافت اور عزت کے خیال سے ہم لوگوں نے دم نہیں مارا لیکن وہ میری لڑکی کو طلاق دے کر سارے قصبہ میں ذلیل کرنا چاہتے ہیں جو کسی طرح ہمیں منظور نہیں بفضلِ خدا تم اب برسرِ کار خود مختار ہو میں یہ منت کہتا ہوں کہ تم اپنے والد صاحب کو اچھی طرح سمجھا دو اور کہہ دو کہ میں اپنی پہلی منکوحہ کو طلاق دینا نہیں چاہتا۔ میاں احسان احمد خدا کے واسطے تم مجھ غریب بوڑھے پر احسان کرو کہ اچھی طرح سمجھا کر اپنے والد کو بار بار تقاضہ کرنے سے منع کر دو۔ خدا گواہ ہے میں تم سے کچھ فائدہ نہیں چاہتا۔ بس صرف اتنی التجا ہے کہ بار بار طلاق کا تقاضہ نہ کیا جائے ہم خاموشی کے ساتھ عمر گذار دیں گے اور تم سے کچھ طلب نہ کریں گے۔ للہ جلد اپنے والد کو خط لکھو کہ وہ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ میری لڑکی اسی شرمندگی کی وجہ سے گھر چھوڑ کر ہزاروں میل سمندر پار جا پڑی ہے۔ دعاگو:۔ محمد اسمٰعیل

ڈپٹی صاحب لیٹے ہوئے تھے جب یہ خط آیا۔ کھولا لیکن پورا پڑھنے نہیں پائے آنکھیں بھر آئیں حروف نظر نہ آتے تھے۔ ان کو اس خط کے آنے سے اس قدر صدمہ ہوا کہ کمزور تھے بخار آ گیا۔ دل ہی دل میں گھٹ رہے تھے اور کسی سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ مگر خود ہی کہہ رہے تھے کس قدر بدنصیب ہے یہ باپ جو اپنی بیٹی کو مکہ شریف میں زندہ سمجھ رہا ہے اور وہ حسرت نصیب یہاں مجھ سنگدل پر پروانہ وار نثار ہو گئی آہ سرمایہ داری اور زرپرستی تیری بدولت دنیا میں کیسے کیسے ظلم ہو رہے ہیں۔ ایک پڑھی لکھی اور حسین لڑکی دیکھ کر میرے والدین نے پہلے اس کی زندگی تباہ کر دی اور پھر ایک مالدار لڑکی سے رشتہ جوڑا میں اب اس کی قبر سے علیحدہ کہیں خوش نہیں رہ سکتا۔ خدا مجھ کو بھی جلد اس کے پاس پہنچا دے" وہ بخار میں یہی کچھ بڑبڑاتے رہے۔

ندرت سجاد حیدر

دُودھ

دودھ قدرت کی بخشی ہوئی ایک ایسی غذا ہے کہ جس سے بچے اور بوڑھے، بیمار اور تندرست، محنتی اور نکمے سب یکساں طور پر غذا اور پرورش حاصل کرسکتے ہیں۔

جو زمانہ انسان کے تیزی کے ساتھ قد اور جسم میں ترقی کرنے کا ہوتا ہے اس میں ضروری ہے کہ اسے ایک اچھی کافی مقدار دودھ کی روزانہ ملے۔ دودھ کا مقابلہ اس خاص صفت میں کوئی اور غذا نہیں کرسکتی کہ وہ انسانی جسم کو کیلسیم مہیا کرتا ہے جس کی ضرورت دانت اور ہڈیاں بنانے کے لئے بدن کو ہوتی ہے۔

دودھ کے اندر جو لحمی اجزا ہوتے ہیں وہ ہمارے جسم کی نشوونما کے لئے غیر معمولی طور پر کارآمد ہوتے ہیں، اور مدت العمر ہمارے جسم کو صحیح اور درست رکھنے میں مددگار ہوتے ہیں۔

دودھ اس معاملے میں بھی تمام غذاؤں میں بے نظیر ہے کہ اس کے اندر اس وقت تک کی معلوم شدہ تمام حیاتین کم یا زیادہ مقدار میں پائی جاتی ہیں۔ دودھ سے حاصل کی ہوئی چکنائی انسانی غذا میں حیاتین "الف" شامل کرنے کا مخصوص ترین ذریعہ ہے اور اسی طرح مکھن نکلا ہوا دودھ حیاتین "ش" کا۔

سب سے سستی قسم کی انسانی غذا میں دودھ کو بہت نمایاں درجہ حاصل ہے کیونکہ تنہا اس کے ذریعہ سے جسم کو نہایت اعلیٰ قسم کے لحمی اور شحمی اجزا کیلسیم اور حیاتین "الف" اور حیاتین "ش" کی بہت کافی مقدار نہایت سستی قیمت پر مہیا ہو جاتی ہے۔

خشک کیا ہوا، تبخیر کے ذریعہ سے گاڑھا کیا ہوا اور نیم سیال بنایا ہوا دودھ، تازہ دودھ کے بدلے بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اور پورے طور پر نفع بخش ثابت ہوا ہے۔ مکھن نکلا ہوا دودھ خواہ سیال صورت میں ہو یا خشک کر لیا جائے ایک بہت ہی اہم جزو خوراک ہے۔ بچوں کی مصنوعی غذا اب بالکل اندیشناک نہیں رہی جب سے کہ مصفّٰی اور مطہر دودھ خشک یا سیال صورت میں ٹینوں کے ڈبوں میں بند کیا ہوا بازار میں آنے لگا ہے۔ اگر کم حرارت پہنچایا ہوا اور زیادہ حیاتین ملا ہوا دودھ عام طور پر بکنے لگا تو بچوں کی غذا کا سوال اور بھی آسان ہو جائے گا۔ یہ فرض دودھ استعمال کرنے والے کا ہے کہ وہ جانتا ہو کہ مصفّٰی اور مطہر دودھ سے کیا مراد ہے تاکہ وہ اُسے ہر جگہ حاصل کرسکے اور اسے سرد اور صاف جگہ میں ڈھکا ہوا رکھے۔ اس وقت سے لے کر جب کہ اُس نے خریدا ہے اس وقت تک جب کہ اسے استعمال کیا جائے۔

ایک اچھا "ریفریجریٹر" (غذاؤں کو سرد رکھنے کی الماری) جس سے دودھ کے خانے میں یکساں ہلکی ہلکی سردی قایم رہے دودھ کو محفوظ رکھنے کے لئے بہترین چیز ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ اشیاء خوراک میں سے دودھ ارزاں ترین غذاؤں میں سے ہے۔ اگر کوئی خوراک کے اخراجات کے باعث پریشانی میں مبتلا ہو تو وہ جتنی قیمت میں سوا سیر دودھ خریدے گا اتنی قیمت میں کوئی دوسری ایسی چیز نہیں خرید سکے گا جو کہ اُس کے جسم کو اسی قدر غذا بہم پہنچا سکے۔

لہٰذا ہر شخص کے لئے لازمی اور نہایت ضروری ہے کہ دودھ کو غذائے انسانی کا جزو اعظم سمجھتے ہوئے اس کے باقاعدہ استعمال پر کاربند رہے اور دوسروں کو بھی رغبت دلائے۔

گ۔ ن۔ کپورتھلہ

مگس بانی

سب سے پہلے میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اِس مضمون کی سرخی میں نے "مگس بانی" کیونکر منتخب کی۔ عام فہم زبان میں تو "شہد کی مکھیاں پالنا" ہی ہونا چاہیے لیکن اس کے لئے اُردو زبان میں "نحل پروری" بھی رائج ہے۔ "شہد کی مکھیاں پالنا" مگس بانی کا غیر مناسب ترجمہ ہوگا کیونکہ مکھی کہنا ایک غلطی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے جانوروں کی طرح مگس پالی نہیں جا سکتی۔ نحل پروری میں بھی بات قابلِ اعتراض ہے۔ ورنہ عربی زبان میں "مگس" کا ترجمہ "نحل" بالکل صحیح ہے۔ یوں تو مگس بھی ایک فارسی لفظ ہے لیکن اردو زبان میں ابتک "مگس بانی" ہی سب سے زیادہ رائج ہے اور انگریزی لفظ بی کیپنگ (Bee Keeping) یا اپیکلچر (Apiculture) کا یہی صحیح ترجمہ ہے۔ جب میں جیو کیلوٹ آئی تو میں نے دیکھا کہ اس پہاڑی خطے میں قریب قریب ہر شخص مگس بانی کرتا ہے اور مگس کو "مون" یا "مونا" کہا جاتا ہے (مقامی زبان میں شہد کو "مو" کہتے ہیں۔ اسی لئے شہد لانیوالی کا نام "مون" یا "مونا" رکھا ہے) یہاں یہ لفظ اتنا عام فہم ہے کہ بچہ بچہ اس سے واقف ہے۔ ہماری اپیسری (Apiary) میں (جس کا ترجمہ میں مگس گاہ کر سکتی ہوں) ایک کلب ہے جسے "مونا اپیس کلب" کہتے ہیں (اپیس بھی مگس کا سائنٹفک نام ہے) لہٰذا اس مضمون میں مگس بانی اور "مون" دو الفاظ استعمال کروں گی۔

شہد اور اس کے فوائد سے عصمتی بہنیں اور بھائی بخوبی واقف ہوں گے، چونکہ اس کا استعمال بچے کی پیدائش ہی سے شروع ہو جاتا اور ہر گھر میں مختلف بیماریوں کے لئے خاص شہد کام میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ شہد ایک عمدہ اور مفرح خوراک ہے جس میں بہت سے صحت بخش اجزا اور حیاتین موجود ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پروردگارِ عالم نے ہمارے لئے شہد ایک بہت بڑی نعمت عطا کی ہے جس کا تذکرہ کلام پاک کی سورۃ النحل میں آیا ہے۔ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

(ترجمہ:- اور حکم بھیجا تیرے پروردگار نے مگس کو بنائے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں، جہاں لوگ چھتریاں ڈالتے پھر کھا ہر طرح کے میوے پھر چل اپنے رب کی راہوں میں جو صاف پڑی ہیں۔ نکلتی ہے ان کے پیٹ میں سے پینے کی چیز جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں۔ اس میں شفا ہے لوگوں کے لئے۔ بیشک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں)

تاریخی نکتۂ نگاہ سے ہندوستان ہی مون کا اصلی وطن ہے۔ لیکن اس دلچسپ فن کو شوقیہ و نیز تجارتی پیمانے پر اختیار کرنے والے مغرب کے مگس بان ہیں۔ وہ ایک عرصے سے اس مضمون پر تجربات و چھان بین کر رہے ہیں۔ جبکہ ہندوستان میں یہ کام یا تو پرانے ڈھنگ سے کیا جاتا ہے یا تعلیم یافتہ طبقے میں اس کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ اس پہلو کو شفیق احمد غازی صاحب اپنی نظم "ترغیب مگس بانی" میں یوں پیش کرتے ہیں:-

بلا کر ہند سے اغیار نے اپنا لیا اس کو — اور مستقل روزی کا حیلہ پا لیا اس کو
مگس کو بے وطن کب تک پھراؤ گے وطن والو — چمن میں کب بہار آئے گی بتلاؤ چمن والو

مگس بانی خواہ شوقیہ طور پر کی جائے یا تجارتی پیمانے پر، ہر دو صورتوں میں قدرت کی دلچسپیاں اور صنعتوں کا مشاہدہ

ہوتا ہے۔ علم الحیوانات اور علم النباتات دونوں کی نیرنگیاں ہر وقت پیش نظر رہتی ہیں۔ مگس بان کو درحقیقت ان تمام عجیب و غریب قدرتی مشاہدات سے ایک روحی مسرت ہوتی ہے یہ فن مرد، عورت اور بچے سب ہی کر سکتے ہیں۔ اگر شوقیہ طور پر اسے اختیار کیا جائے تو شہد جیسی نعمت اور تازہ موم ہر گھر میں دستیاب ہو سکیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ تجارتی پہلو بھی شاندار ہے۔ مغربی ممالک کے نوجوان اس پیشے سے کافی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ وہاں کی خواتین بھی کامیاب مگس بانوں کی فہرست میں شمار کی جاتی ہیں۔ امریکہ میں کئی بچے اپنی تعلیم اسی فن کی بدولت جاری رکھ سکتے ہیں۔

میرے نزدیک ہندوستان میں عورتوں کے لئے خصوصاً پردہ دار مسلم خواتین کے واسطے اگر کوئی صنعت اور باعزت روزگار یا دل بہلانے کا سامان ہے تو وہ مگس بانی ہی ہے۔ گو کہ شوقیہ طور پر گھر کے لئے شہد پیدا کر لینا ہر خاتون کا فرض ہے۔ آج کل ہر اکسیلنسی لیڈی ہیلٹ مگس بانی میں بہت دلچسپی لے رہی ہیں۔ انھوں نے گذشتہ سال سے گورنمنٹ ہاؤس نینی تال میں یہ کام شروع کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ ہندوستان کی دیگر معزز خواتین بھی اس فن سے شوق رکھتی ہیں۔　　(باقی آیندہ)

بیگم۔ م۔ ح۔ ہاشمی

اسمِ اعظم

حضرتِ عیسیٰؑ سے کی اک دوست نے　　اسمِ اعظم سیکھنے کی التجا
آپ نے سن کر دیا اس کو جواب　　کام یہ مشکل ہے اس سے باز آ
اہل تو اس کا نظر آتا نہیں　　رازِ حق یہ تجھ سے کب چھپنے لگا
اپنی ہٹ پر وہ رہا قائم مگر　　گو بہت انکار حضرتؑ نے کیا
ہو گئے مجبور تو ایک دن اسے　　اسمِ اعظم کا عمل سمجھا دیا
ساتھ ہی لیکن یہ کی تاکید بھی　　آج گو تو نے لیا ہے آزما
کام میں لانا نہ آیندہ اسے　　ورنہ باعث ہوگا یہ نقصان کا

آپ تو فرما کے اتنا چل دیئے　　اس نے سوچا دل میں دیکھیں تو بھلا
اب بھی کیا اس کی وہی تاثیر ہے　　یا پس حضرتؑ اثر کچھ گھٹ گیا
راہ میں آئیں نظر کچھ ہڈیاں　　ان کو پہلے ہاتھ سے یکجا کیا
اسمِ اعظم پھر پڑھا ان پر جونہی　　زندہ ہو کر شیر ایک خونخوار سا
دھاڑا جھپٹا اور لیا اس کو پچھاڑ　　جسم اس کا پھاڑ کر کھانے لگا
لیٹ کر آئے جو پھر حضرتؑ وہاں　　اور دیکھا جا بجا یہ ماجرا
شیر سے پوچھا بتا کس جرم پر　　تو نے مارا ایک ہمارا آشنا
شیر بولا اسمِ اعظم کے طفیل　　یہ میرا خالق تو حضرتؑ بن گیا
کی نہ لیکن فکر میرے رزق کی　　اس لئے میں نے اسی کو کھا لیا

ابو الاعجاز ازلؔ

بقایا صفحہ ۲۶۰ کا

محبت کی شعاع سے زمین کو منور کر دو اور رحم کی بارش سے سیراب کر دو"!

ان دونوں فرشتوں نے خدا کی درگاہ میں سجدہ کیا اور خدا کے حکم کے بموجب دنیا کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں آ کر "رحم" کانپ اٹھا اور اپنے آنسوؤں سے دنیا کو سیراب کر دیا اور "محبت" نے بھی اپنا کرشمہ دکھایا۔ "رحم" نے مصیبت اور تکلیف کے شعلوں کو بجھا دیا اور محبت نے بھی اپنی شعاع سے اس ظلمت کدہ کو منور کر دیا۔ اپنا اپنا کام انجام دینے کے بعد یہ دونوں فرشتے خدا کے حضور میں حاضر ہوئے خدا تعالیٰ نے فرمایا" اے فرشتو تم جنت کے لئے ایک پاکیزہ خوشی لائے۔ آیندہ سے یہاں کا سب سے مقبول نغمہ عفو ہوگا"!

ترجمہ
اے۔ زیڈ۔ منظر حسن

انسانی آنکھیں اور کردار

کہتے ہیں کہ آنکھیں ہر شخص کے چال چلن اور کردار کا آئینہ ہوتی ہیں۔ اور واقعی کسی حد تک یہ درست بھی ہے۔

کسی شخص کے چال چلن کو معلوم کرنے کے وقت اُس کی آنکھوں کا ناپ، شکل، چمک اور آیا آنکھیں باہر ابھری ہوئی ہیں یا اندر کو دھنسی ہوئی ہیں وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں دیکھنا چاہئیں دونوں آنکھوں کا درمیانی فاصلہ کافی یا کم از کم ایک آنکھ کے برابر ہونا چاہئے۔ اگر دونوں آنکھوں کا درمیانی فاصلہ واقعی ایک آنکھ کے برابر ہے تو اس شخص کا باطن۔ مزاج۔ عادات۔ وخصائل اچھے ہیں۔ مگر جس کی آنکھیں ایک دوسرے کے بالکل نزدیک ہوں وہ کمینہ، تنگ مزاج لیکن خبردار اور ہوشیار ہوتا ہے۔ جس شخص کی آنکھوں کا درمیانی فاصلہ کافی ہو وہ معتبر محب شفیق۔ سخی۔ عالی منش اور بلند حوصلہ ہوتا ہے۔ اور لوگ اُس سے بڑی آسانی کے ساتھ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اشکال چھوٹی اور تنگ آنکھیں ہوشیاری اور دھوکہ بازی کی دلیل ہیں۔ ایسی آنکھوں والے مرد یا عورت کے خیالات کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ایسے انسان عام طور پر بڑے ہوشیار۔ چالاک خود سر اور باغی ہوتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں سے جن کی آنکھیں نہایت تنگ اور چھوٹی ہوں۔ ان کی عیاری۔ مکاری۔ بُری طبیعت اور خصلت اور لالچ سے ہمیشہ بچتے رہنا چاہئے۔

بڑی آنکھیں ضروری نہیں کہ ہمیشہ معصوم اور پاک ہی ہوں۔ جیسا کہ وہ دکھائی دیتی ہیں۔ اگر یہی بڑی آنکھیں ایک دوسرے کے نزدیک تر ہوں تو ان کا مالک خصوصاً عورت اپنے فریبوں اور عیاریوں کو چھپانے کے لئے بچوں کی سی وضع اختیار کر لیتی ہے۔ جن مردوں یا عورتوں کی آنکھیں بڑی ہوں اور ان کا درمیانی فاصلہ بھی زیادہ ہو تو وہ قابلِ اعتبار، سادہ لوح۔ دیانتدار اور نیک طبیعت ہوتے ہیں۔ ایسے مرد یا عورتیں خود تو نئی چیز پیدا نہیں کر سکتیں البتہ دوسروں سے نقل کرنے کی بہت خواہشمند ہوتی ہیں۔ اور ایسے انسانوں کو آسانی سے دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر چیز کی ظاہری صورت پر ہی اعتبار کر لیتے ہیں۔

مدور یعنی گول آنکھیں زیادہ خوبیوں کی مالک ہوتی ہیں چھوٹی مدور آنکھوں والے انسان۔ زود فہم۔ باریک بین۔ نکتہ رس اور عامل ہوتے ہیں۔ محض سوچنے والے ہی نہیں بلکہ خود اچھے منتظم اور انتظام پسند ہوتے ہیں۔ بڑی اور مدور آنکھوں کے مالک نہایت نیک طینت نیک باطن اور ایسے جوشیلے ہوتے ہیں جن کے سینہ میں نہ مٹنے والا جذبہ موجود ہوتا ہے۔ ایسے لوگ آزاد زندگی۔ ہر وقت عیش و عشرت تفریح اور پارٹیوں میں بیٹھنے کو پسند کرتے ہیں۔ نیز ایسے آدمی سینما اور تھیٹر کے مذاحیہ کھیلوں میں بطور ایکٹر کے بہت کامیاب ہوتے ہیں۔

عزیز الدین

رحم اور محبّت

خدا نے اپنے نزدیک ترین فرشتوں کو بلایا۔ ان میں سے ایک کا نام تھا "رحم" اور دوسرے کا نام "محبّت"

خدا نے کہا "میرے فرشتو بیدار ہو" رنج و الم اور گناہ دبے پاؤں جنت کے دروازے تک آتا ہے اور ان کے رہنے والوں کو مغموم کر دیتا ہے۔

"میرے مضراب سے درد انگیز نالہ نکلتا ہے اور عقوبت کا دھواں نور کو ظلمت سے تبدیل کر دیتا ہے اور جنّت کے خوشنما پھول مرجھا جاتے ہیں۔ تم زمین پر جاؤ اور

ماں کی لاش

اس کی موت اچانک واقع ہوئی تھی۔ ایک گھنٹہ پہلے وہ اچھی خاصی باتیں کر رہی تھی۔ لیکن یکایک غشی کا دورہ پڑا اور دل کی حرکت بند ہوگئی۔ وہ دنیا سے بے خبر بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سو رہی ہے۔ اس نے اپنے سر کے بالوں کو صرف ایک گھنٹہ پہلے آراستہ کیا تھا۔ وہ زندہ نہ تھی بلکہ اس کے خوبصورت چہرہ پر زندگی کی چمک اب بھی پائی جاتی لیکن جسم بالکل ساکت تھا۔

وہ ایک بدنصیب بیوی تھی اُس کا محبوب شوہر دس سال سے لاپتہ تھا۔ اس وقت تک اس کے دل میں ہر پسندیدہ چیز سے زیادہ اپنے شوہر کی محبت تھی۔ شوہر کی ایک خیالی تصویر سوتے جاگتے ہر وقت اس کے سامنے رہتی تھی اور یہی اس کی زندگی خاص مشغلہ تھا۔ خاوند کے جانے کے بعد ایک لڑکا ریاض اور ایک لڑکی رضیہ یہ دو بچے اس کی زندگی کا سہارا تھے اور خاوند کی یادگار۔ یہ دونوں بچے جوان ہو گئے تھے اور خوشحال تھے۔ وہ ایک ایسی ماں کے بچے تھے جو دولتِ ایمان کے ساتھ مالدار بھی تھی لیکن آج اُسے کچھ خبر نہ تھی کہ اُس کی اولاد کس حال میں ہے۔ وہ بچے جو باپ کی سرپرستی سے محروم ہو جاتے ہیں اور صرف ماں کی گود میں پرورش پاتے ہیں وہ ذرا بڑے ہو کر عام بچوں سے جن کے ماں باپ دونوں زندہ ہوں کسی قدر الگ ہوتے ہیں۔ اُن دونوں کی تمناؤں کا مرکز صرف ماں تھی اور وہ بھی اب اُن سے جُدا ہو چکی تھی۔ ماں کی موت نے باپ کی جدائی کا صدمہ بھی تازہ کر دیا تھا۔ رضیہ اور ریاض دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے دونوں مرحومہ ماں کی لاش سے چمٹے ہوئے تھے۔ ریاض نے مرحوم ماں کا ہاتھ اٹھا کر آنکھوں سے لگایا۔ ریاض کا ہاتھ آنسوؤں سے تر ہو گیا لیکن اسے کچھ خبر نہ ہوئی کہ اس کا لختِ جگر کس حال میں ہے رضیہ نے ماں کے سینہ پر بیتاب ہو کر گردن رکھ دی اور بلک بلک کر رونے لگی۔

خاندان کے بزرگوں نے چاہا کہ ان دونوں کو ماں کی لاش سے جدا کر دیں لیکن رضیہ نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا خدا کے لئے اس وقت تو ہمیں ماں کے دیدار سے محروم نہ کرو۔

ماں کا مردہ جسم ساکت پڑا تھا یہ دونوں بہن بھائی بیتابانہ اس سے چمٹ رہے تھے۔ اس وقت کا یہ منظر پر اثر تھا۔ کوئی انسانی آنکھ دیکھ کر بےتاب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ رات کی تاریکی چاروں طرف چھائی ہوئی تھی فضا خاموش تھی لیکن دو غمزدوں کی سسکیوں نے اسی فضا میں لرزہ انداز تموج پیدا کر رکھا تھا جس کا ہر ایک حساس دل پر اثر ہوتا تھا۔ ریاض اور رضیہ دونوں کے سامنے بچپن سے لے کر اس وقت تک کے تمام واقعات ایک فلم کی طرح سے سامنے گذر رہے تھے۔ اور سوچ رہے تھے کہ آج اس دنیا میں ہم یتیم اور بےسہارا ہو کر بالکل اکیلے رہ گئے کوئی ہمارا نگراں اور سرپرست نہ رہا۔ اسی حالت میں رضیہ نے روتے ہوئے اپنے بھائی سے کہا بھائی اماں کو ابا کے خطوط سب سے زیادہ عزیز تھے وہ روزانہ اُن کو نکال کر پڑھا کرتی تھیں۔ آہ اب اُن کی روح اُن خطوط کے لئے بےچین رہے گی کیا اچھا ہو جو اُن خطوط کو بلند آواز سے پڑھ کر اماں جان کو سُنا دیا جائے تاکہ اُن کی روح کو سکون حاصل ہو بلکہ میرے خیال میں اُن خطوط کو بھی اماں کے ساتھ دفن کر دیا جائے تاکہ وہ دوسری دنیا میں بھی اُن خطوط سے دل بہلا سکیں۔ یہ سنتے ہی ریاض نے الماری میں سے خطوط کا پیکٹ نکالا یہ وہ خطوط تھے جو مرحومہ کے شوہر نے آج سے بارہ سال پہلے اُسے لکھے تھے۔ غم انسان کو دیوانہ کر دیتا ہے۔ ریاض خطوط لیکر ماں کے پلنگ کے قریب آکر بیٹھ گیا اور ایک خط پڑھنا شروع کیا۔ یہ خط محبت کے گہرے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ اور عشقِ حقیقی کے سچے جذبات سے پُر تھا۔ خط کے ختم کرنے کے بعد اس نے مرحومہ ماں کے چہرہ پر

نظر ڈالی اُس وقت اسے یہ معلوم ہُوا جیسے خشک گلاب پر کسی نے آبِ حیات چھڑک دیا مردہ چہرہ پر اُسے سُرخی جھلکتی دکھائی دی اُس نے یہ بھی محسوس کیا کہ جیسے ماں آنکھیں کھول کر کچھ کہنا چاہتی ہے۔ اس کے بعد ریاض نے دوسرا خط شروع کیا۔ اس کے دوران میں رضیہ نے بھائی کو ایک ٹھوکا دیکر مرحومہ ماں کے چہرہ کی طرف اشارہ کیا ریاض نے دیکھا کہ مرحومہ ماں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ یہ دیکھکر اُس کو سخت حیرت ہوئی۔

یہ دیکھکر اگرچہ دونوں کچھ خوف زدہ ہو گئے لیکن چونکہ ان کا خیال تھا کہ یہ خطوط مرحوم ماں کی روح کے لئے سکون بخش ہیں۔ اس لئے ریاض نے پھر خط پڑھنا شروع کیا مرحومہ ماں کی آنکھوں سے آنسو اور تیزی کے ساتھ بہنے لگے اس وقت رضیہ خود بھی رو رہی تھی اور مرحومہ ماں کے آنسو بھی پونچھتی جاتی تھی۔

ریاض خط کو ختم کرنے کے بعد بیتابانہ لاش پر گر پڑا تھوڑی دیر بعد وہ سنبھلا اور اس نے تیسرا خط پڑھنا شروع کیا یہ آخری خط تھا جو مرحومہ کے شوہر نے اُسے لکھا تھا نہیں معلوم اُس خط میں کس بلا کے جذبات بھرے ہوئے تھے کہ مرحومہ کے جسم میں ایک جنبش پیدا ہوئی۔ رضیہ اور ریاض بیہوش ہو کر گر پڑے جب انھیں ہوش آیا تو یہ دیکھا کہ ان کی ماں آنکھیں کھولے ہوئے ضعف کے عالم میں پڑی ہے۔ لیکن وہ اب مردہ نہ تھی۔ اُس کے جسم میں زندگی تھی، ریاض اور رضیہ کو یہ معلوم ہُوا کہ جیسے وہ خواب دیکھ رہے ہوں۔ وہ دیوانہ وار ماں کی طرف بڑھے اور بیتابانہ انداز میں کہا اماں کیا تم جاگ رہی ہو۔ ماں نے آنکھیں کھولیں اور آہستہ سے کچھ کہا چند منٹ کے اندر یہ حیرت انگیز خبر تمام شہر میں پھیل گئی ڈاکٹر بلایا گیا جس کی رائے میں یہ موت نہ تھی بلکہ غشی کا ایک سخت اور زبردست دورہ تھا۔

شہر بانو بنت ایوب خاں پونہ

ایک لڑکی کے حادثۂ عروسی پر

ایک لڑکی ہے جس کی خداداد قابلیت اور حُسن کی وجہ سے اُسکے گھر والے چاہتے تھے کہ کوئی بہترین شوہر تلاش کریں اور اس میں کامیابی بھی ہو جاتی لیکن لڑکی کے والدین اپنی ضدی طبیعت کے ماتحت ایک جاہل لڑکے پر نظر انتخاب ڈال کر اس کی شادی کر دیتے ہیں۔ انہی تاثرات کے ماتحت بھائی فخری صاحب نے یہ نظم لکھی ہے۔

لہ خاتون پھریوی (مونگیر)

آہ یہ عالم کہ "ماتم خانۂ برنا و پیر"! — آدمی جس کے طلسم دوش و فردا میں اسیر
جس کی ہر اک شے تغیر کے لئے بیتاب ہے — خود ہی مٹنے کے لئے ہر ذرہ جہاں سیماب ہے
جس کا ذرہ ذرہ ہر دم بے سکون و بے ثبات — جس کی نیرنگی سے گردش میں ہے ساری کائنات
جس میں ہر موجود اک تخریب کی تمہید ہے — زندگی اشیا کی جس میں موت کی تجدید ہے
ہے جہاں صورت خرابی کی ہر اک تعمیر میں — ایک پیغام فنا ہے جس کی ہر تصویر میں
جس کے نغمے سسکیاں ہیں نالۂ غمناک کی — خندۂ غنچہ جہاں آواز دل کے چاک کی
آہ اس نیرنگ عالم کا ہے آخر راز کیا — اِس طلسم کن فکاں سے آتی ہے آواز کیا
دیدۂ ظاہر میں کوئی راز پا سکتا نہیں — بھید اس بہیم تغیر کا یہ پا سکتا نہیں
پردہ اسرار پر قایم ہے ساز زندگی — چشم ظاہر کے لئے حیرت ہے راز زندگی
آنکھ یہ تیری نہیں کہ دید سے مجبور ہے — جلوۂ تقدیر کی تعبیر سے مجبور ہے
اصل ہر شے کی نہاں ہے پردۂ تقدیر میں — ہے مقید یہ جہاں اک آہنی زنجیر میں
سرنگوں ہے حکم فطرت پر یہ ساری کائنات — یہ زمیں یہ گنبد افلاک و شش جہات
آشناؤں میں جھجکتا ہے پردۂ تقدیر کیا — زندگی کیا زندگی کی آہنی زنجیر کیا
کس لئے صورت خرابی کی ہے مصنوعات میں — جلوۂ تخریب کیوں پیدا ہے موجودات میں
راز کیا تقدیر کا؟ جد و جہد کا ہے کمال — جلوۂ تقدیر کیا؟ اپنی مساعی کا مآل
رہ نوردِ زندگی کو اس سے پیغام سروش — موجب تقدیر کیا ہے؟ کوشش فردا و دوش
یہ فروغ کوشش ایام کا انجام ہے — یہ خودی کے جوہر نایاب کا انعام ہے
اِک تسلسل زندگی کی آہنی زنجیر ہے — جو کہ ربط جاوداں کی شرح ہے تفسیر ہے
اِس تسلسل سے ہے قایم ساری دنیا کا نظام — ورنہ پھر ہوتا کہاں تاروں کا وہ لطف خرام
ربط قایم ہو گیا رفتار کی آواز سے — بن گئی زنجیر تاروں کے خرام ناز سے
آہنی زنجیر کیا اپنے ارادوں کا ظہور — نغمۂ شورش ہے جس کے زندگانی کو سرور
ایسے نطق تخیل سے ہی تقریر سن — نکتۂ تخریب کی دل کھول کر تفسیر سن
ہے تمنائے نمو سے پیدا ذوق انقلاب — جو اڑا لے جاتا ہے شبنم کو سوئے آفتاب
جس سے ملتی ہے مذاق ارتقا کو زندگی — بخشتی ہے جو عمل کی روح کو تابندگی
ہے اسی ذوق نمو کی کارفرمائی تمام — اور قایم ہے اسی سے سارے عالم کا نظام
ہے یہی ذوق نمو دار و مدار زندگی — ہے یہی وجہ قیام کاروبار زندگی
یہ نہیں تو زندگی مجموعہ آلام ہے — یہ نہیں تو زندگی بھی موت کا پیغام ہے
شرط ہے لیکن خودی اپنی چراغ طور ہو — عشق سے سرشار ہو اور سوز سے معمور ہو
جستجو صادق ہے تو آساں ہے تسخیر مقام — صدق سے عادی ہوئی تو نامراد بے مرام
ایک دُرّ بے بہا ہے سیپ کی آغوش میں — ایک کی ہستی فنا ہے قلزم خاموش میں۔

داغ دھبے

گھاس کے داغ

اکثر بچے گھاس میں کھیلتے ہیں اور گھاس جب ان کے وزن سے دبتی ہے تو اس میں سے ایک لیس سا نکلتا ہے یہ لیس کپڑوں پر سبز رنگ کا داغ ڈال دیتا ہے۔ اس کے داغ کو دُور کرنے کے لئے پہلے تو مٹی کا تیل داغ پر لگا کر دھوئے اور بعد میں الکوحل لگا کر دھوئے کپڑا بالکل صاف ہو جائے گا۔

قہوہ اور چائے کا داغ

اکثر بہنوں بھائیوں اور بچوں کے کپڑوں پر قہوہ یا چائے گر جاتی اور کپڑے کو بدنما بنا دیتی ہے اس کے دھبے دور کرنے کے لئے کپڑے کو نمک کے پانی میں تر کر کے پھر اس پر باریک سہاگہ پیس کر چھڑک دیجئے اور بعد میں سادہ پانی سے دھو ڈالئے۔ داغ دُور ہو جائے گا۔

شوربے کے داغ

اکثر بچوں کو کھانا کھلاتے میں بہنوں کے کپڑوں پر شوربے کے داغ لگ جاتے ہیں اور کپڑوں کو بدنما بنا دیتے ہیں شوربے کا داغ دور کرنے کے لئے کئی چیزیں استعمال کی جا سکتی ہیں۔ بہترین۔ ایتھر۔ کلوروفارم یا امونیا گرم پانی میں حل کر کے دھوئے۔ تو کپڑا صاف ہو جائے گا۔

میوہ سبزیوں کے داغ

اِس داغ کو سہاگے سے دھو ڈالئے تو دُور ہو جائے گا۔ اور اگر داغ پرانا ہو تو پوٹاشیم اور میگنیٹ۔ ایگزلک ایسڈ کو گرم پانی میں حل کر کے داغ پر لگائے اور پھر دھو ڈالئے۔ کپڑا بالکل صاف ہو جائے گا۔

ہلدی کا داغ

باوجود بہت زیادہ احتیاط کے ان بہنوں کے کپڑوں پر ہلدی کے داغ جو کھانا پکانے کا کام خود انجام دیتی ہیں۔ ہلدی کے داغ کپڑوں پر بہت بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو دور کرنے کے لئے پہلے امونیا لگا کر دھوئے اور اس کے بعد پوٹاشیم پرمیگنیٹ میں پھر بغیر پانی سے دھوئے داغ والی جگہ کو سوڈیم بائی سلفائٹ ٹھنڈے پانی میں حل کر کے اُس میں ڈبو دیجئے۔ اور اس کے بعد سادہ پانی سے دھو کر خشک کر لیجئے۔ داغ دور ہو جائے گا۔

انڈے کا داغ

اکثر بہنوں بھائیوں اور بچوں کے کپڑوں پر انڈا کھاتے میں یا اور کسی دوسری جگہ استعمال میں لاتے ہوئے کپڑوں پر انڈے کے داغ لگ جاتے ہیں یہ داغ گرم پانی سے بھی دور ہو سکتے ہیں لیکن اکثر داغ گرم پانی سے دھونے سے دُور نہیں ہوتے۔ تو ان کے لئے کپڑوں کو پیٹرول سے دھو ڈالنے سے دور ہو جائیں گے۔

تمباکو کے داغ

کبھی کبھی کپڑوں پر تمباکو کے داغ بھی لگ جاتے ہیں اور کپڑوں کو بدنما کر دیتے ہیں۔ تمباکو کے داغ کو دُور کرنے کے لئے۔ داغ والی جگہ پر فوراً نمک کا تیزاب لگا کر دھو ڈالئے تو دور ہو جائے گا۔

سائکل کے تیل کے داغ

اکثر سائیکل چلانے والے بھائیوں اور بہنوں کے کپڑوں پر سائیکل کے تیل کے داغ لگ جاتے ہیں اور ان کا رنگ کے دھبوں کی وجہ سے کپڑا خراب ہو جاتا ہے اور پھر پہننے قابل نہیں رہتا مشکل تو یہ ہے کہ یہ داغ اکثر دھوبی کے یہاں جا کر بھی صاف نہیں ہوتے۔ سائیکل کے تیل کے داغ دور کرنے کے لئے مٹی کا تیل یا پٹرول لگا کر دھو ڈالئے تو دُور ہو جائیں گے

خون کے داغ

اکثر چوٹ وغیرہ لگنے سے خون کے داغ کپڑوں پر لگ جاتے ہیں اور خشک ہونے کے بعد ان کا دُور کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ خون کے داغ دور کرنے کے لئے پہلے داغ پر لیموں ملئے اور پھر پھٹکری کا پانی لگا کر داغ کو اسپرٹ اور صابن حل کر کے اُس میں تر کر لیجئے اور گرم پانی سے دھو ڈالئے داغ دور ہو جائے گا۔ اور اگر کپڑا رنگین ہو تو اُس پر سے

شبنم

(۱) عالمِ بالا میں ڈیرا ہے کبھی
جانبِ کہسار پھیرا ہے کبھی
صحنِ گلشن میں بسیرا ہے کبھی
لالہ و گل را منور ساختم
تحفۂ از خلد خوشتر ساختم

(۲) ابرِ گوہر فشا ہوا رہوں
بوستاں کا دیدۂ بیدار ہوں
باغباں غافل ہے میں ہوشیار ہوں
اوج میرا کعبۂ مقصود ہے
عاقبت میری بہت محمود ہے

(۳) شبنمِ شوریدہ کہلاتی ہوں میں
باغ میں رونق ہوئی آتی ہوں میں
باغ سے رونق ہوئی جاتی ہوں میں
رات بھر رونا مجھے محبوب ہے
میرے مولا کو یہی مطلوب ہے

(۴) حضرتِ انساں کی پستی دیکھ لی
اس بلندی کی بھی پستی دیکھ لی
تنگدستی فاقہ مستی دیکھ لی
درد و آفت کے سوا کچھ بھی نہیں
اشکِ حسرت کے سوا کچھ بھی نہیں

(۵) چار دن کی زندگانی کچھ نہیں
کچھ نہیں پیری جوانی کچھ نہیں
حاصلِ دنیائے فانی کچھ نہیں
منکہ مہرِ پُر ضیا را دیدہ ام
در فنائے خود بقا را دیدہ ام

پروفیسر سکینہ محمود۔ ایم اے

دُعا

دعویٰ نہیں کہ میری عبادت ہے کامیاب — دعویٰ نہیں کہ میری دعائیں ہیں مستجاب
لیکن یہ ہے کہ جب بھی دعا کو اٹھائے ہاتھ — تسکینِ دل نصیب ہوئی مجھ کو ساتھ ساتھ
آلائشوں سے پاک دلِ زار ہو گیا — ماحول میرا دامنِ انوار ہو گیا

ہر چند فلسفی کی زباں نکتہ چیں رہی — دل کے لئے دعا ہی سکونِ آفریں رہی
ہر چند نکتہ چیں کی نظر میں فضول تھی — جنسِ سجود دفترِ حق میں قبول تھی
مجھ کو دعا میں کل سے زیادہ یقین ہے آج — یعنی مری حیات زیادہ حسیں ہے آج

مجھ کو سبب سے بحث نہیں اور نہ اس کی فکر — میرے لئے فضول ہیں "کیوں" اور "کیا" کے ذکر
میں اتنا جانتا ہوں کہ محرومیٔ یقیں — قلب و نظر کے واسطے ہیں ظلمت آفریں
ہوتا ہے جو بھی وقفِ عبادت دلِ ملول — اُگتے ہیں خاک راہ سے بھی زندگی کے پھول

ایمان ہے مرا کہ اگر گیسوئے ملال — بکھرے ہوں گردِ زیست غموں کا سیاہ جال
نا مطمئن دلوں کو سکوں کی ہو آرزو — ہوتا نہیں بغیر دُعا زخمِ دل رفو
نا مطمئن دلوں کا سہارا دعائیں ہیں — امید اور سکون کا اشارہ دعائیں ہیں

تہذیبِ قلب و روح میں اکسیر ہے نماز — پیشانیاں جھکاتے ہیں جو وہ ہیں سرفراز
چہروں کو بخشتی ہے چمک اور نورِ صدق — دل کو نصیب ہوتا ہے اس سے سرورِ صدق
پاکیزگیٔ دیدہ و دل کی کفیل ہے — قربِ خدائے پاک کی آساں سبیل ہے

عقل و خرد "یقین" کے بدلے فضول ہیں — کانٹے ہمیشہ کانٹے ہیں اور پھول پھول ہیں
ماحولِ زندگی ہے عبادت سے خوشگوار — اس باغ میں نسیمِ عبادت سے ہے بہار
احساس چاہتا ہے دعا میں یقیں رہے — دل کی فضا ہمیشہ سکون آفریں رہے

عبدالعزیز فطرت

بقایا مضمون صفحہ ۲۶۳ کا

داغ دور کرنے کے لئے ہائیڈرو سلفائٹ گرم پانی میں حل کر کے اس میں کپڑے کو دھو ڈالنے سے دور ہو جائیگا یا پوٹاشیم پرمیگنیٹ کو ٹھنڈے پانی میں حل کر کے اس میں داغ کو تر کر کے بعد میں دھو ڈالئے تو دور ہو جائیگا

مشین کے تیل کے داغ

اکثر بہنوں اور بھائیوں کے مشین چلانے میں کالے رنگ کے داغ لگ جاتے ہیں۔ یہ داغ اکثر دھوبی کے یہاں جا کر بھی دور نہیں ہوتے معمولی داغ تو صرف گرم پانی میں صابن مل کر دھونے سے دور ہو جاتے ہیں لیکن اگر داغ گہرا لگا ہو تو پہلے داغ کو تارپین کے تیل میں تر کریے اور بعد میں صابن مل کر دھو ڈالئے تو دور ہو جائے گا۔

پسینہ کے داغ

گرمی کے زمانہ میں کپڑوں پر پسینہ کے داغ دور کرنے کے لئے داغ کو امونیا کے پانی میں حل کر کے اس میں تر کر کے بعد میں سادہ پانی سے دھو ڈالئے

خانہ داری

(جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے)

برسات کا لباس

برسات میں ہندوستان میں ہلکے پھلکے کپڑے پہننے کا رواج رہا ہے جو ٹھنڈی ہوا کے ہلکورں میں ہلکے ہلکے اڑکے جسم کو بھلے معلوم ہوں اور حبس کے وقت بدن پر نہ چپکیں۔ برسات بہت سی طبائع کو گراں گزرتی ہے۔ انھیں اس میں چہل پہل سے محروم ہونا پڑتا ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ بے رونق اور اداس موسم ہے اسی لئے وہ ایک قسم کا لباس پہنتے ہیں پہلے زمانہ کی عورتیں موسم دار کپڑے پہنتی اور خوشبوئیں ادلتی بدلتی رہتی تھیں۔ گرمیوں اور بہاروں میں زرد رنگوں کے کپڑے اور ہلکی خوشبوئیں اور سردیوں میں گہرے شوخ رنگوں کے کپڑے اور تیز اور بھاری خوشبوئیں کرتی تھیں۔ آج کل بھی عام طور پر لباس آرائش میں موسم کا خیال رکھا جاتا ہے۔ گرمیوں میں شام کے لئے اس کیفیت کے مطابق لباس پہن کے کسی تقریب پر جاتے ہیں چنانچہ سفید بہ فانی نیلگوں اور سکون بخش سبز کپڑے پہنتے ہیں۔ سردیوں میں سیاہ، گہرے سبز، نہایت نیلے سُرخ اور بھورے رنگوں گے اور برسات میں سلیٹی خاکستری، گہرے نیلے اور دھندلے سبز رنگ کے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ موخر الذکر جی کی فضا کے عین مطابق ہے لیکن مناسب ہے کہ برسات کی محدود چہل پہل کی فضا کو بے رونق رنگوں کے کپڑوں سے زیادہ کرنا بے لطف ہے سلیٹی خاکستر کسی کی طبیعت کے موافق ہو مگر دوسروں کا بھی تو خیال کرنا چاہئے جن کی نظر آپ کے لباس پر پڑتی ہے۔ نقرئی خاکستر جس میں نیلا پن یا زنگاری یا ارغوانی آمیزش ہو زیادہ مناسب ہے۔ اس موقع پر ارغوانی بجائے خود نفیس اور درست معلوم ہوگا اور اگر اسے سفید کے ساتھ پہنا جائے تو زیادہ موزوں پایا جائے گا۔ سفید پوٹل کی سی سبزی ساتھ استعمال کرتے ہوئے سیاہ رنگ کے ساتھ اس طرح رکھا جائے کہ وہ کمر پر ایک پٹی سی معلوم ہو تو بہت دلکش معلوم ہوگا۔ خاکستری نقفالو اور زنگاری بھی بے گوٹ والے لباس میں مخلوط حالت میں اچھے رنگ معلوم ہوتے ہیں۔ برسات میں ہر قسم کی بھاری گوٹ سے بچنا ہی چاہئے اور نہ کسی طرح کی زیادہ سجاوٹ کی جائے سخت یا نرم کپڑے میں متضاد رنگ کا باریک نالیدار کنارہ اچھا اور آنکھوں کو بھلا معلوم ہوگا۔ جو ساری پہنتی ہوں پیلے رنگ کی ساری میں بھورے مخمل کا نالیدار حاشیہ یا نیلگوں سنہرہ شفن (Chiffon) کے ساتھ سیاہ رنگ استعمال کریں تو بہت موثر ثابت ہوگا۔

برسات میں گہرا نیلا سفید۔ ارغوانی۔ خاکستر صنوبری گہرا سبز اور زردی مائل قرمزی رنگ موزوں ہیں اگر طبیعت کو گراں نہ گزرے تو بارش کے دن زردی مائل بھورے رنگ کا کپڑا تازگی بخش ثابت ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں سنہرا پن زیادہ ہونا چاہئے اور اس میں سبزی کی جھلک بھی نہ ہو۔ سیاہ کپڑا موزوں نہیں کیونکہ پھپھوندی کی سی بو جلد آجاتی ہے۔

جارجٹ اور شفن کپڑوں کو اگر احتیاط سے بھی رکھا جائے پھر بھی بہت لچ لچے رہتے ہیں۔ ساٹن بہت ناگوار گزرتی ہے اور سادہ روئی کے کپڑے بدن سے چپک چپک جاتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ برسات میں پوشش حل طلب مسئلہ ہے۔ نٹ (Net) زیادہ بھاری ریشمی ہونے کی صورت میں نرم بھی رہتا ہے اور ہر موسم میں اچھی طرح لٹکا رہتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کا جارجٹ اور جاپان کا جارجٹ بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔

تیسرے پھر چھپی ہوئی وائل (Voile) جس پر چوڑی اور گنڈی (Organdie) کنارہ ہو خراب سے خراب وقت میں بھی جھری دار نہیں ہونے پاتی۔ سادہ باریک سفید ریشمی کپڑا جس پر چھپی ہوئی ارگنڈی کا حاشیہ ہو بہت بلحاظ دلکش ثابت ہوتا ہے۔

اکتوبر میں بچوں کی بیماریاں

گرمیوں کا اثر اکتوبر کے مہینے میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔ دست اکثر وبا کی صورت میں نمودار ہو جاتے ہیں۔ وقت پر اگر خبر نہ لی جائے اور اس کے ساتھ ہی تے بھی آتی ہو تو اچانک حالت خطرناک ہو جانے کا احتمال ہے۔ دست معمولی صورت میں آنے لگیں یا وبائی شکل میں۔ ان کی علیحدہ علیحدہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ معمولی دستوں میں شروع میں بچہ کو انڈوں کے تیل کی ایک چمچہ دے دیں تاکہ معدہ صاف ہو جائے اور ۲۴ گھنٹے تک غذا بند کر دیں۔ دودھ وغیرہ کی جگہ غذا کے مقررہ اوقات میں اُبلا ہوا پانی نیم گرم پلائیں۔ اس سے معدہ دُھل جائے گا۔ زیادہ دستوں میں ۱/۲ پانی میں نمک کی ایک چمچہ ملا دیں۔ پہلے ۲۴ گھنٹوں کے بعد انڈا یا اس کی سفیدی چار چار گھنٹے کے بعد دیں اور اس کے بعد رفتہ رفتہ اور بڑی احتیاط سے اس کو اس کی معمولی غذا پر ڈالدیں۔ کمرہ۔ بستر اور کپڑے صاف اور معتدل ٹھنڈے رکھے جائیں۔ مکھیوں کا دُور رکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ یہی بچوں میں یہ بیماری پھیلاتی ہیں۔ علاوہ ازیں بچوں کو آرام بھی ملے گا۔ بھیگے ہوئے کپڑے اور گردن کا رومال بھی اتار دیں۔ انھیں کاربالک ایسڈ کے محلول میں (۱۰۰ حصہ پانی میں ایک حصہ کاربالک ایسڈ) ڈبونے کے بعد اُبال لیں۔ ان کے غسل میں بھی احتیاط برتیں۔ اگر تکلیف بڑھتی معلوم ہو تو ڈاکٹر کو بلائیں۔ اس میں ذرا بھی تساہل نہ کریں ورنہ معاملہ خطرناک ہو جانے کا ڈر ہے۔

بچوں کے منہ میں چھالے بھی پڑ جاتے ہیں۔ اسے منہ آنا کہتے ہیں۔ جس بچہ کو احتیاط سے کھلایا پلایا اور صاف رکھا جائے اُسے یہ بیماری نہیں ہوتی ورنہ عموماً یہ تکلیف ہو جاتی ہے۔ ایک کیڑا ہوا میں اڑتا پھرتا ہے اس سے بچوں کو یہ شکایت ہو جاتی ہے۔ یہ پہلے اس کی زبان ہونٹوں، مسوڑھوں اور گالوں کے اندر سفید سفید نقطے پیدا کر دیتا ہے جو بعد میں پھیل کے آپس میں مل جاتے ہیں اور ایک تہ سی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تکلیف دہ قسم کا اسہال شروع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے کمر میں سُرخی اور درد پیدا ہو جاتا ہے۔ بڑے بوڑھوں کے کہنے کے مطابق یہ تکلیف بچہ کے بدن میں پیر جاتی ہے۔

بچہ کے برتن خوب صاف رکھے جائیں۔ مصنوعی غذاؤں کی تیاری میں خاص احتیاط اختیار کی جائے۔ غذا کے بعد کپڑے سے بچہ کی زبان اور منہ صاف کر دیا جائے۔ اس طریقے سے بچہ کو زحمت ہوتی ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بچہ کو اُبلا ہوا ٹھنڈا پانی دیا جائے۔ اس کا منہ دُھل کے صاف ہو جاتا ہے۔

جب منہ آ جائے تو غذا کے بعد سہاگہ اور گلیسرین کے تین چمچا نک پانی میں ایک چمچہ بائی کاربونیٹ آف سوڈا - Bicarbonate of soda کے محلول سے مسوڑھے زبان اور گالوں کا اندرونی حصہ صاف کر دیا جائے۔

دھاتوں کی منجھائی

ہر گھرہستن کے پاس دھاتیں صاف کرنے کا مکمل سامان موجود رہنا چاہئے۔ ایک مضبوط چپٹے پیندے کی بید کی صندوقچی (باسکٹ) مستطیل اور مضبوط دستہ دار ہے کے اُس میں مختلف دھاتوں کے پالش۔ ایک ریگمال یا اس قسم کی صافی۔ ایمونیہ صابن کا سفوف۔ ایک روی دانتوں کا برش۔ مٹی کے تیل کی ایک بوتل۔ پونچھنے اور جلا دینے کے کپڑے اور دھاتیں صاف کرنے کا دیگر خانگی سامان رکھ لیں۔

ایلومینیم کو بالکل نیا جیسا رکھنے کے لئے اسے روزانہ اندر باہر سے سٹیل وول (Steel wool) کسی عمدہ رگڑنے کے دھونے کے صابن Scouring soap یا پوڈر سے لگا کے رگڑیں۔ کالے دھبوں کو اس طرح دُور کیا جا سکتا ہے کہ کپڑا کسی ہلکے تیزاب مثلاً لیموں۔ ریوند چینی (Rhubarb) یا ٹماٹر کے رس میں بھگو کے رگڑیں۔ اگر دیگچی کا اندرونی حصہ بالکل بدرنگ زنگ ہو گیا ہے ہو تو لکڑی کی باریک راکھ، نمدار بائی کاربونیٹ آف سوڈا (انھیں نرمی سے ملا جائے) یا ایک حصہ چربی ایک حصہ [illegible] اتھ Fullers Earth اور چار حصے روٹن سٹون Rotten stone (ایک قسم کا نرم نیلا پتھر) کے مرکب سے زنگ نکالا جا سکتا ہے۔

پیتل اور تانبے کا عمل ایک ہی ہے شروع میں انہیں دھات کے پالش سے بولٹی کی شکل میں ہو یا مائع یا سفوف کی حالت میں خوب صاف کر لیا جائے اچھی جلا اسی طرح آسکتی ہے اگر وہ برتن صابن دار گرم پانی سے خوب صاف ستھرا کر کے ملایم کپڑے سے بالکل خشک کر لیا جائے تا کہ چکنائی کا نشان نہ رہے۔ پھر روٹن سٹون اور کچی السی کا تیل (Raw linseed oil) کی لئی بنا کے ملیں۔ اس سے خوشنما اور صاف جلا آجائے گی پھر ہر دوسرے دن کسی نرم کپڑے سے مل دینے سے یہ چمک چار یا پانچ ہفتوں تک قایم رہ سکے گی۔

جو تانبا غفلت سے سیاہ پڑ گیا ہو اُسے پہلے کسی پرانے برتن میں رکھ کے سرکہ اور پانی میں اُبالیں۔ اسے خشک کرنے کے بعد معمولی طریقہ سے جلا دیدیں۔ اگر تانبا بُری طرح بدرنگ ہو گیا ہو تو یہ مرکب طیار کریں ایک اونس سیچو ریٹیڈ سولیوشن آف اوکسالڈ ایسڈ Saturated solution of oxalic acid چھ اونس۔ روٹن سٹون کا سفوف۔ نصف اونس سفوف صمغ عربی۔ ایک اونس میٹھا تیل اور اتنا پانی جس سے لئی بن سکے کسی اونی چیتھڑے سے لگائیں اور آخر میں صاف خشک چیتھڑے پر تھوڑا سا روٹن سٹون لگا کے مل دیں پیتل تانبے یا چاندی کو خوب پالش کرنے کے بعد اس پر چپڑے لاکھ (Shellac) کی تہ جما دی جائے تو سیاہی آنے نہیں پاتی۔ جو چیزیں بار بار دھوئی جائیں اُن پر یہ تہ جمانا فضول ہے لیکن شمع دانوں دروازوں کے لٹوں وغیرہ پر اس کا عمل مناسب ہے۔ پہلے دھات پر خوب پالش کریں اور اسے پالش کے ذرّوں یا چکنائی سے بالکل پاک کر لیں۔ اس کے لئے الکحل کا سپنج بھریں اور چیز سکھانے کے بعد لاکھ کی دو تہیں چڑھائیں کسی ملایم برش سے نہ جلدی جلدی اور ہموار جمائی جائے اور ایک ہی سمت میں لگائی جائے۔ یہ کام کسی گرم اور خشک کمرہ میں کیا جائے۔ برش بھی بالکل خشک ہو اور اس کی احتیاط کی جائے کہ مُنہ کی بھاپ چیز پر نہ پہنچنے پائے کیونکہ نمی سے چمک کی بجائے دھندلاپن نمودار ہو جاتا ہے۔ لاکھ سے ہمیشہ کے لئے سیاہی سے حفاظت نہیں ہوتی۔ صرف پانچ سے بارہ ماہ تک بچاؤ ہو جاتا ہے پھر لاکھ کو الکحل ملے گرم کر کے اتار دیا جائے اور نیا کوٹ لگایا جائے۔

کانس کی صفائی کے لئے چکوری (Chicory) سفوف پانی میں گھول کے لئی سی بنالیں اور برش سے لگائیں دھو کے صاف کر کے دھوپ میں یا آگ سے سفوف سکھالیں نکل کی صفائی کا طریقہ سیدھا ہے۔ کپڑا صابن دار پانی میں ڈبو کے بالکل نچوڑ لیں اور پھر پھیر پھیر کے نکل کو خشک کر دیں ورنہ بدنما اور دھبہ دار ہو جائے گی۔ اگر نکل دھندلی ہو گئی ہے تو امونیہ صابن کے سفوف ایک چمچہ پونے دو سیر گرم پانی میں گھول کپڑا بھگو کے نچوڑیں اور ملیں اور نکل بالکل خشک کر لیں۔

خانگی ٹوٹکے

بارش کا پانی بڑا مفید ہے ہلکا ہوتا ہے اور جلد کو خوبصورت کرتا ہے کسی برتن میں بارش کا پانی جمع کر کے ململ میں چھان لیں۔ مئی جون کی لوؤں سے بال اور جلد خشک ہو جاتی ہے۔ اس سے جسم اور بال دھونے سے دونوں میں نرمی آجاتی ہے۔

ڈیڑھ پاؤ بارش کے پانی میں مٹھی بھر نیم کے پتے بھگو دیں۔ بھڑوں وغیرہ کے کاٹے ہوئے مقام پر یہ محلول لگانا آرام دیتا ہے

کواشیا جنوبی امریکہ کا درخت ہے جس کی لکڑی اور چھال کڑوی ہوتی ہے بطور قوت بخش دوا کے استعمال کیا جاتا ہے اس کے بیج (Quassia seeds.) ایک اونس کے ۱½ پاؤ بارش کے پانی میں میٹھی آنچ پر رکھ دیں حتیٰ کہ وہ گھُل جائیں۔ بعد میں گلیسرین کے چند قطرے ملائیں اور بوتل میں بند کر دیں۔ ہاتھوں کی جلد اس کے لگانے سے ملایم ہو جاتی ہے۔

سر کے لئے مندرجہ ذیل محلول طیار کریں الکحل (Alcohol) چار اونس۔ کونین (Quinine) دو گرین۔ جرانیم کا تیل (Oil of geranium.) پانچ قطرے میٹھے بادام کا تیل دو قطرے بینزوئن (Benzoin) دو قطرے۔ بارش کا پانی آٹھ اونس (چار چھٹانک) بالوں میں خوب کنگھی یا برش کریں اور ہفتہ میں ایک مرتبہ چند یا پر یہ مرکب لگائیں۔ بالوں بالوں کو فائدہ دے گا۔ اور درد سر کو بھی دور کر دے گا۔

محمد ظفر

سیر بین

الاسکا کے حالات

الاسکا شمالی امریکہ میں شمال مغربی ملک ہے جو جزیرہ نما کی تعریف میں آتا ہے۔ اس کا
رقبہ ۵۹۰۸۸۴ مربع میل ہے۔ اب تک لوگوں کو یہی گمان ہے کہ یہاں سونا ملتا ہے
چنانچہ وہاں عام طور سے مشہور ہے کہ چار شخص اس ملک کے پہاڑ تک نکلی پر چڑھنے گئے انہیں کوئی اور کام نہ تھا۔
ان لوگوں کی اولاد برابر دس مہینہ تک اس پر چڑھ چڑھ کے سونے کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔ اس کے بعد دو ماہ
انہیں دس ماہ کے بنیادی حالات معلوم ہوتے ہیں۔
کے لئے وہ گھروں کو آجاتے ہیں۔ اس عرصہ میں
الاسکا میں جنگلات بہت ہیں اور نصف سے زیادہ رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ جب سے جنگ چھڑی ہے ان جنگلات کو کاٹ
کر سڑکیں بنائی جا رہی ہیں۔ جگہ جگہ خیمے لگا کر فوجیں جمع کی جا رہی ہیں۔ اس جنگی تیاری سے پہلے اس کی آبادی ۷۳ ہزار تھی جس میں
گورے اور دیسی اور اسکیمو ہیں اس کا پایہ تخت جونو ہے۔ یہاں پانچ ہزار لوگ آباد ہیں۔ الاسکا جاپان سے چار گنا بڑا ہے۔ اس پر پہلے
روس کا قبضہ تھا۔ اسے ۷۲ لاکھ ڈالر میں امریکہ کے سکرٹری سٹیورڈ نے خریدا تھا۔ اس وقت اس معاملہ کو نہایت احمقانہ کہا گیا لیکن
اب امریکہ اس پر نازاں ہے کیونکہ ایک ہوائی مدبر کا قول ہے کہ جس کا الاسکا پر قبضہ ہوگا وہ دنیا پر حکومت کرے گا۔ اس کی تائید
میں وہ کہتا تھا کہ جب ہوائی جہاز رانی مکمل ہو جائیگی تو الاسکا اور جزائر الوشیہ بحر الکاہل کے علاوہ شمالی بحر اوقیانوس پر بھی قطبی پرفانی
علاقہ پر راستہ ہو جانے کی وجہ سے حاوی ہو جائیں گے۔
الاسکا کے حصہ کنائی سے ۱۲ سو میل کا جزیروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کا رخ جاپان کی طرف ہے۔ یہ نہایت غیر آباد اور
سنسان جزیرے ہیں۔ ان میں پندرہ جزیرے بڑے ہیں۔ باقی محض چٹانیں اور ذرا ذرا سے زمین کے ٹکڑے ہیں۔ ان میں سے
بہت سوں میں لومڑیاں، بحری شیر وغیرہ آباد ہیں۔ ان میں جو لوگ آباد ہیں ان کے نام اب تک روسیوں کے سے ہیں اور روسی گرجا کے
معتقد ہیں۔ ایک قسم کی اسکیمو زبان بولتے ہیں، جو اصل اسکیمو لوگ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اس کے بڑے بڑے جزیروں کا محل وقوع کچھ اس
قسم کا ہے گویا جاپان کے دل پر پستول تانا ہوا ہے۔ جب ریل اور سڑک مکمل ہو جائے گی تو ریاست ہائے متحدہ سے یہ علاقہ ۹۰
گھنٹے کی مسافت بن جائے گا۔

مار گزیدہ

اعداد و شمار سے جو سالانہ حکومت کی طرف سے شائع کئے جاتے ہیں پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں سانپوں سے کافی
تعداد اموات کی واقع ہوتی رہتی ہے۔ سانپ کے کاٹے کا مجرب علاج جو کسی طرح ہٹ نہ پڑے معلوم نہیں ابھی دریافت
ہوا یا نہیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ اگر وقت پر کاٹے ہوئے مقام پر گہرا شگاف دیدیا جائے اور دبا دبا کے خوب خون نکلنے دیا جائے اور پھر پرمنگنیٹ
آف پوٹاش لگا دیا جائے تو آرام ہو جانے کی بہت زیادہ امید ہے۔
ایک انگریز کا سائیس سڑک چھوڑ کر پگڈنڈی سے چل پڑا اور ایک سوراخ پر پاؤں پڑنے سے اسے خیال ہوا کہ اس کے ایک
کانٹا چبھ گیا۔ گھر پہنچ کر جب وہ گھوڑے کو ملنے لگا، تو اسے نیند کی گھمیر معلوم ہونے لگی۔ اس نے اچنبھے سے اپنے ساتھی سائیس سے
اس کا ذکر کیا۔ وہ ہوشیار آدمی تھا، فوراً سمجھ گیا کہ اس کے پاؤں میں کانٹا نہیں لگا، بلکہ ضرور سانپ نے کاٹا ہے۔ وہ اسے فوراً صاحب
کے پاس لے گیا۔ اس نے ٹخنہ سے ذرا اوپر پٹی کس کر پٹی باندھی اور ایڑی دھو کر پاؤں دیکھا تو دو دانت معلوم ہوئے ننگے پاؤں کی وجہ سے ایڑی

اس قدر سخت تھی کہ قسم معلوم ہوتی تھی اور اُسترے نے کام نہ کیا۔ اُس نے گرم گرم لال لوہے سے اس مقام کو داغا جو چوتھائی انچ گوشت میں دھنس گیا۔ مگر سائیس نے ذرا تکلیف محسوس نہ کی۔ ایڑی کی سختی کی وجہ ہی سے زہر نے اتنی دیر میں اثر کیا۔ اُسے اُس نے پھر سپرٹس آف امونیہ Spirits Ammonia کی ایک تیز خوراک دیکر آدھ گھنٹہ اُس کے ساتھیوں کے سہارے ٹہلوایا۔ وہ اچھا تو ہوگیا۔ مگر ساری عمر کے لئے مخبوط سا ہوگیا۔

ایک مولا کو سانپ نے کاٹا۔ اس انگریز کے پاس اُسے لائے اُس نے گھٹنے کے نیچے پٹی باندھ کر ایک دوسرے کو قطع کرتے ہوئے دو شگاف لگائے اور گوشت بھینچ بھینچ کر خوب خون نکالا۔ اور کونڈی فلائڈ Condy's Fluid لگا دیا۔ اور ایک تیز خوراک سپرٹس آف امونیہ کی پلادی۔ اُس نے پھر اپنے مستری کو بُلایا جس نے آتے ہی گرم چیزوں کی جن میں مرچیں اور سونٹھ شامل تھیں لئی سی بنائی۔ اُس نے بیل کی طرح اس کی زبان باہر نکال کر یہ مصالحہ اُس پر خوب لتھیڑ دیا۔ اس سے مارگزیدہ کی آنکھوں سے پانی کے دریا بہنے لگے۔ وہ اس قدر گھبرایا کہ ہاتھ مار کر اپنی زبان اُس کے ہاتھ سے چھڑائی کہ بس بہت ہولیا۔ مستری نے دوبارہ لئی بنائی۔ اس دفعہ اُس نے اس کی پلکوں کو پلٹ کر اس مصالحہ کو آنکھوں میں لیپ دیا۔ اس کا اثر یہ ضرور ہوا کہ اس پر سے نیند کا غلبہ دُور ہوگیا۔ اُس نے ایک شمع روشن کر کے اُس کے سامنے کی اور پوچھا کتنی بتیاں ہیں اُس نے جواب دیا ایک۔ مستری نے اُسے اچھی علامت بتایا۔ وہ دوسری مرتبہ مصالحہ لگانے بڑھا۔ مارگزیدہ نے بہتیری نہ نہ کی۔ مگر وہ کب ماننے والا تھا۔ دونوں آنکھوں کو اس ظالمانہ مصالحہ سے اُس نے لتھیڑ ہی دیا۔ اس دفعہ پھر اس نے شمع دکھائی۔ جواب ملا ایک ہی ہے۔ تعجب ہے کہ ایسے سخت مصالحہ لگنے کے بعد وہ دیکھ بھی کیسے سکتا تھا۔ مستری نے جواب دیا کہ مریض اب ضرور اچھا ہو جائیگا۔ اُس نے بتایا کہ اگر مریض ایک شمع دیکھ کر دو تین شمعوں کا دیکھنا بیان کرے تو سمجھ لو کہ وہ بچیگا نہیں۔ مریض اچھا ہو کر تین دن میں اپنے کام پر واپس چلا گیا۔ کہا نہیں جا سکتا کہ کون سے علاج سے مریض اچھا ہوا۔ وہ انگریز کہتا ہے کہ مستری کے علاج نے مدد ضرور کی کیونکہ اس طریقہ سے وہ جاگتا رہا کیونکہ نیند و خمار ہی مہلک ہوتا ہے۔

چاند کی پوجا

ہر ملک اور ہر زمانہ میں چاند کے متعلق عجیب عجیب توہمات اور روایات پھیلے رہے ہیں کسی کو اس میں بڑھیا چرخا کاتتی نظر آئی کسی نے چاند کو نیلا سمجھا کسی نے اس میں ایک آدمی رہتے دیکھا کہیں چاند کے متعلق آداب قائم کئے گئے۔ آجکل بھی مغرب میں چاندنی میں سونے سے ڈر ہوتا ہے کہ خدوخال خراب ہو جائیں گے، یا دماغ پر بُرا اثر پڑیگا۔

عرصہ دراز ہوا چاند کی پرستش ہوتی تھی۔ ایام قدیم سے چاند کی خاص خاص حالتوں میں آدمی خاص اوقات میں اثر پذیر ہوتا رہا ہے جیسے چاند کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس سے جوار بھاٹا پیدا ہوتا ہے۔ سترہویں صدی تک انگلستان میں عام طور سے خوراک کے لئے جانوروں کا مارنا، یا جڑی بوٹی جمع کرنا یا لکڑی کاٹنا یا بیج بونا چاند کی رُو سے انجام پاتا تھا سکاٹ لینڈ میں تو اب تک اس پر عمل ہے۔ آسٹریلیا کے بعض علاقوں میں فصلوں کے بونے یا کاٹنے کے وقت کو چاند کے اثرات کے لحاظ سے مقرر کیا جاتا ہے۔ مغرب کے بڑے بوڑھے گھٹتے ہوئے چاند کو کسی کام کے شروع کرنے کے لئے منحوس سمجھتے ہیں۔ پاگلوں پر چاند کا اثر سمجھا جاتا تھا۔ مرگی کا مرض چاند کے گھٹنے کے اثر کا نتیجہ خیال کیا جاتا تھا۔ کوئی ہی آدمی ہوگا، خواہ وہ کیسا ہی تعلیم یافتہ اور مہذب ہو، جو چاند کی کرنیں مُنہ پر پڑتی ہوئی حالت میں سو جانے کے لئے تیار ہو۔

ملاحوں کو اعتقاد ہے کہ اگر مچھلی پر چاند کی روشنی پڑ جائے تو کھانے والوں کا ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔ چند سال گذرے جزیرہ تسمانیہ میں، ایک ٹولی کشتی چلانے کے مقابلوں میں برابر جیتتی رہی۔ ایک مقام پر وہ کشتی کھینے کے لئے گئے، وہاں اُنکو کھانے میں ایسی مچھلی ملی جس کے متعلق اُنہیں بعد کو معلوم ہوا کہ وہ چاندنی میں رکھی رہی تھی۔ وہاں وہ مقابلہ میں ہار گئے، اور ایک دو تو پھر کبھی پہلے کی طرح کشتی عمدہ نہ چلا سکے۔

چاند گرہن کو ہر جگہ منحوس سمجھا جاتا ہے۔ ایک وقت تھا جب روما میں یہ کہنا جرم تھا کہ چاند گرہن کسی سماوی کیفیت کا نتیجہ ہے۔ چاند گرہن کے وقت لوگ تانبے پیتل کے باجے بجاتے تھے۔ صدیوں تک یہ اعتقاد رہا کہ جب چاند کے گھٹنے کا زمانہ ہو تو ایسے کام شروع کئے جائیں جو بڑھتے رہتے ہوں مثلاً آلو بوئے جائیں، بال کتروائے جائیں۔ چاند گھٹنے کے زمانہ میں جھاڑ جھنکاڑ کھاڑا جاتا تھا اور وہ کام کیا جاتا تھا جن کے بعد آپ کا خیال ہوتا کہ گھٹے۔ نیا چاند نکلنے پر اپنی جمع جتھا کو اُلٹنا پلٹنا اسی قسم کے اعتقاد کا نتیجہ ہے۔ چین میں اب تک لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ جب چاند کو ایک اژدہا نگل لیتا ہے اس وقت گرہن ہوتا ہے۔ اور اس کے دُور کرنے کے لئے بارود میں آگ لگا کے اسے بھک سے اڑایا جاتا تھا۔

چلتا پھرتا خزانہ

کئی برس ہوئے پیرس میں ایک فقیر ایسے مقام میں بھیک مانگتے ہوئے پکڑا گیا، جہاں گداگری کی ممانعت تھی۔ اُس کی تلاشی لی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ تو جیتا جاگتا خزانہ تھا۔ اس کی عمر ۶۵ سال تھی اور اُس پر چیتھڑے سلے ہوئے تھے۔ اُس نے پولیس کو بتایا کہ اُسے دو دن سے کچھ نہیں ملا۔ اور وہ سسک رہا ہے۔ بعد میں دیکھا گیا تو اُس کے چیتھڑوں میں خفیہ جیبیں تھیں۔ اور فقیر نوٹوں اور سونے میں لدا ہوا تھا۔ عجیب عجیب پوشیدہ جیبوں سے ۱۵ ہزار فرینک (۳ ہزار چھ سو روپیہ) کے نوٹ اور تقریباً پانچسو روپیہ کے سونے کے سکے برآمد ہوئے۔ غمزدہ بخیل نے قسم کھا کر کہا کہ اس کا اندوختہ بس یہی ہے۔ لیکن آدھ گھنٹے بعد اسے اپنی کوٹھری میں دس دس فرینک (تقریباً ڈھائی روپیہ) کے نوٹوں کے بنڈل گنتے دیکھا گیا۔ اس پر پولیس کے کمشنر نے حکم دیا کہ اس کے کپڑے اُتار لئے جائیں اور ہر کپڑے کا معائنہ کیا جائے۔ اس کی قمیص میں سے پونے پانچسو روپیہ کے دس اور بیس فرینک کے نوٹ اور ٹوپی میں سے دو سو چالیس روپیہ کے طلائی سکے پوشیدہ ملے۔ اُس سے پوچھا گیا کہ جناب نے اس قدر دولت کہاں سے حاصل کی تو غریب نے بتایا کہ یہ تیس سال کی بھیک کا ثمرہ ہے۔

کتّوں کی عام بیماریاں

کتّوں کے بدن میں کیلیے اور چیچڑیاں چمٹ جاتی ہیں اور کسی طرح دور نہیں ہوتیں اس کے لئے چھالیا کی ایک قسم اریکا نٹ Areca-nut لے کر اس کا سفوف بنا لیں۔ پورے پرورش یافتہ کتّے کے وزن کے مطابق اس کی خوراک یہ ہے آدھ سیر وزن کے مقابلہ میں ایک گرین (۱/۴ رتی)، مگر دو ڈرام (۱/۲ ۳ ماشہ) سے زیادہ ہرگز نہ دی جائے تقریباً ۱۸ گھنٹے تک کتے کو بھوکا رکھیں، پھر روغن زیتون کا ایک چمچہ پلائیں۔ اور پھر گھنٹے بھر بعد چھالیہ مذکور کا سفوف دو گرین، سین ٹونائن Santonine کے ساتھ دیدیں۔

اس کے ایک گھنٹے کے بعد دس سیر وزن کے کتے کے لئے مندرجہ ذیل ملی ہوئی دوا کا ایک چمچہ دیدیں

شربت بک تھارن	Syrup of Buck Thorn	تین حصہ
شربت پوست سفید	" White Poppies	ایک حصہ
ارنڈی کا تیل	Castor Oil	دو حصہ

دوا دینے سے پہلے خوب ہلا لیں۔ جب تک کیڑے جھڑ نہ جائیں وقتاً فوقتاً اس عمل کی تکرار کریں

کتے کی سرخ خارش کے لئے مندرجہ ذیل دوائیں مفید ہیں۔ چند روز میں کھجلی جاتی رہے گی۔ خون کی صفائی وطاقت کے لئے

ایپسم سالٹس Epsom Salt ایک اونس
لکر آرسینی کلیس Liquor Arsenicalis ایک ڈرام
ٹنکچر آف جنجر Tincture of Ginger دو ڈرام۔ پانی ۱۶ اونس تک

ایک معمولی چمچے سے بڑے چمچے تک غذا کے بعد صبح و شام دوا دیں۔
بیرونی استعمال کے لئے سرسوں کا تیل Mustard Oil روغن زیتون اور تارپین۔ساوی تعداد میں لیں۔ اور کھانے کی رائی Table Mustard ملا کے گاڑھی ملائی سے کرلیں۔ کسی چھری سے کھال پر لیپ کردیں۔ مگر پہلے بال کتر کر خشخشی کردیں۔ ورنہ اثر نہ ہوگا۔ بارہ گھنٹے بعد دھو ڈالیں۔ دوسری دفعہ لیپ کی شاذ ہی ضرورت ہوگی اگر ضرورت ہو تو ہفتہ بھر بعد لیپ کریں۔

مصنفوں کی آمدنی

جب جرام نے مرتے وقت ۶۶۶۶۶ روپیہ چھوڑے تو لوگوں کو تعجب ہوا کہ ایسے مقبول عام مصنف نے بہت کم روپیہ چھوڑا۔ معلوم ہوا کہ یا تو اس کی آمدنی اتنی نہ تھی جتنی مشہور تھی۔ یا اُس کا خرچ آمدنی کے مطابق زیادہ ہی تھا۔ اس کی کتابیں متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ مصنفوں کی آمدنیوں کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ شہرت اچھی آمدنی کا معیار نہیں۔ بڑے بڑے مصنف بھوکے مرے۔ معمولی لکھنے والے لکھ پتی ہوگئے کیونکہ اُنہوں نے عام مذاق کے مطابق لکھا۔ چارلس گاروس تیسرے درجہ کا لکھنے والا تھا لیکن اس کے ناول بہت مقبول تھے۔ اور اس نے مرتے وقت کثیر رقم چھوڑی۔ سر ولیم واٹسن نہایت عمدہ شاعر تھا۔ لیکن اس کی آمدنی ایک معمولی کلرک سے زیادہ نہ تھی۔ والٹی ڈی لامیٹر کی نظمیں دنیا بھر میں مقبول ہیں۔ مگر ایک معمولی ماہوار رقم بطور امداد دیکر بڑا خوش ہوا۔ جون ڈیوڈسن اول درجہ کا شاعر تھا۔ مگر افلاس سے مجبور ہو کر اُس نے خودکشی کرلی۔ آج کل زبردست آمدنیوں کے مصنف برنارڈ شا۔ سر جیمس باری اور ایچ جی ویلز ہیں۔ ایک امریکن اخبار نویس لندن میں سیر کے لئے آیا۔ اُس نے برنارڈ شا سے ایک خاص مضمون لینا چاہا۔ اُس نے فی کالم ۱۶۷ روپیہ تجویز کئے۔ اُسے بتایا گیا کہ مسٹر شا اتنی چھوٹی رقم کے لئے کبھی قلم کے لئے کبھی قلم نہیں اُٹھاتا۔ اُس نے اپنے اخبار کے مالک کو تار دیا۔ جواب ملنے پر اُس نے ۱۶ ہزار ۶۶۷ روپیہ پیش کئے۔ مگر اس کی حیرت کی انتہا رہی۔ جب اُسے جواب ملا کہ مسٹر شا اس وقت ایک کتاب عورتوں اور اشتراکیت پر لکھ رہے ہیں۔ اور اُنہیں اس کے اخبار کے لئے اس وقت مضمون لکھنے پر دل مائل نہیں ہوتا۔ علمی قابلیت والوں کو ہی حسب منشا اُجرت نہیں مل رہی۔ بلکہ اور کام والے بھی لے مرتے ہیں۔ سر ولیم ارپن کو اپنی تصویروں کے منہ مانگے ہزاروں روپیہ ملتے ہیں مگر وہ ۳۳۳ روپیہ سے کم پر اخبار کے لئے مضمون نہیں لکھتا۔ مسٹر ویلز کی سالانہ آمدنی ۳۳۳۳۳۳ روپیہ ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اتنی رقم کے مضمون اور کتابیں لکھ ڈالتے ہیں۔ بلکہ اس میں محفوظ حقوق اور کمیشن وغیرہ کی آمدنی شامل ہے۔ جو مضمون لکھنا بند کردینے پر بھی ملتی رہتی ہے۔ سر جیمس باری کی سالانہ آمدنی ۲۷۰۰۰ روپیہ ہے۔ برنارڈ شا کی اس سے ۵۰ فیصدی زیادہ ہے۔ ناول نویس ایڈگر ویلیس کی بڑی زبردست آمدنی تھی۔ بعض آدمی اخبار یا کتاب بیدلی سے ایک طرف ڈال کر کہدیا کرتے ہیں اونہہ! کیا خاک لکھا ہے۔ اس سے اچھا میں لکھدیتا۔ مگر یہ دھوکا ہے۔ لکھنا اتنا آسان نہیں جتنا نظر آتا ہے۔ سینکڑوں دل شکستہ مرگئے۔

پھلجھڑیاں

امریکہ میں ایک عجیب و غریب اور نہایت مشکل عمل جراحی ہوا ہے۔ ایک ۱۹ سالہ جنگی کام کرنے والے نوجوان کے دل میں کسی آلہ سے زخم پہنچا دیا گیا تھا۔ جراح نے دل تک ہاتھ پہنچانے کے لئے اُس کی تین پسلیاں کاٹیں اور دل میں سات ٹانکے لگائے۔ دل میں سے جو خون نکلا اُسے بعد میں مضروب کے بازو کی رگ کے ذریعہ اس کے جسم میں دوبارہ داخل کردیا گیا۔

خندق کا ڈھکنا کھودنے کا کرتب سیکھنے میں کُتے کو ۱۵۔ بلی کو ۲۰۔ بندر کو ۳۰۔ گائے کو ۵۰ اور گھوڑے کو ۶۰ سکنڈ لگے۔

پستول ۵۰، رائفل سو۔ ٹامی گن ۵۰۰، مشین گن ۱۸۰۰ ہلکی قسم کی ہوا میں گولی چلانے والی توپ ۴۰ ہزار۔ لڑنے والا ہوائی جہاز ایک لاکھ ۴۰ ہزار۔ درمیانہ درجہ کا ٹینک ۳ لاکھ ۷۰ ہزار اور بمبار ہوائی جہاز دو لاکھ ۷۰ ہزار روپیہ میں آتا ہے۔ اس سے موجودہ جنگ کے آلات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بزمِ عصمت

بزم عصمت میں وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو۔ (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ (۴) جس میں رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ (ایڈیٹر)

میں نہایت مسرت سے اطلاع دیتی ہوں کہ میرے بھتیجے انور رؤف کی پہلی سالگرہ ۲۵ اگست کو بخیر و خوبی انجام پاگئی۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ میرے ننھے بھتیجے کی عمر دراز کرے اور ہم سب کو اس کی خوشیاں دکھائے۔ اس خوشی میں پانچ روپیہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے بھیج رہی ہوں۔

ہمشیرہ عبدالرؤف ۔ نینی تال

میں نہایت رنج و اندوہ سے یہ خبر اپنی ہمدرد بہنوں کو سناتی ہوں کہ میرے اباجان سید ابو یونس صاحب ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل افسر کولار ۱۶ اپریل ۱۹۴۲ء بروز جمعرات رات کے ۷ بجکر ۱۵ منٹ پر انتقال کر گئے بہنیں دعائے مغفرت کریں۔ نیز لوح مزار پر کندہ کرنے کے لئے تاریخ وفات کوئی بہن یا بھائی لکھدیں۔

عقیلہ خاتون کولار

میں نہایت رنج و قلق کے ساتھ لکھتی ہوں کہ میرا جوان بھائی بعمر ۲۶ سال ۳۔ جولائی کی منحوس شام کو ملک عدم کو سدھارا اس کی موت بدبخت دشمن کی گولی کے نشانہ سے ہوئی۔

کنیز فاطمہ کورٹ نارڈ خریداری نمبر ۸۴۵

میری بڑی بہن کی کوٹھی اسی سال ۱۹۴۲ء میں تیار ہوئی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کی عمدہ اور جامع الفاظ میں کوئی عصمتی بہن یا بھائی تاریخ بغرض کندہ کرانے بذریعہ بزم عصمت تحریر کریں۔

میری بہن کا نام ناظرہ بیگم انصاری ہے اور ان کے شوہر کا نام
غلام معین الدین قریشی ہے۔

ز۔ انصاری خریداری نمبر ۷۹۶۳ ملیح آباد

خریداری نمبر ۵۵۸۵ کی خدمت میں عرض
ہے کہ بال بڑھانے کے لئے کیسٹرائل بیتہ ذیل سے منگوا
کر استعمال کریں۔ آزمودہ ہے اور خوشبودار ہے
(باتھ گیٹ کمپنی دی یپوراز فائیو کیسٹرائل کلکتہ)

وحیدہ خاتون نگہت بنت نادر علی شاہ

بہن ایس۔ کے لکھنوی بڑوانی نے بال کا
نسخہ دریافت کیا ہے۔
آم کی گٹھلی آملے کے ساتھ پیس کر روزانہ سر پر
لیپ لگائیں۔ جب لیپ سوکھ جائے تو آملہ اور سیکاکائی
کو کوٹ کر اس سے سر دھوڈالیں۔ اور گیلے ہی بال میں ناریل
کا تیل لگالیں۔ بال گرنے بند ہوجائیں گے اور گھنے بال
نکل آئیں گے۔

ک۔ ریحانہ بیگم نمبر ۸۹۱۰

محترمہ بہن نذر سجاد حیدر کے ناول نجمہ کا بے چینی سے
انتظار ہو رہا تھا۔ شکر ہے کہ بفضلہ ختم ہوگیا۔ بہن صاحبہ
سے عرض ہے کہ عصمت میں ۱۹۲۶ء میں ان کا ایک قصہ نیرنگ
زمانہ چھپا تھا جو نامکمل رہ گیا۔ بہن صاحبہ براہ مہربانی اس
قصہ کو ضرور پورا کریں۔ نہ صرف میں بلکہ ان کے قصوں کی
مداح سینکڑوں بہنیں ان کی شکر گذار ہونگی۔

بیگم عبدالقیوم صاحب سٹلمنٹ افسر

مجھے ایک ایسی چیز کی ضرورت ہے جس سے بال
گھونگروالے ہوجائیں۔ گھونگروالے بال بنانے کی کوئی
مشین ہو یا قینچی یا کنگھا مقصود تو یہ ہے کہ بال گھونگروالے
ہوجائیں۔ کوئی بہن اس چیز کا نام اور قیمت لکھیں۔ اور یہ
بھی کہ کہاں ملتی ہے۔

مس ممتاز جہاں بیگم ناز۔ کالپی

دودھ چہرے پر ملنے سے سفیدی آتی ہے۔ یہ ہمارا
آزمودہ ہے۔ مگر ساتھ ہی چہرے کے روئیں بڑھ آتے
ہیں۔ اگر دودھ میں نمک ملا کر پیا جائے تو کیا روئیں
نہیں نکلینگے؟۔
اگر بکری کا دودھ ملایا جائے تو کیا اس سے بھی روئیں
بڑھتے ہیں؟
برائے مہربانی کوئی عصمتی بہن یا بھائی اس کے متعلق
بذریعہ عصمت جواب عنایت فرمائیں۔
نیز یہ بھی لکھیں کہ چہرے پر لیموں ملنے سے کوئی نقصان
تو نہیں ہوتا۔

ایک ضرورت مند

بیگم صاحبہ مولوی ابوالحسن بصیر بدایونی

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

اب تو خیریت ہے، مگر یہ دو ماہ سخت پریشانی میں گذرے
گھر میں کاربنکل نکلا تھا۔ جس کا آپریشن ۱۴۔ جولائی کو
نہایت عجلت کے ساتھ بدایوں کے صدر ہسپتال
میں کرانا پڑا۔ اور سب سے زیادہ چیز قابل ذکر یہ ہے
کہ بیگم نے اپنے مذہبی جذبے کے ماتحت نشہ سونگھنا
گوارا نہ کیا۔ اور بغیر کسی قسم کے نشے یا سن کرنے والے
ٹیکے کے آپریشن ٹیبل پر لیٹ کر سیر سوا سیر گوشت
کٹوا دیا!

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ پورا ایک فٹ لمبا ایک فٹ
چوڑا چار انچ گہرا زخم بنا۔ ۲۰ تاریخ جولائی تک حالت
ناقابل اطمینان رہی۔ مگر اب بفضلہ بہت ٹھیک ہیں
اور اندمال کافی ہوچکا ہے

دعا کا طالب
ابوالحسن صدیقی بصیر

دوربین

معرکۂ روس

کوہ قاف کی لمبائی بحیرہ اسود سے بحیرہ خضر تک چھ سو میل مسلسل ہے۔ اس میں دنیا کا سب سے بلند پہاڑ البرز ہے جو سطح سمندر سے ۱۸۵۶۰ فٹ بلند ہے اور جس پر حال ہی میں جرمنی کا قبضہ ہوگیا ہے اس سلسلہ کے دونوں سروں پر ساحل کے سہارے تنگ راستے ہیں پہاڑیں سے دو مقاموں پر دو درے نکلتے ہیں۔ ایک جارجی جنگل فشا ہراہ جو ۱۳۰ میل لمبی ہے۔ جو طفلس پر جا پہنچتی ہے اس کی سڑک انجینیری کا زبردست کارنامہ ہے یہ درہ کریس ٹووایہ گیرا پر ۸۵۰۰ فٹ بلند ہوجاتا ہے۔ یہ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۱۸ء تک زار کی فوجوں کے لئے تیار کی گئی تھی۔ تاکہ اس کی فوجیں اس علاقہ کے جرگوں کو دبا سکیں۔ جو ایسی ہی جنگجو ہیں جیسی شمالی ہندی سرحد کی اقوام۔ یہ سڑک سانپ کی طرح لہراتی ہوئی جاتی ہے۔ نو ہزار فٹ گہرے غاروں میں سے نکل کر جاتی ہے۔ خوبان اور ڈان میں کاسک مسلمان رہتے ہیں۔ ان سے آگے جارجیہ آرمینیہ اور آذربائیجان ایشیا کے صوبے ہیں جو ۱۹۲۳ء میں سویٹ کے زیر اثر آکر اس کی جمہوریت میں شریک ہوگئے۔ علیحدہ علیحدہ کھیتوں کی بجائے یکجائی کاشت ہوتی ہے۔ پردہ جاتا رہا ہے تعلیم پھیل گئی ہے۔ کوہ قاف میں غلے کے علاوہ تیل اور معدنیات بھرے پڑے ہیں۔

نوورسسک بحر اسود کی طرف کی کوہ قاف کی بندرگاہ پر سخت لڑائی کے بعد جرمنوں کا قبضہ ہوگیا۔ خیال ہے کہ جرمن سردیوں سے پہلے پہلے اس ساحل کی کل بندرگاہوں توآپسے سے لیکر باطوم تک قبضہ کرنے پر تلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ کوہ قاف میں سردیوں کی پہلی برف پڑ چکی ہے۔ اور برف کا موسم شروع ہوجانے پر وہاں کے راستے دلدلوں سے لبریز ہوجائیں گے۔ سٹالن گراڈ پر تین ہفتوں سے زیادہ سے سخت لڑائی ہو رہی ہے۔ جرمنی اور روس دونوں کا زور اس مقام پر لگ رہا ہے۔ روس چاہتا ہے کہ سردیوں کے شروع تک جرمن اسے فتح نہ کرسکیں۔ اور جرمنی چاہتا ہے کہ وہ سردیوں سے پہلے اسے فتح کرلے۔ ورنہ اس کے لئے مصیبت ہوجائے گی۔ مضافات پر جرمنوں کا قبضہ ہوتا جارہا ہے۔ ہر مکان قلعہ ثابت ہو رہا ہے۔ اور پیشقدمی میں جرمنوں کو جانوں کی کافی قیمت دینی پڑ رہی ہے۔

جاپانی دستبرد

چین کا میدان صاف کرنے کے لئے جاپان نے اپنی تمام تر توجہ سب اکھاڑوں سے ہٹا کر ادھر ہی لگا دی تھی۔ اور ایک وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چین اب بیٹھا کہ بیٹھا۔ مگر ہمت مردانہ سب کچھ کرا دیتی ہے۔ سب طرف سے محصور ہو کر اس حالت میں کہ اتحادیوں سے سامان وغیرہ کی کچھ زیادہ مدد نہیں ملتی، چین برابر مصروف پیکار ہے۔ اور اب وہ جاپانیوں کو جگہ جگہ پیچھے ہٹا رہا ہے۔ چوہ سی ان لینے کے بعد لی شوئی بھی اُس نے چھین لیا۔ یہ دونوں اڈے ایسے اہم ہیں کہ ان سے ہوائی جہاز اُڑ کر ٹوکیو پر بمباری کرسکتے ہیں۔ لی شوئی جنوبی جی کیانگ میں ساحل سے صرف ۴۰ میل دور ہے۔ اور چوسی این سے اہمیت میں دوسرے درجہ پر ہے۔

نیوگنی میں جاپانیوں نے پیش قدمی شروع کردی ہے۔ لڑائی سخت ہے اور اُن کا رُخ بندرگاہ مورسبی کی طرف ہے۔ اس علاقہ میں جنگلات اس قدر کثیر ہیں کہ دس ہاتھ کے فاصلہ پر کچھ نظر نہیں آتا۔ جاپانی رات کے اندھیرے اور موسلا دھار بارش میں حملہ آور ہونے کے بہت شائق ہیں۔ یہ علاقہ اُن کے حسب عادت جنگ کرنے کے لئے بہت موزوں نظر آتا ہے۔ آسٹریلوی فوجوں کو بڑی احتیاط سے قدم اُٹھانا پڑتا ہے ذرا سا پتہ کھڑکنے سے دشمن خبردار ہوجاتا ہے بسا اوقات ان فوجوں کو پھاوڑوں ریت پر سے رینگ کے چلنا ہوتا ہے۔ جاپانی موت سادھ لیتے ہیں یا درختوں کے ٹہنوں سے اپنے گرد پتے لپیٹ کر کئی کئی دن تک چھپے پڑے رہتے ہیں کہ ادھر سے کوئی گذرے

دستے نکلے تو اسے مشین گن کا نشانہ بنا دیں۔ دشمن اس جنگل میں نظر نہیں آتا۔ مگر بایں ہمہ آسٹریلوی بڑی پامردی سے لڑ لڑ کے دشمن کا منہ پھیر پھیر دیتے ہیں۔

جزائر سلیمان کے کئی جزیروں پر امریکہ نے دوبارہ قبضہ کر لیا ہے۔ جاپانی انہیں دوبارہ فتح کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ مگر ہر دفعہ سخت نقصان کے ساتھ انہیں پسپا کر دیا جاتا ہے۔ بظاہر جاپانی حملہ کا اب رُخ آسٹریلیا اور اس کے مقبوضات کی طرف نظر آتا ہے مگر موسم برسات ختم ہونے پر ہندوستان بھی ہوائی حملوں کا خدشہ ہو سکتا ہے۔

انگریزوں سے مقابلہ انگریزی ہوائی جہاز برابر جرمنی کے صنعتی شہروں پر حملے کر رہے ہیں۔ گو ان میں انگریزی جہازوں کی کافی تعداد ضائع ہو جاتی ہے مگر دشمن کو اس سے کہیں زیادہ نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ جرمنی کے تھوڑے تھوڑے ہوائی جہاز انگلستان کے شہروں اور بندرگاہوں پر حملہ کرتے رہے۔ مگر ہر دفعہ انہیں نقصان پہنچا کر بھگا دیا گیا انگریزوں کو جانی و مالی نقصان کم ہوتا رہا۔ افریقہ میں طبروق پر انگریزوں نے فوجیں اتاریں اور وہ جرمنوں کو جنگی اہمیت کے نقصانات پہنچا کر تھوڑی ہی دیر بعد واپس ہو گئیں۔ مصر میں جرنیل رومیل نے تازہ حملہ شروع کر دیا تھا اور دس بارہ میل آگے بڑھ گیا تھا مگر بعد میں سخت جنگ کے بعد اسے پیچھے ہٹا دیا گیا۔ اس نے طرابلس کا سا دھوکہ یہاں بھی دینا چاہا کہ اپنے ٹینک چھپا کر گھات میں کھڑے کر دیئے اور خود پسپا ہونا شروع کر دیا۔ مگر انگریزی فوج اس دھوکے میں نہیں آئی۔ اب طرفین کے بکتر دستے ایک دوسرے پر حملے کرتے رہتے ہیں اور ہوائی جہاز بھی حملہ کرتے رہتے ہیں۔

انگریزوں نے مجبور ہو کر پھر مڈغاسکر پر چڑھائی شروع کر دی۔ انہیں شکایت تھی کہ جاپانی اس کی بندرگاہوں کو استعمال کر کے رودبار موزنبیق میں اتحادی جہازوں کو ڈبوتے رہتے ہیں۔ چونکہ مڈغاسکر کی فرانسیسی حکومت کچھ نہیں کرتی۔ اس لئے اس کا انسداد اسی طرح مناسب سمجھا گیا کہ مڈغاسکر پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ معمولی جھڑپوں کے بعد انگریزی فوجیں بڑھتی چلی جاتی ہیں اور کوئی دن جاتا ہے کہ مڈغاسکر پر شام کی طرح انگریزوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ مگر انہوں نے واضح کر دیا ہے کہ وہ صرف دوران جنگ کے لئے ہے۔ ورنہ وہ جزیرہ بدستور فرانس کا ہی رہے گا۔

مسٹر چرچل وزیر اعظم انگلستان نے ماسکو کا ہوائی سفر کیا۔ اور اس سلسلہ میں مصری اور ایرانی علاقوں کا بھی معائنہ کیا۔ اسی کا اثر ہے کہ روس ڈگمگاتا ڈگمگاتا پھر کمربستہ ہو گیا۔ اور پہلے سے زیادہ پامردی سے جرمنی کا مقابلہ کر رہا ہے۔ مصر میں نئے سپہ سالار مقرر ہو جانے سے نئی روح پھونک گئی ہے۔ جنرل آکن لیک چھٹی پر چلے گئے ہیں۔ انہیں کسی دیگر مقام پر لگایا جائے گا۔

انگریزوں کی جانب سے اب صراحت سے پایا جاتا ہے کہ وہ یورپ میں نیا محاذ قائم کریں گے۔ مگر پتہ نہیں چلتا کہ کب اور کس جگہ۔ مسٹر چرچل نے جو تقریر دارالعوام میں کی اس میں بھی کوئی بات ایسی نہیں پائی گئی کہ کوئی شخص اس کے متعلق کسی طرح کی رائے قائم کر سکے۔

ملک میں بےچینی ملک میں کانگریس کے حامیوں نے اپنے حملے جگہ جگہ جاری رکھے۔ مگر پولیس اور بعض جگہ فوج نے امن و امان بحال کر دیا۔ مسٹر چرچل اور مسٹر امیری نے حکام کے انتظام کی تعریف کی۔ کالج دوبارہ کھل گئے ہیں۔ اور ہر جگہ بالعموم طلباء حاضر ہونے لگے ہیں۔ اس مہینہ میں عورتوں میں مسز کملا دیوی چٹو پادھیا کی گرفتاری قابل ذکر ہے۔ وہ امریکہ اور یورپ کی سیاحت بھی کر چکی ہیں اور اچھی مقررہ ہیں۔ اکثر گاؤں پر حکومت نے نقصانات کی تلافی کے لئے بیش قدر جرمانے عائد کر دیئے ہیں جن کی وصولی جاری ہے۔ سوائے ان مسلمانوں کے جو کہیں اس تحریک بربادی میں شریک ہوئے ہوں۔ باقی سب کو

ان جرمانوں سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے مسلمان برابر پاکستان پر زور دے رہے ہیں۔ خیال ہے کہ ہندو مسلم نکتہ خیال میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جانے والی ہے۔ ممکن ہے اتفاق ہو جائے۔ انگریز ہندوستان کو قومی حکومت قائم کرنے کا موقع دیں۔

تاروں کا جھرمٹ نہایت افسوس ہے کہ ملک معظم کے بھائی ڈیوک آف کینٹ برفستان (آئس لینڈ) جاتے ہوئے جہاز کے ٹوٹ جانے سے مع دیگر چودہ افسروں کے فوت ہوگئے۔ وہ سرکاری کام جا رہے تھے۔ ان کی عمر ۴۰ سال تھی۔ ان شادی ۱۹۳۴ء میں یونان کی شہزادی مرینہ سے ہوئی تھی۔

اس وقت امریکہ میں ایک کروڑ تیس لاکھ عورتیں بیس لاکھ کارخانوں میں جنگی کام انجام دے رہی ہیں ۱۹۴۳ء کے آخر تک ۵۰ لاکھ مزید عورتیں شامل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔

امریکہ کی مشہور تھیٹری ایکٹرس اور ریڈیو میں گانے والی حسینہ لنڈالی اپنے ہوٹل میں کھانا کھانے والوں کے عین سامنے اتفاق سے ایک کھڑکی سے سات منزل سے گر کر فوراً مر گئی۔

صوبجات متحدہ نے فیصلہ کیا ہے کہ ہندو مسلم یونیورسٹیوں کے سند یافتہ حکیم اور ویدوں کو اگر وہ گاؤں میں طبابت کرنے کے لئے رضامند ہوں پندرہ روپیہ ماہوار وظیفہ دیا جائے۔ شروع میں ان لوگوں کو پچاس پچاس روپیہ کی دوائیں مہیا کی جائیں گی۔ یہ لوگ کسی ادارہ کی جسے حکومت تسلیم نہ کرتی ہو ڈگری اپنے نام کے ساتھ نہ لکھ سکیں گے۔

پیر پگاڑو کے صدر مقام کا قلعہ حکومت نے مسمار کرا دیا تاکہ حروں کی تحریک قابو میں آ جائے۔ اس کوٹ کی دیواریں ۶۰ فٹ بلند اور ۱۲ فٹ موٹی تھیں مسجد درگاہ اور مذہبی زمینوں میں دخل نہیں دیا گیا۔ اب تک ۶۹ حروں کو پھانسی دی جا چکی ہے جن پر قتل و غارت کا الزام تھا۔

حکومت پنجاب نے ۹ لاکھ من گیہوں خریدے ہیں اور مزید خریدنے والی ہے تاکہ سردیوں میں پچھلے سال کی طرح گیہوں کا کال نہ پڑے۔

چائے والوں نے ۲۶ برس کے عرصہ میں ۲ کروڑ ۴۳ لاکھ روپیہ چائے کو ہندوستان میں مقبول بنانے کی تلقین و پرچار پر خرچ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں چائے کا سالانہ خرچ ۳۸۱۲۵۰ من سے ۴۳۷۵۰۰ من ہو گیا۔

انگلستان میں اس مہینہ سے آئس کریم اور پانی کی برف کی ساخت کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ تاکہ جو لوگ اس کام میں لگے ہوئے ہیں انہیں جنگی کاموں میں لگایا جائے۔ لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ مگر حکومت نے اپنا فیصلہ برقرار رکھا۔ اس حکم سے ایک لاکھ دکانداروں پر اثر پڑیگا۔ ان میں ۴۰ ہزار گلیوں کے کونوں کے دوکاندار شامل ہیں۔ جنگ سے پہلے ۲۷۱۸۷۵۰ من آئس کریم لوگ کھاتے تھے۔ ۸ لاکھ ۴۰ ہزار من کی گاڑیاں اور ۲۸ ہزار من کا غذ سالانہ بھی اس حکم کی بدولت بچ جائیں گے۔

انگلستان میں ۲۰ سال سے زائد اور ۴۵ سال سے کم عمر کی سب عورتوں کو جو کاروباری عمارات میں ملازم ہیں نگران آتش بننا پڑیگا صرف اُن عورتوں کو مستثنیٰ کیا جائے گا جن کے بچے ۱۴ سال سے کم عمر کے ہیں اور وہ بھی جو ہفتہ بھر میں ۵۵ گھنٹے کام کرتی ہیں اور وہ جو شہری بچاؤ کے کاموں میں لگی ہوئی ہیں۔

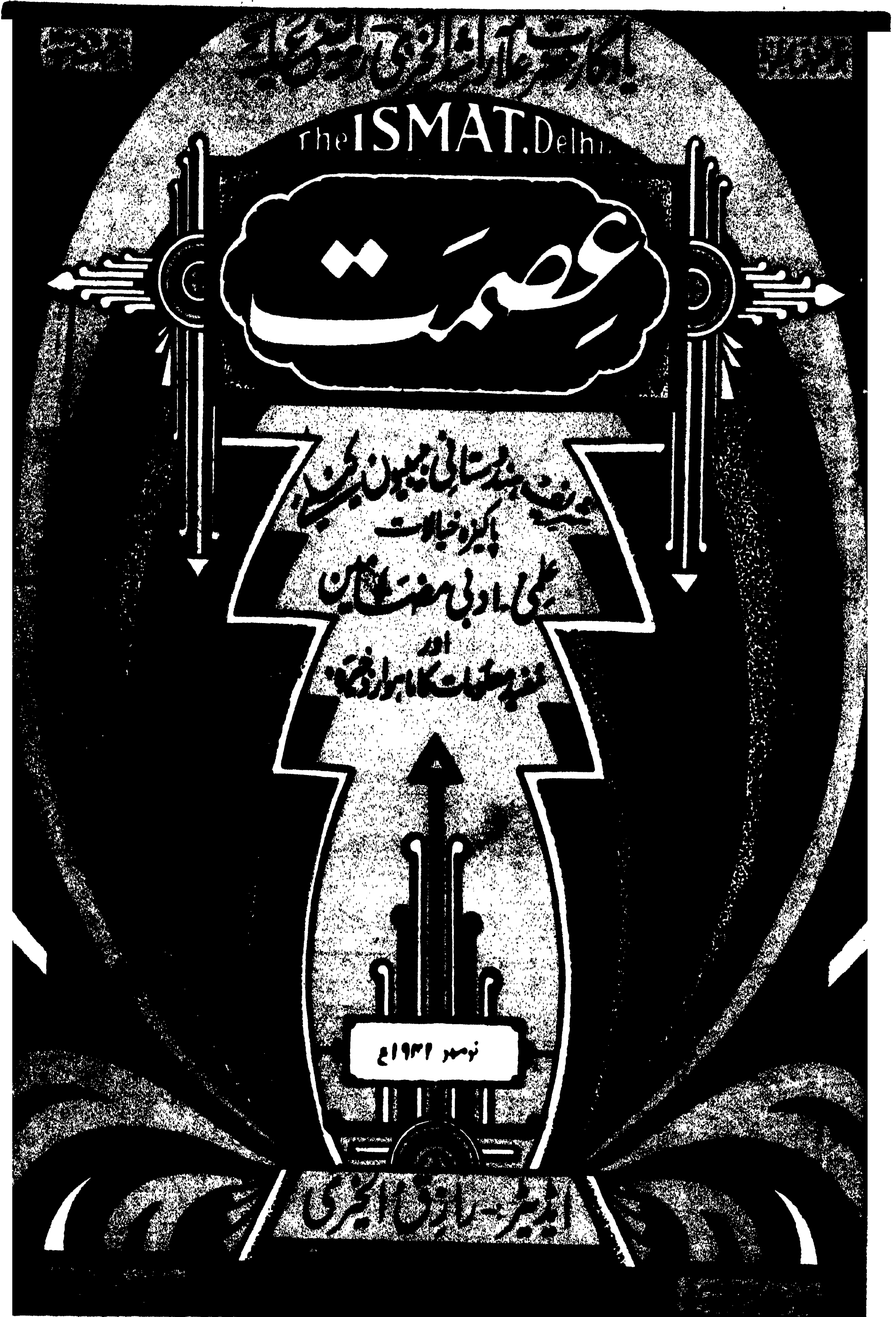
جاپان کے متعلق جاپانی قیدیوں سے معلوم ہوا ہے کہ اُس کے پاس ۶۲۸۵ ہوائی جہاز ہیں جن میں ۲۸۰۸ بحری جہازوں سے متعلق ہیں اور ۳۴۰۵ فوج سے۔ اس کے علاوہ کوئی اور ہوائی دستہ نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حکومت ہند عنقریب ہندوستانی فوجی سپاہیوں کی تنخواہ کے اضافہ کا اعلان کرنے والی ہے۔ اس وقت ایک ہندوستانی سپاہی کو ۲۳ روپیہ ماہوار تک تنخواہ ملتی ہے۔ آیندہ تیس روپیہ ماہوار تنخواہ ان سپاہیوں کو ملے گی جو فوجی ملازمت پر مامور ہوں۔ اس اضافہ سے تقریباً ۵ کروڑ روپیہ سے زیادہ خرچ ہو جائے گا۔





Regd. No. L. 1872   November 1942   Established 1908



رسالہ عصمت دہلی

پینتیسواں ۳۵ سال | نومبر ۱۹۴۲ عیسوی | جلد ۶۹ نمبر ۵

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی:- مع محصول ڈاک چار روپیہ — ممالک غیر سے دس شلنگ

قسم خاص:- اعلیٰ کاغذ کا ایڈیشن عـہ روساء سے ۵ـہ والیان ریاست ننہ مار۔ ممالک غیر سے ایک پونڈ۔

۲۳ فروری - خواتین ہند کے محسن اعظم حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی مفارقت ابدی کا دن ہے۔ فروری ۱۹۴۳ء کے عصمت میں حضرت علامہ مغفور کی یاد میں مثل سابق مضامین و نظمیں شائع ہوں گی جو خواتین و حضرات نظمیں اور مضامین بھیجنے چاہیں۔ ۱۳۱ دسمبر تک روانہ فرمادیں۔ اڈیٹر

(باہتمام رازق الخیری اڈیٹر - پرنٹر - پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپ کر دفتر عصمت کوچہ چیلاں سے شائع ہوا)

مکان کی زینت

از حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

بعض بیویوں کا یہ خیال ہے۔ کہ ہماری مالی حالت اس قابل نہیں کہ ہم گھر کو اچھی طرح بنا سنوار سکیں۔ ہماری آمدنی ہماری بڑی ضرورتوں ہی کو کافی نہیں۔ یہ چھوٹی موٹی ضرورتیں پوری کریں تو کیونکر۔ مگر میں اُن سے نہایت ادب سے عرض کرتی ہوں کہ جس طرح وہ آپ کپڑا پہننا یا بچوں کو پہنانا ضروری سمجھتی ہیں۔ اسی طرح مکان کو کپڑا پہنانا کیوں ضروری نہیں سمجھتیں؟ جس طرح انسان کی زینت لباس ہے۔ اسی طرح گھر کی زینت سامان ہے۔ گھر چھوٹا ہو یا بڑا اچھا ہو یا پکا۔ گھر والی کی توجہ کا محتاج ہے۔ کتنا ہی چھوٹا، پرانا اور کچا کیوں نہ ہو اگر کوشش کی جائے تو خوشنما ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ میز، کرسیاں، نواڑی پلنگ، مسہریاں، الماریاں۔ آئینے ہی نصیب ہوں تو گھر کی زیب و زینت ہو سکتی ہے۔ اگر ڈھنگ سے بچھایا جائے تو معمولی ٹاٹ، سفید چادر ہی گھر کی شان کچھ اور کر دے گی۔ اور بے ڈھنگے پنے سے تو نواڑی مسہری کیا، چاندی کا چھپر کھٹ بھی کوڑا معلوم ہوگا۔ ایک پرانی مثل ہے۔ "سگھڑ کی جھاڑو، پھوہڑ کا لیپا"۔ سگھڑ اگر جھاڑو بھی دے گی۔ تو گھر چندن کر دے گی مجال ہے کہ فرش پر تنکا تو پڑا ہوا دکھائی دے۔ اور پھوہڑ اگر لیپے گی بھی تو حالانکہ لیپنے سے زمین یا دیوار اچھی معلوم ہونی چاہیئے۔ اور مشہور مثل ہے۔ "لیپنے پوتنے سے تو دیوار بھی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن پھوہڑ کا ہاتھ لگے گا۔ تو وہ اس کو بھی بدنما کر دے گی۔

لڑکیاں کسی کام کو فرض سمجھ کر اگر بیگار ٹالیں گی، تو وہ کام خود ہی اُن کو اچھا نہ معلوم ہوگا۔ دوسرے تو الگ رہے۔ یہ عذر کہ ہمارا گھر اس قابل ہی نہیں کہ ہم اس کو سنوار سکیں یا ہماری مالی حالت اتنی اجازت نہیں دیتی کہ ہم اس پر کچھ صرف کر سکیں، معقول نہیں ہے۔ گھر تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم اپنا اور بچوں کا پیٹ کاٹ کے مجھے کھلاؤ۔ وہ صرف تمہاری عنایت کا طلب گار ہے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں ہلانے کی دیر ہے۔ زینت وہ آپ پیدا کرے گا جتنی تم اس پر محنت کرو گی اس سے زیادہ وہ تمہارا نام روشن کرے گا تمہیں پھوہڑ بننے کی ذلت سے بچائیگا۔ غور کرنے کی بات ہے۔ اگر تم خود خالی کان، سونٹا سے ہاتھ، ننگی بچی بن کر بیٹھ جاؤ تو کیسی معلوم ہو گی۔ اسی طرح جب تک گھر کو حیثیت کے موافق درست نہ کرو گی، تو یقیناً وہ تم کو رسوا کرے گا۔

فرش اگر احتیاط کرو تو برسوں کام آنے والی چیز ہے۔ دالانوں یا کمرے کے فرش کو جاجم ہو یا قالین دری ہو یا چاندنی باہر کی خاک سے بچاؤ۔ پردے ڈالو، چلمنیں چھوڑو۔ کواڑ بھیڑو۔ کم سے کم گھر میں ایک جگہ تو ایسی ہو، جہاں آیا گیا اچھی طرح بیٹھ سکے۔ کوشش کرو کہ بچے وہاں نہ جانے پائیں اگر روز جھاڑو ملے اور ہفتہ میں ایک بار باہر نکال کر جھاڑ لو تو ایک فرش مہینوں کام دے گا۔

قالین کا رنگ اگر ماند پڑ جائے یا پرانا ہو کر گھس جائے تو یہ انتظام کرنا چاہیئے۔ پہلے اس کو خوب اچھی طرح جھاڑ لیں کہ گرد باقی نہ رہے۔ پھر کسی صاف جگہ پر بچھا کر بلک گال کیچر کو تھوڑے پانی میں ملانا چاہیئے۔ اور اونی کپڑے یا فلالین کو اس پانی میں اچھی طرح ڈبو کر قالین پر رگڑنا چاہیئے۔ یہ کپڑا تمام میل کچیل جذب کرے گا۔ اور قالین بالکل اُجلا معلوم ہوگا۔ لیکن خشک کرتی دفعہ اتنا خیال رہے کہ کوئی جھرس وغیرہ نہ پڑنے پائے۔ سنہ ۱۹۱۰ء

(گدڑی میں لعل)

نسلیات اور شادی

شادی کی اصل غرض کے تعین میں اختلاف رائے ممکن ہے لیکن اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ موجودہ منظم سوسائٹی میں شادی کی اہم ترین غرض نسل انسانی کی بقار و افزائش ہے۔ شادی کی فطری غرض پر زور دینے والے عورت کو صرف افزائش نسل کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ لیکن اب عورت ہی باغی ہو کر بچے پیدا کرنے کی مشین بننے سے انکار نہیں کر رہی۔ بلکہ سوسائٹی کو اپنی بھلائی کے لئے بھی اس خیال میں ترمیم کرنے کی ضرورت ہے۔ مرد جنسی ضرورت، گھر کی حفاظت اور خاندان کو قائم رکھنے کے لئے شادی کرتا ہے۔ لیکن عورت شادی کو اپنی حفاظت اور محبت کی حقیقی تکمیل کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ عورت جنسی ضرورت سے مبّرا نہیں ہوسکتی لیکن تحفظ و تکمیل محبت اس کی شادی کا منشائے حقیقی ہوتا ہے۔ مرد جب بچہ کی خواہش کرتا ہے۔ تو وہ اپنے خاندان کے چراغ کی تلاش میں ہوتا ہے۔ مگر عورت جب بچّہ کی خواہش کرتی ہے۔ تو وہ اپنی حفاظت کا ذریعہ اور اپنی محبت کا پھل اپنی گود میں دیکھنا چاہتی ہے۔ وہ اپنے محافظ اور حبیب کا ہم جنس اور جیتا جاگتا نمونہ اپنے سامنے چلتا پھرتا دیکھنے کی خواہشمند ہوتی ہے۔ یہ صورت حال ہوتے ہوئے اگر سب مرد اور عورتیں جسمانی و دماغی لحاظ سے تندرست ہوتیں تو بقائے نسل کو محبت کی کرشمہ سازیوں اور انفرادی ضرورت پر چھوڑا جاسکتا تھا لیکن افسوس ہے۔ کہ کہیں بیماری، کہیں دماغی کمزوری اور کہیں ذہنی و روحانی تنزل نے جو خواہ ملکی و موسمی اثرات، مقامی حوالیات، علم و تربیت کی کوتاہی یا اور کسی وجہ سے بھی ہو، ہر عورت اور مرد کو اس قابل نہیں رکھا ہے۔ کہ وہ شاہراہِ بقائے نسل انسانی پر بے لگام گامزن ہو جائے۔ بے لگام پیدائش ملکی آبادی کو خوب بڑھا سکتی ہے۔ لیکن آبادیات (Demography) کے ماہرین اور نسلیات پر غور کرنے والے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ بقائے نسل کے لئے صرف افزائش ہی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ بچوں کا موزوں، پُر صحت اور جسمانی و دماغی دونوں لحاظ سے قوی ہونا بھی ضروری ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے شادی پر دو قسم کی پابندیاں عائد کی جاسکتی ہیں۔

بہتری نسل کے لئے اثباتی و منفی طریقے

اثباتی طریقہ تو یہ ہے۔ کہ صرف ان لوگوں کو آپس میں شادی کی اجازت ہو، کہ جن سے ہر صورت میں اچھے ہی بچے پیدا ہوں اور منفی طریقہ یہ ہے۔ کہ جن لوگوں سے موزوں بچے پیدا ہونے کی امید نہ ہو، ان کو یا تو شادی کی اجازت نہ دی جائے اور یا پھر ان کے بچے نہ پیدا ہونے دیئے جائیں۔ سوسائٹی اثباتی طریقہ کو مدت سے آزما رہی ہے۔ لیکن اب تک کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ بلکہ عموماً نقصان ہی ہوتا رہا ہے۔ اور ہماری موجودہ حالت میں تو یہ طریقہ بالکل بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہو چکا ہے۔ منفی طریقہ ایک حد تک کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور ہمارے رسم و رواج اس کے معاون ہو سکتے ہیں۔ لیکن فی الحال تو برعکس ہو رہا ہے۔ ایک ذہین و تندرست مگر غریب یا کم درجہ لڑکی کو اچھا خاوند مشکل سے نصیب ہوتا ہے۔ مگر ایک احمق و مدقوق لیکن مالدار کو اچھی سے اچھی لڑکی جلد مل جاتی ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ سوسائٹی میں منفی طریقہ پر عمل نہیں ہو رہا۔ اور اثباتی طریقہ کا غلط استعمال ہو رہا ہے۔

انسان کی بہتری نسل کے لئے اثباتی طریقہ ناکامیاب ثابت ہوا ہے

یہ رواج کہ برہمن کے لئے برہمنی ہی ہونا چاہیئے یا

سید صاحب کی بیوی سیدانی یا پٹھان کی صرف پٹھانی ہی ہونا لازمی ہے۔ یا شیخ صاحب کو مغلانی سے شادی نہیں کرنا چاہیئے یا کسی مغل کو نومسلم خاتون سے نکاح کرنا درست نہیں یا شریف زادوں کو غریب و کم درجہ عورتوں سے بچنا چاہیئے۔ یا کسی قابل و ہونہار معمولی خاندان کے شخص کو ضرور کسی اعلیٰ خاندان ہی کی لڑکی سے شادی کرنا نسلی بہتری کا باعث ہوتا ہے۔ ابتدائی طریقہ کے ذریعہ نسل کی حفاظت کی غرض سے عام ہوگیا تھا۔ لیکن اس غلط روی نے برہمن کی ہمہ دانی، سید کی سادات، شریفوں کی شرافت کو بڑھانے کے بجائے بوسیدہ و پائمال کر دیا۔ اور اس کوتاہ نظری اور حدود بندی نے برہمن کے بچوں کو جاہل، سید کے بچوں کو کاہل اور شریفوں کے نونہالوں کو رذیلوں سے بدتر بنا کر رکھ دیا۔ شخصی آزادی، شخصی قابلیت، شخصی موزونیت اور شخصی صفات پر اس ذات پات اور نام نہاد شرافت و سیادت نے بندشیں عائد کر کے نسل انسانی کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچایا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اسلامی تعلیم نے نسل انسانی کو اس مصیبت سے نجات دلانے کی کوشش کی۔ اور ایک حد تک ایک وقت تک کامیابی بھی ہوئی لیکن جلد ہی ایسے مسلمان بھی پیدا ہو گئے کہ جنھوں نے مساوات انسانی و اسلامی دونوں کو پس پشت ڈال کر کسی کو شریف کہا اور کسی کو رذیل، کسی کو سید کہا اور کسی کو پٹھان، اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس مصنوعی سیادت و شرافت کو ذات پات کی نقل میں ایسا محدود کر دیا کہ شادی اور بیاہ بھی بجائے پوری قوم میں آزادی کے ساتھ ہونے کے محدود ہو کر رہ گئے ایک سید سیدانی ہی سے شادی کرے گا۔ خواہ وہ سیدانی مدقوق ہی کیوں نہ ہو۔ ایک پٹھانی ایک پٹھان ہی سے شادی کرے گی خواہ وہ پٹھان پیدائشی احمق ہو یا مجرم طبع، یہ تو ہیں ہمارے رسم و رواج کی کارفرمائیاں۔ لیکن نسلیات کے ماہرین اس پر متفق ہیں کہ شادی اور بچوں کی پیدائش کے معاملہ میں یہ تسلیم کر لینا کہ فلاں طبقہ، خاندان، درجہ اور پوزیشن کے مرد کے لئے صرف اسی طبقہ، خاندان، درجہ اور پوزیشن کی عورت موزوں ہوگی۔ اور دوسری کوئی نہیں، بالکل غلط ہے۔ کیونکہ امیر طبقہ میں ہر فرد انسانی لحاظ سے برتر و اعلیٰ ہی نہیں ہوتا۔ اور نہ غریبوں کے خاندان میں ہر شخص ناکارہ و کاہل، اسی طرح شریف کہلانے والے درجہ میں رذیلوں کی کمی نہیں ہوتی۔ اور رذیل سمجھے جانے والے طبقہ میں قابل و ہونہار مفقود نہیں ہوتے۔ تجربہ یہاں تک بتاتا ہے کہ ایک تنزل پذیر قوم میں جس کا انحطاطی دور ختم ہونے کو ہو یا جس میں پھر ترقی کے کچھ آثار نمایاں ہونے لگے ہوں۔ عام پوزیشن کے کم درجہ سمجھے جانے والے محنتی اور غریب لوگوں میں نام نہاد شرفاء اور بزعم خود غلط مہذب اور اعلیٰ خاندان کے دعویداروں سے کہیں زیادہ نسل کو بہتر اور برتر بنانے والے مرد اور عورتیں پائی جاتی ہیں۔ موجودہ تاریخ میں روس کے لوگ اس کی زندہ مثال موجود ہیں۔ لہٰذا شادی کے لئے ایک قوم کا جس قدر وسیع حلقہ ہوگا۔ اسی قدر اس میں موزوں شادی شدہ جوڑے پائے جائیں گے۔ جن سے نسل کی بہتری کی امید ہو سکتی ہے۔ اور اس غرض کے لئے ایک ترقی یافتہ سوسائٹی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اثباتی طریقہ کے غلط استعمال کو چھوڑ کر اپنے ہر طریقہ، ہر درجہ اور ہر طرح کے مرد اور عورت کو آزادی کے ساتھ باہم گر شادی کرنے کو احسن شمار کر کے اس کی اجازت ہی نہ دے۔ بالکل اس کو عام کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے اور اس پر صرف ایک حدبندی جائز رکھے۔ اور وہ منفی طریقہ کا صحیح استعمال ہے۔

انسان کی بہتری نسل کے لئے منفی طریقہ کامیاب ہو سکتا ہے۔

جہاں یہ طے کرنا ممکن نہیں کہ کون مرد کس عورت کے لئے موزوں ہوگا۔ اور بہتری نسل کے لئے کن کن صفات کے مردوں اور عورتوں کو آپس میں شادی کرنا چاہیئے یعنی جہاں نسل کی بہتری کے لئے مخصوص طبقوں اور محدود حلقوں میں شادی کئے جانے کا خیال غلط اور اس ہی مقصد کیلئے شریفوں،

رذیلوں، امیروں، غریبوں وغیرہ کے گروہ قائم کرنے کا نظریہ سائنٹفک لحاظ سے بے بنیاد ہے۔ وہاں یہ امر مسلمہ ہے کہ ہر طبقہ و حلقہ میں تلاش کرکے ایسے لوگوں کا ایک گروہ یا کئی گروہ قائم کئے جاسکتے ہیں جن کے متعلق وثوق کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ نسل کی خرابی کا باعث ہوسکتے ہیں۔ مثلاً پیدائشی احمق، مجرم طبع، کمزور اخلاق، مرگی اور شرمناک بیماریوں کے مریض اور پرانے شرابی وغیرہ یہ سب ایسے افراد ہیں کہ جن کی اولاد سے نسل انسانی کی بہتری کی کوئی امید نہیں ہوسکتی۔ لہذا سوسائٹی کو ایسے انتظام کی ضرورت ہے کہ ایسے لوگوں کو شخصی آزادی و جنسی ضرورت کا لحاظ کرکے ایسے لوگوں کے ساتھ شادی کی اجازت تو ضرور دی جائے لیکن بچے نہ پیدا ہونے دیئے جائیں۔ اس سب کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی سوسائٹی میں یہ بتانا تو بہت مشکل ہے کہ کون سے دو افراد ایک دوسرے سے شادی کرنے کے لئے اس طرح موزوں ہیں۔ کہ ان سے نسل اچھی نکل سکے لیکن یہ آسانی سے طے کیا جاسکتا ہے کہ کون سے افراد قومی نسل کی خرابی کا باعث ہوسکتے ہیں۔ گویا اثباتی طریقہ سے نسل انسانی کو بہتر بنادینا آسان نہیں لیکن منفی طریقہ سے نسل کی بربادی کو روکا جاسکتا ہے۔

بہتری نسل کے لئے اثباتی طریقہ جانوروں میں بہت کامیاب ثابت ہوا ہے

جانوروں کی نسل کو بہتر بنانے کے لئے اثباتی طریقہ بہت کامیابی سے استعمال کیا جارہا ہے۔ خصوصاً گھوڑوں، گایوں، مرغیوں اور کتوں کی نسلوں کو اثباتی طریقوں سے بہتر اور اعلیٰ بنایا جاچکا ہے۔ قدیم عرب اپنے گھوڑوں کی نسل کی بڑی حفاظت کرتے تھے۔ اور آج یورپ اور امریکہ میں بھی پچاس ساٹھ روپیہ کے گھوڑوں کی نسل کو اثباتی طریقوں سے بتدریجاً بڑھاتے بڑھاتے اس قدر اعلیٰ کرلیا گیا ہے کہ گھوڑ دوڑ کے اچھے جانوروں کی قیمت اب فی گھوڑا لاکھوں روپیہ تک ہوگئی ہے۔ اسی طرح جہاں ہمارے ہاں معمولی گائیں دو سیر سے دس پندرہ سیر تک روزانہ دودھ دیتی ہیں۔ یوروپین ممالک کی گائیں بتیس سیر اور من بھر روزانہ تک دودھ دینے لگی ہیں جن میں مکھن بھی ہماری گایوں سے دوگنا ہوتا ہے۔ مرغیوں کو لیجئے تو یہاں مرغیاں دس پندرہ اور زیادہ سے زیادہ اکیس انڈے دے کر "کڑک" ہوجاتی ہیں۔ یعنی انڈے دینا بند کردیتی ہیں۔ اور انڈے بھی چھوٹے جو وزن میں سیر کے اٹھائیس اور تیس چڑھتے ہیں۔ مغربی ممالک میں اثباتی طریقوں سے مرغیوں کی ایسی نسلیں پیدا کرلی گئی ہیں کہ جو سال میں تین سو پینسٹھ انڈے دیتی ہیں۔ جو وزن میں بھی سیر کے بیس پچیس تک ہوتے ہیں۔ کتوں کا تو یہ عالم ہے کہ اثباتی طریقوں کے ذریعہ ان کی ایسی نسلیں بھی پیدا کرلی گئی ہیں۔ جو پولس و سراغرسانی تک کا کام کرتی اور جن کی قیمتیں پانچسو، اور ہزار ہزار روپیہ تک ہوتی ہیں۔

بہتری نسل کا اثباتی طریقہ جانوروں میں کیوں کامیاب ثابت ہوتا ہے

جانور عموماً اپنی فطری حالت پر رہتے ہیں۔ جو تغیر و تفریق ہمیں مختلف ممالک کے ایک ہی قسم کے جانوروں کی جسم کی ساخت اور طریق زندگی اور عادات میں نظر آتے ہیں۔ وہ ان کے مقامی حوالیات کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔ جانوروں میں ذاتی خواہش یا ذہنی و نفسیاتی ضروریات یعنی رجحان ارتقا، انسان کی طرح موجود نہیں۔ اس لئے وہ ایسے بن جانے پر مجبور ہیں کہ جیسا ان کے مقامی حوالیات و حالات ان کو بنادیں۔ یا جیسا انسان اپنی کسی ضرورت کے لئے ان کو بنالینا چاہے۔ گویا جانوروں کے نر و مادہ میں اثباتی طریقوں کے ذریعہ ایسی عالمگیر "صفات" پیدا کی جاسکتی ہیں۔ اور پھر مخصوص صفات نر و مادہ کے جوڑے بناکر ان کے بچوں کو خوراک و تربیت کے ذریعہ ایسا بنایا جاسکتا ہے۔ کہ جو انسان کی خاص ضرورت کے لئے مفید ثابت ہوسکیں۔ ہم جانوروں کو جیسا چاہیں بناسکتے ہیں۔ کیونکہ ہم انہیں مجبور کرسکتے ہیں۔ اور وہ تغیر و تبدل ان کی

صفات میں پیدا کر سکتے ہیں۔ کہ جو خود ان کے قبضہ میں نہیں۔ لیکن انسان جو ذہنی، نفسیاتی، و روحانی صفات کا مالک ہے ایک قسم کا جانور ہوتے ہوئے بھی انسانی صفات کی وجہ سے مختلف واقع ہوا ہے۔ اور جانوروں کی طرح اس کی نسل کی بہتری عام اثباتی طریقوں کے ذریعہ اس کی شخصی و ذہنی آزادی کو قائم رکھتے ہوئے ہرگز نہیں کی جا سکتیں۔

نسل کی بہتری کا اثباتی طریقہ انسانوں میں کیوں ناکامیاب ہوتا ہے

اس سوال کے جواب کے لئے علم معاشرت، علم تمدن، تاریخ اقوام عالم، علم الجنین، علم تشریح و مقابلہ، نفسیات اور اس ہی قبیل کے دوسرے سوشیل سائنس اور دیگر مختلف علوم کے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں مختصر اور سادہ الفاظ میں اس دلچسپ مسئلہ کا جواب پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تاکہ آپ کو نسلیات کے اس پیچیدہ مسئلہ کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ اور آپ اپنے رسم و رواج کو سائنٹفک نظر سے دیکھ سکیں۔

سوسائٹی میں مردانہ و زنانہ صفات کا دائمی تعین بہت مشکل امر ہے

دنیا کے ممالک میں تقسیم اور ممالک کے آب و ہوا وغیرہ کی تفریق نے جنس انسانی کی مختلف اقوام پیدا کر دی ہیں۔ ان اقوام نے اپنے حوالیات و ضروریات کے مطابق بود و باش، رہائش، اور آپس کے تعلقات کو منظم کرنے کے لئے موزوں قوانین بنائے ہیں۔ یعنی ہر قوم کا تمدن و معاشرت جداگانہ ہو گیا ہے۔ اور پھر یہ اقوام بھی ہمیشہ ترقی و تنزل کے چکر میں رہتی ہیں۔ لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنی ابتدائی جنگلی اور وحشیانہ زندگی سے نکل کر ترقی پذیر ہو جاتی ہے۔ تو پھر تنزل ہو جانے پر خواہ وہ کیسی ہی ذلیل و خوار ہو جائے۔ لیکن اپنی جنگلی اور وحشیانہ زندگی کی طرف پھر رجوع نہیں کر سکتیں۔ اس میں ترقی کے کچھ نہ کچھ آثار باقی رہ جاتے ہیں۔ گویا کوئی قوم خواہ وہ ترقی یافتہ ہو یا تنزل پذیر ایسی نہیں ہیں کہ جس کے مرد و عورت کو اُن صفات کی ضرورت ہو کہ جو فطرت نے ابتدائی جنگلی مرد اور عورت کو ان کی ضرورت کے لحاظ سے ودیعت کئے تھے۔ یہ فطری صفات سوسائٹی کی حاجت، زندگی کی ضروریات اور ملکی و مرکزی حوالیات کے زیر اثر تغیر پذیر ہوتی رہیں اور ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے ان صفات کا عام اور دائمی تعین ایسا کہ جو مرد و عورت میں نسل انسانی کی بہتری کے لئے ضروری تسلیم کیا جا سکے۔ تقریباً ناممکن ہے۔ اور اس تعین کے نہ ہوتے ہوئے اثباتی طریقے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ ہماری تعمیر ہی میں ایک ایسی پیچیدگی موجود ہے۔ کہ جو مردانہ و زنانہ صفات کے عام تعین کو ایک لاینحل معمہ بنا دیتی ہے۔

علم الجنین کی رو سے ہر بچہ مردانہ و زنانہ دونوں صفات کا حامل ہوتا ہے

علم الجنین کی تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ جب انسان ایک قطرۂ خون (علقہ) اور لوتھڑے (مضغہ) کی حالت و شکل میں ہوتا ہے۔ تو اس میں تذکیر و تانیث کا امتیاز نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ دونوں صفات والدین سے برابر کی وراثت میں ملتی ہیں۔ جسم کی ساخت جیسے جیسے ترقی پذیر ہوتی ہے۔ "مرضئ حق" جس کا انکشاف عقل انسانی ابھی پوری طرح نہیں کر سکی ہے۔ بعض اجسام میں مردانہ صفات اور بعض میں زنانہ خصوصیات کا پلہ بھاری کر کے مرد اور عورت بنا دیتی ہے۔ اور اس طرح مرد میں مردانہ صفات رونما ہو جاتی ہیں۔ اور زنانہ صفات دب جاتی ہیں۔ اور عورت میں زنانہ صفات ترقی پذیر ہو جاتی، اور مردانہ قوتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ لیکن عموماً یہ دبنے اور ابھرنے کا عمل مکمل نہیں ہوتا۔ اس لئے ایک مکمل مردانہ مرد یا پوری زنانہ عورت شاذ ہی پیدا ہوتی ہے۔

مردوں میں مردانہ مرد اور زنانہ مرد اور عورتوں میں زنانہ عورت اور مردانہ عورت اور انکے درمیانی مدارج کے مرد و عورت پائے جاتے ہیں

اب آپ کو یہ سمجھنے میں آسانی ہو گئی ہوگی۔ کہ درحقیقت مردوں میں مردانہ مرد، زنانہ مرد، اور ان دونوں کے درمیانی مدارج کے مردانہ و زنانہ صفات رکھنے والے مرد ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح عورتوں میں زنانہ عورت، مردانہ عورت اور مختلف درمیانی مدارج کی زنانہ و مردانہ صفات کی مجموعہ عورتیں ہوتی ہیں۔ جہاں مردانہ اور زنانہ عورت اپنی اپنی جنس کے مکمل نمونے ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے لئے آپس میں کشش و جذب کا باعث ہوتے ہیں۔ وہاں زنانہ مرد اور مردانہ عورت بھی اپنے غیر معمولی ہونے کی وجہ سے عام لوگوں اور سوسائٹی میں خاصے مقبول ہو جاتے ہیں۔ درمیانی مدارج کے مرد اور عورت جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ تو جس کے لئے موزوں ہوتا ہے۔ اس کی طرف کھنچ جاتا ہے۔ یہ نہ ہوتا تو ہر عورت اپنے پسندیدہ مرد کو بہترین مرد اور ہر مرد اپنی منتخب عورت کو بہترین عورت نہ کہہ سکتا۔ علم الجنین کی یہ تحقیق جہاں ہماری مشہور ضرب المثل "لیلےٰ را بچشم مجنون باید دید" کی علمی تشریح ہے۔ وہاں یہ بھی بتاتی ہے کہ نسل کی بہتری کے لئے مرد اور عورت میں ایسی خاص فطری صفات کا تعین، جو اثباتی طریقوں کو کام میں لانے کے لئے عالمگیر تسلیم کیا جاسکے تقریباً ناممکن ہے۔

(باقی آئندہ)

(کپتان ڈاکٹر) نصیر الدین احمد

ٹرانس کاکیشیا

فوجی مرکزیت اور اقتصادی و صنعتی افادیت کے لحاظ سے یہ چھوٹا سا ملک بڑے معرکے کا ملک ہے۔ اس کا رقبہ ۸۰۰۰۰ مربع میل اور آبادی ایک کروڑ کے لگ بھگ ہے اسے بحیرۂ کیسپین اور بحر اسود کے درمیان ایک پل کی حیثیت حاصل ہے۔ شمالی حصے میں اس کے کوہ قاف کے فلک بوس سلسلے قدرتی پاسبانوں کی طرح کھڑے پہرہ دے رہے ہیں جنوب میں میلوں تک ہری بھری کھیتیاں لہرا رہی اور میووں سے لدے ہوئے باغات پٹے پڑے ہیں۔ ٹرکی، ایران کی سرحدیں اس سے ملی ہوئی ہیں۔ یہاں تین جمہوریتیں ہیں۔ جارجیا (مسولیو سٹالن کا وطن) آذربائیجان اور آرمینیا۔ آرمینیا میں عیسائیوں اور آذربائیجان میں مسلمان ترکوں کی آبادی بکثرت ہے لیکن یہاں کے باشندے اب تک کاشتکاری کی طرف زیادہ راغب ہیں میوے اور راکھڈ کی کاشت زیادہ ہوتی ہے۔ سائیکوپ، گروزنی اور باکو ان جگہوں پر تیل کے چشمے ہیں۔ اول الذکر میں سب سے کم مقدار میں لیکن دنیا کا بہترین قسم کا تیل نکالا جاتا ہے۔ اور اس پر اب جرمنوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ دوسرا چشمہ گروزنی کا ہے جس کے لئے آج کل لڑائی ہو رہی ہے۔ اس سے ۷۰۰۰۰۰۰ ٹن تیل ایک سال میں نکال لیا جاتا ہے۔ کُل تیل جو ٹرانس کاکیشیا سے سالانہ نکالا جاتا ہے۔ ۳۲ ملین ٹن وزن کا ہوتا ہے۔ ملک کے گوشے گوشے میں تیل صاف کرنے کے کارخانے قائم ہو گئے ہیں۔ اور مرکزی مقامات پر پائپ لائنوں سے تیل پہنچا دیا جاتا ہے کیمیاوی صنعت اور طبی صنعت کو (کیونکہ اس علاقے میں ایسی جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جو دواؤں کے کام آسکیں) یہاں بڑی ترقی دی جا رہی ہے جب سے آبپاشی اور بجلی کی سہولیت بہم پہنچائی گئی ہے۔ یہاں سے کپڑا بننے کے کارخانے قائم ہو گئے ہیں۔ جمہوریت جارجیا میں فولاد کے ذخائر میں دس لاکھ

ٹی وزن کا فولاد ان وفینوں سے ہر سال حاصل کر لیا جاتا ہے۔ سٹالن گراڈ کی دیو پیکر فیکٹریاں اسی فولاد سے چل رہی ہیں۔ یہاں ایک خاص قسم کا پتھر ایسا نکلنے لگا ہے جس سے بیک وقت دو کام کئے جاتے ہیں ایک تو اس پتھر کو پگھلا کر ربڑ بنا لیا جاتا ہے پھر اسی کو پھونک کر سمینٹ بھی بنا لی جاتی ہے اس وجہ سے سمینٹ اور ربڑ کے کارخانے بھی جا بجا قائم کر دیئے گئے ہیں مگر یہ کارخانے ابھی چھوٹے پیمانے پر ہیں۔ کوئلہ اور تانبے کی معدنیات میں البتہ زیادہ کوشش صرف کی گئی ہے اور اس کی پیدائش پہلے سے بہت بڑھ گئی ہے۔ آذر بائیجان اور آرمینیا میں تمباکو کی کاشت اس بڑے پیمانے پر کی گئی ہے کہ یہ تمباکو اگر کامیاب ثابت ہو جائے تو ساری دنیا کی ضروریات پورا کرنے میں بڑا حصہ لے گا ٹرانس کاکیشیا کو ہم ایشیا کا دروازہ کہہ سکتے ہیں

سید ابن حسن شارق دہلوی

تو اگر ہو واپس نہ آتی

میری والدہ محترمہ کا کاربنکل کا خطرناک اپریشن ۲۸ جولائی کو ہوا تھا جیسا کہ عصمتی بہنوں کو بزم عصمت اکتوبر ۱۹۴۲ء سے معلوم ہوا ہوگا والدہ صاحبہ نے بغیر کوئی نشہ سونگھے سوا سیر گوشت کٹوا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا کس زبان سے شکر ادا کروں جس نے اپنے حبیب کے طفیل میں والدہ ماجدہ کو صحت عطا فرمائی۔

تو اگر[1] واپس نہ آتی اپریشن روم سے
حشر کے دن تک دھواں اٹھتا دلِ مغموم سے

وہ تری دلدوز آہیں تیرے نالے دلفگار
تا قیامت خاطرِ محزوں کا بنجاتے غبار

وہ ترا ضبط و تحمل تیرا صبر بے نظیر
قلب کی گہرائیوں میں بنتے پتھر کی لکیر

پست ہو جاتے مرے دل کے نہ کیا کیا حوصلے
ناتواں دل میں مرے آتے نہ کیا کیا زلزلے

وہ سماں جب یاد کرتی ہوں تو اک الجھن سی ہو
نیند جاتی ہے اچٹ ہوتی ہے غائب بھوک بھی

رات تھی کتنی بھیانک الحفیظ و الاماں
ہر شجر پر ہو رہا تھا دیو پیکر کا گماں

تیرگیٔ شب میں ساون کی گھٹا چھائی ہوئی
دل میں اک دریا ہجوم و یاس کا لائی ہوئی

تھی کوئی اچھی گھڑی ساعت کوئی مسعود تھی
حق نے جو آسان کر دی اپنی یہ مشکل ارسی

کس طرح ہو شکر تیرا اے مرے ربِ ودود
تو نے آفت سے بچا کر پھر دیا تازہ وجود

پھر سے اپنے گلشن ہستی پہ آئی ہے بہار
ساز و ساماں شادمانی کا یہ لائی ہے بہار

ہے دعا قیصر کی جیتے جی ترا سایا رہے
جب تلک یہ زندگی ہے اپنی یہ "مایا" رہے

[1] حضرت جوش سے معذرت کے ساتھ

قیصر جہاں (مس ابوالحسن صدیقی بدایونی)

دردِ جاوداں

بہت ستایا ہے اس چرخِ نیلگوں نے مجھے
ہوا زمانے کی اک دن نہ مجھکو راس آئی
کبھی خوشی بھی نہ بھولے سے میرے پاس آئی
جلا کے خاک کیا آتشِ دروں نے مجھے

میرا یہ بخت سدا ہی ستم شعار رہا
کبھی تو غیر نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کبھی پھر اپنوں نے دل میرا توڑ پھوڑ دیا
یہ دل ہمیشہ ہی سینہ میں سوگوار رہا

ہجومِ غم نے رلایا ہے مجھ کو جی بھر کے
امید و بیم میں آنسو بہائے ہیں میں نے
بڑے نصیب پہ گوہر لٹائے ہیں میں نے
ان آنسوؤں نے مٹایا ہے مجھ کو جی بھر کے

قدم قدم پہ میری آرزو کا مدفن ہے
تمام دنیا کے خار اور میرا دامن ہے

نجمہ رحمت اللہ بی۔ اے

شملہ کا جِن

ماہ مئی ۱۹۱۴ء کا ذکر ہے کہ جب پنجاب گورنمنٹ کے ہمراہ ہمارا دفتر موسم گرما گذارنے کے لئے شملہ پر گیا تو چھوٹے شملہ میں رہائشی مکانات کی قلت کی وجہ سے ہمیں حسب منشاء کوئی فراخ مکان کرایہ پر نہ مل سکا۔ بہت تگ و دو کے بعد ایک دوست کی وساطت سے جامع مسجد کی بغل میں دو کمرے ایک مکان کے زیریں حصہ میں کرایہ پر لے کر سکونت اختیار کی گئی۔ وہاں رہتے ہوئے ہمیں ابھی کوئی ڈیڑھ ماہ کا عرصہ ہوا ہوگا کہ ایک روز ہمارے پڑوس میں شیخ سلیمان صاحب کے مکان سے ایسا شور سنائی دیا جس طرح کوئی کسی کو زدو کوب کر رہا ہے۔ اور تمام گھر والے اُسے چھڑانے کے لئے زور زور سے چیخ رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر ایک ہمسایہ سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب کے ایک جوان سال لڑکے کو کوئی عارضہ ہے جس سے مجبور ہو کر وہ جوش میں آ کر گھر والوں کو اسی طرح اکثر مارا کرتا ہے۔ اس کا باپ بچارہ علاج کراتے کراتے عاجز آ گیا ہے۔ مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا کوئی آسیب بتاتا ہے کوئی کسی جن کا دخل بہت سے عامل بھی آ چکے ہیں مگر بے سُود یہ سُن کر ہمارے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کسی روز شیخ صاحب سے خود مل کر یا اُن کو اپنے ہاں مدعو کر کے اِس بارہ میں مفصل کیفیت معلوم کریں۔ اُن دنوں ہم جن یا بھوت۔ آسیب یا پری کے اثرات کے بالکل قائل نہ تھے۔ بلکہ جب کبھی کوئی ایسا واقعہ سُنتے تو لوگوں کی جہالت پر ہنس دینے کے سوا کوئی کام نہ ہوتا مگر جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ اِس چشم دید واقعہ نے ہمیں اس بات کے ماننے پر مجبور کر دیا کہ خبیث ارواح ضرور انسانوں کو ستایا کرتی ہیں اور اُن کے دفعیہ یا بالفاظ دیگر سر سے اُتارنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے عامل بھی پیدا کئے ہیں

(۲) اتوار کا دن تھا کوئی صبح کا وقت ہوگا کہ شیخ صاحب ہمارے ہاں تشریف لائے آپکی عمر کوئی پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔ دراز قامت۔ وجیہ صورت حنائی ریش۔ بڑے خوش مذاق۔ پابند صوم وصلوٰۃ وہاں کی مسجد کے مہتمم اور گورنمنٹ آف انڈیا کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں معقول مشاہرہ پر ملازم تھے۔ ضلع انبالہ کے کسی گاؤں کے رہنے والے اور نہایت ہی خلیق انسان تھے سو لوگ اُنہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ کثیر العیال تھے اور چھوٹے شملہ میں اُن کا اپنا مکان تھا جہاں ہمیشہ موسم گرما میں آ کر رہا کرتے تھے ہمارے استفسار پر آپ نے بتایا کہ ان کا یہ صاحبزادہ جس کی عمر اس وقت ۲۴ سال کی تھی شادی شدہ ہے۔ اس کا نام علیم ہے ۲ بچے ہیں۔ لاہور کے کسی دفتر میں نقشہ نویس تھا۔ وہاں سال بھر اچھا بھلا کام کرتا رہا۔ پھر کچھ بیمار ہو جانے پر ایک ماہ کی رخصت لے کر گھر پر آ گیا پہلے تو اس کی یہ حالت نہ تھی ڈاکٹری علاج ہوتا رہا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ گھر والوں کو مار پیٹ کرنے پر اُتر آیا۔ نہ بیوی کی خبر نہ بچوں کا خیال نہ ماں کی پہچان نہ باپ کا دھیان جو سامنے آ گیا اُسے مارنے دوڑتا۔ ایک دن بیوی پر ہاتھ صاف کیا تو دوسرے دن ماں کی خبر لی جس قدر کھانا سب گھر والوں کے لئے پکتا سارا اکیلا ہی چٹ کر جاتا ہے۔ اور پھر سیر نہیں ہوتا بڑی مشکل سے دھکیل کر اُسے کمرہ میں بند کر دیا جاتا ہے تو پھر ذرا آرام نصیب ہوتا ہے۔ کوئی دس ماہ سے یہی حال ہے سینکڑوں روپے علاج معالجہ پر خرچ کر چکے ہیں بہت عامل بھی آ کر زور لگا گئے ہیں مگر اس پر کوئی عمل اثر نہیں کرتا اور نہ ہوش میں آتا ہے جوان لڑکا ہے۔ مجھے تو خیر جو رنج ہے وہ ہے مگر اس کی ماں بےچاری تو رو رو کر نیم مردہ سی ہو گئی ہے۔ دعا فرماویں۔ اللہ تعالےٰ ہم پر رحم کرے۔

(۳) شیخ صاحب کے جانے کے بعد ہم نے اِس کا ذکر اپنی بیوی سے کیا۔ چونکہ ہمارے خسر صاحب کوئی ۲۵ سال سے کلکتہ میں ہی بود و باش رکھتے تھے اور ہماری بیوی بھی وہاں ہی پل کر جوان ہوئی تھیں اس لئے اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ وہاں کلکتہ کے

پاس ایک مقام انثالی یا اٹالی ہے اس جگہ ہمارے خسر صاحب کے مرشد پیر بہار شاہ صاحب ایک جھونپڑی میں رہتے ہیں وہ بڑے پایہ کے عامل ہیں اگر کسی طرح اُن کو بلا لیا جائے تو امید واثق ہے علیم اپنی اصلی حالت پر آجائے گا دوسرے روز ہم نے جب شیخ صاحب سے شاہ جی کا ذکر کیا تو وہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور جھٹ ۲۵ روپے نکال کر دیئے کہ جس طرح ہو شاہ صاحب کو شملہ پر بلا لیں۔ ہم نے وہ رقم بذریعہ تار شاہ صاحب کی خدمت میں روانہ کر دی اور ساتھ ہی جھوٹ موٹ کا ایک تار بھی دے دیا کہ ہماری بیوی قریب المرگ ہے آپ کو اگر مونھ دیکھنا ہے تو فی الفور تشریف لے آویں۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ شاہ صاحب نے ہماری بیوی کو بیٹی بنا لیا تھا اگر جھوٹ نہ بولا جاتا تو آپ کلکتہ چھوڑ کر کبھی نہ آتے غرضیکہ یہ چال چل گئی۔ اور چوتھے دن ہمیں تار ملا کہ شاہ صاحب شملہ آرہے ہیں اور فلاں دن اور فلاں وقت گاڑی سٹیشن پر پہنچیگی۔ چنانچہ وقت مقررہ پر ہم سٹیشن پر پہنچے اور شاہ صاحب کو رکشا میں بٹھا کر گھر لے آئے شاہ جی کوئی ۴۰ سال سے اوپر ہی ہوں گے آپ کا قد درمیانہ تھا سر اور ڈاڑھی کے تمام بال سفید۔ چہرہ نورانی شانوں پر سفید بالوں کی لمبی لٹیں گیروی رنگ کا لباس ہاتھ میں عصا۔ پاوں میں کلکتہ کی چپل اور ایک چھوٹا سا بقچہ بغل میں جس میں ہمارے بچوں کے لئے کچھ کھلونے تھے۔ جس وقت گھر آکر آپ کو معلوم ہوا کہ ہماری بیوی بالکل تندرست ہے اور ہم نے انہیں جھوٹا تار فقط وہاں بلانے کے لئے دیا تھا تو آپ مسکرا کر خاموش ہو رہے۔ وہ دن جمعہ کا تھا چونکہ آپ لمبے سفر کی وجہ سے تھکے ہوئے تھے اس لئے ہم نے انہیں آرام کرنے دیا۔ دوسرے روز علی الصباح اِن سے اصل مطلب بیان کیا جس پر اُنھوں نے شیخ صاحب کو بلا کر اُن کی زبانی سارا حال خود سُنا اور پھر علیم کو دیکھنے کے لئے اتوار کا دن مقرر کیا۔

(۴) جب ہم شاہ صاحب کے ہمراہ اتوار کو شیخ صاحب کے مکان پر پہنچے تو جس کمرہ میں علیم بند تھا اُسے مقفل پایا۔ شاہ صاحب نے پہلے تو ایک انگیٹھی سُلگتے ہوئے کوئلوں کی منگوائی اس پر لوبان ڈالا پھر دیر تک ایک دھاگے پر کچھ پڑھ پڑھ کر پھونکتے رہے اور گرہیں دیتے رہے۔ اس طرح جب عمل پورا ہو چکا تو آپ نے اس کمرے کو کھول دینے کا حکم دیا جونہی کمرہ کھلا تو علیم باہر نکلا مگر سہما ہوا وہ خوب موٹا تازہ تھا شکل و صورت کا اچھا۔ سر پر ایک میلی سی ٹوپی بدن پر ٹاٹ کا کوٹ آپ لنگوٹ باندھے ہوئے پا برہنہ مونچھیں اور ڈاڑھی بڑھی ہوئی سر کے بال شانوں تک آئے ہوئے آنکھیں سُرخ جن کی طرف دیکھنے سے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ جب اسکی نظر شاہ صاحب پر پڑی تو وہ کانپتا ہوا اُن کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اِس سے کئی ایک سوال کئے وہ خاموش سُنتا رہا اور کچھ نہ بولا جب دیکھا کہ وہ کسی بات کا جواب نہیں دیتا تو شاہ صاحب نے ایک چھری منگوا کر اسے پہلے آگ میں خوب گرم کیا اور پھر اس کا آدھا حصہ زمین میں گاڑ دیا کچھ دیر تک کوئی عمل پڑھتے رہے اور پھر اُس دھاگے کو چھُری پر رکھ کر ایک گرہ تک کاٹ دیا اسی طرح جب چوتھی گرہ کی باری آئی تو علیم ہاتھ جوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا شاہ صاحب بخشئے آپ جیتے اور میں ہارا خدا کی قسم میں کل چلا جاؤں گا۔ اس کم بخت نے لاہور میں موچی دروازہ کے باہر ایک خانقاہ کے قریب جہاں ہمارا مقام تھا پیشاب کر دیا جس کی سزا یہ بھگت رہا ہے ہمیں کیا علم تھا آپ کلکتہ سے یہاں آجائیں گے"

شاہ صاحب "اچھا ہم تجھ پر اعتبار کرتے ہیں۔ اگر تو کل یہاں سے نہ گیا تو یاد رکھنا ہم تجھے جلا دیں گے"

اُس نے دوبارہ چلے جانے کا وعدہ کیا اور اُٹھ کر پھر اپنے کمرہ میں چلا گیا اس طرح کھیل یا عمل ختم ہُوا۔ اور ہم واپس آئے اس تمام واقعہ سے ہمیں بڑی حیرت ہوئی اور دل میں خیال کرنے لگے کہ اگر کل یہ لڑکا اپنی اصلی حالت پر آگیا تو ہمیں اس بات کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہوگا کہ یہ عملیات وغیرہ لغو نہیں۔

(۵) دوسرے روز جب ہم پھر شیخ صاحب کے مکان پر گئے تو شاہ صاحب نے پہلے کچھ پڑھتے ہوئے ایک گول دائرہ

زمین پر بٹھا کر اس میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنائی اور پھر حکم دیا کہ دروازہ کھول دیا جائے۔ اُس وقت علیم جو باہر نکلا تو شاہ صاحب کے پاؤں پر سر رکھ کر رونے لگا آپ نے اُس کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور تسلی دی کہ اٹھو ہوش میں آؤ۔ تمہیں کیا ہوا تھا۔ وہ دیکھو تمہارے ابا جان تشریف رکھتے ہیں اُس نے اپنا سر اُوپر اٹھایا تو اُس کی حالت بدلی ہوئی تھی۔ وہ اپنے ہوش میں تھا سب کو پہچانتا تھا۔ باپ کو سلام کیا اور دریافت کیا کہ مجھے کیا ہوا تھا۔ باپ نے سینے سے لگا لیا۔ گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ شاہ صاحب نے فرمایا شیخ صاحب مبارک ہو۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کے لخت جگر کو بالکل اچھا کر دیا۔ اب اس کو نہلاؤ۔ دُھلاؤ صاف کپڑے پہناؤ اور پچھلے پہر ہمارے پاس بھیج دو جب ہم واپس کلکتہ جائیں گے تو اسے اپنے ہمراہ لے جائیں گے اور کسی دفتر میں ملازم بھی کرا دیں گے۔

(۶) اس واقعہ کی خبر آناً فاناً سارے شملہ میں پھیل گئی اور شاہ صاحب کی زیارت کے لیے لوگ جوق در جوق آنے شروع ہوئے کوئی ۲۰ یوم تک شاہ صاحب نے ہمارے ہاں قیام کیا۔ مگر اس عرصہ میں اُن کی ذات سے خلقِ خدا کو بہت نفع پہنچا آپ اکثر امراض کے لیے تعویذ بھی دیتے تھے۔ جڑی بوٹیوں کا علاج بھی جانتے تھے۔ دمہ کے مرض کی تو آپ کے پاس ایسی دوا تھی جس سے بلا مبالغہ کوئی مریض بغیر شفایاب ہوئے نہ رہتا جتنے سالوں کا دمہ ہوتا اُتنی ہی پڑیاں کھانے کے لئے پان میں دیتے اور خدا رحم کر دیتا علیم ہر روز آپ سے ملنے آتا اور دیر تک بیٹھ کر چلا جاتا۔ آپ اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہتے مگر جب پوچھتے کہ تجھے کیا ہوا تھا وہ کچھ نہ بتا سکتا تھا۔ صرف اتنا کہتا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے میں کسی گہری نیند سے جاگا ہوں۔

(۷) آخر کار وہ دن بھی آ پہنچا جب شاہ صاحب کو ہم سے رخصت ہو کر کلکتہ واپس جانا تھا۔ اُس دن علی الصبح ارشاد ہوا کہ میاں ذرا شیخ صاحب کو ہمارے واپس جانے کی خبر تو کر دو اور یہ بھی پیغام دو کہ ایک تو ہمارا واپس جانے کا کرایہ دیں اور دوسرے لڑکے کے صحت یاب ہونے کی خوشی میں کم از کم ایک صد روپیہ غریبوں میں اللہ کے نام پر خیرات کر دیں۔ کلکتہ پہنچ کر جب ہم تحریر کریں تو وہ لڑکے کو ہمارے پاس اگر مرضی ہو تو بھیج سکتے ہیں جس وقت ہم نے شاہ صاحب کا یہ پیغام جا کر دیا تو ہمارے تعجب اور حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ شیخ صاحب نے دونوں باتوں سے صاف انکار کر دیا اور کہنے لگے آج تک ہمارے سینکڑوں روپے لڑکے کے علاج پر خرچ ہو چکے ہیں۔ اب اور کہاں سے لائیں۔ ایک طرف کا کرایہ تو دے دیا تھا اب آپ خود اپنی گرہ سے شاہ صاحب کو واپسی کا کرایہ دے کر رخصت کر دیں ہمارے پاس تو کچھ نہیں۔ ہم نے ہر چند سمجھایا کہ شاہ صاحب کو ناراض نہ کریں مگر انھوں نے ایک نہ سُنی۔ اور اپنی ضد پر قائم رہے۔ واپس آ کر جب ہم نے شاہ صاحب سے اس کا ذکر کیا تو آپ ہنس کر فرمانے لگے کہوں بیٹا تم تو شیخ صاحب کی تعریف کے پُل باندھتے تھے۔ دیکھا جب اُن کا مطلب نکل گیا تو خدا سے بھی فرنٹ ہو گئے۔ مگر کوئی فکر کی بات نہیں دُنیا داروں کا یہی دستور ہوتا ہے۔ یہ لو ۲۵ روپے اللہ تعالےٰ نے ہمیں اس عرصہ میں لوگوں کی معرفت بہت کچھ بھیج دیا ہے۔ شملہ سے کلکتہ تک کا تھرڈ کلاس کا ایک ٹکٹ لے دو اور باقی کے روپے تم اپنے خرچ میں لاؤ یہ تمہاری خدمت کا صلہ ہے۔ خدا تمہیں رزق دے اور رزق میں برکت القصہ ہم رکشا میں آپ کو سٹیشن پر لے گئے اور تیسرے درجے کے کمرے میں اچھی طرح بٹھا دیا۔ گھر سے بستر اور ایک پانی کے لئے برتن ہمراہ دینا چاہتے تھے مگر آپ نے یہ کہہ کر کہ فقیروں کو کسی شے کی حاجت نہیں انکار کر دیا۔ گاڑی چلنے میں ابھی ۱۰-۵ منٹ باقی تھے۔ آپ کچھ سوچتے ہوئے پلیٹ فارم پر اُتر آئے اور ہمیں ایک طرف لے جا کر فرمایا کہ بیٹا شیخ کم بخت تو فقیروں کو رخصت کرنے بھی نہ آیا چاہئیے تھا جو ہم نے کہا تھا اس پر عمل کرتا۔ اچھا اگر میرے مولا نے چاہا تو تم دیکھو گے

اُس کے لڑکے کی سابقہ حالت پھر عود کر آئے گی۔ مگر ہاں اب کسی کو مارے پیٹے گا نہیں اس کا وبال خود اس کی جان پر ہی رہے گا ہم یہ سُن کر کانپ گئے بہتیرا عرض کیا شاہ صاحب جانے دیں مگر آپ نے ایک نہ سُنی اور گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ ہاتھ میں وہی اپنا عصا تھا اور بس۔

(۸) شاہ صاحب کو رخصت ہوئے کوئی ۵ دن ہوئے ہوں گے کہ ایک روز صبح شیخ صاحب روتے ہوئے ہمارے پاس پہنچے۔ اور لڑکے کا پھر سابقہ حالت پر آجانے کا تذکرہ کیا۔ کہ تمام لباس پھاڑ ڈالا ہے سوا ہی تباہی بک رہا ہے۔ کسی کو پاس بھٹکنے نہیں دیتا۔ خدا کے لئے شاہ صاحب کو خط تحریر کرو ہماری طرف سے معافی مانگو اور جس طرح ہو لڑکے کے لئے کوئی تعویذ ہی منگوا دو اس پر ہم نے اُن کی خسّت یعنی کرایہ نہ دینے اور خیرات نہ کرنے کا ذکر کیا تو وہ بولے کہ ہاں مجھ سے غلطی ہو گئی میرا ارادہ تو تھا جس طرح شاہ صاحب حکم دیتے تھے کروں مگر افسوس مستورات نے مجھے کچھ کرنے نہ دیا۔ خیر ہم نے انہیں شاہ صاحب کا کلکتہ کا پتہ بتا دیا۔ کہ وہ خود انہیں خط تحریر کریں ہم تو اس معاملہ میں اب پڑنا نہیں چاہتے۔ بعد میں سُنا کہ شیخ صاحب کے خطوں کا اُدھر سے کوئی جواب نہیں آیا اور لڑکے کی حالت بدستور ویسی ہی رہی۔

(۹) مذکورہ بالا واقعہ کو ۲۴ سال گذر گئے۔ اتفاقاً ۱۹۳۶ء میں پنشن لینے کے بعد ہم پھر جو شملہ پر سیر کے لئے گئے تو علیم کو (جو اب بوڑھا ہو گیا تھا) اُسی مجنونانہ حالت میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے بازار میں جاتے ہوئے دیکھا۔ دریافت کرنے پر لوگوں سے معلوم ہوا کہ مدت سے اُس کا یہی حال ہے اور وہاں کے لڑکے اُسے شملہ کا جن کہہ کر پکارتے ہیں۔ مگر یہ کسی کو کچھ نہیں کہتا۔ اور سارے دن آوارہ پھرتا رہتا ہے۔ شیخ صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ اُن کے دوسرے لڑکوں سے ملاقات ہوئی۔ جنھوں نے بتایا کہ شیخ مرحوم ان کے بھائی کو لے کر ایک بار کلکتہ بھی گئے تھے مگر شاہ صاحب چونکہ رنگون گئے ہوئے تھے۔ ملاقات نہ ہو سکی۔ اور بے نیل و مرام واپس آ گئے۔ جو الفاظ شاہ صاحب کی زبان سے نکلے تھے۔ پورے ہو کر رہے۔ واقعی ہمارے باپ نے اُن کے کہنے پر عمل نہ کر کے ہمارے بھائی کی زندگی تباہ کر دی اِس سے تو یہی بہتر ہے۔ کہ خدا اُسے اب موت ہی دیدے۔

(۱۰) ۱۹۳۶ء کے بعد ہم پھر شملہ نہیں گئے مگر ہمیں یقین ہے کہ اگر علیم ابھی زندہ ہے تو ضرور اُسی حالت میں ہو گا۔ خبر آئی تھی کہ شاہ صاحب بھی ۱۹۳۰ء میں عالم عقبیٰ کو سدھار گئے۔ شیخ صاحب کے انتقال کا سال دریافت کرنا ہم بھول گئے مگر اب دونوں عالم ارواح میں موجود ہیں۔ کیا عجب کسی وقت ملاقات ہو جائے اور شیخ صاحب ان سے معافی مانگ لیں اور علیم ہوش میں آجائے۔

ابوالاعجاز ازل۔ از لاہور۔

سِوِل میرِج

آخر بڑی طویل بحث کے بعد مس شیلا کے چچا بابو دینا ناتھ نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے فرمایا "مسٹر شرما جب آپ مذہب اور ذات پات کی کوئی قید نہیں لگاتے اور جہیز کا بھی جھگڑا انہیں پسند کرتے ہیں تو یقیناً لڑکی دیکھ کر شادی کرنے میں حق بجانب ہیں لیکن جب میں آپ کو ہر طرح کا اطمینان دلاتا ہوں تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اب اتنی ضد کیوں کرتے ہیں"۔

"بابو جی میری یہی ایک شرط ہے۔ میں بغیر لڑکی دیکھے ہرگز شادی نہ کروں گا۔" "ڈاکٹر صاحب اگر ایسا ہے تو مجھے ان کی یہ شرط منظور ہے۔ لیکن عرض یہ ہے کہ ان کو لڑکی کی بھی ایک شرط ماننی پڑے گی۔" "مجھے اس کی کل شرطیں منظور رہیں گی بشرطیکہ مجھے لڑکی پسند آجائے۔"

منشی دینا ناتھ آزاد منش آدمی تھے۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے والے آخر انھوں نے مس شیلا کو شرما جی کی شرط منظور کر لینے پر راضی کر ہی لیا۔ ڈاکٹر شرما شیلا کے دولت کدہ پر تشریف لائے۔ مس صاحبہ سے باقاعدہ ان کا انٹرویو ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے فوراً اپنا سوٹ کیس منگوا کر سونے کا خوبصورت ہار بطور پیشکش کے شیلا کے سامنے رکھا۔

دینا ناتھ نے پوچھا۔ کہیے صاحب لڑکی پسند ہے؟

شرما جی نے مسکرا کر فرمایا۔ لڑکی تو میں نے فوٹو دیکھتے ہی پسند کر لی تھی صرف یہ اطمینان کرنا رہ گیا تھا کہ یہ فوٹو دراصل انہی کا تھا یا کسی اور کا۔ شیلا نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا تو اب تو آپ کو اطمینان ہو گیا کہ یہ فوٹو میرا ہی ہے "جی ہاں" تو میری بھی ایک شرط آپ کو ماننا پڑے گی۔ "فرمائیے" پہلے وعدہ کر لیجیے کہ وہ شرط ان کو قبول ہوگی۔

"آخر شرط تو سنوں"۔ صرف ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ شادی ہو جانے کے بعد گھر کی مالک میں رہوں گی۔ میں جو کچھ کہوں گی وہ ہوگا" "مجھے ان کی یہ شرط قبول ہے:"

"آپ کو اس بات کا تحریری وعدہ کرنا پڑے گا کہ جس دن میں گھر کی مالک نہ رہوں شادی منقطع سمجھی جائے گی اور ہمیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جانے کا حق رہے گا" "یہ کونسی بڑی بات ہے ہر عورت اپنے گھر کی مالکہ ہوتی ہے" "مالکہ نہیں میں مالک ہونا چاہتی ہوں" "ہاں ہاں آپ مالک رہیے گا۔ ساری باتیں آپ ہی کے حکم سے ہوں گی"

مس شیلا اور مسٹر شرما کو سول میرج ایکٹ کے ذریعہ رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا گیا۔

مسز شیلا کو آئے ابھی مشکل سے آٹھ دن ہوئے تھے کہ انھوں نے ایک دن مسٹر شرما سے فرمایا دیکھیے صاحب کل سے آپ کو اپنی نوکری سے برطرف ہونا پڑے گا۔ مہینے کا ضروری خرچ چلانے کے لئے یہ دو سو روپے ماہوار کافی ہیں کوئی وجہ نہیں کہ آپ ۱۵ روپیہ ماہوار کے لئے دن رات مریضوں سے ماتھا پچی کریں اس کے علاوہ اپریشن کرتے کرتے آپ کے ہاتھ کی کھال بھی سخت اور بھدی ہوتی جا رہی ہے۔ مسٹر شرما نے بہت سمجھایا لیکن جب شادی کی منظور شرط کا حوالہ دیا گیا تو ڈاکٹر صاحب خاموش ہو رہے آخر انہیں سروس سے علیحدہ ہونا ہی پڑا۔ دو چار دن اور گذرے تو مسز شرما نے ارشاد فرمایا۔ دیکھیے شرما جی اب آپ گھر پر رہتے ہیں اس لئے بہتر ہوگا آپ گھر کا کام کاج سنبھال لیجیے۔ خرچ کا باقاعدہ حساب رکھیے اور نوکروں کی باقاعدہ نگرانی کیا کیجیے مجھے اسکول سے آنے میں دیر ہو جایا کرتی ہے میں شام کو جب آؤں ناشتہ وغیرہ کا انتظام ٹھیک رکھا کیجیے۔ مہراج کے بھروسے نہ رہا کیجیے۔ مسٹر شرما کے کان کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے شیلا کی طرف جھینپتے ہوئے دیکھا پھر مسکرا کر فرمایا بہت خوب کل سے آپ کو اس شکایت نہ رہے گی۔

بڑے دن کی تعطیل میں مسز شرما کے ساتھ کی کئی ایک عورتیں

دعوت میں آئیں۔ مسٹر شرما باہر برآمدہ میں بیٹھے سگار پی رہے
تھے شیلا نے آتے ہی کہا ذرا تکلیف کر کے دوسری طرف والے
برآمدہ میں چلے جائیے۔ اسکول سے کچھ عورتیں آگئی ہیں ممکن ہے
وہ آپ کے سامنے آزادی سے نہ بیٹھ سکیں زیادہ اچھا ہوگا
باورچی خانہ کی طرف چلے جائیے ذرا جلدی کیجئے۔ مہراج کے
ہاتھ چائے بھجوا دیجئے۔

اچھی بات ہے۔ کہتے ہوئے مسٹر شرما برآمدہ سے اُٹھ کر
باورچی خانہ کی طرف چلے گئے۔ ایک دن مس صاحبہ تانگہ میں
اسکول سے واپس آرہی تھیں راستہ میں انھوں نے اپنے لئے چند
ساریاں خریدیں اور مسٹر شرما کے لئے دھوتیاں۔ جوں ہی
کچھ دور تانگہ میں چلی تھیں کہ سامنے سے شرما جی ترکاری کا ٹوکرا
نوکر کے سر پر لئے نظر آئے شرما جی کا خیال تھا مس صاحبہ
اپنے تانگہ میں بٹھا لیں گی لیکن چونکہ اُن کے ساتھ ایک دوسری
عورت بیٹھی ہوئی تھی اس لئے انھوں نے شرما جی کو اپنے
تانگے میں بٹھا لینا ٹھیک نہ سمجھا۔ گھر واپس آنے پر مسٹر شرما
شکایت کرنے ہی والے تھے کہ مسز شرما نے منھ بنا کر فرمایا
"دیکھئے آپ بازار نہ جایا کیجئے راستہ میں میرے ساتھ والی طعنہ دے
رہی ہیں کہ اچھا "ہیرا" پالیا ہے" تو اس میں غلط کیا ہے؟

غلط ہو یا صحیح یہ میں نہیں چاہتی کہ اب بازار بازار ٹہل کر
میری سبکی کریں آپ اسی کمپاؤنڈ میں ٹہلا کیجئے۔ آپ کو بازار
وغیرہ جانے کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ گھر پر رہا کیجئے سودا
سلف نوکروں سے منگوا لیا کیجئے۔ مسٹر شرما کو اپنے وعدہ کا خیال
تھا بیچارے کرتے تو کیا کرتے چپ ہو رہے۔ دن بھر گھر پر پڑے
رہتے کبھی کبھی کمپاؤنڈ میں نکل کر ٹہل لیتے۔ یار دوستوں کے طعنے
سنتے سنتے ان کے کان پک گئے تھے اس لئے باہر جانا انھوں نے
بالکل بند کر دیا۔ اکثر جی گھبرایا کرتا مگر مجبوری تھی۔ آخر انھوں نے
سوچا ناول اور قصوں کی کتابیں پڑھ کر وقت کاٹا کریں چنانچہ
ایک دن بیلزک کا لکھا ہوا فرانسیسی قصہ پڑھ رہے تھے مسز
شرما نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا آپ کو پڑھنا ہی ہے تو دھرم کی
کتابیں پڑھا کیجیے۔ گیتا۔ رامائن۔ مہابھارت یا ایسی ہی اور کوئی
کتاب۔ ناول وغیرہ اخلاق کے لئے بہت مضر ہوتے ہیں۔
اور چونکہ ناول کلب لائبریری میں زیادہ تر قصے اور کہانیاں ہی
ہیں اس لئے میری رائے میں آپ کا ممبر رہنا ٹھیک نہیں ہے میں
آپ کو اسکول سے عمدہ اخلاقی ناول لا دیا کروں گی۔ آپ کو
پڑھنے کا شوق ہے تو عمدہ چیزیں پڑھئے۔ مسز شیلا ایک ہی سانس
میں جانے کیا کیا کہہ گئی۔ اور مسٹر شرما آنکھوں میں آنسو بھرے
ہوئے شیلا کا منھ دیکھتے رہے آخر جب شیلا نے ڈاکٹر صاحب کو
بہت آزردہ خاطر دیکھا تو ان کا دل رکھنے کے لئے بولیں۔ آپ تو
ذرا سی بات میں برا مان جاتے ہیں میں آپ ہی کے فائدہ کی
بات کہہ رہی ہوں پھر اس میں ہماری ریسپیکٹ کا سوال ہے ہمارے
ساتھ کی عورتیں ہم پر Bad taste بدمذاقی کا الزام
لگائیں گی اچھا ہٹائیے کتاب وتاب آپ کی طبیعت گھبرا رہی ہے
چلئے آج سینما دیکھ آئیں۔ ڈاکٹر مدھور کا چل رہا ہے ڈاکٹر صاحب
نے ایک خشک ہنسی کے بعد کہا جیسی مرضی آپ کی۔ مگر آپ نے پہلے
نہیں بتایا آج تو ابھی کھانے میں دیر ہے۔ خیر کوئی بات نہیں ہے
واپس آکر کھائیں گے۔ آپ جلدی سے منھ ہاتھ دھو لیں۔ اور
تیار ہو جائیں میں بھی تیار ہو رہا ہوں۔

مسز شرما نے بڑی سوچ بچار کے بعد سرخ رنگ کی سنہری بارڈر والی
ساری نکالی۔ پھر اسے معاً خیال آیا۔ اس ساری پر ڈاکٹر صاحب
دل وجان سے فریفتہ ہیں کہیں ایسا نہ ہو ان کو یہ خیال آجائے
کہ شیلا نے انہیں خوش کرنے کے لئے یہ ساری نکالی ہے۔ فوراً
اس ساری کو الگ کر دیا اور ایک مجنٹی رنگ کی ساری زیب تن کی
ابھی وہ اچھی طرح تیار بھی نہ ہو سکی تھیں کہ مسٹر شرما اپنے چارخانے والے
سوٹ میں ملبوس سامنے کھڑے دکھائی پڑے مسز شرما نے اپنی
ساری میں پن لگاتے ہوئے کہا مسٹر شرما آج تو آپ ایشور کے لئے
یہ بھیانک سوٹ نہ پہنئے میں آپ سے کئی بار کہہ چکی ہوں کہ
یہ سوٹ آپ کو اچھا نہیں لگتا۔ آپ جوڑے کالر والی شیروانی
میں اچھے لگتے ہیں لیکن آپ کو ہر وقت سوٹ میں کسے رہنا

جانے کیسے اچھا لگتا ہے آج تو آپ کو شیروانی میں چلنا
پڑے گا۔ کوئی اپریشن تو کرنا نہیں ہے نہ کسی مریض کو
دیکھنا ہے" مسٹر شرما چپ ہو گئے اور اکڑے ہوئے
لہجہ میں بولے ابھی اب جو میں نے پہن لیا پہن لیا۔ ویسے ہی دیر
ہو رہی ہے مجھے سنیما دیکھنے جانا ہے اپنے کو دکھانا تھوڑے
ہی ہے۔ مسز شرما نے ماتھے پر بندی لگاتے ہوئے کہا
"آپ تو ہمیشہ اپنی والی کیا کرتے ہیں۔ میرے ساتھ
چلئے گا میرے پسند کی چیز پہنئے"

ناچار مسٹر شرما کو اپنے مالک کی پسند کے مطابق شیروانی
پہننی پڑی۔ تانگہ تھوڑی دور چل کر رکنے لگا تو شرما نے پوچھا
کیا بات ہے؟

"مس حفسا مہتا بھی چلیں گی۔ وہ دیکھئے آگئیں اب ذرا آگے والی
سیٹ پر چلے جائیے" ڈاکٹر شرما اتر پڑے آپ کے جی میں آیا سر کے
درد کا بہانہ کرکے گھر لوٹ جائیں لیکن جب تک وہ کچھ فیصلہ کریں
مس حفسا تانگہ تک پہونچ گئیں۔ مسز شرما نے ڈاکٹر صاحب کو
انٹروڈیوس کرتے ہوئے فرمایا آپ ہی ڈاکٹر شرما ہیں ہمارے
محترم شوہر اور آپ ہماری پرنسپل صاحبہ ہیں۔ مس حفسا
نے اس مختصر گفتگو کے جواب میں دھیرے سے کہا۔ آئی سی ہو ہو
گلیڈ ٹو سی یو! اچھا آپ ہی ہیں مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی
ہوئی۔ ڈاکٹر شرما سے جلدی میں کچھ نہ بن پڑا صرف "تھینک یو"
شکریہ کہہ کر رہ گئے۔ ہاں مسٹر شرما کو یہ معلوم ہو گیا کہ انھیں
مسز شرما نے آگے کیوں دھکیل دیا تھا بیچاری مجبور تھیں نہ
بڑی چیز ہوتی ہے۔

سینما ہال میں ڈاکٹر شرما کا برا حال تھا بیچارے عورتوں میں
بیٹھ نہیں سکتے تھے مردوں کے پاس بیٹھنے میں شرم آتی تھی۔
کہیں لوگ ان پر پھبتیاں نہ کسنے لگیں۔

وہ گھنٹے جس طرح سے گذرے وہی جانتے تھے۔ کسی طرح گرتے
پڑتے گھر پہونچے۔ واپسی میں انہیں رات اکیلے ہی آنا پڑا کیونکہ
رات کو مسز شرما اپنے پرنسپل کی مہمان رہیں۔ واپس آکر
انھوں نے اپنی قابل رحم حالت پر بیٹھ کر خوب خوب آنسو بہائے
کیا عجیب زندگی تھی۔ آخر انھوں نے یہی فیصلہ کیا کہ سوائے
علیحدگی کے اب اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ مگر کسی خاص وجہ کے بغیر
علیحدگی آسان نہ تھی۔ اسی ادھیڑ بن میں رات کو انھوں نے
کھانا بھی نہ کھایا۔ صبح ہوتے ہوتے وہ بخار، زکام اور کھانسی کے
مریض بن گئے۔ اب مصیبت یہ تھی مسز شرما ڈاکٹری علاج کو
صحت کے لئے سخت مضر سمجھتی تھیں اور ڈاکٹر شرما یونانی علاج
کو بالکل لغو سمجھتے تھے۔ دیر تک اس پر بحث رہی۔ لیکن چونکہ
گھر کے مالک کی رائے سے کام ہوتا تھا اس لئے ڈاکٹر شرما کو اپنی
مرضی کے خلاف جوشاندہ پینا پڑا۔ حکیم جی نے چائے اور سگار
بھی قطعی منع کر دیا۔ مسٹر شرما کی زندگی کی یہ دونوں خاص چیزیں
تھیں لیکن مسز شرما کی حکومت تھی حکیم جی کے خلاف کوئی بات
ہونی ناممکن تھی۔ دو تین دن یوں ہی گذر گئے۔ تیسرے دن جو
جوشاندہ کا پیالہ ان کے سامنے آیا تو شرما جی نے مسز شرما کو یاد کر کر
دریافت فرمایا "آخر مجھے یہ گندہ پانی کب تک پینا پڑے گا" "جب تک
آپ اچھے نہیں ہو جائیں۔ حکیم جی نے کہا ہے ایک ہفتہ میں طبیعت
ٹھیک ہو جائے گی آپ گھبراتے کیوں ہیں آپ کیا چاہتے ہیں زکام میں
آپ کو لسی دی جائے؟" آخر چائے کیوں بند کر دی گئی آپ ڈاکٹر ہو کر اتنا بھی
نہیں سمجھتے چائے زکام میں مضر پڑے گی" "غضب خدا کا ۳۰ سال کی عادت
پرہیز کے بعد میں پیشن رہ جاؤں ان حکیموں سے خدا سمجھے۔

"آپ زیادہ نہ بولئے۔ اس سے آپ کا سر کا درد بڑھ جائے گا"
"میں باز آیا آپ کی حکومت سے بہتر ہو گا آپ مجھے اس منحوس قید سے
رہا کر دیں۔" "یعنی؟" "یعنی Divorce سے یا طلاق"

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں بھلا بتائیے تو یہ بھی کوئی بات ہوئی
marriage شادی کے تعلقات ختم کرنے کی لوگ سنیں گے
تو کیا کہیں گے کہ چائے اور سگار پر پابندی ہو جانے سے مسٹر شرما نے
اپنی بیوی چھوڑ دی۔ میں ایسا ہرگز نہ ہونے دوں گی" مسٹر شرما خاموش
لیٹے ہوئے تھے مسز شرما نے دیکھا ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے
تھے۔ سرہانے بیٹھ کر ان کا سر سہلاتے ہوئے بولیں۔ اچھا دل ہم

بچے کے بگڑنے کی وجہ

اکثر لوگ یہ کہتے سُنے جاتے ہیں۔ "بچے سے تنگ آ گئے ہیں۔ بچہ اس حد تک بگڑ چکا ہے۔ کہ لاکھ کوشش کرنے پر بھی سدھر نہیں سکتا۔ کوئی پیش نہیں چل سکتی" وغیرہ وغیرہ۔۔۔

مگر بچے کے بگڑنے کی وجہ بھی تو کوئی ضرور ہوتی ہے۔ گو والدین اس کو اہمیت نہ دیتے ہوں۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ بچہ اپنے والدین کا عکس ہوتا ہے۔ ہماری ہر نئی پود اپنے آباؤ اجداد کے خیالات اور تاثرات کی صدا بازگشت ہے کراتی ہے۔ فطرتی طور پر یا ظاہری طور پر۔ خواہ اس کی وجہ کچھ ہی ہو۔ مگر بچہ اس حد تک لاعلاج نہیں ہو سکتا۔ کہ کسی صورت سدھر نہ سکے۔ یہ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ بہت ہی بگڑے ہوئے شریر بچے۔ صحیح تربیت و تعلیم سے نیک اور شریف بن سکتے ہیں اگر کوئی بچہ جھوٹ بولتا ہے۔ چوری کرتا ہے۔ لڑتا جھگڑتا ہے ضد کرتا ہے کہنا نہیں مانتا۔ تو اس کا کیا قصور اس کو ایسا بنایا گیا ہے۔ بچوں کی تربیت والدین کے اختیار میں ہے۔ اور بچوں کا علاج بھی وہی کر سکتے ہیں۔ بچے والدین کے سائے تلے ہر قسم کی ترقی کر سکتے ہیں۔ حسبِ منشا اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت دیکر کوئی والدین بچے کی بے جا شکایت نہیں کرے گا۔ بچے کی دیکھ بھال اگر مناسب طریقہ پر ہو تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ بچہ اس قدر خراب واقع ہو۔ قدرتی نشو و نما میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔

اگر ان کی ضرورتیں وقت پر پوری ہوتی رہیں۔ مکمل طور پر کھیلنے سونے اور ہنسنے، رونے دیا جائے۔ اپنی مرضی اور خوشی کے لئے تنگ نہ کیا جائے۔ اور ان کی جائز خواہشات کا خیال رکھا جائے ان کے ساتھ انصاف اور رواداری کا برتاؤ کیا جائے۔ بچوں کو آزادانہ طور پر پڑھنے اور کھیلنے پھولنے دیا جائے۔ تو کوئی وجہ بچے کے بگڑنے کی نہیں ہو سکتی۔ والدین ہی ان سب باتوں کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں بچوں کے ساتھ والد کا غیر ضروری لاڈ و پیار اور بے موقع مار پیٹ

خدمت سے عظمت

کسی رسالے میں مندرجہ بالا عنوان پر ایک مضمون چھپا تھا اس میں شک نہیں کہ خدمت سے عظمت حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن مثل مشہور ہے کہ تالی دونوں ہاتھوں بجتی ہے۔ اسی طرح خدمت بھی جبھی کی جا سکتی ہے کہ اس کا صلہ ملے یا ملنے کی امید ہو ایسے لوگ بہت کم ہیں جو آنکھیں بند کئے اور کانوں میں انگلیاں دیئے صرف خدمت ہی کئے جائیں اور نہ تو اولاد بھی والدین کی خدمت اس وقت ہی دل سے کرتی ہے جب وہ اسے اچھا سمجھیں۔ صاحب مضمون لکھتے ہیں کہ ایسی بیویاں تو بہت ہوں گی جو بظاہر میاں کی خدمت کرتی دکھائی دیں گی لیکن ایسی بہت کم جو سچے دل سے اس کو بجا لاتی ہیں بہرحال کہ خدمت سچے دل سے ہو محبت سے ہوتی ہے۔ آپس میں جب تک محبت نہ ہو خدمت دل سے نہیں ہو سکتی۔ محبت ہمارے یہاں میاں بیوی میں بہت کمیاب ہے۔ بیوی سمجھتی ہے کہ میں اپنا فرض ادا کر رہی ہوں اور میاں کا خیال کرتے ہیں کہ میں بیوی کو پال رہا ہوں یہی کیا کم احسان ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جب ہی فرض ہوگا کہ وہ دل سے ادا کیا جائے۔ ایسے فرض بیگار ٹالنے کے مساوی سے کم نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ محبت ایک طرفہ نہیں ہو سکتی جب مرد کو اپنی بیوی کے متعلق کسی قسم کا احساس نہ ہو وہ اسے صرف کام کاج کرنے والی ایک ہستی تصور کرتا ہو بات بات پر یہ احسان جتانا چاہتا ہو کہ میرے بغیر تم کو ایک سوکھا ٹکڑا بھی میسر نہیں ہو سکتا تو بیوی خواہ کیسی ہی نیک اور تابعدار ہو کس طرح اپنی محبت کو شوہر سے وابستہ رکھ سکتی ہے؟ وہ محبت ہی کیا جب قدم قدم پر میاں کی نکتہ چینیاں خوفناک طریقے پر رستہ روکے کھڑی ہوں وہ محبت ہی کیا جبکہ کان کے پردے ان کی طعن آمیز باتوں سے پھٹ رہے ہوں یہ چاہنا کہ اُٹھتے بیٹھتے لعن طعن کی بوچھاڑ ہو ہر وقت برائی کے پہلو کی تلاش ہو اور پھر بھی خدمت میں کمی نہ ہو کس قدر خود غرضی ہے۔ خدمت ہو سکتی ہے لیکن سچے دل سے محبت سے یہ تو کوئی بہرا اور

خط!

فضلو کی جھونپڑی میں پوسٹ مین آیا۔اس نے فضلو کو خط دیا تو بڑی دیر تک وہ خط کو گھورتا رہا!۔اس کے گاؤں میں ہفتہ میں دو مرتبہ پوسٹ مین آیا کرتا تھا۔مگر اب تک اس کے پاس کبھی کوئی خط نہیں آیا تھا اور نہ اس نے کبھی خط لکھا تھا۔لکھتا کیونکر؟ پڑھنا لکھنا جانتا نہ تھا! خط و کتابت سے اسے کوئی سروکار ہی نہ تھا! یہی وجہ تھی کہ آج غیر متوقع طور پر آئے ہوئے خط کو دیکھ کر اسے بہت اچنبھا ہوا۔اس گاؤں میں کسی کے پاس آئے ہوئے دو تین خط اس نے دیکھے ضرور تھے مگر وہ کچھ اچھے نہ تھے۔ایک میں کسی مرنے والی کی خبر تھی، دوسرے میں اس کے گھر پر کسی نے قبضہ کر لیا تھا تو تیسرے میں کسی کی زمین کو نیلام کرانے کا اشتہار تھا! ان واقعات کی یاد کے ساتھ ہی اس کو اپنے خط سے بھی وحشت ہونے لگی!۔

خط کو دیکھ کر وہ اس کے مضمون کا اندازہ نہ کر سکا۔نہ اس نے کسی ساہوکار سے قرض لیا تھا اور نہ کسی دوسرے گاؤں میں اس کے عزیز و اقارب تھے! البتہ آٹھ دن پہلے اس کی بیوی میکے گئی تھی اور اس کے پاس سے خط آنے کی اسے قطعی امید نہ تھی۔

کم از کم پڑھوا تو لینا چاہیئے۔کہہ کر اس نے اپنی میلی قمیص کی جیب میں خط ڈالا۔پگڑی لپیٹی اور مدرسہ گیا۔جیب سے خط نکال کر ماسٹر کے ہاتھ میں دیا اور سننے کے لئے ہمہ تن گوش بن گیا۔

جب ماسٹر نے کہا۔تیری بیوی کے پاس سے خط آیا ہے۔ تو وہ کسی قدر شرما گیا۔اس کا خوف مسرت میں تبدیل ہوا مگر خط کے مضمون نے اس کی ساری مسرت کو رنج سے بدل دیا اس پر حسرت و یاس کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔اس نے خاموشی سے خط واپس لے لیا اور ماسٹر سے مزید استفسار کئے بغیر واپس ہو گیا

اس کے قدم بھاری ہو گئے تھے اور وہ اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بدنصیب انسان سمجھ رہا تھا۔بہ ہزار دقت وہ جھونپڑی تک پہنچا۔جھونپڑی کی ٹٹی کھول کر سامنے پڑے ہوئے کمبل پر بیٹھ گیا اس نے جیب سے خط نکالا اور اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔وہ تحریر نہیں پڑھ سکتا تھا مگر اس کا مفہوم اس کے کانوں میں گونج رہا تھا وہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔خط میں اس کے خسر نے لکھا تھا

”جمرت کو لاتے وقت میں نے تم سے کہا تھا کہ پندرہ دن بعد میں اسے تمہارے پاس پہنچا دوں گا۔مگر اب مجھے مطلق فرصت نہیں ہے۔بہتر یہ ہے کہ تم خود آ کر اسے لے جاؤ۔لیکن آتے ہوئے شادی کے وقت کا بقایا مبلغ پچاس روپے ضرور لیتے آنا۔اس کے بغیر میں جمرت کو بھیجنے کے لئے تیار نہیں ہوں“

جمرت اس کے دل کی ملکہ تھی۔اس کے لئے وہ پچاس روپے تو کیا بلکہ ساری دنیا کی رنگینیاں اور خود اپنی جان بھی نثار کرنے کو تیار تھا لیکن آج اس کے پاس پچاس کوڑیاں بھی نہ تھیں۔

خون پسینہ ایک کر کے کمائے ہوئے ساڑھے چار سو روپے اس نے شادی کے وقت خسر کی گود میں ڈال دئے تھے۔صرف پچاس روپے کم تھے۔بعد میں خسر کے اس طرزِ مطالبہ پر سے بہت رنج ہوا۔!

اسے یقین تھا کہ پیسوں کے معاملہ میں اس کا خسر بہت سخت آدمی ہے۔اس سلسلہ میں جمرت کو دو چار کیا بلکہ دس برس بھی روک لے گا! مجھے پیسے نہ ملیں اور اس نے ایسا ہی کیا تو...؟ کشتی کے منجدھار میں پہنچ کر پتوار کے ٹوٹ جانے سے جو کیفیت ہوتی ہے وہی اپنے سنسار کی بھی ہوگی۔اس خیال کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں

آنسو ڈبڈبا آئے۔

شادی کے بعد مئی کی تپتی دھوپ میں دن بھر کھیت میں کام کرنے کے بعد جب تھکن سے چور ہوکر واپس آتا تو حمرت کی معیت میں اسے اپنی جھونپڑی محلوں اور حویلیوں سے بدرجہا بہتر معلوم ہوتی۔ مگر اس کے میکے جانے کے بعد وہ بڑی بے چینی محسوس کر رہا تھا اور اب اس نے اس پندرہ دن میں خوب محنت کرکے اس کے لئے اچھی نئی ساڑی خریدنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

لیکن اب نئی ساڑی کا خیال شیخ چلی کا ”ہوائی قلعہ“ بن کر رہ گیا۔ پچاس روپے جمع کرنے کا مشکل سوال درپیش تھا۔ اس نے پگڑی اتار کے رکھ دی۔ کچھ کچی اور کچھ پکی روٹی رکابی میں لی اور سالن نہ ہونے کی وجہ سے پسی ہوئی مرچ میں تیل ملا کر کھانے کے ارادہ سے تیل کی شیشی کو دیکھا۔ اس میں ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ ناچار اس نے مرچ میں پانی ملایا اور روٹی کھانی شروع کی۔ اگر یہی چٹنی روٹی حمرت کے ہاتھ کی ہوتی تو وہ امرت سے بھی شیریں ہوتی۔ مگر آج تو نوالہ حلق سے نیچے اترتا نہ تھا۔ اس نے روٹی جوں کی توں باندھ کر خوب پیٹ بھر پانی پی لیا اور کام پر جانے کے لئے جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔

پندرہ دن بیت گئے۔ یہ پندرہ دن اس کے لئے پندرہ صدیوں سے کم نہ تھے۔ روٹی پکاتا تو وہ جلتا ہی نہ تھا۔ روٹی کہیں جل جاتی تو کہیں کچی رہ جاتی! سالن میں کبھی نمک زیادہ ہوتا تو کبھی مرچ!۔

دن بھر محنت کرکے شام کو جھونپڑی سے وحشت ہونے لگتی چراغ جلاتا تو صبح کی جھوٹی رکابی، چولھے میں راکھ اور سارے گھر میں کوڑا کرکٹ دکھائی دیتا۔ معاً اسے حمرت کی یاد آتی!۔

حمرت کے لانے کے لئے وہ مزدوری کا ایک ایک پیسہ باندھ کر رکھنے لگا۔ تیل اور نمک کھانا بند کر دیا تھا۔ اس کے باوجود اس کے پاس روزانہ چار آنے سے زیادہ نہ بچتے تھے۔

ایک دن اسے اپنی بچت دیکھنے کا خیال آیا۔ اس نے ہنڈیا میں سے کپڑا نکال کر پوٹلی کھولی اور پیسے گنے۔ صرف سوا سات روپے! یہ دیکھ کر اسے اپنی امیدیں پسپا ہوتی معلوم ہوئیں اور اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے بڑی مشکل سے اس نے پیسے کپڑے باندھ کر ہنڈیا میں رکھ دیئے۔

دوسرے دن۔ مزید کچھ پیسے رکھنے کی خاطر اس نے ہنڈیا نکالی۔ لیکن یہ کیا؟ اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہنڈیا میں ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ اس نے اپنے گھر کی ساری ہنڈیاں دیکھ ڈالیں۔ حمرت کے رکھے ہوئے سارے اناج کو زمین پر بکھیر دیا۔ مگر ایک پیسہ بھی نہ ملا!۔

اس نے خیال کیا کسی نے پتہ رکھ کر پیسے اڑا دیئے۔ اب اس کی دلی حالت کا پتہ لگانا ہی مشکل تھا۔ وہ اپنی زندگی کی تباہی اور شکستہ حالیوں کے تصور سے حد درجہ ملول ومغموم تھا۔ فرط غم سے وہ کہنے لگا۔ حمرت کیا تیرے باپ کا خط ہمارے عہد نامہ پر خط تنسیخ کھینچ دے گا۔ میں کیا کرنا چاہتا تھا اور کیا ہو گیا۔

اگلے دو دن وہ کام پر نہیں گیا۔ اور روٹی پکا کر کھانے کو بھی اس کا جی نہ چاہا۔ لیکن پیٹ کی آگ کیونکر کم ہوتی! اس دن دوزخ شکم نے ”ہل من مزید“ کا نعرہ بلند کیا اور فضلو بیتاب ہوکر چولھے پر توا رکھ کر آٹا ملنے لگا۔ جوں توں اس نے ایک روٹی پکائی اور دوسری کے لئے آٹا مل ہی رہا تھا کہ حمرت کی آواز سنائی دی ”کیا کر رہے ہو۔؟“

اس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رک گیا اس نے سامنے دیکھا۔ نئی ساری میں ملبوس اس کی حمرت کھڑی تھی۔ وہ اٹھا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ فرط حیرت سے اس کے منہ سے صرف ایک لفظ نکلا ”حمرت!“

فضلو کا ایک لفظ کیا تھا گویا اس کے سارے جذبات کا

ترجمان۔ واقعی تو جمرت ہے یا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟ اگر تو جمرت ہے تو تیرے باپ نے تجھے کیسے بھیج دیا؟ تو کب آئی؟ کس طرح آئی؟ کس کے ساتھ آئی؟"

جمرت نے اسے کوئی جواب دیئے بغیر اس کے گندھے میلے آٹے کی طرف اشارہ کرکے کہا "پہلے اپنا کام کرلو!"

اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا "کام کرنے والی آگئی ہے! مجھے کیا حق ہے!"

"اتنے دنوں کیونکر کیا؟"

"تیرے لئے! تاکہ تجھے باپ کے گھر جانے کا موقع ملے"

"اچھا۔ اچھا"

جمرت نے اپنی گود سے گٹھڑی نیچے رکھ دی اور ہاتھ پاؤں دھو کر چولھے کے پاس بیٹھ گئی۔ فضلو نے اس کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے پوچھا "ارے مگر تو آئی کیسے؟"

"آئی کب؟ مجھے تو کھینچ لیا"

"کس نے؟"

"تمہارے پریم نے!" جمرت نے شرماتے ہوئے کہا اور دونوں ہنسنے لگے۔

روٹی پکاتے ہوئے جمرت کہنے لگی "جب باپ نے تمہیں پچاس روپے کے لئے خط لکھا تو میں بے چین ہوگئی تمہاری حیثیت مجھے معلوم تھی؟ مگر کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔ لیکن ایسے موقع پر میں آنسو بہانے والی بھی نہ تھی؟ ہمارے پڑوسی رمضانی کی گاڑی حدگاؤں کے بازار کو آنے والی تھی میں نے ان سے سب کچھ کہہ دیا۔ شوہر کے گھر جانے والی عورت کو بھلا کون روک سکتا ہے؟ انھوں نے مجھے ساتھ لے چلنے کا وعدہ کیا۔ تڑکے ہی گاڑی نکلنے والی تھی میں بھی باؤلی تک جانے کا بہانہ کرکے گھر سے نکل گئی۔ اور گاڑی میں بیٹھ کر بازار آئی۔ اور حدگاؤں سے یہاں چلی آئی"

"وہاں سے اکیلی ہی آئی؟" فضلو نے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا "ہاں! شوہر کو چاہنے والی کے لئے کسی ساتھی کی ضرورت نہیں۔ اس کا سچا ساتھی کبھی اس سے جدا ہوتا ہی نہیں!"

"کون سچا ساتھی؟"

"شوہر کا پریم!۔ مگر کل تم ایک خط لکھ بھیجو کہ میں صحیح سلامت پہنچ گئی"

"ارے ایک نہیں چار خط بھیجوں گا اور ہر خط میں لکھوں گا۔ جمرت پہنچ گئی۔ جمرت پہنچ گئی نا؟"

روٹی پکنے کے بعد جمرت نے تھوڑا سا سالن پکایا اور فضلو نے اپنے دو دن کے روزے کا افطار کرتے ہوئے اس قدر کھایا کہ ساری روٹیاں اور سالن اکیلے نے ہی ختم کر دیا۔

محمد عبدالقادر فاروقی

بقیہ مضمون صفحہ ۳۰۷ کا۔

موقعہ بے موقعہ اپنی زبان کو توڑ مروڑ کر یہ ثقیل الفاظ ادا کرنے کے بجائے جہاں تک ممکن ہوتا ہے "ذرا" ہی سے کام لیتی ہوں۔ اگرچہ کسی اجنبی خاتون کو اس طرح مخاطب کرنا بے ضرورت بہت زیادہ بے تکلفی کا اظہار کرنا ہے اور اس کے ساتھ آپ کو صورت سے بھی تھوڑا سا "ذرہ بے" یعنی خوردی و انکساری ظاہر کرنا پڑتی ہے بالآخر "مہربانی کرکے" کہتے وقت آپ اپنا چہرہ اسی طرح خشک بنائے رکھ سکتی ہیں۔ لیکن تجربہ کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ جلسوں ہندوستانی محفلوں۔ ٹریم کاروں۔ ریلوے اسٹیشنوں اور ریل گاڑی کے ڈبوں میں اجنبی لوگوں سے "ذرا" سے بعض دفعہ "مہربانی کرکے" کہنے سے بھی زیادہ خاطر خواہ نتیجہ نکل آتا ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی زبان کے اس چھوٹے سے پیارے لفظ کو ترک کرکے جو ہر کس و ناکس کے ساتھ ہر موقعہ پر استعمال ہو سکتا ہے ایک ثقیل سا جملہ کیوں استعمال کریں جس کی بار بار کی تکرار زبان پر بہت زیادہ گراں گزرتی ہے

عفت کرمانیہ بی۔ اے

چین کی عورتیں

یوں تو ہر قوم کی عورتوں نے ملک کی مصیبت کے وقت مردوں کے شانہ بشانہ بہادری کے کارنامے کئے لیکن چین کی عورتوں نے اپنے ملک کی آبرو کی خاطر وہ وہ قربانیاں کی ہیں کہ تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

ہمارے ملک میں چاند بی بی۔ رانی جھانسی اور درگاوتی کے نام سے کون واقف نہیں لیکن چیانگ کیائی شیک کی قیادت میں چینی عورتوں نے اپنے وطن عزیز کو جاپانی درندوں سے بچانے کے لیئے جو کچھ کیا اس کی بابت جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔

آپ نے جاپانی عورتوں کے کلنڈر ضرور دیکھے ہوں گے چینی عورتوں کو بھی دیکھا ہوگا۔ ہو بہو جاپانی وضع قطع۔ قد کوئی لمبا نہیں۔ درمیانہ۔ رنگ پیلا سفیدی مائل۔ ناک رخساروں کے ساتھ ہی ملی ہوئی رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی۔ آنکھیں اندر کو دھسی ہوئی۔ باریک بینی کی شاہد۔ چہرے پر استقلال۔ منگول نسل کی یہ پتلیاں آج سے ایک سو سال پہلے گھروں کی چار دیواری میں قید تھیں۔ بچوں کی پرورش اور زیب و زیبائش ان کا کام۔ ملک کے کسی کام سے کوئی سروکار نہ تھا۔ لیکن ملک چین نے اپنی عورتوں کو کبھی اچھی حالت میں دیکھا تھا۔

چودھویں صدی سے پہلے چینی عورتوں کا تعلق ملک کی سوشل اور اقتصادی زندگی سے اتنا ہی تھا جتنا مردوں کا۔ وہ ہر کام میں کافی حصہ لیا کرتی تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ چین کی پرانی سبھیتا دنیا بھر میں مشہور تھی۔ پھر ایک دور آیا جبکہ چینی عورتوں کی حالت گرنی شروع ہوئی اور وہ ملک کے اہم معاملات سے یوں دور رہنے لگیں جیسے چمگادڑ اجالے سے۔ چینی فلاسفر کنفیوشس Confucius کے وقت میں تو حالات بہت ہی بدل گئے۔ اس نے عورت کو مرد کا غلام بنا دیا۔ یہی عورت کی بہترین خدمت قرار دیگئی۔ بیوہ کی شادی ممنوع تھی عورت ملک کے معاملات میں دخل نہ دے سکتی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ اس افلاسفر نے زیبائش حسن پر بھی لکھا۔ عورت یوں ہاتھ اٹھائے تو خوبصورت یوں بدصورت۔ زور سے ہنسے تو بد اخلاق اور مسکرائے تو نیک اخلاق یہی فلاسفر تھا جس نے یہ لکھ دیا کہ چھوٹے چھوٹے پاؤں والی عورت خوبصورت ہے اور پاؤں چھوٹا رکھنے کے لئے لڑکی کے پیدا ہوتے ہی اس کے پاؤں پر لوہے کا جوتا چڑھا دیا جائے تاکہ اس کے پاؤں بڑھنے نہ پائیں۔ کم عقل مردوں نے اس پر غور فرمایا اور غلام عورتوں نے اس پر عمل کیا نتیجہ یہ ہوا کہ پاؤں کی صورت بگڑ گئی۔ اور اس کا کسی قسم کا بڑھنا رک گیا۔ ایک انگریز مصنف نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اسی ناپاک رواج سے تو کئی ایک "خوبصورت" چینی عورتوں کے پاؤں اس قدر چھوٹے ہو گئے تھے کہ بمشکل کھڑی ہو سکتی تھیں۔ چینی عورتوں نے گھر کے سوا اور کسی معاملہ میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ پڑھنا اور لکھنا چھوڑ دیا۔ اور اس قدر غلام ہو گئیں کہ دماغی قابلیتیں بھی کھو بیٹھیں خود سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت بھی نہ رکھتی تھیں ہر کام میں مرد کی محتاج تھیں۔ یہ تھا چین کا زوال۔ ملک کی تباہی کے آثار۔ قوم کا شیرازہ بکھر گیا۔ جس کی لاٹھی اسی کی بھینس۔ ملک چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں بٹ گیا۔ ہمارے شاستروں نے سچ لکھا ہے کہ جہاں استریوں کا مان ہوتا ہے وہاں دیوتا نواس کرتے ہیں اور اپمان وہاں چنڈال۔ کونسی بری بات تھی جو اس وقت کے چینیوں کے نام سے

منسوب نہ کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ہماری اس زمانہ کی چینی بہنیں بھیڑ اور بکریوں کی طرح بازاروں میں بک جایا کرتی تھیں۔

انیسویں صدی کے انقلاب نے کایا پلٹ دی۔ ڈاکٹر سن یت سین نے اور کچھ دوسرے رہنماؤں نے چین کو اس ذلالت سے نکالنے کی کوشش کی۔ عورتوں کو اپنی کمتری کا احساس ہوا۔ اور مردوں پہ ان کی عظمت آشکارا ہوگئی۔ ان پہ یہ روشن ہوگیا کہ عورت اور مرد زندگی کی گاڑی کے دو برابر کے پہیئے ہیں اور کوئی بھی پہیہ دوسرے کا محتاج نہیں بلکہ زندگی کی گاڑی دونوں مل کر کھینچتے ہیں۔ موجودہ چین کی عمر کل ۴۲ برس کی ہے اور اس قلیل عرصہ میں اس قدر بڑے ملک نے بہت ترقی کی ہے ابھی چین پوری طرح بیدار نہ ہوا تھا کہ جاپانی آقاؤں نے چین کو جنگ کے شعلوں میں دھکیل دیا۔ چینی لوگ موجودہ سامانِ حرب سے واقف نہ تھے۔ بہتوں کے پاس بندوق بھی نہ تھی۔ لیکن واہ ری غیور قوم۔ اپنا سر نیچا نہیں کیا۔ پورے چھ سالوں میں جاپانیوں کے وہ دانت کھٹے کئے کہ کہنا ہی کیا۔ اور اکثر سیاست دانوں کا خیال ہے کہ مشرقِ بعید میں جاپانیوں کی شکست کا قابلِ قدر راز چینیوں کی قابلِ عزت مزاحمت ہوگی۔ یہ کیوں ہوا؟ اور کیسے ہوا؟ اس کی سب سے بڑی وجہ ہماری چینی بہنیں ہیں اب انہیں سیاست سے اور ملک کے گونہ معاملات سے بہت دلچسپی ہوگئی ہے۔ مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ جاپانیوں کا مقابلہ کیا۔ نازک نازک ہاتھوں نے فیکٹریوں میں بم اور توپیں بنائیں۔ ان کندھوں نے جو رسم ورواج کے بارے ابھی سیدھے بھی نہ ہوئے تھے بندوق کو زینت دی۔ یہی نہیں بلکہ امورِ خانہ داری میں بھی خوب دلچسپی لی۔ موجودہ چین کے بنانے میں سب سے بڑا ہاتھ مسز چیانگ کیائی شک کی قیادت میں چینی عورتوں کا ہے۔

چینی عورتیں نہایت سمجھ دار ہوتی ہیں سیاست کی گتھیوں کو خوب سلجھا جانتی ہیں پیچ دار بات بنانا پسند نہیں کرتیں۔ صاف صاف کھری کھری کہہ دیتی ہیں۔ انگریز عورتوں کی طرح غازہ اور پوڈر کثرت سے استعمال نہیں کرتیں۔ ہاں رنگین لباس پہننا پسند کرتی ہیں۔ مہمانوں سے بہت خاطر ومدارات سے پیش آتی ہیں۔ زبان میں مٹھاس اور چاشنی ہے۔ کیا مجال بھڑوں کی طرح بھوں بھوں کریں۔ اکثر چینی عورتیں سونے کے دانت لگوانے کی شوقین ہیں۔ کھلی ہوا اور پھولوں سے محبت ہے۔ اور بہت سی بال بھی کٹواتی ہیں۔ شکل وصورت میں جاپانی عورتوں سے مختلف ہیں۔ ان کا بدن ہلکا پھلکا سا ہوتا ہے۔

لام کی بجائے رام آسانی سے کہہ سکتی ہیں۔ جب کسی سے ملیں گی تو سر ذرا جھکا کر یعنی تعظیم سے۔ اور مسکرا کر۔ بدن کو نہیں جھکاتیں لباس لمبا جمپر جیسے ہمارے پنجاب میں دیہاتی عورتوں کا لیکن کاٹ انگریزی اور بازوؤں سے کھلا۔ گھٹنوں تک ٹانگیں کھلی رکھنا پسند کرتی ہیں یورپین تہذیب کا اثر معلوم دیتا ہے۔ بہت سی چینی عورتیں تعلیم یافتہ ہیں۔ اکثریت بدھ مذہب سے تعلق رکھتی ہے مسلمان بھی کئی کروڑ ہیں لیکن مذہب کسی طرح بھی آپس کے تعلقات میں مخل نہیں۔ اس وقت کیا بدھ کیا مسلمان اور کیا عیسائی جنرل چیانگ کیائی شک کی لیڈری میں جاپانی درندوں کا نہایت بہادری سے مقابلہ کر رہے ہیں۔

جاپان اور چین کی جنگ میں بڑی سے بڑی مشکلیں آئیں لیکن ان کی عالی حوصلگی کے آگے سب آسان ہوگئیں۔ نرسیں بنیں۔ گولیوں کی بوچھاڑیں سہیں زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کی۔ پیسہ۔ دولت۔ جان سب کچھ نچھاور کر دیا۔ بچوں کی پرورش کی طرف بھی پوری توجہ دیتی رہیں۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ اکثر چینی عورتیں اپنے مرحوم خاوند کو یاد کر کے روتی تھیں رات کے وقت اپنے بچوں کو جاپانیوں سے لڑنے کے لئے نصیحت کرتی رہتی ہیں۔ اور ان کے مرحوم باپ کے قصہ جات بیان کرتی ہیں۔ پھر پوچھتی ہیں کیوں بیٹا تم کیا چاہتے ہو؟ غلام رہنا یا اپنے باپ کی طرح جاپانیوں کا مقابلہ کرنا؟ بچے نہایت دلیری سے جواب دیتے ہیں اماں ان رگوں میں ہمارے باپ کے خون کا ایک قطرہ بھی جب تک موجود ہے ہم جاپانی درندوں کے ناپاک جسم کو اپنے ملک سے نکال کر دم لیں گے۔

نرملا دیوی۔ تیواڑی

سرورِ کائنات

محمد مصطفٰے صلّ علیٰ کیا نام پیارا ہے — وہی اللہ کا محبوب اور آقا ہمارا ہے

وہی تو، جس نے کی، ہر عاجز و بیکس کی غمخواری — وہی تو بے نواؤں بے زبانوں کا سہارا ہے

وہی، اُجڑی ہوئی محفل کو آکر جس نے رونق دی — وہی، بگڑے ہوئے اخلاق کو جس نے سدھارا ہے

وہی، جس کے جمالِ جانفزا پر ناز خالق کو — وہی، جو قدسیوں کا اور فرشتوں کا دُلارا ہے

وہی، جس نے مٹایا کفر کی ظلمت کو دُنیا سے — وہی جس نے جہاں کو نورِ ایماں سے سنوارا ہے

وہی، کیں دُور جس نے شرک کی تاریکیاں ساری — وہی، سورج بھی جس کے آگے اک دُھندلا ستارا ہے

وہی، جس کے لئے برپا ہوئی یہ محفل ہستی — وہی، جس کا زمیں سے آسمانوں تک اِجارا ہے

وہی جس کی نگاہِ ناز ادب آموزِ عالم تھی — وہی، جس کا تبسّم جانِ اخلاق و مدارا ہے

وہی، جس نے دیا توحید کا پیغام دُنیا کو — وہی، جس نے ہدایت کی طرف سب کو پکارا ہے

وہی، ہیں بندۂ درگاہ جس کے قیصر و کسرٰے — وہی، جس کی نظر میں ہیچ رستم اور دارا ہے

وہی، بیمارِ ہجراں کی دوا دیدار ہے جس کا — وہی، جس کی جُدائی میں کسے جینا گوارا ہے

وہی، ہر بات جس کی کاتبِ تقدیر کا فرماں — حیات و موت جس کی ایک ابرو کا اشارا ہے

وہی، کونین کو جس کی غلامی باعثِ نازش — وہی، آقا، وہی مولا ہمارا اور تمہارا ہے

وہی، ہے بندۂ مجبور جس کا محوئیِ غمگیں — وہی، محوی کہ جس نے جان و دل سب اس پہ وارا ہے

گدا و شاہ تھے جس کی نگاہِ عدل میں یکساں — حمایت جس نے کی مظلوم کی، ظالم کو مارا ہے

کوئی انسان بیکس ہو شکارِ ظلم و بیدردی — یہ اس کے شیوۂ لطف و کرم کو کب گوارا ہے

نہیں موقوف کچھ جن و ملک، حیوان و انساں پر — مطیعِ امر اس کا ہر شجر، ہر سنگِ خارا ہے

عرب کیا ہے، عجم کیا، ہند کیا ہے ساری دُنیا کو — اسی نے پستی و ادبار و ذلت سے اُبھارا ہے

درودِ بے حساب اس پر، سلامِ بے شمار اس پر
مری جانِ عزیز و کائناتِ دل نثار اس پر

محوی، صدیقی، لکھنوی۔

بقیہ مضمون صفحہ ۳۰۰ کا۔

الدھا ہی کر سکتا ہے، اس کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے اور ان فرشتہ صفت انسانوں کی جو دنیا میں کسی قسم کی خواہش اپنے دامن سے وابستہ نہ رکھیں۔ اس میں کلام نہیں کہ بیوی کو میاں کی خدمت کرنی چاہئے مگر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ محبت بھرے دل سے ہو۔ محبت کا جواب محبت سے ہی ملتا ہے یہ مانی ہوئی بات ہے یہ تو ناممکن ہے کہ ایک طرف سے محبت ہو اور دوسرا ناک بھوں چڑھائے ایسی ناشکر گذار ہستیاں بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ در حقیقت انسان کہلانے کی مستحق نہیں۔ صغرا

ذرا

کبھی آپ نے اس چھوٹے سے تین حرف کے لفظ پر بھی غور کیا ہے؟ دراصل یہ اس سے بھی چھوٹا ہے جتنا آپ خیال کرتے ہیں یا لکھنے میں آتا ہے کیونکہ یہ ذرّہ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں ریت کا ایک ننھا سا ٹکڑا۔ ریت کا ٹکڑا تمام ان چیزوں میں جنہیں نظر بغیر خوردبین وغیرہ کی امداد کے دیکھ سکتی ہے سب سے چھوٹی چیز ہے۔ لہذا آپ کا لفظ ذرا بھی ایک نہایت ہی ننھا باریک ٹکڑا ہے لیکن ہماری گفتگو میں اسے جو شدید اہمیت حاصل ہے اس پر بہت کم لوگوں نے غور کیا ہوگا۔ "ذرا ادھر کھسک کر بیٹھ جائے" کسی محفل میں ایک بالکل ہی اجنبی خاتون کو بھی اس بات پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ دوسری جانب سرک کر آپ کے واسطے جگہ خالی کر دے۔ انگریزی میں اس کے مترادف لفظ please ہے جس کا اُردو ترجمہ "مہربانی کرکے" یا اس سے مختصر "مہربانی سے" بہت ٹھوس اور زبان کے واسطے ثقیل ہو جاتا ہے جسے ہم کبھی "ذرا" یا please کی طرح آسانی سے ادا نہیں کر سکتے۔ اور "مہربانی کرکے" یا "مہربانی سے" تو ہمیں ضرور ایک دو دفعہ کی تکرار کے بعد چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ لیکن "ذرا" کو لیجیے وہ ہر جملہ کی ابتدا میں بار بار نہایت بے تکلفی اور زبان پر کسی قسم کی گرانی محسوس کئے ہوئے کہا جا سکتا ہے۔

ہندوستانی تہذیب میں نہایت بے تکلف دوستوں اور اپنے سے چھوٹوں سے "مہربانی کرکے" یا "مہربانی سے" کہنے کی کچھ زیادہ ضرورت نہیں سمجھی جاتی لیکن پھر بھی یہ بات دل پر گراں گزرتی ہے کہ ہم ان سے کام لیتے وقت الفاظ سے بھی اس کا اظہار نہ کریں کہ ہمیں ان کی تکلیف کا احساس ہے۔ ایسے موقعہ پر "ذرا" آپ کے بہت کام آتا ہے۔ اس کی مدد سے آپ پلنگ پر لیٹی لیٹی ان سے "ذرا بتی جلا دو۔ اور کتاب بھی اٹھا دو"۔ پھر جب وہ چلنے لگیں "ذرا پانی بھی جگ سے انڈیل دو" وغیرہ وغیرہ بیک وقت کہہ سکتی ہیں ظاہر ہے اس وقت ہر جملہ کی ابتدا میں "مہربانی کرکے" کہنا کس قدر پر تکلف اور آپ کے واسطے تکلیف دہ ہو جاتا۔

نوکروں سے بات کرتے وقت بھی ہم ان کے کام کے بار کو ہلکا کرنے کے واسطے نہایت بے تکلفی سے بار بار "ذرا" کا استعمال کر سکتے ہیں۔ صرف ایک مرتبہ کے واسطے تحکمانہ لہجہ چھوڑ کر اگر اس نے خندہ پیشانی سے "اور ذرا آج جب میں سینما سے واپس آؤں تو کھانا میز پر لگا رکھنا" کہہ دینا ان کے لئے دیر تک جاگتے رہنے اور پھر صبح تڑکے بیدار ہونے کا ناگوار خیال مٹا دے گا اور آپ جس وقت سینما سے واپس آئیں گی گھر کا دروازہ ایک ہی آواز پر کھٹ سے کھل جائے گا اور بہت جلد میز پر بھاپ اٹھتا ہوا گرم گرم کھانا چنا ہوا ملے گا۔ دیکھا آپ نے یہ ذرا سا لفظ کس قدر پر تاثیر ہے۔

بعض وقت آپ کو عمر اور مرتبے میں بڑے اشخاص سے بھی کام پڑ جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے آداب مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے بھی ایسی کافی بے تکلفی ہے۔ اس وقت "مہربانی کرکے" یا "مہربانی سے" کہنے کے بجائے آپ ہمیشہ "ذرا" کا استعمال کریں گی کیونکہ اول الذکر سے ایک قسم کے تکلف اور غیریت کی بو آتی ہے جو فوراً قابل اعتراض ہو سکتی ہے "ذرا آپ کے پاس دو روپے ہوں دیدیجئے" "یا ذرا اس کاغذ پر دستخط کر دیجئے" وغیرہ اپنی جگہ پر آپ ہی ہیں۔

مجھے لفظ please کے اردو ترجمہ یعنی "مہربانی کرکے" یا "مہربانی سے" کوئی خاص نفرت نہیں ہے لیکن

قدیم ہندوستان کی اختراعات

زمانہ قدیم میں ہندوستان نے ایسی ایسی نادر و بے مثال ایجادات کی تھیں۔ کہ ان میں سے اکثر ایجادات سے یورپ اور دیگر متمدن ممالک اس وقت تک قاصر ہیں۔ جب ہم خود مختار تھے۔ تو ہمارے دماغ اعلیٰ و اضع تھے۔ ہماری تعلیم بھی مکمل تھی۔ ہماری تربیت لاجواب تھی۔ ہماری اختراعات بھی نادر روزگار تھیں۔ مگر موجودہ زمانہ نے جب ہندوستان کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھا ہے تو ہم اپنی روزمرہ کی ضروری اشیا بھی خود نہیں بنا سکتے۔ سوئی جو پیسے کی بارہ بارہ اور بیس بیس تک بکتی رہی ہیں۔ وہ ممالک غیر سے آتی ہیں۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ یعنی ہماری آزادی سلب ہوگئی ہے اور دماغ بھی عطل اور بے کار ہو گئے۔ ڈھاکہ کی ململ ہندوستان کی مشہور و نادر چیز تھی۔ مشہور ہے کہ ململ کے پچھ ساٹھ تھان ایک معمولی سی جیب میں رکھ لئے جاتے تھے۔

نزاکت کی یہ حالت تھی کہ اس ململ کی سات تہیں پہننے پر بھی بدن کے بال صاف نظر آتے تھے مضبوطی ایسی کہ موجودہ زمانے کی ململ کی سات قمیصیں پہنتے پہنتے پھٹ جائیں گی مگر اس کی ایک قمیص بھی نہیں پھٹ سکتی مگر اب وہ صناع کیا ہوئے۔ یورپ کے بے کار چیزیں بنانے والی مشینوں نے اُن کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ غلامی نے بلند خیالی کا خاتمہ کر دیا۔ میگس تھینز سفیر جو ۳۲۶ ق م۔ چندر گپت کے عہد میں آیا۔ لکھتا ہے۔ کہ ہندوستان کی ساخت کی اشیا سکندریہ میں جا کر بڑی قیمت پر جا کر فروخت ہوتی ہیں۔ یہاں (ہندوستان) کے لوگ صنعت و حرفت اور اختراعات میں نہایت ہوشیار ہیں۔ لوگ اچھے کپڑے اور خوبصورت زیورات پہننے کے شوقین ہیں۔ کپڑوں پر زردوزی کا کام اور قیمتی جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ نہایت ہی باریک پھول دار ململ کے کپڑے لوگ پہنتے ہیں راجہ اشوک کے عہد میں سنگ تراشی کے صنعت میں بہت ترقی ہوئی۔ لکڑی کا کام بہت خوبصورتی کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ اور نقاشی تو ایسی تھی۔ گویا تصویر بزبان سے بولتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ جہاز رانی کی اوّلیت کا سہرہ بھی ہندوستان ہی کے سر پر ہے۔ اکبر نے ہزار ہا روپے خرچ کر کے ہزار ٹن بوجھ اُٹھانے والا جہاز لاہور میں بنوایا۔ جو راوی میں چلایا گیا۔ لیکن بوجھل ہونے کے باعث زیادہ کارآمد نہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے کئی اور جہاز بنوائے جن سے باربرداری کا کام لیا جاتا تھا۔ مغلیہ شہنشاہوں نے دہلی کے قلعہ میں ایسا حمام تیار کروایا تھا۔ کہ جن کا پانی ہمیشہ بغیر آگ کے گرم رہتا تھا۔ انجنیروں نے اس کے اندرونی حالت معلوم کرنے کے لئے اس کو توڑا مگر پھر بھی ویسا نہ بنا سکے اور نہ ہی اس کا طلسم معلوم کر سکے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ اگر وہ حمام توڑا نہ جاتا تو قیامت تک ایسا ہی رہتا۔

اکبر کے عہد میں صرف شہر لاہور میں ایک ہزار کارخانے دوشالے بنانے کے تھے۔ مختلف قسم کے زربفت کے تھان عمدہ عمدہ ریشمی کپڑے ہندوستان میں بنائے جاتے تھے اور ایک ایک تھان کی قیمت ساٹھ سے سترہ اشرفی تک ہوتی تھی۔

رُوئی کے کپڑے کے کارخانے بیشمار تھے۔ اور ان کی نفاست تو اس سے ظاہر ہے۔ کہ خاصہ کا تھان تین روپے سے پندرہ اشرفی تک۔ ململ کا تھان چار سے پانچ اشرفی تک۔ غربا کے لئے طرح طرح کی چھینٹیں اور کپڑے بھی بنائے جاتے تھے۔ اور اس کے علاوہ ململ کے دوپٹے ٹوپیاں وغیرہ وغیرہ تیار ہوتی تھیں۔ ۹۷۵ء میں ہندوستان کے کپڑے سلطان روم کے پاس بطور تحفہ کے بھیجے گئے جو وہاں نہایت ہی پسند کئے گئے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی سینکڑوں چیزیں ہیں۔ جن کا ثانی زمانہ آج تک پیدا نہ کر سکا۔ جیسے۔ قطب صاحب کی لاٹھ۔ جامع مسجد دہلی آگرہ کا تاج محل۔ عجیب و غریب سرنگیں بھی موجود ہیں۔ جن کو دیکھ کر آج تک حیرت ہوتی ہے۔

رشیدہ سلطانہ۔ بہاولپور

جراثیم

پُرخطر امراض مہلک کی وہ ننھی زیریاں   موت پہلو میں لئے زندہ تجھے آئیں نظر   (فلسفی)

یہ شعر نظریہ جراثیم کو بیان کرتا ہے جو نہایت اہم اور دل آویز ہے۔ سنو! موجودہ تحقیقات بتاتی ہے کہ زیادہ تر ہماری مہلک بیماریوں کے باعث جراثیم نباتی ہیں۔ جو موت کو اپنے جلو میں لئے پھرتے ہیں، یہ جراثیم اس قدر چھوٹے ہیں کہ بغیر خوردبین کے نظر نہیں آسکتے۔ ان کی ذات میں نباتی زندگی کے حیرت خیز مظاہرے نظر آتے ہیں۔ ان کے تین گروہ ہیں جن کی وضاحت ذیل کی مثالوں سے ہوتی ہے۔ اول مثال یہ ہے کہ جب دودھ بہت دیر تک رکھا رہ جاتا ہے تو اس میں ترشی آجاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جراثیم کے نہایت باریک چھوٹے چھوٹے قلم پودوں کی طرح اس میں اُگ آتے ہیں اور ان کے بڑھنے اور پرورش پانے میں دودھ کا تجزیہ ہو کر اس کی شکر ایک تیزاب بن جاتی ہے۔ مثال دوم یہ ہے اگر شکر کو پانی میں گھول دو اور اس میں اک ذرا خمیر شامل کر دو تو شربت سڑ کر مزے سے اتر جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ "شجر خمیر" جم آتے ہیں جن کے پرورش پانے میں تین چیزیں بن جاتی ہیں۔ کاربن ڈائک سائڈ پانی اور الکحل کاربن ڈائک سائڈ تو ہوا میں مل جاتا ہے لیکن پانی اور الکحل موجود ہوتے ہیں۔ مثال سوم جس میں جراثیم نباتی اُگ آتے ہیں۔ تم کو آتے دن نظر آتی ہے تم نے خیال کیا ہوگا کہ جب مکان کچھ دنوں بند رہتا ہے یا اسکی فضا مرطوب ہوتی ہے تو تمہارے جوتوں پر پھپھوندی لگ جاتی ہے۔ تم کو سنکر حیرت ہوگی کہ یہ ارذل ترین پودے ہیں جن کا تخم ہوا میں اڑتا پھرتا ہے اور جب موقع ملتا ہے تو تہ نشین ہو کر تمہارے جوتوں یا حلووں پر جم آتا ہے۔ کلاہ باراں جس کو سانپ کی چھتری کہتے ہیں اسی خاندان میں داخل ہے۔ غرض جراثیم نباتی کے تین جداگانہ خاندان ہیں جن کے مظاہرے اوپر بیان ہوئے

اب ان جراثیم کے بڑھنے اور ایک سے لاکھوں کروڑوں بن جانے کی روئداد سنو۔ اول گروہ جس سے دودھ میں ترشی آجاتی ہے نہایت پُرخطر اور قاتل ہیں ان کے جتھے کی ہر فرد ایک سے دو۔ دو سے چار۔ چار سے آٹھ۔ غرض ہر تقسیم پر دوگنی ہوتی جاتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ انڈے یا یوں کہو کہ تخم بھی پیدا کرتی جاتی ہے۔ دوم گروہ جس کا نام "شجر خمیر" ہے اس میں ہزاروں لاکھوں غنچے پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور ایک خوشنما باغ کھل جاتا ہے۔ اور وہ ایک سے لاکھوں کروڑوں ہو جاتے ہیں۔ سوم گروہ جو پھپھوندی کی شکل میں نظر آتا ہے اس میں ہزاروں لاکھوں شاخیں پھوٹتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک مکڑی کا جالا سا بن جاتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ انڈے یا تخم بھی پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ ان جراثیم سے جن کا ذکر اوپر ہوا کون کون سی بیماریاں اور کس طرح پیدا ہوتی ہیں، ان کو بیان کرتا ہوں۔ سوم گروہ یعنی پھپھوندی پیدا کرنے والے جراثیم ہمارے جلدی امراض کے باعث ہیں۔ داد جس کو رنگ ورم کہتے ہیں، ان جراثیم کی شاخ در شاخ جالوں سے پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ دوم یعنی کیڑا اس نام میں داخل ہے لیکن دراصل وہ کیڑے نہیں بلکہ جراثیم نباتی کی جالانما شاخیں ہیں۔ جو تخم ریزیاں کرتی جاتی ہیں۔ یہ جراثیم جب بالوں کو پکڑ لیتے ہیں تو سر کے بال ٹوٹ ٹوٹ کر گرنا شروع ہوتے ہیں اور سر گنجا ہو جاتا ہے۔ قلاع جو گاہ گاہ چھوٹے بچوں کے منہ میں پھوٹ نکلتا ہے اور زبان پھل جاتی ہے ان کی ضرر رساں شاخوں کا مظاہرہ ہے۔

دوم گروہ کے جراثیم جو غنچہ آفریں خیال کئے جاتے ہیں "شجر خمیر" میں گل و بوٹے کھلانے میں مصروف رہتے ہیں۔ جن سے ہمارے کیک اور روٹیاں مزیدار بن جاتی ہیں۔ ان سے ضرر کا اندیشہ نہیں ہے۔ لیکن اول گروہ کے جراثیم جن کی تعداد تقسیم اور تخم ریزیوں سے دوگنی چوگنی ہوتی چلی جاتی ہے۔ نہایت اہم اور قابل توجہ ہیں۔ اس لئے کہ قریب قریب ہمارے کل امراض وبائی جو چھوت یا تعدیہ سے بڑھتے جاتے ہیں ان سے پیدا ہوتے ہیں۔ دق سل۔ ہیضہ۔ ٹائفائڈ۔ جذام۔ خناق وغیرہ کے جراثیم معدہ میں ترشی پیدا کرنے والے جراثیم کے

ہم خاندان ہیں لیکن حیرت یہ ہے کہ چیچک جو ایک قدیم اور عام بیماری ہے۔ ان کے جراثیم اب تک دریافت نہ ہوسکے اور وہ اس وقت تک ایک تاہر دلوی مانی جاتی ہے جس کا نام ادب سے لیا جاتا ہے)، ہر خاندان کے جراثیم اپنی شکل وقد وقامت میں جداگانہ ہیں۔

دق میں جو ریم پھیپھڑوں سے آتی ہے اس کے جراثیم اس قدر ننھے ننھے گول مُہروں کے سے ہیں کہ اگر ان کا پرونا ممکن ہوتا تو ایک انچ لمبے میں ۲۵ ہزار پروئے جاسکتے لیکن دق کے بلغم میں جو جراثیم خارج ہوتے ہیں ان کی شکل ایک ننھے ترص کی سی ہوتی ہے اور بیماریوں کے جراثیم کا نہایت چھوٹا قلم ہوتا ہے جس کی لمبائی $\frac{1}{5000}$ انچ دریافت کی گئی ہے۔ ہیضہ کے جراثیم خمدار پیچ کی شکل کے ہوتے ہیں۔ جراثیم کی اقسام میں کوئی گروہ ساکن اور کوئی متحرک ہوتا ہے۔

کچھ دنوں قبل یہ خیال کیا جاتا تھا کہ تر دار چیزوں کے سڑنے گلنے سے یہ جراثیم خود بخود پیدا ہوجاتے ہیں۔ لیکن یہ بات نہیں ہے۔ جس طرح کوئی لڑکا یا لڑکی بغیر ماں باپ کے پیدا نہیں ہوسکتا، وہی حال ان کا ہے جس طرح چراغ سے چراغ جلتا آیا ہے اسی طرح ایک جرم دوسرے سے پیدا ہوتا آتا ہے۔

بیماری پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ جراثیم ہمارے جسم کے اندر داخل ہوتے ہیں تو وہ پرورش پانا اور بڑھنا شروع کرتے ہیں ایک سے لاکھوں کروڑوں ہوجاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ورم پیدا ہوتا ہے کسی بیماری میں ورم تمام دوڑ جاتا ہے اور کسی بیماری میں مقامی ورم ہوکر رہ جاتا ہے۔ خناق کے جراثیم سے صرف حلق میں ورم پیدا ہوتا ہے لیکن ان کے پرورش پانے میں ایک زہر قاتل پیدا ہوتا ہے۔ جو خون میں جذب ہوکر دوڑ جاتا ہے اور موت واقع ہوتی ہے۔ یہ ننھے غنیم جو ہماری جان کے دشمن ہیں اور ہم کو دیکھ نہیں سکتے ہیں ہوا میں تمام بھرے پڑے ہیں۔ ہماری غذا میں پانی، بیماروں کا فضلہ اور سڑی گلی چیزیں ان کا گھر ہے۔ اور اس طرح وہ ہمارے جسم میں ہر لحظہ داخل ہوتے رہتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ جراثیم اس افراط سے موجود ہیں تو ہر ایک آدمی ان بیماریوں میں کیوں مبتلا نہیں ہوجاتا؟۔ اس کو سمجھانے کے لئے کئی نظریئے بیان کئے گئے ہیں لیکن جو نظریہ آسانی سے سمجھ میں آتا ہے اور جس پر ماہرین علم حیات کا اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کے خون میں دو طرح کے دانے ہیں ایک کا رنگ سرخ اور دوسرا سفید ہے یہ سفید دانے ہمارے محافظ ہیں۔ اور عمارت جسم میں ایک سنتری کا فرض انجام دیتے ہیں جہاں کوئی ضرر رساں ذرہ اندر داخل ہوا، یہ سفید دانے حملہ کرکے اس کو نکال دیتے ہیں۔ یا تباہ اور برباد کرکے کھا جاتے ہیں۔ اگر تو وارد ذرہ جاندار ہے جس طرح یہ جراثیم زندہ ہیں تو دونوں میں جنگ و جدل ہوتی ہے۔ اگر سفید دانے قوی اور توانا ہیں اور ان کی تعداد کافی ہے تو ان کو فتح حاصل ہوتی ہے۔ اور کوئی بیماری نہیں ہوتی۔ اگر سفید دانے ناتوان اور کافی تعداد میں نہیں ہیں، تو جراثیم ان کو کھا جاتے ہیں۔ اور لڑائی فتح کرکے جسم کے باقی حصوں پر حملہ کرتے ہیں۔ اور بیماری شروع ہوجاتی ہے۔ اگر تمہاری صحت اچھی ہے اور تم قوی اور توانا ہو تو تمہاری قوت مدافعت پُر زور ہے۔ اور بیماری جلد نہیں آسکتی۔ تم ناتوان لاغر ہو۔ کام زیادہ کرتی ہو۔ غذا پوری اور اچھی نہیں ملتی ہے، یا شراب وغیرہ کی بری عادتیں ہیں تو جراثیم کو آسانی سے فتح حاصل ہوگی۔ ان جراثیم کے علاوہ "جراثیم حیوانی ہیں، جو ہماری غذا ہماری کھال ہمارا خون کھا پی کر ہمارے طفیل میں زندہ رہتے ہیں۔ یہ بڑے ہیں اور آنکھوں سے نظر آتے ہیں۔ کھٹمل۔ مچھر۔ جوئیں۔ کینچوے وغیرہ ان میں داخل ہیں۔ خارش کے جراثیم بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں۔

یہ شعر ان کُل مطالب کا حامل ہے جو اوپر تفصیل سے بیان ہوئے۔ "آئیں نظر" کو "خوردبین سے آئیں نظر" پڑھو۔ زائد عبارت محذوف ہے۔ اس لئے کہ خوردبین کی ایجاد سے پہلے ان جراثیم کو دیکھنا ممکن نہ تھا۔

سید راحت حسین فلسفی۔ بی اے

انتقام

گاڑی اپنی پوری رفتار سے الپس کی پہاڑیوں کے درمیان سے گذر رہی تھی۔ رابرٹ کھڑکی میں بیٹھا کوہ الپس کے دلکش نظاروں اور سفید چاندی کے سے چمکتے ہوئے پانی کی جو اچھل اچھل کر اوپر پہاڑوں پر سے بہتا ہوا نیچے ڈھلانوں کی طرف سے آرہا تھا سیر کر رہا تھا۔ لیکن اس کے برخلاف لوسی قدرت کی ان رعنائیوں سے بے نیاز ایک سیٹ پر بیٹھی ہوئی کسی گہرے سوچ میں محو تھی۔ اس کی آنکھیں کسی گہرے غم و تشویش کا اظہار کر رہی تھیں۔ درجہ میں ان دو کے سوا اور کوئی متنفس موجود نہ تھا۔ شاید قدرت نے دونوں کو اپنے اپنے خیالات پر اچھی طرح غور و پرداخت کرنے کے یہاں تنہا چھوڑ دیا ہو۔ کس قدر فرق تھا ان کے خیالات میں ایک اپنی ابدی بدنصیبی پر نالاں اور دوسرا اپنی کامیابی پر شاداں و فرحاں۔ آخر گاڑی ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ سوئٹزرلینڈ کے ایک اسٹیشن پر رک گئی۔ مسافروں کا ایک انبوہ کثیر سٹیشن پر ابل پڑا۔ رابرٹ اور لوسی بھی چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ایک دوسرے کو بغیر ایک لفظ کہے گاڑی سے اتر کر آہستہ آہستہ لوگوں کے ہجوم میں غائب ہو گئے۔

بعض طبائع کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہیں جن کے نزدیک اعتدال یا میانہ روی ایک ایسا لفظ ہے جو کبھی شرمندۂ معنی نہ ہوا ہو۔ وہ ہر جذبہ یا خیال کو اس کی انتہائی صورتوں میں قبول ہونے پر مجبور ہوتی ہیں۔ اگر ان میں رحم و محبت ہوتی ہے تو اس حد تک کہ اپنی ہستی کو بھی فراموش کر دیتی ہیں۔ اور اگر نفرت پر آتی ہیں تو اس درجہ پر کہ ان پر جنون کا گمان ہونے لگتا ہے ان ہی لوگوں میں یہ دونوں میاں بیوی رابرٹ اور لوسی بھی تھے۔ جن کی ایک دوسرے کے خلاف نفرت ایک جنونی حد تک پہنچی ہوئی تھی تین سال کا عرصہ ہوا جب بڑی تمناؤں کے ساتھ ان کی شادی ہوئی تھی۔ لیکن اختلاف طبائع اور مصلحت اندیشی سمجھ و تدبر کے فقدان نے بہت جلد ان میں ناچاقی پیدا کر دی جس کو دونوں کی تنگ نظری اور طبیعتوں کی انتہا پسندی نے کمال سرعت سے انتہائی نفرت کے درجہ پر پہنچا دیا۔ وہی زندگی جس کو شادی سے پیشتر وہ جنت تصور کئے ہوئے تھے، اب باہمی نفرت کے سبب جہنم سے بدتر تھی۔ وہ ایک دوسرے کے لئے نہ تھے لیکن اس غلطی کا احساس انہیں اس وقت ہوا، جب وہ مقدس قانون کی رو سے ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے وابستہ ہو چکے تھے۔ اور اب باہمی انتخاب کی اس انسانی غلطی کی تلافی عمر بھر نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جب مسیحی احکام میں کوئی ترمیم نہ ہوئی تھی۔ اور زن و شو کا رشتہ ایک دفعہ قائم ہو جانے کے بعد سوائے موت کے کسی طرح منقطع نہ ہو سکتا تھا۔ اب وہ باہمی رفاقت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن ایک دوسرے کی صورت تک سے بیزار۔ نفرت کی بے پناہ آگ ان کے جسم اور روحیں بھسم کئے جا رہی تھی۔ لوسی تو خیر عورت تھی اپنے جذبات دبانے میں کسی حد تک کامیاب ہو گئی۔ لیکن رابرٹ جیسے انتہائی پست خیال اور تنگ دل انسان کے لئے یہ کب ممکن ہو سکتا تھا کہ وہ ایک عورت کے لئے جس سے وہ اپنی روح کی گہرائیوں سے نفرت کرتا تھا یونہی اپنی تمام عمر تلخی و بدبختی میں گذار دے۔ اس نے لوسی کو جان سے مار ڈالنے اور اس تلخ کام زندگی سے نجات پانے کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرح وہ اس شیطانی خوفناک خیال کو عملی جامہ پہنائے۔ کہ نہ تو اس پر شک و شبہ کی نگاہیں پڑیں اور نہ ہی وہ قانونی گرفت میں آسکے یعنی اس کی بیوی کی موت عوام پر محض اتفاقیہ ظاہر ہو۔ آخر کافی عرصہ سوچنے کے بعد ایک مکمل سکیم اس کے مجرم دماغ میں آگئی۔ سوئٹزرلینڈ آنے کا مقصد صرف اسی اسکیم کو زیر عمل لانے کا تھا۔

جس ہوٹل میں وہ مقیم ہوئے وہ سوئٹزرلینڈ کے ایک نہایت پر فضا مقام پر واقع تھا۔ اس کے تھوڑے ہی فاصلہ سے الپس

کے سرسبز پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہی وہ پہاڑ تھے جن سے رابرٹ اپنا درخشاں مستقبل وابستہ کئے ہوئے تھا۔ انہی پہاڑوں کی خوفناک عمیق گھاٹیوں میں وہ اپنی زندگی کے سب سے بڑے دشمن کو معدوم کرکے روحی و قلبی سکون حاصل کرنے کی غرض سے یہاں آیا تھا۔ لوسی سیر و تفریح کی زیادہ شائق نہ تھی۔ وہ اپنا سارا وقت ہوٹل ہی میں گذارتی تھی۔ خطۂ جنت کی دلفریبیوں سے بے پروا، سارا دن ہوٹل والوں کے ساتھ بات چیت میں گذر جاتا چنانچہ قلیل عرصہ میں اس نے ہوٹل کے ملازمین اور دیگر متعلقین کے ساتھ گہرے دوستانہ مراسم پیدا کر لیے لیکن اس کے برعکس رابرٹ بغرض سیر و تفریح سارا سارا دن ہوٹل سے غائب رہتا۔ لیکن سیر کا صرف بہانہ تھا۔ درحقیقت وہ اپنی سکیم کی کارروائی کے لئے پہاڑوں میں کسی موزوں جگہ کی تلاش کرتا رہتا۔ وہ سارے سارے دن پاگلوں کی طرح پہاڑوں میں گھومتا رہتا۔ ایک دن وہ پہاڑوں کے لامحدود سلسلوں کو عبور کر رہا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو پہاڑ کی ایک بلند چوٹی پر پایا ہیجانی و مضطربانہ کیفیت میں اسے معلوم ہی نہ ہوا کہ وہ اتنی دور نکل آیا ہے۔ خوف سے جیسے اس کی ایک چیخ نکل گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں فاتحانہ خوشی سے چمک اٹھیں۔ وہ ایک بھیانک گھاٹی کے سرے پر کھڑا تھا جس کی لامحدود گہرائی تاریکی میں مستور تھی۔ "آخر اسے اپنی متلاشی جگہ مل ہی گئی"۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔ جس طرح ایک قاتل قتل کرنے سے پیشتر اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کرکے اپنی وحشت دور کرتا ہے۔ اسی طرح وہ بھی اپنی وحشت دور کرنے کے لئے اب ہر روز یہاں آنے لگا۔ وہ یہاں آکر بیٹھ جاتا اور دیر تک اپنے مجرمانہ خیالات سے لطف اندوز ہوتا۔

غروب آفتاب کی زرد کرنیں پہاڑوں کی بلند برفیلی چوٹیوں پر چمک رہی تھیں۔ رابرٹ اور اس کی بیوی ان کی طرف آتے دکھائی دئیے لوسی کا رنگ مردوں کی طرح سفید تھا اور وہ باوجود کوشش کے لڑکھڑا رہی تھی۔ آخر وہ ایک جگہ ٹھیر گئی۔ "رابرٹ" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ اگر تم دوراندیشی اور فراخ دلی سے کام لیتے، تو آج اتنے خوفناک واقعات کیوں رونما ہوتے"۔ "لیکن ان باتوں سے کیا حاصل۔ تمہاری نفرت میرے دل سے کبھی دور نہیں ہو سکتی" رابرٹ نے سنگدلی سے جواب دیا۔ اور آگے بڑھ گیا اس کے بعد تمام راستہ خاموشی رہی، یہاں تک کہ وہ مخصوص جگہ پر پہنچ گئے۔ "یہی جگہ میں نے تمہیں دکھانے کے لئے کہا تھا۔ دیکھو کیسی اچھی جگہ ہے۔ یہاں سے شہر کا نظارہ دیکھو، کیسا اچھا ہے" رابرٹ نے چٹان پر بیٹھتے ہوئے لوسی سے کہا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد دفعتاً اس کی نگاہ لوسی پر پڑی۔ وہ بیٹھی ہوئی نہ تھی۔ بلکہ ٹہل رہی تھی۔ شدت غصہ سے اس کی مٹھیاں بند تھیں اور چہرہ پر وحشت چھا رہی تھی۔ وہ دوبارہ پکارا۔ "کیا کر رہی ہو لوسی۔ یہاں آکر بیٹھو"۔ "بیٹھوں گی کیوں نہیں" لوسی نے آنکھوں سے شرارے برساتے ہوئے طنزیہ لہجہ میں کہا "تم سمجھتے ہو، میں تمہارے ارادے سے بے خبر ہوں۔ لیکن یہ تمہارا خیال ہے۔ میں تو اسی وقت بھانپ گئی تھی جب پہلی بار تم نے مجھے مارڈالنے کا خیال کیا تھا"۔ "او بیوقوف یہ تم کیا کہہ رہی ہو میرے دل میں یہ کبھی خیال نہیں آیا"۔ رابرٹ زور سے چلایا۔ لیکن لوسی نے اس کے چلانے کی کوئی پروا نہ کی۔ اور وہ کہتی رہی۔ "اس سے پہلے تم ہمیشہ سیر و سیاحت کرتے تھے۔ لیکن مجھے ساتھ لیجانا تو کیا کبھی پوچھا تک نہیں تم مجھے سوئٹزرلینڈ کیوں لائے؟ یہی نا کہ اس میں تمہارا کوئی مقصد ہے۔ تم نے دل میں سوچا ہوگا کہ یہاں تمہارے جرم کا انکشاف کبھی نہ ہوگا۔ اور تم انسانی خون میں ہاتھ رنگ کر میرے بعد شاد کام زندگی بسر کرو گے اور واقعی تمہاری سکیم اتنی مکمل تھی کہ تمہارا جرم کبھی گرفت میں نہ آ سکتا۔ اگر میں ہوٹل والوں کو نہ بتا دیتی کہ تم میری جان کے درپے ہو۔ تمہیں کبھی نہیں معلوم ہوا کہ میرے جاسوس تمہارے ساتھ ہوتے تھے جب تم ان پہاڑوں میں گھوما کرتے تھے اور جب تم نے مجھے گرانے کے لئے یہ جگہ منتخب کی تو اسی وقت مجھے اطلاع دی گئی اور شاید تمہیں یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ جب ہم ہوٹل سے چلے تو تین آدمی ہمارے پیچھے آ رہے تھے جو تھوڑی دیر میں یہاں پہنچ جائیں گے"۔ "بیوقوف عورت جب تمہیں پتہ تھا تو میرے ساتھ آئی کیوں؟" رابرٹ نے آہستگی سے کہا۔ اس لئے ..."اس لئے کہ او ظالم انسان میں تم سے انتقام لینا چاہتی تھی" لوسی کی آواز

انتہائی چیخوں میں تبدیل ہو گئی اس نے اپنا گون پھاڑ ڈالا اور اس کی ہیں دھجیاں ٹکڑے کرکے زمین پر بکھیر دی "مجھے زندگی کی بالکل خواہش نہیں" اس نے چیخ کر کہا "لیکن تم..... تم جو زندگی کے خواہشمند ہو تمہیں زندہ نہ رہنے دوں یہ ہے میرا انتقام تم نے مجھے ابھی بتلایا تھا کہ مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ میں بھی تم سے نفرت کرتی ہوں" یہ کہتی ہوئی چیختی بالوں کو نوچتی وہ آگے بڑھی اور گھاٹی کی خوفناک گہرائیوں میں زور سے چھلانگ ماری۔

رابرٹ کو جیسے کسی نے چپکا دیا ہو۔ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے چلاتا رہا۔

"او بیوقوف او بیوقوف کیا کر رہی ہو"

تھوڑی دیر کے بعد جائے وقوعہ پر تین آدمی آتے دکھائی دیئے۔ جنہوں نے شام کے دھندلکے میں رابرٹ کو وہاں پر تنہا بیٹھا پایا۔

(ترجمہ انگریزی) این اختر نشاط ایبٹ آباد

صفحہ ۳۲ کا بقیہ

ارادہ کر رہا تھا کہ اسی وقت صاف صاف آمنہ سے کہدوں کہ میں تمہیں دل میں ہرگز ایسا نہیں سمجھتا، جیسا کہ زبان سے کہتا ہوں کہ اتنے میں چچی گرم دودھ لے کر آ گئیں۔ اور دوسرے دن آمنہ کو سرسام ہو گیا۔

اُن کے اسکول کی ہیڈ ماسٹرنی کو پتہ لگا تو وہ بھی عیادت کو آئیں آمنہ بیہوش پڑی جانے کیا کیا بول رہی تھی۔ چچی نے گلوگیر آواز میں کہا "آمنہ بیٹا یہ ہیڈ ماسٹرنی تمہاری طبیعت پوچھ رہی ہیں" لیکن آمنہ کو ہوش کہاں تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر ہیڈ ماسٹرنی کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے اور انہوں نے بتایا کہ پچھلے دو مہینوں میں آمنہ نے تعلیم میں حیرت انگیز ترقی کی تھی اور سالانہ امتحان میں تو کمال ہی کر دیا۔ نہ صرف جماعت ہی میں اول پاس ہوئی۔ بلکہ ریکارڈ بھی قائم کیا ہے۔

کاش وہ اپنے اتنے اعلیٰ نمبروں سے پاس ہونے کی خبر سن سکتی اور کہہ سکتی کہ آمنہ اتنی حقیر نہیں ہے۔ جتنی کہ آپ سمجھتے ہیں۔

ظفر واسطی

ناکامیٔ حیات

چمن میں غنچہ اکثر مسکرانے بھی نہیں پاتا
بہارِ زندگی کا وقت آنے بھی نہیں پاتا
دُرِ شبنم کو کوئی دیکھ کر خوش تک نہیں ہوتا
یہ قطرہ پوری آب و تاب لانے بھی نہیں پاتا
شبِ غم روزِ روشن سے گلے ملنے نہیں پاتی
خوشی سے دیدۂ تر جگمگانے بھی نہیں پاتا
نگاہیں بس اسیرِ اشتیاقِ دید ہوتی ہیں
کوئی ہنس کر نقابِ رُخ اُٹھانے بھی نہیں پاتا
مسرت میں نسیمِ سحر کا ڈوبا ہوا جھونکا
چمن میں سونے والوں کو جگانے بھی نہیں پاتا
ہوا چلتی ہے سوئے گلستاں کاشانۂ غم سے
بدل جاتی ہیں نوزائیدہ عمریں خواب مبہم سے

محمد مرغوب صدیقی بی اے

وہ ابھی تک نہیں آئے

اُفق پر صبح لہرانے لگی ہے — ردائے نور پھیلانے لگی ہے
نسیمِ جانفزا کے چھیڑنے سے — گلوں کو بھی ہنسی آنے لگی ہے
نشیمن چھوڑ کر نکلے پرندے — مسرت رقص فرمانے لگی ہے
سنہری رنگ کا زیور پہن کر — چمن زادی ستم ڈھانے لگی ہے
عروسِ شب کے کچھ سمٹی ہوئی سی — شۂ خاور سے شرمانے لگی ہے
نہ آنا تھا نہ آئے وہ ابھی تک — سواری رات کی جانے لگی ہے
خدا شاہد فراوانیٔ غم سے — بدن میں روح گھبرانے لگی ہے
مرے اس حال پر زخمِ جگر کو — ہنسی بے اختیار آنے لگی ہے
زمیں کے فرش پر گرتے ہیں آنسو — محبت جام چھلکانے لگی ہے

ہوا یہ وقت اُن کی راہ تکتے
مری آنکھوں میں نیند آنے لگی ہے

احمد شجاع پاشا

مُرغیاں پالنا

جب چوزوں کے سر، پیٹھ اور چھاتی پر اچھی طرح پر نکل آئیں تو مرغی کو اُن سے علیحدہ کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بعد بچے بہت جلد بڑھیں گے۔

وہ دڑبہ جس میں بچے پہلے پہل رہتے تھے اب اُن کے لئے بہت چھوٹا ہوگا۔ اب دن کے وقت اُن کو جنگلے سے باہر دوڑنے دینا چاہیئے۔ لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ گیدڑ، بلی اور باز وغیرہ اُن پر حملہ نہ کر سکیں۔ اب اُن کی خوراک پہلے کی نسبت ذرا مختلف ہوگی کیونکہ وہ اپنی خوراک کا بہت سا حصّہ کھلے میدان سے حاصل کر لیں گے۔ صبح اور شام کو ان کو دلیا اور دوپہر کو مسّا کھانا یا صرف چوکر دینا چاہیئے۔ اگر میدان میں جہاں وہ چلتے پھرتے ہیں سبزی نہیں ہے تو پھر دوپہر کے وقت سبزی اور اُبال کر قیمہ بھی دینا چاہیئے۔ یہ خیال رہے کہ لکڑی کا کوئلہ اور پانی و لسّی ہر وقت اُن کے قریب رہے۔ اب دلیے میں صرف مکی کا دلیا دینا اور گندم سالم ہی رہے۔

جن کے گھروں کے ساتھ کھُلے میدان نہیں ہیں اور وہ مرغیوں کو بند کر کے ہی رکھ سکتے ہیں، وہ اُن کے لئے جنگلہ بنائیں جس قدر ممکن ہو جنگلہ کھُلا اور وسیع ہونا چاہیئے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مرغیاں کھُلی پھرتی ہی اچھی رہ سکتی ہیں۔ اس لئے زیادہ تعداد میں مرغیاں رکھنے کا شوق اُنہیں کو کرنا چاہیئے، جو قصبوں اور دیہات میں سکونت رکھتے ہیں۔ یا جن کے مکانوں کے ساتھ کھُلے احاطے ہوں۔ فی جانور دس گز مربع جگہ جنگلے میں ہونی چاہیئے۔ اگر جانور کسی وقت باہر کھلے میدان میں نکالے جا سکیں تو پھر اس سے کم جگہ بھی ہو سکتی ہے۔

زمین جو جنگلے کے لئے انتخاب کی جائے۔ اس میں مینہ کا پانی کھڑا نہ ہونا چاہیئے اور سایہ بھی کافی ہو۔ جنگلے کے لئے لوہے کی ایک انچ دائرے کی جالی استعمال کیجئے۔ لکڑی کے مضبوط بانسے جو آٹھ فٹ لمبے ہوں ان کو لگانے سے پہلے لک یا سلگنم سے تر کر لیں۔ پھر زمین میں دو فٹ گہرا گاڑ دو۔ اور ان کا فاصلہ ایک دوسرے سے دس فٹ رکھیں۔ تین انچ گہری نالی ایک بانسے سے دوسرے بانسے تک کھود دیجئے۔ اس میں جالی کا نچلا سرا آنا چاہیئے۔ ایک کونے سے شروع کر کے ایک انچ دائرے والی تین فٹ چوڑی جالی کو ان لکڑی کے بانسوں سے میخوں کے ساتھ جڑ دیں۔ جالی کا نچلا سرا زمین میں لمبی کیلوں کے ذریعہ ٹھونک دیں اس کو بھی ٹھونکنے سے قبل لک یا سلگنم سے تر کر لیں۔ اس ایک انچی جالی کے بعد دو انچ دائرے کی تین فٹ چوڑی جالی لگا دیجئے اور دونوں جالیوں کو باہم جستی تار سے جوڑ دیں۔ اس طرح چھ فٹ اونچا لوہے کی جالی کا جنگلہ بن جائے گا۔ دروازہ موزوں جگہ پر لگا دیا جائے جس میں تالا لگایا جا سکے۔

جنگلے کے اندر یا تو اینٹوں سے پختہ دڑبہ بنوا لیا جائے اور ان کے اندر مرغیوں کے بیٹھنے کے لئے اڈے بنا لئے جائیں جن کا ذکر آگے آئیگا ورنہ پھر لکڑی کے تختوں کا بنوالیں تختے بھی بنانے سے پیشتر لک یا سلگنم سے تر کر لئے جائیں۔ اور ان کی درزیں خوب اچھی طرح ملی ہوئی ہوں تاکہ چیچڑیاں وغیرہ اُن کے اندر پیدا نہ ہو سکیں۔ اگر دڑبہ ایسا ہو جس کی چھت ٹین کی ہو اور جو گرمیوں میں اوپر سے اُٹھا دی جائے اور اس کی جگہ لوہے کی جالی لگا دی جائے تو بہتر ہے۔ بارش میں اس جالی پر ٹین یا چھپر ڈال دیا جائے۔ دڑبہ کی پیمائش ۶ فٹ × ۴ فٹ ہونی چاہیئے۔ یہ تقریباً بیس پٹھوں یا بارہ پورے قد کی مرغیوں کے لئے کافی ہوگا۔ اب مندرجہ ذیل ترکیب سے اڈے بنا لیجئے۔ درختوں کی چند

شاخیں جو کہ ڈیڑھ انچ موٹی ہوں لیکر دو کھمبے ایسے بنائیے جو چار فٹ لمبے ہوں اور چھ ایسے جو کہ دو فٹ لمبے ہوں۔ اب ان کی چارپائی جیسی چوکھٹ بنا لیجئے۔ اور جوڑنے سے پہلے لک یا سلگنم میں خوب تر کر لیجئے۔ اس چوکھٹ کو ڈربے کے اندر رکھ دیجئے اور اس کے چاروں پائے چار مٹی کے پیالوں میں رکھ دیجئے۔ جن میں پانی بھرا ہوا ہو۔ اس طرح چیچڑیاں رات کے وقت اڈوں پر چڑھ کر مرغیوں کو ستا نہ سکیں گی۔ یہ چیچڑیاں ہر سال ہزاروں مرغیوں کی موت کا باعث ہوتی ہیں۔ خیال رہے کہ پیالے میں ہر وقت پانی بھرے رہیں۔ اور یہ بھی دیکھنا لازمی ہے کہ مرغیاں سوتے وقت ضرور اس چوکھٹ پر بیٹھیں۔ عموماً مرغیاں خود بخود چوکھٹ پر بسیرا لیتی ہیں۔ اندھیرا ہونے پر ایک بار دیکھ لیجئے۔ اگر کوئی مرغی چوکھٹ کی بجائے فرش پر سوتی نظر آئے تو اس کو آہستہ سے اُٹھا کر اوپر چوکھٹ پر بٹھا دیں۔ چند دنوں کے بعد وہ خود بخود چوکھٹ پر بیٹھنے لگے گی۔ ہر صبح فرش کی صفائی کر کے ریت یا راکھ چوکھٹ کے نیچے بچھا دینی چاہئے۔ اگر فرش گیلا نظر آئے تو چھت کی مرمت کیجئے۔ چوہوں کا ڈر ہو تو ڈربے میں تالا لگا دیا کریں۔ سال میں دو بار اس ڈربے میں لک یا سلگنم پھیر دینا چاہئے۔ ڈربے کا رُخ ایسا ہو کہ اس کے اندر دھوپ جا سکے۔ اور ہوا بھی بخوبی آ جا سکے۔ مگر ایسا نہ ہو کہ ہوا کا جھونکا پڑے یعنی کھڑکیاں آمنے سامنے نہ ہوں۔ پختہ اینٹوں کے ڈربے میں سال میں ایک بار سفیدی ہونی چاہئے۔ اور ڈربے کا فرش پختہ ہو جس کو کبھی کبھی فینائل سے دھو دیا کریں۔ اور اگر لکڑی کے ڈربے کا فرش بھی لکڑی کا ہے تو وہ زمین سے کم از کم ۶ انچ ہونا چاہئے۔ اب بنگلے میں دانہ ڈالنے کے لئے گڑھے تیار کیجئے۔ دس بارہ مرغیوں کے لئے ایک گڑھا، جو ایک فٹ گہرا اور پندرہ فٹ مربع ہو کھودیں۔ اور اس کو کنکر وغیرہ کوٹ کر مضبوط کر دیں۔ اس گڑھے میں چھ انچ موٹی پرالی بچھا دیں۔ اور دانہ ہمیشہ اس پر ڈالیں تاکہ مرغیاں پنجوں سے کرید کرید کر دانہ تلاش کر کے کھائیں۔ یہ بچھالی مندرجہ ذیل اشیاء سے بنائی جاتی ہے۔ گندم کی نال یا چاولوں کی پرالی درختوں کے سوکھے پتے لکڑی کا چھلکا یا برادہ یا اور کوئی کم خرچ چیز۔ یہ چیزیں ۲ انچ لمبی کاٹ لیجئے۔ اور گڑھے میں ان کی ۶ انچ موٹی تہہ بچھا دیجئے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مرغیاں انڈے نہ دیں گی۔ کیونکہ ان کی کافی ورزش نہ ہو گی۔ موسم برسات میں بچھالی کو بدل دیا کریں کیونکہ گیلی بچھالی جانور کے لئے مہلک ہے۔

خوراک

سب سے پہلے یہ یاد رکھنے والی بات ہے کہ ایک مرغی کو خواہ کتنی ہی اچھی خوراک دیتے جاؤ وہ کبھی بھی ان انڈوں سے زیادہ تعداد میں انڈے نہیں دے گی جتنے کہ اس کے ورثے میں آئے ہوئے ہیں۔ اس لئے مرغیاں پالنے کے لئے ایسی نسل انتخاب کیجئے جو بہت انڈے دینے والی ہو۔ تاکہ اخراجات کے مطابق انڈے بھی مل جائیں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک بہت انڈے دینے والی مرغی مناسب خوراک نہ ملنے سے اس تعداد سے بھی کم انڈے دے جو اس کو ورثے میں ملے ہیں۔ اس لئے مرغیوں سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے۔ عمدہ نسل مناسب خوراک۔ موزوں رہائش کی جگہ اور ممکن صفائی کی ضرورت ہے۔ اب خوراک کی قسمیں لیجئے:۔

دانے

گندم یہ دانے جب مرغیوں کے لئے اکیلے یا مکئی کے ساتھ دیئے جاتے ہیں تو نہایت عمدہ غذا ثابت ہوئے ہیں۔ سرخ اور سخت قسم کی گندم استعمال کیجئے۔ کیڑا لگی ہوئی گندم ٹھیک نہیں ہے۔

مکئی یہ مرغیوں کے لئے نہایت فائدہ رساں خوراک ہے۔ اگر دَل کر دی جائے تو اور بھی اچھا ہے۔ کیونکہ بآسانی ہضم ہو جاتی ہے۔ زرد مکئی بہ نسبت سفید مکئی کے زیادہ اچھی ہے۔

باجرا اور جوار یہ مندرجہ بالا دونوں کی نسبت کم فائدے کی چیزیں ہیں۔ اگر گندم یا مکئی مہنگی ہو تو ان میں جوار یا باجرہ بھی

ملا سکتے ہیں۔

السی۔ یہ پر بڑھانے کے لئے موزوں ہے۔ اور جب مرغیاں پر جھاڑ رہی ہوں تو ہر تیسرے دن ایک مٹھی ڈال دیا کریں۔

پسی ہوئی غذائیں

گندم کا آٹا گندم کا آٹا بغیر چھاننے کے بہت مفید چیز ہے۔ یہ مرغیوں کی تمام خوراکوں میں بہتر چیز ہے۔ اس میں دانوں کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں یہ دانوں کی نسبت زیادہ زود ہضم اور مزیدار ہے۔

مکی کا آٹا یہ مغربی ممالک میں بہت زیادہ مقدار میں استعمال ہوتا ہے۔ اور مانا گیا ہے کہ انڈوں کی ساخت کے لئے یہ بہت قیمتی چیز ہے۔ اس کے علاوہ جسمانی حرارت اور طاقت کو برقرار رکھتا ہے۔

ونڈ یا چنے کا دلیہ۔ یہ چنوں کا دلا ہوا بیسن سے زیادہ موٹا آٹا ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں بہت زیادہ پروٹین ہوتی ہے لیکن بوجہ زود ہضم نہ ہونے کے اس کو کھلانے میں زیادہ احتیاط لازمی ہے۔

چوکر یہ بازار میں عام طور سے مل جاتی ہے لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ ناقص اور گندی چیزیں اس میں شامل نہ ہوں۔ یہ مرغیوں کے کھانوں کی تمام ملاوٹوں میں ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ اس کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) خوراک کی مقدار کو بڑھاتی ہے۔ اور مندرجہ بالا بہت طاقتور دانوں کی غذائی کو گھول میل دیتی ہے۔ اور اس طرح وہ بآسانی ہضم ہوکر جزو بدن ہو جاتا ہے۔

(۲) تمام غذاؤں کا تناسب ٹھیک رکھتی ہے اور انتڑیوں کی خرابیوں کو بوجہ ملین ہونے کے درست رکھتی ہے۔

(۳) نہایت ضروری معدنیات خوراکیں مہیا کرتی ہے کیونکہ سب سے زیادہ فاسفورس اس میں ہے۔ موجودہ مشین کے ذریعہ سے آٹا پیسنے کے طریقے سے جو چوکر حاصل ہوتی ہے وہ خراب ہے۔ دستی چکی کے آٹے کا چوکر سب سے بہترین چیز ہے۔ چوکر اچھا اور موٹا ہونا چاہئے جب یہ دو دفعہ مشین کے پاٹوں میں سے گذر جاتا ہے تو اس کی خاصیت اور صلیت کمزور ہو جاتی ہے۔ ایسا عموماً بڑی فیکٹریوں میں ہوتا ہے۔ چوکر کے اچھے یا برے ہونے کی ایک عمدہ پہچان یہ ہے کہ ہاتھ چوکر میں ڈالو اگر ہاتھ کو کافی آٹا لگ جائے تو سمجھ لو کہ چوکر اچھا ہے۔

باجرے اور جوار کا آٹا۔ اگر مکئی کا آٹا نہیں مل سکتا تو اس کی جگہ یہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ یہ اتنا فائدہ مند نہیں جتنا زرد مکی کا تازہ آٹا۔

سبز خوراکیں

اگر مرغیوں کو سال بھر تازہ سبز خوراک ہر موسم میں نہیں مل سکتی تو ان کا اچھی طرح نشوونما پانا ناممکن ہے۔ سبزیوں اور سبز خوراکوں کی بہت اقسام ہیں جن میں سے منتخب کی جاسکتی ہیں۔ ہر قسم کی سبز خوراک جو کہ انسانوں گھوڑوں اور دیگر حیوانوں کے لئے موزوں ہیں مرغیوں کے لئے بھی استعمال ہوسکتی ہے۔ مندرجہ ذیل سبزیوں میں سے چھانٹ لیجئے۔

نرم دوب۔ گھاس۔ سبز گندم۔ چری۔ برسیم۔ لوسرن۔ پالک۔ مولیوں کے چھوٹے چھوٹے پودے۔ سلاد۔ بند گوبھی۔ پھول گوبھی کے پتے کرم کلا۔ گاجروں کے پتے وغیرہ وغیرہ۔

اگر مرغیوں کے لئے اپنے باغیچے میں کوئی خاص سبز بوئی ہو تو لوسرن گھاس سب سے اچھی چیز ہے۔ اس کو اوپر سے

پان

ہم اور آپ غریب اور امیر تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ ہندوستان میں سب ہی پان کھاتے اور کھلاتے ہیں۔ والسرگل لاج میں، نظام پیلس میں ہمارے اور آپ کے یہاں مہمان کی مدارات پان اور تمباکو ہی سے کی جاتی ہے کچھ لوگ عادت کے طور پر کچھ فیشن کے زیر تحت اور کچھ افزائش حسن کی خاطر اس کا استعمال کرتے ہیں۔ ہندو، مسلمان۔ عورت مرد کی تمیز نہیں ہر شخص اس کا دلدادہ معلوم ہوتا ہے۔ عہد گذشتہ میں کہتے ہیں کہ حکیم شفائی محمد علی بقا نے اسکو کسی مریض کے لئے تجویز کیا تھا جس کو عرصہ دراز سے مسوڑھوں اور گندہ دہنی کی شکایت تھی اس نسخہ کے استعمال سے اس کو اس قدر فائدہ ہوا کہ اس نے اس کو بازار میں حکیم کی اجازت حاصل کر کے فروخت کرنا شروع کیا خدا کی دین تھی کہ اس میں اس کو من مانا فائدہ ہوا رفتہ رفتہ نسخہ عام ہو گیا اور لوگ اس کو شوقیہ استعمال کرنے لگے

اس وقت تک اس میں صرف کتھا ڈلی پان ہی ہوا کرتا تھا۔ سوئے اتفاق ملاحظہ ہو کہ حضرت ظلِ سبحانی شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی مشہور عالم بیٹی زیب النساء کو کسی طبیب حاذق نے چونا استعمال کرنے کے لئے کہا ذائقہ خوش گوار نہ ہونے کی وجہ سے اس نے بجائے صرف چونا کھانے کے اس کو پان کے ساتھ استعمال کیا۔ اتفاق وقت کہئے یا خوش بختی کہ جب وہ اپنے کو سنوارنے کے لئے آئینہ کے روبرو گئی اس کو اپنے ہونٹ بہت زیادہ سرخ اور دلکش معلوم ہوئے۔ پھر کیا تھا امرا کی سب ہی تقلید کرتے ہیں، لیجئے چونا جزو پان ہو گیا۔ عورتوں نے خصوصاً اور مردوں نے عموماً اس کو افزائش حسن کی خاطر بڑی چاہ سے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ حکما اور شوقین حضرات نے اس میں مزید اضافے کئے کسی نے اعلیٰ درجہ کی تمباکو بنائی تو کسی نے مشکبار قوام تیار کیا کسی نے الائچی کو جزو اعظم قرار دیا کسی نے سنہرے اور روپہلے ورقوں سے اس میں چار چاند لگائے غرضکہ پان نے سب ہی کو ایسا لبھایا کہ اللہ دے اور بندہ لے یہ ایسا منھ لگا کہ پھر چھٹنا دشوار ہو گیا۔ تو ابین لکھنؤ کی عشرت پسندیوں نے تو اس کو ایسا عروج دیا کہ حقیقتہً بیان سے باہر ہے لوگ کہتے ہیں کہ خلد آشیاں سلطان عالم نواب واجد علی شاہ غفران مآب کے ایک پان کی قیمت اکیس اشرفی ہوا کرتی تھی ...... نواب غضنفر الدولہ مقرب بارگاہ سلطانی نواب مظفر جنگ بہادر والئ فرخ آباد کی بیگم اول کے پاندان کا خرچ پچاس ہزار اشرفی ماہانہ تھا ــــــــ جنت آرامگاہ نواب کلب علی خاں والئ رامپور کے متعلق مشہور ہے کہ وہ پان نوش فرماتے تھے جسے اگر چھت سے زمین پر پھینکا جائے تو سینکڑوں ٹکڑے ہو جائیں۔ یہ تھی وہ قدردانی جس نے پان کو اس عروج تک پہنچایا۔

میں بھی پان کی بہت عادی ہوں اور جس وقت میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ نیویارک میں مقیم تھی تو میرے والد صاحب قبلہ کے لئے ہندوستان سے ہوائی جہاز کے ذریعہ ڈھولیاں کی ڈھولیاں جایا کرتی تھیں چنانچہ وہاں کے عورت و مرد اس کو بڑی حیرت سے دیکھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میری ایک سہیلی مس ادہم مرے نے مجھ سے اس کے متعلق دریافت کیا اور جب اُن کو یہ معلوم ہوا کہ اس سے دانت کی بہت سی بیماریاں جاتی رہتی ہیں تو بڑی خوشی سے اسکو استعمال کیا ایک بار کھا لینے کے بعد پھر حضرت پان کہاں چھوٹتے اس وجہ سے آج تک میں ہندوستان سے ان کے لئے اعلیٰ درجہ کے پان ہر ہفتہ بھیجتی ہوں اور اب صرف وہی نہیں بلکہ بہت سی اعلیٰ تعلیم یافتہ لیڈیاں اس کو عام طور پر کھاتی ہیں اور امید قوی ہے کہ پانچ برس کے اندر کم از کم امریکہ میں اس کے پرستاروں کی تعداد بہت کافی بڑھ جائیگی۔

بعض حکماء کا خیال ہے کہ جہاں پان سے گندہ دہنی نہیں ہوتی۔ دانتوں کی جڑیں غذا سے آلودہ نہیں رہنے پاتیں اور افزائش حسن ہوتی ہے، وہاں چونے سے دانتوں کی جڑیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ تمباکو سے تنفس کا عارضہ ہو جاتا ہے۔ ڈلی مردوں کے لئے بے حد مضر ہے۔

یہ امر واقعہ بھی ہے مگر ہم کو یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ہر چیز کی زیادتی خرابی کا باعث ہوتی ہے۔ اگر ہم اعتدال برتیں تو یہ تمام شکائتیں کبھی ہو ہی نہیں سکتیں۔ مگر لوگ تصویر کا ایک ہی رُخ دیکھتے ہیں۔

چنانچہ موجودہ دور کی فیشن پرست خواتین جن کے لئے کپڑے سینا۔ بچے پالنا۔ گھر کا انتظام۔ مرد کی خدمت بھی باعث سوہان ہے کہ اس بات کی

حاصل ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ وہ تقلید مغرب میں اپنے ہونٹ رنگنے کے لئے ولائتی قسم کے سرخ رنگ یا لپ اسٹک استعمال فرماتی ہیں۔ حالانکہ اس سے بجائے افزائش حسن کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے خدانخواستہ منھ پر ڈھیلا مار دیا تھا اور بیگم صاحبہ یا دلہن جی کا منھ لہولہان ہو گیا ہے۔ خواہ منھ کے اندر کتنی ہی بدبو آتی رہے۔ مگر وہ یورپین یا اینگلو انڈین عورتوں کی طرح اپنا منھ لال لال ضرور کریں گی۔

ایک مرتبہ میں لکھنؤ سے کانپور واپس جا رہی تھی اور بالکل میرے مقابل والی سیٹ پر علیگڈھ گرلس کالج کی ایک ممتاز اور رئیس فرد تشریف رکھتی تھیں ان کی ساری نہایت اعلیٰ تھی سنٹ بھی خوب مہک رہا تھا۔ جوتے بھی اعلیٰ درجہ کے اور نئے تھے اور کوٹ بھی سوڈیڑھ سو روپیہ کی قیمت کا ہوگا۔ انہوں نے مجھ سے انگریزی میں میرا نام اور جائے مقام دریافت کیا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میں ایک ہندوستانی عورت ہوں اُردو میری مادری زبان ہے۔ ہندی میرے ملک کی دوسری زبان ہے اس لئے میں اُردو یا ہندی ہی میں گفتگو کرنا پسند کرونگی مجھے انگریزی سے سخت نفرت ہے۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئیں اور میرے کچھ زیادہ نزدیک ہوگئیں۔ اُن کے ہونٹ گلنار تھے مگر وہی لپ اسٹک کی بدولت۔ جب وہ مجھ سے نزدیک تر ہوگئیں تو میرا جی متلانے لگا۔ کیونکہ اُن کے منھ سے ایسی بدبو آ رہی تھی کہ گویا سو یا ڈیڑھ سو انڈے بیک وقت گندے ہو گئے ہیں۔ معاً میرا خیال پان کی طرف گیا میں نے انہیں پان پیش کرنا چاہا۔ وہ بولیں اس سے منھ خراب ہو جاتا ہے۔ میں نہ کھاؤں گی۔ میں نے کہا "مگر اس سے منھ میں بدبو نہیں آتی"۔

اس پر وہ خفیف سی ہو گئیں۔ مگر پان نہ کھانا تھا نہ کھایا۔

کنیز فاطمہ کاش ایم۔ اے

نقّاشِ قدرت

باغ میں پھل سرنگوں ہو کر لٹکتے ہی رہے
پھول اِن کو دیدۂ حیرت سے تکتے ہی رہے
بحر کی بیتاب موجیں سر پٹکتی ہی رہیں
کوششِ گفتار میں کلیاں چٹکتی ہی رہیں
کونپلوں نے اپنے منھ کھولے قبائیں چاک کیں
طفلکِ غنچہ نے بھی رنگیں ردائیں چاک کیں
شاخ نے پنجے بڑھائے جستجو کے واسطے
اور زباں پتے نے کھولی گفتگو کے واسطے
جگنوؤں نے اک نرالا آسماں پیدا کیا
جس سے شرمائیں ستارے وہ جہاں پیدا کیا
مرغ خوش الحاں نے نغمے خیر مقدم کے سنائے
اور عناصر نے نئے اسلوب سے صحرا سجائے
کونے کونے میں پھری بادِ صبا آتی ہوئی
جھانکتی پتے ہلاتی۔ دوڑتی۔ مڑتی ہوئی
ذوقِ دید، اور یہ کشش کیوں قلب مجروح ہو رہا ہے
کوئی مقناطیس کیا اس آہنی پیکر میں ہے

محمود اسرائیلی

صفحہ ۱۳ کا بقیہ

دانتری سے کاٹ لیں تو یہ پھر بڑھ آئیگی سینچی اور پیاز زیادہ مقدار میں نہ دینا چاہئے۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اگر ان کو زیادہ مقدار میں دیا جائے تو ان چیزوں جیسی بو انڈوں میں آنے لگتی ہے۔ جب ہر قسم کی سبز خوراک ختم ہو جائے تو شلجم اور کبھی کبھی پیاز کتر کر تھوڑی مقدار میں دیں گندم اور چنے وغیرہ کسی برتن یا ٹوکری میں پانی چھڑک چھڑک کر اگائے جا سکتے ہیں لیکن ان کے اُگانے کے لئے مٹی استعمال نہ کی جائے۔ اور یہ پورے جڑوں سمیت دیئے جا سکتے ہیں۔

م۔ ن۔ بیگم

حقیر

میں اُسے ہمیشہ چڑاتا رہتا کہ ہر امتحان میں رعائتی نمبروں سے پاس کی جاتی ہے۔ ورنہ حقیقتاً فیل ہوجاتی ہے۔ شروع شروع میں تو اُس نے میری بات کی تردید کرنے کی کئی دفعہ کوشش کی۔ مگر میں ٹھیرا ایک حاضر جواب اور اس پر طرہ یہ کہ علیگڈھ کالج کا گریجویٹ، بھلا میرے آگے وہ کیا جیت سکتی تھی۔ آخر اُس نے میری بات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرنی ہی چھوڑ دی جب میں چچی سے کہتا کہ آمنہ کو تو آپ بیکار اسکول بھیجتی ہیں۔ یہ محنت تو کچھ کرتی نہیں۔ ہر مرتبہ فیل ہوجاتی ہے۔ اُستانیاں رعائتی نمبر دیتے دیتے تھک گئیں۔ تو آمنہ مسکرا کر چُپ ہوجاتی۔ اُس کے چُپ ہونے پر میں اور زیادہ تنگ کرنے کے لئے کہتا۔ "چچی آجکل لڑکیاں تو بس بناؤ سنگار میں لگی رہتی ہیں۔ تعلیم کی طرف تو وہ ذرا بھی توجہ نہیں دیتیں۔" آمنہ میری اس بات پر بھی نہ بولتی۔ حالانکہ جہاں تک اُس کا تعلق تھا، یہ بات قطعی جھوٹ تھی۔ چچی ہنس کر کہتیں۔ "اب تو تم بالکل سفید جھوٹ بولنے لگے۔ ہماری آمنہ تو بہت سادگی پسند ہے۔ اسے تو بناؤ سنگار سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔" اور میں جواب دیتا "یہ رنگین کپڑے، یہ اونچی ایڑی کا جوتا۔ یہ بہترین سرج کا کوٹ اسے آپ سادگی کہتی ہیں"۔ لیکن دراصل بات یہ تھی کہ آمنہ اپنی آرائش پر ذرا بھی وقت صرف نہ کرتی تھی۔ پھر اُس نے خدا جانے کیوں رنگین کپڑے بھی پہننے چھوڑ دیئے۔ اور اونچی ایڑی کا جوتا بھی۔ البتہ کپڑے اُجلے ضرور رکھتی تھی۔ سفید شلوار سفید قمیص سفید اوڑھنی اور سب بے داغ۔ مجال ہے کہ کسی پر ذرا سا دھبہ لگا ہو۔

میں جب بھی اُن کے یہاں جاتا تو وہ کوشش کرتی کہ کسی بہانے سے دوسرے کمرے میں چلی جائے۔ لیکن میں پھر اُسے بلا لیتا مثلاً مجھے دیکھ کر اگر وہ دوسرے کمرے میں چلی جاتی تو میں چچی کے پاس ذرا سی دیر بیٹھ کر پینے کے لئے پانی مانگ لیتا اور چچی اُسے اُسے آواز دیتیں۔ "آمنہ بھائی کو پانی پلا جاؤ۔" آمنہ سہمی ہوئی آتی اور شاید دل میں پیچ و تاب کھاتی ہوئی پانی کا گلاس ہاتھ میں ہوتا اور نظریں زمین پر۔ میں پھر وہی ذکر چھیڑ دیتا۔ امتحان کا لیکن وہ اُسی طرح نیچی نظریں کئے خاموش کھڑی رہتی۔ پہلے پیشانی پر جو بل نظر آتے تھے اب وہ بھی رخصت ہوگئے تھے

گو اُن کا مکان ہمارے مکان سے بالکل ملا ہوا تھا۔ لیکن میں اُن کے یہاں دوسرے تیسرے دن جاتا تھا چچی ہمیشہ اس بات کی شکایت کرتیں اور اُن کی شکایت کا یہ اثر ہوا کہ میں تقریباً ہر روز جانے لگا۔ مگر نہ جانے مجھے آمنہ کو تنگ کرنے اور چڑانے میں کیوں مزا آتا تھا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ جب وہ کسی بات کا جواب ہی نہ دیتی تھی اور یہاں تک کہ اُس کے لب سے تبسم اور پیشانی سے بل بھی رخصت ہوگئے تھے تو میں بار بار یہ بات کیوں کہتا رہا۔

وہ نویں جماعت میں تھی۔ ایک دن چچی نے مجھے بتایا کہ اب تو آمنہ بہت رات تک پڑھتی رہتی ہے۔ میں نے ذرا بلند آواز سے جواب دیا تاکہ دوسرے کمرے میں آمنہ بھی میری بات سُن سکے۔ حالانکہ چچی نے بات آہستہ سے کہی تھی۔

"یونہی آپ کو دکھانے کے لئے کتاب لے کر بیٹھ جاتی ہوگی۔ ورنہ یہ کیا پڑھے گی۔ پاس تو ہوتی ہے ہمیشہ رعائتی نمبروں سے"۔

بات یہ تھی کہ وہ آٹھویں جماعت کے سالانہ امتحان سے دو ایک مہینے پہلے بیمار ہوگئی تھی۔ اور بیمار بھی ایسی ہوئی تھی کہ پڑھنا لکھنا سب بھول گئی، اس لئے ایک آدھ مضمون میں فیل ہوگئی۔ لیکن چونکہ دوسرے امتحانوں میں اچھے نمبروں سے پاس ہوتی رہی اس لئے ہیڈ ماسٹرنی نے اُسے روکنا مناسب نہ سمجھا۔ اور رعائتی نمبر دے کر پاس کر دیا۔

اسی مذاق میں نویں جماعت کا سالانہ امتحان شروع ہوگیا۔

ایک دن جب وہ پرچہ دے کر آئی تو میں اُن کے یہاں بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کا چہرہ سُرخ ہو رہا ہے۔ سلام کر کے سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی میں نے کہا آمنہ بھئی یہ تو میں جانتا ہوں کہ سوالوں کے جواب تم نے خاک بھی نہ لکھے ہوں گے لیکن مجھے پرچہ تو دکھا جاؤ۔ اُس نے کچھ جواب نہ دیا پھر چچی نے آواز دی " بھائی کو پرچہ دکھا جاؤ۔ آمنہ بیٹا!"

اُن کے لڑکا کوئی نہ تھا اور لڑکی بھی صرف ایک یہی تھی۔ اس لئے چچی اور چچا اسے ہی بیٹا کہتے تھے۔

آمنہ آتی اُسی طرح زمین پر نظریں جمائے چہرہ جذبات سے یکسر خالی۔ نہ غصہ نہ خوشی لیکن معمول سے زیادہ سُرخ۔ میں نے اُس سے پرچہ لیا ہی تھا کہ وہ ایک دم واپس چلی گئی۔ اور جس دن وہ آخری پرچہ دے کر آئی اُس دن بھی میں اُن کے یہاں ہی بیٹھا تھا اُس دن اُس کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ سُرخ ہو رہا تھا۔ دہلیز سے صحن میں قدم رکھتے ہی اُس نے مجھ پر ایک نظر ڈالی اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اگر آج میں نے اپنی بات دُہرائی تو یہ رو پڑے گی لہٰذا میں چُپ رہا۔ اور وہ حسب عادت سلام کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد اُسے بُلانے کے لئے میں نے شرارتاً کہا۔ "آمنہ آج کاہے کا پرچہ تھا۔ آج بھی کچھ جواب لکھے کہ نہیں؟" اُس کے جواب نہ دینے پر چچی بولیں " بھائی کو پرچہ دکھا جاؤ آمنہ بیٹا" لیکن وہاں سے پھر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ چچی نے دوبارہ آواز دی تو اُس نے کہا "مجھے تو بخار ہو رہا ہے"۔ اُس کی آواز کچھ کپکپا سی رہی تھی۔ چچی اور میں ایکدم اُس کے کمرے میں گئے۔ وہ پلنگ پر لیٹی تھی۔ چچی نے اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور میں نے کلائی تھام لی۔ اُس نے ایک دم گردن پھیر لی۔ جیسا کہ اُس کی آنکھوں میں اچانک آنسو بھر آئے تھے۔ اور انہیں چھپانے کے لئے اُس نے دوسری طرف رُخ کر لیا تھا۔ میں نے چچی سے کہا بخار بہت تیز ہے۔ میرے خیال میں ابھی ڈاکٹر کو بلا لینا چاہیئے۔"

چچی کے دریافت کرنے پر اُس نے بتایا کہ کئی دن سے بخار ہو رہا ہے۔ بخار ہی میں مدرسے امتحان دینے جاتی رہی اور بخار ہی میں رات کو بارہ بارہ ایک ایک بجے تک پڑھتی رہی اور یہ سب کچھ کیوں کیا ــ اس لئے کہ امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہو جائے۔

اُس کی بیماری سے میں سب ہنسی مذاق بھول گیا۔ دن رات اُس کے پلنگ کے قریب بیٹھا۔ دوائیں دیتا رہتا اور دعائیں مانگتا رہتا۔ لیکن بخار اور تیز ہوتا گیا پھر بخار کی تیزی سے اور شاید انگریزی گرم دواؤں سے سرسام ہو گیا۔

بیماری کے دوران میں ایک دن جب میں دروازے میں کھڑا تھرمامیٹر ہاتھ میں لئے اُس کے بخار کا درجۂ حرارت پڑھ رہا تھا یہ سرسام ہونے سے ایک دن پہلے کی بات ہے۔ چچی باہر دودھ گرم کرنے گئی ہوئی تھیں آمنہ نے کہا " شوکت بھائی!" میں نے اُس کی طرف مڑ کر دیکھا۔ اور اُس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:۔ "کیا آپ مجھے اتنا ہی حقیر سمجھتے ہیں۔ جتنا کہ زبان سے کہتے ہیں" میں نہ جانے کیوں ہنس پڑا۔ وہ چُپ ہو گئی، اور ایک عجیب قسم کی مایوسی اُس کے چہرے پر چھا گئی۔ میں تھرمامیٹر رکھ کر اُس کے قریب گیا اور اُس کے پلنگ کے بالکل برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا لیکن اُس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ میں اُٹھ کر دوسری طرف کرسی پر بیٹھ گیا . . . .

. . . اُس نے پھر پہلی طرف رُخ کر لیا۔ میری ہنسی سے یقیناً اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ اور شاید اُن آنسوؤں کو چھپانے کے لئے وہ میری طرف رُخ کرنا نہ چاہتی تھی۔

میں نے پوچھا۔ " لیکن آمنہ تمہارے دل میں یہ خیال کیوں آیا کہ میں تمہیں حقیر سمجھتا ہوں"۔ اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ اُسی طرح منہ موڑے خاموش لیٹی رہی۔ اور پھر اچانک مجھے کئی باتیں یاد آ گئیں۔ ایک روز میں اُن کے یہاں گیا تو چچی نے خوبصورت کڑھا ہوا میز پوش اور تکئے کا غلاف پیش کیا اور بولیں " یہ آمنہ نے خاص طور پر تمہارے لئے کاڑھے ہیں"۔ میں نے دونوں چیزیں ہاتھ میں لیکر کھول کر دیکھیں اور یہ کہتے ہوئے میز پر رکھ دیں ابھی تو یہ بچی ہے ابھی اسے ان چیزوں کے کاڑھنے کا شعور کہاں پھر ایک دن چچی نے کچھ سموسے اور کباب دیئے میں نے ایک سموسہ اور ایک کباب چکھا اور پلیٹ یہ کہتے ہوئے واپس کر دی کہ یہ چیزیں آمنہ نے پکائی ہونگی جبھی بے مزہ ہیں۔ میں سوچ رہا تھا اور

باقی دیکھئے صفحہ ۳۱۳ کالم اول پر

خانہ داری

(جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے)

کیل و مُہاسہ

کیلیں دو اسباب سے پیدا ہوتی ہیں۔ ذاتی عدم صفائی اس سے میل کچیل جلد کے مساموں کو بند کرتا اور بعض کو بڑا کر دیتا ہے۔ اور موم جیسا مادہ جس کا سر سیاہ ہوتا ہے جمع کرتا رہتا ہے۔ دوسرا سبب اندرونی ہے یعنی بدہضمی یا اخراج کی بےقاعدگی۔ بالفاظ دیگر پسینہ، پیشاب پوری طرح نہ آتا ہو۔ اس سے مُہاسے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی جسم فضلات اور زہریلے مادے مساموں کے ذریعہ باہر پھینکنے کی کوشش کرتا ہے مسام بڑے ہو جاتے ہیں اور میل کچیل سے بھر جاتے ہیں۔

فطرتاً ہر علاج میں اندرونی کیفیت کو درست رکھنا مدنظر ہونا چاہئے۔ اس وقت علاج کارگر ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ بیرونی طور سے بھی کیلوں کا مقابلہ کیا جائے۔ یعنی جلد کو پوری طرح صاف کیا جائے۔ تاکہ موم جیسا مادہ رفتہ رفتہ ڈھیلا ہو کے نکل جائے۔ کیل کی لئی اس طرح تیار کی جاتی ہے۔ مستریوں کا لئی کا صابن Mechanics Paste Soap ایک سفید کرکرا مصالحہ ہے، جو پنساریوں اور انگریزی دوا فروشوں سے مل سکتا ہے۔ اس کا تھوڑا سا حصہ کولڈ کریم مساوی مقدار کے ساتھ ملائیں۔ بذات خود یہ صابن بہت خشکی کرتا ہے اور رنگ و روپ کے لئے بہت سخت چیز ہے۔ لیکن کریم اس سے چرمچڑاہٹ نہیں پیدا ہونے دیتی۔ اس کے استعمال کرنے سے پہلے گرم پانی سے جلد دھو ڈالیں، تھوڑی سی لئی مل دیں مگر ملنے کی ضرورت نہیں گرم پانی ہی سے بعد میں دھو ڈالیں۔ اگر جلد میں خشکی معلوم ہونے لگے تو تھوڑی سی کولڈ کریم مل دیں جس جگہ کیلیں ہوں وہاں زور سے اسے ملیں۔

آئینہ سے بولنے کی مشق

کیا آپ کو معلوم ہے کہ جب آپ بولتی ہیں آپ کا مُنھ کھل جاتا ہے۔ آج کل عموماً اس طرح الفاظ زبان سے نکالے جاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ منھ بند ہے یا کچھ یونہی سا کھلا ہے لوگ مُنھ ہی مُنھ میں بولتے ہیں۔

مغرب میں آئینہ کے سامنے بعض سکھانے والے بولنا سکھلاتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں حرف پر کس قدر مُنھ کُھلے جس سے وہ ادا بھی خوب ہو جائے اور چہرہ بھی نہ بگڑے۔ وہاں چونکہ بڑی بڑی دُکانوں پر خوبصورت نوجوان لڑکیوں کو ملازم رکھا جاتا ہے اور ان کی خوش اخلاقی اور دلکش گفتگو سے فروخت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے یہ خاص طور پر دیکھا جاتا ہے کہ وہ بولتی کیسے ہے۔ چنانچہ ایک لڑکی نے آئینہ سامنے رکھ کر اچھی طرح بولنے کی مشق کی۔ کارخانہ دار اپنے ایجنٹوں کو مُنھ کھول کر بات چیت کرنے کی علیحدہ اچھی اُجرت دیتے ہیں۔ جو کارندے غلبل غلبل یا غیر صاف بولتے ہیں وہ کامیاب ثابت نہیں ہوتے۔

اُردو زبان میں بولتے ہوئے وہ نقص پیدا نہیں ہوتا جو انگریزی بولنے میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ انگریزی میں اکثر لفظ اس طرح بولے جاتے ہیں کہ بیچ میں سے یا سرے ہی سے کچھ حرف گر جاتے ہیں۔ مثلاً اُردو میں ارے میاں کو ارماں کہہ دینا۔ زنانہ اردو بات چیت بہت دلکش ہو سکتی ہے۔ اس لئے جہاں اور سنگھار کیا جائے۔ وہاں بول چال بھی دلفریب اور دلآویز ہونی چاہئے۔

گھر میں محبت

اکثر شکایت سُنی جاتی ہے کہ فلاں ہم سے محبت نہیں کرتا۔ ماں باپ کو شکایت ہے کہ بچے ان سے محبت نہیں کرتے۔ اُن کے دل میں اُن کی محبت کا ہونا ان کا حق ہے۔ وہ ناہموار اور ناشکر گذار ہیں۔ بیوی کو گلہ ہے میاں کے دل میں اُس کی ذرا محبت نہیں۔ اُن کو تو اپنے گھر کا دھندا چلتے رہنا منظور ہے۔ اور کچھ غرض نہیں میاں کو شکوہ ہے کہ بیوی

بے حس ہے پتھر ہے۔ چولھے اور چکّی کی گرویدہ ہے۔ جذبات محبت کو وہ کمبخت کیا جانے!۔ مگر صاحبو! محبت کوئی فطری بنی بنائی چیز نہیں کہ ہاتھ لگ جائے۔ یہ حاصل کرنے سے میسّر ہوتی ہے۔

آدمی کو محبت کا اہل بننا پڑتا ہے اُسے ثابت کرنا چاہئے کہ وہ محبّت کا مستحق ہے۔ بچّوں کو ہر وقت دھمکایا جائے۔ اُن پر اعتراض کیا جاتا رہا ہے۔ مان لیا کہ ماں یا باپ جو کچھ اس سلسلہ میں کرتے ہیں۔ وہ محبت یا مادر و پدر شفقت کی وجہ سے ہے۔ مگر بچّے اسے نہیں سمجھتے۔ انہیں ان باتوں سے زندگی وبال معلوم ہونے لگتی ہے۔ گھر انہیں پریشانی کا مقام معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے وہ جس قدر جلد ممکن ہوتا ہے گھر ہی سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ وہ ماں باپ سے ڈرنے لگتے ہیں بالکل اسی طرح گویا اُن کی موجودگی کوئی مصیبت ہے۔ والدین کو بچوں کے رنج و خوشی میں کھیل کود میں اس طرح شریک ہونا چاہیئے کہ وہ انہیں اپنا دوست سمجھنے لگیں۔ اور اُن سے اپنے دل کی بات کہہ سکیں۔ اور رہنمائی حاصل کر سکیں۔ بچوں کے معاملہ میں محبّت کوئی فطری چیز ہے ہی نہیں کسی شیرخوار بچّہ کو ماں سے چھین لیجئے۔ وہ ہر اُس عورت سے ماں جیسی محبت کرنے لگے گا جو اُس سے محبّت سے پیش آئے۔

بد مزاج اور فضول شوہر کو یہ حق کیسے حاصل ہے کہ اُس کی بیوی اُس سے خواہ مخواہ محبت کرے۔ حالانکہ وہ اپنی بیوی سے کبھی محبّت و تلطف سے پیش نہیں آتا۔ اُس کے کسی کام کو نہیں سراہتا۔ بولتا ہے تو صرف مین میخ نکالنے کو۔ ایسی کونسی عورت ہے جو ایسے شوہر کے لئے ایکٹری کرے۔ اور اُس کے گھر میں آنے کے وقت زبردستی چہرہ پر مسکراہٹ قائم کر دے۔ مرد کی یہ شکایت فضول ہے کہ بیوی بچّے اُسے محض روپیہ پیسہ کی کل سمجھتے ہیں۔ اور بیوی کا یہ گلہ بھی بیجا ہے کہ اُس کا شوہر اس سے بالکل بے پروا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیوی ہو یا شوہر، ماں ہو یا باپ سب کو چاہیئے کہ وہ قابل محبّت بنیں اپنے آپ کو محبّت کا مستحق بنائیں۔ محبت خود سے اُٹھنے والی چیز نہیں، یہ اکتسابی ہے!

خالی محبت بھی کچھ چیز نہیں۔ ایسے میاں بی بی کمیاب ہیں کہ باوجود فاقہ مستی کے بیوی اپنے نکھٹو شوہر سے آنکھ بند کر کے محبت کئے جائے۔ شروع میں کیسی ہی محبّت ہو آخر تجربہ بتا دیتا ہے کہ زندگی روٹی کپڑے کا نام ہے۔ اس سے استغنا نہیں برتا جا سکتا۔ شادی بھی ایک قسم کا کاروبار ہے۔ اس میں کسب معاش۔ بچوں اور ایک دوسرے کی نگہداشت اہم امور میں جن کی تکمیل نہایت لابد ہے، شادی سے پہلے یہ ایک دلخوش خواب معلوم ہوتا ہے۔ جس کو دیکھ دیکھ کے آدمی خوش ہوتا اور سر دھنتا ہے۔ مگر شادی کے بعد تصورات اور خوش خیالی سب رفوچکر ہو جاتی ہیں۔ زندگی اپنی ٹھوس ذمہ داریوں کے ساتھ نظروں کے سامنے قائم ہو جاتی ہے۔

شادی کے بعد شوہروں کے جا بجا تصور فرو گذاشتوں کا نتیجہ ہیں۔ اور بیویوں کی خطائیں ارتکاب سے ظہور پذیر ہوتی ہیں دس عورتوں میں سے نو کی یہ شکایت نہ ہوگی کہ ہمارے شوہر فلاں بات کرتے ہیں بلکہ یہ ہوتی ہے کہ فلاں فلاں بات نہیں کرتے اُن کی شکایت یہ نہیں ہوتی کہ اُن کے شوہر انہیں مارتے ہیں یا بھوکا رکھتے یا گالیاں دیتے ہیں یا اُن سے بیوفائی کرتے ہیں یا اُن سے نامہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں شکایت صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ ان سے تغافل برتتے ہیں۔ عام طور سے مردوں کو جن میں ہونہار اور عقیل بھی شامل ہے یہ خیال ہے کہ ہمارا فرض صرف روپیہ کما کر بیوی کو لا دینا ہے۔ بیوی کا کام یہ ہے کہ روپیہ لیکر خوش رہے۔ اس کے کھانے پہننے کو بہت کافی ہے۔ اور اچھا گھر اُس کے رہنے کے لئے ہے۔ ان لوگوں کے دماغ میں یہ بات کبھی نہیں آتی کہ آجکل تو بیویاں بھی خود خوب کما کھا سکتی ہیں۔ دستکاری تعلیم وغیرہ نے اُن کے لئے دروازے کھول دیئے ہیں شادی کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ وہ روٹی کپڑا لے کر خوش ہو جائیں۔ وہ محبّت رفاقت کی متوقع ہیں اور جب یہ نہیں تو شادی کا کیا؟

ہے۔ اور بیوی ایسی ہی دکھی رہتی ہے جیسے وہ مار کھا کر رہتی ہے۔ ایسے بہت سے شوہر ہیں جو بیوی کے ہر کام میں نقص نکالنا ہی شیوہ مردانگی سمجھتے ہیں۔ گھر میں کوئی کام بگڑ جائے اس کی ذمہ داری اس کے سر تھوپ دی جاتی ہے۔ گھر کے سلیقہ کی وہ کبھی تعریف نہیں کرنے بیٹھتے۔ بہت سے شوہر اپنی بیویوں کو کبھی تفریح نہیں کراتے۔ وہ گھروں کے صندوقوں میں بند ہو کر دم بخت ہو جاتی ہیں ان کو ان بیچاریوں کی ذاتی خوشی کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ایسی غفلت کرنے والے شوہر بیشتر دل میں اپنی بیویوں کی محبت رکھتے ہیں۔ اُن کے دل ہی دل میں گُن گاتے اور مدحت سرائی کرتے ہیں۔ یہ اُن کے دل اندھے ہیں کہ انہیں محسوس نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بظاہر بے پروائی اور بے تعلقی سے اپنی بیویوں کے دل توڑا کرتے ہیں۔ اور اُن کی زندگی برباد کر ڈالتے ہیں۔ جو چیز شادی شدہ عورت کی زندگی خراب کرتی ہے وہ اُس کے شوہر کا اس سے برتاؤ ہے۔ نہ وہ چیز جو وہ اُسے دیا رہتا ہے یہ قصور مردوں کی فروگذاشت کا نتیجہ ہیں!

عورتوں کی خطاؤ قصور ارتکاب و عمل کا نتیجہ ہیں۔ بیویوں کی حرکات و سکنات ویسے ہر طرح خوش و خرم متاہلانہ زندگی کی خرابی کا باعث ہو جایا کرتی ہیں۔ سب سے بڑی بات جس کا ارتکاب بیویاں کیا کرتی ہیں نکتہ چینی ہے وہ خود بھی عقل و حواس کے لمحات میں محسوس کیا کرتی ہیں۔ کہ کوئی اور چیز ان کے شوہروں کی محبت کو چکنا چور نہیں کر سکتی۔ وہ اپنے شوہروں پر اس کے سگرٹ یا پان کھانے کے طریقے پر فقرے کستی ہیں۔ یا اعتراض کرتی ہیں کہ وہ اس طرح کھانا کیوں کھاتا ہے۔ وہ فرش پر پاؤں رکھنے سے پہلے اُن کو پائدان پر کیوں نہیں پونچھ لیتا۔ اُسے گھر سے کچھ واسطہ نہیں فلاں فلاں شوق اُس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ان میں وہ محو رہا کرتا ہے مثلاً جب دیکھو کتاب پڑھتا رہتا ہے۔ یا جب وقت ملتا ہے ٹینس یا تاش کھیلنے چلا جاتا ہے۔ یا اپنے دوستوں سے ملنے کا بڑا شائق ہے۔ یا جس کسی کو قرض دیتا ہے اُسے واپس نہیں ملتا تو وہ کیوں اُدھار دیتا ہے۔ یا اپنے کاروبار میں یہ غلطیاں کر کے روپیہ کا نقصان اُٹھاتا ہے۔ بڑا خود رائے ہے وغیرہ۔ پھر مزا یہ ہے کہ یہ باتیں ایک دفعہ کہہ کے نہیں چھوڑ دی جاتیں۔ بار بار کہی جاتی ہیں۔ اعتراض، چوٹ، نکتہ چینی فقرے بازی کا چکر جو چلتا ہے تو بند ہونے کا نام نہیں لیتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شوہر گوشۂ تنہائی ڈھونڈتا اور لبوں پر مہر لگا لیتا ہے۔ مبادا کوئی لفظ منہ سے نکلے اور ہنگامہ شروع ہو جائے۔

خانگی ٹوٹکے

گھروں میں چربی اور چکنائی ضائع جاتی ہے اسے اکٹھا کرتے رہیں۔ کافی تعداد ہو جائے تو ادھ سیر کاسٹک سوڈا ۹ چھٹانک گرم پانی میں ڈال کر تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہلاتے رہیں حتیٰ کہ سوڈا گھل جائے ۲ سیر چربی آگ پر پگھلائیں پھر اسے اتنے بڑے برتن میں جس میں ہلایا جا سکے ڈالدیں۔ پھر آہستہ آہستہ سوڈا اور پانی ڈالدیں اور ۲۴ گھنٹے اس مرکب کو پڑا رہنے دیں برتن مانجھنے کا صابن تیار ہو جائیگا۔

معمولی صابن سنگھاری بنایا جا سکتا ہے فد صابن کسی بڑے برتن میں چھیل لیں اور اسے آگ پر پگھلائیں پھر کھوپرے کا تیل ۲ چھٹانک شہد دو دو چھٹانک اور اصلی دارچینی کا تیل تھوڑا سا ملائیں چھ سات منٹ تک سب اجزا کو ابلنے دیں پھر برتن میں نکالکر دوسرے روز تک پڑا رہنے دیں کام کے لائق ہو جائیگا

جوتے اُتارتے ہی پونچھ کے رکھ دینے چاہئیں۔ اس سے ان کا رنگ خراب نہیں ہونے پاتا۔ چکنائی کے دھبے پڑ جائیں تو فلرس ارتھ Fullers Earth پانی میں گاڑھا کر کے دھبوں پر لگائیں۔ حتیٰ کہ خشک ہو جائے۔ اور ساری چکنائی جذب کرے اس سے رنگ خراب نہیں ہوتا اور چکنائی دور ہو جاتی ہے۔

لیموں کے رس اور گلیسرین سے چہرے کے داغ دھبے اور چھائیاں دور ہو جاتی ہیں۔

چاندی کی چیزوں میں کافور کی ڈلی رکھ دینے سے چاندی پر سیاہی کے دھبے نہیں آنے پاتے۔

کسی چیز کو جلد اُبالنا ہو تو اس میں چمچہ نہ پڑا رہنے دیں۔

رائی (Mustard) کا ایک چمچہ دھونے کے پانی میں ملا دیں برتنوں سے مچھلی کی بو جاتی رہیگی۔

محمد ظفر

سیر بین

بیواؤں کی فتح

ہندوستان میں بھی اب کنوار کوٹ چھنے جا رہے ہیں۔ اپنے خاندانوں ہی میں شادی کرنے کے اصول نے بہت سی زندگیاں برباد کر دی ہیں۔ مگر یہ پابندی اس قدر زبردست ہے کہ مصیبتوں سے سبق حاصل نہیں ہوتا۔ خاندان میں لڑکے نہیں ملتے، جو ملتے ہیں وہ نکھٹو بدمذاق اور ناقابل اعتبار۔ مغرب میں نہایت آزادی کے باوجود بہت سی لڑکیاں بڈھی کنواریاں (اولڈ میڈ) رہ جاتی ہیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوتا۔ اُن کے مقابلہ میں بیوائیں آسانی سے شادی کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ ایک عورت نے ٹٹ بٹس میں سوال کیا کہ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ ۴۰ سال کی عمر میں میں کیوں بڈھی کنواری کہلاتی ہوں اور ۴۰ سال کی وہ عورت جس ۴۰ - ۴۵ سال کی وہ عورت جس کا شوہر جاتا رہا ہے نوجوان بیوہ کہلاتی ہے؟

مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ کیوں وہ عورت جو ۴۰ - ۴۵ سال کی عمر تک بے بیاہی رہ جائے پھر اس کی شادی کی کوئی امید نہیں رہتی۔ لیکن اسی عمر کی ایک بیوہ کو دوسرا شوہر حاصل کر لینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی؟ ہر دفعہ کیوں بیوہ بڈھی کنواری کو شادی کے معاملہ میں مات دے جاتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے اور اس جواب سے ہندوستانی بیبیاں بھی شوہروں کو رام کرنے کے راز معلوم کر سکتی ہیں۔ بات یہ ہے جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے مرد کی بھیڑ کی مانند ہے وہ رہنما کے پیچھے چلتے ہیں اور بعض یہ بات کہ کسی مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا اور کوئی جھگڑا نہیں ہوا ثابت کر دیتی ہے کہ وہ اچھی چیز ہے۔ دوسرے مردوں کے سامنے اچھی اور نباہ دینے والی بیوی بن سکنے کا اچھا مستقبل پیش کرتی ہے مٹھی چیز پر مکھیاں گر رہی ہوں تو اور مکھیوں کا رخ بھی ادھر ہو جائیگا اگر کسی چیز پر کوئی مکھی نہ جاتی ہو تو اور مکھیاں بھی اس سے رخ پھیر لیں گی یہی حال عورت و مرد کا ہے۔ عورت جس قدر ہر دلعزیز ہوگی اسی قدر اس کے زیادہ طلبگار ہونگے بعض عورتیں بے حد مقبول ہوتی ہیں اور بعضوں کی کوئی بات بھی نہیں پوچھتا۔ دنیا میں تو کامیابی کی پوچھ گچھ ہوتی ہے۔ کامیاب ہی کو کامیابی پر کامیابی حاصل ہوتی چلی جاتی ہے۔

بڈھی کنواری بیوہ سے اس لئے مات کھا جاتی ہے کیونکہ بیوہ کو مرد برتنے کا تجربہ ہو چکتا ہے اس کو شوہر مل چکا ہوتا ہے جس سے اُسے مردوں کی ذات کا علم حاصل ہو جاتا ہے گویا وہ ایک ہوشیار تجربہ کار ہے اور کنواری بڈھی محض ناکام امیدوار۔ یہ بیوہ ہی ہے جو غریب بھوکے رنڈوے کے دل کو جو ہوٹلوں اور ریستورانوں پر کھانا کھا کھاتے اکتا گیا ہے۔ اس کے سامنے اپنے ہاتھ کے اچھے پکائے ہوئے کھانے دسترخوان پر چن کے اور گھر میں سفید چاندنی بچھا کے گاؤ تکیہ کے برابر آرام سے اُسے بٹھا کے موہ لیتی ہے۔ وہ اُسے باہر سیر کرانے یا تفریح کے مقامات دکھانے کے لئے چلنے کا اصرار نہیں کرتی۔ وہ بیوہ ہی ہے جو اپنے شوہر کے دوستوں اور عزیزوں سے واقف ہونے کی وجہ سے اُن میں سے بہترین کو منتخب کر کے خانگی انتظامات کے سلسلہ میں کچھ اس قسم کا اثر ڈال کر اُس کے دل میں اس کی طرف سے رحم کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ کہ اس بیوہ میں خوبیاں ہیں اس کی زندگی پھر درست کر دینی مناسب ہے۔ اور اچانک عزیز یا دوست کو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے مرے ہوئے شوہر کی جگہ حاصل کر لی ہے۔

یہ بیوہ ہی ہے جو مرد کے دل میں شگفتگی پیدا کر کے اُس میں اعتماد قائم کرتی ہے۔ وہ اسے آپ کو رستم سمجھنے اور دانائی میں ارسطو کا ہم پلہ سمجھنے کی استعداد پیدا کرتی ہے۔ وہ اعتراضات یا تضحیک سے اسے خود اپنی نظروں میں ذلیل ہونے نہیں دیتی۔ وہ اُس کا دل بڑھاتی ہے

اس کے جذبات اور باتوں کی وقعت کرتی ہے۔ اُس کے رنج میں غمگین اور خوشی میں خوش و خرم ہوتی ہے۔ یہ باتیں بھلا بڈھی کنواری کو کہاں نصیب اُن کی غیرت کب تقاضہ کرتی ہے کہ وہ اس قدر اطاعت اور انکسار اختیار کریں، بیوہ کی کامیابی کا باعث یہ ہے کہ مرد جانتا ہے کہ وہ اُس کے ساتھ نباہ رکھی اور اُس پر کوئی غیر معمولی بار ڈالنے کی کبھی کوشش نہ کرے گی۔ بیوہ کو تجربہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ شوہر کیا چیز ہے۔ محض انسان خطا و نسیان سے مرکب! ان میں سینکڑوں نقائص ہیں تو سینکڑوں خوبیاں بھی ہیں۔ جو زندگی کی گاڑی کم سے کم بڑبڑا کے کھینچتا ہے خوش رہتا ہے

یہ وجوہ ہیں جن کی بدولت بیوائیں کنواریوں سے جیت جاتی ہیں۔ ممکن ہے یہ محض ہمارا خیال ہو مگر دنیا پر نظر ڈالئے جیتتی ہوئی بیوہ ہی نظر آئیگی۔

بات کی خاطر

چند سال کا ذکر ہے کہ ایک جرمن نے محض اس وجہ سے کہ محض اتفاق سے اس کی دائیں بانہہ سے اس لڑکی کے جس سے وہ شادی کرنا چاہتا تھا چوٹ آگئی۔ اور اس کی آنکھوں سے تکلیف کی وجہ سے آنسو بہنے لگے۔ وہ بانہہ ہی کٹوا دی۔ اسی طرح اُنہی دنوں میں ایک بلجیمی کو اس کی ہونے والی بیوی نے بزدل کہہ دیا تھا۔ وہ بے پروائی سے شیروں کے پنجرہ میں گھسا وہاں اس نے اخبار پڑھنے اور ایک سگرٹ پینے میں پانچ منٹ صرف کئے۔ اور اس عرصہ میں شیر تندی سے غراتے اور ناک بھوں چڑھاتے رہے۔ وہ اسی بے پروائی سے یہ کارنامہ انجام دیکر باہر نکل آیا۔

پندرہ بیس سال کا ذکر ہے ایک باشندہ پیرس کو اُس کی منگیتر نے نکھٹو اور زنانہ پن کا طعنہ دیا۔ وہ فوراً ہی دنیا کے گرد پیدل سفر طے کرنے کے لئے چل پڑا اس کی جیب میں صرف سوا آٹھ آنے تھے۔ وہ تیس ہزار میل کا دنیا کا چکر لگا کر دو سال بعد لوٹا اور اپنی آمدنی میں سے ۶۶۶۶ روپیہ بچا کر لایا۔

نیپلز (اٹلی) کے ایک امیر کبیر کا لڑکا ایک دوزن کے پیچھے اپنے خاندانی عزاز و تمول سے منہ موڑ کر لندن آگیا، وہاں دونوں نے شادی کر لی۔ جب لڑکے کا اندوختہ ختم ہوگیا تو اُس نے ایک نائی کی دکان میں نوکری کر لی۔ اس کی بیوی نے بھی سلائی کا کام شروع کر دیا گذارہ چلنے لگا اور دونوں ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔ وہ کہتا تھا کہ میرے برابر کوئی خوش نصیب اور خوش و خرم نہیں۔

۷ سال ہوئے ایک کاونٹ کے لڑکے نے دو لاکھ پونڈ سالانہ کی آمدنی پر لات مار کر ایک دھوبن سے شادی کر لی۔ باپ نے اسے عاق کر دیا۔ لندن میں آکر اُس نے خود فکر معاش کر لی اور اپنی اس حرکت پر کبھی نہ پچھتایا۔ شیرِ ڈین انگلستان کا زبردست ڈراما نویس کبھی کبھی سائیس کا بھیس اس لئے اختیار کر لیتا تھا کہ مس لنلی کے ہمراہ رہ کر اس کے گھر تک پہنچا آئے۔ اُسی زمانہ میں ایک آسودہ حال مگر نے اُس عورت کی خاطر جس سے وہ شادی کرنا چاہتا تھا اور اُس نے کسی دوسرے سے شادی کر لی۔ بیس سال تک اُس کے شوہر کی پیادہ گری کی۔ جب وہ مرگیا تو اُس عورت نے اس کی وفاداری کے صلہ میں اُس سے شادی کر لی۔

جانوروں کی طویل عمر

ایک بلی ۴۲ سال کی ہو کر مری۔ یہ عمر بلی کے لئے پختہ سمجھی گئی۔ بلی اگر ۱۳ یا ۱۴ سال تک جی سکے تو یہ انسان کے ۶۰ سال کی عمر کے برابر ہے۔ بعض بلیاں ۲۵ اور ۲۶ سال تک زندہ رہتی دیکھی گئیں۔ دو بلیوں کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہے کہ اُن کی عمر ۳۰۔ ۳۰ سال ہوئی۔ چوہیاں تین سال کی عمر تک پہنچ گئی ہیں۔ کتے اور بھیڑیں بھی بلی کی برابر عمر پاتے ہیں۔ گھوڑے اور گدھے ۴۰ اور ۵۰ تک عمر حاصل کرتے ہیں۔ مضبوط نسل کے ٹٹو ۵۵ یا ۶۰ تک زندہ دیکھے گئے ہیں۔ بہت زیادہ محنت لے جانے والے گھوڑے بیس سالوں کے آخر میں یا ۳۰ سالوں کے شروع میں مرجاتے ہیں۔ گائے اور سور شاذونادر ہی ۳۰ سال تک پہنچتے ہیں۔ شمالی امریکہ کے گھڑیال سو سال سے زیادہ عمر پاتے ہیں اور دیو ہیکل کچھوے

تین سو سال تک زندہ رہجاتے ہیں۔ چنانچہ لندن کے چڑیا گھر میں ایک کچھوا مار ماٹیوک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ شاہ چارلس دوم کے زمانہ میں زندہ تھا۔

دیو ہیکل چھپکلیاں ۷۰ سال تک زندہ رہتی دیکھی گئی ہے۔ مچھلیوں میں کارپ مچھلی صد سالہ عمر پاتے بتائی جاتی ہے۔ مگر اس کی تصدیق نہیں ہوئی۔ تیرفیاں بیس سال بلکہ زیادہ تک زندہ رہجاتی ہیں۔ خاص قسم کے طوطے سو سال تک زندہ رہتا دیکھا گیا ہے۔ ایک طوطا اکیسو بیس سال کا کین سنگ ٹن میں اور ایک سو برس کا مغربی ہیمپ سٹیڈ میں دیکھا گیا

ہندسوں کے شگون

پرانے وقتوں سے ہندسوں سے نیک و بد شگون لئے جاتے رہے ہیں۔ مغرب میں ہندسوں پر بڑا اعتقاد ہے۔ شیرو آنجہانی ہندسوں سے لوگوں کے آیندہ زمانہ کے حالات بتلادیتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ فیثاغورث دو کے ہندسے کو منحوس سمجھتا تھا۔ لیکن یہ روح و مادہ مرئی اور غیر مرئی دنیاؤں کا جوڑا اور اُن کا باہم انضباط و انحصار بھی ظاہر کرتا ہے۔ اب جو چاہے اسے اچھا سمجھے یا بُرا

تین کا ہندسہ کامل خیال کیا جاتا ہے۔ سب سے بڑی قوت ذاتی، اور وجود کی تثلیث اس سے نمایاں سمجھی جاتی ہے۔ سات خوش نصیبی کا ہندسہ سمجھا جاتا ہے۔ قدیم لوگ اسے واقعی مقدس سمجھتے تھے۔ پیدائش کے سات دن۔ خدا کے تخت کے سامنے سات روحیں، ہفتہ کے سات دن۔ عیسائی نماز کے سات رکن اور سات دعائیں آدمی کی زندگی کی سات منزلیں ایشیا کے سات گرجا۔

نو کے ہندسے میں رمز سمجھی جاتی ہے۔ نجوم کے عالم اسے اپنی پیشگوئیوں وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں۔

نیند کی مقدار

ہر آدمی اپنی نیند پوری لے لیتا ہے۔ جو لوگ رات کو کم سوتے ہیں۔ وہ دن میں خاص خاص وقتوں میں اس طرح اونگھ جاتے ہیں کہ خود اُنہیں اس کی خبر نہیں ہوتی اس طریقہ سے اُن کی نیند پوری ہوجاتی ہے طامس ایڈیسن امریکی موجد اسی سال سے زیادہ جیا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ اس کا مقولہ تھا کہ آدمی بہت کم نیند پر جی سکتا ہے۔ اور لوگ خواہ مخواہ نیند پر بہت وقت ضائع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنا عمل یہی بتاتا تھا کہ وہ بہت کم سوتا ہے۔ لیکن ماہران نفسیات کہتے ہیں کہ ایسے لوگ اپنے نفس کو دھوکا دیا کرتے ہیں۔ ورنہ اصل میں وہ خود بے خبرہ کے دن کے مختلف حصوں میں سو سو کر ۲۴ گھنٹوں سے آٹھ گھنٹے کی نیند اور آدمیوں کی طرح لے لیا کرتے ہیں۔ ایڈیسن کی سب سے مشہور ایجاد فونوگراف ہے۔ اور اس پر اسے ناز تھا وہ اس کا ذکر خوشی سے کرتا تھا۔ اسی پر بعد میں گراموفون بنا۔ اس سے پوچھا گیا کہ آپ ۲۴ گھنٹوں میں کس قدر سوتے ہیں۔ تو اس نے جواب دیا کہ میری بیوی کا اصرار ہے کہ میں چھ گھنٹے سوتا ہوں۔ اس لئے میں اس کی بات ماننے پر مجبور ہوں۔ ایڈیسن بہرا تھا اور ہر وقت اپنی تجربہ گاہ میں کام کرتا نظر آتا تھا۔ اس سے جس کو سوال کرنا ہوتا وہ اس کے پاس کاغذ پر لکھ کر بھجوا دیتا۔ جواب کاغذ پر ہی آجاتا ہے۔

برنارڈ شا اوروں کی طرح پوری نیند سوتا ہے۔ ۸ ½ بجے صبح اُٹھ بیٹھتا ہے اور پھر دن بھر نہیں سوتا۔ اور مشہور آدمیوں کے متعلق بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ ساڑھے سات اور آٹھ گھنٹے سو لیتے ہیں۔ بعض وقت مقررہ پر جاگ اُٹھتے ہیں۔ خواہ رات کو دیر میں سونا ملا ہو یا اس سے پہلی رات کو جاگتے رہنے کا موقع ہوا ہو۔

وقتِ موت حالت

قصوں، تذکروں اور زبانی باتوں نے موت کو خوفناک بنا رکھا ہے۔ موت سے آدمی ڈرتا ہے جس طرح بچہ اندھیرے میں جانے سے ڈرا کرتا ہے ورنہ اس کے متعلق سمجھدار کہتے ہیں کہ زندگی

ہلا دینے والا بخار ہے۔ جس کے بعد بیمار اچھی طرح سو جاتا ہے۔ آدمیوں کی موت کے وقت حالت مختلف دیکھی گئی ہے کوئی سکون کی حالت میں انتقال کر جاتا ہے اور کوئی بے حد بےچین ہوتا ہے۔ بعض بڑے آدمیوں کی موت کے وقت اسی طرح ہیجان پیدا ہو جاتا ہے جیسی اُن کی زندگی پُرآشوب گذری۔ نپولین۔ آلیور کرامول۔ چارلس جیمس، فوکس کے مرنے کے وقت طوفان آئے بعض ایسے آدمیوں کی جنہیں کوئی اچھا نہیں کہتا موت اچھی آئی ہے۔ میری ٹیوڈر انگلستان کے حکمرانوں میں سب سے زیادہ ملامت و نفرت کا نشانہ رہی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جو عزیز اور ہمدرد اُس کے بستر مرگ کے قریب جمع تھے شہادت دیتے ہیں کہ اس نے انہیں تسلی دی اور بتایا کہ اُسے بہت اچھے خواب آتے ہیں اُسے بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے فرشتوں جیسے نظر آتے ہیں جو دلکش گیت گا رہے تھے اور اُسے غیر معمولی تسکین دے رہے تھے اُس نے انہیں یہ بھی کہا کہ تم لوگ ہر بات کو منجانب اللہ سمجھو اور اعتقاد رکھو کہ وہ ہر معاملہ کو ہمارے حسب اطمینان انجام دیگا

اس بچاری کو تاریخ میں اچھے لفظوں سے یاد نہیں کیا گیا۔ اس کا باپ اُس کا شوہر بھی اس سے متنفر تھا فلپ دوم اسی ہسپانیہ کا بادشاہ جہاں سے اسی زمانہ میں مسلمان بُری طرح نکالے گئے اور جس نے انگلستان پر حملہ کرنے کے لئے آرمیڈا یعنی جہازوں کا زبردست بیڑا تیار کیا۔ مرنے کے وقت بیٹے کو کہتا ہے دیکھو بادشاہوں کی شان و شوکت دیکھو۔

ولیم پٹ انگلستان کا زبردست وزیر اعظم مرتے وقت ہوا کا رُخ بار بار پوچھتا تھا جب اُسے بتایا گیا کہ اب مشرق سے چل رہی ہے تو اُس نے کہا! آہا۔ ٹھیک ہے۔ وہ اُسے جلدی آئیگی۔ گویا وہ اُس وقت بھی نلسن کے غرب الہند سے ٹریفالگر جانے کا منتظر تھا اس جگہ نپولین سے زبردست جنگ ہوئی تھی جس میں اُسے شکست ہوئی تھی۔ ڈسرائیلی مرنے سے پہلے بیہوش رہا۔ مرنے کی صبح کو اس نے یکدم سر اُٹھایا اور وہ کچھ بڑبڑاتا رہا گویا اپنے حریف کی تقریر کا جواب دینے کو وہ اُٹھا چاہتا ہے اُس نے کیا کہا۔ اس کا ہمعصر گلیڈسٹون ناسور کی سخت تکلیف میں مبتلا تھا۔ جب اُسے بتایا گیا کہ اب موت قریب ہے تو اس نے اطمینان کا سانس لیا اور ذرا دیر بعد مر گیا۔

پھلجھڑیاں

اس لڑائی سے پہلے برطانیہ میں سبزیوں سے بٹن بنائے جاتے تھے جو ہاتھی دانت کے سے معلوم ہوتے تھے۔ اب کوئلہ سے اور کئی چیزوں کی ساخت کے سلسلہ میں بٹن بھی بنائے جانے لگے ہیں۔ ایک کارخانہ دس کروڑ سالانہ کی رفتار سے بٹن بنا رہا ہے۔ اور ۲۰ کروڑ تک بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور یہ بھی صرف دو سو مزدوروں کی مدد سے۔ ایک مکمل ڈریس سوٹ کے بٹن ۶۰، ۵ اور جنگی لباس کے بٹن ۲۰۸۰۰ فی گھنٹے بنائے جا رہے ہیں۔ ایک جنگی لباس میں ۲۶ بٹن لگتے ہیں۔

فلنڈرز سٹریٹ ملبورن آسٹریلیا کا سٹیشن دنیا میں سب سے زیادہ چہل پہل کا ہے۔ اس کے بعد نمبر لورپول سٹریٹ لندن کا ہے۔ ۲ لاکھ ۳۰ ہزار مسافر اسے روزانہ استعمال کرتے ہیں اور ہر ۲۴ گھنٹے میں ۱۲ سو گاڑیاں آتی جاتی ہیں۔ اس کے بعد لندن ہی کے واٹرلو۔ لورپول اسٹریٹ۔ وکٹوریہ کنگس کراس۔ بوسٹن سیڈ بخش کے سٹیشن بلحاظ رونق درجہ بدرجہ آتے ہیں۔

انسان کے جسم میں سو نسیں ہیں۔ پانچسو چھٹانک ریشم کے کیڑوں سے ۵، ۷ چھٹانک ریشم حاصل ہوتی ہے۔

پہلے آدمی کو میں پن بنانے میں دس گھنٹے لگتے تھے۔ پلگرمس پروگرس کتاب کا ۴۸ زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔

سورج چاند سے آٹھ لاکھ گنی زیادہ روشنی دیتا ہے۔ آجکل کے اوزاروں سے کم از کم فاصلہ ۲۵ ہزار حصہ انچ تک ناپا جا سکتا ہے۔

ہاتھ ملانے کی رسم یہودیوں سے جاری ہوئی مرغی کے بچے انڈے میں سے یونہی اسے توڑ کر نہیں نکلتے۔ وہ دائرے کی شکل میں بائیں سے دائیں کو توڑتے

سینے کی مشین اور عورتوں کے برابر کام کرتی ہے۔ زینہ پر چڑھنے میں ہموار زمین کے مقابلہ میں آٹھ گنی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے

رحم کی بھیک

رفیقۂ حیات کی خطرناک علالت سے پریشان ہوکر

الٰہی تو شفا بیماریوں سے دینے والا ہے
سیہ راتوں میں تیرے اسمِ اعظم سے اجالا ہے

جو تو چاہے تو مایوسی مسرت سے بدلتی ہے
اشارے پر ترے رحم و کرم کے سانس چلتی ہے

وہ ہو جاتا ہے تو چاہے جو اے معبود کر دینا
تجھے آساں ہے ناموجود کو موجود کر دینا

مرض بخشے تو اے وہم و گماں تو اے خدا بخشے
شفا بخشے تو بے پرہیز بخشے بے دوا بخشے

تری رحمت تسلّی بخشِ جانِ زار ہوتی ہے
دعا سنتا ہے تو جب ہر دوا بیکار ہوتی ہے

ہوئی مجھ پر بھی کچھ ایسی ہی تیری لطف فرمائی
عجب مایوس کن حالات میں میں نے شفا پائی

کیا ٹوٹے ہوئے دل کی دعاؤں نے اثر پیدا
نئے سر سے کیا تو نے مجھے بارِ دگر پیدا

قضا لیکن مناجاتِ سحر گاہی ہوئی شاید
ترے شکرِ کرم میں مجھ سے کوتاہی ہوئی شاید

کہ دل پر از سرِ نو لشکرِ غم کی چڑھائی ہے
دہائی ہے تری چشمِ ترحم کی دہائی ہے

مری تیمارداری نے کیا بیمارِ غم کس کو
نہیں تھا میری بالیں پر خیالِ ماسوا جس کو

بخار انعام ٹھیرا جذبۂ خدمت گذاری کا
یہ بدلہ شوہرِ بیمار کی تیمارداری کا

الٰہی امِّ زہرا ہاشمی پر رحم فرما دے
ترے صدقے کرم دور از قیاس و وہم فرما دے

نہ بن جائے سکونِ مستقل ماضی کی بیتابی
نہ ہو تمہید خوابِ مرگ وہ راتوں کی بے خوابی

الٰہ العالمیں سچّی نوازش کر اگر کی ہے
حقیقی زندگی دے اپنی رحمت سے اگر دی ہے

نہ کر دردِ مجھے اِس ابتلائے ناگہانی کا
نہیں مفہوم ہی کچھ اس سے چھٹکارے زندگانی کا

اسے تو چھین لے مجھ سے نہ ایسا ہو کہیں یا رب
نہیں یا رب، نہیں یا رب! نہیں یا رب نہیں یا رب

تری رحمت کو جبر ایسا گوارا ہو نہیں سکتا
یہ ہو سکتا نہیں پروردگارا۔ ہو نہیں سکتا

میں واقف ہوں وفا کے جوش نے مجھ پر جفا کی تھی
مرے بدلے میں خود قربان ہونے کی دعا کی تھی

خطا ہے ایخدا تجھ سے کوئی ایسی دعا کرنا
مگر فرضِ تقاضائے وفا تھا یہ خطا کرنا

محبّت جیتے جی چھٹتے ہوئے دیکھی نہیں جاتی
یہ دولت آنکھ سے لٹتے ہوئے دیکھی نہیں جاتی

کہیں مقبول کر لینا نہ اس کی وہ دعا یا رب
بحل کر جذبۂ دردِ محبّت کی خطا یا رب

الٰہی تو نے اس کی بیکسی پر رحم کھایا ہے
مجھے اس کی دعا پر موت کے منھ سے بچایا ہے

تو میری بے بسی بیچارگی پر بھی نظر مولا
وہی لطف و نوازش آج میرے حال پر مولا

ترے قربان، احسانِ مکرر اے خدا فرما
مجھے بخشا ہے اس کو۔ اب اسے مجھکو عطا فرما

دعا سے میری اب اُس کو عطا کر زندگی یارب
مرے جذبِ محبت کو نہ ہو شرمندگی یارب
مری فریاد اگر رنگِ قبولیت نہ پائے گی
تو کیا کیا نازشِ عشق و وفا کو شرم آئے گی
بھنور سے جن کی کشتی کو ابھی تو نے نکالا ہے
وہی معصوم جن سے میری دنیا میں اُجالا ہے
وہ پھر مایوسیوں میں آج تجھ سے لو لگائے ہیں
وہ تجھ سے بھیک لینے پر بھکاری بنکے آئے ہیں
مسرت ان کو، کر کے ماں کی حالت ٹھیک دے یارب
پھر ان کو بھیک دے یارب، پھر ان کو بھیک دے یارب
نظر فرما یہ مالن اس اُجڑتے گلستاں کی ہے
الٰہی باپ سے زائد ضرورت ان کو ماں کی ہے
سنا یہ ہے کہ یارب جب کوئی معصوم روتا ہے
قیامت کا ترے بحرِ کرم میں جوش ہوتا ہے
تصدق اپنی رحمت کا کہ پھر ان پر کرم فرما
نہ توڑ ان کی اُمیدیں، دفع پھر طوفانِ غم فرما
الٰہی حکم دے اس غیر حالت کو سنبھلنے کا
تجھے ہے اختیار اپنی مشیت کے بدلنے کا
اُتر جائے یہ تپ یہ ورم امعا و جگر کم ہو
جو تو چاہے تو بزمِ عیش ابھی یہ بزمِ ماتم ہو
بنا وجہِ نشاطِ زندگانی اس کے جینے کو
بچا لے ڈوبنے سے اس محبت کے سفینے کو
محبت کا یہ ربطِ باہمی پائندہ رکھ مولا
مجھے زندہ رکھا ہے تو اسے بھی زندہ رکھ مولا
رہے تا حشر اس سے گرمیِ بزمِ وفا باقی
الٰہی رہتی دنیا تک یہ محفل اور یہ ساقی
مسرت دے ہم آہنگیِ سازِ سوز سے یارب
منور رکھ یہ گھر اس شمعِ جان افروز سے یارب

جام نوائی بدایونی

دوربین

روس کا میدانِ کارزار

سردی آپہنچی ہے۔ اس موسم گرما کی فتوحات سے جرمنوں نے اپنا محاذ تقریباً ۱۸سو میل بڑھالیا ہے سردیوں کے مقابلہ میں انہیں اس دفعہ کی سردیوں میں نسبتاً کم مصائب کا سامنا ہو۔ مگر علاقہ وسیع وطویل ہوجانے کی وجہ سے انہیں اس کے استحکام و انتظام کی روزافزوں مشکلات پریشان کردیں گی اور انہیں نظر آنے لگیگا کہ اُن کی کمزوری اور پسپائی کا وقت قریب ہے۔ جرمنوں کو سٹالن گراڈ پر نہایت گھمسان کی لڑائی لڑنی پڑرہی ہے انہیں مستقدمی ہر روز بہت گراں پڑرہی ہے۔ شمال مغرب کی طرف سے روسی لشکر نہایت تندی سے اپنا راستہ بنارہا ہے جرمنی نے اُس کی رکاوٹ کے نئے نئے طریقے اختیار کر رکھے ہیں لشکر کے آگے گھاس کے میدان میں بنزین اور تیل چھڑک دیتے ہیں جس سے آگ کے ناقابل گذر پہاڑ بھڑک اُٹھتے ہیں۔ جن کو موسلا دھار بارش ہی بجھا سکتی ہے رات کے وقت آسمان سے جرمنوں کی چھتریاں روشنی کی چندھیانے والی شعاعیں پھیلا کر روسیوں کی پیش قدمی بُری طرح روک دیتے ہیں۔ مگر روسیوں نے اپنے آقا سٹالین کا حکم لفظاً و معناً ماننے کا ثبوت دیا ہے کہ وہ ایک قدم پیچھے نہ ہٹیں مگر وزنی کے تیل کے چشموں کے لئے بھی جرمنوں نے فوجوں کی مسلسل لہریں قائم کررکھی ہیں اور اُن کے ساتھ ساتھ ٹینک لگے ہوئے ہیں۔ کوہ قاف کے پہاڑوں پر برابر وہ اپنی فوجیں چھتریوں کے ذریعہ اُتار رہے ہیں سٹالن گراڈ پر جرمنی چھ سو سے ایک ہزار ہوائی جہاز روزانہ بم گرگرے برسا رہا ہے شہر سے دھوئیں کے بادل اُٹھ رہے ہیں۔ اور رات کو آگ کی سُرخی آسمان میں پھیلی رہتی ہے۔ لڑائی گلی گلی اور گھر گھر میں جاری ہے شہر والے ہاتھ سے پھینکے جانے والے بم اور آگ کی بوتلیں جرمنوں پر چھتوں اور کھڑکیوں سے پھینک پھینک کے ان کا ناک میں دم کررہے ہیں۔ شہری ہر ممکن طریقے سے اپنے لشکر کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ روس میں جرمنی اپنا ایک نیا ہوائی جہاز استعمال کررہا ہے۔ جس میں ۱۷سو گھوڑوں کی طاقت کا انجن ہے۔ اور غالباً چار سو میل فی گھنٹہ چلتا ہے۔ مگر انگریزی ہوائی جہاز سپٹ فائر سے وہ بازی نہیں لے جاسکتا۔

شمال مغرب سے سٹالن گراڈ کی مدد کو آنے والا روسی لشکر شہر سے اب بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ صناعوں کے علاقہ میں اب لڑائی زوروں پر ہے۔ جرمنی کی فوجوں کا دباؤ روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔ شہر اب بالکل اکھڑا ہوا پنجر سا رہ گیا ہے ہر چیز برباد ہوچکی ہے۔ کارخانوں کے علاقہ میں جرمن لشکر بڑھنا شروع ہوگیا ہے۔ دریائے والگا کا پاٹ آجکل ایک میل ہوتا ہے اس پر پٹرول کے خالی پیپوں اور شہتیروں کا بہنے والا پل بنا ہوا ہے۔ اس پر سے دو لاکھ اسی ہزار روسی شہر سے ہجرت کرچکے ہیں۔ اس ایک ماہ کے عرصہ میں روسیوں کی فوجیں ساز و سامان سمیت اسی پر سے گذرتی رہی ہیں۔ مگر اب مسلسل بمباری، گولہ اندازی اور مشین گن بازی سے جرمنوں نے اسے ناقابل گذر بنا دیا ہے۔ چنانچہ رسد وغیرہ جو سٹالن گراڈ کی مدافعت کے لئے نہایت ضروری ہے اب پہنچنی مشکل ہوگئی ہے۔ صرف رات کو چوری چھپے پہنچ جائے تو پہنچ جائے۔

دوسرا محاذ

صدر امریکہ کے قائم مقام مسٹر وِنڈل وِلکی نے روس و چین کا سفر کیا اور اس دوران میں ایسی باتیں کہیں جن پر خود امریکہ میں اعتراض کیا گیا کہ انہیں اپنی زبان بند رکھنی چاہیئے تھی۔ انہوں نے روسی لشکر اور اس کی مدافعت کے مقامات کا معائنہ کرکے اعلان کیا کہ روسی فوج آسانی سے فتح نہیں کی جاسکتی اور وہ جرمنوں کے لئے سوہانِ روح بنی رہے گی۔ مگر اتحادیوں نے اپنا فرض ادا نہیں کیا جو یہ تھا کہ وہ روسیوں کی مدد کرتے۔ دوسرا محاذ قائم کرکے جرمنوں کو بدحواس کرتے اور انہیں نقصان پہنچاتے۔ سٹالن نے بھی بیان دیا کہ روس اتحادیوں کے حق میں سب سے زبردست کام انجام دے رہا ہے۔ جرمنوں کی کل قوت کا زور اسی پر پڑ رہا ہے۔ اور اس وجہ سے

اتحادی بچے ہوئے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اتحادیوں نے سامان وغیرہ سے جو مدد ہماری کی وہ بے انتہا ہے۔ اتحادی دوسرا محاذ کھولیں
اور روسیوں پر سے جرمنوں کا بار ہلکا کریں۔ اتحادیوں کی طرف سے بتایا گیا کہ وقت پر دوسرا محاذ بھی جاری کیا جائے گا۔ یہ ہنسی کھیل نہیں ہے کہ
کہتے ہی جاری ہو جائے۔ مہینوں سوچنا اور تیاریاں کرنا پڑتی ہیں۔ سامان حرب سے جو امداد اب تک روسیوں کو پہنچائی جا رہی ہے وہ اور شدید
کر دی جائے گی۔ چنانچہ سٹالن گراڈ کا شدید مقابلہ ثابت کر رہا ہے کہ روسی اپنی شکستہ حالت میں کیونکر قوی ہیکل دیو بن گئے ہیں۔ یہ ثبوت ہے
اتحادی امداد کا۔ اب نیا انکشاف شروع ہوا ہے کہ لائبیریا مغربی افریقہ کی جمہوریت میں امریکی فوجیں جگہ جگہ آ کے اہم مقامات پر قابض ہو گئی ہیں
معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکر پر چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی ہیں۔ گویا موسمی خرابیوں کی وجہ سے یورپ میں تو دوسرا محاذ قائم نہیں ہو سکتا۔ مگر افریقہ میں اس
کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ جو ثابت کرتا ہے کہ اتحادی موقع محل کے متلاشی رہتے ہیں اور اُن کے دعوے پادر ہوا نہیں ہیں۔ اغلب اُنہوں
نے دوسرے محاذ کا مقام دریافت کر کے نقل و حرکت شروع کر دی ہے۔

جاپان کی جنگ

چونکہ جاپان کو اُمید تھی کہ سٹالن گراڈ جلد فتح ہو جائے گا۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے اُس نے اپنی فوجوں
کا کثیر حصہ سرحد روس پر لگا دیا۔ اور چین کی لڑائی ادھوری چھوڑ دی۔ تاکہ اسی زمانہ میں شمالی بحر الکاہل
میں اُسے جو کچھ مل سکے جھپٹ لے مگر روس جرمنی کی توقع کے خلاف بہت طاقتور نکلا اور سٹالن گراڈ کے لینے یا اسے بالکل
بیکار بنا دینے میں بہت وقت لگا۔ ادھر امریکہ کی فوجی نقل و حرکت میں شدت و سرعت پیدا ہو گئی۔ اور سامان حرب زیادہ مقدار میں
وہاں سے مہیا ہونے لگا۔ اس کی وجہ سے اب جاپانی فوجی نقل و حرکت میں کچھ تبدیلی نظر آنے لگی ہے۔ چنانچہ اُس نے اب اپنی فوجیں
پھر جزائر سلیمان کی طرف موڑ دی ہیں۔ اور گڈال کنال پر اُس کا بہت ساحصہ اُتار کے بہت کچھ بمباری کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس
مقام پر لڑائی فیصلہ کن ہو رہی ہے۔ جاپانی نقصانات کی پروا کئے بغیر جانفشانی سے لڑ رہے ہیں۔ اور بعض بعض مقام پر پیچھے
ہٹ ہٹ گئے ہیں۔ مگر خشکی اور تری پر اُن کے حملے بدستور شدت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ نیوگنی میں بھی جنگ شدت
سے ہو رہی ہے اور کوہ اُسٹینلی کی جنگلوں کو بار بار پیچھے ہٹنا پڑا۔ چین میں وہاں کے جانبازوں نے کئی موقعوں پر جاپانیوں کو پیچھے
ہٹ جانے پر مجبور کیا۔

انگریزی محاذ

ہٹلر نے جو تقریر برلن میں کی اُس سے صرف اتنا ہی معلوم ہوا کہ اُس کے خیال میں جنگ دو سال اور جاری
رہے گی اور وہ روس کے مفتوحہ علاقوں میں انتظام پر تلا ہوا ہے۔ مسٹر چرچل وزیر اعظم انگلستان نے اس کا
بہت پر زور جواب دیا کہ اتحادی مستقبل اُس کے مقابلہ میں بہت خوشگوار اور اُمید افزا ہے۔ اتحادی ضرور فتحیاب ہوں گے۔ اور
اُن کی تیاریوں اور جوش کے ثبوت ابھی سے ملنے شروع ہو گئے ہیں۔ جرمنی پر بار بار ہوائی حملے کر کے اُسے سخت نقصانات پہنچائے
جا رہے ہیں۔ جنرل رومیل نے ان سردیوں میں مصر پر غلبہ حاصل کرنے کا برلن میں اظہار کیا۔ مگر مصر میں عملاً ثابت کیا جا رہا ہے کہ اب
انگریزی تیاریاں اس قدر مکمل ہیں کہ جرمنوں کا آگے بڑھنے کا تو ذکر کیا اُنہیں ممکن ہے طرابلس میں پیچھے ہٹنا پڑے۔ مالٹا پر جرمنوں
کے ہوائی حملوں کی شدت پھر بڑھ گئی ہے۔ مگر وہاں اس کے بیشمار ہوائی جہاز گرا کر اس کی قوت کو مفلوج کیا جا رہا ہے۔ ادھر برما
کی طرف انگریزی فوجوں کی تیاریاں تکمیل کو پہنچ چکی ہیں۔ جنرل ایکن لیک اور جنرل سٹل ویل کا ہندوستان میں آ جانا ظاہر کرتا ہے کہ
شاید عنقریب انگریز برما واپس لینے کے لئے پیشقدمی کریں۔ جرمنی کی آبدوزوں کا بھی بڑی بہادری سے مقابلہ کر کے اُن کو ڈبویا جا رہا ہے

تاروں کا جھرمٹ

کلکتہ کے رہنے والے ایک شخص کی واسکٹ بستر پر سے رکھی ہوئی چوری ہو گئی۔ اس کے اندر کی ایک
جیب میں وہ ۵۸ ہزار روپیہ سال بھر تک لئے پھرا۔

دہلی میں ایک کورٹ سب انسپکٹر ولایتی تصویروں کا تماشہ دیکھ کر رات کے وقت واپس آرہا تھا کہ پل مٹھائی اور ریلی کوٹھی کے بیچ میں تین آدمیوں نے اُسے روک کر چاقوؤں سے مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ اُس کی کلائی سے سنہری گھڑی اتارلی اور جیب میں جو کچھ تھا لیکر چمپت بنے۔

ترنتارن ضلع امرتسر سے چار آدمیوں کو پکڑ لیا گیا تھا جو دشمن کا ریڈیو سن کر خبریں پھیلایا کرتے تھے۔ ضلع مظفر گڑھ میں ایک شخص کو دشمن کا پروپاگنڈہ سننے اور بعد میں اُسے پھیلانے کے جرم میں پانچ سال قید سخت کی سزا ہوئی۔ اُس کا ریڈیو بھی چھین لیا گیا۔

برطانیہ میں تمباکو فروشوں کو حکم ہو گیا ہے کہ وہ تمباکو کسی دھات کے ڈبہ میں فروخت نہ کریں گے۔ گاہک کو تمباکو دیتے وقت اسے ڈبہ سے نکال کر دیا جائے گا۔ اُسے ڈبہ نہ دیا جائے گا۔

پچھلے سال کے ماہ نومبر میں قزاقستان سے وہاں کے حالات سے متاثر ہو کر تین ہزار قزاق کشمیر میں آگئے تھے۔ ان کے ساتھ چار ہزار گھوڑے۔ تین ہزار اونٹ۔ اور بیس ہزار بھیڑیں تھیں۔ عورتیں اور بچے بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔ ریاست اس کثیر تعداد سے گھبرا گئی تھی کہ اُن کی رسد کا انتظام کیا ہوگا۔ اب حکومت ہند نے ان میں سے ۲سو کو اُن کے دو ہزار جانوروں سمیت ضلع ہزارہ میں عارضی جگہ دیدی ہے۔ چار آنہ یومیہ روزانہ خوراک اُنہیں مہیا کی جائیگی۔ اور جانوروں کے لئے دو سیر جو یا مکی اور گھاس دی جائے گی۔ اس کا خرچ ایک لاکھ ۳۰ ہزار روپیہ سہ ماہی ہوگا۔ باقیوں کے لئے اور مقامات پر انتظام کیا جا رہا ہے۔

یکم مئی ۱۹۴۲ء سے جارج پنجم و ششم کے چاندی کے روپے اور اٹھنیاں سکہ رائج الوقت نہیں سمجھے جائیں گے۔ البتہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۲ء تک سرکاری خزانوں ڈاکخانوں اور ریلوں پر وہ لئے جاتے رہیں گے۔ اس کے بعد مزید اطلاع تک صرف بمبئی کلکتہ اور مدراس کے ریزرو بنک ہی ان کو لیں گے۔ اس طرح ہندوستان میں صرف نئے کنارہ کا روپیہ اور اٹھنی جائز سکہ رہ جائیگا۔

سمرسٹ، انگلستان کے ایک گاؤں میں ایک ۹۱ سالہ بڈھے نے ۸۰ سالہ بڑھیا سے شادی کی۔ یہ اس کی چوتھی دلہن ہے۔ دونوں تندرست اور خوش و خرم ہیں۔

چونکہ سمندر کی حالت غیر محفوظ ہے اس لئے اس سال حج کے سفر کا انتظام نہیں ہو سکے گا۔

وزیر سندھ مسٹر اللہ بخش نے کانگریس کی ہمدردی میں اپنا خطاب خان بہادری واپس کر دیا اور حکومت ہند کی پالیسی کو ناپسند کیا۔ چونکہ گورنر سندھ کو اُن پر بھروسہ نہیں رہا اس لئے وزیر اعظم کے عہدہ سے اُنہیں ہٹا دیا گیا۔ اُن کے حامی دیگر وزراء نے بھی استعفے دیدئیے ہیں۔ اب وہاں سر ہدایت اللہ نئی وزارت قائم کر رہے ہیں۔ جو مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ہیں۔

انگلستان میں ہوم گارڈز (محافظان وطن) کے طور پر ہزاروں عورتیں بھرتی کی جانے والی ہیں۔ انہیں وردی نہیں دی جائیگی۔ اُن سے صرف باورچی خانہ۔ کلرکی پیام رسانی وغیرہ جیسے کام لئے جائیں گے۔ بہت سی عورتیں بندوق چلانا سیکھ رہی ہیں۔ مگر خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ناپسند کیا جا رہا ہے کہ عورتیں اسلحہ سے کام لیں۔

ہندوستان میں اب تک سات ہزار موٹروں میں کوئلہ سے چلنے والے انجن لگائے جا چکے ہیں۔ ایک ماہ میں دو ہزار میل چلنے کے بعد ایسی ایک گاڑی دو سو روپیہ ماہوار کی بچت دکھا سکتی ہے۔ اور ایک ماہ میں ۱۴۰ گیلن پٹرول بچ سکتا ہے۔

دہلی سے مسلم لیگ کا اخبار ڈان (طلوع) یکم اکتوبر ۱۹۴۲ء سے روزانہ شائع ہونے لگا ہے۔ سفید کاغذ کے آٹھ صفحوں پر چھپتا ہے اور ایک پرچہ کی قیمت کاغذ کی گرانی کی وجہ سے چھ پیسے ہے۔ لاہور سے ایسٹرن ٹائمز بھی روزانہ ہو گیا ہے۔ کلکتہ سے بھی ایک روزانہ مسلم اخبار جاری ہو گیا ہے۔ کانگریس کی پیدا کردہ بے چینی اب دب گئی ہے۔ جہاں سرکاری عمارتوں وغیرہ کو نقصان پہنچا اس کی پاداش میں گرد و نواح کے علاقہ پر جرمانے عائد کئے گئے۔ مسلمان بالعموم اس تحریک سے علیحدہ ہونے کی وجہ سے اس سے محفوظ رہے۔

بزمِ عصمت

(۱) بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں خریداری نمبر کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جواب عصمت میں پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ (۴) رسالے کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو۔ علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔

ایڈیٹر

دلی انبساط سے تحریر کرتی ہوں، میری پیاری باجی جان محترمہ دیوان زادی نادر جہاں بیگم طاہرہ "ادیب عالم" رکن مجلس عاملہ خواتین سب کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ و صدر انجمن تہذیب نسواں۔ سیونی۔ سی۔ پی۔ کی شادی خانہ آبادی جناب اے اے کے شیخ صاحب ایم۔ ایس سی (لندن) بی۔ ایس سی۔ آنرس۔ سول گرانٹ آفیسر بمبئی۔ متوطن کولھاپور ریاست سے بتاریخ ۱۹۔ جولائی ۱۹۶۲ء مطابق ۴۔ رجب ۱۳۸۱ھ کو طریقۂ شریعت کے مطابق بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی۔ دعا ہے کہ اللہ العالمین اس عالی وقار جوڑے کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے اور اس سنجوگ کو دونوں خاندانوں اور قوم اور وطن کے لئے سودمند ثابت کرے۔ آمین۔ ثم آمین۔

ہمارے خاندان میں یہ پہلی شادی ہے جس میں جہیز کی فضول اشیاء کے بجائے نقد روپیہ دیا گیا۔

دیوان زادی قمر جہاں آرا بیگم۔ سیونی۔ چھپارہ

میں نہایت رنج و اندوہ سے یہ خبر اپنی ہمدرد بہنوں کو سناتی ہوں کہ میرے شوہر محمد عمر بھورا کو جمبٹور۔ ۲ ستمبر کی شام کو ۸ بجے ہم سب کو روتا چھوڑ کر راجکوٹ میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ لوحِ مزار پر کندہ کرنے کے لئے کوئی بہن یا بھائی تاریخِ وفات لکھ دیں تو ہمیشہ ممنون رہونگی۔

فاطمہ بائی خریدار نمبر (۵۸۲۹)

میں نہایت رنج و غم کے ساتھ تحریر کرتی ہوں کہ میری بچپن کی دوست نجمہ زینت بعارضہ دق بعمر ۱۹ سال ۲۳ ستمبر بروز جمعہ گیارہویں رمضان المبارک کے دن ہمیشہ کے لئے اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

محمودہ مہر بانو۔ امراؤتی۔

میری ایک عزیز سہیلی کے کانوں کے پاس پاس رخسار کے پیچھے چھوٹے بال اُگ آئے ہیں جس سے وہ بہت پریشان ہیں۔ براہِ کرم کوئی بھائی یا بہن اس طرف توجہ فرمائیں۔ اور کوئی آزمودہ نسخہ بذریعہ عصمت تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

میری چھوٹی بہن کے چہرے پر کبھی پیشانی پر اور کبھی رخسار پر چھوٹے چھوٹے دانے ہو جاتے ہیں چند دن بعد آپ ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر نکل آتے ہیں۔ اس کے لئے بھی کوئی بہن یا بھائی آزمودہ نسخہ بتائیں۔ میں بہت مشکور ہونگی۔

آپ کی ایک ضرورت مند

تقریباً ایک سال سے میری آنکھیں دکھتی ہیں میں نے علاج بھی کرایا۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کوئی ہمدرد بہن ایسی دوا کا نام و پتہ تحریر کریں۔ جس سے فائدہ ہو جائے۔

الفت بیگم دختر محمد فردوس خاں پلیڈر نمبر ۵۹۸۵

مجھ کو کم خوابی کی شکایت ہے۔ مشکور رہوں گی اگر کوئی عصمتی بہن کوئی مجرب اور بے ضرر نسخہ یا دوا تحریر فرما کر مشکور فرمائیں گی۔

(س) قدسیہ اختر۔ سہارنپور

> ۱۵ نومبر کو ہندوستان کی مایۂ ناز ادیبہ اور اردو کی نامور افسانہ نگار محترمہ خاتونِ اکرم کی رحلت کو ۱۸ سال ہو جائیں گے۔ دردمند عصمتی بہنوں سے امید ہے کہ ۱۵۔ نومبر کو تلاوت کلام مجید سے اپنی محسن اور محبوب بہن کی پاک روح کو ثواب پہنچائیں گی۔
>
> ایڈیٹر

اُمِّ زہرا ہاشمی مرحومہ

ہم دلی رنج و ملال کے ساتھ جامِ نوائی صاحب کا خط درج ذیل کرتے ہیں۔ مرحومہ اُمِّ زہرا ہاشمی حلقۂ عصمت کی مقبول و محبوب شاعرہ اور نہایت درد مند و مخلص خاتون تھیں۔ ان کی عمر ابھی مرنے کی نہ تھی لیکن اُن کی آرزو پوری ہوئی۔ ان کی نظم بیمار شوہر کے سرہانے (مندرجہ عصمت دسمبر ۱۹۴۱ء) کو نہ صرف دنیا والوں ہی میں قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ بلکہ ان کی دعا درگاہ ایزدی میں بھی مقبول ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں ان کو جگہ دے اور متعلقین کو اس صدمہ کے برداشت کرنے کی قوت عطا فرمائے۔ ایڈیٹر

آپ نہایت رنج و الم سے یہ روح فرسا خبر سنیں گے کہ آپ کے "عصمت" کی شیدائی اور "بنات" کی دلدادہ "زہرا ہاشمی" افسوس صد ہزار افسوس کہ ۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء یوم جمعہ مطابق ۲۰ رمضان المبارک کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئیں اور مجھے اور چار بچوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تڑپتا چھوڑ گئیں۔ میری تیمارداری میں انہماک تیمارداری کے باعث مرحومہ کو خفیف سا بخار رہنے لگا تھا۔ جو بڑھ کر ورم اعصاب جگر میں تبدیل ہو کر موت کا باعث بن گیا اور اس طرح انہوں نے خود کو مجھ پر سے قربان کر دیا۔

مولانا آپ کو میرے درد کا اندازہ یقیناً ہو سکیگا۔ کیونکہ آپ خود جنت مکانی خاتون اکرم صاحبہ کو کھو چکے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ میری زندگی تاریک ہو گئی اور میری مسرت حیات لُٹ گئی۔ دل و دماغ مطلق اس قابل نہیں ہے کہ ان سے کوئی کام لیا جا سکے۔ آج یہ پہلا خط ہے جو اس سانحہ کے بعد لکھ رہا ہوں۔ مرحومہ نے انتقال سے چھ روز پیشتر ۲۶ ستمبر ۱۹۴۲ء کو بیٹی لڑکی کے عقد و رخصت سے فراغت حاصل کی تھی اور مجھے مجبور کر کے عالم بیماری میں چارپائی پر پڑے پڑے خاص اہتمام و انتظام کے ساتھ بحسن و خوبی یہ فرض انجام دیا تھا آخر وقت تک حواس درست رہے۔ مرنے سے دس منٹ قبل، پلنگ بستر کپڑے ہر چیز تبدیل کرائی تیمم کیا۔ سب کو تلقین صبر و شکر کی یٰسین شریف پڑھوانے میں عجلت کی۔ اور صرف تین مرتبہ اللہ اللہ اللہ کہہ کر جان عزیز جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

شادی کے بعد میرے مذاق شاعری پر نظر کرتے ہوئے خود اپنے میں ذوق شاعرانہ پیدا کرنا اور پھر اس قدر ترقی۔ نیکی کا مجسمہ۔ خدا ترسی۔ اور خدا پرستی کی زندہ مثال غربا اور مساکین سے خفیہ اور علانیہ حسن سلوک میری طویل بیماری میں خود فراموشانہ تیمارداری کس کس چیز کو روؤں

جامِ نوائی

نادار فنڈ

مئی ۱۹۴۲ء سے جو رقم نادار فنڈ کے لئے وصول ہوئی اُس کی تفصیل یہ ہے:-

محمد عبدالعزیز صاحب مہاجر حیدرآباد دکن ۲ عہ شفیق جہاں صاحبہ بدایوں عہ۔ محترمہ آسیہ بی سلیمان مجرہ صاحبہ دار یاد سورت عہ محترمہ والدہ احتشام علی صاحب الہ آباد للعہ۔ بنت علی حسن خاں صاحب بانکی پور پٹنہ عہ۔ محترمہ سلامت جہاں رشیدہ صاحبہ دہلی عہ۔ مسز عبداللطیف حاجی احمد صاحب کلکتہ ۵ ؎۔ محترمہ ہمشیرہ عبدالرؤف صاحب مینی تال ۵ ؎۔ محترمہ بیگم صاحبہ قطب الدین احمد صاحب علی گڈھ عـہ جناب نیاز احمد خاں صاحب جگدیش پور بستی عـہ۔ وید پرکاش صاحب مرادآباد ۵ ؎۔ محترمہ مسز سید واجد علی صاحب سونگھڑہ۔ آمین ۵ ؎

میزان	۲
عصمت مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲۶۰ کے مطابق فاضل خرچ	۱۳
باقی رقم	للعہ

نومبر ۱۹۴۱ء سے عہ وصول ہونے پر للعہ نادار فنڈ سے پورے کر کے جن کے نام رسالہ جاری کیا گیا ان کے خریداری نمبر یہ ہیں:-

۴۰۴۸، ۴۹۹۴، ۴۰۰۰، ۳۲۳۰، ۳۹۶۷، ۱۹۶۸، ۴۲۵۸

خریدار ۱۰ میزان ۵ ؎

عہ وصول ہونے پر عہ نادار فنڈ سے پورے کر کے جن کے نام جاری کیا گیا ان کے خریداری نمبر یہ ہیں:-

۳۸۴۸، ۴۹۷۱، ۴۴، ۵۰۴۴، ۱۵۴۵، ۱۹۱۵، ۵۳۸۰، ۳۳۲۳، ۴۵۲۱، ۵۷۶۴، ۳۴۷۰، ۳۵۴۷، ۳۵۷۴، ۴۹۷۳، ۳۵۶۰، ۹۷۶، ۳۶۶۹، ۳۶۵۳، ۵۹۲۹، ۳۴۳۲، ۶۰۹۶-

خریدار ۲۰ میزان للعہ

متفرق رقوم جو نادار فنڈ سے دی گئیں:- ۳۰ - ۶۳ عہ ۹۶۸ - عہ ۴۰۰ - عہ ۶۹۷ - عہ ۵۲۱۲ - عہ ۱۰ - ۴ عہ ۶۹ - ۳۴ عہ ۳۴۵ - عہ ۴۳۵۶ - عہ ۳۵۹۸ - عہ ۶۱۶ عہ ۳۷۲۰ - عہ ۳۵۸۶ - عہ ۶۳۶ عہ میزان ۲۵ ؎

کل رقم جو نادار فنڈ سے دی گئی	عہ
نادار فنڈ میں جمع	للعہ
فاضل خرچ ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۲ء تک	۵ ؎

منیجر

انگریزی و جرمنی کھانے	ترکی اور عربی کھانے	ایرانی اور افغانی کھانے	بنگالی اور بہاری کھانے	کشمیری اور مدراسی کھانے
گجراتی اور پنجابی کھانے	حیدرآبادی اور برادی کھانے	لذیذ لذیذ کھانے	دلی اور لکھنؤ کے کھانے	پشاوری اور ہندی کھانے

سینکڑوں قسم کے کھانے تیار کرنے کی اُردو زبان میں بے نظیر کتاب

عِصمتی دسترخوان حِصہ اوّل

جس کی ایک نمایاں خصوصیت جو اس موضوع کی اور کسی کتاب میں نہ نکلے گی یہ ہے کہ تمام ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہیں اس لئے ترکیبیں بالکل صحیح ہیں اور وزن بالکل درست! ہندوستان بھر کے ہر حصہ کی تقریباً عصمتی بہنوں نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا ہے اور ایڈیٹر صاحب عصمت کی اہلیہ محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ نے بڑی محنت سے کتاب مرتب فرمائی ہے۔ باورچیخانہ کے انتظام اور کھانوں کے متعلق نہایت قیمتی ہدایات اور مضامین درج کئے گئے ہیں۔ ایک ایک چیز کئی کئی قسم کی تیار کرنے کے لئے بھی عصمتی دسترخوان سے بہتر کتاب ملنی ناممکن ہے مثال کے طور پر دو چیزوں پڈنگ اور کبابوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیے۔

حلم پڈنگ	انجیر پڈنگ	ران کے کباب	کباب بیضہ مرغ	تاشس کباب
کھوئے کی پڈنگ	امنڈ پڈنگ	آلو کے کباب	کچے قیمے کی ٹکیاں	شامی کباب
نارنگی بھری پڈنگ	سیب پڈنگ	کچے آلو کے کباب	گوشت کے میٹھے کباب	آنتوں کے کباب
جنجر پڈنگ	جلیبیوں کی پڈنگ	ناریل کے کباب	کباب مرغ مسلم	انگریزی کباب
روز پڈنگ	میوہ دار پڈنگ	مچھلی کے بیسنی کباب	سیخ کے چٹ پٹے کباب	اروی کے کباب
اناناس پڈنگ	کشمش پڈنگ	سیخ کے کباب	مچھلی کے شامی کباب	اور کئی کئی قسم کے کباب
کمزور بیماروں کے لئے	بالائی پڈنگ	پسندے کے کباب	دہی کے کباب	

یہ صرف دو چیزوں کی فہرست ہے اسی سے کتاب کا اندازہ کر لیجئے۔ چاول سلونے اور میٹھے سوئیاں کھیر فیرنی۔ سادے اور ترکاری کے سالن مچھلی مرغ جیلی بسکٹ کیک۔ دالیں مٹھائیاں۔ حلوے چٹنیاں۔ مربے۔ آچار۔ سموسے۔ بڑے پوری کچوریاں پراٹھے۔ روٹی غرض ہر قسم کے کھانوں کی بڑی بڑی اچھی ترکیبیں ہیں اور ہر چیز کی کئی کئی درجن صحیح ترکیبیں! اس کتاب کا ہر گھرانے میں ہونا ضروریات میں سے ہے ہندوستان بھر میں اس کی دھوم مچ گئی بہت سی عورتیں اس کتاب کی بدولت عمدہ عمدہ ذائقہ دار کھانے پکانے لگیں۔ لڑکیوں کو یہ کتاب اشد ضروری سمجھ کر جہیز میں دیجاتی ہے سینکڑوں خواتین نے اس کی تعریف میں خطوط بھیجے ہیں اور کتنے ہی مردوں نے اس کتاب کی اشاعت پر مؤلفہ و پبلشر کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کر لیجئے کہ چند ہی سال میں ہاتھوں ہاتھ ۸ ایڈیشن نکل گئے۔ قیمت دو روپے مجلد سوا دو روپے۔ حصہ دوم مشرقی مغربی کھانے عمار مجلد عہ

عصمتی ہنڈکلیا

یہ کتاب بچوں کے لئے ... وہ شادی سے قبل کھانے ... کے فن میں ... طور پر اس سے واقف ہو جائے سوا سو کھانوں کی صحیح صحیح ترکیبیں ... ہی کے مطلب کی درج کی گئی ہیں پھر خوبی یہ کہ کھانے پکانے کے ... نہایت مفید مضامین اور کارآمد ہدایتیں بھی ہیں قیمت صرف ۸

ناشتہ

دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل ... اور تیسرے پہر کیا کیا ناشتہ کیا جاتا ... اس موضوع پر قابل قدر کتاب جس میں چاء۔ کوکو۔ شربت لسی۔ فالودہ۔ آئس کریم۔ بسکٹ۔ کیک۔ توسٹ۔ کوہائی ... وغیرہ نیز ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر حصے کے مختلف قسم کے ناشتوں کی کئی کئی ترکیبیں ہیں گویا اس کتاب کی ... میں کبھی حصہ ملک کا مہمان ہمارے ہاں آجائے اسی کے مطلب کی چیز ہم پیش کر سکتے ہیں۔ قیمت ۱۰ ار

بچوں کے کھانے

ننھے بچوں کو اصول صحت سے کس قسم کی غذا دینی چاہئے۔ کون سے کھانے مفید ہیں اور وہ کس طرح تیار ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر بے نظیر کتاب جس میں بچوں کے صحت بخش اور مفید کھانوں کی کئی درجن تجربہ کی ہوئی صحیح ترکیبوں کے علاوہ کئی نہایت کارآمد مضامین بھی ملک کے قابل ڈاکٹروں اور تجربہ کاروں کے لکھے ہوئے ہیں قیمت ...

بیماروں کے کھانے

بیماروں کے ... کھانے بے حد مفید ہیں اس میں صرف انہی کی ترکیبیں ہیں اور کئی قابل تجربہ کار ڈاکٹروں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔ تمام ترکیبیں ... کی ہوئی ہیں مضامین بھی بے انتہا مفید و قابل قدر ہیں ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔ قیمت ۱۰

مذاقیہ کھانے

دولہا بھائی سے نندوئی سے بہیلیوں سے مہذب مذاق کرنے کے لئے نہایت دلچسپ کتاب جس کی ہر ترکیب صحیح ہے بیہودہ عامیانہ مذاق کی جگہ اس کتاب سے شائستہ مذاق کرو۔ اور اس ہنسنے ہنسانے والی کتاب سے زندہ دلی کا ثبوت دو۔ لڑکیوں کی شادی کے وقت دولہا بھائی کی تواضع کے لئے لڑکیاں یہ کتاب نہایت شوق سے منگاتی ہیں۔ قیمت ۶

عصمتی دسترخوان حصہ دوم — مشرقی مغربی کھانے

باعتبار مضامین پہلے حصہ پر بھی فوقیت رکھتا ہے قریباً ... صفحوں کے نہایت ہی کارآمد اور قابل قدر مضامین ہیں۔ چند عنوانات یہ ہیں۔ ہماری خوراک اور غذا کے متعلق تحقیقی مضامین۔ کھانے کے اصول۔ کھانے کی حفاظت۔ جرمنی باورچی خانہ۔ جاپانی باورچی خانہ۔ کچی سبزی۔ ترکاریوں کے خواص۔ کھانے کا کمرہ اناج کا صندوق ایرانی دعوت وغیرہ وغیرہ۔ ترکیبیں سب نئی اور آزمودہ ہیں اور ایک ایک چیز کی متعدد ترکیبیں۔ عربی۔ ایرانی۔ ترکی۔ جاپانی۔ عراقی۔ روسی۔ اطالوی۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ کھانوں کی اچھی اچھی ترکیبیں ہیں۔ عصمتی دسترخوان بغیر حصہ دوم کے مکمل نہیں یہ بھی بہت مقبول ہوا ہے۔ قیمت عمار مجلد عہ۔ عصمتی دسترخوان مکمل یعنی دونوں حصوں کی قیمت للعہ۔ مجلد للعہ

پتہ منیجر عِصمت بُک ڈپو دھلی — محصول ڈاک بذمہ خریدار

Regd. L. No. 1872 'December 1942 Establied 1908

یادگار حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

The ISMAT, Delhi.

عصمت

شریف ہندوستانی بیبیوں کے لئے
پاکیزہ خیالات
علمی۔ ادبی مضامین
اور
مفید معلومات کا بہترین ذخیرہ

دسمبر ۱۹۴۲ء

ایڈیٹر۔ رازق الخیری

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری کی تصانیف

مذہبی مضامین

سیاسی مضامین

مضامین کے متفرق مجموعے

اصلاحی معاشرتی ناول

- حیاتِ صالحہ
- منازل السائرہ مکمل
- صبحِ زندگی
- شامِ زندگی
- شبِ زندگی دو حصے
- نوحۂ زندگی
- طوفانِ حیات
- جوہرِ قدامت

اسلامی تاریخ بطرز ناول

- ماہِ عجم
- عروسِ کربلا
- یاسمینِ شام
- محبوبۂ خداوند
- تیغِ کمال
- شہنشاہ کا فیصلہ
- منظرِ طرابلس
- شاہین و دراج
- درِ شہوار

مذاحیہ افسانے

- نانی عشو
- دادی نخی
- داداال گجرکز

نظموں کے مجموعے

- رودادِ قفس
- گرفتارِ قفس

ادبِ لطیف و انشا

- قلبِ حزیں
- دلکوں کی انشا
- سلی ہوئی پتیاں

لڑکیوں کا نصاب

اصلاحی معاشرتی افسانے

- بنت الوقت
- سرابِ مغرب
- فسانۂ سعید
- نغمہ
- تنخ شیطانی
- سات روحوں کے اعمالنامے
- غدر کی ماری شہزادیاں
- سبوگ
- سوتی
- سوکن کا جلاپا
- مودودہ
- تفسیر عصمت
- انگوٹھی کا راز
- منازلِ ترقی
- کچہ کا کرتہ
- ویدیا کی سرگذشت
- چہار عالم

مختصر افسانوں کے مجموعے

- جوہرِ عصمت
- سیلابِ اشک
- طوفانِ اشک
- قطراتِ اشک
- خدائی راج
- نسوانی زندگی
- گلدستۂ عید
- گوہرِ مقصود
- گردابِ حیات
- بساطِ حیات
- حور و انسان
- نشیب و فراز

کھانے پکانے کی مستند کتابیں

- عصمتی دستر خوان
- سستی مزیدار کھانے
- عصمتی ہند کلیا
- ناشتہ
- بچوں کے کھانے
- بیماروں کے کھانے
- مذاقیہ کھانے

دیگر تصانیف محترمہ آمنہ نازلی

- دولت پر قربانیاں (افسانے)
- تاریخی لطیفے
- عقل کی باتیں
- ہنسی کی باتیں

تصانیف منشی پریم چند

- دودھ کی قیمت (افسانے)
- روحانی شادی (ڈراما)

تصانیف رازق الخیری

- وداعِ راست
- عصمت کی کہانی

تصانیف مولانا سیماب اکبرآبادی

- زنانہ بیت (دو حصے)
- آفتابِ زندگی
- ستابِ زندگی

تصانیف صاحبزادہ ولی الحق

- مخصوص بلادستیوں کی
- افسانے سلمیٰ (زنانہ خطوط)

کچھ اور زنانہ کتابیں

- پردہ و تعلیم مذہبی و سیاسی
- خواتین اسلام کے دلچسپ تذکرے
- حیلۂ نسواں (مضامین)

عصمت بک ڈپو دہلی

زنانہ دستکاری کی بہترین کتب

- عصمتی کروشیا
- عصمتی کشیدہ
- گلزارِ درخشاں
- گلدستۂ کشیدہ
- گلشنِ زہرہ
- چمنستانِ خیالی، سوئی کا کام
- گلستانِ خیالی
- موتیوں کا کام
- سلمہ ستارہ کا کام
- اونی کام سلائیوں سے
- گوٹہ کناری کا کام
- جالی کا کام
- تارکشی کا کام
- گلدستۂ تارکشی
- کراس اسٹیچ ورک
- جوہرِ نسواں راشد الخیری بیگم
- شمیم سوزن کاری
- خواتین کی دستکاریاں
- لکڑی کا باریک کام
- وصلی کا کام

عورتوں کی خاص کتابیں

- زچہ خانہ (دو حصے)
- سنگھار خانہ

نامور خواتین کے افسانے و ناول

- انوری بیگم
- جاں باز
- غیرت کی پتلی
- شہیدِ وفا
- چار درج
- نیرہ

کچھ اور بہترین کتابیں

- صنعت و حرفت
- تندرستی ہزار نعمت
- بچوں کی تربیت
- آئینۂ موٹر
- گھر کی چھپائی

تصانیف محترمہ خاتون اکرم مرحومہ

- جمالِ ہمنشیں
- گلستانِ خاتون (افسانے)
- پیکرِ وفا
- کھڑی بیبی

تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا

- مشیرِ نسواں یا زہرہ
- سرگذشتِ ہاجرہ
- تحریر النسا
- موہنی

تصانیف محترمہ بلقیس بیگم

- خانہ داری کے تجربات
- معینِ نسواں

تصانیف محترمہ حجاب اسمٰعیل

- ادبِ زریں
- نغماتِ موت

تصانیف محترمہ سرو جہاں

- پھول پھلواری و باغبانی کے متعلق
- شہزادی ... بچوں کیلئے کہانیاں

زنانہ افسانے و گیت

- افسانۂ حرم
- دامنِ باغباں
- دیہاتی گیت

زنانہ نظمیں

- شمعِ خاموش
- آئینۂ جمال

بچوں کے لئے کہانیاں

- جاپانی کہانیاں
- مزیدار کہانیاں
- بچوں کی دنیا

خواتین کے نئے دور ... مصنفوں کی کتابیں ...

رسالہ عصمت دہلی

پینتیسواں ۳۵ سال | دسمبر ۱۹۴۲ سنہ عیسوی | جلد ۶۹ نمبر ۶

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی:۔ مع محصول ڈاک چار ۴ روپے — ممالک غیر سے دس ۱۰ شلنگ

قسم خاص:۔ اعلیٰ کاغذ کا ایڈیشن ۶ روپے، روسا سے ۲۵ روپے، والیان ریاست سے ۱۰۰ روپے، ممالک غیر سے ایک پونڈ

باہتمام رازق الخیری ایڈیٹر پرنٹر پبلشر محبوب المطابع دہلی میں چھپ کر دفتر عصمت کوچہ چیلاں سے شائع ہوا

چند باتیں

کاغذ کی گرانی اور نایابی نے ڈیڑھ سال سے ہمیں جسقدر پریشان کر رکھا ہے عصمتی بہنیں اس سے بے خبر نہیں، اب جبکہ کپڑا چار چار چھ چھ گنا مہنگا ہو گیا۔ کھانے پینے کی چیزوں پر آگ پڑنے لگی اور دوسری ضروریات زندگی کی قیمت کہیں سے کہیں پہنچ گئی تو وہ تھوڑا بہت اندازہ ضرور کر سکتی ہیں کہ اسوقت عصمت کس قدر مشکلات میں گھرا ہوا ہوگا اور چیزوں کو تو چھوڑیئے کاغذ ہی کا مسئلہ ایسا ہے جس کا حل سمجھ میں نہیں آتا۔ ساڑھے تین آنے پونڈ کا سفید چکنا دبیز کاغذ جس پر عصمت چھپتا تھا ڈیڑھ روپیہ پونڈ ہو گیا اور ہزاروں دقتوں کے بعد کہیں ملتا بھی ہے تو ضرورت سے بہت کم۔ یہ رف کاغذ جس پر اب پرچہ چھپ رہا ہے اور دو روپیہ چھ آنہ فی رم آتا تھا کافی پریشانی کے بعد چوبیس۲۴ روپیہ فی رم دستیاب ہوا ہے۔ عصمت چونکہ سفید چکنے کاغذ پر چھپتا تھا اس لئے گورنمنٹ نے رف کاغذ کا کوٹہ اسے نہیں دیا اور جہاں دوسرے پرچے یہ کاغذ آٹھ روپیہ رم میں خرید رہے ہیں وہاں عصمت کو اُن سے سولہ روپیہ فی رم زیادہ قیمت اس ماہ دینی پڑی۔ ہماری قدرتی طور پر ہمیشہ یہ خواہش اور کوشش رہی کہ عصمت کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہو لیکن اشاعت کا زیادہ ہونا ہی ڈیڑھ سال سے ناقابل برداشت نقصان کا باعث بنا ہوا ہے۔ مجبور ہو کر پرچہ کو زندہ رکھنے کے لئے اس سال ہم نے خود ہی اشاعت گھٹانے کی کوشش کی۔ وھیلر بک سٹالز اور ایجنٹوں کو کئی سو پرچے جاتے تھے وہ سب بند کر دیئے۔ اور رسالہ میں یہ اعلان کیا گیا کہ جس خریدار کا وی پی واپس آئے گا اس کا نام بغیر اطلاع دیئے رجسٹر سے خارج کر دیا جائے گا لیکن اس کے باوجود اب بھی عصمت کی اشاعت تمام زمانہ پہلے سے زیادہ ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ نقصانات میں کوئی خاص کمی ابھی تک نہیں ہوئی۔ دس روپیہ چندہ کر دینے سے مزید مالی نقصان سے تو ہم ضرور محفوظ رہ سکیں گے مگر پھر اشاعت اس قدر کم ہو جائے گی کہ عصمت کی زندگی کا جو مقصد ہے وہ پورا نہ ہو سکے گا۔ امدادی فنڈ کھولتے ہیں اگر پانچ سات سو روپیہ آ بھی گئے تو کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔ صفحے آخر کہاں تک کم کئے جائیں۔ ۸۰ صفحوں کی جگہ ۴۸ صفحہ کرتے جا رہے ہیں۔ سطر اور کتنا باریک ہو۔ ۲۵ سطروں سے ۲۹ سطریں کر دی گئیں تا کہ کم سے کم ۶۴ صفحے کے مضامین تو شائع ہو سکیں۔

غرض اس وقت ہم عجب کشمکش میں مبتلا ہیں۔ اور عقل حیران ہے کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ بہرحال ایک بات مضمون نگار اور دو باتیں خریدار ذہن نشین کر لیں۔ طویل مضمونوں کے لئے اب عصمت میں گنجائش نکلنی مشکل ہے۔ اس لئے مضمون نگار جہاں تک ممکن ہو مختصر مضامین روانہ فرمائیں۔ چھوٹے چھوٹے مضامین ایک ایک دو صفحوں کے جلد شائع ہو سکیں گے اور پانچ پانچ چھ چھ صفحوں کے مضامین کے لئے ممکن ہے۔ کئی کئی ماہ گذر جانے کے بعد بھی جگہ نہ نکل سکے۔ دو باتوں کی طرف خریداروں کو متوجہ کیا جاتا ہے اب عصمت کی صرف اتنی ہی کاپیاں چھاپی جاتی ہیں جتنی ہر ماہ ضرورت ہوتی ہے۔ پہلے رسالہ روانہ ہونے کے بعد کم و بیش ۳۰۰ پرچے بچ جاتے تھے اب صرف ۱۰۰ پرچے بچتے ہیں اس لئے اگر انہیں ڈاکخانہ کی غفلت سے کسی ماہ کا پرچہ وقت مقررہ پر نہ ملے تو ۱۰ تاریخ کے بعد خریداری نمبر کے حوالہ سے دفتر کو مطلع کر دیں تاکہ دوبارہ پرچہ بھیجدیا جائے۔ اگر انہوں نے تساہل برتا یا خود بخود یہ سمجھ لیا کہ ممکن ہے کاغذ کی گرانی سے پرچہ ہی شائع نہ ہوا ہو اور ۱۰ تاریخ تک دفتر کو پرچہ نہ ملنے کی اطلاع نہ دی تو پھر قیمتاً بھی اس ماہ کا پرچہ انہیں نہ مل سکے گا اور ان کی شکایت قطعی بے جا اور بے نتیجہ ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اختتام سال کی اطلاع ملتے ہی سالانہ چندہ کا منی آرڈر کر دیں اور اگر منی آرڈر بھیجنے کا خیال نہ رہے تو وی پی جس وقت ڈاکیہ لائے فوراً وصول کر لیں ورنہ دفتر میں وی پی واپس آتے ہی نام رجسٹر سے خارج کر دیا جائے گا۔ کاغذ کی مشکلات کی وجہ سے ممکن ہے ہمیں اور اشاعت گھٹانی پڑے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ نام خارج ہونے کے بعد دوبارہ رسالہ جلدی نہ کر سکنے کی دفتر کو معذرت کرنی پڑے۔

۳ فروری خواتین ہند کے محسن اعظم حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمتہ کی مفارقت ابدی کا دن ہے [illegible] کے عصمت میں حضرت علامہ مغفور کی یاد میں حسب سابق مضامین و نظمیں شائع ہونگی جو خواتین [illegible] بھیجنے چاہیں ۱۳ دسمبر تک روانہ فرما دیں۔

متعلقین کی محبت عبادت ہے

از حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

اکثر سننے میں آتا ہے کہ فلاں شخص کا دم بڑی مشکل سے نکلا تین دن اور تین رات سکرات رہی۔ مرض الموت میں چیختا چلاتا تھا کہ کوئی چھریاں بھونک رہا ہے۔ گزر رہا ہے۔ فلاں بیوی کی موت بہت ہی اچھی ہوئی۔ سانس میں کلمہ کی آواز صاف سنائی دیتی تھی۔ مرتے مرتے قرآن شریف پڑھ رہی تھیں۔ اس قسم کی باتوں سے مرنے والے کی نیکی اور بدی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اکثر ظالم آدمیوں کی بابت سنا جاتا ہے کہ بہت ہی تکلیف دہ موت ہوئی، مگر حقیقتاً اس حالت کا عذاب و ثواب سے اور طرح تعلق ہے۔ یہ نفسیات کا مسئلہ ہے۔ اور جس طرح سونے میں اس واسطے کہ نیند موت کی چھوٹی بہن ہے ہمارے سامنے وہی واقعات آتے ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح دماغ سے براہ راست رہا ہے یا مشاہدہ کے ذریعہ سے اسی طرح موت کے وقت بھی دماغ وہی واقعات پیش کرتا ہے۔ جو عمر گذشتہ سے متعلق ہیں۔ یہی کیفیت ہسٹریا میں بعض عورتوں کی ہو جاتی ہے اور بعض وقعہ تو ایسے واقعات ہو جاتے ہیں کہ دیکھنے اور سننے والے تحیر رہ جاتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ہسٹریا کی مریض عورتوں پر جن اور بھوت کا احتمال ہوتا ہے۔ لندن کی ایک انگریز لڑکی کا ذکر ہے کہ اسی ہسٹریا کی بے ہوشی میں اس نے کلام اللہ پڑھنا شروع کیا اور تحقیقات سے یہ معلوم ہوا کہ بچپن میں وہ جس نوکر کے پاس رہتی تھی وہ اکثر کلام اللہ پڑھا کرتا تھا۔ جو خیالات دماغ میں موجود ہوتے ہیں۔ موت کے وقت بھی وہی سامنے آتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس حالت کا عذاب و ثواب یا نیکی یا بدی سے تعلق رکھا جائے تو بیجا نہیں۔ کیونکہ ڈاکو مرتے وقت ڈاکہ ہی کا ذکر کرے گا۔ یا اسی کے سلسلہ میں باتیں کہے گا۔ اور پرہیز گار نیکیوں اور بھلائیوں کی۔

میں نے اپنے بچپن میں ایک عزیز بزرگ کی موت دیکھی۔ یہ عورت تھیں اور اس قدر مخیر کہ دن بھر پانچ اور نادار عورتوں کا جمگھٹا ان کے پاس رہتا تھا۔ اور ہر وقت اپنی صندوقچی کھول کھول کر ان عورتوں کو کچھ نہ کچھ دیتی رہتی تھیں۔ مرض الموت میں ان کی زبان بند ہو گئی۔ مگر چونکہ دماغ میں ابھی کام کرنے کی قوت موجود تھی اور ابھی پچھلے واقعات ذہن میں تھے اس لئے اس وقت بھی اعضاء سے اسی قسم کی حرکات کا اظہار ہو رہا تھا۔ کبھی صندوقچی کھولتی تھیں اور کبھی مٹھیاں بند کر کے سائل کو کچھ دیتی تھیں۔ میں اس وقت اس مسئلہ کو سمجھنے کے قابل نہ تھی۔ مگر گذشتہ جنوری میں جب سردی زور شور کی پڑ رہی تھی۔ میں نے ایک عورت میں نہایت دردانگیز منظر دیکھا۔ یہی میرے ایک بزرگ تھے جن کی بیوی تین چار مہینہ قبل مر چکی تھیں۔ نہایت تندرست اور توانا آدمی تھے مگر بیوی کے بعد اکثر غمگین رہتے تھے۔ ایک بچہ دس گیارہ برس کا ہوشیار، دوسرا بچہ سات سال کا اور ایک کوئی ڈیڑھ برس کا چھوٹا بچہ۔ چونکہ ماں سے زیادہ ہلا ہوا تھا۔ اس لئے ماں کے بعد باپ کے کندھے سے وہ ایسا چمٹا کہ ایک لمحہ جدا نہ ہوتا تھا۔ ان مرحوم کو ماں اور باپ دونوں کی خدمات انجام دینی پڑتی تھیں۔ ایک رات جب سردی غیر معمولی شدت سے تھی بدن پر کرتہ معمولی سی کمری گلے میں پہنے بچے کو گود میں لے کر کمرے سے باہر نکلے۔ نتیجہ ظاہر تھا کہ نمونیا ہوا۔ خدا کی قدرت کے بھی عجیب کرشمے ہیں وہی بچہ جو ماں کے بعد باپ کو نہ چھوڑتا تھا۔ بیمار پڑتے ہی ایسا الگ ہوا کہ مرتے وقت تک باپ کا نام نہ لیا۔ موت سے چار پانچ گھنٹہ قبل جب [illegible] تھی نہ ہوش میں، رہا تھا ان کے ہوش و حواس بالکل درست تھے۔ انہوں نے ایک [illegible] کو قریب بلایا [illegible] [illegible] کہ میری تمہ بیوی کے برابر ہو۔

موت کے آثار صبح ہی سے ظاہر ہو چکے تھے اور زبان چونکہ کام کر سکتی تھی۔ اس واسطے بلا ضرورت وہ اپنی گذری ہوئی باتیں خواہ مخواہ بیان کر رہے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ دماغ تمام واقعات کو آنکھ کے سامنے لا رہا ہے۔ اسی دوران میں انہوں نے یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ ایک دفعہ سعید میرے پاس سو رہا تھا اس کی ماں کسی ضرورت سے برابر والے مکان میں چلی گئیں اور میں بھی اتفاق سے کچھ دیر بعد وہاں گیا تو وہ مجھے دیکھتے ہی گھبرا کر بولیں "ہائیں سعید کے پاس کس کو چھوڑا" اس فقرے کو وہ دیر تک رٹتے رہے اور جس وقت مرنے سے کچھ دیر پہلے وہ اپنی قبر کے متعلق وصیت کر رہے تھے دماغ نے پھر وہی منظر ان کے سامنے پیش کیا اور اس جذبہ کے ساتھ ہی کہ میں دفن ہوتے ہی مرنے والی بیوی سے ملوں گا۔ ان کو خیال آیا کہ اس سوال کا کیا جواب دوں گا کہ سعید کے پاس کس کو چھوڑا" ان کی زبان مرنے سے شاید دو تین منٹ پہلے بند ہوئی اور آخرت وقت بھی ان کی زبان پر یہی الفاظ جاری تھے کہ "سعید کے پاس کس کو چھوڑا" رسول اللہؐ کی اس حدیث کا مطلب کہ اگر مرنے والا دنیا والوں کے نزدیک اچھا ہے۔ یہی ہے کہ اگر تعلقات میں آدمی اچھا رہا تو مغفرت ہو گئی۔ مفسرین نے بھی وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کے معنی یہی کئے ہیں کہ ادائگی فرض کے بعد انسان کا ہر فعل جو گناہ نہ ہو عبادت ہے یعنی ایک عورت نے صبح کی نماز پڑھ کر اگر شوہر یا بچوں کے واسطے آٹا گوندھا یا کسی لڑکی نے نماز سے فراغت پا کر ماں باپ یا بہن بھائی کا کوئی کام کیا تو یہ بھی عبادت ہے۔

جیسا کہ میں اوپر لکھ چکی ہوں اگر ہم ان مرحوم کے آخری الفاظ نفسیات کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ بیوی بچوں کی محبت میں جو اسلام کی تلقین ہے از سرتا پا غرق تھے۔ اور مذہب کی کسوٹی پر پرکھیں تو یہ کہنے میں تامل نہ ہوگا کہ ان کے یہ الفاظ ان کی مغفرت کا بین ثبوت ہیں۔ اور وہ دنیا سے عبادت ہی کرتے رخصت ہوئے۔ (زیور اسلام)

تہذیب نو کا ناموں پر اثر

کائنات میں ارتقا کا عمل ہر شے پر جاری ہے۔ دوسری چیزوں کو چھوڑ دیجئے۔ عورتوں اور مردوں کے ناموں پر ہی ایک نظر ڈالئے۔ حقیقت آپ پر روشن ہو جائے گی

پنجاب میں جب جہالت عام تھی۔ اور لوگ تمدن کے ابتدائی مرحلے پر تھے۔ تو عورتوں کے نام اس طرح سننے میں آتے: بھاگاں۔ رکھاں۔ جیواں۔ جانی۔ تابو۔ وغیرہ

جب پنجابیوں نے ایک قدم آگے بڑھایا تو وہ پھر "بیبیاں" بن گئیں۔ مثلاً رحمت بی بی۔ مہتاب بی بی

جب "بیبیاں" دیہات سے نکل کر شہروں میں آباد ہونے لگیں تو رفتہ رفتہ بیگمیں بن گئیں: جیسے نواب بیگم معراج بیگم۔ تاج بیگم۔ سردار بیگم۔

شہروں میں آنے کے بعد اسلامی تعلیم کے زیر اثر آنے کی وجہ سے ناموں نے یہ صورت اختیار کی جن میں خدا و رسولؐ یا بعد رسولؐ کے گھر والوں کے نام ہوں یا ان کے ناموں کا کوئی جزو شامل ہو۔ جیسے امتہ اللہ۔ امتہ الحمید۔ امتہ الرحمان۔ کنیز فاطمہ۔ وغیرہ۔ اس کے بعد جب تعلیم نسواں کافی طور پر پھیلنے لگی تو گیتی آرا۔ جہاں آرا۔ خورشید اختر آرا۔ رئیسہ اختر۔ جیبہ خاتون۔ جمیلہ خاتون جیسے نام عرصہ تک جاری رہے۔ اس کے بعد ایسے نام پسند کئے جانے لگے جن سے لطافت پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہو پھر تو گھروں کے اندر، رسالوں اور اخباروں کے صفحات پر اس طرح کے نام نظر آنے لگے: جیسے جمیلہ پروین۔ اختر جبیں۔ ثریا پروین۔ ماہ انور۔ لیکن اب تو نام رکھنے میں مناظر قدرت سے کام لیا جا رہا ہے چنانچہ ایک صاحب نے دقیانوسی ناموں کو چھوڑ کر اپنی لڑکیوں کے نام رکھے ہیں:۔ مخمل عباسی۔ مخمل رعنا۔ نسیم سحر۔ نور الصباح۔

ام حمیدہ بیگم

پڑوسن

مال و دولت کی پجارن پیکرِ مکر و دغا — ظلم خو، کج فہم ناواقف ز آئینِ وفا
علم و تہذیب و شرافت سے جسے کچھ بھی نہ مس — روز و شب، صبح و مسا جسکے رذائل ہم نفس
مان جمالی اور ستبا کو مآلِ زندگی — یعنی کوسوں دور شمعِ روح کی تابندگی
جس کا ہر کلمہ شرارِ نارِ دوزخ کا ثبوت — ہر قدم آئینہ دارِ حرص و مکرِ عنکبوت
جسکی تیوری بل پہ بل ماتھا شکن اندر شکن — دفن جنمیں عقل و دانش، زیرکی فہم و فطن
خواہرِ من ! بدنصیبی سے ملا ایسا پڑوس — ہیرے ذوقِ علم و فن پر آئے دن پڑتی ہے اوس

آمنہ کی سُنکے باتیں یوں ہوئی میں ہمکلام — مرد کے ہی ہات میں تہذیبِ عورت کی لگام
مرد اگر چاہے تو عورت ہو فضائل در کنار — سازِ روح و عقلِ عورت کا بجے ہر ایک تار
مرد اگر چاہے تو عورت علم سے ہو بہرہ ور — علم وہ جو دیدۂ دل میں کرے پیدا نظر
علم وہ جو آشنا کردے رموزِ ذات سے — بات دل کی چھیڑ دے جو زندگی کی بات سے
روح کو مغلوبِ نفسِ بد روش ہونے نہ دے — تخم حرص و مکر کشتِ دل میں جو بونے نہ دے
ظاہر و باطن کا یکساں ضامنِ پرواز ہو — جوش کی صورت نہ آئے وا نہ ہی آواز ہو
زہر ہے وہ علم جو ہو عنصرِ زیبِ بدن — ہو نہ تعمیرِ حیاتِ دل کی جس کو کچھ لگن

مرد ہی اس دور میں سمجھا نہ کچھ رازِ حیات — مادیت کے ہی بل پر رقص کرتی کائنات
مادیت کا پجاری شیخ ہو یا برہمن — مادیت کا مبلغ شاعرِ شیریں سخن
مادیت آجکل روحِ کتابِ زندگی — اہرمن کا رقص فرشِ عقل پر ہے دیدنی
مادیت کا لہو ساری رگِ ملت میں ہے — آفتابِ روح پنہاں پردۂ ظلمت میں ہے
مادیت کا سرابی رنگ تا حدِ نظر — روحِ مشرق لے اڑا مغرب کا سحرِ کارگر
جبکہ ذہنِ مرد پر شیطان شعلہ بار ہے — ارتقائے روحِ عورت کسقدر دشوار ہے

یوں تو عورت مرد کے ہی نقشِ پا پر چل رہی — مل رہی ہے مرد کی جانب سے دادِ آگہی
دامنِ عورت پہ نقصِ عقل کا دھبہ نہیں — مرد کی کس شعبۂ دنیا میں ہے پلہ نہیں
مرد کا کردار معیارِ ترقی بن گیا — لے اڑی طلب و نظر کو مادیت کی ہوا
الغرض ہے شمع کا بجھنے کو نورانی چراغ — دامنِ انسانیت پر مرد و عورت میں ہیں داغ

خواہرِ من ورپے صحبت نہ ہو اس کی وہیں
مل نہیں سکتی ہیں ہر گز منتشا ہو ذہیں

ساجدہ بنت دانش شاہجہانپوری

تلخیِ حیات

تم کہتے ہو کہ ہر وقت خوش رہنا چاہیئے۔ پر آہ! کیا یہ زندگی ایک مرقعِ یاس نہیں۔ سراپا پر از آہ و فغاں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ ننھا سا حسین پھول نشاطِ بہار سے جھوم رہا ہے۔ پر کون کہہ سکتا ہے کہ اس کا ننھا سا سینہ تصورِ خزاں سے گریاں اور خوفِ گلچیں سے نالاں نہیں۔

اور یہ ننھے ننھے شبنمی موتی جو فرشِ زمردیں پر چمک رہے ہیں۔ قطراتِ اشک ہیں۔ ملکۂ شب کی حسین آنکھوں سے گرے ہوئے آنسو۔

یہ نہ کہو کہ شبِ ماہ کی درخشانی لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر ہے۔ اس کی بڑھتی ہوئی زردی اور افسردہ نگاہی میں تو نہ معلوم کتنی آزردگیاں پوشیدہ ہیں۔

یہ دنیا! یہ دنیا!! حسن بن صباح کی روایتی جنت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اس کی ہر شب کسی نامعلوم الم سے کراہتی ہوئی آتی ہے۔ اور سحر شفق کی سرخی سے لالہ زار ہے۔

جبھی تو فضا کی نمناکی میں آنسو ملے ہوئے ہیں۔ ہوا کے سرد سرد جھونکے ہر وقت محوِ فغاں رہتے ہیں۔ اور آسمان کی چھاتی ابر آلود ہے۔

خوشی! آہ وہ تو اس دہر میں عنقا کی طرح معدوم ہے۔ اور حیات کا مزہ تلخ ہے۔ حدِ خیال سے بھی بڑھ کر تلخ۔

محمودہ رضویہ کراچی

دُکھڑا

نفیسہ "باجی! آداب۔"

حسینہ (چونک کر) "جیتی رہو بوا، کہو آج کیسے راستہ بھول گئیں؟"

نفیسہ "آپ سچ فرماتی ہیں باجی، ہم بیچارے بھول بھال کر یاد تو کر بیٹھے اور آپ نے تو ایسا فراموش کیا کہ ہمیشہ کے لئے بھلا دیا۔"

حسینہ "نفیسہ! تمہیں کیا معلوم مجھے کیسی کیسی پریشانیوں اور فکروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

نفیسہ "کیوں باجی خیر تو ہے؟"

حسینہ "کیا خاک خیر ہے۔ اللہ کی مار ان نوکروں پر۔ ایک ایک کرکے سارے ناشاد چل دیئے۔ ماشاء اللہ بال بچوں کا ساتھ کسی کا منہ دُھلانا کسی کا ہاتھ دُھلانا کوئی رو رہا ہے کوئی بسور رہا ہے بڑی بوڑھیاں سچ کہتی ہیں کہ آجکل کے نمک میں لوچ نہیں رہا جب ہی تو یہ کمبخت نمک حرامی پر کمر باندھ رہے ہیں۔"

نفیسہ "ہاں باجی آجکل ملازم ملتے کہاں ہیں اور اگر کوئی مل بھی گیا تو بیس پچیس دن سے زیادہ نہیں ٹھیرتا۔"

حسینہ "ارے بیوی ہم نے تو ایسے ایسے نوکر دیکھے ہیں جنہوں نے اپنے آقاؤں کے ساتھ فاقے کئے، جوتیاں کھائیں اور دھمکیاں سنیں لیکن کیا مجال کہ اُف بھی کی ہو جب ڈیوڑھی پر پڑ گئے۔ وہاں سے اُن کی میت ہی گئی۔"

نفیسہ "آپ کا فرمانا صحیح ہے لیکن اس زمانہ میں تو آقا کو نوکر کی دھمکیاں سننی پڑتی ہیں۔"

حسینہ "بس جی اللہ نہ رکھوائے ایسے نوکر جن کی دھمکیاں سننی پڑیں۔"

نفیسہ "باجی! بچے سب کہاں ہیں؟"

حسینہ "ہیں کہاں؟ چاروں پانچوں بیمار ہو رہے ہیں۔ ایک کو کھانسی۔ دوسرے کو نزلہ تیسرے کو بخار۔ آج اتوار تھا اُن کے ابا کی چھٹی تھی وہ تانگہ کر کے سب کو ڈاکٹر کے یہاں لے گئے ہیں۔"

نفیسہ "اللہ بچوں کو تندرستی دے آپ کی ممتا ٹھنڈی رہے۔ ہاں یہ تو بتائیے کہ بھائی صاحب کا مزاج کیسا ہے؟"

حسینہ (ٹھنڈی سانس بھر کر) "رونا تو یہی ہے کہ اُن کی صحت بھی خراب ہو گئی، آئے دن پیٹ میں درد، معدہ میں جلن انتڑیوں میں اینٹھن ایک تکلیف ہو تو گنی جائے اور ایک دکھ ہو تو کہا جائے۔"

نفیسہ "لیکن باجی آپ نے بھائی صاحب کو کسی اچھے حکیم یا ڈاکٹر کو بھی دکھوایا؟"

حسینہ "توبہ کرو بوا آجکل کے ڈاکٹر حکیم تو سوائے دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کے کچھ نہیں جانتے، ان نامرادوں کے علاج سے تو مریض رنجھ رنجھ کر جان دیتا ہے اور یہ مُردے گھاس پھونس کی پڑیاں باندھ کر اور لال پیلا رنگ شیشیوں میں گھول گھال اپنا اُلو سیدھا کر لیتے ہیں ان کی بلا سے آرام ہو یا نہ ہو ان کی جیب تو گرم ہو ہی جاتی ہے۔"

نفیسہ "اگر آپ پسند کریں تو کچھ دن کے لئے تبدیل آب و ہوا کی غرض سے کہیں باہر چلی جائیے شاید مفید ثابت ہو۔"

حسینہ "نا بہن! یہ تو میرے لئے بہت ہی مشکل ہے، اکیلا دھنڈار گھر کس پر چھوڑوں، پندرہ بیس دن ہوئے آپا حفیظہ کے یہاں شادی میں چلی گئی تھی، واپس آکر دیکھا تو گھر کا قفل ٹوٹا پڑا تھا اور دس بارہ برتن بھاری بھاری جانے کے کوئی موا اٹھائی گیرا لے کر چمپت ہوا۔ تھانہ میں رپوٹ بھی کرائی مگر اللہ سمجھے ان پولیس والوں کو اب تک کچھ پتہ نہ چلایا۔ ہاں اگر ان کی مٹھی گرم کر دی جاتی تو میاں تھانیدار صاحب اور کوتوال صاحب دہلیز کی خاک لے ڈالتے۔"

نفیسہ "باجی آپ ایسا کیجئے کہ بھائی صاحب کے کھانے پینے میں سخت احتیاط برتئے۔ جہاں تک ہو سکے ہلکی غذا دیجئے۔ پرہیز معدہ کے مریضوں کی سب سے بڑی دوا ہے۔"

حسینہ "ارے میری بہن آجکل کے زمانے میں کیسا [illegible] اللہ

کیا پنیا؟ آٹا دیکھو تو اس میں گنے کے چھلکے پستے ہیں۔ اور گھی میں علانیہ بناسپتی تیل کی بھرمار ہونے لگی۔ اب بھلا اچھی غذا کہاں سے لائی جائے اور طاقت کیونکر آئے۔ جو اللہ کا بندہ صبح سے شام تک قلم گھسے اور آٹھوں پہر دماغی کام کرے اگر اس بدنصیب کے پیٹ میں چھٹانک ڈیڑھ چھٹانک گھی بھی نہ پہنچے گا تو صحت خود بخود خراب ہوگی۔ اور انتڑیوں کا تو خدا ہی حافظ ہے۔"

نفیسہ۔ (انگڑائی لیتے ہوئے) "اچھا باجی اب اجازت دیدیجئے"

حسینہ۔ "ایسی ابھی کیا جلدی ہے۔ کہیں مہینوں میں تو نکلنا ہوتا ہے۔ کچھ دیر تو اور بیٹھو۔"

نفیسہ (جمائی لے کر) "انشاءاللہ پھر حاضر ہوں گی۔ اب چار بجے ہیں۔ پانچ بجے ریڈیو میں زنانہ مشاعرہ کا پروگرام ہے وہ بھی سننا ہے۔"

حسینہ۔ "اوئی میرے اللہ یہ تم کو ریڈیو کا روگ کب سے لگا؟"

نفیسہ (مسکرا کر) "ریڈیو میں کیا برائی ہے باجی؟ ہمارا تو دل بہت بہل جاتا ہے۔"

حسینہ۔ "ہاں بیوی تمہاری نگاہ میں برائی نہ ہو، مجھے تو اس کمبخت ریڈیو سے سخت نفرت ہے۔ اللہ کی مار اس مردے پر جب دیکھو بھیں بھیں۔ کے سوا کوئی کام ہی نہیں۔ تمہارے بھائی صاحب کو بھی شوق چرایا تھا۔ وہ لینے کو تو لے آئے لیکن میں نے تو تیسرے ہی دن اس موئے کا کالا منہ کر دیا۔"

نفیسہ (قہقہہ لگا کر) "خوب باجی! بہت خوب۔ اچھا خدا حافظ۔"

آمنہ نازلی

(باقی صفحہ ۳۴۸) عزت اور اخلاق کے ساتھ رکھا جائے تو وہ بچوں کو اسلامی طریقہ سے تربیت دیکر انہیں اپنی قوم کے ہونہار بنا سکتی ہیں۔ اگر ہمارے بچے یورپین لب لہجہ نہ سیکھ سکے تو فکر نہیں اگر وہ انگریزی ایٹی کیٹ سے روشناس نہ ہو سکے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ والدین اپنی محبت میں یہ سب طریقے ان کو سکھا لیں گے لیکن انہیں ہندوستانی بول چال، اسلامی تہذیب تمدن سے تو پوری واقفیت ہوگی۔

میری ایک دوست ہیں۔ وہ خود یونیورسٹی کی اعلیٰ ڈگری یافتہ ہے اور ان کے شوہر بھی یورپ سے تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں۔ انہوں نے اپنی بچی کے لئے ایک تعلیم یافتہ شریف مسلمان خاتون کو گورنس تجویز کیا۔ وہ ہر وقت بچی کے ساتھ رہتی اور اسے تربیت دیتی تھی۔ انگریزی بول چال بچی اپنے والدین سے سیکھ چکی تھی۔ ابتداء میں یہ مسلمان گورنس بچی کی تعلیم و تربیت کی ذمہ دار رہیں۔ اس کے بعد اسکول میں داخل کرائی گئی اور مختلف زبانوں کے لئے مختلف ٹیوٹر بھی مقرر ہوئے مگر اس کی نگہداشت کے لئے وہی رہی۔

اسی طرح ہماری قابل فخر اور قابل تقلید بہن ڈاکٹر شائستہ اختر سہروردیہ نے بھی جن کو اسلامی ہندوستانی تہذیب اور تمدن کو فروغ دینے کا خاص خیال رہتا ہے۔ اپنے بچوں کے لئے ایک مسلمان تعلیم یافتہ اُستانی کو مقرر کیا ہے۔ جو انہیں اسلامی ہندوستانی تہذیب سکھاتی ہے۔ بہنیں ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ کیا ہم یورپین نقالی سے اپنی عزت بڑھا لیتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ہاں ہمیں اپنی قومیت کی روایتی شان برقرار رکھتے ہوئے دوسروں کی اچھی باتیں اگر ہوں تو اخذ کر لینا چاہیئے نہ یہ کہ "کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔"

جمیلہ بیگم کلکتہ

گورنس

ہمارے اعلیٰ طبقہ کے مسلمانوں میں گورنس کی شخصیت بھی ایک لازمی صورت اختیار کر چکی ہے، ہر امیر خاندان میں جہاں اولاد اور خانہ داری کی کثرت سے جھنجھٹیں ہیں وہاں گورنس کا ہونا ضروری ہو گیا ہے۔ آخر گھر کی بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں کے لئے بالخصوص تربیتِ اولاد کے واسطے ایک خاتون مددگار بھی تو ہونی چاہیئے۔ گھر کی بیگم اکیلی کہاں تک سب کام کریں۔ دوسرا خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ گورنس اصل نسل انگریز یا کم از کم اینگلو انڈین ہو تاکہ بچوں کو انگریزی بول چال، انگریزی تہذیب اور رکھ رکھاؤ سکھائے۔ تاکہ ہم چشموں میں ہماری سبکی نہ ہو۔ اور ہمارا "کالا لوگ" میں شمار نہ کیا جائے۔

اس قسم کی گورنس بچوں کی پرورش تو جس طرح کرتی ہے یہ معلوم ہی ہے۔ مگر اس کے تربیت یافتہ بچے آگے چل کر بالکل اینگلو انڈین تہذیب اور نسل کا ایک خلط ملط نمونہ بن جاتے ہیں۔ پہلے زمانہ کے لوگ اتائیں اور آتو ن جی اسی غرض سے رکھتے تھے اس وقت تہذیب اور تمدن کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ مگر اس ترقی کے زمانے میں اگر متمول خاندان کے بچے گورنس کے پرورش یافتہ نہ ہوں تو عموماً یہ غیر مہذب خیال کئے جاتے ہیں خواہ وہ اپنی زبان درست بولنا سیکھیں یا نہیں، اپنی اسلامی تہذیب انہیں آئے یا نہ آئے مگر ان کو انگریزی ایٹی کیٹ اور زبان میں ابتدا سے ماہر ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ایسی ذہنیت کے لوگوں پر سوائے افسوس کرنے کے اور کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اگر ان سے پوچھئے کہ آپ کی قومی اور خاندانی روایتی ادب آموزی کہاں گئی، کیا آپ کی اپنی زبان یا اپنی تہذیب اور تمدن نہیں ہے جو دنیا میں قدم دھرتے ہی، ہوش سنبھالتے ہی آپ اپنے معصوم بچوں کو غیر قوم کی زبان اور تہذیب سے آشنا ہو کر سرفراز ہونے کے لئے موٹی موٹی تنخواہ پر یورپین یا اینگلو انڈین گورنس رکھ کر ہمیشہ کے لئے ان کو غلامانہ ذہنیت میں مبتلا کر چھوڑتی ہیں؟ تو کوئی معقول جواب نہیں۔

آخر ہماری اپنی زبان کونسی بری ہے یا اگر بری بھی سہی تو ہمیں اپنے قومی امتیاز کا لحاظ رکھنے کے لئے تو کم از کم اُسے برقرار رکھنا چاہیئے۔ ہندوستانی بچے کیسی ہی اچھی انگریزی بول چال اور تہذیب کیوں نہ سیکھیں وہ ہندوستانی ہی کہلائیں گے کوئی انہیں انگریز نہ کہے گا حتیٰ کہ بنگالی اپنی قومی زبان اور لباس چھوڑ کر ہندوستانی یا پنجابی لباس و زبان اختیار کریں تو کوئی انہیں ہندوستانی اور پنجابی تسلیم نہیں کر سکتا اس لئے کہ قومیت کسی طرح مٹائی نہیں جا سکتی۔ پھر کیا وجہ کہ ہم اپنی زبان اور تہذیب کو ٹھکرا کر غیروں کی نقالی پر اتر آئیں جب تو کوئی خالص انگریز یا یورپین کہے گا نہیں پھر ہماری قومیت میں آخر عیب کیا ہے؟ جو ہم دوسروں میں مدغم ہو جانے کی کوشش کریں۔ یہ ہماری عام طور سے وبا کے طور پر پھیلی ہوئی ہے اور اکثر جگہ یورپین گورنس ہی رکھی جاتی ہے۔ سوائے معدودے چند بہنوں کے جو اسلامی تہذیب اور تمدن کو فروغ دینے اور اپنی امتیازی شان کو برقرار رکھنے کے لئے کوشاں ہیں۔ میں نے جہاں تک بغور مشاہدہ کیا یورپین اور اینگلو انڈین گورنس زیادہ تر ایسے ہی خاندانوں میں حکمرانی کر رہی ہے جہاں گھر کی مالکہ کافی انگریزی زبان اور تہذیب سے کچھ بہت زیادہ واقف نہیں یا وہ جن کی زندگی صرف جلسوں، پارٹیوں اور سیر و تفریح کے واسطے وقف ہے۔ بجائے ایسی گورنسوں کے اگر متمول تعلیم یافتہ گھرانوں میں گورنس کی خدمات انجام دینے کو تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین منتخب کی جائیں تو کیا برائی ہے؟ ہر جگہ شریف مسلمان تعلیم یافتہ بیویاں ایسی بکثرت ملیں گی جو بوجہ ناداری سخت مصیبت میں زندگی گزار رہی ہیں تعلیم یافتہ تو ہیں مگر کالج یا اسکول کا ڈپلومہ ان کے پاس موجود نہیں جو سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں میں ان کی کھپت ہو یا ان کی عمریں مقررہ سرکاری ملازمت کے حدود سے باہر ہو گئی ہوں۔ ایسی کتنی بدنصیب عورتیں نیم فاقہ کی حالت میں اوقات بسر کر رہی ہیں اگر ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور انہیں اس خدمت پر کافی معاوضہ اور اسی یورپین گورنس کی سی

(باقی صفحہ [illegible] کالم ۱ پر دیکھئے)

شادی

آپ جانتے ہیں شادی میں جہاں ہیں تو ہمیشہ ہی ہوتی ہے مگر اب نئے طرز سے ہوتی ہے۔ بیوی کیسی ہونی چاہیئے؟ اس کے متعلق ہر شخص کا نظریہ الگ الگ ہے۔ یہ تو ایک عام خیال ہے کہ حسین ہو، دولت مند ہو، بی۔ اے، ایم۔ اے نہ ہو تو کم از کم انگریزی لکھ پڑھ سکتی ہو اور ناول بھی سکتی ہو۔ اگر کسی خوش نصیب خاندان میں چند ہونہار لڑکے نکل آئیں جو اچھی تعلیم حاصل کر کے کسی بڑے عہدہ پر ممتاز ہو جائیں تو ان کا دماغ عرش معلیٰ پر پہنچ جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ معراج پر پہنچ گئے اب چاہیں تو آسمان کے تارے توڑ لائیں اور ایسا گل مقصود چنیں جو ان کی آرزوؤں کی جان ہو۔ اور ان کے شایان شان ہو۔ سب سے پہلے تو ان کے اعزا اپنی جانی بوجھی لڑکیوں کے نام پیش کرتے ہیں مگر صاحبزادے کی سمجھ میں کوئی نہیں آتی ہر ایک میں کوئی نہ کوئی خامی نظر آتی ہے۔ ہمہ صفت موصوف کوئی نہیں۔ اس لئے سب سے انکار اور ایسی تجویز کرتے ہیں جو بظاہر ان کی آرزوؤں کی تکمیل کرتی نظر آتی ہو۔ مگر در اصل وہ بھی تو انسان ہی ہیں۔ جہاں چند خوبیاں ہوتی ہیں وہاں کچھ عیوب بھی، جن پر ناواقفیت کا پردہ پڑا ہوتا ہے جو بعد میں آہستہ آہستہ اٹھتا ہے صرف دور کے ڈھول کی آواز سہادنی معلوم ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ میں غیر جگہ شادی بیاہ کا مخالف ہوں۔ میرا مطلب صحیح اور گہری نظر انتخاب ہے۔ اچھا اب میرا حال سنئے میں بھی اس گروہ میں سے ایک ہوں:۔

میرے والد مرحوم بس ایک کھاتے پیتے آدمی تھے وہ پرانے خیال کے تھے مگر تعلیم کے معاملہ میں ان کی نظر بہت وسیع تھی انہوں نے خود تھوڑی بہت تکلیف اٹھائی مگر میری تعلیم میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ میں جب بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے ہندوستان آیا تو حسب دستور شادی کا مسئلہ چھڑا۔ میری والدہ صاحبہ نے مدت ہوئی میرے ماموں کی لڑکی سے میری نسبت طے کر لی تھی۔ شاید مجھے وہ پہلے بھی کچھ پسند نہیں تھی مگر اب تو میرے خیالات میں اس زمانہ کے مقابلہ میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا تھا۔ انگلستان ہی میں ارادہ کر لیا تھا کہ جاتے ہی صاف انکار کر دونگا۔ اور بہت غور و خوض کے بعد اپنی حسب پسند لڑکی سے شادی کروں گا، تاکہ زندگی کا سکھ اٹھاؤں۔

ناپسندیدگی کی کئی وجوہ تھیں، اس کی صورت اچھی نہیں تھی یعنی حسین نہیں تھی تعلیم پرانے طریقہ پر ہوئی تھی، نہ شوخی تھی نہ دلربائی۔ کچھ پرانی رسم کے مطابق اور کچھ اپنی شرمیلی طبیعت کی وجہ سے وہ مجھ سے ایک لفظ بولنے اور نظریں چار کرنے میں بھی جھجکتی تھی۔ غرضیکہ اس میں میرے لئے نہ کوئی کشش ظاہری تھی نہ باطنی، میں نے خیال کیا کہ میرے دوستوں کی بیویاں کیسی اچھی ہیں پڑھی لکھی فیشن ایبل، میری بیوی جو ہوگی افسوس اس میں کوئی صفت ہی نہیں میں اپنے دوستوں سے ملاقات کرا کے کیا خوشی حاصل کر سکوں گا اور کس بات پر فخر کر سکونگا۔ میرے تمام حوصلے اور امنگیں خاک میں مل جائیں گی۔

مجھے یہی ڈر تھا کہ انکار کرونگا تو سارے خاندان میں تہلکہ مچ جائے گا۔ لیکن کیا سب کی خوشی کی خاطر میں اپنی زندگی برباد کر ڈالوں؟ یہ سوچ کر میں نے بڑی ہمت سے کام لیا اور انکار کر ہی دیا۔ میرے والدین کو سخت رنج ہوا خصوصاً والدہ کو وہ تو اس صدمہ سے صاحب فراش ہو گئیں۔ انہیں اس رشتہ کی بڑی آرزو تھی اور بھانجی کو بہت چاہتی تھیں۔ یہ رنگ دیکھ کر میں بہت پریشان ہوا کیونکہ اور تمام معاملات میں مجھے اپنے والدین کی خوشی ہمیشہ بہت عزیز رہی اور ان کے رنج و ملال کا دلشکن نظارہ میرے لئے سوہان روح ہو گیا۔ دوسری طرف میری بہنیں بھاوجیں سب میرے پیچھے پڑ گئیں کہ تم نے کیا آفت ڈھائی ہے اس قدر اپنی خواہشات کے غلام نہ بن جاؤ، دوسروں کا بھی لحاظ رکھو۔ تم سلمہ کو اس لئے ناپسند کرتے ہو کہ اس کی صورت کچھ اچھی نہیں لیکن صرف ظاہری حسن کو دیکھنا اور باطنی خوبیوں کو نظر انداز کرنا دانشمندی نہیں، وہ سمجھدار سلیقہ مند اور نیک لڑکی ہے صرف صورت اچھی نہ ہونے کی وجہ سے تم نے اس کی تمام خوبیوں کو ٹھکرا دیا۔" میں نے کہا کہ "نہ صورت اچھی نہ تعلیم۔ پھر اور کون سی خوبیاں ہیں جن کی طرف مجھے رغبت ہو۔ یہی چیزیں مخصوص طور پر دیکھی جاتی ہیں اور خوبیاں خدا جانے آپ کیا سمجھتی ہیں، مجھے تو کوئی اندازہ ہے نہیں"۔ انہوں نے کہا "تعلیم سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" "جو آجکل رائج ہے" اس جملے سے وہ میرا مطلب تاڑ گئیں۔

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ وہ فضا جو انسانیت کو برباد کر رہی ہے تم پر بھی اثر ڈالے بغیر نہ رہی، آجکل کی لڑکیاں جو بی اے۔ ایم اے کی ڈگریاں لیکر نکلتی ہیں آزادی کی دلدادہ فیشن پرستی میں یکتا، نمائش پر فریفتہ تم لوگوں کی نظر میں ان میں سرخاب کے پر لگ جاتے ہیں لیکن بہت کم ان میں ایسی ہوتی ہیں جن کی تعلیم صحیح ہو اور ان میں انسانی جوہر موجود ہوں کتنی ایسی ہیں جن میں کسی بات کا سلیقہ نہیں ہوتا نہ گھر کا انتظام ٹھیک کر سکتی ہیں نہ بچوں کی پرورش کا ڈھنگ ہوتا ہے نہ شوہر کی تکلیف و آرام کی پروا کسی سمجھدار آدمی کو اتنا ظاہر پرست نہیں ہونا چاہیئے یہ ضرور ہے کہ گھریلو تعلیم کے ساتھ موجودہ زمانہ کی تعلیم بھی ضروری ہے اور جب تمہارے جیسے لڑکے ہونگے تو اس کی زیادہ ضرورت محسوس ہوگی۔ یہ کونسی بڑی بات

ہے۔ تم چاہنا تو حسب ضرورت انگریزی پڑھا لینا۔ بول چال کی مشق بھی ہو جائے گی۔ چلو یہ کمی بھی نہ رہے گی۔" میرا جی جل گیا۔" جی ہاں! شوق کا زمانہ تو یوں گذر جائے گا۔ بڑھاپے میں انگریزی پڑھی تو کس کام کی۔

میں فطرتاً نرم دل اور کمزور طبیعت کا تھا سب کے سر ہونے اور کہنے سننے اور خاصکر والدین کی دلشکنی اور اثر پذیری نے مجھے اس خلاف طبیعت فعل پر آمادہ کر دیا، بہت ردوکد کے بعد آخر میں نے حامی بھر لی۔ والدین نے اپنے حوصلوں اور ارمانوں کے مطابق میری شادی رچائی میں بیان نہیں کر سکتا کہ جب میں سلمہ سے ملا ہوں تو میری کیا کیفیت تھی۔ اس دن کے لئے میرے دل میں نہ معلوم کیا کیا امنگیں تھیں جو آن واحد میں دب کر رہ گئیں، میرا دل افسردہ تھا اور کوئی بات اچھی نہیں لگتی تھی۔ سلمہ کے پاس جاتے ہی مجھے وحشت سی ہونے لگتی اور میں جلد سے جلد اپنا پیچھا چھڑا کے بھاگ آتا نہ اس کے جذبات کا کچھ اندازہ تھا نہ اپنے جذبات کے اظہار کی خواہش اس کے پاس زیادہ تر میرا وقت خاموشی اور حسرت میں کٹ جاتا تھا میں اپنی قسمت پر صبر کر کے چلا آتا مگر کاش کہ صبر ہی آجاتا تو وہ بھی نہ ہوا کیونکہ جیسے دنیا کے اور معاملات میں ویسے ہی میاں بیوی کے تعلقات میں بھی صبر و برداشت کی عادت بہت اچھی ہوتی ہے برخلاف اس کے مجھے اکثر اپنے اوپر غصہ اور جھنجھلاہٹ آتی تھی کہ میں نے کیوں خلاف طبیعت شادی کی۔ میری شادی کو ایک سال گزر گیا۔ پریکٹس کے سلسلہ میں میری سکونت الہ آباد میں تھی۔ میں نے ایک مرتبہ بھی بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی لیکن وہاں سے کبھی دو چار دن کے لئے اپنے گھر آجاتا تھا۔ ایک مرتبہ میں گھر آیا تو سلمہ نے بڑی ہمت کر کے دبی زبان سے مجھ سے کہا "آپ وہاں اکیلے رہتے ہیں تکلیف اٹھاتے ہیں اور میں یہاں اکیلی پڑی رہتی ہوں ... مجھے اپنے ساتھ لیتے چلئے۔" میں نے اسے غور سے دیکھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ میری لاپروائیوں کے باوجود وہ میرے ساتھ رہنے کی خواہش مند ہے۔ "کیا تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو؟ آج مجھے معلوم ہوا کہ تمہارے دل میں بھی کوئی خواہش ہے۔"

یہ ایسا جواب تھا کہ سلمہ نے ایک حسرت بھری نگاہ جس میں التجا ملی ہوئی تھی مجھ پر ڈالی اور گردن جھکا لی۔ واقعہ یہ تھا کہ میں نے کبھی اس کو بے تکلف ہونے کا موقع ہی نہیں دیا ہمیشہ میرے انداز و برتاؤ میں ایک غیریت سی رہی۔ وہ بیچاری اپنے جذبات کے اظہار کی کیونکر جرأت کر سکتی تھی۔

"کیوں کیا میں انسان نہیں ہوں ... آپ کے ساتھ رہنے کا حق نہیں رکھتی" یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کے سانولے رخساروں پر سرخی کی ایک لہر سی دوڑ گئی، جو اس کے دلی ہیجان کا پتہ دے رہی تھی میرے پریشان دماغ میں بھی ایک ہلچل سی مچ گئی "کیا میں انسان نہیں ہوں۔ آپ کے ساتھ رہنے کا حق نہیں رکھتی" بیشک وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ "کیا مجھے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرنا چاہیئے؟" "یقیناً میں بے انصافی کر رہا ہوں ... مگر اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔ میرا دل ہی جب خوش نہیں تو کیا کروں۔" عالم بیہوشی میں کمرے سے باہر نکلکر ٹہلنے لگا۔ بات گئی گذری ہو گئی۔ اب کے بھی چپکے سے چل دیا۔ اس دن کے بعد سے سلمہ نے پھر کبھی اس مسئلہ پر ایک لفظ منہ سے نہ نکالا۔ آخر جب مدتیں گذر گئیں میرے والدین کو بھی اس بات کا خیال تھا کہ بیوی کو اپنے پاس کیوں نہیں بلاتے۔ انہوں نے خود یہ مسئلہ چھیڑا۔ اور ایک مرتبہ سب نے گویا پیچھے پڑ کر سلمہ کو میرے ساتھ کر دیا۔

سلمہ الہ آباد آنے سے بہت خوش معلوم ہوتی تھی۔ اس نے مکان کو نئی دلہن کی طرح سنوارا اپنے ہاتھ سے کڑھے ہوئے کشن اور میز پوش سے کرسی میزوں کو زینت دی، ہر جگہ صفائی ستھرائی سلیقہ نظر آرہا تھا۔ وہ صبح سویرے اٹھتی نماز و تلاوت سے فارغ ہو کر میرے ناشتہ کی فکر کرتی۔ میرے جاگنے سے پہلے غسل کا پانی تیار کراتی اور اپنے ہاتھ سے کپڑے نکال کر رکھتی، طرح طرح کے خوش ذائقہ کھانے تیار کرتی۔ میری آمدنی جب تک قلیل تھی مگر میں نے جتنا بھی اسے دیا اس نے سلیقہ شعاری سے کام چلایا۔ اور اس سے زیادہ کی کبھی حاجت مند نہ ہوئی۔ بعض وقت حیرت ہوتی تھی کہ جس آمدنی میں میں تنہا رہتا تھا اتنے میں یہ سب ساز و سامان کے ساتھ کس طرح خوش اسلوبی سے گھر چلاتی ہے لیکن میں نے کبھی اس کے سامنے اس کی تعریف تو درکنار اسے پوچھا تک نہیں۔ خدا جانے کیوں مجھے جیسے اس سے بغض للہی سا تھا کہ کوئی بات دل پر اثر ہی نہ کرتی تھی۔ میرے دل میں تو بس ہر وقت یہی ایک ہوک سی اٹھتی کہ اس کی جگہ کوئی حسین لڑکی ہوتی میں اس کے لئے رنگ و لباس خود تجویز کرتا۔ وہ اسے پہن کر میرے ساتھ جلسے پارٹیوں میں شریک ہوتی ہنستی ہنساتی اور اپنی دلفریبیوں سے مجھے مدہوش رکھتی۔ سلمہ چاہے جیسا لباس پہنتی خوش رنگ و خوش وضع یا بالکل سادے کپڑوں میں سامنے آتی میرے نزدیک سب ایک تھے۔ اس کی کسی ادا پر بھی میری نظر نہیں پڑتی تھی اور جب کوئی محبت والا خوش ہونے والا ہی نہ ہو تو رعنائی و ادا کہاں سے آئے۔ وہ کبھی مجھ سے ہنس کر بات کرتی تو میں روکھا سا جواب دیدیتا۔ میرے دوستوں نے اس سے ملنے کی خواہش کی تو میں نے صاف جواب دیدیا یا ٹال دیا جب کبھی ہم دونوں کے نام کہیں سے دعوت نامہ آیا میں نے سلمہ سے چلنے کو نہیں کہا خود اکیلا چلا گیا۔ وہ میرے پاس بیٹھنا چاہتی میں اس سے دور بھاگتا۔ آخر رفتہ رفتہ بیچاری سلمہ کو یہ پوری طرح محسوس ہونے لگا کہ مجھے خوش کرنے کی اس کے پاس کوئی تدبیر نہیں ہے اس نے بہت

کوشش کی کہ میرے سیاہ دل پر اس کی محبت کا پرتو نظر آئے مگر کسی طرح نہ آیا۔ یہ محسوس کرکے وہ بہت مغموم اور اداس رہنے لگی، مجھے یاد آتا ہے کہ اکثر سارا سارا دن گزر جاتا اور اس سے ایک بات کرنے کی نوبت نہ آتی لیکن کبھی ایک حرف شکایت منہ سے نہ نکالا سب کچھ اپنے دل ہی پر برداشت کیا، مگر کہاں تک ایک دن اس کا پیمانۂ صبر چھلک پڑا۔ واقعہ یہ ہوا کہ اس نے مجھ سے انگریزی پڑھانے کی درخواست کی میں نے حسب معمول سرد مہری سے جواب دیا کہ میں تو یہ دردِ سر مول نہیں لے سکتا۔ "کیا کروگی پڑھ کے؟" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور چشم پُرآب اپنے کمرے میں چلی گئی، اس کے مایوسانہ انداز میں کچھ ایسا اثر تھا کہ میری طبیعت بے چین ہوگئی اور ایک نامعلوم سی کشش سے میں اس کے پیچھے چلا گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر پڑی زار و قطار رو رہی ہے۔ آج پہلی مرتبہ مجھے اس کے ساتھ انسانی ہمدردی پیدا ہوئی، اس میں شک نہیں کہ وہ بالکل بے خطا تھی اور قصور وار میں ہی تھا اس کی دلداری یقیناً میرے اوپر فرض تھی وہ اپنا فرض ادا کرتی تھی اسے صد درجہ میرا خیال تھا لیکن میں اس سے بے پروا تھا اور اس کی خوشی و رنج ہر چیز میرے نزدیک لایعنی تھی۔ میں نے کہا "سلمہ مجھ سے غلطی ہوئی، میری ذرا سی بات تمہیں اس قدر ناگوار گذری تو میں معافی مانگنے کو تیار ہوں"

اس دن سے میں برابر اس کا خیال رکھتا تھا کہ کوئی تکلیف دہ بات زبان سے نہ نکلے زیادہ تر اس سے نرمی و ملائمت سے پیش آتا تھا۔ حالانکہ میرے برتاؤ میں کوئی اور فرق پیدا نہیں ہوا لیکن سلمہ اب پہلے سے زیادہ پریشان رہنے لگی اس کا دل ٹوٹ چکا تھا بیچاری ایک ایسی کلی کی طرح جو بن کھلے ہی مرجھا جائے۔ ایک دن اسے بخار آیا میں دیکھنے نہیں گیا۔ کچھ مصروفیت کچھ بے توجہی، دوسرے روز گیا وہ اپنے بستر پر آنکھیں بند کئے پڑی تھی اور مہینوں کی بیمار معلوم ہوتی تھی میں ذرا سا جھکا اس نے آنکھیں کھول دیں۔ "کیا سو رہی تھیں؟"

"ہاں سو رہی تھی۔" ایک آہ سرد کے ساتھ سر تکیہ پر اونچا کرتے ہوئے اس نے طنزاً کہا۔ "موت کا تو ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے نہیں آئے گی مگر یہاں تو نیند بھی نہیں آتی جو ذرا دیر مجھے سکون مل جائے۔ ... آپ کو کسی بات سے کیا غرض، ناحق اس وقت آپ نے آنے کی تکلیف گوارا کی" اس کے چہرے پر دلی تکلیف کے گہرے آثار پائے جاتے تھے اپنا جملہ پورا کرکے باوجود ضبط اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، میں ایک مجرم کی طرح اس کے پاس بیٹھ گیا۔ "سلمہ کیوں رنج کرتی ہو ... مجھے بالکل فرصت نہیں ملی اس سبب سے تمہیں دیکھنے نہ آسکا" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔ ذرا دیر بعد اس کی طبیعت سنبھلی۔ اس نے کہنا شروع کیا "سنئے مجھے اس کا رنج نہیں کہ آپ مجھے دیکھنے نہیں آئے۔ مجھے جو کچھ رنج ہے وہ اپنی کم نصیبی کا ہے۔ میں نے کبھی کچھ نہیں کہا اور اس وقت بھی نہ کہتی مگر بہت مجبوری سے کہہ رہی ہوں اب مجھ میں اس تلخ زندگی کی برداشت کی قوت باقی نہیں ... میرے سرتاج میں نے اپنے دل کا چین آپ کے قدموں پر ڈال دیا۔ مگر آپ کو کچھ بھی پروا نہ ہوئی، آپ کے دل تک اس کی رسائی نہ ہوئی میرا وجود آپ کے لئے محض بے مصرف نہیں بلکہ باعث تکلف ہے۔ اگر مجھے اس حد تک تنفر کا گمان ہوتا تو میں خود اس رشتہ پر رضامند نہ ہوتی اور حقیقت میں آپ کو بھی ایسی غلطی نہیں کرنی چاہئے تھی۔ شادی کے روز سے اس وقت تک نہ مجھے ایک دن مسرت کا ملا نہ آپ کو میری ذات سے آپ کو کوئی لگاؤ ہے نہ محبت کا ادنیٰ سا شائبہ۔ ... بہرحال سب کی غلطیوں سے جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا ... لیکن اب کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہئیے کہ ایسی زندگی سے نجات ملے جو دونوں پر بار ہو۔ میری قسمت میں چین نہیں ہے۔ اس رنج میں ہمیشہ کے لئے صبر کرلوں گی اور میں اپنی طرف سے آپ کو پوری آزادی دیتی ہوں کہ جس طرح چاہیں ... اپنی خوشی کا سامان کرلیں اور مجھے میرے گھر پہنچا دیں" یہ باتیں اس نے ایک دلی اضطراب اور ہیجان کے ساتھ کہیں۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ میں سلمہ کے منہ سے یہ باتیں سن رہا ہوں کوئی عجیب اثر اور خلش میرے دل کو چھیدنے لگی۔ وہ اپنے پریشان بالوں کو برابر کرتے ہوئے پھر کہنے لگی۔

"مجھے اپنی زندگی کی بہت کم امید ہے۔ اور جسم کی تکلیفوں اور کمزوری کے علاوہ اپنی ناکامی کا صدمہ ہر وقت زندگی سے بیزار رکھتا ہے میں خیال کرتی ہوں کہ مجھے جلد اس سے نجات مل جائے گی ..." یہ اس نے ان معنوں میں کہا تھا کہ اس کے یہاں ولادت ہونے والی تھی۔ "مگر آپ کو اس وقت کے انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ میرے سامنے اگر آپ حسب پسند زندگی بسر کرنے لگیں تو میں خوشی کے ساتھ دنیا کو چھوڑ جاؤں گی۔ - اور میرے دل سے یہ بار اتر جائیگا کہ میری وجہ سے آپ کی خواہشیں پوری نہیں ہوتیں" میرے جسم میں ایک رعشہ سا پیدا ہوگیا میں نے عاجزی سے کہا "سلمہ خدا کے لئے چپ رہو ... جو کچھ ہونا تھا ہوچکا۔ اب ہمیں جس طرح بھی ہو زندگی گذارنی ہے" "نہیں نہیں یہ نہیں ہوسکتا ... ابھی بہت کچھ ہونا ہے ... میرے لئے اس قسم کی زندگی لعنت ہے" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا سر بیچارگی کے ساتھ تکیہ پر ڈال دیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ میں ندامت آمیز فکر میں سر جھکائے دیر تک بیٹھا رہا۔ اس کا بخار بہت تیز ہوگیا اور بارہ بجے تک ایک الجھن اور اضطراب طاری رہا۔ بارہ بجے کے بعد جب اس کو ذرا سکون ہوا تو میں اپنے کمرے میں چلا آیا لیکن طرح طرح کے پریشان خیالات نے میری نیند حرام کردی۔ - ایک ہفتہ کی علالت کے بعد جب اس کی طبیعت سنبھلی تو وہ اپنے بھائی کو بلا کر گھر چلی گئی اور مجھے میری حالت پر چھوڑ دیا۔

ایک روز میں دفتر میں بیٹھا تھا کہ مجھے تار ملا کہ سلمٰی کی حالت نازک ہے جلد آؤ۔ تار والد صاحب کی طرف سے تھا۔ میں پہلی گاڑی سے روانہ ہو گیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ بچہ پیدا ہوا ہے، اور اب حالت امید افزا ہے۔ سلمہ سے ملا تو پہچانی نہیں جاتی تھی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے البتہ بچہ کو دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی وہ ماں سے زیادہ مجھ سے مشابہ تھا اور خوب گودا تھا۔ میری بہنوں نے مجھ سے کہا کہ دلہن جب سے تمہارے یہاں سے آئی ہیں بہت رنجیدہ رہتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انہیں خوش نہیں رکھا۔ میں نے کہا "اب یہ شکایت کرنے کا آپ کو کوئی مجاز نہیں ہیں تو پہلے ہی شادی پر آمادہ نہیں تھا میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں لیکن میں نے حق تلفی نہیں کی وہ اپنے گھر کی مختار کل تھیں جو کچھ آمدنی ہوتی تھی سب آمدنی ان کے ہاتھوں آتی تھی۔ میرا کھانا اور پہننا سب ان کے اختیار میں تھا مگر میں جانتا تھا کہ سب سے بڑی حق تلفی جو میں نے روا رکھی وہ محبت سے محرومی تھی اور لاپروائی اور ایک نیک بیوی کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ سوہان روح۔ غرضیکہ اس کے بعد سے سلمہ پھر کبھی میرے پاس نہیں آئی اور دونوں طرف سے تعلقات کشیدہ ہی رہے۔ میں کبھی گھر جاتا۔ تو غیروں کی طرح اس سے بھی صاحب سلامت ہو جاتی۔

تین سال گذر گئے میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس سال میں گرمیوں میں جب مصوری گیا تو وہیں ایک حسب پسند لڑکی سے شادی کر لی۔ زینت نے اپنے حسن و شباب کی رنگینیوں میں مجھے بالکل گم کر لیا۔ دن میں کھیل تماشے قہقہوں میں گزرتی یہ نہ معلوم ہوتا کہ دن کہاں آیا اور رات کہاں گئی۔ گھر اور باہر ایک جشن سا رہتا تھا اور وہی سب کچھ تھا جو میرا منتہائے خیال تھا۔ اس عرصہ میں بیچاری سلمہ پر کیا گذری ہو گی۔ اس سے مجھے کوئی مطلب نہیں تھا لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ طائر نحس میری قسمت پر منڈلا رہا ہے۔ رفتہ رفتہ ان شیرینیوں میں تلخی پیدا ہونے لگی۔ شروع میں جو بیخودی تھی اس میں جب سکون پیدا ہوا تو جوہر ذاتی کھلنے لگے۔ اصل زندگی تو یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ زینت کی طبیعت کا اصل رنگ مجھ پر کھلنے لگا سلمہ جو ہمیشہ میری ادنیٰ سی توجہ اور عنایت کی محتاج رہی بر عکس اس کے زینت کی خاطر مدارات میں، میں دن رات ہمہ تن مصروف رہتا، مگر وہ میرے لئے کیا کرتی تھی؟ اسے ذرہ برابر میری فکر نہ تھی بس اپنے ہی مشغلوں میں مصروف رہتی تھی۔ وہ حد سے زیادہ خود بین و خود پرست تھی، ذرا سا سر میں درد یا زکام ہوتا تو بغیر ڈاکٹر کے چارہ نہیں تھا۔ نہ انتظام خانہ داری کا شعور تھا نہ آمدنی و خرچ کا کوئی توازن قائم کر سکتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد ایک عجیب ابتری نظر آنے لگی، گھر کا وہ ساز و سامان جو سلمہ نے تھوڑی سی رقم میں اپنے ہنر اور سلیقے سے خوشنما بنایا تھا وہی اس نے سینکڑوں روپیہ خرچ کر کے تیار کرایا۔ کھانے میں روپیہ بے حد خرچ ہوتا تھا لیکن ایک روز بھی ویسا مزے کا کھانا نہ ملا جیسا سلمہ اپنے ہاتھ سے تیار کرتی تھی۔ نہ کپڑے خریدنے کی کوئی انتہا تھی نہ درزی کی سلائی کی۔ جو کپڑا یا زیور اسے پسند آتا وہ خریدنا فرض تھا روزانہ ورنہ تیسرے چوتھے ضرور سینما جانا ضروریات زندگی میں داخل تھا۔ میری آمدنی معقول تھی لیکن پھر بھی کہاں تک ان فضول خرچیوں کے لئے تو قارون کا خزانہ کافی نہیں ہو سکتا۔ آخر قرض کی نوبت آ گئی جس کی ادائیگی کا امکان نہیں تھا۔ نوکر ایک سے ایک لٹیرے تھے ایک کی جگہ دس اڑاتے مگر بیگم صاحبہ کبھی باز پرس نہ کرتی تھیں۔ میں ان سب باتوں کو دیکھتا اور خون کے سے گھونٹ پی کے رہ جاتا۔ کیونکہ یہ سب اپنا ہی کیا دھرا تھا۔ مگر آخر کہاں تک انسان تھا اور ایک فرض شناس بیوی کے ساتھ کچھ عرصہ زندگی گزار چکا تھا، اس لئے مجھے موازنہ کا موقع زیادہ ملا۔ وہی باتیں جن کی پہلے پرواہ نہیں تھی، اب بہت اہم معلوم ہوتی تھیں، محبت میں سختی کی گنجائش کہاں جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو میرے منہ سے اعتراض کے الفاظ نکلنے لگے اس پر وہ برا مان جاتی جس پر الٹی مجھ ہی کو خوشامد کرنا پڑتی۔ مجھے یہ بھی اندازہ ہونے لگا کہ مجھ سے اس کو محبت نہیں ہے نہ میری فکر ہے ورنہ وہ میری پریشانیوں میں اضافہ نہ ہونے دیتی، سلمہ کے زمانہ میں کبھی میرے سر میں درد یا بخار ہو جاتا تو بغیر کہے دوا آ جاتی تھی، اور اب میری طبیعت خراب ہوتی تو وہ بغیر کچھ خبر لئے کسی کے ساتھ سینما چلی جاتی، ملنے ملانے نکل جاتی، میری طبیعت اس زندگی سے بیزار رہنے لگی مجھے معلوم ہو گیا کہ میری قسمت میں سکھ نہیں ہے، دوسری شادی کی تھی تو بلا سے اچھی تو کی ہوتی۔ سلمہ کے پاس محبت و ایثار تھا حسن کی کمی تھی مگر یہاں حسن کے ساتھ عیش پسندی اور نفس پروری ہے تباہی ہے۔ میری آنکھیں کھلنے لگیں۔ مجھے بار بار زینت کی حماقتوں، خود غرضیوں اور چھچھورے پن پر سلمہ کی بے غرض محبت و ایثار یاد آتا مجھ میں سب کچھ سمجھنے کی اور مقابلہ کی قوت پیدا ہو گئی۔ بہر صورت سلمہ کا پلہ بھاری ہی نظر آتا تھا۔

ڈیڑھ سال بعد زینت کے ہاں بچہ پیدا۔ خرچ کی کوئی انتہا نہ رہی، قرض کا مجھ پر اتنا بھاری بوجھ تھا کہ اکثر اس خیال سے مجھ پر وحشت طاری رہنے لگی بچہ بڑا پیارا تھا اسے دیکھ کر میرا جی باغ باغ ہو جاتا جب وہ اپنی معصوم حسین آنکھوں سے میری طرف دیکھتا تو میں سب کچھ بھول جاتا۔ میں نے ایک روز زینت سے کہا کہ "تم نے کمال دکھایا یہ بھی تمہارے حسن کا ایک کرشمہ ہے۔" اس نے ہنس کر جواب دیا "آج کیا جاتی دنیا دیکھی جو اس پر ترس آ گیا۔ اگر کہیں بیچارا بدصورت ہوتا تو آپ منہ ہی نہ لگاتے۔" جب تک وہ کمزور رہی زیادہ تر گھر میں رہتی بچے کو بھی تھوڑا بہت دیکھ لیتی میں بھی خوش رہا لیکن افسوس کچھ عرصہ بعد پھر وہی باتیں شروع ہو گئیں۔ وہ بچے کی طرف سے لاپرواہ ہو گئی ایک آیا رکھ لی تھی۔ جو دن رات بچے کو رکھتی، ڈبے کا دودھ پلایا جاتا تھا۔ اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی تھی لیکن وہ کبھی کسی چیز کی دیکھ بھال نہ کرتی ورنہ اس کی آرام و تفریح کے مشاغل میں فرق آ جاتا۔ یہ سب

دیکھ کر مجھے ہر وقت ایک کوفت سی رہتی، جس کا میری صحت پر بہت خراب اثر پڑنا شروع ہو گیا۔ ایک روز میرا جی جل گیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک جگہ سے دعوت کا کارڈ آیا۔ بچے کی طبیعت ٹھیک نہ تھی، میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ ہم دونوں کو نہیں جانا چاہیئے لیکن زینت نہ مانی کہا کہ کیا حرج ہے تھوڑی دیر کے لئے چلے جائیں گے۔" میں جانتا تھا کہ وہ نہیں مانے گی۔ مگر محبت کے خیال سے چپ رہا۔ مجھے واقعی بچے کو چھوڑ کر جانے میں تکلیف ہو رہی تھی اس لئے میں خود تیار نہیں ہوا۔ وہ عین وقت پر تیار ہو کے میرے پاس آئی اور کہا "ارے آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئے، دیکھئے ان لوگوں کو بہت شکایت ہو جائے گی۔" "زینت" میں نے کہا "میں نہیں جا سکتا۔ اور تم کو روکنا میرے امکان سے باہر ہے۔ بچہ کی یہ حالت ہے آیا کے بس کا کام نہیں ہے۔ نہ اسے ٹھیک طریقہ سے دودھ ملتا ہے نہ دوا، وہ روتا ہے چلاتا ہے اور بہت بے چین ہے۔ اور تم اپنی دلچسپیوں کے آگے کچھ نہیں دیکھتیں۔" "یہ تو کوئی معقول عذر نہیں ہے، بچوں کی وجہ سے کیا کوئی کہیں جانا آنا چھوڑ دے، ایسی حالت میں ہم اکثر جا چکے ہیں آج آپ کو معلوم نہیں کیوں یہ ضد ہو گئی۔" "زینت مجھے بیکار تم سے ضد کرنے کی کیا وجہ، کوئی بات ناپسند ہو ایک آدھ مرتبہ اپنے عزیز کی خوشی کے لئے انسان کر سکتا ہے۔ سو دفعہ نہیں۔ میں تمہیں اس قدر لاپروا نہیں جانتا تھا۔ لیکن دیکھو تمہاری بے فکریوں سے اچھا خاصہ بچہ آدھا نہیں رہا۔" "آپ بیکار مجھ پر الزام لگاتے ہیں، بچے کیا بیمار نہیں ہوتے، ڈاکٹر نے دیکھ لیا دوا دی جا رہی ہے اس سے زیادہ کوئی کیا کر سکتا ہے۔" "تم ہزار دوائیں پلا دو لیکن جب دیکھ بھال نہیں کر سکتیں تو سب فضول، ڈاکٹر کی فیس بھی مفت میں جاتی ہے تمہیں اس سے کچھ واسطہ نہیں چاہے جتنا بیکار اٹھ جائے۔" "تو کیا میں بیکار اٹھاتی ہوں۔ کوئی بیمار ہو، بے دوا اور علاج کے پڑا رہے۔ آپ تو نہ معلوم مجھ سے کیوں بیزار ہیں۔ اور اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔"

میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ آج ضرور سب باتیں صاف صاف کہہ ڈالوں گا، میں نے سنبھل کر جواب دیا "سنو زینت میرا تمہارا معاملہ ایسا ہے کہ مجھے کوئی بات تم سے راز میں نہیں رکھنی چاہیئے۔ تم میری بیوی ہو اگر غلطی پر ہو تو میرا حق ہے کہ میں اس سے آگاہ کروں اور اس کا ماننا تمہارا فرض ہے اگر ایک بچہ کی پرورش کا معاملہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ تم قابل معافی ہو اس لئے کہ دنیا میں کوئی ہستی ایسی نہیں کہ اس میں کوئی خامی نہ ہو مگر تم ذرا اپنی حالت پر غور کرو تم اپنے ہر فرض سے غافل ہو، اپنے فرائض سے غافل ہو کر کوئی عورت اپنی قدر و قیمت نہیں بڑھا سکتی، نہ تمہیں میری فکر ہے نہ گھر کی، میں محنت کرتے کرتے تھکا جاتا ہوں لیکن تمہارے اخراجات اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ روپیہ کبھی کافی نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص کو اپنی آمدنی کے اندر بسر کرنا چاہیئے مگر تم نہ آمدنی کا خیال کرتی ہو نہ خرچ کا۔ قرض کتنا ہو گیا ہے۔ اس کی ادائیگی کی فکر کجا ہر مہینے اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے نوکر سیاہ سفید کے مالک ہیں جو مانگا دے دیا کبھی حساب کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتیں۔ میں محنت سے کماتا ہوں تو فطرتاً یہ جی چاہتا ہے کہ سلیقہ سے خرچ ہو۔ میں نے ہمیشہ تمہاری ناز برداری کی، تمہاری دلشکنی کے خیال سے تمہاری ہر غلطی سے درگزر کرتا رہا لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مجھ میں احساس نہیں ہے۔ میں بھی انسان ہوں اور اپنی حالت تباہ ہوتے دیکھ کر بہت زیادہ صبر نہیں کر سکتا۔ کوئی بیمار ہو یا مر رہا ہو تمہیں سینما، پارٹی اور ڈنر کا شوق نہیں چھوڑتا۔ آج بچہ کا یہ حال ہے تم ماں ہو کر اس کو چھوڑ کے چلی جاتی ہو کل میں بھی اگر بیمار پڑ گیا تو تم کو میری بھی فکر نہ ہوگی، یہاں قرض کا انبار ہے اور تم اپنی پسندیدگی کی چیزیں برابر خریدتی چلی جاتی ہو اس ناعاقبت اندیشی کی بھی کوئی حد ہے۔ میں نے بڑے شوق اور امیدوں سے تم سے شادی کی ہے خدا کے لئے اس پر پانی نہ پھیرو۔ اب خود فراموشی کا زمانہ گیا تمہیں اپنی میری اور بچے کی فکر رہنی چاہیئے۔" یہ سنکر زینت کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا وہ بگڑ کر بولی "اچھا اپنا لکچر برائے مہربانی ختم کیجئے میں آپ کو اس قدر تنگ خیال اور تنگ دل نہیں جانتی تھی ایک ذرا سے جانے کے اوپر آپ نے مجھے اتنا کچھ کہہ ڈالا واقعہ یہ ہے کہ اب آپ کا وہ جوش و خروش سرد پڑ گیا ہے آپ کی طبیعت مجھ سے سیر ہو گئی، سب مرد ایسے ہی ہوتے ہیں جن باتوں پر آپ اس وقت اعتراض کر رہے ہیں آپ نے خود شروع میں مجھ سے کرائیں آپ کو خود ان باتوں کا شوق تھا اگر کہیں میں جلنے سے انکار کرتی تو مجھے زبردستی لے جاتے۔ قرض البتہ ہو گیا ہے، زیادہ تر بچے کی پیدائش اور میری بیماری میں ہوا ہمیشہ ایسی ضرورتیں نہیں رہتیں تھوڑا تھوڑا کر کے ادا ہو جائے گا پہلے آپ خود ہر چیز شوق سے میرے لئے خریدتے تھے۔ یہ لیلو وہ لیلو اور اتنے تکلے سے خرچ کرتے تھے اب آپ کو کیوں برا معلوم ہوتا ہے پہلے آپ مجھے مجسم خوبی سمجھتے تھے اب مجھ میں نقائص نظر آنے لگے اس سے تو محض آپ کی فطرت کی خرابی ظاہر ہوتی ہے جو چیز انسان کو مل جاتی ہے پھر اس کی قدر نہیں رہتی۔ پہلے یہ باتیں آپ کے نزدیک زندگی کا ماحصل تھیں اب سب لغو و حماقت معلوم ہوتی ہیں تو میں مجبور ہوں اگر آپ یہ توقع کریں کہ میں پرانی قسم کی بیویوں کی طرح گھر میں بیٹھ کر خانہ داری میں سر کھپاؤں اور بچہ کو گلے کا ہار بناؤں تو یہ عبث ہے مجھ سے نہیں ہو سکتا اگر ایسا ہی تھا تو اپنی پہلی بیوی کو کیوں نہ اپنے پاس رہنے دیا۔ میری تلاش کیوں کی۔" اس کے آخری جملے نے میرے دل پر تیر و نشتر کا کام کیا پہلی زندگی کا نقشہ میری نظروں میں کھنچ گیا، میں بے چین ہو گیا سلمہ کی معصومیت، بیگناہی کی تصویر آنکھوں کے سامنے آ گئی میں نے ایک ٹھنڈا اور گہرا سانس لیا۔ "زینت شاید میری قسمت میں چین نہیں لکھا ہے، ان کو خدا نے حسن ظاہری سے محروم رکھا تھا۔ لیکن میں اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ایک بیوی میں جو صفات ہونی چاہئیں وہ سب ان میں موجود تھیں۔۔۔ وہ ایک فرشتہ تھیں۔۔۔!" میری زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے۔

"... تو یہ کہئے کہ آجکل آپ کو ان کی یاد زیادہ ستا رہی ہے"۔ اب زینت سے صبر نہ ہو سکا اور یہ الفاظ کہہ کر وہ آنسو بہاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی بچہ رو رہا تھا۔ آیا اسے بہلانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، خدا جانے اسے کیا تکلیف تھی میں بے چین ہو کر اٹھا اور اسے آیا کی گود سے لے کر برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ ذرا دیر بعد وہ چپ ہوا اور تھک کر میرے کاندھے پر سر ڈال کے سو گیا۔

اس روز سے زینت مجھ سے خفا رہنے لگی۔ بچہ بھی چند روز میں ختم ہو گیا، اب میں اپنی زندگی سے بیزار تھا۔ کیا جو شخص اپنی آنکھوں سے اپنا گھر تباہ ہوتے دیکھے وہ کبھی خوش رہ سکتا ہے۔ روپیہ پیسہ کا نقصان تو درکنار لیکن بچے کے مرنے کا میرے دل پر بڑا صدمہ ہوا اور میں ضرور کہوں گا کہ وہ زینت ہی کی غفلت کا شکار ہوا اور یہی انجام میرا بھی ہونے والا تھا، جیسے مہینوں کا بیمار ہوں شب و روز ایسی ہی الجھن میں گزرتے تھے۔

قصہ مختصر اس کے بعد بھی زینت نے معاملات کو خوش اسلوبی سے نبھانے کی کوشش نہیں کی اور ہمارے تعلقات روز بروز زیادہ ناشگفتہ ہوتے گئے میں نے کبھی کوئی سختی نہیں کی مگر میرے مشورہ کو وہ اپنے اور میرے لئے بلائے جان بنا دیتی میری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں تھی حرارت کا سلسلہ قائم ہو گیا مگر شام کو وہ بلاناغہ سینما اور کلب ضرور جاتی، راتوں کو بارہ ایک بجے آتی صبح کو کسی وقت رسماً مزاج پرسی کر لیتی۔ اس کے تعلقات پہلے بھی بہت وسیع تھے مگر ان دنوں اس کے ایک رشتہ دار سے جو ابھی امریکہ سے ڈاکٹری پاس کر کے آئے تھے بہت گہرے ہو رہے تھے۔ جو کچھ آیندہ ہونے والا تھا وہ مجھے ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا آخر ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک روز میری اس کی علیحدگی ہو ہی گئی۔ وہ ماں کو دیکھنے کا بہانہ کر کے چلی گئی اور پھر واپس نہیں آئی، ان تمام واقعات سے میرے دل پر جو کچھ بیتی میں بیان نہیں کر سکتا۔ اب میری آنکھیں کھلیں تو روز روشن کی طرح ساری حقیقتیں سامنے آ گئیں اور مجھ پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ میں بستر پر پڑ گیا۔ بیماری کا ایسا سخت حملہ ہوا کہ مجھے اپنی زندگی کی کوئی امید نہیں رہی، لیکن ایک آخری آرزو دل میں خلش پیدا کر رہی تھی وہ یہ کہ "ایک دفعہ سلمہ کو دیکھ لوں اور اس کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لوں" دوسری خواہش اس معصوم بچہ کو دیکھنے کی تھی جسے جیتے جی میں نے محبت پدری سے محروم کر رکھا تھا" مجھے اپنی گذشتہ فرو گذاشتوں اور حماقتوں کی وجہ سے کسی طرح ہمت نہیں ہوتی تھی کہ سلمہ کو بلاؤں۔ کوئی صورت نہ بن پڑتی تھی۔ بیماری، کمزوری، تنہائی، کوفت، پشیمانی، یاس نے مجھے اور بھی ادھ موا کر دیا تھا۔ اکثر راتوں کو سوتے سوتے پکارنے لگتا "سلمہ سلمہ" آنکھ کھل جاتی تو بیچینی سے ادھر ادھر دیکھتا اور کہتا "نہیں تم نہیں آ سکتیں ... اس گھر پر جہاں تمہیں کوئی راحت نہیں ملی دوبارہ قدم نہیں رکھو گی"۔ یہ کہتے ہوئے آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے

میرے ایک سچے دوست حارث اس وقت دوستی کا پورا حق ادا کر رہے تھے دن میں کئی مرتبہ آتے، دوا علاج، ڈاکٹر کو بلانا ان کی ہدایتوں پر عمل کرنا سب نہایت خلوص و تندہی سے کر رہے تھے میں تمام عمر ان کا احسان نہیں بھول سکتا۔ رات دن کے لئے ایک نرس مقرر کر دی تھی، انہوں نے جب میری حالت ایسی دیکھی تو گھر والوں کو پوری کیفیت سے اطلاع دی اور خاص کر میری بیوی سے مُصر ہوئے کہ جلد سے جلد آ جائیں۔

ایک روز سہ پہر کا وقت تھا میری آنکھ لگ گئی تھی ذرا دیر کے بعد جاگا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سلمہ ایک سفید ساری باندھے میرے قریب کرسی پر بیٹھی ہے میری نظریں ایک جاذبیت کے ساتھ اس پر گڑ گئیں لیکن مجھے کسی طرح یقین نہیں آتا تھا۔ ایک بچہ سرہانے کھڑا معصوم نظروں سے مجھے تک رہا تھا میں سمجھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ میں نے ادھر مخاطب ہو کر کہا "کتنا روشن خواب ہے کہ میں سلمہ کو اس قدر اپنے قریب دیکھ رہا ہوں مگر تم کیسی افسردہ ہو۔ ہاں میں نے کبھی تمہارے چہرے پر مسرت کی ایک دھندلی سی جھلک بھی نہیں دیکھی، اب میرا قصور معاف کر دو"۔ وہ ذرا سا جھکی اور اپنا نرم ہاتھ میری پیشانی پر رکھ دیا۔ "آپ کی طبیعت کیسی ہے ... آپ خواب نہیں دیکھ رہے ہیں آپ تو ابھی سو کر جاگے ہیں"۔ "سلمہ کیا سچ مچ تم آ گئیں۔ ... کیا میں خواب نہیں دیکھ رہا ہوں ... بلکہ اصلیت ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ تم نے مجھ گنہگار پر اتنی عنایت کی"۔ یہ کہہ کر میں نے جوش کے ساتھ اٹھنے کی کوشش کی، مگر سلمہ نے مجھے دونوں ہاتھوں سے روک کر لٹا دیا اور بچے کو میرے پاس بٹھا دیا، میں نے بچے کو سینے سے لگا کر اپنے سرد ہونٹ اس کی پیشانی پر رکھ دیئے۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھ پر رحمت برس رہی اور وہ دولت مل گئی۔ جو میں نے اپنے ہاتھوں گنوا دی تھی جس کے ملنے کی امید بھی نہیں تھی۔ نہ میں اس کا مستحق تھا مختلف جذبات کے اثر سے میری آنکھیں پر نم ہو گئیں سلمہ مجھے فرشتۂ رحمت معلوم ہو رہی تھی۔ اس کی پلکوں پر آنسو کے قطرے آبدار موتی کی طرح چمکتے ہوئے لرزاں تھے۔ اس روز سے سلمہ نے جان توڑ میری خدمت کی اپنے ہاتھ سے دوا پلانا، ٹھیک وقت سے غذا دینا۔ راتوں کو جاگتی اور ذرا سی آواز پر میرے پاس کھڑی ہو جاتی۔ طبیعت بھی سنبھلنے لگی۔ دراصل میرا مرض روحانی تھا جس کے لئے روحانی علاج بھی ضروری تھا اور وہ سلمہ ہی کے پاس تھا۔ آہستہ آہستہ مجھے بالکل صحت ہو گئی، سلمہ نے حسن انتظام سے اپنے پاس سے چند روز سب کام چلایا۔ زیور بیچ کر قرض ادا کیا کیونکہ مجھ پر نالش ہونے والی تھی۔ جب مجھ میں پوری قوت آ گئی تو میں نے اپنا کام شروع کر دیا اور کوئی پریشانی باقی نہیں رہی، ایک روز سلمہ میرے پاس بیٹھی مجھے ایک نظم خوش الحانی سے سنا رہی تھی، پہلی مرتبہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس کی آواز کس قدر شیریں و سریلی اور دلکش ہے میں بالکل محو تھا۔ مجھے وہ

(بقیہ صفحہ ۳۵۶ پر دیکھئے)

والدین کی ذمہ داریاں

زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ موجودہ صدی کے انسان ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریوں سے آزادی حاصل کرتے جاتے اور پچھلی باتوں کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ شوہر بیوی کے، بیوی شوہر کے، والدین بچوں کے، بچے والدین کے حقوق اور ذمہ داریوں سے یکسر غفلت برت رہے ہیں جس کے بُرے نتائج کا جواب تو مستقبل دیگا۔ مگر فی الحال موجودہ دور میں اس لاپروائی اور غفلت کا نتیجہ اتنا تو ضرور برآمد ہو رہا ہے۔ کہ انسان خدا کی باندھی ہوئی حدود سے گزر کر دائرہ انسانیت سے خارج ہو رہے ہیں جس کا سبب ایک حد تک ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریوں سے غفلت برتنا ہے۔ خلاقِ عالم انسانی فطرت کی اس کمزوری سے بخوبی واقف تھا، اس نے فطرت انسانی کو اعتدال پر رکھنے کی غرض سے ایک دوسرے پر اس کی ذمہ داریاں عائد کیں، مگر افسوس اس ترقی اور آزادی کے زمانہ نے اس حکم ربانی کو پس پشت ڈال دیا۔ اور انسان ان ذمہ داریوں اور حقوق سے غافل اور بری ہوگیا جس کے نتیجہ میں وہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر کے دائرہ انسانیت سے خارج ہوگیا۔ مہذب میاں بیوی کو ایک دوسرے کے حقوق کا جتنا لحاظ ہوتا ہے اسی قدر وہ ایک دوسرے کی اہم ذمہ داریوں سے بری اور اپنی ذات سے متعلق خود اپنے بُرے بھلے کے ذمہ دار قرار دیئے جاتے ہیں اور جذبہ خود داری نے ان میں یہ جذبہ اور قوی کر دیا ہے۔ والدین کے حقوق اور ذمہ داریوں کو لیجئے، نہ آجکل اولاد میں والدین کی عزت و اطاعت کا جذبہ ہے نہ اُن کے حقوق کا پاس و لحاظ اور نہ والدین میں اولاد کے متعلق اپنی اہم ذمہ داریوں کا احساس بس اولاد سے متعلق وہ صرف اس کے ذمہ دار ہیں کہ جب تک بچہ چھوٹا ہو اس کو پالیں پوسیں، بڑا ہونے پر مدرس کے حوالے کر دیں۔ اس کی اخلاقی تعلیم و تربیت کی جو اہم ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے اس کو بالکل بھول جاتے ہیں اور اگر کسی کو کچھ خیال ہوتا بھی ہے تو اس آزادی کے زمانہ میں اولاد اس بات کا مطلق خیال نہیں کرتی کیونکہ بچپن میں والدین کی غفلت سے ان کی اخلاقی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا زمانہ گزر چکا ہوتا ہے اور بچہ اس حد کو پہنچ چکا ہوتا ہے۔ جس میں بیسویں صدی کی آزادی کی فضا میں پرورش پائے ہوئے بچوں کے لئے والدین کی نصیحت نگرانی تعلیم و تربیت، تنبیہ ناقابل برداشت ہتک اور ان کے جذبۂ خود داری کو ٹھیس لگانے والی اور ان کی خود داری کے اصول کے خلاف ہوتی ہے، ایسے بچوں کو والدین کے حقوق کا پاس و لحاظ نہیں ہوتا اور نہ وہ یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ آیندہ چل کر وہ حقوق والدین کو فراموش کرنے کے ساتھ جب وہ خود باپ بنتے ہیں تو اولاد کی اس ذمہ داری سے بھی آزادی حاصل کر لیتے ہیں جس کا بڑا نتیجہ قوم و ملک کو آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو ایک نہ ایک دن ضرور دیکھنا پڑیگا۔ ایسے والدین پیشتر ہی سے اگر اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کر کے تربیت کی اچھی بنا ڈالیں تو ان کی اخلاقی تعمیر اعلیٰ پایہ کی ہو سکتی ہے اور ایسا بچہ جس کی ابتدائی عمر بے باکی، آزادی، خود سری میں بسر ہوئی ہو آیندہ چل کر اپنی زندگی آسودگی اور خوشی و مسرت سے نہیں گزار سکتا۔ لہٰذا شروع سے اس کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ماں اور باپ دونوں پر عاید ہوتی ہے، باپ اس ذمہ داری سے محض یہ کہہ کر بچہ کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے، اس سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اگر ماں کی گود بچہ کا پہلا مدرسہ ہے تو گھر اس کی تربیت کا گہوارہ اور اس کے ماحول کو اس سلسلہ میں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ماں بدقسمتی سے جاہل، بداخلاق خود گم کردہ راہ ہو تو ایسی صورت میں بچہ کی تربیت کیا خاک کر سکے گی۔ جبکہ وہ خود جاہل مطلق ہو، یقیناً اس کا اثر ماحول پر ہوگا۔ جس سے بچہ ضرور متاثر ہوگا۔ غور کیجئے کہ ناعاقبت اندیش اور ناسمجھ کے جھوٹے جذبہ سے مغلوب اور اولاد کی بیجا محبت میں اندھی ماں اپنی اولاد کی رہبری اور اس اہم ذمہ داری کے فرائض کو کیسے پوری کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے اکثر و بیشتر ماں سے بے تکلف ہوتے ہیں ایسی صورت میں

باپ کا فرض ہے کہ وہ اس اہم ذمہ داری کے فرائض سے کوتاہی نہ کرے بعض مائیں بچوں کی کسی غلطی کو باپ سے چھپاتی ہیں۔ یہ ایک سخت غلطی ہے بچوں کی تعلیم پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے جس کا والدین بھی بعد میں افسوس کرتے ہیں۔ بچہ کی تعلیم و تربیت نہ ہونے سے اس قدر نقصان نہیں ہوتا جتنا کہ ایک ناعاقبت اندیش ماں کی غلط تربیت سے اٹھانا پڑتا ہے۔ بچہ ماں کے اعلیٰ اخلاق و تربیت سے جو کچھ حاصل کرسکتا ہے وہ باپ سے ناممکن ہے لیکن یہ بھی یقینی امر ہے کہ ماں کی غلط تربیت اور تعلیم سے وہ اس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ باپ کی ویسی ہی تعلیم میں نہیں ہوسکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ محض ماں کو اعلیٰ اخلاقی تعلیم و تربیت کا اہل نہ سمجھ کر نہیں بلکہ سب کچھ سمجھ کر بھی باپ اس ذمہ داری سے بری نہیں ہوسکتا۔ اس لحاظ سے بھی کہ ماں ماتا کے جذبہ کی وجہ سے تنہا اس ذمہ داری کے لئے کمزور ثابت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سب مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ مگر وہ جنہیں اپنی ان اہم ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہوتا اور خود گم کردہ راہ ہوتی ہیں۔ اولاد کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم و تربیت سے قاصر اور اس کی نااہل ثابت ہوتی ہیں اور ایسی صورت میں اس ذمہ داری سے باپ کا تغافل اولاد کے اور خود اس کے اپنے حق میں سم قاتل سے کم نہیں ہوتا اور آگے چل کر وہ اپنی اولاد کی ہی نہیں خاندان کی، بلکہ قوم کی بربادی کا ذمہ دار قرار پاتا ہے۔ حقوق انسانیت اور ذمہ داریاں ہی انسان کے لئے طرۂ امتیاز ہیں۔ انہیں کے بار امانت سے خدا کی تمام مخلوق نے سوائے جاہل انسان کے انکار کیا۔ والدین کی فرمانبرداری، اطاعت اور خدمت اولاد کے حقوق ہیں۔ اولاد کو راہ ہدایت دکھانا۔ انہیں زندگی کی صحیح شاہراہ پر چلانا ان کی اخلاقی تربیت کرکے دین کا راستہ دکھانا ماں باپ کے حقوق ہیں۔

ب۔ ن۔ آنسہ ابراہیم مدراس

ماحول کا اندھیرا

ہر نظر کور، ہر زباں گونگی — مُردنی سی رُخِ حیات پہ ہے
وسعتوں کو ڈسے ہوئے تنگی — ہر چمن زارِ کائینات پہ ہے

ہر قدم ہے لئے ہوئے لغزش — دامنِ آرزو سے اُلجھا سا
ہر عمل اضطراب کی شورش — بے تعین بے فروغ سہما سا

ہر تصور پہ ابر کے سائے — پستیوں میں ہیں سرگراں جذبات
ہر تمنا کے پھول مرجھائے — ایک بے رنگ بوستانِ جذبات

کوئی منزل نہیں نہ راہ کوئی — فکرِ جولاں تھکی ہوئی سی ہے
لب پہ نغمے نہیں نہ آہ کوئی — زیست جیسے پسی ہوئی سی ہے

جیسے احساس مضمحل ہوکر — اونگھتا ہے فضائے وحشت میں
تازگیٔ خیال کھو کھو کر — زندگی کھوگئی ہے کلفت میں

ذہن افسردگی کے گھیرے میں — گھٹ کے دم توڑتا ہوا جیسے
روح ماحول کے اندھیرے میں — ایک بن تیل کا دیا جیسے

ہلکا ہلکا سا ایک نورِ تہی — گردِ افلاس میں اَٹا سا ضمیر
سر اٹھائے کبھی جھکائے کبھی — آپ ہی اپنی بن گیا تعزیر

دور کانوں سے قلب کی آواز
ہیں شکستہ سے کل پرِ پرواز

نوشابہ

(باقی صفحہ ۲۴۵ کا) کس قدر حسین اور دلفریب نظر آرہی تھی جب وہ ختم کرچکی میں نے محبتانہ لہجہ میں کہا "اچھا سلمہ تم نے یہ نہ بتایا کہ میرا قصور بھی تم نے معاف کردیا؟" اس نے پُر استقلال انداز سے جواب دیا۔ "ہمارے تعلقات کا انحصار زبان پر نہیں عمل پر ہونا چاہیئے۔ اس کی میں کبھی قائل نہیں ہوئی نہ ہوسکتی ہوں کہ دل میں کچھ ہو اور عمل کچھ ہو" میں نے عقیدتمندانہ نظروں سے دیکھا۔ "کاش مجھے پہلے ہی ہوش آگیا ہوتا تو نہ خود اتنی مصیبتیں جھیلتا نہ تمہیں دیتا۔ اس کا مجھے عمر بھر افسوس رہے گا لیکن میں نے بھی کافی سزا بھگت لی"۔

آصفہ مجیب دھلی

بے جا طرفداری

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب کسی پر خود غصہ نہ آتا ہو تو اس پر دوسرے کا غصہ بے جا معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہمدردی ہو جاتی ہے لیکن یہ جذبہ عقل کے منافی ہے۔ اور اس پر عمل کرنا گھروں میں پھوٹ ڈلوانے کا باعث ہوتا ہے۔ اور اگر بچوں کا معاملہ ہو تو یہ بچوں کو خراب کرنے کا صریح طریقہ ہے۔

بہت سے لڑکے ماؤں کی اس بے جا طرفداری ہی کی وجہ سے بگڑ گئے ہیں۔ انہوں نے ماں کی طرفداری سے باپ کی خفگی کو ناحق بلکہ باپ کو ظالم سمجھا، اور بجائے باپ کی نصیحت کو ماننے کے سرکشی شروع کر دی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی زندگیاں برباد ہو گئیں۔

باپ کی تنبیہ کے وقت ماں بھی شوہر سے اتفاق رائے کرتی تو لڑکے کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ واقعی میرا فعل بے جا ہے۔ اور وہ اس کو چھوڑنے کی کوشش کرتا۔ اس لئے جہاں ماں باپ میں آپس میں اتفاق ہوتا ہے۔ اس گھر کے لڑکے بہت کم آوارہ نکلتے ہیں اور جہاں ماں باپ میں اتفاق نہیں ہوتا اس گھر کے بچے بھی عموماً پہلے باپ سے اور بعد میں ماں سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ شروع شروع میں باپ کے خلاف ماں اُن کی حمایت کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ جس طرح شوہر اس کے ساتھ زیادتی کرتا ہے اسی طرح بچوں کے ساتھ بھی، حالانکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ باپ اولاد کا بدخواہ ہو۔ وہ شوہر بھی جو بیوی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا، بہت ممکن ہے اس کا رویہ اولاد کے معاملہ میں صحیح ہو۔ اس لئے ماؤں کو چاہیئے کہ خواہ اور کسی بات میں ان کا اور شوہر کا اتفاق نہ ہو۔ لیکن اس معاملے میں تو ضرور شوہر سے اتفاق کریں اور بے جا طرفداری کر کے اولاد کو نہ بگاڑیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ واقعی باپ سے زیادتی ہو رہی ہے۔ اور وہ لڑکوں کو تنبیہ کرنے میں حد سے گزر جاتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ جوان اور سمجھ دار اولاد پر بے جا سختی کا نتیجہ سوائے ان کی سرکشی کے اور کچھ نہ ہوگا۔ ایسی صورتوں میں ماں کو چاہیئے کہ وہ شوہر کے منہ در منہ بچوں کی حمایت بھول کر بھی نہ لے۔ بلکہ شوہر کو سمجھائے اور تنہائی میں پیار اور محبت سے بچوں کو نصیحت کرے۔ یہ اصول بھی بالکل غلط ہے کہ جس کام کو باپ نے منع کیا، باپ کے پیٹھ موڑتے ہی ماں نے اس کام کی اجازت دے دی۔ ایسا کرنے سے بہت جلد گھر میں ابتری کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ اور لڑکوں پر باپ کا کسی قسم کا دباؤ باقی نہیں رہے گا۔

بچوں کی بے جا طرفداری صرف مائیں ہی نہیں کرتیں۔ باپ بھی کرتے ہیں۔ خاص طور پر لڑکیوں کو تو ماں کے خلاف بیجا طرفداری کر کے وہ خود سر بنا دیتے ہیں۔ نہ صرف ماں کے مقابلہ میں۔ بلکہ آگے چل کر شوہر اور سسرال والوں کے مقابلہ میں بھی باپوں کی طرفداری لڑکیوں کی زندگی خراب کر دیتی ہے۔ اگر لڑکیوں کو ماں باپ کی طرفداری کا سہارا نہ ہو تو وہ سسرال کی ذرا ذرا سی تکلیف پر طومار نہ باندھیں۔ یہ فطرتی امر ہے کہ جس کام کا لوگ ساتھ دیتے ہیں۔ اس کے کرنے کی ہمت بڑھتی ہے۔ اور جس کام پر لوگ ملامت کرتے ہیں۔ اس کو انسان چھوڑ دیتا ہے۔

یہاں بھی میرا یہ مطلب نہیں کہ لڑکی پر شوہر یا سسرال والے خواہ کتنے ہی مظالم توڑیں مگر والدین کچھ نہ کریں۔ نہیں

وہ اگر سمجھ دار ہیں تو لڑکی کو یہ خیال پیدا نہ ہونے دیں۔ کہ سسرال کی ذراسی شکایت پر اس کے والدین اسے بلا کر گھر بٹھا لیں گے، بجائے اس کے، اس کے دل میں یہ خیال پیدا کرنا چاہیئے کہ اب سسرال ہی اس کا گھر ہے۔ اور وہاں کی ہر بری بھلی بات کو برداشت کرنا اور وہاں کے عیبوں کو چھپانا اس کا فرض ہے۔

نہ صرف ایسے اہم موقعوں پر بیجا طرفداری سے نقصانات پہنچتے ہیں، بلکہ چھوٹی باتوں میں بھی اس سے بدمزگی اور رنجیدگی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً ایک گھر میں دو خاندان کے نوکروں کی لڑائی میں اپنے اپنے نوکر کی طرفداری کرنا خواہ مخواہ کی رنجش کا باعث ہوتا ہے۔ دیکھنا چاہیئے کہ قصور کس کا تھا پھر انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہیئے۔ نہ صرف دو مختلف خاندانوں کے نوکر بلکہ بعض اوقات میاں اور بیوی میں بھی نوکروں کی طرفداری کی وجہ سے لڑائی ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک نوکر ہے جو میاں کو بہت پسند ہے۔ یا ماما جو بیوی کی منہ چڑھی ہے۔ اب ان میں سے کوئی کتنا ہی قصور کرے لیکن مالک اور مالکہ ان کی طرفداری کئے جائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میاں کے نوکر سے بیوی کو، اور بیوی کی ماما سے میاں کو عداوت سی ہو جاتی ہے اور وہ خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ کہنے کو تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ پر انہی پر بہت حد تک گھروں کے امن و امان کا دارومدار ہے۔

شائستہ اختر سہروردی

جلاوطنی

"مہاراج!" ملازم نے عرض کیا، "سنت نروتم داس کبھی آپ کے مندر میں جانے کی کرپا نہیں کرتے وہ کھلی سڑک پر پیڑوں کے سایے تلے ایشور بھجن گایا کرتے ہیں۔ مندر پجاریوں سے خالی ہو گیا ہے۔ وہ شہر سے باہر سونے کے مندر کی پروا نہ کرتے ہوئے سفید کنول کے چاروں طرف بھنوروں کی طرح ان کو گھیرے رہتے ہیں۔" راجہ کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ نروتم داس کے پاس پہنچا۔ وہ گھاس پر تشریف فرما تھے۔ راجہ نے ان سے کہا "پتا آپ زریں کلسی والے مندر کو چھوڑ کر کیوں باہر خاک پر بیٹھے وعظ و نصیحت فرماتے ہیں؟"

"کیونکہ ایشور تمہارے مندر میں نہیں ہے"! نروتم داس نے جواب دیا۔ راجہ کی بھنویں تن گئیں۔ اس نے کہا "آپ جانتے ہیں کہ اس بے مثال عمارت کی تعمیر میں دو کروڑ اشرفیاں خرچ ہوئی ہیں اور انتہائی شان و احترام کے ساتھ اس میں دیوتا کی مورتی کو رکھا گیا ہے؟" "مجھے معلوم ہے" نروتم داس نے جواب دیا۔ "اس سال تمہاری رعیت کے ہزاروں گھر جلا دیئے گئے تھے۔ اور فریادی تمہارے دروازے پر کھڑے امداد مانگا کرتے تھے۔ تب ایشور نے کہا تھا "یہ ظالم شخص اپنے بھائیوں کو پناہ نہیں دے سکتا۔ اور میرے لئے مندر بنا رہا ہے۔ اسی وقت سے خدا نے ان خانماں برباد لوگوں کے ساتھ درختوں کے نیچے اپنے رہنے کی جگہ بنا لی۔ تمہارا سنہرا مندر سونا پڑا ہے اس میں صرف تمہارے غرور کی آگ بھری ہے۔"

راجہ نے غصہ میں لال پیلے ہو کر حکم دیا "میری سلطنت سے باہر نکل جاؤ"۔ نروتم داس نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا "ضرور مجھے بھی وہیں نکال دو جس طرح تم نے میرے ایشور کو نکال دیا ہے۔"

("ٹیگور")

مرسلہ:- گ۔ ن بنت ڈاکٹر ابو الفضل، کپور تھلہ

اِن آنکھوں نے کیا کیا دیکھا

مصوری میں عورتوں کی عریاں آزادی سے متاثر ہو کر

نسیمِ صبح کی ہر چہل سے اٹکھیلیاں دیکھیں ۔۔۔ شمیمِ پاک باطن کے جلو میں سنتیاں دیکھیں
گُلِ پژمردہ کے لب پر تبسّم ریزیاں دیکھیں ۔۔۔ کہ شامِ زندگی میں صبح کی تابانیاں دیکھیں
نگاہِ ناز کی ہر سو شرر افشانیاں دیکھیں ۔۔۔ تمنائے حزیں کے دل میں بھی بیباکیاں دیکھیں
جبینِ ماہ کی ہر سمت سجدہ ریزیاں دیکھیں ۔۔۔ جھُکی آتی کہکشاں کی خاک پر پیشانیاں دیکھیں
یہاں تقدیسِ عفت کی تہی دامانیاں دیکھیں ۔۔۔ متاعِ سرمدی کی گود میں ناداریاں دیکھیں
انوکھے طور دیکھے ہم نے اس صحنِ گلستاں کے ۔۔۔ ضیائے صبح میں پوشیدہ کچھ تاریکیاں دیکھیں
کثافت کے نشاں ہیں اُجلے اُجلے نونہالوں میں ۔۔۔ سپیدی کنول میں کالی کالی دھاریاں دیکھیں
سُرور و کامرانی عشق نے یاں نو بہ نو پائی ۔۔۔ سرِ محفل غرورِ حُسن کی قربانیاں دیکھیں
بگولوں کی طرح آزادیوں کا ہر شرر اُٹھا ۔۔۔ حمیّت سوز کچھ اُڑتی ہوئی چنگاریاں دیکھیں
شرافت نفس کی دم توڑ دینے ہی پہ مائل ہے ۔۔۔ رگِ غیرت کی ہم نے بے بسی سے ہچکیاں دیکھیں
مسلّط رہزنِ عفت کو پایا دل کی آنکھوں پر ۔۔۔ بساطِ روح پر ابلیس کی جولانیاں دیکھیں
بہیمیت کو ہر جانب سے سرگرمِ عمل پایا ۔۔۔ یہاں انسانیت کے خون کی ہر سُو ارزانیاں دیکھیں
حکومت معصیت کی ہر طرف چھائی ہوئی دیکھی ۔۔۔ سرِ معصومیت کے فخر کی پامالیاں دیکھیں
کئے بیباکیوں نے پُرزے پُرزے اخلاق و تمدّن کے ۔۔۔ گریباں سلف کی خوبیُ رتی دھجیاں دیکھیں
بشکلِ پیکرِ اِک عفریت آزادی کے ہونٹوں پر ۔۔۔ برنگِ مے شرافت کے لہو کی چسکیاں دیکھیں
نئی آزادیوں کے ہر من کی یاں خدائی ہے ۔۔۔ کہ ہنستے دیوتا کی کیسی عجیب آشامیاں دیکھیں
جسے اس راہ میں دیکھا وہی گم کردہ منزل ۔۔۔ کہ خضرِ رہنما کی ہم نے ماتم خیزیاں دیکھیں

اس آزادی کی آتش میں نہ اہلِ شرق جل اُٹھیں
چمکتی ہر طرف قہر و غضب کی بجلیاں دیکھیں

کنیز فاطمہ حیا

سپیرے کا گیت

میری بانسری کے گیتوں کے جادو سے بچ کر تو کدھر جا رہا ہے؟

کیا پھولوں کے اس معطر کنج میں چھپے گا جس میں چاند کی کرنیں جذب ہو رہی ہیں

کیا وہاں جا رہا ہے۔ جہاں گلہری مزے کی نیند سو رہی ہے، اور کوّے اس کے گرد پاسبانی کر رہے ہیں؟

کیا تو اس جنگل میں جا رہا ہے۔ جو یاسمینی شگوفوں کی صورت میں اُگل رہا ہے

... میرے محبوب دیوتا! تو کہاں چلا میں تیرے لئے میٹھا میٹھا سفید دودھ لایا ہوں۔

جنگل کا تازہ سرخ شہد بھی حاضر ہے میں تجھے سفید اور سرسبز کنڈولوں کی ٹوکری میں لئے پھروں گا میں تجھے محل کے اس گل بداماں حصہ میں لے جاؤنگا جہاں زرپوش دوشیزگان جمالِ زرنگارِ انبساط کو اپنے گلہائے مسرت کی پنکھڑیوں میں پرو کر جسم کی ایک "نقاب گل" بنا رہی ہونگی

تو آہستہ آہستہ پھنکاریں مارتا ہوا کدھر جا رہا ہے کیا اس جنگل میں جہاں حیات بخش زیتون نے ایک سیلِ اشک بہا رکھا ہے؟

کہاں جا رہا ہے۔ اے محبوب؟

آ! ... لے خواہشات کی سیمیں کرن ماہتاب!

(سروجنی نائیڈو کی ایک نظم کا ترجمہ)

کملا چٹرجی مراد آبادی

بیوی کا غلام

انگلینڈ کے مغربی حصہ میں جسے کارنوال کہتے ہیں، ایک مشہور کنواں تھا۔ اس کا پانی نہایت شیریں اور بے حد صاف تھا۔ کارنوال کی سب عورتیں اس کنویں کے پانی کی عجیب و غریب خاصیت سے بخوبی واقف تھیں اور شاید ہی کوئی ایسی عورت تھی جس نے شادی سے پہلے اس کنویں کا پانی نہ پیا ہو۔ کنویں کے جگت کے پاس چاروں طرف گھنے اور بڑے درخت تھے جن کے سایہ نے گہرے کنویں کے ٹھنڈے پانی کو اور بھی ٹھنڈا کر رکھا تھا۔

ایک دن اتفاق سے ایک دور کا مسافر ادھر آنکلا۔ کنویں پر سایہ دیکھ کر پانی پی کر سستانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد کارنوال کا ایک آدمی پانی بھرنے آیا۔ بیچارہ کچھ پریشان سا تھا۔ کنویں کے پاس بالٹی رکھ کر دم لینے لگا۔ پھر اجنبی سے مخاطب ہوا:۔

"میرے اجنبی دوست تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ یا تم اب تک کنوارے ہی ہو؟ اگر کنوارے ہو، تب تو سمجھ لو کہ آج کا دن تمہاری زندگی میں سب سے زیادہ مبارک ہے۔ کیونکہ آج تم نے اس کنویں کا پانی پیا ہے۔ اور اگر تم شادی شدہ ہو۔ اور تمہاری نیک بیوی ابھی تک یہاں نہیں آئی ہے۔ تب بھی تم بلاشبہ بڑے خوش نصیب ہو"۔

مسافر بولا" جناب میں شادی شدہ ہوں اور یہ بھی صحیح ہے کہ میری بیوی نے ابھی تک کارنوال نہیں دیکھا لیکن یہ بات کچھ سمجھ میں نہ آئی کہ اس وجہ سے میں کیسے خوش قسمت ہوں"۔ کارنوال نواسی ہنسا اور کہنے لگا "میرے نوجوان دوست تم غالباً اس کنویں کے پانی کی عجیب و غریب خاصیت سے بالکل ناواقف ہو۔ زمانہ گزرا یہاں ایک پاکباز عورت سینٹ کین نام کی رہتی تھی۔ جب اس نے سفر آخرت اختیار کیا۔ تو اس کنویں پر جادو کر دیا بس تب ہی سے اس کے پانی کی عجیب تاثیر ہے۔ اگر شوہر اس کا پانی اپنی بیوی سے پہلے پی لے تو بیوی اس کی عمر بھر غلام رہے۔ اور اگر خدانخواستہ اس کا پانی پہلے بیوی نے کہیں پی لیا تو شوہر کا خدا حافظ ہے۔ اس کی ساری زندگی بیوی کی جوتیاں ہی سیدھی کرتے گزرے گی۔ میرا خیال ہے کہ اب تم نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا ہوگا۔ کہ میں کیوں تمہیں خوش نصیب سمجھتا ہوں"۔

اجنبی نے جلدی سے ایک مرتبہ پھر اس کنویں کا پانی پیا اور کافی مقدار میں پیا، پھر اطمینان کا سانس لے کر خدا کا شکر ادا کر کے بولا" تب تو دوست تم نے یقیناً اپنی شادی کے دن اپنی بیوی سے پہلے ہی اس کا پانی نوش فرمایا ہوگا۔

کارنوال باسی۔ شرما گیا۔ اور خفیف ہو کر کہنے لگا۔" بھائی صاحب عورتوں سے خدا بچائے۔ ان کی چالاکی۔ اور چابک دستی کو کہیں مرد بیچارے پا سکتے ہیں۔ میں شادی ہو جانے کے بعد اپنی بیوی کو گرجا گھر میں چھوڑ کر اس کنویں کی طرف دوڑا ضرور۔ مگر افسوس میری بیوی مجھ سے کہیں زیادہ چالاک نکلی۔ وہ پہلے ہی سے پانی کی ایک بوتل لیتی گئی تھی۔ جب میں گرجا گھر سے کنویں کی طرف چلا تو اس نے وہیں کسی گوشہ میں جا کر جلدی سے پانی پی لیا۔ وہ منحوس دن تھا اور آج کا یہ وقت، اس کی فرمائشوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوائے اور کوئی چارہ نہیں۔ اچھا اب جاتا ہوں میرے دوست کافی دیر ہو گئی۔ اگر ذرا اور دیر ہوئی تو تم سمجھ سکتے ہو کہ میں اپنی بیوی کا غلام ہوں۔

تارا شنکر ناشاد۔ ایم۔اے، بی۔ٹی

ذرا سُنیئے

عمل کی صلاحیت ہم میں مفقود نہیں۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جن پر ہم بلاکسی دقّت کے عمل پیرا ہو جاتے ہیں اور بہت جلد ۔۔ مثلاً مغرب کی نقالی کو ہی لیجئے۔ کتنی جلدی ہماری رگ رگ میں سموگئی اور سمائی جارہی ہے کسی قوم کی اچھی باتیں اختیار کر لینا کوئی بری بات نہیں لیکن سب جانتے ہیں کہ ہم نے مغرب سے کس قسم کے طریقے سیکھ لئے ہیں اور وہ ہمارے لئے کیسے ہیں ہم نے اپنی فطرت کو سختی سہنے کے بالکل ناقابل بنادیا ہے جس کام میں ذرا بھی مشکل نظر آتی ہو ہم اس سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ سالگرہ نمبر عصمت میں محترم ڈاکٹر نصیر الدین صاحب کا مضمون "اقتصادیات اور شادی" یقیناً اس قابل ہے کہ ہر مرد اور ہر عورت اس کو بہت ہی غور و خوض سے پڑھے، سوچے سمجھے اور اس پر عمل پیرا ہو یہ ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جو ہر فرد کی فوری توجہ کا مستحق ہے کتنے ہی ایسے اچھے اچھے مضامین ہماری نظروں سے بس یوں ہی سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔ ہم میں سے بہت سے ان کے متعلق سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت تو رکھتے ہیں۔ مگر شاذ و نادر ہی ایسے ہیں جو ان پر عمل پیرا ہوں۔ آجکل تقریباً ہر مرد اپنی روزی آپ نہ پیدا کرنے والی بیوی کو بار سمجھتا ہے۔ اس لئے ایسی ترکیبوں پر عمل کرنا چاہیئے کہ یا تو مردوں کے دماغ سے عورتوں کے کمانے کا خیال نکل جائے یا ہر عورت کمانے کے قابل بنے۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ یہ بات دوسری ہے اور مردوں کے سوچنے کی کہ ایک کمانے والی عورت گھرداری کو کس طرح انجام دے سکتی ہے۔ ایک حساس عورت کے لئے یہ بہت ہی تکلیف دہ امر ہے کہ شوہر کی نظروں میں بے اعتبار ہی رہے اور گھر کے خرچ کے لئے جوڑ جوڑ کر پیسے اسے پکڑا دیئے جائیں اور جب اس کی اپنی کوئی ضرورت آپڑے تو میاں کی خوشامدیں کر کر کے پوری کرائے اس خیال کے تحت بہت سی عورتیں اپنی ضروریات کا گلا گھونٹ دیتی ہیں کتنی ہی ایسی عورتیں ہیں جو باوجود بیمار ہونے کے دوا سے محروم رہتی ہیں کہ علاج میاں کو ناگوار نہ گزرے اور وہ یہ نہ کہہ بیٹھیں کہ "تمہارے ٹانکوں اور دواؤں نے تو گھر کا دیوالہ نکال دیا" بیمہ اور الاونس تو ایک طرف رہا کتنے ہی شوہر ایسے ہیں جو چاہتے ہیں کہ بیوی ان کی دولت میں اضافہ کردے۔ بعض بیویوں کو تو یہ تک نہیں معلوم ہوتا کہ ان کے شوہر کی یافت کتنی ہے، اخراجات کیا ہیں؟ کن کن لوگوں سے لین دین ہے۔ بہن آمنہ نازلی صاحبہ کا تحریر کردہ افسانہ "بیگم صاحب" اس کی بہترین مثال ہے۔ خیر جن کی گزر رہی ہے اور جن کی "گزر گئی گزران۔ کیا جھونپڑی کیا میدان" ان کو تو فاتحہ پڑھئے۔ لیکن اپنی آیندہ نسلوں کے لئے ہم کو ضرور کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے۔ اپنی لڑکیوں کو اس قابل بنانا ہماری زندگی کا مقصد ہونا چاہیئے کہ انہیں ہماری طرح اپنی پستی کا احساس نہ ہو۔ کس قدر تعجب ہوتا ہے۔ ان محترم بھائیوں اور بہنوں پر جو آج بھی اپنی لڑکیوں کو دڑبے کی مرغی کی طرح پال رہے ہیں۔ یا بہت کیا تو اسکول کی چار یا پانچ جماعتیں ختم کرادیں اور سمجھنے لگے کہ ہماری لڑکیاں بھی کچھ ہو گئیں۔ بعض کہتے ہیں۔ لڑکیاں کمانے کے لئے نہیں پیدا ہوئیں۔ کاش وہ سمجھیں کہ سب کی ذہنیت ان کی طرح نہیں۔ یہ ان کی شدید غلطی ہے۔ انہیں لڑکیوں کو اس قابل بنانا چاہیئے کہ ہر مصیبت کو وہ بلاکسی سہارے کے سہار سکیں اور وقت پڑنے پر اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکیں۔ پھر وہ شوہر جو بیوی کو ایک مفلوج ہستی سمجھتے ہیں اور وہ جو عادی ہو گئے ہیں۔ یہ سوچنے اور سمجھنے کے کہ عورت صرف کھاتی پہنتی اور ہماری کمائی کو فضولیات میں کھپاتی ہے۔ ہاں پھر شاید ان کو اپنا نظریہ بدل دینا پڑے ۔۔۔!

صغرا عبد السبحان

ہندوستان اور جنگی کوششیں

امریکی اخبار" امریکن مرکری" میں ایلین منچی کا ایک گراں قدر مضمون شائع ہوا ہے اس میں انہوں نے برطانیہ کو اشارہ کیا ہے کہ وہ برِاعظم ہندوستان سے سرِنیت پر رشتہ مودت جوڑتے رہے کیونکہ یہ چالیس کروڑ انسانوں کا سمندر ہے اور اس میں صدہا ایسی جنگجو نسلیں آباد ہیں جو ہمارے مقاصد جنگ کی خاطر لڑ سکتی ہیں۔ دنیا کی اس اہم حصہ کی رضامندی کو صرف یہ کہہ کر کہ لڑائی ختم ہونے پر سب طے ہو گا کھو دینا دانشمندی نہیں ہے۔ اس ملک میں لوہے اور کوئلے کے ذخائر موجود ہیں۔ دنیا کے بہترین فولاد کا اہم حصہ اسی سرزمین سے نکالا جاتا ہے اور بہار کی بعض کانوں میں کثرت سے ایلومنیم پایا جاتا ہے۔ ہندوستان کی جنگی پیداوار کو کم کر کے دکھانا بیوقوفی ہے۔ سامان حرب کی ۷۰۰/۸۰ کے قریب ضروری مدیں (دسے ٹکنے) جن میں مشین گن سے لے کر سپاہی کی وردی تک سب چیزیں شامل ہیں۔ ہندوستان ہی میں بنائی جاتی ہیں۔ صرف ٹاٹا کے فولادی کارخانے ہی پر نظر ڈالئے جو اپنی نوعیت کا ساری برطانوی سلطنت میں سب سے بڑا کارخانہ ہے یہ وہ آرمر پلیٹ بناتا ہے جن سے ٹینک تیار ہوتے ہیں۔ بندوقوں کی نالیں ڈھالتا ہے گولے اور بارود کا ڈھیر لگاتا ہے۔ امریکہ سے جو پرزے آتے ہیں ان سے ہوائی جہاز کھڑے کرنے کا ایک وسیع کارخانہ بنگلور میں قائم ہو چکا ہے کراچی حیدرآباد اور کلکتہ میں موٹریں (موٹروں کے انجن نہیں) کپڑے اور گھسوں ٹن کی بڑی بڑی فیکٹریاں ہیں۔ صرف ایک کانپور اور احمدآباد کی ملیں اس قدر کپڑا ایک سال میں تیار کر سکتی ہیں جو اتحادیوں کی فوجوں کے ⅓ حصہ کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ لیکن ابھی بھاری قسم کے توپخانے۔ ہوا مار توپیں امریکہ اور برطانیہ سے ہی آتی ہیں۔ سو یہ کمی بھی پوری کی جا رہی ہے۔ صرف برطانوی ہند کی کل فوجیں دس لاکھ سے زائد ہیں اور جیسا کہ حال ہی میں حضور وائسرائے نے فرمایا ہے کہ ہندوستانی سپاہی دنیا کے بہترین لڑنے والے سپاہی ثابت ہو چکے ہیں۔ ٹری نیکوملی۔ سیلون۔ وزیگاپٹم۔ مدراس اور کراچی میں بحری بیڑے کے لئے جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے گئے ہیں اور فنیس ہربرٹ نے دعویٰ کیا ہے کہ آج ہندوستان کا سمندری بیڑا پہلے سے سات گنا ہے۔ گو اب بھی یہ ننھا منھا سا بیڑا ہے تاہم چھوٹے چھوٹے کروزر بنانے کا کام تیزی سے جاری ہے سکیم یہ ہے کہ ہر بندرگاہ کو فوجی مستقر میں تبدیل کر دیا جائے۔ ہزاروں ملاح بحری جنگ کے فن کی تربیت پا رہے ہیں۔ اور وہ دن دور نہیں جب ہندوستان کا ایک معقول سمندری بیڑا کھڑا ہو جائے گا۔ ہندوستان کی ہوائی طاقت بھی دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ ملک کو مختلف سکواڈرنوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ ہر ایک میں تین سو کے لگ بھگ ہوا باز تیار ہیں۔ زیرو قسم کے جہاز۔ بلنہیم قسم کے بمبار۔ P-40 قسم کے ہری کین اور اڑن قلعوں کے جمگھٹ کے جمگھٹ موجود ہیں۔ ہندوستانی ہوا باز کے بارے میں ایر مارشل سر رچرڈ پیرس جو برطانوی ہوائی طاقت کا دماغ ہیں کہتے ہیں کہ وہ دنیا کے بہترین ہوا بازوں سے کم نہیں ہے۔ ہندوستان کی حفاظت کا کام اگرچہ آسان نہیں ہے لیکن مایوس اور ہار کر بیٹھ رہنے کی وجہ بھی نہیں ہے۔ ہندوستان کی محافظت کا نہایت معقول انتظام کیا گیا ہے اور اس کی جنگی کوششیں اس تیزی سے قدم بڑھا رہی ہیں کہ کوئی دن میں یہ دنیا بھر کا سب سے بڑا اسلحہ خانہ بن جائے گا۔ ان حالات میں ہمارا فرض ہے کہ ہندوستان کی دوستی اور اشتراک عمل کی قدر کریں۔ جب تک جاپانیوں کا خطرہ برما میں موجود ہے۔ ہندوستانیوں کی دوستی حاصل کر لینا مشکل کام نہیں ہے۔ کیونکہ ہر ہندوستانی اپنے دیس پر بیرونی حملے کی حالت میں جان دینے کے لئے تیار ہے۔ یہ دور اندیشی نہیں ہے۔ کہ ہم ان عناصر کو جو ہم سے اس وقت کشیدہ ہیں۔ بہرحال منا لیں۔ اور ان کے ساتھ مل کر اس ملک کی حفاظت کا بیڑہ اٹھائیں۔

سید ابن حسن شارق دہلوی

بَدگُمانی

ہم چند بے فکرے ایک دوست کے مکان پر جمع تھے ۔ ہم سب کے سب ایک ہی کشتی کے سوار اور ایک دوسرے کے غمخوار تھے ۔ ہاں تو ہم بیٹھے ہوئے کیرم بورڈ کھیل رہے تھے ۔ ایک صاحب تھے جو گانے میں اپنے آپ کو تان سین سے کم نہ سمجھتے تھے ۔ خدا جانے مجھے اُن کی بے تکی آواز سے چڑ کیوں ہے ۔ انہوں نے حسبِ عادت گانا شروع کر دیا ۔ وہاں ایک صاحب قدامت پسند بھی تھے ۔ ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگے خدا خیر کرے ، کم بخت نے کیا منحوس راگ چھیڑ دیا ہے ۔ ہم نے مسٹر تان سین کے آگے لاکھوں جتن کئے ، خدا اور رسولؐ کا واسطہ دیا کہ یہ بکواس بند کر دو ۔ مگر وہ کب ماننے والے تھے ۔ تھالی کے بینگن تھے ۔ نکلنے دار کے لڑکے جو تھے ۔ اپنی ایک ہی دھن میں گائے جا رہے تھے ۔ اب انہوں نے ہمیں چڑانے کے لئے راگ اور بلند آہنگی سے کھینچنا شروع کر دیا ۔ اس دن یکم اپریل تھا ۔ اور اس تاریخ کو احباب ایک دوسرے سے دلچسپ مذاق کرتے ہیں ۔ یہ کم بخت منحوس دن آتا ہے ۔ تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ خیر ہم کھیل میں مشغول تھے کہ اندر سے فیروز ہمارے دوست کا چھوٹا بھائی چیختا ہوا باہر آیا ۔ " کیا ہوا ؟ " میں نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے پوچھا ۔ " پروین نے مارا ہوگا پروین نے ، آج اس نے ہماری چائے کی دعوت کی ہے ۔ وہ غریب سامان تیار کرتی ہوگی ۔ اور تم ستاتے ہوگے ، کیوں ٹھیک ہے نا ؟ " میں نے کیرم بورڈ پر گٹیاں جماتے ہوئے پوچھا " آپا بیچاری تو مر گئی " وہ روتے ہوئے بولا ۔ " کون آپا ۔ کیا بکتا ہے ؟ " میں نے اُسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا ۔ " آپا پروین " ۔ وہ مجھے جھٹکتے ہوئے بولا ۔ " ارے ابھی تو وہ دس منٹ ہوئے کالج سے آئی ہے ۔ مر کیسے گئی ؟ " اتنے میں اندر سے رونے کا ہنگامہ برپا ہوا ۔ ہم سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور میں بے تحاشا اندر بھاگا ۔ آہ میں نے اپنی بد نصیب آنکھوں سے کیا دیکھا کہ ہماری چُنّن مُنّن کرتی ہوئی بہن پروین نئی نویلی دُلہن کی طرح سج دھج کر بیچ میں مری پڑی ہے جس طرح چودھویں کے چاند کو کالی گھٹائیں گھیر لیتی ہیں ۔ اسی طرح اس کے صاف و شفاف نورانی چہرے کو اس کے سیاہ گھونگھر والے گیسو گھیرے ہوئے تھے ۔ اور اس کی سفید صراحی دار گردن میں پکھراج کا ہار عجب بھلا معلوم ہوتا تھا اس کے معصوم چہرے پر کتنا نور اور کتنی رونق برستی تھی ۔ اگر اس کو اس وقت صبحِ اولیں کی بارش بھی دیکھ لیتی تو یقیناً شرما جاتی ۔ وہ جرأت کی پتلی شرافت کی پیکر ، نیکی کی تصویر تھی ۔ اس کی شرمیلی اور رس بھری آواز میں کوئل کوکتی پھرتی تھی ۔ وہ اٹھارہ سال کی تھی ۔ بی ۔ اے میں پڑھتی تھی ۔ ذہین اتنی کہ کالج کو اس پر فخر تھا ۔ اس کی ہمجولیاں اس پر جان دیتی تھیں ۔ غیر تک اس سے انس کرتے تھے ۔ آج وہ کالج بہت دیر سے گئی تھی ۔ اور بہت جلد ہی واپس آگئی ۔ کیونکہ آج اس نے چار بجے چائے کی دعوت کی تھی ۔ آج تو وہ ہمیں اپریل فول بناتی ۔ سامنے باورچیخانہ میں صابن کی برفی ۔ لکڑی کے برادہ کے بنائے ہوئے بسکٹ نمکین فیرنی اور خدا معلوم کیا کیا اگڑم بگڑم بنا کر رکھ لیا تھا ۔ مگر آہ ظالم موت نے کیا کیا ۔ ٹھیک چار بجے چائے باہر آنے کی بجائے اس کا تابوت باہر آیا ۔ غیر اور اپنے یہاں تک کہ در و دیوار رو رہے تھے ۔

جنازہ کے ہمراہ ایک انبوہ کثیر تھا ۔ کالج کی تمام استانیوں ، طالبات اور اس کی ہمجولیوں کی آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگی ہوئی تھی ۔ سرخ ریشمی ڈولا تھا پھولوں سے لدا ہوا ۔ جتنی وہ حسین تھی اتنی ہی اس کی موت بھی حسین تھی ۔ عورتیں بال نوچتی ہوئی سڑک پر آگئی تھیں ۔ اس کی ان گنت سہیلیاں جنازے سے چمٹی ہوئی تھیں ، ان میں ایک لڑکی بہت بے چین تھی ، اس کو غش پر غش آ رہے تھے ۔ وہ کہہ رہی تھی کہ پروین کی موت کا باعث میں ہوں ۔ واقعہ یہ تھا کہ یہ لڑکی جس کا نام انور جمال تھا پروین کی خاص سہیلی تھی ۔

دونوں بی ۔ اے میں پڑھتی تھیں ۔ چند دن سے انور جمال رخصت پر تھی ، اس نے اپریل فول بنانے کے لئے پروین کے نام کالج میں خط لکھا جس میں اپنی محبت ظاہر کی تھی ۔ بات تو تھی معمولی ، مگر ہونی شدنی ۔ کتاب میں سے خط فرش پر گر پڑا بیچاری کو خبر بھی نہ ہوئی ؛

اس کی ماں نے چپکے سے اٹھالیا۔ وہ تھیں پرانے خیالات کی۔ خط پڑھ کر غصے کے مارے لال پیلی ہی تو ہو گئیں۔ پروین اپنی بھابی سے کہنے لگی کہ بھابی مجھے جلدی کھانا دیدو کیونکہ مجھے چائے کی دعوت کا بقایا سامان تیار کرنا ہے۔ وہ باورچی خانے میں کھانا کھا رہی تھی کہ اس کی ماں آئی اور پروین کے پیٹ پر زور سے لات ماری۔ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں بولی "امی جان یہ کیا؟" اس کی ماں نے اس پر خط پھینکتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہاری شرافت کے کرتوت ہیں۔" "امی یہ تو بہن انور جمال کا ۔۔ ۔۔ ۔۔" ساتھ ہی اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس کے پیٹ کی کوئی آنت پھٹ چکی تھی کسی ڈاکٹر کے آنے سے پہلے وہ قیدِ حیات سے آزاد ہو چکی تھی۔ پروین کی ماں اس دن سے کسی سے نہیں بولتی معلوم نہیں اس کی زبان پر فالج گر گیا یا کیا۔ اکثر گھر سے بال نوچتی نکل جاتی ہے۔ قبر پر جا کر گھنٹوں روتی ہے۔

اس واقعہ کو کئی سال ہو گئے مگر میں اس دن کے بعد اپنے دوست کے مکان پر نہیں گیا میرے اور ان کے تعلقات وہی ہیں ہم ہر روز ملتے ہیں مگر میں ان کے گھر نہیں جاتا۔ میں ان باتوں کو کیسے بھلا دوں۔ جب پروین مجھ سے مخاطب ہو کر کہتی تھی "آج بھیا کیا کھائیں گے؟" تو میں ہنستے ہوئے کہتا۔ "پروین بہن کا بھرتہ"۔ وہ محبت بھری آواز میں کہتی "تو کھالو۔ میں کب منع کرتی ہوں سلاؤں چھری، ایک بہن کو بھائی سے کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی۔" جب میں اس سے کہتا کہ "پروین بہن ذرا یہ میرا رومال تو دھو دینا" ـــــ "دھو تو دیتی ہوں۔ مگر دو آنے لوں گی۔ اور نقد۔ میں کوئی ایسی ویسی دھوبن نہیں ہوں۔ بی۔ اے دھوبن ہوں۔" وہ رومال دھوتے ہوئے مسکرا کر کہتی جاتی۔ ـــــ آہ! ـــــ کسے معلوم تھا کہ پروین خواب بن جائے گی۔ اس کی فرشتوں کی سی معصومانہ باتیں صرف افسانہ ہو جائیں۔

ایم - آر - کین

جوابِ طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ ضرور بھیجیے
مینیجر

اُمّید

آندھیاں رنج و غم کی جب
چلتی ہیں میرے چار سو!
ہوتی ہے جب کہ وقفِ یاس
دل کی ہر ایک آرزو!

جورِ زمانہ دیکھ کر!!
ہوتا ہے جب یہ دل اُداس
روح پہ بار بن کے جب
چھاتا ہے، خوف اور ہراس

بحرِ جہانِ غم میں جب
طوفان ایک ہو بپا
اُس وقت اے امید تو
بنتی ہے میری ناخدا

دل کے مزار پر میرے
شمع کی طرح ضوفشاں
باغِ خیال میں میرے
مطربہ بن کے نغمہ خواں

کہتی ہے مجھ سے جی نہ ہار
کچھ تو ذرا تُو صبر کر
خانۂ یاس میں ابھی
خوشیاں ہیں تیری منتظر

گائیں گے گیت پھر پرند
پھول کھلیں گے ہر طرف
رقص کرے گی پھر خوشی
صحنِ چمن میں ہر طرف

جائے گی ایک دن خزاں آئیگی جانفزا بہار
تیرا دلِ حزیں کبھی ہوگا خوشی سے ہم کنار

بجمہ رحمت اللہ بی-اے

نسلیات اور شادی

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

مردانہ و زنانہ فطری صفات

میں مردانہ و زنانہ صفات کا ذکر کرتا چلا آرہا ہوں لیکن یہ صفات کیا ہیں اس کا جواب بھی علم تشریح المقابلہ اور نفسیات کی تحقیقات نے ایک بڑی حد تک دیدیا ہے۔ ایک مردانہ مرد میں یہ فطری صفات ہوتی ہیں جسمانی لحاظ سے قوی جسم، سینہ چوڑا، کولھے تنگ اور نیچے کا جسم کم بھاری، ذہنی و دماغی صفات میں دور اندیشی، درشت طبعی، تندی و قوت کے غیر معمولی مگر غیر دیرپا مظاہرہ کی اہلیت، غیر معمولی ذہین و لائق یا بالکل احمق ہونے کی خوبی و برائی اور افعالی لحاظ سے انتشار و بربادی کے تمام سامان اس کو فطری اثاثہ کے طور پر ملتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں زنانہ عورت کا جسم نازک و کمزور اوپر سے ہلکا، سینہ ابھرا ہوا، کولھے چوڑے اور کشادہ اور نیچے کا جسم موٹا اور گدگدا ہوتا ہے، ذہنی و دماغی رجحان میں زمانہ حال اور آس پاس کی اشیا و فضاء سے جلد متاثر ہوجانا، آیندہ کی تجاویز پر غور و خوض اور سوچ بچار سے گریز کرنا طبیعت میں صبر و تحمل، برداشت، محبت اور رواداری ہونا، زنانہ قوتوں کے مظاہرے میں متانت و دیرپائی ہونا عموماً غیر معمولی ذہین ہونا اور نہ مرد کی طرح احمق اور افعالی لحاظ سے تعمیری رجحان اور صلح و آشتی اور نسل کی حیات و بقاء کے لئے تمام ضروری سامان اس کی میراث ہوتا ہے۔ جذبات و حسیات کی دنیا کی تو زنانہ عورت ملکہ ہوتی ہے، مرد سے کہیں زیادہ جذباتی اور باحس ہونا اُس کے تمام خیالات و افعال میں کارفرما نظر آتا ہے عورت کی قوت تمیز مرد سے کند ہوتی ہے لیکن اس کا احساس مرد سے کہیں زیادہ تیز ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب کسی حادثہ کا خطرہ ہو تو وہ رونے گھبرانے اور پریشان ہونے میں وقت گذار دیتی ہے۔ اور مرد اس خطرہ سے بچنے کی تدبیر سوچ کر اس سے مقابلہ کرنے کی تیاری میں لگ جاتا ہے لیکن فوری کوئی حادثہ ہوجانے تو مرد اس سے بچنے کی صورتیں ہی سوچتا رہ جاتا ہے اور عورت اپنی ذکی الحسی کی وجہ سے فوراً اس حادثہ سے محفوظ رہنے کی ترکیب کرجاتی ہے اور اس طرح مرد اور گھر کو بچالیتی ہے۔ مرد تجویزوں، غور و فکر اور آیندہ کی خیالی دنیا میں رہتا ہے۔ اور عورت عملی جذباتی اور حال کی دنیا میں زندگی بسر کرتی ہے۔ یہ ہیں مکمل مردانہ مرد اور زنانہ عورت کی فطری صفات جو سوسائٹی کی ابتدائی حالت میں بدرجہ اتم نمایاں تھیں، یہ اب گھٹتی جارہی ہیں لیکن آج بھی ان کا مظاہرہ جنسی کشش کا زبردست ذریعہ ہوتا ہے۔

تہذیب و ترقی عورت و مرد کو فطری صفات سے ہٹاتی جاتی ہے

جیسے جیسے سوسائٹی تہذیب و ترقی کے میدان میں قدم بڑھاتی جارہی ہے، مرد و عورت کے فطری صفات میں تغیر رونما ہوتا جارہا ہے۔ عام طور پر مرد اپنی مردانہ صفات کی ضرورت نہ محسوس کرکے چند زنانہ صفات کی طرف رجوع ہوتا جارہا ہے۔ اور زنانہ عورت مردانہ صفات کو اچھا سمجھ کر ان کو حاصل کرنے میں مشغول ہے اور اپنی زنانہ صفات کو پس پردہ ڈالدینا چاہتی ہے۔ ترقی یافتہ مہذب مرد کو قوانین، پولس اور فوج وغیرہ کے موجود ہونے کی وجہ سے ذاتی قوت اور تند مزاجی کی ضرورت کم محسوس ہونے لگی ہے، اس لئے وہ کمزور بھی ہوتا جارہا ہے اور عورت کی طرح موٹا اور گدگدا بھی، اور کہیں دُبلا پتلا عورت کی طرح نازک الجسم اور تنگ سینہ والا بھی اسی طرح عورت مضبوط اور قوی بھی ہونے کی کوشش نہیں کررہی بلکہ دور اندیشی، خیالی اور آیندہ کی دنیا میں رہنے کی عادت کررہی ہے اور جذبات پر قابو پالینے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہے۔

متمدن اقوام میں بہتری نسل کیلئے عورت و مرد کی فطری صفات کا موجود ہونا لازمی نہیں رہا ہے بلکہ صالح

ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ کسی خاص سوسائٹی کے لئے فلاں صفات کا مرد یا عورت بہتری نسل کی غرض سے موزوں ہے ہم اپنی فطری و ابتدائی زندگی کی طرف واپس نہیں جا سکتے اس لئے مرد و عورت کی فطری صفات نسل کی بہتری کے لئے ضروری نہیں۔ اور سوسائٹی کی تہذیب و معاشرت کو استقرار نہیں اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ شریفوں کو شریف زادیاں مبارک اور غریبوں کیلئے غربت کی پروردہ کنواریاں سلامت! جو کچھ فی الحال کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ مجنوں، احمق، مجرم الطبع، شرابی اور اوباش وغیرہ قسم کے افراد کی نسل کو بڑھنے سے روک دیا جائے اور ایک مخصوص قوم یا سوسائٹی کی باقی پوری آبادی کو بہمد گر موزوں افراد کی فطری و انفرادی ضرورت و کشش پر چھوڑ دیا جائے اور شادی کے معاملہ میں شریف و رذیل، غریب و امیر وغیرہ کے امتیاز کو مٹا دیا جائے تاکہ شادی کو فطری ہونے کے ساتھ ہی قوم کے لئے مفید بنایا جا سکے۔ یہ نسل کی بہتری کا ذریعہ ہوگی اور چونکہ آزاد لوگ سوسائٹی کے حقوق و فرائض کی اہمیت کو رسم و رواج کے غلاموں سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے شادی کا جذباتی و انفرادی پہلو ازدواجی زندگی کے عملی و اجتماعی پہلو کو دبا نہیں سکے گا جو کامیاب شادی کی سچی ضمانت ہوگا۔

نسل کی بہتری کیلئے ہماری موجودہ سوسائٹی میں کس قسم کی شادیاں ہوں ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ نسل کی بہتری کے لئے مرد و عورت میں عالمگیر صفات کا تعین بہت مشکل امر ہے اور اگر یہ مرحلہ بھی طے کر لیا جائے تو مخصوص صفات رکھنے والوں کو شادی کے رشتہ میں منسلک کیا جانا جبتک زبردستی نہ کی جائے ممکن نہیں، ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ایک قوم جن صفات کو خوبی سے تعبیر کرتی ہے ان ہی کو دوسری سوسائٹی عیب شمار کر سکتی ہے اور یہی عام بات ہے کہ قوموں کے حسن و قبح کا معیار ہر زمانہ میں یکساں نہیں رہتا، بہر صورت ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ہر وہ معیار جس کو عالمگیر یا دوامی بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ بہتری نسل کے بجائے خرابی کا باعث ہوگا لہذا یہ ظاہر ہے کہ ہر سوسائٹی کو شادی کے معاملہ میں گو اپنے قدیم رسم و رواج کو موجودہ نکتہ نظر سے دیکھ کر اصلاح کی ضرورت ہے اور اسی طرح آیندہ زمانہ کے اگر آثار نمایاں ہوں تو ان کے اثرات پر بھی غور کرنا چاہیئے لیکن گزشتہ اور آیندہ سے بس اس ہی قدر نسبت کافی ہوگی، باقی تمام معاملات میں دور حاضرہ اور صرف دور حاضرہ ہی کی ضروریات حوالیات، معیار صفات وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر بہتری نسل کے لئے شادیاں ہونا چاہئیں، ہماری موجودہ ہندوستانی سوسائٹی کے تنزل کا دور ختم ہو چکا ہے اور ترقی کے آثار نمایاں ہیں لیکن جہاں ترقی کے دور کے مفید خیالات دماغوں میں عام ہوتے جا رہے ہیں وہاں تنزل کے زمانہ کی چند خرابیاں بھی موجود ہیں۔ جو جسمانی اور ذہنی دونوں اقسام کی ہیں۔ ہمیں بہتری نسل کے لئے اپنی جسمانی، ذہنی اور اخلاقی کمزوریوں کو مٹانا ہے۔

بہتری نسل کیلئے ہماری جسمانی ضروریات اجتماعی حیثیت سے آج ہمیں اپنی بیوی کی حفاظت کیلئے چہار دیواری۔ خاندان کے لوگ، رشتہ دار، قانون، پولس، افواج اور گورنمنٹ اور عورت کا خود پستول اور بندوق کے ذریعہ اپنا بچاؤ کرنے کی سہولتیں موجود ہیں۔ لہذا وہ مردانہ صفات جن کی جنگلی ابتدائی مرد کو ضرورت تھی غیر ضروری معلوم ہونے لگی ہیں اور عورت بھی اب مرد کے انتخاب میں جسمانی صفات سے زیادہ دماغی اور ذہنی کمالات کو ترجیح دیتی ہے لیکن فطرت کو انسانیت کے ذریعہ دبایا جا سکتا ہے مٹایا نہیں جا سکتا اس لئے انفرادی طور پر مرد کا صرف تندرست ہی ہونا نہیں بلکہ مضبوط اور قوی بھی ہونا عورت کی کشش و توجہ کا باعث اور ازدواجی زندگی میں عورت کے اطمینان خوشی اور وفا شعاری کا معاون اور بہتری نسل کا ضامن ہوتا رہے گا، لہذا مرد جب شادی کرنا چاہے یا اسے اپنی سج دھج دیکھنے کی خواہش ہو تو سوٹ بوٹ، اچکن و شیروانی یا دھوتی کرتہ پہن کر نہیں بلکہ ایک چھوٹے کپڑے سے ستر پوشی کر کے اپنے بالکل ننگے جسم کو آئینہ میں دیکھے اور طے کرے کہ جسمانی لحاظ سے وہ کس مردانہ درجہ پر ہے۔ اگر اس کو اپنا جسم نحیف و لاغر یا بھدا اور بیڈول یا [illegible] تو

اسے یقین کر لینا چاہیئے کہ بغیر جسمانی ورزش اور محنت دنیا کا کوئی لباس، دماغ کی کوئی خوبی اور علم و دولت کی کیسی ہی لاانتہا ہی فراوانی اس کی اندرونی زندگی کے اطمینان، عورت کی خوشی اور اس کی نسل کی جسمانی بہتری کا باعث نہیں ہو سکے گی، لہذا مرد کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کو قوی اور میں پھر یاد دلانا چاہتا ہوں کہ صرف تندرست نہیں بلکہ قوی و توانا بنائیے جو مختلف ورزشوں اور مردانہ کھیلوں اور بعض موزوں کاموں اور مشغلوں کے ذریعہ ممکن نہیں نسبتاً آسان ہے۔ ساتھ ہی مرد کو ایسی بیماریوں سے بھی بچنا چاہیئے کہ جو قوی سے قوی مرد کو عین عالم شباب میں نسلی بہتری کے لحاظ سے ناکارہ کر دیتی ہیں۔ اس قسم کی مصیبتوں اور بیماریوں سے بچنے کے لئے ہر لڑکے کو جو جوانی کے دور میں قدم رکھنے لگے ان بیماریوں کا پورا علم اور ان سے بچنے کی پوری ترکیبیں بتا دینا ضروری ہے۔ ایسی تعلیم کو مخرب الاخلاق سمجھنا چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور نوجوانوں کو جہالت کی وجہ سے اپنی زندگیاں خراب کر لینے سے بچانے کی کوشش کرنا چاہیئے، جہالت کے ذریعہ اخلاق قائم رکھنے کی بیجا توقع کے بجائے علم کے ذریعہ اخلاقی قوت بڑھا کر نسل کی حفاظت ہمارا فرض اولین ہونا چاہیئے۔ ایک زمانہ ہم پر ایسا بھی گذر چکا ہے کہ جب ہم نے مکتب اور اسکولوں کو اکھاڑوں اور کھیل کے میدانوں پر ترجیح دینا متمدن ہونے کی علامت سمجھ لیا تھا اور جب سفید پوشی کے لئے فاقہ کشی کرنا شرافت سمجھا جاتا تھا، یہ قوم کے دردمند دلوں مگر تنزل پذیر دماغوں کے راہ مستقیم سے بھٹک جانے اور منزل مقصود کو پا لینے کی کوششیں تھیں اس لئے وہ ہمارے مضحکہ اور توہین کی نہیں بلکہ صبر و درگذر کے قابل ہیں لیکن یقین جانئے کہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کی جسم سے لاپروائی اور آسمانی قوتوں کی توہین، کچھ ہی سال میں جو نتیجہ پیدا کر سکتی ہے وہ کسی میلہ تماشہ میں جا کر یا کسی بڑے ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے، بھدے اور بیڈول، نحیف و لاغر، تنگ سینہ و مدقوق جن کے بدن پر نہ سوٹ اچھا لگے نہ اچکن نہ جن کی کرتہ زیبائش کر سکے اور نہ صدری، اس نظارہ کے بعد بھی ہم ان کو برا نہیں کہہ سکتے جن کی غلط پالیسی نے یہ دن دکھائے کیونکہ ان کی نیت درست تھی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ سفید پوشی شرافت ہے اور وہ "قلم گویدکہ من شاہ جہانم" کی بھی غلط تفسیر کر بیٹھے تھے اور یہ بھول گئے تھے کہ "توی گوید کہ من شہنشاہم"، لہذا آج کی ضرورت یہ ہے کہ اگر ہمارے پاس صرف اتنے ہی پیسے ہوں کہ یا ہم بچوں کو اچھا کھانا کھلالیں یا اچھے کپڑے پہنا لیں تو اچھا کھانا کھلائیے، پہننے کو معمولی کپڑے کافی ہیں جب کبھی ہم اپنے کسی بچے کے موزے، جوتے یا ٹوپی وغیرہ پر دو روپیہ خرچ کرنا چاہیں تو ہمیں یہ بھی ضرور خیال کر لینا چاہیئے کہ اس ہی دو روپیہ سے ہم اپنے بچے کو ایک انڈا یا پاؤ بھر روزانہ دودھ ایک ماہ تک دے سکتے ہیں۔ جو جوتے، موزے اور ٹوپی سے کہیں زیادہ اس کے کام آ سکتا ہے۔ جہاں تک خوراک اور عام حفاظت کا سوال ہے لڑکے اور لڑکی کی یکساں حفاظت ضروری ہے لیکن ورزش کے مواقع عموماً لڑکوں کو زیادہ ملتے ہیں اور لڑکیوں کو کم اس لئے لڑکیوں کی ورزش کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے، جہاں ممکن ہو لڑکیوں کے لئے "بیڈمنٹن" بڑی اچھی ورزش ہے۔ عام گھروں میں قدیم ہندوستانی ورزشیں مثلاً "سوریانمسکا" وغیرہ جن کے لئے میدان یا آلات کی ضرورت نہیں ہوتی بہت موزوں ہیں، چکی تو اب کون پیستا ہے لیکن مصالحہ پیسنا، آٹا گوندھنا، گھر کی صفائی کرنا اور سامان کو ادھر سے ادھر صفائی کے لئے رکھنا، پلنگ اور چارپائیوں کو اندر سے باہر لے جانا لانا اور خود ہی بستر وغیرہ لگانا جسم کے بہت سے حصوں کی ورزش کا باعث ہوتے ہیں لیکن ان سب کے بعد بھی بہت ہی کم سہی باقاعدہ ورزش کی ضرورت رہ جاتی ہے، پیٹ کے عضلات کے لئے، کام کرتے کرتے تھک جانا اور ورزش ہونا ایک ہی چیز نہیں تھکن تو صرف دماغی کام کرنے کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔ اگر کام کر کر کے تھکن ہو جائے تو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ورزش ہی ہو گئی اور جسم کو ورزش کی ضرورت نہیں رہی ہرگز نہیں باقاعدہ ورزش کرنے اور کام کر کر کے بدن کو تھکا لینے میں بڑا فرق ہے، اس لئے جسم کو قوی اور مضبوط بنانے کے لئے باقاعدہ ورزش کی بہت ضرورت ہے جس کی مقدار حسب ضرورت مقرر کی جا سکتی ہے۔

شادی سے پیشتر ڈاکٹری معائنہ کا سوال میر صاحب ریلوے کی تحقیق

کر سکتا ہوں تو عموماً مجھے یہ خیال آتا ہے کہ سوسائٹی عام زندگی کے معمولی سے معمولی شعبوں کی خدمات کی انجام دہی کے لئے افراد کی جسمانی صحت کو کس قدر ضروری سمجھتی ہے اور کتنے بجا طور پر یہ قوانین بنا دیئے گئے ہیں کہ اگر صحت جسمانی مقررہ معیار سے نیچے ہو تو ایسے شخص کو اس خدمت سے روک دیا جائے، انجن چلانے والے تو ملازم ہو جانے کے بعد بھی ہر سال ڈاکٹری معائنہ کے لئے بھیجے جاتے ہیں اور جب بھی ان کی نظر کمزور یا ان کی صحت میں کوئی خاص خرابی پائی جائے تو وہ ملازمت سے برطرف یا کسی دوسرے کم اہم کام پر لگا دیئے جاتے ہیں، پولس، فوج، دفاتر کارخانے اور سوسائٹی کے دوسرے اہم ہی نہیں بلکہ معمولی شعبہ جات میں کام شروع کرنے سے پیشتر بھی ڈاکٹری معائنہ ضروری سمجھا جاتا ہے اور یہ سب اس لئے کہ تندرستی و صحت کے نہ ہونے سے انسان کام میں خرابی کر سکتا ہے اب غور کرنے سے حیرت ہوگی کہ سوسائٹی میں عام زندگی کے معمولی معمولی کاموں کے لئے تو ڈاکٹری معائنہ ضروری اور جبری تسلیم کیا جاتا ہے لیکن جس فعل کے ذریعہ سوسائٹی اپنی بقا ودوام کا کام لیتی ہے یعنی شادی اس کے لئے انسان شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا گیا ہے۔ شادی سے پہلے طبی معائنہ ضروری تو کجا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ انفرادی لحاظ سے شادی محبت کی تکمیل ہو یا مذبیل ان ٹل آفت ہو یا دائمی انبساط و سکون کا باعث مگر اجتماعی حیثیت سے تو یہ مرد و عورت کے جنسی ارتباط کی اجازت کے سوا اور کچھ نہیں لہذا سوسائٹی کو اختیار رہنا چاہیئے کہ وہ نسل کی بہتری کے لئے اپنی اس اجازت کو مشروط کر دے۔ خواہ ذاتی اور انفرادی نگاہ سے ایسی شرط مذموم ہی کیوں نہ نظر آئے۔ اچھے انسان بننے کے لئے انفرادیت کو اجتماعیت اور جذبات کو عقل کے ماتحت کر دینا ضروری ہوتا ہے نسل کی بہتری کے لئے شادی سے پیشتر عورت اور مرد کا طبی معائنہ بہت ضروری ہے کیونکہ جسمانی بیماریوں میں بہت ہی کم ایسی ہوتی ہیں کہ جو ایک تندرست نظر آنے والے کے جسم میں موجود ہوں اور تشخیص کے بعد ان کا شافی علاج نہ ہو سکے، ایسے لوگوں کو شفا ہونے تک شادی سے روکا جا سکتا ہے اور سمجھدار لوگ تو خود ہی ایسی احتیاط کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ ہر سوشیل ریفارم کے لئے قانون اور جبر ایک حد تک کام میں لایا جا سکتا ہے لیکن کسی خرابی کے موجود ہونے کا علم لوگوں میں احساس پیدا کر کے اس کے تدارک کی طرف توجہ مبذول کرا دینا جبر اور قانون سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ قوم کے سربرآوردہ، تعلیم یافتہ اور سمجھدار لوگ شادی سے پہلے طبی معائنہ کو عام لوگوں کی تقلید کے لئے ذاتی طور پر ایک رسم یا نمونہ بنا کر پیش کرنے لگیں تاکہ یہ رسم عام ہو کر نسل کو بربادی سے بچانے میں مدد کر سکے۔ شادی کے بعد خاوند اور بیوی کو جنسی زندگی کے اصولوں سے واقف ہونے کی سہولتیں، حاملہ اور زچہ کی احتیاط، بچوں کی تعداد اور پیدائش کے وقفہ کا تقرر وغیرہ سب ایسی طبی باتیں ہیں کہ نسل کی بہتری کے لئے ان پر غور کرنا بیحد ضروری ہے لیکن میں جب ان باتوں کو لکھتا ہوں تو مجھے بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ انفرادی کوششوں کے بس کی باتیں نہیں ہیں، ان کے لئے تو سب سے پہلے خود مختار حکومت اور پھر اس حکومت کی موزوں پالیسی کی ضرورت ہوتی ہے، چونکہ روس نے اجتماعی طور پر ان خوابوں کی تعبیر کی اور ان خیالوں کو عمل کا جامہ پہنا دیا ہے۔ اس لئے ہمت ہوتی ہے کہ ہندوستان میں جب تک اجتماعی عمل ممکن نہیں ہے۔ تو انفرادی عمل ہی کے لئے ان خیالات کو پیش کر دیا جائے تاکہ ابتداء ہو جائے اور موقعہ کے وقت ہم ان سے پورا فائدہ اٹھا سکیں۔

بہتری نسل کیلئے ہماری ذہنی و اخلاقی ضروریات

سب سے پہلے تو ہمیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ انسانی اور ازدواجی زندگی میں مرد اور عورت مساوی اہمیت رکھتے ہیں عوام کو چھوڑ کر ہم نے تعلیم یافتہ خاص خاص لوگوں میں بھی یہ بحث ہوتے سنی ہے کہ عورت مرد کے برابر ہے یا اس سے کم درجہ، یہ مرد اور عورت کا مقابلہ حقیقت سے لاعلمی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ایک ہی قسم کی دو چیزوں کا مقابلہ کر کے ان کو ایک دوسرے سے اچھا یا برا کہا جا سکتا ہے لیکن جب فطرت جنس انسانی کی دو مختلف شاخیں بنانے کی غرض سے ماں کے پیٹ ہی سے عورت و مرد کے جسم، دماغ، ذہن اور جذبات کو مختلف افعال و ضروریات کے لئے وضع کرتی ہے تو ان دو مختلف مگر اپنی اپنی جگہ پر اہم و ضروری ہستیوں کا کس طرح آپس میں مقابلہ کیا جا سکتا ہے، سوسائٹی کی ضروریات

اور انفرادی خود غرضی نے والدین کے لئے لڑکا پیارا اور لڑکی اَن سینتی بنادی ہے، لڑکا معاون اور لڑکی بار تسلیم کی جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم سے لڑکے کی طرفداری اور لڑکی سے بے پرواہی کا اخلاقی گناہ بلا ارادہ سرزد ہونے لگا ہے۔ کھانے میں، پہننے میں، رہنے میں، اور عام برتاؤ میں یہ فرق جس گھر میں چاہے دیکھ لیجئے۔ عورت کو صبر و برداشت کی صفات، جراثیم سے محفوظ رہنے کی قوت اور تعمیری مادہ اگر فطرت نے مرد سے کہیں زیادہ نہ ودیعت کیا ہوتا تو بہت کم لڑکیاں والدین کی ان اخلاقی اور ذہنی کمزوریوں کے نتائج سے محفوظ رہ سکتیں اور یہ مصیبت لڑکیوں ہی پر ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ بڑی ہو کر بھی گھر کی غربت، کھانے کی قلت، کام کی زیادتی، آرام کی فرصت نہ ملنے اور تفریح کے سامان مفقود ہونے کا سب سے بڑا حصہ عورت ہی کو ملتا ہے۔ مرد کسی نہ کسی طرح ان کو حاصل کر لیتا ہے لیکن عورت ان سے محروم رہ کر ہی سگھڑ اور اچھی گھر والی کہلانے کی مستحق ہوتی ہے۔ ضرورت کے وقت عورت کی یہ قربانی قابل ستائش ہے لیکن ہو کیا رہا ہے یہ کہ مرد اور لڑکوں پر تناسب سے زیادہ خرچ کر کے عورت اور لڑکیوں کو سگھڑ بنانے کی عمر بھر کوشش جاری رہتی ہے۔ لڑکی کو مکھن نہ دو، اس کے لئے اچھا نہیں ہے۔ انڈا نہ دو گرمی کرے گا۔ دودھ نہ دو موٹی ہو جائے گی۔ سونے نہ دو آرام طلب بن جائے گی۔ اچھے کپڑے نہ پہنے، سنگھار نہ کرے۔ کنواری ہے خراب عادتیں پڑ جائیں گی۔ کھیلنے کودنے نہ دو بگڑ جائے گی۔ یہ عام باتیں ہیں۔ جو کھاتے پیتے گھرانوں میں سنی جاتی ہیں۔ چند گھر ایسے بھی ہیں۔ جہاں یہ کہا نہیں جاتا لیکن اس پر بلا ارادہ ہی سہی عمل ہوتا رہتا ہے، اس اخلاقی کمزوری کا علاج پہلے وہ ذہنی تبدیلی ہے کہ جو ہمیں یہ بتلا دے کہ بہتر نسل کے لئے ہمارا یہ انسانی اور قومی فرض ہے کہ ہم لڑکی کی پرورش اور حفاظت بھی اتنی ہی کریں جتنی لڑکے کی بلکہ ایک مخصوص عمر میں لڑکے سے بھی کچھ زیادہ، جب یہ ذہنی تبدیلی ہو جائے تو پھر ہمیں اخلاقی جرأت کی ضرورت ہوگی۔ تاکہ وہ رسم و رواج جو لڑکی کی صحیح پرورش کے سد باب ہیں ناسمجھ لوگوں کی پروا نہ کر کے مٹا دیئے جائیں، اس ضمن میں ہمیں ایک نفسیاتی مرض کی بھی صحیح تشخیص کر کے اس کا علاج کرنا ہوگا۔ یہ جذبہ ہم میں خود غرضی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، ہماری خود غرضی ہمیں تحت الشعور میں یہ سمجھاتی ہے کہ لڑکے کی پرورش اور تعلیم وغیرہ پر پیسہ خرچ کرنا ایسا سودا ہے کہ جس کا نفع معلوم اور جو آڑے وقت میں کام آسکتا ہے لیکن لڑکی پر خرچ کر کے اسے قابل بنا کر دوسرے کے حوالہ کر دینا ہے۔ اس لئے ایسا خرچ ہے کہ جس سے آئندہ کوئی امید نہیں۔ ہمیں ایسی ہی ذہنی، اخلاقی اور نفسیاتی کمزوریوں سے بچ کر لڑکیوں کی پرورش، تعلیم و تربیت وغیرہ کو کم از کم لڑکوں کے درجہ پر لانا ہوگا۔ تب کہیں اصل ترقی کی امید ہو سکتی ہے، ہم میں اور بھی لاتعداد اخلاقی کمزوریاں موجود ہیں جن کو ہم برائیاں نہیں بلکہ اچھائیاں تصور کرنے لگے ہیں۔ مثلاً ہمیں کسی نہ کسی وجہ سے یہ خیال ہو گیا ہے کہ عورت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ یا یہ کہ وہ جلد ہی بھکائی جا سکتی ہے اور اس کی لغزشیں مرد کی غلطیوں سے زیادہ قابل شرم و لائق تعزیر ہیں۔ اس قسم کے خیالوں میں بڑی ذہنی ریاکاری مخفی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ عورت کو باعصمت رکھنے کے لئے اسے جنسی علم سے جاہل مطلق رکھنے کی ضرورت ہے۔ یا ایسے پردہ کی ضرورت ہے کہ وہ کسی آزمائش میں پھنسنے ہی نہ پائے وغیرہ میں اس مضمون پر تشریح کے ساتھ کسی اور جگہ لکھوں گا۔ فی الحال ہمیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ جہاں ہمیں اپنے تنزل کے زمانہ کی جسمانی کمزوریوں کو مٹانا ہے وہاں ہمیں اپنی ایسی ذہنی، اخلاقی اور نفسیاتی بیماریوں کا بھی علاج کرنا ضروری ہے تاکہ جسمانی اور ذہنی دونوں لحاظ سے نسل بہتر ہوتی جائے جو ایک زندہ اور متمدن قوم بننے اور صحیح ترقی کے لئے ضروری ہے۔ اگر میں موجودہ سوسائٹی کی ذہنی ریاکاریوں اور اخلاقی بدتمیزیوں کی مثالیں پیش کرنے لگوں تو ایک ضخیم کتاب ایسی بن جائے گی جو غور کرنے والوں کو حیرت میں ڈال سکتی ہے لیکن میں یہاں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ ہم خود کو بہت دھوکا دے چکے، سوسائٹی میں ایک فرد دوسرے کو بھی اخلاق و عفت، شرم و حیا، شرافت و رذالت کی آڑ میں دھوکا دینے کی جس قدر کوشش کر سکتی تھی کر چکا ہے۔ ہمیں اب ہوش آ جانا چاہیئے۔ اور ریاکاری، خوف، بیجا شرم، جھجک کو چھوڑ کر ہمت سے کام لینے کے بعد ذہنی ایمانداری اور اخلاقی جرأت کو اپنا شیوہ بنا کر آئندہ نسل کو بربادی سے بچا لینا چاہیئے میں ایسی تجویز پیش

کرتا ہوں اور وہ یہ کہ جب کبھی آپ کو ایسا مسئلہ درپیش ہو یا آپ کسی کو ایسے مسائل پر رائے دینا چاہیں تو غور کر کے یا کسی ایسے مسائل پر غور کرنے والے سے گفتگو کرنے کے بعد خود فیصلہ کریں اور جو صحیح ہو اس کو عمل کے لئے پیش کر دیں خواہ کوئی خوش ہو یا ناراض تسلیم کرے یا نہ کرے، ان باتوں پر عمل شروع کر دینا آپ کو سوسائٹی میں شاید مطعون اور بدنام کر دے لیکن یہ ہوگی ذہنی، ایمانداری اور اخلاقی جرأت، دنیا سازی بے ایمانی ہے، یہ قوموں کو خراب کر دیتی ہے۔ بد اخلاقی سے بچئے آپ کا ہی بھلا نہیں ہوگا۔ بلکہ آئندہ نسلیں آپ کو دعا دیں گی۔

مندرجہ بالا خیالات کے مستند ہونے پر قدیم و جدید علوم ہی نہیں مذہبی تعلیم کی بھی مہر ثبت ہے

نسلیات و شادی کے متعلق مذکورہ بالا خیالات قدیم وجدید علوم کا نچوڑ ہیں، ان کو یورپین اور امریکن ماہرین ہی نے مستند نہیں تسلیم کیا ہے بلکہ اسلام آج کی تمام جدید علمی تحقیقات سے پہلے ہی ان خیالات کو مذہبی رنگ میں انسانی سوسائٹی کا جزو اعظم بنانے کی تعلیم دے چکا ہے، نسل کی بہتری کے لئے اخلاقی صحت کا یہاں تک اسلام میں خیال کیا گیا ہے کہ ایک بدکار مرد کا با عصمت اور پاک عورت سے نکاح ناجائز ہے، یہ تعلیم ہوتے ہوئے بھی افسوس ہے کہ اسلامی انحطاط کے زمانہ میں کم سمجھ اور کوتاہ بیں لوگوں نے ان اصولوں کو یا تو پس پشت ڈال کر اور یا ان کے معانی پر جہالت اور بیجا فخر و مباہات کا پردہ ڈال کر ان کو مسلمانوں کے مقامی رسم و رواج کا نام دیدیا اور ان خود ساختہ غلط اصولوں پر عمل شروع کر کے تمام قوم کو سخت نقصان پہنچا دیا، اب وقت ہے کہ ہم ان مضر رسم و رواج کی کڑیوں کو توڑ کر مساوات انسانی پر عمل کریں اور نسل انسانی کو مصنوعی اور فانی ذاتی امتیاز سے بچا کر غیر فانی اخوت و محبت کی کڑیوں میں منسلک کر دیں جس میں ہماری آئندہ نسل اور ہندوستان کی آئندہ قوم کی بہتری کا راز مضمر ہے۔

(ڈاکٹر) نصیر الدین احمد

(باقی صفحہ ۳۴۷ کا) بیچارے مردوں کی خیر نہیں"۔ آپا نے کچھ جواب نہ دیا تو بھائی جان بولے "بالکل سچ ٹھیک ہے"۔ پھر چچا سے بولے "چچا جان لعنت بھیجو اس تقریر پر سنتے سنتے دماغ پھر گیا"۔ اتنے میں خالہ جان کی بہن داخل ہوئیں۔ خالہ نے پوچھا "تسنیم خیریت تو ہے کیسے آئیں"۔ "آپا خیریت ہے، یہاں آنے کو جی چاہا تو اماں جان نے بہت برا بھلا کہا"۔ خالہ نے کہا "کیوں اُن کا کیا حرج تھا، بہو کو روکتی ہیں بیٹی کو کچھ نہیں کہتیں"۔ ممانی نے جواب دیا "بوا وہ ایک بدمزاج عورت ہیں میں اُن سے خوب واقف ہوں"۔ ریڈیو سے اس وقت گانے کی آواز آ رہی تھی۔ آپا بولیں "پکا گانا ہمیں تو پسند نہیں"۔ چچا نے فرمایا "تم کیا جانو یہ بہترین فن ہے اس سے علم موسیقی کے ماہر ہی لطف اٹھا سکتے ہیں (جھوم کر) واہ وا، سبحان اللہ"۔ بھیا نے کہا "لاحول ولا قوۃ کیا اچھی پسند ہے"۔ چابی گھمائی گئی تو ریڈیو نے کہا "آجکل ہندوستان میں بے پردگی عام ہو گئی ہے ہندوستانی شریف خواتین بے روک ٹوک سڑکوں پر پھرتی ہیں..."

بھائی جان نے بھابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ذرا سن لو بے پردگی کی داستان"۔ بھابی بڑی دیر سے بھری بیٹھی تھیں۔ یہ سنتے ہی گویا بارود میں آگ لگ گئی۔ "ہاں ہاں کیوں نہیں تم تو یہ کہو گے ہی، اتنی دیر سے بول نہیں اسی لئے تو عورتوں پر طعن ہو رہے ہیں وہ تو کہو میں بڑی ضابط ہوں تب ہی تو سر پر چڑھ رہے کوئی اور عورت ہوتی تو بتا دیتی ساری چوکڑی بھول جاتے"۔ اب سب نے ریڈیو سننا چھوڑ دیا اور بھابی کی تقریر سننے لگے۔ بھائی جان نے جواب دیا "واہ وا میں نے کیا کہا جو تم برس پڑیں، حیا نہ شرم لگیں لڑنے جھگڑنے"۔ "بھلا بھابی سنتیں اور خاموش رہتیں"۔ "ہاں ہاں میں تو جھگڑالو ہوں۔ تم تو بہت سیدھے سادے معصوم بچے ہو پھر جب میں ایسی ہوں تو مجھے رکھا کیوں جاتا ہے"۔ بھائی جان کو بھی غصہ آ گیا انہوں نے فرمایا "خانم پیر کی جوتی پیر ہی میں رہے تو ٹھیک ہے سر پر نہیں زیب دیتی تمہیں شرم نہیں آتی کہ سب بزرگوں کے سامنے زبان درازی کر رہی ہو"۔ بھابی جان کھنچتے ہو کہا "اچھا اچھا میں بے شرم ہوں تو نکال باہر کرو"۔ یہ کہتی ہوئی رونے لگیں۔ بھائی جان اٹھتے ہوئے بولے۔ "دیکھو جی میں تم سے نہیں الجھ رہا ہوں اگر پھر کبھی ایسی باتیں کریں تو مفت میں بات کا بتنگڑ بن جائے گا نہ وقت دیکھو نہ ڈھنگ بس رنگ میں بھنگ میں ڈال دی ساب جو

گھریلو دلچسپیاں

شام کا وقت ہے آسمان پر ابر چھایا ہوا ہے صحن میں نیم کے پیڑ میں جھولا پڑا ہے۔ دو تین لڑکیاں جھولا جھول رہی ہیں۔ گھر کے بچے بوڑھے مرد عورتیں سب جمع ہیں۔ بیچ میں میز پر ریڈیو رکھا ہے چچا جان ریڈیو کے وَالو درست کرنے میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ اس مجمع میں سکوت کا نام بھی نہیں چاروں طرف کھچڑی پک رہی ہے خصوصاً عورتوں میں کوئی اپنی ساس نندوں کے قصہ بیان کر رہی ہیں۔ کوئی کسی کی برائیاں جتا رہی ہیں۔ خالہ جان نے دوپٹہ کے آنچل سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا "توبہ توبہ کیا غضب کی گرمی پڑ رہی ہے پانی برسنے میں ہی نہیں آتا" ممانی جان نے جواب دیا "ہاں بوا! بہت غضب کی گرمی ہے مگر پانی ضرور پڑیگا"۔ خالہ جان پھر بولیں "بھابھی آج تو پکوان کا دن ہے لڑکیوں سے کہو کچھ پکائیں" بڑی باجی جو یہ گفتگو غور سے سن رہی تھیں تنک کر بولیں "اماں تمہیں تو رات دن کھانا رہتا ہے ریڈیو سننے آئی ہو یا پکوان کھانے"۔ ممانی جان نے جواب دیا "اوئی ریڈیو نہیں سننے آئیں ہیں تو کیا جھک مارنے آئی ہیں"۔ یہ کہتی ہوئی ممانی جان آگے بڑھ کر تخت پر بیٹھ گئیں۔ چچا جان نے ریڈیو کھولا اور ہلکی گھڑگھڑاہٹ کے بعد ناشر نے اعلان کیا۔ "یہ لکھنؤ ہے اس وقت شام کے چھ بجے ہیں" یہ سنتے ہی خالہ جان جھٹ بول اٹھیں "اوئی کیا ہمیں معلوم نہیں کہ کیا وقت ہے؟" آپا جان نے کہا "خالہ جان سننے تو دو دیکھو وہ کوئی مردوا تقریر کر رہا ہے"۔ ریڈیو نے کہا "آجکل زمانہ بیحد نازک ہے ہندوستانی بھائیوں کو چاہیئے کہ آپس کے جھگڑے ختم کریں اور ہندو مسلم فساد مٹا دیں۔ ہندوستان کی نجات اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک ہندو مسلمان شیر و شکر نہ ہو جائیں"۔ آپا جان نے کہا "اونہہ ہم کو ہندوستان سے کیا مطلب جب گھر کے ہی قصے نہیں مٹتے تو ہندو مسلم فساد رہے علیحدہ" اس مجمع میں سے باتیں کرنے کی آوازیں بدستور آ رہی ہیں کیونکہ عورتیں کبھی خاموش نہیں رہ سکتیں۔ آپا جان سے یہ سنکر چھوٹی آپا نے کہا "آپا گھریلو جھگڑے تو قیامت تک ختم نہ ہونگے۔ ہندوستان کی نجات ضروری چیز ہے۔ اس گفتگو میں دولھا بھائی نے دخل دیتے ہوئے کہا "اجی ہندوستان کی نجات سے ہم کو کیا؟ یہاں عورتوں سے ہی نہیں ہندوستان کی نجات کیسی؟" ریڈیو نے گھڑگھڑا کر گت بدلکر کہا غزل سنیئے

؎ جنہیں میں ڈھونڈھتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں؛ وہ نکلے میرے ظلمت خانہ دل کے مکینوں میں

ریڈیو ابھی یہیں تک کہنے پایا تھا کہ ایک دھماکہ کی آواز آئی اور عورتوں میں گھبراہٹ اور شور و غل میں تیزی ہو گئی چچا جان نے ریڈیو کی چابی بند کر دی اور گھبرا کر چلائے "آخر کیا ہوا یہ شور کیوں ہو رہا ہے؟" تھوڑی دیر میں امن ہو گیا تو چچا جان نے پھر ریڈیو لگایا۔ ایک چھوٹے سے بچے نے ماں سے کہا "اماں بھوک لگی ہے بھوک، کھانے کو دو" ماں نے جواب دیا "چپ رہیگا یا نہیں ہر وقت بھوک بھوک، آگ لگے اس بھوک کو" اتنے میں ایک لڑکی کی گانے کی آواز آئی۔ ماں نے چلاتے ہوئے کہا۔ "اری مردار تجھے ہر وقت گانا ہی رہتا ہے نہ وقت دیکھے نہ کچھ، آئی بڑی تان سین کی بچی"۔ چچی جان جو اپنی ساس سے بابوجی کے متعلق باتیں کر رہی تھیں بولیں "لے بوا ایک تو بادل قیامت ڈھا رہا ہے اب تم نہ بھارت مچاؤ"۔ تھوڑی دیر بعد باتیں کم ہوئیں تو بھائی جان نے ایک طویل جمائی لیتے ہوئے کہا۔ "اللہ کی پناہ" ریڈیو سے برا گانے کی آواز آ رہی تھی۔ چھوٹی آپا نے مایوسی سے کہا۔ "چچا جان کچھ اچھی چیز لگاؤ یہ گانا ہمیں پسند نہیں"۔ دولھا بھائی نے جواب دیا۔ "اونہہ تم کیا جانیں۔ پانی کا برتن ذرا اونچا لو کہتے گانا ہے"۔ ریڈیو تھوڑی دیر گا کر خاموش ہوا تو ناشر نے اعلان کیا۔ "اب مودی خانم تعلیم نسواں پر تقریر کریں گی" "... جس کے سوراخ ایک آدمہ نہایت معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دیگر قوموں اور ملکوں میں عورتوں کو زیور تعلیم سے مزین کیا ... میں سے مرغیاں اچھل اچھل کر کھینچ کھینچ "فضول یہ عورتیں ریڈیو پر بھی تعلیم کا راگ گاتی ہیں، آجکل تو کچھ مزید گانے ... " بھیا نے ... کی وجہ سے خراب بھی نہ ہوگی شلجم، پیاز وغیرہ میں کیا خرابی ہے جو بگڑ رہے ہو"۔ ریڈیو نے پھر کہا "ہمارے ہندوستان میں عورتوں کو ہندو ... ملکوں کی عورتیں اپنی مادری زبان کے علاوہ دسیوں بہت سی زبانوں میں بھی ماہر ہوتی ... جائیں۔ لکڑی کا کوئلہ، بجری، سیب وغیرہ کوٹ کر تاکہ بروقت مشکلات کا سامنا نہ ہو۔ ..." اتنا سنتے ہی دولھا بھائی نے گل [illegible] ...

مُرغیاں پالنا

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

حیوانی غذائیں۔ ریزہ گوشت یعنی قیمہ وغیرہ (ناقص سستا گوشت) جہاں یہ لگا تار مل سکتا ہو تو اس کو دوسری حیوانی غذاؤں سے بہتر سمجھ کر استعمال کرنا چاہیئے۔ بوچڑخانوں کا بچا کھچا گوشت پھیپھڑے۔ انتڑیاں اور دیگر ایسی چیزیں زیادہ اچھی ہیں۔ کیونکہ ان کے ساتھ چربی نہیں ہوتی۔ گوشت تازہ ہونا چاہیئے۔ جیسے باریک قیمہ ابال کر دینا چاہیئے۔ پانی اتنا ڈال کر ابالیں جو قریباً خشک ہو جائے اور مسِّے کھانے میں ملا کر یا سبزی میں ملا کر دیں۔

لسّی۔ یہ چیز ہر جگہ مل سکتی ہے۔ اور مرغی کو اس کی ضرورت کے مطابق پروٹین کی تمام غذا مہیا کر دیتی ہے۔ یہ بات ابھی زیر تجربہ ہے کہ لسّی انڈے پیدا کرنے میں گوشت کا مقابلہ کر سکے گی یا نہیں لیکن اگر گوشت نہیں ملتا تو پرندوں کو پانی کی جگہ ہمیشہ لسّی پینے کو دینی چاہیئے۔ اور موسم گرما میں لسّی میں صاف پانی ملا کر پتلا کر لینا بہتر ہے۔ ملائی یا کریم نکلا ہوا دودھ جو کھٹّا ہو گیا ہو وہی کام دے سکتا ہے جو لسّی دیتی ہے۔ ایسا دودھ ڈیری فارم سے مل سکتا ہے۔ خالص دودھ مرغی کو ہرگز نہ دینا چاہیئے۔ اس وجہ سے نہیں کہ یہ مہنگا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ اچھی مرغی کو بوجہ چربی ہونے کے خراب کر دیتا ہے لسّی کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے بلکہ جس قدر چاہیں دیتے رہیں۔ ایسا کرنے سے مرغیاں خود بخود اپنی غذا کے تناسب کو ٹھیک کر لیتی ہیں۔

خشک مچھلی پسی ہوئی یہ فائدہ مند خوراک گورنمنٹ فشریز ریسرچ سٹیشن تنور جنوبی ہندوستان سے مل سکتی ہے لیکن یہ مقامی لوگ ہی استعمال کر سکتے ہیں۔ دور سے منگوانے والوں کو بوجہ کرایہ بہت مہنگی پڑے گی۔ ویسے یہ حیوانی خوراکوں میں سب سے اچھی خوراک ہے اندازہ سے تھوڑی سی مسّے کھانے میں ملا دیں۔ (تجربہ) شمالی ہندوستان میں خشک جھینگا مچھلی استعمال کی جائے تو یہی بلکہ اس سے بہتر مفید ثابت ہوتی ہے۔

دیگر خوراکیں

لکڑی کا کوئلہ۔ یہ ہاضمہ کو مدد دینے کی غرض سے دیا جاتا ہے اور ہندوستان میں کوئلہ انتڑیوں کو اچھی حالت میں رکھنے کے لئے بہترین چیز ہے۔

بجری یہ دانوں کو مرغی کے سنگ دانے میں پیسنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ایک مرغی بجری کے بغیر ایسی ہے جیسے انسان بغیر دانتوں کے صرف بہت تیز اور بہت سخت چیز اس کام کے لئے فائدہ مند ہو سکتی ہے۔

۔ حسہ وقت بجری کے تیز کنارے سنگ دانے میں گھس جاتے ہیں تو یہ بیٹ کے ہمراہ باہر نکل جاتی ہے۔ اور تازہ بجری مرغی اور کھا لیتی ہے اس
دیدیا اور ان خود ساختہ علمہ۔ ۔ری ہے۔ اور سب سے اچھی بجری چونے کا سخت پتھر ہے جس کو دانے کے قد کے برابر موٹا ہونا چاہیئے اگر یہ نہیں مل
سخت نقصان پہنچا دیا، اب وقت ہے جا سکتا ہے۔ عام نرم پتھر یا پختہ اینٹیں بے فائدہ ہیں۔ اگر مرغیاں تھوڑی تعداد میں ہیں۔ تو گھر کے ٹوٹے
کڑیوں کو توڑ کر مساوات انسانی پر عمل کریں اور کر جا سکتی ہیں۔ کانچ کا برتن ٹوٹا ہوا نہ دیجئے گا۔
اور فانی ذاتی امتیاز سے بچا کر غیر فانی اخوت و محبت کی نرکی غرض سے اور جسم کی چونے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ دریاؤں کے سیپ اور
منسلک کر دیں جس پر ہماری آیندہ نسل اور ہندوستان دیے جائیں خالی ہوتے چاہئیں۔ اگر انڈوں کا چھلکا دیا جائے تو وہ بھی اس ضرورت کو پورا
قوم کی بہتری کا راز مضمر ہے دینے سے مرغیوں کو اپنا سالم انڈا توڑ کر کھانے کی عادت پڑ جائے گی۔
(ڈاکٹر) نصیر الدین احمد لیکن یہ جلا ہوا نہ ہو۔ اس کو ذرا صدا سا کر لو اور اس تناسب سے مل کر جا لقہ

معدنیات میں ہوتی ہے۔ ان تینوں خوراکوں کے بغیر مرغیاں اچھی طرح نشوونما نہیں پاسکتیں اور نہ وہ پورے انڈے دیتی ہیں۔

نمک۔ اگر مندرجہ بالا معدنی اشیاء نہ دیکھیں تو نمک دو فیصدی کے حساب سے خشک مِسّے کھانے میں اچھی طرح ملا دیں۔ نمک صاف اور باریک پسا ہوا ہو۔

پانی۔ مرغی کے جسم کا ۵۵ فی صدی حصہ پانی ہے اور انڈے میں ۶۵ فیصدی حصہ پانی ہوتا ہے۔ عام گرم موسم میں ایک جانور جس کا وزن تین سیر ہے آدھ چھٹانک کے قریب پانی پی جاتا ہے۔ تازہ پانی کافی مقدار میں جانوروں کو دینا ضروری ہے۔ سورج کی دھوپ ہمیشہ پانی میں بیماریوں کے جراثیم زیادہ تعداد میں پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے پینے والے پانی کے برتن ہمیشہ سائے میں رکھنے چاہئیں

خوراک دینے کے طریقے

(۱) مِسّا کھانا۔ مِسّا کھانا بنانے کی ترکیب لکھی جا چکی ہے اگر اس کو خشک دیا جائے تو بہتر ہے کہ اس صورت میں برتن روزانہ صاف کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر گیلا کر کے دینا ہو تو ابلے ہوئے گوشت میں ملا دیجئے مگر زیادہ گیلا نہ ہو بلکہ بھربھرا ہو۔ اور اس کا برتن روزانہ پانی سے اور ہفتے میں ایک بار فینائل سے دھونا چاہیئے۔

اگر خشک مِسّا کھانا دینا ہو تو برتن جو لکڑی کا یا کنستر کو کاٹ کر بنا لیا جائے اور اس کے کنارے مڑے ہوئے ہوں تاکہ مرغی زخمی نہ ہو جائے اس کو بھر کر بنگلے میں ایک طرف رکھ دیں۔ مرغیاں حسب ضرورت خود کھاتی رہیں گی لیکن اگر تر کھانا دینا ہو تو اندازے سے جانوروں کے سامنے دس بجے صبح رکھ دو اور پندرہ منٹ کے بعد اٹھا لو اگر کھانا کچھ بچ گیا ہے تو دوسرے دن اتنی ہی مقدار گھٹا دو اور اگر جانور فوراً کھا لیں اور زیادہ کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو تھوڑا زیادہ کر دو۔ اگر گوشت دیا جاتا ہے تو اس کو اسی وقت تر کھانے میں ملا دیں۔ ایک تندرست مرغی۔ جو انڈے دے رہی ہو عموماً سوا چھٹانک مِسّا کھانا ہر روز کھا لیتی ہے۔

(۲) دانے۔ انڈا دینے والی مرغی قریباً ایک چھٹانک دانہ روزانہ کھاتی ہے۔ اگر جانور سست معلوم ہوتے ہوں اور تمام دن سوتے رہیں اور دانے زیادہ مقدار میں پھالی کے نیچے پڑے معلوم ہوتے ہوں تو دانوں کی مقدار کچھ گھٹا دو۔ ورنہ مرغیاں موٹی ہو جائیں گی۔ اور انڈے دینے سے بند ہو جائیں گی۔ کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ جانوروں کو اتنی ہی خوراک ملے جتنی کے لئے وہ خواہشمند ہوں یہ بات ان کی چستی و چالاکی سے ظاہر ہو سکتی ہے۔ دوسری طرف اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ان کو ضرورت سے کم خوراک نہ ملے ورنہ انڈے کم ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ بالکل بند ہو جائیں۔

(۳) کھانا دینے کے اوقات۔ وہ مرغیاں جو جنگل یا کھیتوں میں کھلی پھرتی ہیں وہ تمام دن اپنی ضرورت کے مطابق کھاتی رہتی ہیں۔ مگر صبح شام وہ بھی خاص طور پر اپنے پوٹے بھرنے کی کوشش کرتی ہیں اس لئے ان کو صرف صبح و شام دانہ ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے مگر جو مرغیاں بنگلے میں بند رہیں ان کے لئے صبح صبح خشک مِسّے کھانے کے برتن کھول دیجئے۔ پانی اور کستی کے برتن صاف کر کے بھر دیجئے پانی یا کستی اگر مٹی کے گملوں میں دی جائے تو بہتر ہے مگر ایک صاف گملا گملوں کے درمیان میں اوندھا کر کے رکھ دیجئے تاکہ مرغیاں گملوں کے اندر نہ کھڑی ہو سکیں۔ پانی کا برتن ذرا اونچا رکھیے دوپہر کے وقت تازہ سبز خوراک دیجئے۔ جو خوراک پچھلے دن کی بچی پڑی اس کو پھینک دیں۔ اگر رسی کے جال کی تھیلی جس کے سوراخ ایک آدھ انچ کے بنائی جائے اور سبز خوراک اس تھیلی میں ڈال کر اٹھارہ انچ اونچی فرش سے لٹکا دی جائے تو اس میں سے مرغیاں اچھل اچھل کر کھینچ کھینچ کر پتی نکال کر کھائیں گی۔ اس سے اُن کی خوب ورزش ہو گی۔ نیز یہ سبز خوراک زمین سے دور ہونے کی وجہ سے خراب بھی نہ ہو گی۔ شلجم، پیاز وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کھلے منہ کے برتن میں بھی دیئے جا سکتے ہیں۔

غروب آفتاب سے دو گھنٹے قبل دانوں کی خوراک دیں جو پھالی میں پھینک دیئے جائیں۔ لکڑی کا کوئلہ۔ بجری، سیپ وغیرہ کوٹ کر کسی ٹین یا لکڑی کے برتن میں رکھ دیجئے جس وقت مرغی کا دل چاہے گا کھا لے گی۔

خاص مطلب کے لئے خوراک دینا

انڈے پیدا کرنا۔ اگر زیادہ انڈے دینے والی مرغی اور تھوڑے انڈے دینے والی مرغی کا آپریشن کر کے دیکھا جائے تو ان کے انڈے دانوں کا امتحان کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان میں ننھے ننھے انڈے یکساں تعداد میں موجود ہیں۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک زیادہ انڈے دیتی ہے اور دوسری کم، اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ انڈے دینے والی ان ننھے ننھے انڈوں کی زردیوں کو زیادہ رفتار سے باہر نکالنے کے واسطے آگے بڑھاتی ہے اور دوسری طرف کم رفتار سے، اس رفتار پر صرف نسل کا اثر پڑتا ہے، ایک مرغی صرف اتنی زردیاں آگے بڑھائے گی جتنی اس نے ورثہ میں پائی ہیں مگر کم یا ناقص خوراک اس کو کم کر سکتی ہے۔ اس کی وجہ زیادہ گرمی۔ زیادہ سردی۔ غلط خوراک۔ بیماری۔ ڈر۔ پر جھاڑنا۔ یا خون چوسنے والے جانوروں سے تکلیف وغیرہ وغیرہ ہیں۔

بیماری یا تکلیف کی حالت میں مرغی ان زردیوں کو جو انڈے دان سے آگے بڑھاتی ہے اپنے جسم کی حالت اور قوت درست رکھنے کے لئے واپس چوس لیتی ہے۔ اور یہ زردی فوراً دل جگر، انڈے خانے اور انتڑیوں میں جم جاتی ہے۔ اس لحاظ سے اس کے اعضا کام کرنا چھوڑ دیں گے اور نتیجہ مہلک ثابت ہوگا۔ اس لئے ہمیشہ سب سے بہتر خوراک خریدیئے کئی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ ناقص دانے سستے مل گئے لیکن بعد ازاں مرغیوں پر طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوگئیں فصل کاٹنے کے موقعہ پر جب اجناس کی قیمتیں گر جاتی ہیں۔ اس وقت دانے خرید کر احتیاط سے رکھیئے۔ ایک سفید لیگ ہارن مرغی سال بھر میں ۱۸ سیر خشک مسالہ اور ۲۰ سیر دانہ کھائے گی۔

خوراک میں تبدیلیاں۔ یہ بہت ضروری ہے کہ خوراک میں تبدیلی بہت آہستہ آہستہ کی جائے یکلخت تبدیلی سے نہ صرف نظام ہضم میں خرابی واقع ہو جاتی ہے بلکہ ایک اچھی مرغی انڈا دینا بند کر دیتی ہے مثلاً اگر تر ستے کھانے کو خشک ستے کھانے سے بدلنا ہو تو ایک ہفتہ میں آہستہ آہستہ بدلئے یعنی تھوڑا سا حصہ ترک کر دیں، باقی خشک رہے اسکی مقدار بڑھاتے جائیں، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ سب خشک ہو جائے ۱۵ اپریل سے اگست تک سخت گرمی کے موسم میں گوشت کم کر دیجئے یا بالکل ہی بند کر دیں اور لسی کی مقدار بڑھا دیں۔ اسی طرح اگر نئے دانے بدلنے ہوں تو رفتہ رفتہ اور تھوڑا تھوڑا بڑھا گھٹا کر بدلیں۔

پر جھاڑنے کے موقعے پر خوراک۔ مرغیوں کے پر جھاڑنے کا وقت اکتوبر۔ نومبر ہے۔ جو مرغیاں جون اور جولائی کے مہینوں میں پر جھاڑنے شروع کر دیں وہ عموماً تھوڑے انڈے دینے والی مرغیاں ہوتی ہیں۔

اس موسم میں وہ خوراک جو انڈا پیدا کرنے کے کام آتی تھی وہ اب پر پیدا کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے لیکن اگر مرغی کی نسل کشی ٹھیک کی گئی ہے یعنی نسل اچھی ہے تو وہ ان مہینوں میں بھی انڈے دیتی جائے گی اور اگست یا ستمبر کے آخر تک پر جھاڑنے شروع کر دے گی بلکہ پر جھاڑنے کی حالت میں بھی کچھ نہ کچھ انڈے دیگی۔ ان دنوں میں سبز خوراک خوب دیں۔ اور جو جانور یہ کام جلدی ختم نہیں کرتے ان کو نئے پر بدلنے میں مدد دینے کے لئے تھوڑی سی السی پسی ہوئی ستے کھانے میں ملا دیں۔ ایک سیر السی کا دلیہ ۲۴ سیر کھانے میں کافی ہوگا۔ پر جھاڑنے کے زمانہ میں مرغوں سے مرغیوں کو علیحدہ رکھیں

گرمیوں میں خوراک دینا۔ نصف مئی تک اتنی ہی خوراک دیں جتنی وہ کھالیں۔ اس وقت انڈوں میں کچھ کمی واقع ہوگی۔ اس وقت محتاط رہیں کہ مرغیاں بہت موٹی نہ ہو جائیں ورنہ موسم بہار تک بہت تھوڑے انڈے دینگی۔ مئی میں جب انڈوں کی تعداد گھٹنی شروع ہو جائے تو مکئی کا آٹا گھٹاؤ اور مکئی کے دانوں کا تناسب بھی کم کر دیں یعنی ایک حصہ مکئی اور تین حصہ گندم تک ورنہ وہ اور زیادہ موٹی ہو جائیں گی۔ سبز خوراک اور لسی برقرار رکھئے اگر بند کر دیجائیگی تو انڈے بالکل نہ ہونگے یاد رہے کہ جو تبدیلی خوراک میں ہو وہ یکلخت نہ ہو آہستہ آہستہ ہو۔

م۔ن بیگم

ناپسند چیزیں

اللہ پانچ چیزیں یہ کرتا نہیں پسند — اک وہ زبان جھوٹ سے جو آشنا رہے
اور دوسرے وہ ہاتھ جو بے وجہ بےخطا — آزار دے کسی کو سبب جنگ کا بنے
اور تیسرے وہ دل کہ جو پیئے فتنہ و فساد — منصوبے باندھتا رہے ہر دم نئے نئے
چوتھے وہ پاؤں جب انہیں موقع ملے ذرا — جاتے ہوں [illegible] افعال کیلئے
اور پانچویں وہ شخص جو تاشی کے بدبد — [illegible]

[illegible]

خانہ داری

جس میں سنگھار اور آرائش بھی شامل ہے

آنکھوں کی دیکھ بھال۔ آنکھوں کو ہر وقت احتیاط کی ضرورت ہے لیکن ایسے اوقات بھی ہوتے ہیں جبکہ زیادہ احتیاط ضروری ہوتی ہے۔ غور و پرداخت سے آنکھیں زیادہ کام دے جاتی ہیں اور جلد خراب نہیں ہوتیں۔ مسلمان پانچ وقت وضو کرتے ہیں۔ اس سے تین پانیوں سے چہرہ دھلتے وقت وہ بھی دھل جاتی ہیں۔ آنکھوں کو جس قدر دھویا جاتا رہے ان کے لئے مفید ہے۔ کم از کم ایک دفعہ صاف پانی کے برتن میں انہیں ڈبو کے کھولنا اور بند کرنا چاہیئے۔

بازار میں اچھے اچھے لوشن مل سکتے ہیں۔ سیدھے سادے گھر بھی بنائے جاسکتے ہیں معمولی نیم گرم دودھ سے آنکھوں کو دھونا آرام دیتا ہے۔ ایک چمچہ بورک کرسٹل Boracic crystals پانی کے ایک پیالہ میں گھولیں۔ اس سے آنکھیں صاف ہو کر سکون حاصل کریں گی۔ آدھی چمچہ ایپسم سالٹ Epsom salts پانی بھرے ایک بڑے گلاس میں ملا کے ہلکا سا مرکب تیار کریں۔ اس سے بھی آنکھیں آرام پاتی ہیں۔ بورک کریم Boracic cream کی ایک خاص قسم آنکھوں میں ملے جانے کے لئے بازار میں مل سکتی ہے اس سے آنکھیں صاف ہو جاتی ہیں۔ یہ بچوں کے لئے موزوں چیز ہے۔ کیونکہ ان کو آنکھوں کے غسل کی عادت نہیں ہوتی اور وہ اس سے گھبراتے ہیں۔ آنکھیں بہت تھکی تھکی ہوں یا ان پر دباؤ پڑا ہوا معلوم ہو، اون ایک گدی لے کے گرم دودھ یا نمک کے ٹھنڈے پانی میں (ایک بڑے گلاس میں آدھی چمچہ نمک ملائیں) ڈبو کر آنکھوں پر رکھیں۔

چمک اور چکا چوند سے آنکھوں کو بچانا چاہیئے۔ چمکدار روشنی میں آنکھوں پر سایہ رکھیں، روشنی کندھے کے برابر سے یا پشت پر سے آنے دیں۔ سینے اور پڑھنے وقت روشنی آنکھوں کے سامنے نہ رکھیں۔ آنکھیں کمزور ہوں تو طبی مشورہ کے بعد درست شیشہ کی عینک لگائیں۔ اور انہیں بے عینک کام کرنے پر مجبور کر کے خراب نہ کریں۔

آنکھوں پر غذا کا بھی اثر ہوتا ہے۔ دودھ، مکھن، پنیر، سبز اور زرد میوے اور ترکاریاں وغیرہ بے حد مفید ہیں۔

سنگھاری چٹکلے۔ آنکھیں تھکی تھکی ہوں آنکھ کا لوشن یا گرم پانی میں بورک کرسٹلز یا معمولی نمک ملا کے آنکھیں دھوئیں۔ آنکھوں کے نیچے شکنوں میں کریم کی باریک تہ تھپک کے جذب کریں۔ آنکھوں کے برابر بڑی عینک کی طرح روئیں دار نرم کپڑا cotton wool کاٹن ووُل۔ ایلڈر فلاور (Elder flower) کے پانی میں بھگوئیں۔ یہ دونوں چیزیں دوا فروش سے مل سکتی ہیں اندھیرے کمرہ میں چت لیٹ کے یہ کپڑا آنکھوں پر دبا کے یا گدی دار کپڑا چپکا لیں جتنے منٹ ممکن ہو لیٹے رہیں اٹھنے کے بعد آنکھیں خوشنما اور صاف ہو جائیں گی۔

ہاتھ کھردرے اور نا ملائم ہوں اور آپ کو خیال ہو رہا کہ ہر ایک کی نظر ان پر پڑے گی، ان پر کریم ملیں کیونکہ صرف اسی طریقہ سے شکنوں میں میل نکل سکتا ہے۔ پھر انہیں گرم پانی میں دھو ڈالیں، پھر ہاتھوں پر پانی دھاریں، اور اچھا سا صابن ملیں اور شکنوں کو جلد میں مل مل کے جذب کریں حتیٰ کہ صابن بالکل غائب ہو جائے۔ اب آپ کے پاس کوئی خاص ہاتھوں کا خوشبودار لوشن ہو تو ہلکا ہلکا ملیں اور اس کے ایک دو قطرے ہتھیلیوں میں ملا لیں۔ پھر ٹیکی میں سے پوڈر کریم (Powder cream) کی کافی مقدار نکال کے ہاتھوں کی پشت پر ملیں، وہ نکھر کے بجلی سے ہو جائیں گے۔

[illegible] جیسے زیادہ عمر ہوتی ہے گال پیلے ہو جاتے ہیں اور [illegible] میں تھکن کے آثار پیدا ہونے میں چہرہ کا لیپ اس

کے لئے بہت مفید ہے۔ اگر فوراً دستیاب نہیں ہو سکتا۔ فلرس ارتھ Fullers earth (اسکی جلدی غذا skin tonic) میں ملانے سے فوری لیپ خود مہیا کیا جا سکتا ہے یا آئینہ کے سامنے بیٹھ کے برش سے صاف کرنے والی کریم cleansing cream چہرہ میں ملیں اور اس کا اوپر کی طرف رخ رکھیں، گالوں اور پیشانی پر بالائی کے رخ تھپکیاں لیں، روئیں دار کپڑا (کاٹن وول) جلدی نقلی پالش ٹونک لوشن میں ڈبو کر پونچھ ڈالیں پھر اسی روئیں دار کپڑے کا اتنا بڑا ٹکڑا لیں جو چہرہ پر آجائے۔ ناک اور آنکھوں کے لئے اس میں روزن بنالیں اسے ٹھنڈے پانی میں بھگوئیں اور گیلے کپڑے پر کوئی جلد کسنے والا محلول astringent یا یوڈی کولون eau de cologne چھڑک لیں چہرے پر لپیٹ ڈالیں۔ اور چند منٹ آرام کرنے کے لئے لیٹ جائیں۔

ہونٹ کھردرے ناملائم، پھٹے پھٹے ہوں اور اندر سے منہ لال لال ہو جائے، تو ایسے دانتوں کی لئی سے منہ صاف کریں جو ٹھنڈک دے۔ دانتوں کے اندر اور باہر اس لئی سے صاف کریں۔ کوئی خوشبودار دانتوں کے صاف کرنے کے مائع کی چند بوندیں پانی میں ڈالیں اور اس سے غرغرہ کر کے منہ کو خوشبودار کر لیں کیمفر آئس (camphor ice) کسی انگریزی دوا فروش سے خرید لیں، چونکہ اندر کی تو تیز ہوتی ہے اس لئے اسے رات رات کے لئے لگائے رکھیں۔ دن میں لگانے کی ضرورت ہو تو گلیسرین یا کولڈ کریم لگا لیں۔

لاکھا ہونٹوں میں اچھی طرح جذب کریں۔ ہونٹ کے بالوں کا نقاشی برش استعمال کریں۔ اس سے کنارے درست رہ سکیں گے کیونکہ کھردرا پن ہونٹوں کے کنارے خراب کر دیا کرتا ہے۔

تھکے ہوئے ہوں اور دل آرام کی خواہش کر رہا ہو، تو گرم پانی کا غسل بہت مفید ہے۔ زیادہ گرم پانی استعمال نہ کریں کیونکہ یہ کچھ دیر بعد تھکن زیادہ کر دیتا ہے۔ گرم پانی میں رائی ملا لیں۔ یہ بدن میں جان پیدا کرتی ہے۔ ٹب میں تین منٹ تک بدن ڈھیلا کر کے آرام سے بیٹھ جائیں۔ پھر خوب جسم کو مل ڈالیں۔ اس کے بعد شاور گرم پانی سے جسم صاف کر ڈالیں اور صاف اور کھردرے تولیہ سے جسم پونچھ ڈالیں۔ تھوڑی سی یوڈی کولون یا جلد کسنے والی چیز ہتھیلی میں لے کے جلد پر جلد جلد مل ڈالیں۔ آخر میں ٹیلک (ابرق) Talc یا سہاگہ ملا کے ٹھنڈا پانی بدن پر چھڑکیں، جسم میں مضبوطی اور تازگی معلوم ہونے لگے گی۔

پاؤں تھکے تھکے ہوں، اور ٹھنڈے ہوں تو گرم پانی میں تھوڑی سی رائی ملا کر پاؤں اس میں ڈبوئیں۔ اگر دکھتے ہوں تو کوئی جراثیم کش مائع دوا پانی میں ملا لیں۔ ٹھیک یا اینٹھن رکھتے ہوں تو پاؤں دھونے کی ٹکیاں (foot bath tablets) پانی میں ملا لیں پھر پاؤں خوب خشک کر لیں اور آئس کولڈ فٹ کریم ice cold foot cream میں خاص کر ملا دیں اور پنجوں میں ملیں جلدی ہو تو محض یوڈی کولون ہی آرام دے جاتا ہے۔ جرابوں میں ذرا سا سہاگہ چھڑک لینے سے انگلیاں ٹھنڈی اور تازہ رہتی ہیں۔

بال روکھے اور بے رونق ہوں تو برتن میں گرم پانی بھر دیں۔ سر پر تولیہ خیمہ کی وضع سے ڈال لیں اور تولیہ سے چہرہ کو محفوظ رکھیں اس طریقہ سے پانی کی بھاپ بالوں تک پہنچنے دیں۔ اب کسی صاف تولیہ سے بالوں کو ملیں۔ اوندھی لیٹ جائیں اور سر کو ایک طرف کو کر لیں اور صاف برشوں سے سر کو خوب خوب صاف کریں۔ اس سے چکنائی جاتی رہے گی اور بال پھول جائیں گے اور آسانی سے قابو میں آسکیں گے۔ بھاپ کی نمی ابھی موجود ہو بالوں کو مروڑ کے پن لگا لیں اور غسل کریں یا کوئی اور کام تو بالوں کا جال چڑھا لیں۔ آخر میں برش کرتے وقت ذرا سی یوڈی کولون برش پر چھڑک لیں اور کسی ریشمی رومال سے بالوں کو چلا دیں۔

گہرا سانس

گہرا سانس لینے کا شوق آج کل اس قدر پھیل گیا ہے۔ کہ اسے مرض کہا جائے تو بہتر ہے اور اسے ایک عقیدہ کی سی بھی صورت حاصل ہو گئی ہے۔ مگر اس سلسلہ میں بہت غلطیاں کی جاتی ہیں جن سے نقصان کا اندیشہ ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ صبح کو بستر سے اٹھتے ہی فوراً کھڑکی کھول دی جائے اور اس کے سامنے تن کے اور کولہوں پر ہاتھ رکھ کے

لمبے لمبے سانس لینے مفید ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک تازہ ہوا جس قدر جسم کے اندر سانس کے ذریعہ پہنچائی جائے ۔ فائدہ رساں ہے۔ مگر انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ جس طرح آدمی کے کھانے اور پینے کی حد ہوتی ہے اسی طرح ہوا پھانکنے کی بھی ایک حد مقرر ہے۔ زیادہ ہوا لینے سے پھیپھڑے گھبرانے لگتے ہیں۔ بدن میں تھکن معلوم ہونے لگتی ہے۔ آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں ناک کی باریک جھلی میں جلن محسوس ہوتی ہے۔ ٹانگیں کانپنے لگتی ہیں۔ جو اعصاب کے کھلنے کی علامت ہے۔ گہرے سانس کے لئے پہلے ضروری ہے کہ جسم کو ہلایا جلایا جائے۔ بانہیں اور ٹانگیں ادھر ادھر ہلائی جائیں۔ سینہ ابھارا جائے جس سے ہر سانس کے ساتھ پسلیاں اٹھیں اور ہوا اندر جاکے ہر طرف پھیل جائے۔ دونوں ہاتھ ملاکے کھینچیں یا ڈنڈ کی طرح جسم کو کھینچیں یا پہلے خوب تیز چلیں اور پھر معمولی رفتار سے چلنے لگیں۔ اس طرح مزید ہوا جسم کے اندر درست طریقہ سے پہنچ کے اپنا مفید کام کرے گی۔ سانس ناک سے لیا جائے تاکہ دھواں اور گرد و غبار رک جائے اور ہوا اندر گرم ہوکر جائے یا حسب ضرورت ہوا کے نتھنے ٹھنڈی یا نمدار کر سکیں۔ سانس باہر نکالتے وقت بھی نتھنوں سے کام لیں تاکہ ناک کی جھلی حسب ضرورت گرم سرد یا نمدار ہو اور آئندہ اندر آنے والے سانس کے لئے تیار ہو جائے۔ چلنے کے وقت گہرا سانس لینے کا التزام کرنا مشکل امر ہے۔ دونوں کام ایک وقت میں نہیں ہو سکتے اس سے صحت کو نقصان پہنچنے کا زیادہ امکان ہے سو ورزش اور گہرا سانس دونوں آہستہ اور قائم طور سے جاری رکھے جائیں۔ ایسا سانس بہت اچھا اور اطمینان بخش ثابت ہوتا ہے۔ جلدبازی میں وقت ہوا۔ اور نقل و حرکت سب ہی ضائع ہو جاتے ہیں۔

خانگی ٹوٹکے

سفید کپڑے پر چاء یا قہوہ کے دھبے پڑ جائیں۔ اور وہ لیموں کے عرق سے بھی دور نہ ہو سکیں تو دو چمچیاں سہاگہ کی ۔ رے کے تین چھٹانک کھولتے ہوئے پانی میں ملائیں۔ دھبوں والا حصہ اس مرکب میں ڈبوئیں۔ اور کھینچیں۔ دھبہ جاتا رہے گا۔ اگر کچھ زیادہ رہ جائے یا دھبہ صاف ہو کے جو حلقہ کا نشان رہ جائے تو کھولتا ہوا پانی اسے دور کر دے گا۔

کوبالٹ کلورائیڈ (Cobalt chloride) کا ہلکا محلول ایسی سیاہی بن جاتا ہے۔ جس سے لکھے ہوئے الفاظ نظر نہیں آتے البتہ کاغذ گرم کرنے سے الفاظ نمودار ہو جاتے ہیں۔

روئی کے کپڑوں پر کاسٹک سوڈا کے تیز محلول سے عمل کرنے سے اس کی شکل ریشمی کپڑے کی ہو جاتی ہے اس عمل کے موجد کا نام مرسر تھا۔

سفید بالوں میں آلو ملنے سے خراب نہیں ہونے پاتے۔

نمدہ وغیرہ سے کیڑوں کے دور رکھنے کے لئے پسی ہوئی پھٹکری اور سلفیٹ آف کونین مساوی مقدار میں لے کے چھڑک دیں۔ ہر دوسرے تیسرے مہینہ برش کرکے یہ سفوف چھڑک دیا کریں۔

بانسا کو جلا کر راکھ کر لیں۔ تین برس کا گڑ پانی میں گھول کر آگ پر گرم کریں۔ جب خوب پکنے لگے تو اس میں وہ راکھ ڈال دیں اس کے چاٹنے سے کالی کھانسی دور ہو جاتی ہے۔

نئے برتن کو دھونا ہو تو رات بھر پانی میں بھگوئے رکھیں۔ پانی میں ذرا سا نمک ملا لیں۔

کلف دار کپڑے پہلے صاف پانی سے دھوئیں تاکہ کلف نکل جائے اس کے بعد پانی سے دھوئیں ورنہ رنگ خراب ہو جانے کا ڈر رہتا ہے ہلکے رنگوں کو دھوتے وقت پانی میں قدرے کھانڈ ملا لیں۔ ۔ نیز ان وقت استری کریں جب وہ بالکل خشک ہو جائے۔

پانی میں لیموں نچوڑ کے اسپنج دھوئیں بالکل صاف ہو جائے گا۔

محمد ظفر

سیر بین

گانے کا اثر۔ گانے کا مختلف آدمیوں پر مختلف اثر ہوتا ہے چنانچہ اس کا اندازہ کرنے کے لئے کیمبرج یونیورسٹی کے علم الاذہان کی ریسرچ کے مہتمم نے کچھ عرصہ ہوا پندرہ مرد و عورت گریجوایٹوں کو جمع کیا جن کے مذاق مختلف تھے۔ کوئی موسیقی کا ماہر تھا۔ کوئی اس کا بیحد شائق تھا کسی کا مذاق معمولی تھا، اور کسی کو اس سے ذرا بھی مس نہ تھا۔ کرسیوں پر انہیں اس طرح بٹھایا گیا کہ ان کی پشت گراموفون کی طرف رہی باجے میں مختلف شاعروں کی نظمیں اور گویوں کے راگ تھے۔

جس شخص کو موسیقی سے مس نہ تھا اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اس کی نظروں کے سامنے چیزوں کے مختلف نمونے ہیں جن کو ظاہر کرنے سے پتہ چلا کہ اسے اچھے اور برے گانے میں فرق معلوم ہوا۔ کیونکہ اچھے گانے سے اچھا نمونہ اور بُرے سے بُرا نمونہ آنکھوں کے سامنے قائم ہوا۔ دوسرے کے سامنے ہوائی قلعے بن گئے۔ اوسط درجے کے شخص کے دماغ میں تصورات پیدا ہوئے کسی نے رنگوں کو دیکھا کسی کو کہانیاں سوجھیں پیشہ ور گویے کے دماغ میں تصورات نہیں پیدا ہوئے بلکہ اُسے گانے کی خوبیوں سے دلچسپی ہوئی۔

ایک عورت نے بیان کیا کہ اس کے دائیں بازو میں کوئی چیز چبھتی اور کانوں میں جھنجھناہٹ معلوم ہوئی۔ دوسری عورتوں نے اپنے اثر یہ بتائے، مجھے بڑی خوشی سی معلوم ہوئی۔ مجھے بہت غم محسوس ہونے لگا اور مجھے ایسا معلوم ہوا گویا میں مرنیوالی ہوں۔ میں نے جنازہ کے ساتھ بہت سے لوگوں کو جاتے دیکھا مجھے بڑا سکون معلوم ہوا گویا میں ایک باغ میں چلی جا رہی ہوں اور باد نسیم میرے ساتھ اٹھکھیلیاں کر رہی ہے۔

رُوس کے مُسلمان روس جنگ میں جو جوانمردی دکھا رہا ہے، اس میں وہاں کے مسلمانوں کا بڑا ہاتھ ہے، آذربائیجان، ترکمانیہ ازبکستان، قزاقستان، کرغزہ، تاتاریہ، بشکیریہ، داغستان اور دیگر جمہوریتوں کے مسلمان جان توڑ کے لڑ رہے ہیں اور اپنے گھروں کی حفاظت کر رہے۔ رُوس کے ترک اور تاتاری ہمیشہ سے اپنی بہادری کے لئے مشہور ہیں۔ زاروں کے زمانہ میں مسلمانوں پر سختیاں رہیں۔ مگر سوویٹ راج قائم ہونے کے بعد اُن سے مساوات کا برتاؤ کیا جاتا ہے اور اُن کے لئے وہ سب اعزاز کھلے ہوئے ہیں جو عیسائیوں کے لئے رہے ہیں، زبان سرکاری طور پر روسی اور ہر جمہوریت کی زبان رائج ہے۔ مثلاً قزاقستان میں روسی اور قزان۔ آذربائیجان میں روسی اور آذربائیجانی۔ اُن مدرسوں میں جہاں اسلامی زبانوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔ یکم جنوری ۱۹۴۱ء کو ۰۰ ۱۶۹۲۱۹ طلباء زیر تعلیم تھے۔ وہ مسلمان طلباء جن کو دوسری قوموں کی زبانوں میں تعلیم دی جاتی ہے اس تعداد سے الگ ہیں زاروں کے زمانہ میں ایسی زبان میں تعلیم کی ممانعت تھی۔ اور روسی زبان کے مدرسوں میں مسلمان طلبا کی تعداد بھی محدود رکھی جاتی تھی۔ روس میں اب ۱۲۱۳ مسجدیں ہیں جن میں ۸۰۵۲ ملا اور ۲۸۲ شیخ کام کرتے ہیں۔ ان میں سنی، شیعہ اور اسمٰعیلی شامل ہیں۔ ۱۴۰ اسٹیج تھیٹر ہیں جن میں سے ۱۰۳ روسی زبانوں میں تماشے دکھاتے ہیں۔ ۷۰۴۷ کتب خانے ۲۲۴۸۷ جلسہ گاہیں (کلب) اور ۳۵ عجائب خانہ ہیں۔ ۱۹۲۶ء میں ترکمانی جمہوریت میں خواندہ لوگ ۱۶۲۰۵ مرد اور ۷۶۷ عورتیں تھیں۔ اور ۱۹۳۶ء میں ۹۳۶۳ مرد اور ۲۰۶۲ عورتیں تھیں۔ گویا تعلیم دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ آذربائیجان کی جمہوریت کی آبادی ۳۲ لاکھ ہے ۱۹۳۹ء کی مردم شماری سے پایا گیا کہ ۲½ لاکھ آدمی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، ترکمانی جمہوریت میں ۱۲۵۴۰۰۰ کی آبادی میں سے ۴ ہزار اور قزاقستان کی ۶۱ لاکھ آبادی میں سے ۲۴ ہزار اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، غرضیکہ مسلمان اپنی حکومت سے خوش ہیں اسی لئے وہ روس پر اپنی جانیں فدا کر رہے ہیں۔

۱۳ تیرہ کا وہم

یورپ و امریکہ میں تیرہ کا ہندسہ بہت ہی منحوس سمجھا جاتا ہے، ویسے تو اُردو میں بھی محاورہ ہے کہ تین تیرہ ہو گیا۔ یعنی پراگندہ ہو گیا۔ مگر ان دونوں براعظموں میں تو اس ہندسہ سے بے حد گھبراتے ہیں اور چند سال کا ذکر ہے۔ کہ نارتھ ویسٹرن ریلوے نے اپنی نیند کی گاڑیوں سے تیرہ کا ہندسہ ہی اُڑا دیا۔ سیوکرے کے ہوٹل سے تیرہ نمبر کا کمرہ ہی اڑا دیا گیا ہے۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ امریکہ والے اعتراض کرتے تھے۔ لندن کے نئے ہوٹل نے فرٹنے اس جھگڑے کا قصہ ہی پاک کر دیا۔ کیونکہ اس میں کمروں کے نمبر ۱۴ سے شروع کئے گئے ہیں۔ انگلستان کی دو عام مشہور ریلیں بیٹھنے کی جگہوں کے نمبر ا سے ۱۲ تک رکھ کے بعد میں ان پر حروف تہجی ڈالنا شروع کر دیتی ہیں۔ مردوں کے کلبوں کے مقابلہ میں عورتوں کے کلب اس ہندسہ کو زیادہ ناپسند کرتے ہیں۔ مسافروں کا جہاں تعلق آتا ہے۔ جہازوں میں سے نمبر ۱۳ کا جہاز اڑا دیا گیا ہے۔ بارہ کے بعد چودہ کا ہندسہ ڈال دیا جاتا ہے۔ صرف ایک جہاز میں عرشہ پر ایک کمرہ کا نمبر ۱۳ ضرور ہے۔ وہ بھی بنانے کی غلطی ہو گئی ہے۔ یہ ضعیف الاعتقادی مکانوں اور شادیوں کے سلسلہ میں زیادہ شدید ہے نمبر ۱۳ کا مکان اکثر خالی پڑا رہتا ہے جتیٰ کہ اس پر نمبر ۱۲۔ الف نہ ڈال دیا جائے۔ شادی کے رجسٹرار کے دفتر میں ہر ماہ کی تیرہ کو چھٹی ہی رہتی ہے۔ کیونکہ اس روز شادیاں ہی نہیں ہوتیں۔

آتش فشاں پہاڑ اور زلزلے

آتش فشاں پہاڑ کا پھٹنا زلزلہ کا ہم شکل ہے۔ ان پہاڑوں کو زلزلہ کا سلامتی دروازہ کہا جاتا ہے کسی حد تک یہ درست ہے۔ مگر عموماً حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ ان کے پھٹنے سے زلزلے آتے ہیں اور آگ اور جلتی ہوئی راکھ میلوں تباہی پھیلاتی چلی جاتی ہے۔ آخری مرتبہ کوہ ولسیووی اس تھوڑے تھوڑے سے باقاعدہ وقفہ کے بعد دھوئیں کے لمبے چوڑے کالے ٹھوس نظر آنے والے ٹکڑے باہر پھینک رہا تھا مگر اس سلامتی کے دروازہ سے میسینا کا خوفناک زلزلہ نہ رہ سکا جس کے کھنڈرات پر سے لوگوں کا گزر ہوتا رہتا ہے۔

زلزلے اور آتش فشاں پہاڑ کمزوری کے مقامات کے سلسلہ میں بالعموم واقع ہوتے ہیں۔ ان مقامات پر زمین کا باطن سکڑ کے زمین کی سطح پر شکنیں ڈال دیتا ہے۔ تاریخی طور پر آتش فشانی جدوجہد کے دو بڑے زمانے گزرے ہیں۔ ان میں سے ایک تو اس وقت تھا جب کرہ ارض کی سطح ٹھنڈی ہو کے ٹھوس ہوئی، سکڑی اور تڑخی اور اس عمل میں بے حد دباؤ ڈالنے کا باعث ہوئی جس سے زمین کے اندر کی مائع باہر پہاڑی سلسلوں کی شکل میں نکل آئی۔ اس کے بعد ایک مقابلتہً سکون کا زمانہ آیا جبکہ کرہ کا باطن اور سطح مساوی طور سے سکڑتے رہے۔ اس کے بعد موجودہ آتش فشانی زمانہ شروع ہوا۔ زمین کی تہ اس وقت موٹی اور سرد ہے۔ لیکن باطن کی حرارت سطح کے ذریعہ نکلتے رہنے کی وجہ سے برابر کم ہو رہی ہے۔ یہ سکڑا کرتی ہے جس سے سطح پر بل اسی طرح پڑتے رہتے ہیں جس طرح سیب تری کم ہوتے جانے سے جھری دار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح زمین کی تہ پھولتی، بھربھراتی، ٹوٹتی اور بیٹھ جاتی ہے۔ اور اسی طرح وسیع رگڑ کھا کے چکنی ہو جانے والی سطوح پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ ہائے کوہ کو ابھارتی اور متصل سمندری تہوں کو بٹھا کے نیچی کرتی ہے جس کی وجہ سے اکثر اونچے اونچے پہاڑوں کے قریب تہ بہت گہرا پانی ہو جاتا ہے جیسے امریکہ، نیوزی لینڈ کے ساحل اور کمسکٹکا سے لے کے جاپان کے جزیروں تک لمبے ساحلی علاقہ میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ ان علاقوں کی زمین نئی طبعی حالات کے مطابق ہونے کے لئے کھسکتی ہے نصف دست اندرونی دباؤ سے پہاڑی پگھل جاتی ہے۔ جو لاوا بن کے اوپر کو دھکیلنے اور رفتہ رفتہ جوالا مکھیوں کو پُر کرنے لگتی ہے۔ بعض مقامات باقاعدہ وقفوں سے لاوا چھلک کے باہر بہنے لگتا ہے۔ جیسے ہوائی جزیرہ کے آتش فشاں پہاڑوں میں ہوا۔ آتش فشانی جدوجہد کے خطوط تقریباً ہمیشہ سمندروں اور جھیلوں کے کناروں کے برابر چلا جاتا ہے۔ ان پہاڑوں کے پھٹنے کے وقت ہمیشہ وسیع مقدار میں دھواں نکلا کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہوتا ہے کہ جھیلوں یا سمندروں کا پانی زمین میں مساموں کے ذریعہ جذب ہو ہو کے پگھلی ہوئی چٹانوں

تک جا پہنچتا ہے۔ یہاں وہ بے حد گرم درجہ کی بھاپ اور دباؤ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ غالباً برسوں تک پانی اس زبردست ارضی تنیترے کا پیٹ بھرتا رہتا ہے۔ اور ممکن ہے اس دوران میں پھیلنے کا عمل حرارت پیدا کر کے آگ مشتعل کرنے کا باعث ہوتا رہتا ہے آخر کار یہ دباؤ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ ایک دھماکا ہوتا ہے۔ اگر کم رکاوٹ کا خط کوہ آتش فشاں کے پھٹنے کی جگہ کے سہارے واقع ہوتا ہے، تو پہاڑ معمول کے مطابق پھٹ جاتا ہے لیکن اگر پھٹنے کا راستہ ٹھوس لاوا سے ڈھکا ہوتا ہے۔ تو بھاپ پہاڑ کے پہلوؤں سے پھٹ نکلتی ہے۔ اور اس صورت میں ایک نئی مخروط پیدا ہو جاتی ہے بعض دھماکے بہت شدید ہوتے ہیں۔ پلی جنوبی امریکہ میں اقوا کو نے پتھر ۳۶ میل کے فاصلہ تک پھینک دیئے تھے۔ کوتو پاکسی نے ایک دفعہ ایک چٹان جس کا وزن ۰۰ ۵۶ من تھا۔ ۹ میل پرے پھینک دی بعض دفعہ ان پہاڑوں سے بھوبل نکلتی ہے ۱۸۳۵ء میں نکاراگوا میں کوزگینا نے راکھ کی اس قدر کثیف مقدار اگلی کہ ۲۵ میل کے نصف قطر کے ملحقہ علاقہ میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ ولسیوری اس ۷۹ء کے زبردست اور خوفناک دھماکہ کے بعد وقتاً فوقتاً شدت سے پھٹتا رہا۔ ۱۸۷۹ء میں اس پہاڑ نے اچانک پھٹ کے قدیم جوالا مکھی کے جنوبی نصف حصہ کے پرخچے اڑا دیئے تھے، حالانکہ اس جوالا مکھی کے متعلق خیال تھا کہ وہ معدوم ہو چکی ہے۔ اس کے بعد جتنی دفعہ پہاڑ پھٹا یہی صورت پیش آتی رہی۔ مگر شدت میں کمی تھی۔ تہ کا سخت شدہ لاوا پھٹ نکلتا ہے اور اس کے ساتھ مخروط کے بالائی حصہ کا کثیر جزو بالعموم اڑ جاتا ہے ۱۵۳۸ء میں مونٹی نوو پہاڑ عجب طور سے نمودار ہوا۔ خلیج نیپلز میں مندرجہ بالا پہاڑ کئی دفعہ ملتا اور پھٹتا رہا۔ ۴۸ گھنٹے میں کوہ نوو نمودار ہو گیا کیونکہ مسلسل دھماکوں نے اس قدر پتھر اور راکھ اگلی کہ ۴۴۰ فٹ بلند اور ڈیڑھ میل سے زیادہ محیط کی ایک پہاڑی بن گئی۔ نیوزیلینڈ میں کئی جوالا مکھیاں قطر میں بیس بیس میل چوڑی ہیں۔ معدوم ہو جانے کی وجہ سے اب وہ جھیلیں بن گئی ہیں۔ البتہ بیچ میں جہاں سب سے آخری دھماکہ ہوا، ایک جزیرہ بن گیا۔

آخری زار پچھلی بڑی لڑائی میں روس میں انقلاب ہوا اور زار شاہ روس کا اس کے خاندان سمیت خاتمہ کر دیا گیا۔ اور روس جنگ سے بالکل علیحدہ ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر زار اپنے آخری شاہی سفر کے لئے ایک کی بجائے دوسرا راستہ اختیار نہ کرتا تو وہ بچ جاتا۔ اور شاید اب بھی روس کے تخت پر بیٹھا ہوتا۔ اس کے اڈی کانگ کونٹ بیکن ڈورف نے اپنی کتاب "زار سکو سیلو میں آخری دن" میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ یہ کتاب اس کے قریب ترین ملازم کا تحریر کردہ روزنامچہ ہے۔ وہ شاہی دربار کے زیب و زینت اور شان و شوکت کے بیان سے اپنی کتاب شروع کرتا ہے۔ اس کے بعد اس نے زار کے مقید ہونے کا ذکر کیا ہے جس کا خاتمہ اکاترن برگ میں زار اور اس کے کل خاندان کے قتل ہوا۔

جب پیٹرو گراڈ (سابقہ سینٹ پیٹرس برگ۔ حال لینن گراڈ) میں بغاوت شروع ہوئی، زار میدان جنگ کے صدر مقام پر تھا۔ اس نے زار سکو سیلو کو فوراً واپس ہو جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ آسانی سے ایسا کر سکتا تھا۔ مگر اس نے فوجی نقل و حرکت میں خلل انداز نہ ہونا چاہا اس لئے اس نے لمبا راستہ اختیار کیا جو انقلابیوں کے سپہ سالار روزسکی کے صدر مقام میں سے گزرتا تھا۔ یہ انتخاب مہلک ثابت ہوا! اگر زار اپنے عملہ کے صدر مقام یا منسک کو واپس چلا جاتا جہاں وفادار فوج جمع تھی وہ وہاں آزادی سے اپنے احکام جاری کر سکتا روزسکی کے صدر مقام سے اس کے اعلانات انقلاب پسندوں کے زیر اثر جاری ہوئے۔ زار کے زار سکو تک پہنچنے سے پہلے ہی ملکہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ نیا پہرہ مقرر کیا گیا جس کے سپاہی درشت مزاج، خوفناک، گندے شورش انگیز، جھگڑالو تھے۔ ان کے افسر ان سے ڈرتے تھے اور انہیں محلسرا میں آزادی سے گھومنے اور ہر کمرہ میں درانہ داخل ہونے سے بمشکل روکتے تھے۔ سنتری نیم پالتو ہرنوں پر جو وہاں کے باغ میں رکھے گئے تھے گولی چلانے کی مشق کر کر کے خوش ہوتے تھے۔ شروع میں زار کے ساتھ جب وہ باغ میں

کے لئے نکلتا یا سڑک پر سے برف ہٹانے کی ورزش کرتا۔ ایک سپاہی رہتا تھا۔ بعد میں زار اور اس کے ساتھی باورچی خانہ کا باغ نسب کرنے لگے۔ شروع میں سیر کو جاتے وقت زار سپاہیوں سے سلام علیک کرتا تھا مگر بعد میں اس کی ممانعت کردی گئی۔ انہی دنوں ایک افسر کے ساتھ جو معاینہ کے کام پر تعینات تھا عجب افسوسناک واقعہ ہوا۔ جب زار نے اس سے ہاتھ ملانے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ وہ افسر ایک قدم پیچھے ہٹا اور بولا۔ دنیا کی کوئی چیز مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کرسکتی۔ شاہنشاہ ایک قدم آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ تمہیں مجھ سے کیا شکایت ہے؟ افسر کا منہ کھلا رہا وہ ایڑیوں پر گھوم کے کمرہ سے باہر چلا گیا۔

اس دائمی حراست اور رشک وشبہ میں سپاہیوں نے ولیعہد کی ہوائی بندوق جس میں لکڑی کا کارتوس چلایا جاتا تھا قبضہ میں کرلی کہ وہ خطرہ کی چیز ہے۔ زار سکوسیلو سے اگست ۱۹۱۷ء میں شاہی خاندان سائبیریا لے جایا گیا جہاں سے مارچ ۱۹۱۸ء میں انہیں اکاترن برگ لے گئے۔ یکم اگست ۱۹۱۸ء کو کونٹ مذکور نے جو تین زاروں کا وفادار نوکر تھا اپنے آقا کو خدا حافظ کہا۔

زار کے متعلق اس کی رائے یہ ہے کہ میں شاہنشاہ کی ذات سے خلوص دل سے وابستہ رہا۔ وہ جب تخت نشین ہوا۔ بالکل نوجوان تھا۔ دنیا کا اسے تجربہ نہ تھا اور اس کی سیرت قائم ہونے کا کوئی موقع نہ ملا تھا۔ آخر تک وہ موازنہ کی قوت سے محروم رہا۔ نہ وہ اصول اس کے ذہن نشین ہوسکے جو اتنی بڑی سلطنت کی حکومت کے لئے ضروری تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا ارادہ متزلزل رہتا تھا۔ اور اس کے زمانہ میں واقعات پلٹے کھاتے رہے۔ مگر وہ ذہین نیک ارادہ تھا۔ اس کی سیرت نے اسے اتنی بڑی سلطنت کا بار عظیم اٹھانے اور اپنے آخری زمانہ کے زبردست واقعات کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ رکھا تھا۔ اس کی آزردہ خاطری اور سلطنت کے بوجھ نے آخر اسے کچل کے رکھ دیا۔

پھلجھڑیاں۔ اورنگ زیب کا مقبرہ اورنگ آباد دکن میں ہے اور نہایت سادہ بنا ہوا ہے۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی تدفین کے اخراجات ان ٹوپیوں کی قیمت سے ادا کئے گئے جو خود اس نے اپنے ہاتھ سے سی تھیں ان کی قیمت چھ سات روپیہ سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن پاک کا ہدیہ ۸۰۵ روپیہ وصول ہوا جو غریبوں میں تقسیم کردیا گیا

دارچینی لارل قسم کے پودینہ کی اندرونی چھال ہے۔

کالی مرچ ایک چڑھنے والی بیل کا خشک بیج ہے یہ جزائر شرق الہند میں ہوتی ہے۔ سیاہ مرچ کی ڈوڈیوں کا بیرونی چھلکا اتار دیتے ہیں سفید مرچ حاصل ہوتی ہے۔ سونٹھ ایک چھوٹے سے پودے کی جڑ ہے۔

یونان میں ۱۹۵ دن روزوں کے لئے اور ۲۶۵ دن کاروبار کے لئے مخصوص تھے۔

یورپ میں پھولوں کی ۴۲۰۰ سو مختلف قسمیں اگائی جاتی ہیں جن میں سے صرف ۴۰۰ سے خوشگوار خوشبو آتی ہے۔

دنیا میں جس قدر اخبار چھپتے ہیں ان میں ۶۸ فیصد انگریزی میں چھپتے ہیں۔

محمد ظفر

تجربہ کی باتیں

(۱) سر کے بال اگر گر رہے ہوں تو انڈے کی سفیدی بالوں کی جڑوں میں لگا کر ۵ منٹ کے بعد نہا لینا چاہئے ایسا دو تین دفعہ کرنے سے بال گرنا موقوف ہوجائیں گے (۲) روشنی سے جو پتنگے آتے ہیں اگر پیاز کاٹ کر روشنی کے پاس لگا دیں تو کیڑے پتنگے نہ آئیں گے (۳) گلاب کے جھاڑ میں اگر چاء کا پتا جو استعمال کیا جاچکا ہو اگر روز ڈال دیا کریں تو پھول بڑے اور بہت نکلیں گے۔ (۴) کچے کھوپرے کو کوٹ کر اس کا دودھ نکال کر خوب پکائیں۔ جب تیل اچھی طرح سے اوپر آجائے تو شیشہ میں بھر کر رکھ لیں۔ اور روز سوتے وقت یا دن میں دو وقت ایک بڑا چمچہ پیا کریں بہترین ٹانک ہے۔ یہ سب نسخے آزمودہ ہیں۔

ذکیہ نقی (حیدرآباد)

بزمِ عصمت

(۱) بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں۔ جن میں خریداری نمبر کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جواب عصمت میں پہلے شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو۔ علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ ایڈیٹر

دلی مسرت کے ساتھ یہ خبر شائع کرتی ہوں کہ میری چھوٹی بہن ارجمند بانو سلمہا کی شادی ۹ نومبر کو عزیزم غلام ربانی ڈپٹی کلکٹر گونڈہ سے بخیر و عافیت انجام پائی۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ دونوں میں سلوک، محبت قائم رکھے۔ اور امسال دلہن کو بی اے اور دولھا کو آئی سی۔ ایس میں کامیابی عطا کرے۔

زبیدہ زرّیں دہلی

میں دلی مسرت کے ساتھ تحریر کرتی ہوں کہ میری عزیز بہن رضیہ عبد القادر گل محمد نے ڈاکٹری (ام۔ بی۔ بی۔ اس) کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ میں اس خوشی میں دو روپیہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے ارسال کرتی ہوں۔

طاہرہ عبد القادر عبد اللطیف بنگلور

میں نہایت رنج و افسوس کے ساتھ لکھتی ہوں کہ میری بہن رقیہ بنت قاضی عبد الکریم بعمر ۲۹ سال بتاریخ ۱۵ ستمبر ۴۲ء بروز منگل صبح ۹ بجکر ۴۰ منٹ پر انتقال کر گئیں۔ مرحومہ نہایت خدا ترس نیک نفس اور رہر دلعزیز تھیں۔ رسالہ عصمت سے انہیں بہت دلچسپی تھی۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ پانچ روپیہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے ارسال ہے۔ کوئی بہن قطعہ تاریخ وفات لکھ دیں ممنون احسان رہونگی۔

بایاں بائی قاضی۔ مہایم۔ بمبئی۔

میں اپنی کامیابی کے متعلق خوش ہوں۔ میں نے ایک چھوٹا سا دواخانہ کھولا ہے۔ اپنی کامیابی کی خوشی میں پانچ روپے کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے بھیج رہی ہوں۔

اُلفت بیگم دختر محمد فردوس خاں لیڈر فردوس آباد

ماہ نومبر کے پرچہ میں بہن قدسیہ اختر نے کم خوابی کی شکایت کی ہے۔ بہن صاحبہ کی خدمت میں عرض ہے کہ کافیہ نمبر ۳۰ پینے سے فائدہ ہوگا۔ یہ ہومیوپیتھک دوا ہے اور میری آزمودہ ہے۔ چہرہ کے لئے ونولیا کریم اچھی رہے گی۔ اس سے کسی قسم کے دانے نہیں نکلتے یہ بھی آزمودہ ہے۔

مس نوشابہ سیمول۔ رانچی

میری ایک عزیز سہیلی کے سر کے درد کی شکایت ہے۔ انگریزی۔ یونانی ہر قسم کا علاج ہوا لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا کبھی کبھی سر کا درد بہت بے چین کر دیتا ہے عصمتی بھائی اور بہنوں سے التجا ہے کہ کوئی آزمودہ نسخہ بذریعہ عصمت تجویز فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ آنسہ کے سلطانہ بیگم درخشاں جگدلپور سی پی

میری ماموں زاد بہن طاہرہ بانو۔ رشید خاں ریونیو منسٹر آف جودھپور کی شادی خانہ آبادی مسٹر جی، مولوی سب انسپکٹر آف بمبئی سے ۱۵ نومبر کو قرار پائی ہے۔ ہمارے خاندان میں یہ پہلی شادی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جوڑے کو شاد و خرم رکھے۔ آمین۔ قمر تاج جو سب محمد۔ بمبئی

دُوربین

جنگ کی نئی کروٹ

آخر جنگ نے پلٹا کھایا۔ جولائی سے امریکہ اور انگلستان میں مشورت ہوئی اور شمالی افریقہ کے فرانسیسی مقبوضات میں فوجیں اتارنے کا تہیہ کیا گیا۔ شمالی افریقہ کے ساحل پر ایک الگ تھلگ مکان میں چند انگریز اور فرانسیسی افسر ملتے جلتے اور اُن فرانسیسیوں سے جن کے متعلق معلوم تھا کہ وہ جرمنوں کا غلبہ نہیں چاہتے مصروف ساز باز رہتے۔ ایک کھڑکی کی روشنی اس جماعت کے لئے اندر آنے کی علامت رکھی گئی تھی۔ یہاں کی بات چیت کا ہی اثر تھا کہ افریقہ میں فرانسیسی مقابلہ ہلکا ہوا اور ان سب مقامات پر آسانی سے امریکی و انگریزی فوجیں اتر سکیں جہاں وہ اُتریں۔ اچانک امریکی فوج کا ٹڈی دل انگریزی جہازوں میں سے شمالی افریقہ کے متعدد مقامات پر اُتر کر ہر طرف پھیل گیا۔ پانچسو جہازوں کے ساتھ ۳۵۰ جنگی جہاز استعمال کئے گئے۔ اتنا بڑا بیڑا پہلے کبھی کسی لڑائی میں استعمال نہیں کیا گیا۔ جرمنوں کو معلوم ہوتا ہے پہلے سے اس حملہ کی سُن گن مل گئی تھی چنانچہ ان کی آبدوزوں کا اچھا بڑا بیڑا اس کی گھات میں بیٹھا ملا۔ مگر اُن کی ایک پیش نہ گئی۔ صرف ایک باربرداری کا جہاز ڈوبا اور سارے جہاز صحیح سلامت منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ فرانسیسی مراکش اور الجیریا پر اتحادیوں کا قبضہ ہوگیا اور ان کی فوجیں ٹیونس کی طرف بڑھنے لگیں۔ فرانسیسیوں کا بحری مستقر اوران معمولی مقابلہ کے بعد اتحادیوں کے ہاتھ آگیا اور امیر البحر دارلاں بھی اتحادیوں کے ہتھے چڑھ گیا اور اسے بجائے قید کرنے کے عزت و حرمت کے ساتھ ایک امریکی افسر نے اپنا مہمان رکھا۔ اب مارشل پتیاں کے نام سے اس نے فرانسیسی افریقہ کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور اس نے حکم جاری کیا ہے کہ فرانسیسی بیڑا فرانس کی بندرگاہ طولون سے بچ کر نکل آئے اور افریقہ آجائے۔

دوسری طرف مصر سے انگریزی لشکر بڑھے تو جرمنوں کو باوجود سخت مقابلے کے شکست ہوئی اور وہ پیچھے ہٹنا شروع ہوئے مصری علاقہ خالی کرنے کے بعد وہ طرابلس کے مقامات بھی چھوڑتے جارہے ہیں۔ چنانچہ باردیہ اور طبروق۔ وانہ سیکیلی۔ بن غازی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا ہے۔ مالطہ کے جزیرہ سے انگریزی ہوائی سرگرمی میں شدت پیدا ہوگئی ہے۔ اور اب آسانی سے بھاگتی ہوئی جرمن فوج پر گولندازی جاری ہے۔ دشمن کے بے شمار قیدی ہاتھ آرہے ہیں۔ اور اس کے ساز و سامان کے نقصان کا اندازہ لگانا بے حد مشکل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسے اپنی مشکل کا احساس بخوبی ہوگیا ہے کہ اب اسے شمالی افریقہ میں ٹکنا محال ہے۔ اتحادی افواج کے دل بڑھے ہوئے ہیں۔ مارشل رومیل کی فوج تتر بتر ہوگئی ہے۔

اس نئی اُفتاد سے جرمن غالباً فرانسیسیوں سے ناخوش ہوگئے ہیں۔ ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ چونکہ فرانس میں مقابلہ کی قوت نہیں اور اتحادی عنقریب جنوبی فرانس اور اس کے جزیرہ کورسیکا پر حملہ کرنے والے ہیں اس لئے ان کی دستبرد سے بچاؤ کے لئے جرمنوں اور اطالیوں کے لئے لازمی ہوگیا ہے کہ وہ فرانس کی خود حفاظت کریں۔ چنانچہ غیر مقبوضہ علاقہ فرانس پر جرمنوں نے قبضہ کرلیا۔ مارشل پتیاں نے عارضی صلح کے اس طرح توڑ دینے پر اعتراض کیا مگر توجہ نہیں کی گئی۔ وشی کے ریڈیو پر اب جرمنوں کا قبضہ ہے۔ اور وہاں سے جو پیام فرانسیسیوں کے نام نشر کئے جاتے ہیں۔ اُن میں جرمن تبلیغ اور طرفداری کا پہلو نمایاں ہے۔ لاوِل پریشان حال ہٹلر سے میونک میں ملا۔ اور وہیں سے اس نے مارشل پتیاں کو اطلاعات دیتا رہا۔ اس کے بعد وہ وشی میں واپس آکے مارشل پتیاں سے ملا اور وزرا کا جلسہ طلب کیا۔ ایسا خیال ہے کہ فرانسیسی بیڑا ابھی طولون میں ہی ہے اور اتحادیوں سے نہیں مل سکا۔ نیس کے علاقہ اور جزیرہ کارسیکا پر اطالیہ نے قبضہ کرلیا۔ اطالیہ کو انگریزوں سے ۱۸۷۰ء سے ہی

شکایت تھی کہ انہوں نے ٹیونس اس سے لے کے فرانس کو دلوا دیا ہے۔ یورپی آبادی کا نصف حصہ اطالوی ہے مدت سے اُن کا مطالبہ رہا ہے کہ نیس جزیرہ کارسیکا اور ٹیونس اسے دلا دیا جائے۔ اور فرانس کے مغلوب ہو جانے کے بعد اس نے ہٹلر پر بہت دباؤ ڈالا مگر اس کی کچھ پیش نہ گئی اور ہٹلر نے فرانس کو ساتھ رکھنے کی غرض سے اس کے مطالبات نہ مانے مگر اب اٹلی کا یہ مطالبہ خود بخود پورا ہو گیا۔ ٹیونس نہایت زرخیز ملک ہے اور سیبہ جسبت۔ تیزابی نمک بکثرت ہے۔ شمال مشرق میں لیموں اور سنگترہ خوب پیدا ہوتا ہے۔ وسط میں باغات اور نخلستان ہیں۔ جنوب میں کثرت سے کھجوریں پیدا ہوتی ہیں۔

ٹیونس پر جرمنوں نے حملہ کر کے متعدد مقامات پر قبضہ کر لیا۔ ہوائی جہازوں سے وہ وہاں فوجیں پہنچا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا محاذ چھوٹا کر کے ٹیونس میں اس کے آس پاس امریکہ کی فوجوں سے مصروف پیکار رہنا چاہتے ہیں۔ مگر جنگی مبصروں کا خیال ہے کہ شمالی امریکہ میں محوری اثر ختم ہونے والا ہے اور اب کوئی صورت ایسی نہیں کہ جرمن اپنے قدم وہاں جما سکیں انگریزی اور امریکی فوجیں ٹیونس میں داخل ہو کے مشرق کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ یہاں مستقبل قریب میں فیصلہ کن جنگ ہوتی نظر آتی ہے ہسپانیہ کی حالت بھی اس نئی نقل و حرکت سے خطرہ میں پڑ گئی ہے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ جرمنی اس پر حملہ آور ہو کے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔ گو اس کے پاس اس نئی مہم کے لئے کافی آدمی نظر نہیں آتے۔

روسی مقابلہ شتالین غراد پر روسی برابر اڑے ہوتے ہیں۔ روسی بھی اتحادی نئی فتوحات سے خوش ہو رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ دوسرے محاذ کا قائم کرنا جنگی مبصر ہی خوب جانتے ہیں کہ کس جگہ مناسب ہے۔ روس اور اس کے دیگر ہم خیال غیر روسیوں کا یہ خیال فضول تھا کہ یورپ کے مغرب میں ہی نیا محاذ قائم ہو اور فوراً ہو۔ اب ان کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ شمالی افریقہ کے بہترین مقامات اتحادیوں کے ہاتھ آ جانے سے جنوبی یورپ میں کسی جگہ نیا محاذ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اطالیہ پر خوب بمباری کی جا سکتی ہے۔ افریقہ کے باقی ماندہ علاقہ سے محوریوں کو نکال کے خود روس کو امداد پہنچانے کا نزدیک ترین راستہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

پچھلے بارہ ماہ میں امریکہ اور انگلستان نے ۳۰۵۲ ہوائی جہاز ۴۰۸۴ ٹینک ۳۰۰۱۳۱ موٹریں آٹھ لاکھ ۳۱ ہزار ٹن مشینوں کے اوزار وغیرہ۔ ۵۲ ہزار ٹن ہوائی جہاز دن کی سپرٹ و پٹرول ۶۶ ہزار ٹن گاڑیوں کے چلانے کا تیل روس کو بھیجا۔

جرمنوں نے کوہ قاف میں نچک کے مقام پر قبضہ کر لیا۔ اب اس علاقہ میں برف باری شروع ہو گئی ہے۔ برسن شتالین غراد اور علاقہ گروزنی و قواتسپ سے میں برابر حملے کرتے رہتے ہیں۔ مگر روسی اُنہیں پسپا کر دیتے ہیں۔

جاپانی پسپائی جرمنی اور اطالیہ کے ساتھ جاپانی بے بسی بھی عیاں ہوتی جاتی ہے نیوگنی کا علاقہ پاپوا تقریباً سب امریکہ کے اندر آ گیا ہے۔ اور جاپانی پسپا ہوتے چلے جا رہے ہیں چین میں بھی چینی انہیں کئی جگہ پیچھے دھکیل چکے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ برما میں عنقریب برطانوی پیش قدمی شروع ہوگی۔ رنگون اور اکیاب پر انگریزوں نے متعدد ہوائی حملے کر کے سخت نقصان پہنچایا۔ اکتوبر کے آخر میں جاپانی ہوائی جہازوں نے امریکہ کے ایک آسامی ہوائی اڈے پر چند حملے کئے مگر انہیں نقصان پہنچا کے بھگا دیا گیا۔ جزائر سلیمان میں جاپانیوں نے گودل کنار کا اہم رقبہ لینے کی پھر کوشش کی اور یہاں کئی روز تک ایک زبردست بحری لڑائی ہوتی رہی جس میں جاپانیوں کے متعدد جہاز ڈوب گئے اور انہیں پسپا ہونا پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ امریکہ کو بحر الکاہل میں ایک بڑی فتح عظیم حاصل ہوئی ہے۔

تاروں کا جھرمٹ صوبجات متحدہ میں ہدایات جاری کی گئی ہیں کہ پٹواری ہندی اور اُردو الفاظ رومن میں لکھیں۔ ہردوئی کے مدرسہ قانون گویان میں رومن لکھنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ پٹواریوں کو آزادی دی گئی ہے کہ

وہ اراضی کی رپورٹ اُردو یا ہندی کی بجائے رومن میں لکھ سکتے ہیں۔

ڈسٹرکٹ بورڈ امرتسر نے ضلع بھر میں ہر سائیکل پر دو روپیہ سالانہ ٹیکس لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ کاغذات منظوری کے لئے حکومت کے پاس بھیجے گئے ہیں۔

حکومت کے سامنے یہ تجویز ہے کہ عورتوں کو بھی کنسٹبل کے طور پر بھرتی کیا جایا کرے۔

سوک گارڈ کو پہلے چھ آنے روز ملا کرتے تھے۔ اب اسے دس آنے روز ملا کریں گے۔ اس طرح مارچ ۱۹۴۳ء تک ۱۰½ لاکھ روپیہ کے قریب زیادہ خرچ ہوگا۔ ان کے کپڑوں اور دیگر سامان کے لئے ۱۰½ لاکھ روپیہ مقرر کئے گئے ہیں۔ ضلع کمانڈر کے عہدہ کے لئے موزوں آدمی حاصل کرنے کے لئے اس کی تنخواہ بھی ۷۵ روپیہ سے دوسو روپیہ ماہوار کر دی گئی ہے۔

اگرچہ بحر قلزم کا راستہ اس دفعہ حج کے لئے سہولتیں مہیا نہیں کی جا سکتیں مگر حج کے لئے سفر اس سال براہ بصرہ بغداد کیا جا سکتا ہے۔ کراچی سے معمولی جہاز میں بصرہ جا سکتے ہیں۔ وہاں سے بذریعہ ریل بغداد پہنچ کے پھر موٹر سے سفر مکمل کیا جا سکتا ہے کراچی کی حج کمیٹی جہاز میں بٹھا دینے کے وقت تک ٹھہرنے اور پاسپورٹ وغیرہ حاصل کرنے میں مدد دے گی۔ بعد کے اعلان سے معلوم ہوا کہ جو خبریں عراق بحرین کویت کے راستہ سفر کی سہولتوں کے متعلق شائع ہوئی ہیں۔ وہ قابلِ اعتنا نہیں کیونکہ یہ راستے بھی خطروں سے خالی نہیں۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے بھی خلیج فارس تک جہازوں ہی میں سفر کرنا پڑے گا اور یہ حصہ سفر بھی دشمن کے حملے سے محفوظ نہیں وہاں پہنچ جانے پر بھی کافی موٹروں کی فراہمی مشکل ہے۔ غرضیکہ اس سال سے حاجیوں کے لئے بحری و بری سفر ممکن نہیں۔

ایک نئے قانون کی رُو سے اس کے نفاذ کے وقت شائع ہونے والے اخبار رسالہ یا خبروں کا پرچہ کے علاوہ اور نیا اخبار رسالہ یا خبروں کا پرچہ بلا اجازت مرکزی حکومت کے نہ نکال سکے گا۔ پہلے شائع ہونے والے اخبارات وغیرہ اسی مد میں رہیں گے جس میں تھے یعنی ہفتہ وار، ہفتہ وار، ماہوار، ماہوار۔ فہرستوں، اشتہاروں گراموفون ریکارڈوں کے لفافوں منظر وغیرہ کے کارڈوں کی چھپائی پر بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ صفحات اسی قدر چھاپے جا سکیں گے جتنے اجازت دی ہوئی مقدار میں بن سکیں۔ ان میں حاشیے اور مضامین کے درمیانی فاصلے شامل ہونگے۔

ہنگامی جنگی قانون کے ماتحت الہ آباد میں کچھ ریڈیو ضبط کر لئے گئے ہیں۔ وہ لوگ اس کی سُنی ہوئی دشمن کی جھوٹی باتیں مشہور کیا کرتے تھے۔

اکیاب برما کی بندرگاہ پر جب سے جاپانیوں کا قبضہ ہوا ہے انگریزوں کے ۵۴ ہوائی حملے ہو چکے ہیں۔ وہ کلکتہ سے ۳۴۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ بندرگاہ کو بے حد نقصان پہنچ چکا ہے۔ مگر اس کی اہمیت بدستور قائم ہے۔ اس لئے برما کی پیش قدمی کے وقت اُسے واپس لیا جانا انگریزوں کا اولین فرض ہونا چاہیئے۔

پیر پگارو کی کل پیر کوٹ اور پیر جو گوٹھ والی جائداد بحق حکومت انگلشیہ ضبط کر لی گئی ہے۔

لیڈی فضل حسین کا ۵۰ سال کی عمر میں لاہور میں انتقال ہو گیا۔ انہیں بٹالہ میں دفن کیا گیا۔

الہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کے وقت سر سکندر حیات وزیر اعظم پنجاب نے ظاہر کیا کہ چونکہ علامہ مشرقی نے حسب اعلان حکومت اقرار کر لیا ہے کہ ان کی جماعت محض تمدنی اصلاح میں انفرادی حصہ لیگی اس لئے امید ہے کہ خاکساروں پر سے مجمع ناجائز ہونے کی پابندیاں اٹھا لی جائیں گی۔ جن نوٹوں پر کانگریس کے مقولے اور نعرے درج ہونگے۔ سکہ رائج الوقت نہیں رہیں گے۔ اس لئے لوگ لیتے وقت اچھی طرح دیکھ بھال لیا کریں۔ تاکہ نقصان نہ اٹھائیں۔

اُس خوشگوار صابن کے ذریعے اپنی جلد کی حفاظت کیجئے
کیونکہ جلد کے حُسن کو برقرار رکھنے کے لئے اس پر بھروسا رکھا جا سکتا ہے

رتن بائی
کہتی ہیں

جلد کو ملائم اور بے نقص رکھنے کے متعلق رتن بائی کی رائے قابل اعتبار مانی جا سکتی ہے

اس کی اصلاح پر عمل کیجئے۔ وہ کہتی ہے لکس ٹائلیٹ صابون کے ذریعہ ہر وقت اپنی جلد کو ملائم اور صاف رکھئے جو چیز ہمیشہ اپنی سہیلیوں کو صلاح دیا کرتی ہوں کہ وہ اس صابون کو استعمال کریں لکس ٹائلیٹ صابن جلد کو ملائم اور بے داغ رکھتا ہے کیونکہ اس کا جھاگ موثر ہے اور مساموں میں سے میل اور گرد کا ذرہ بھی باقی نہیں رہنے دیتا جس کی وجہ سے جلد پر دھبے اور داغ رونما ہو سکتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے استعمال سے جلد خاص طور پر ترو تازہ اور مخمل جیسی نرم رہتی ہے۔ رتن بائی یہ بھی کہتی ہے کہ ... اگر آپ لکس ٹائلیٹ صابون کو استعمال کیا کریں تو آپ کی جلد پر ہمیشہ نوجوانی کی جھلک دکھائی دیگی

لکس ٹائلیٹ صابون

LUX TOILET SOAP

LTS 34-773 UD

LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED.

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کے مضامین کے جدید مجموعے

احکامِ نسواں

عورتوں کے متعلق احکام قرآن مجید اور ان کی تفسیر خواتین ہند کے محسن اعظم نے کئی سال تک رسالہ بنات میں یہ تفسیر اس غرض سے لکھی تھی کہ مسلمان عورتوں کو مسائل کے دریافت میں جو دقت ہوتی ہے وہ رفع ہو۔ افسوس موت نے مہلت نہ دی کہ علامہ مغفور تفسیر کو مکمل فرما دیتے تاہم تمام احکام بڑی محنت سے رازق الخیری صاحب نے جمع کئے ہیں۔ علامہ مغفور کی تفسیر کے علاوہ بہت سے احکام کی ضروری تشریح بھی عام فہم اور صاف ستھری زبان میں ہے۔ کتاب زنانہ لٹریچر میں نہایت اہمیت رکھتی ہے اور ہر مسلمان خاتون کے پاس رہنی چاہیئے قیمت ایک روپیہ عہ

محسنِ حقیقی

مسلمانوں کے آقا مولا سردار دوجہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے چند متفرق واقعات۔ مصنف آمنہ لال کے قلم سے اور اس قدر مؤثر پیرایہ میں آنکھ سے آنسو نکل پڑیں۔ مجالس میلاد کے متعلق چند اصلاحی مضامین بھی اس کتاب میں ہیں ۔ قیمت چھ آنے ۶ر

قرآنی قصے

اُن نبیوں اور رسولوں کے مقدس حالات جنکا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ حضرت علامہ راشد الخیری ؒ نے یہ قصے مسلمان لڑکیوں کیلئے انکی سمجھ کے مطابق انکی زبان میں مگر اپنے خاص رنگ میں لکھے تھے عورتوں کیلئے نبیوں کے حالات میں بہترین کتاب ہے جس کا درجہ باعتبار ادب نہایت بلند ہے۔ قیمت ایک روپیہ عہ

گدڑی میں لعل

لڑکیوں اور عورتوں کو سگھڑ ہنرمند کفایت شعار بننے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کیلئے خانہ داری کے متعلق نہایت مفید مشورے دلنشین پیرایہ میں یہ کتاب زنانہ لٹریچر میں بیش بہا اضافہ ہے یہی وہ مضامین ہیں جنہوں نے دس بیس نہیں ہزاروں گھرانوں کی زندگی میں انقلاب کرکے خوشگوار زندگی بنادی قیمت عہ

دُعائیں

حضرت علامہ مغفور کی سب سے آخری تصنیف۔ ہم اپنے مقاصد کی کامیابی کیلئے دعائیں تو مانگتے ہیں مگر نہ دعا مانگنی جانتے ہیں نہ دعا سمجھتے ہیں مصور غم نے اپنے مخصوص رنگ میں اُردو زبان میں نظم و نثر کی یہ دعائیں لکھی تھیں۔ جو اس قدر پُرسوز دگداز اور درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں ایک ایک جملہ اور ایک ایک مصرعہ کلیجہ کے پار ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید کی دعائیں۔ پیغمبروں کی دعائیں سرور کائنات اور آپ کے عزیزوں کی دعائیں بھی ہیں۔ باعتبار ادب دعاؤں کی کوئی کتاب اس قدر بلند درجہ نہیں رکھتی ۔ قیمت آٹھ آنہ ۸ر

چمنستانِ مغرب

خانہ داری تاریخ، ادب، معاشرت غرض ہر موضوع پر جو خواتین کیلئے مفید ہوسکتا ہے انگریزی زبان کے چند بہترین مضامین کے عام فہم ترجمے جن کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت علامہ مغفور کا رنگ بھی انہیں جھلک رہا ہے جنہیں پڑھکر ترجمہ کا گمان نہیں بلکہ طبعزاد کا دھوکا ہوتا ہے مشرق کے بہترین ادیب نے مغربی لٹریچر کو اردو زبان میں منتقل کیا تو اس سلیقہ کے ساتھ کہ مشرقی بیبیاں ادبی دلچسپیوں کا لطف اٹھانے کے علاوہ خانہ داری اور ازدواجی زندگی میں تجربہ کی باتوں سے بہت کچھ فائدہ اٹھاسکیں۔ قیمت ایک روپیہ عہ

دلّی کی آخری بہار

۶۰ برس پہلے دلی کیا تھی۔ مرد عورتیں بوڑھے بچے کس طرح بے فکری اور سادگی کے ساتھ زندگی کا لطف اُٹھاتے تھے میلے ٹھیلے کس طرح منائے اور سیر و تفریح کس طرح کیجاتی تھی۔ اس کا جواب اس کتاب میں ملیگا جو نصف صدی پہلے کی معاشرت محبت تعلقات اور وضعداری کی دردانگیز کہانیاں اور دلی کی بربادی کے جگرخراش افسانے ہیں جنہیں علامہ مغفور نے انشاپردازی کا کمال ہی نہیں دکھایا قلعہ معلی کی کوثر سے دھلی ہوئی بیگماتی زبان ہی نہیں لکھی بلکہ فسانہ غضب سُناکر درد مند دلوں کو تڑپا دیا ہے ۔ قیمت ایک روپیہ عہ

مسلی ہوئی پتیاں

دلی کی بیگماتی زبان میں زنانہ خطوط انشاء کی معمولی کتاب نہیں حیات انسانی کے وہ راز ہیں کہ پڑھکر بیساختہ جی چاہتا ہے کہ الفاظ کو اُٹھاکر آنکھوں پر رکھ لیجئے مصنف مصور غم کا سب سے پہلا مضمون جو ۱۸۹۳ء کے مخزن میں شائع ہوا تھا وہ بھی اس مجموعہ میں شامل ہے ۔ قیمت چھ آنے ۶ر

داستانِ پارینہ

حضرت مصور غم جامع حیثیات مصنف تھے ان کی افسانہ حیثیت کے آگے بڑے بڑے نقادوں کو گردن جھکانی پڑی اسلامی تاریخ سے منیم ناول دیکھ چکے اب تاریخی مضمونوں کا مجموعہ پڑھیئے اور دیکھیئے کہ تاریخ میں افسانہ سے بڑھ کر لطف پیدا کردینا علامہ راشد الخیری جیسے انشاپرداز مورخ کا کام تھا واقعات سب تاریخی ہیں مگر پیرایہ بیان بار بار پڑھنے پر مجبور کرتا ہے قیمت [illegible]

شادی کا انتخاب

اس وقت اولاد کی شادی کا انتخاب مسلمانوں کے لئے نہایت اہم مسئلہ ہے کوئی خاندان ایسا نہ ہوگا جہاں والدین پریشان نہ ہوں کہ جوان لڑکیاں بیٹھی ہیں اور موزوں بر نہیں جڑتا۔ لڑکیاں اس معاملہ میں دم بخود ہیں اور والدین بھی حالات کے تحت میں کرنے پر مجبور۔ لڑکیاں شادی کے وقت کیا کریں اسلام نے ان کو کیا حق دیا ہے شادی کے وقت کن باتوں کو دیکھنا چاہئے۔ علامہ مغفور نے بیمار پڑنے سے قبل اس موضوع پر کتاب لکھنی شروع کی تھی۔ لیکن موت نے کتاب کی تکمیل کی مہلت نہ دی۔ جس قدر صفحے لکھے جا چکے تھے ان کے ساتھ عصمت کے تیس سال کے فائل سے تلاش کرکے اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ مضامین جمع کئے ہیں قیمت ۸ر

عروسِ مشرق

یورپ کی اندھا دھند نقالی اور مغربی تہذیب کے زہر آلود اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے تہائی صدی تک حضرت مصور غم نے اپنی مخصوص طرز میں بے بہا مضامین تحریر فرمائے تھے۔ یہ ان کا مجموعہ ہے ان مضامین ان مشرقی خوبیوں کو جو روز بروز مٹ رہی ہیں اور جن پر ہندوستان کے بسنے والے ناز کرتے تھے۔ موثر پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ قیمت دس آنہ ۱۰ر

بزمِ رفتگان

اُردو ادب کے غیر فانی مرثیے جو ملک کی مایہ ناز خواتین اور باکمال شعراء و ادبا کی یاد میں لکھے گئے تھے اور جو معدن ادب کے بیش بہا جواہر ریزے ہیں حضرت علامہ مغفور کا یوں تو ہر مضمون تاثیر سے لبریز ہوتا ہے مگر بزم رفتگان کا ایک ایک فقرہ اور ایک ایک جملہ درد و اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔ اُردو زبان میں نثر کے بہترین مرثیے با تصویر ہیں۔ قیمت دس آنے ۱۰ر

نالۂ زار

خواتین ہند کے محسن اعظم کے درد انگیز مضامین جن میں عورت کی مختلف حیثیت پر بحث کیگئی ہے یہ وہ معرکۃ الآرا مضامین ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں نالۂ زار میں عورتوں کی مظلومیت کا مرقع اور انکے مصائب و آلام کی درد انگیز داستانیں جنہیں پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اور سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ قیمت بارہ آنے ۱۲ر

زیورِ اسلام

مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کے لئے نہایت موثر مذہبی مضامین جن کے مطالعہ سے انہیں معلوم ہوگا کہ انکی ہستی کیا معنی رکھتی ہے اور آئندہ زندگی کو خطرات سے بچا کر ایک مسلمان کی حیثیت سے پُر لطف و باطمینان زندگی کس طرح بسر کیجاتی ہے خدا اور اسکے بندوں کے ان پر کیا حقوق ہیں اور انہیں دینی و دنیاوی فرائض کو خوش اسلوبی کیساتھ کس طرح انجام دینا چاہئے خشک سے خشک موضوع کو اس قدر لطیف اور دلآویز پیرایہ میں بیان فرمایا ہے کہ مجال ہے طبیعت ذرا اُکتا جائے۔ معمولی پڑھی لکھی عورتوں ہی کے لئے نہیں تہذیب جدید کی دلدادہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کے لئے بھی اس مجموعہ میں گراں بہا اسلامی معلومات ہیں جو زندگی کو کامیابی کے ساتھ بسر کرنے میں مدد دیں گی۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)

بیفکری کا آخری دن

اور دوسرے مضامین کنواری بچیوں کیلئے جن کا مقصد یہ ہے کہ ان میں اچھی عادات و خصائل پیدا ہوں۔ وہ اپنے فرائض سمجھنے لگیں خوشگوار زندگی گذارنے کی تیاری کرسکیں۔ اپنے والدین کو نعمت جانیں اور کنوارپنے کی قدر کریں۔

قیمت چار آنے (۴ر)

بُلبلِ بیمار

لڑکیوں کی تعلیم و تربیت اور پردے کے مختلف پہلوؤں پر طبقۂ نسواں کے سب سے بڑے نباض نے تہائی صدی تک غور و فکر کے بعد جو بیش بہا مضامین تحریر فرمائے تھے انکا بے انتہا قیمتی مجموعہ خشک سے خشک موضوع کو نہایت دلآویز پیرایہ میں بیان فرمانے کی مصور غم خداداد قابلیت رکھتے تھے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو بڑی خوش اسلوبی سے حل فرمایا ہے۔ قیمت دس آنے ۱۰ر

سیاحتِ ہند

ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں کا علامہ مغفور نے دورہ فرمایا تھا اور دورہ کے جو حالات عصمت و بنات میں تحریر فرماتے تھے وہ سب اس کتاب میں جمع کئے گئے ہیں جو ہندوستان کے مختلف مقامات کی تعلیم یافتہ دردمند خواتین و حضرات کا تذکرہ ہے جس سے مختلف صوبوں کی معاشرت و تمدن سے واقفیت ہوتی ہے اور علامہ مرحوم کی طبیعت عادات و خصائل کا پتہ چلتا ہے قیمت عہ

یادگارِ تمدن

تمدن حقوق نسواں کی حمایت میں پہلا اور آخری مردانہ رسالہ تھا۔ اسکے اڈیٹر کی حیثیت سے علامہ مغفور نے جو مضامین لکھے تھے انکا مجموعہ ہے طرز بیان دلآویز اور موثر ہے کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے انشاپردازی کا نمونہ ہے قیمت ۶ر

مسلمان عورت کے حقوق

حقوق نسواں کی حمایت میں وہ مضامین جو ہزاروں انسانوں سے آنسوؤں کا خراج حاصل کر چکے ہیں۔ جو مرد خانگی زندگی خوشگوار بنانے کے آرزومند ہیں یا جو عورتیں معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ اسلام میں ان کی کیا وقعت اور کیا درجہ ہے وہ اس مجموعہ کا مطالعہ کریں جس میں مسلمانوں کی بہتری ... کا درد ہے ممکن نہیں کہ وہ ان مضامین کو پڑھے اور نہ تڑپ اُٹھے قیمت (۱۲ر)

نامور خواتین کے لکھے ہوئے ناول اور افسانے

شہیدِ وفا

سلسلے نے دُنیا کے سامنے محبت اور وفا کا جو دردناک نمونہ پیش کیا ہو شہید وفا میں پڑھیئے دل لرز جائیگا آنکھیں پُرنم ہوجائیں گی اور ایک بہادر لڑکی کی تصویر آپ کی آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔ ہندوستان کی مشہور افسانہ نگار محترمہ امتہ الوحی صاحبہ کا مشہور افسانہ ہے جس کے ساتھ موصوفہ کے ۸ اور دلچسپ افسانے بھی آپ کی دلچسپی کے لئے حاضر کئے گئے ہیں۔

یہ ۸ افسانے بھی محترمہ موصوفہ کے نہایت مؤثر نتیجہ خیز بہترین افسانے ہیں۔ ہر افسانہ درد اور جذبات کی سچی تصویر ہے مرد اور عورتوں کیلئے یکساں دلچسپی کا سامان شہید وفا اور ان افسانوں میں عصمت تہذیب النخلیل انقلاب وغیرہ سے شاندار ریویو کئے ہیں ضخامت دو سو صفحوں کے قریب ہے قیمت صرف (عہ)

فیروزہ

ایک دولتمند مگر یتیم و بیکس لڑکی کا افسانۂ غم۔ شرافت اور انسانیت کی دل ہلادینے والی قربانیاں جن سے معلوم ہوگا کہ کس وجہ سے ایک شریف عورت اپنے شوہر کو ایک دوسری عورت کے حوالہ کردیتی ہے۔ لالچ بے ایمانی اور ہنگامی جذبات کے قابلِ نفرین مرقعے۔ احسان فراموشی محسن کُشی کے کمینے حملے اور استقلال و دوراندیشی کی فتح ایک سبق آموز افسانہ بنائے گا کہ بڑی بڑی مشکلات کا مقابلہ کرنے پر بھی عورت اعلیٰ تعلیم، سلیقہ شعاری اور معاملہ فہمی کی بدولت زندگی خوشگوار بناتی اور قومی خدمات انجام دے سکتی ہے۔ عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ جمیلہ بیگم صاحبہ کاکمنہ کی تصنیف ہے۔

قیمت آٹھ آنے (۸)

انوری بیگم

اُردو کی نامور افسانہ نگار محترمہ طیبہ بیگم مسز نواب خدیو جنگ بہادر کا مشہور و مقبول ناول بیماری تیمارداری کے عنوان سے عصمت میں چند قسطیں شائع ہوکر دھوم مچ گئی تھی۔ اس دلآویز ناول میں حیدرآباد کے ایک شریف معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کی بلند معاشرت دکھائی گئی ہے۔ انوری بیگم جو قصے کی ہیروئن ہے بیمار اور تیمارداری اور تندرستی منگنی اور شادی کے حالات نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں لکھے ہیں۔ تمدنی خرابیوں اور پُرانے رسم و رواج کی پابندیوں کے نقصانات خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں پلاٹ میں نہایت دلکشی اور طرزِ بیان میں بے تکلفی اور سادگی ہے حیدرآبادی ماؤں کی زبان بھی خوب لکھی گئی ہے، کہیں کہیں ظرافت کی چاشنی ہے، اُردو میں خواتین کے لکھے ہوئے ایسے بلند معاشرتی ناول کم نکلیں گے لکھائی چھپائی عمدہ قیمت (عہ)

جان باز

ہندوستان کی نامور افسانہ نگار محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ کے افسانے پلاٹ کی دلآویزی کے اعتبار سے ادبی حلقوں میں نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ محترمہ موصوفہ ہندوستان کے بہترین افسانہ نگاروں میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہیں جانباز ان کا اصلاحی معاشرتی ناول ہے جس میں ایک معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کے حالات نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں زبیدہ اپنے منگیتر کے لئے کیا کیا قربانیاں کرتی ہے مسٹر قمر ایک کم حیثیت مغربی لڑکی کے ہاتھوں کسطرح اپنی پُرمسرت زندگی کو تباہ کرکے موت کے مُنہ میں پہنچ جاتے ہیں خان حسن کا ایک سچا دوست تمام مشکلات کو کس طرح حل کرتا ہے اور اپنے دوستوں کی خاطر کیسی کیسی قربانیاں کرکے محوِ حیرت کردیتا ہے۔ ایسے ایسے باب ہیں کہ آپ عش عش کریں گے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲)

دولت پر قربانیاں

تعلیم یافتہ اور روشن خیال لڑکی اس وجہ سے کہ غیر کفو میں شادی کرنے سے ترکہ پدری دینا ہوگا۔ برادری کے لڑکے سے جو لڑکی کے لئے عمر و قابلیت وغیرہ کے لحاظ موزوں نہیں اور مذاق و خیالات جداگانہ رکھتا ہے شادی کرنیکے دردناک نتائج اور دولت کے لالچ میں سوکن پر بیٹی بیاہنے کا عبرتناک انجام۔ ہندوستان میں لاکھوں بے زبان لڑکیاں رواج اور دولت کی چوکھٹ پر قربان کی جارہی ہیں۔ انعامی سلسلے کے یہ ۵ بہترین افسانے ہیں۔ قیمت ۸/

غیرت کی پتلی

محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ منشی فاضل سابق اڈیٹر شریف بی بی کا لکھا ہوا ایک سبق آموز دلچسپ قصہ جس میں مختلف الخیال عورتوں کے حالات ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اولوالعزمی اور ہمت سے عورت کس طرح بگڑا ہوا گھر بنا سکتی ہے دولت کے لالچ میں اور چھوٹی حیثیت کے لوگوں میں شادی کرنے کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔

قیمت چھ آنے (۶)

چار رُخ

عصمت کی مشہور انشاپرداز محترمہ انیس فاطمہ بنت لبیق مرحوم کا لکھا ہوا ایک نتیجہ خیز افسانہ ہے جس میں چار عورتوں کی عبرت اور سبق آموز آپ بیتی ہے چاروں کہانیاں اچھی ہیں اور انہیں مغربی تمدن کی اندھا دھند تقلید، عیسائی مشنریوں کی صحبت، رواج کی پابندیوں کے نہایت دردناک نتائج دکھائے گئے ہیں۔ کتاب نہایت مختصر ہے لیکن جو نتیجے اس سے نکلتے ہیں وہ نہایت اہم ہیں۔ قیمت چار آنے (۴)

ادبِ زرّیں

محترمہ حجاب اسمٰعیل نثر میں خوب شاعری کرتی ہیں انکے چھوٹے چھوٹے لطیف مضامین انکے بلند تخیل عبارت کی رنگینی اور جذبات کی ترجمانی کا بہترین آئینہ ہوتے ہیں اس مجموعہ میں وہ مضامین ہیں جو مختلف رسائل میں شائع ہوکر خراجِ تحسین حاصل کرچکے ہیں قیمت ۸/

نغماتِ موت

ان دلآویز مضامین کا مجموعہ مصنفہ نے اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھے تھے اور جو اردو کے مشہور رسائل میں شائع ہوکر مقبول ہوچکے ہیں دلی جذبات کا آئینہ اور نظم و نثر کا بہترین نمونہ ہیں محترمہ حجاب کے اندازِ بیان کی دلکشی اور انکے شاعرانہ خیالات کی [illegible] اور رنگینی پورے طور پر نغماتِ موت میں نمایاں ہے۔ قیمت ۶/

دلچسپ اور مفید زنانہ کتابیں

تاریخی لطیفے

دُنیا کے نامور مصنفوں شاعروں بادشاہوں شہزادیوں وغیرہ کے لطیفے جو بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کے بہترین نمونے ہیں تہذیب اور متانت کے ساتھ اسکے مطالعہ سے دل بہلنے کا، ہنسی آنے گی اور معلومات میں اضافہ ہوگا کوئی لطیفہ عرضی یا من گھڑت نہیں - تاریخی حیثیت رکھتا ہے - از محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ مولفہ عصمتی دسترخوان وغیرہ - قیمت ۸/

ہنسی کی باتیں

عامیانہ اور بازاری لطیفے نہیں جو پھکڑ پن سے بھرے ہوتے ہیں یہ کتاب ہندوستان کے معزز گھرانوں کی محترم خواتین کے ننھے منے طبعزاد مہذب لطیفے ہیں جنہیں پڑھکر سنجیدہ طبائع بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں لطف یہ ہے کہ بیقرار تہذیب گلا ہوا کوئی لطیفہ نہیں مہذب ظرافت کی بہترین کتاب ہے، عورتوں مردوں بڈھوں اور بچوں سب کو پسند ہے از محترمہ آمنہ نازلی قیمت ۸/

پھولواری

پھولوں کی کاشت کیاری اور باغیچہ کی نگہداشت اور انگریزی ہندوستانی اور ہر موسم اور ہر قسم کے پھولوں کے متعلق نہایت مفید معلومات از محترمہ سردار رعنا قیمت ۸/

عقل کی باتیں

بڑے بڑے پیغمبروں بادشاہوں مصنفوں شاعروں اور فلاسفروں کے وہ.. اقوال جو برسوں کے تجربوں پر مبنی ہیں جنہیں ہنسی خوشی کامیابی سے زندگی گذارنے کا راز ہے جن میں حیاتِ انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیاں سلجھانے کا حل ہے جو دل بہلانے غم غلط کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں - ان بیش بہا مشوروں کو سوچنے اور ان پر غور کرنے سے عقل بڑھتی ہے اور انسان زندگی میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے - بہت محنت سے تیار کی گئی ہے - از محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ قیمت ۸/

تندرستی ہزار نعمت

عصمت کی مایۂ ناز مضمون نگار محترمہ زہرہ فیضی بمبئی کے نہایت مفید مضامین جن میں صحت قائم رکھنے کے چند اُصول بڑی خوبی سے بیان فرمائے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی سیاحت امریکہ اور یورپ کے تجربات بھی تحریر فرمائے ہیں آنکھیں - آنکھوں کا تعلق ہاضمہ سے دانت صاف کرنے پینے کا پانی - نیند کتاب کے اہم عنوانات ہیں قیمت ۸/

خواتین اندلس

اندلس یعنی اسپین میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک جس شان سے حکومت کی ہے تاریخ سنہری الفاظ میں ہمیشہ اس کو دہراتی رہے گی مسلمانوں کے زمانہ میں سرزمین اندلس میں ایسی ایسی باکمال خواتین پیدا ہوئی تھیں جنہوں نے علوم و فنون کے دریا بہا دئے اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اس زمانہ میں طبقہ نسواں میں کیسی کیسی پایہ کی شاعر ادیب مصور بذلہ سنج لطیفہ گو - حاضر جواب تھیں - طرز بیان بہت دلچسپ، تاریخ میں افسانہ کا لطف ہے قیمت ۸/

پردہ و تعلیم

از حضرت امام اکبر آبادی و ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب اس کتاب سے معلوم ہوگا کہ تعلیم نسواں کی طرف سے غفلت کرنے سے مسلمانوں کو کیسا شدید قومی نقصان پہنچ چکا ہے لہذا اب انکی ترقی و بہتری کی کیا صورت ہے اس کتاب میں ہر مذہب کی عورتوں کا مقابلہ کرکے پردہ پر قرآن و حدیث کی رُو سے اسلامی بلکہ سیاسی و معاشرتی نقطۂ نظر سے بھی بحث کی گئی ہے - مشہور افسانہ نگار محترمہ ایس آر کرانیہ مصنفہ نیرنگ لکھتی ہیں اس موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گذری قیمت ۱۲/

بچوں کی تربیت

اگر آپ کے گھر میں ننھے بچے ہیں تو ضرور یہ کتاب منگا لیجیے کیونکہ بچوں کی پرورش اور تربیت پر اس قدر آسان پیرایہ میں ایسی مفید کتاب اُردو میں آجتک شائع نہیں ہوئی دہلی کے شریف گھرانوں میں بچوں کی پرورش میں جن باتوں کا خیال کیا جاتا تھا آج جن بیماریوں پر اشرفیاں خرچ کیجاتی ہیں - اسوقت پیسوں میں کام ہو جاتا تھا وہ سب اس میں جمع کی گئی ہیں پھر سائنس اور حفظان صحت کے اصولوں پر لکھی گئی ہے اور ذاتی تجربے بیان کئے گئے ہیں از مولوی عبدالغفار خیری سابق پروفیسر امریکن یونیورسٹی بیروت قیمت ۱۰/

زنانہ نظموں کے دو مجموعے

آئینہ جمال

یعنی دورِ حاضرہ کی نامور شاعرہ محترمہ لطیفن جمال صاحبہ کی نظمیں نہایت دلآویز اور اخلاق آموز اسلام کے دور اولین کے سبق آموز منظوم واقعات درد قومی کے جذبات مناظر قدرت کی مصوری جذبات نسوانی کی صحیح ترجمانی صنفی کی لطافت کیا خوبی آئینہ جمال میں نہیں خوف خدا پاس مذہب حب وطن ایثار ہمت ہمدردی کے جذبات اسکے مطالعہ سے پیدا ہوتے ہیں قومی ملی اخلاقی تاریخی نیچرل نظموں کا بہترین مجموعہ قیمت ۱۲/

شمع خاموش

اُردو کی مشہور شاعرہ محجوبہ بیگم لکھنوی کی درد انگیز اور موثر نظموں کا مجموعہ مولانا راشد الخیری اڈیٹر عصمت نے دیباچہ لکھ کر مرتب کیا ہے یہ نظمیں ہندوستانی مسلمان عورتوں کی مظلومیت کا صحیح تریب فوٹو ہیں اُردو رسائل میں شائع ہوکر مقبول ہو چکی ہیں ہر ہر شعر درد سے لبریز ہے پڑھکر آنسو امڈ آتے ہیں کسی خاتون کے کلام کا ایسا درد انگیز مجموعہ ابتک نہیں چھپا زبان آسان اور عام فہم ہے - قیمت ۶/

عصمتی دسترخوان کا دوسرا حصہ

مشرقی مغربی کھانے

جس کی ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہیں سب ترکیبیں نئی ہیں اور ایک ایک چیز کی کئی کئی ترکیبیں ہیں مشرقی مغربی کھانے کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں کہ اس میں کھانے پکانے کے سلسلے میں تقریباً ۰۰ا کے نہایت ہی کارآمد مضامین ہیں جو بڑی کوشش اور محنت سے حاصل کئے گئے ہیں عنوانات یہ ہیں :- علم غذا کے متعلق ایک یورپین خاتون کا مفصل مضمون - ہماری خوراک پر ایک سائنٹیفک مضمون کھانے کے اصول پکانے کے اصول - کھانے کی حفاظت - جرمنی باورچی خانہ ایک جرمن خاتون کا مضمون باورچی خانہ کیسا ہو - باورچی خانہ کی ضروریات اناج کا عنصر ونق - کچی سبزی ترکاریوں کے خواص - ترکاریوں کی حفاظت - کھانے کا کمرہ - بوتل خانہ - نعمت خانہ - پھلوں کے فائدے - ایرانی دعوت - جاپانی باورچی خانہ -

کھانے پکانے کے متعلق ایسے ایسے کارآمد بیش قیمت مضامین کھانے پکانے کی کسی کتاب میں آجتک شائع نہیں ہوتے -

مشرقی مغربی کھانوں میں سادے ترکاری کے سالن کی ۰ا ترکیبیں نئی اور مختلف قسم کی بریانی پلاؤ - کھچڑی متنجن پلاؤ - مزعفر زردہ کی ۲۸ نئی ترکیبیں ہیں اور اسی طرح بہت سے کھانے اس کتاب میں بہت زیادہ ہیں عربی ایرانی ترکی جاپانی - عراقی کھانوں کی ترکیبیں بھی کافی ہیں - اور انگریزی جرمنی فرانسیسی روسی اطالوی کھانوں کی ترکیبیں ہیں - جدید اڈیشن بھی قریب الختم ہے - قیمت دو روپے (عہ) مجلد دو روپے چھ آنے (عہ۶)

کپتان ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب میڈیکل افسر کی تکمیل کتاب

زچہ خانہ

ہندوستان میں ہر سال لاکھوں عورتوں کی جانیں زچگی کے سلسلہ میں ضائع ہیں نہ ہر جگہ ایسا معقول انتظام ہے کہ امیر و غریب فائدہ اٹھا سکیں - نہ ہندوستانی زبانوں میں کوئی ایسی کتاب شائع ہوئی تھی جو انہیں پورا پورا فائدہ پہنچا سکے کپتان موصوف کی طبی ہدایتوں سے ہندوستان میں ہزاروں عورتوں نے زچگی کے پہلے اور بعد میں فائدہ اٹھایا ہے کپتان صاحب نے مشکل سے مشکل پیچیدہ اور خشک عنوانوں پر اسقدر عام فہم اور دلآویز پیرایہ میں اظہار خیالات فرماتے ہیں کہ معمولی قابلیت کی خواتین بھی ان سے پوری طرح فائدہ اٹھاتی ہیں - کپتان صاحب یہ کتابیں نہایت دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ تحریر فرمائی ہیں جنہیں حاملہ زچہ کے متعلق کوئی بات چھوڑی نہیں گئی پھر جو مشورے دیئے گئے ہیں وہ سب ہندوستانی معاشرت کو ملحوظ رکھکر جن سے ہندوستانی عورتیں فائدہ اٹھا رہی ہیں -

حاملہ و زچہ

دونوں حصوں میں ۲۶ فوٹو بلاک کی تصاویر ہیں جو ... کے بعد خاص طور پر اس کتاب کیلئے لیگئی ہیں اور شکلیں بہت صاف اور واضح ہیں دونوں حصوں کی ... ساڑھے تین روپے علاوہ محصولڈاک ہے ہندوستان کی کسی زبان میں اس موضوع پر محنت اور قابلیت سے لکھی ہوئی اتنی مفید اور کارآمد اس قدر جامع اور مفصل مکمل کتاب ہندوستانی عورتوں کے لئے آجتک شائع نہیں ہوئی - ہر گھر میں اس کتاب کی ضروریات میں سے ہے جس نے مہنگائی بحد پسند کی قیمت دونوں حصے ساڑھے ...

صنعت و حرفت

خواتین ہند کو بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے پیمانہ پر ... کرنے اور روزمرہ کی ضروریات سے ہر ماہ ایک معقول رقم پیدا ... کے بے بہا مشورے کئی سال کی محنت کے بعد محترمہ افسر الحفیظ اہلیہ مولوی عبد الرحیم صاحب چیف کیمسٹ نے ایک ایک چیز کا ... کرکے یہ ضخیم کتاب تیار فرمائی ہے جس میں ایک ایک چیز کئی کئی قسم کی تیار کرنے کے لئے نہایت صحیح اور آزمودہ نسخے نہایت احتیاط سے درج کئے گئے ہیں - صابن سازی - ... کے سامان - رنگ روغن - دانتوں کے لئے منجن - کریم اور چہرے کے پاؤڈر - ویسلین غازہ حسن - بام - میڈیکیٹڈ تیل اور روغن خضاب - مختلف اشیا کو جوڑنے کے مسالے ... وغیرہ - بوٹ - شو کریم اور پالش - شربت سازی اور سرکہ - لاکھ کی تجارت - بڑا اور تکمہ کی تجارت - اچار - مربے - چٹنیاں وغیرہ - خوشبودار تمباکو - خوردنی ... تیزاب عطریات - اسپرٹ - تیل اور کتھہ - چاک اور بتیاں - کافور اور ارنڈی کا تیل - نشاستہ - آئس کریم - کھلونے بنانا وغیرہ ۱۴ باب ہیں اور ہر باب میں ایک ایک چیز کے مختلف قسم کے آٹھ آٹھ دس دس بلکہ پندرہ پندرہ آزمودہ نسخے ہیں - بازاری کتابوں کی طرح کوئی نسخہ سنا سنایا درج نہیں ... اندازہ سے لکھا گیا ہے نہ کسی کتاب سے ترجمہ کیا گیا ہے - بلکہ تجربہ کیا ہوا ہے - ہندوستان کی کسی زبان میں اس موضوع پر اس قدر صحیح اور مستند اتنی مفید اور کارآمد کتاب آجتک نہیں چھپی کتاب صنعت و حرفت نادار اور کم استطاعت عورتوں کی مالی پریشانیاں ختم کر دے گی وہ گھر بیٹھے خودداری کے ساتھ زرکثیر کما سکیں گی - خوشحال بیبیاں کتاب صنعت و حرفت کی موجودگی میں ہر ماہ ایک رقم جمع کر سکیں گی -

قیمت دو روپے مجلد سوا دو روپے محصولڈاک بذمہ خریدار

...ورت کی سب سے بڑی خوبی

...ہے کہ وہ امورِ خانہ داری میں ماہر ہو۔ عورت کتنی ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ کتنی ہی خوبصورت اور کتنی ہی
...ت مند کیوں نہ ہو۔ اگر گھرداری کے کام کاج اچھی طرح نہیں کرسکتی تو اس کی زندگی ہرگز کامیاب
...ں عصمت کی نامور مضمون نگار لطفیہ بیگم (د-ا) صاحبہ کی کتاب **خانہ داری کے تجربات**
...بڑے ڈھنگی لڑکیاں بھی اگر مطالعہ کریں تو سلیقہ شعار اور سگھڑ بن جائیں گی۔ کیونکہ اس بیش بہا
...ب میں وہ مضامین ہیں جو ذاتی تجربوں کی بنا پر نہایت محنت اور بڑی قابلیت سے لکھے گئے ہیں۔
...ل اوّل میں ان ۴۴ کھانوں کے تیار کرنے کی نہایت مکمل اور نہایت صحیح ترکیبیں ہیں جو طاقت
...ں یا کسی تکلیف کے رفع کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یا بیماری سے اُٹھ کر کمزوری کی حالت میں کھانا
...یت مفید ہے۔ فصل دوم میں مفید صحت توانا و تندرست رہنے کے بیش بہا مضامین ہیں مثلاً

...ں کی احتیاط	دُودھ کی احتیاط	باسی روٹی	مرچ	دونسل کا تجربہ	رات کو سوتے وقت
...ول تربیت	اچھی غذا	آرام کی ضرورت	جسم کی صفائی	ہمارا مکان	

...صل سوم میں وہ کارآمد باتیں ہیں جن کا جاننا ہر گھر والی عورت کے لئے اشد ضروری ہے۔

...وں سے برتاؤ	بچوں کی تربیت	شادی بیاہ	مہمان جانا	صنعت و حرفت	کام کی باتیں

...انہ داری کے تجربات کا ہر مضمون جو ذاتی تجربوں کی بنا پر نہایت سلیقہ اور خوبی سے
...لکھا گیا ہے۔ ہر شریف عورت اور ہر لڑکی کو ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔ عورتوں کی زندگی میں اس کتاب
...سے ایک انقلاب پیدا ہوسکتا ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

...فیدِ نسواں

خانہ داری کے تجربوں کا دوسرا حصہ جس میں تندرستی اور
بیماری کے متعلق نہایت کارآمد مضامین ہیں مثلاً آنکھوں
...کی قدر و قیمت، نظر کی کمزوری کے اسباب اختلاج قلب۔ چیچک۔ مختلف قسم کے درد۔
...ق۔ لو لگنا۔ کھانسی۔ نزلہ زکام وغیرہ کے اسباب علاج ہدایات احتیاطیں تفصیل کے
...ساتھ لکھی گئی ہیں اس کتاب میں ایک مضمون بھی ایسا نہیں جس میں سُنی سنائی باتیں لکھی ہوں
...کسی کتاب سے نقل کیا گیا ہو بلکہ ہر چیز ذاتی تجربہ کی بنا پر لکھی گئی ہے قیمت ۸؍

...خیابانِ نسواں

حیدرآباد دکن کے مشہور ادیب مولوی نصیرالدین صاحب
ہاشمی کے وہ مضامین جو مختلف زنانہ رسائل
شائع ہو کر مقبول ہوئے دلچسپ پیرایہ میں
...خواتین کے مفید مطلب ضروری امور ... کی گئی ہے۔ چند معاشرتی اخلاقی مسائل پر قابل
...قدر خیالات ہیں۔ خواتین ہند کی ترقی کے سلسلے میں قابل مصنف نے سیاحت یورپ کے
...بعد جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ ان پر غور و فکر کیا جائے۔ ان مضامین سے
...معلومات میں نہایت دلچسپ اضافہ ہوتا ہے۔ قیمت ۱۲؍

...روحانی شادی

یہ اصلاحی ڈراما بھی ملک کے مشہور افسانہ نگار منشی
پریم چند نے خواتین کے لئے لکھا تھا۔ پلاٹ مکالمہ
کیرکٹر ہر اعتبار سے نہایت کامیاب نتیجہ خیز سبق آموز
ہے دلچسپ دلآویز ہے عبرتناک بھی ہے اور تفریحی مذاق بھی
...ہے۔ اصلاح معاشرت پر اتنے موثر بلند پایہ ڈرامے بہت کم لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۶؍

دیہاتی گیت

ہندوستان کے مشہور افسانہ نگار ڈاکٹر اعظم کریوی نے
ہندوستانی گاؤں کی سیدھی سادھی زندگی کا لطف اٹھانے
والیوں کے شادی بیاہ کے گیت۔ کولھو کے گیت المختصر
دیہاتی گیت بڑی محنت سے جمع کئے ہیں۔ جن میں جاہل
گنواروں نے انسانی جذبات اور قدرتی مناظر کے ایسے
ایسے نقشے کھینچے ہیں کہ بہت سے پڑھے لکھے شہریوں کو
مات کر دیا ہے پھر ڈاکٹر اعظم صاحب نے ہر شعر کا مطلب
نہایت ہی عام فہم زبان میں بیان کیا ہے۔ قیمت ۸؍

انشائے سلمیٰ

جناب صاحبزادہ ولی احمد خاں صاحب ایم اے ایم ایف نے
لڑکیوں کو خط و کتابت سکھانے کے لئے یہ کتاب لکھ کر زنانہ
لٹریچر میں مفید اضافہ کیا ہے۔ اس کے شروع میں اُردو
کتابت کی تاریخ بہت عالمانہ اور مفید معلومات سے پُر ہے۔ پھر
خطوط کے نمونے ایسے دئے گئے ہیں جو دلچسپ بھی ہیں اور مفید
بھی نہ صرف لڑکیوں کیلئے بلکہ لڑکوں کے واسطے بھی خط و کتابت
سیکھنے معلومات میں اضافہ کرنے اور دلچسپی سے مطالعہ کرنے
کے لئے اسمیں بہترین دلچسپیاں ہیں قیمت صرف ۶؍

دُودھ کی قیمت اور دوسرے افسانے

ہندوستان کی افسانہ نگاری کی تاریخ میں
منشی پریم چند کا نام نہایت اہم ہے منشی جی عصمت کے مخصوص
افسانہ نگار تھے اور عصمت ذرکثیر صرف کرکے ان سے شریف
بیگمات کے مذاق و مطلب کے افسانے خاص طور پر لکھواتا تھا۔ اس
مجموعہ میں منشی پریم چند کا ایک ڈراما اور ۸ افسانے ہیں جو عصمتی
بہنوں کے لئے لکھے گئے تھے عنوانات یہ ہیں (۱) کسم (۲) ریاست
کا دیوان (۳) دُودھ کی قیمت (۴) عیدگاہ (۵) سکونِ قلب (۶)
اکسیر (۷) وفا کا دیوتا (۸) دو بہنیں (۹) نادیہ نگاہ۔ اصلاح معاشرت
اصلاح اخلاق اور جذبات نگاری کے اعتبار سے یہ مجموعہ اُردو کے
بہترین افسانوں کا ہے جن میں دیہاتیوں اور شہر والوں کی زندگی
کا ہو بہو نقشہ کھینچا گیا ہے ضخامت ڈیڑھ سو صفحہ قیمت عمہ؍